من يرد الله به خيرا يفقه في الدين

ایضاح الشکوری

فی شرح

مختصر القدوری

اول ۔ دوم

مصنف علامہ الحاج مفتی محمد شبیر پورنوی

باهتمام محمد قاسم جلالی (بانی وچیئرمین ویلکم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی، پاکستان)

قاسم پبلیکیشنز

اردو بازار کراچی

0300-2134630 [illegible]


برائے ایصال ثواب:
والدین مرحومین محمد
عرفان عطاری
تعاون: محمد عرفان عطاری

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

ایضاح الشکوری
فی شرح
مختصر القدوری

جلد 1

مصنف......الامام العلامہ ابی الحسین محمد بن احمد القدوری رحمۃ اللہ علیہ

شارح...... حضرت علامہ مولانامفتی محمد شبیر پورنوی مدظلہ العالی

باهتمام...... محمد قاسم جلالی

(بانی وچیئرمین ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، کراچی، پاکستان)

ناشر

قاسم پبلیکیشنز

اردو بازار کراچی

092-0300-2196801☆0300-2134630

نام کتاب ☆☆☆ ایضاح الشکوری فی شرح مختصر القدوری (2 جلد)

مصنف ☆☆☆ الامام العلامہ ابی الحسین محمد بن احمد القدوری رحمۃ اللہ علیہ

شارح ☆☆☆ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شبیر پورنوی مدظلہ العالی

باہتمام ☆☆☆ محمد قاسم جلالی (بانی وچیئرمین ویلکم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، کراچی، پاکستان)

زیر نگرانی ☆☆☆ حافظ محمد جمیل قادری، محمد نواز ہزاروی، محمد دانش رضا قادری

سن اشاعت ☆☆☆ ذوالقعدہ 1426ھ بمطابق دسمبر 2005ء

صفحات ☆☆☆ جلد اول 392

جلد دوم 366

تعداد ☆☆☆ 1100

قیمت ☆☆☆

ناشر

قاسم پبلیکیشنز

اردو بازار کراچی

092-0300-2196801☆0300-2134630

ابتدائیہ

الحمد للہ ولا قوۃ الا باللہ العظیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ والائمۃ المجتہدین وعلمائہ المتورعین۔
علم منطق وعلم نحو میں داخل درس کتابوں کی شرح سے جب فارغ ہو چکے تو لوگوں کی خواہش ہوئی کہ علم فقہ کی ابتدائی مشہور کتاب مختصر القدوری کی بھی اردو زبان میں ایک ایسی آسان شرح وترجمہ کر دی جائے کہ اس فن کے مبتدی طلبہ کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔ پس اس ضرورت کو پوری کرنے کے لئے زیر نظر کتاب لکھی گئی تاکہ کند ذہن وکم فہم طلبہ کے ذہن میں بھی مسائل بآسانی اتر جائیں۔ اسی بناء پر ہر عبارت کو اعراب سے مزین کیا گیا ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم کیا گیا ہے اور شرح میں عبارت کو واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور سوالات پیدا کر کے کتاب کو طول نہیں دیا گیا بلکہ ضروری مسائل کو بیان کر کے اصل مقصد کو واضح کیا گیا ہے۔
رب تعالیٰ سے استدعا ہے کہ اس شرح وترجمہ کو بھی متن کی طرح قبولیت عامہ عطا فرمائے اور میرے اور میرے والدین واساتذۂ کرام بلکہ تمام مصنفین ومولفین کے لئے بھی معافی سیئات وحسن خاتمہ کا باعث بنائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

احقر محمد شبیر پورنوی

انتساب

دو شخصوں کے نام

یعنی

سید السادات منبع البرکات قطب العرفاء والعشاق سیدنا و مرشدنا حضور علامہ الحاج سید شاہ محمد عبد الشکور سیوانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

و

محبوب الاولیاء وصوفی باصفا سیدنا وابونا حضرت منشی محمد عبد الشکور پورنوی نور مرقدہ اللہ الباری کے نام موسوم کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

شبیر پورنوی

علم فقہ کی تعریف فقہ لغت میں کسی چیز کا جاننا اور سمجھنا ہے اور اصطلاح شرع میں فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہا جاتا ہے جو احکام کی ادلہ تفصیلیہ سے حاصل ہو۔ احکام فرعیہ وہ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہو اور احکام اصلیہ وہ ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہو اور احکام کی ادلہ تفصیلیہ وہ قرآن کریم اور حدیث رسول اور اجماع امت اور قیاس ہیں۔

علم فقہ کی غرض علم فقہ کا مقصد احکام شرعیہ کے موافق عمل کرنے کی قوت و ملکہ پیدا کرنا یا سعادت دارین کی ظفریابی ہے کہ اس کا جاننے والا خود بھی دنیا کے اندر جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر علم کی روشنی سے منور ہوتا ہے اور خلق خدا کو تعلیم دیکر بلند مقام حاصل کرتا ہے۔

علم فقہ کے موضوع افعال مکلفین ہیں کہ جن کے احوال سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے مثلاً اس کا صحیح یا فاسد ہونا یا حلال یا حرام ہونا وغیرہ وغیرہ۔ مکلفین سے مراد عاقل و بالغ انسان ہیں۔ پس مجنون و نابالغ کے افعال علم فقہ کے موضوع سے خارج ہیں اس لئے کہ علم فقہ میں ان کے احکام سے مکلف ہونے کی حیثیت سے بحث نہیں کی جاتی!

علم فقہ کا ماخذ کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس ہیں۔ کتاب اللہ سے مراد کلام الٰہی یعنی قرآن کریم ہے اور سنت سے مراد سرکار مدینہ کے اقوال و افعال اور ان کی تقریرات ہیں۔ اور اجماع سے مراد اجماع صحابہ ہے اور قیاس سے مراد وہ ہے جو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے مستنبط ہو۔

علم فقہ کا موجد علوم اسلامیہ کی تعلیم کا آغاز اگرچہ شروع اسلام ہی سے ہو چکا تھا اور عقائد و تفسیر و حدیث و فقہ کی تعلیم نزول وحی کے دور ہی سے شروع ہو چکی تھی مگر وہ علوم چونکہ ایک خاص ترتیب و انداز کے ساتھ مدون نہ تھے اور نہ ان کو فن کی حیثیت حاصل تھی اس لئے وہ کسی خاص شخص کی جانب منسوب نہ ہو سکے جب کہ دوسری صدی ہجری میں تدوین و ترتیب کا آغاز ہوا تو جن لوگوں نے ان کو نئے انداز فکر کے ساتھ ترتیب دی وہ ان کے بانی و مدون کہلائے۔ اس اعتبار سے امام اعظم ابوحنیفہ کو فقہ کا بانی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے صحابہ و تابعین کے بلاد اسلامیہ میں منتشر ہونے کی وجہ سے علم شریعت کو منتشر پایا اور متاخرین کے سوء حفظ کا خیال رکھتے ہوئے تدوین شریعت کی ضرورت محسوس کی چنانچہ انہوں نے اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس کو تدوین فقہ کیلئے منتخب فرمایا جو اپنے وقت کے بڑے مجتہد اور شیخ الشیوخ شمار ہوتے تھے۔

متقدمین و متاخرین متقدمین وہ ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا دور پاکر ان سے فیض حاصل کیا ہو اور جنہوں نے ان سے نہیں بلکہ ان کے بعد والوں سے فیض حاصل کیا ہو ان کو متاخرین

کہاجاتا ہے۔ بعض کے نزدیک امام محمد تک کے علماء کو متقدمین اور ان کے بعد سے حافظ الدین بخاری تک کے علماء کو متاخرین کہا جاتا ہے

سلف و خلف فقہاء کی اصطلاح میں امام ابو حنیفہ سے امام محمد تک سلف اور امام محمد سے شمس الائمہ حلوائی تک خلف کہا جاتا ہے۔

تعبیرات ائمہ ائمہ اربعہ سے مراد مذاہب اربعہ کے بانی ہیں یعنی امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ہیں اور ائمہ ثلاثہ سے مراد امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں اور شیخین سے مراد امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف ہیں کیونکہ دونوں امام محمد کے استاذ و شیخ ہیں۔ اور طرفین سے مراد امام ابو حنیفہ اور امام محمد ہیں اور صاحبین سے مراد امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں۔

مصنف مختصر القدوری

نام اُن کا احمد ہے اور کنیت ابو الحسین اور نسبت قدوری اور والد کا نام محمد ہے۔ تاریخ پیدائش ۳۶۲ھ اور جائے پیدائش شہر بغداد ہے۔ قدوری کہے جانے کی وجہ یہ کہ وہ صنعت قدور یعنی دیگ سازی میں ماہر تھے یا وہ اس کی تجارت کرتے تھے یا اس وجہ سے کہ قدورا اس گاؤں کا نام ہے جس کے امام موصوف باشندہ تھے۔

تحصیل علم آپ نے علم فقہ اور علم حدیث رکن الاسلام ابو عبد اللہ محمد بن یحیٰی بن مہدی جرجانی متوفی ۳۹۸ھ سے حاصل کیا جو امام ابو بکر احمد جصاص کے شاگرد ہیں اور ابو بکر جصاص شیخ ابو الحسن عبید اللہ کرخی کے تلمیذ رشید ہیں اور امام کرخی شیخ ابو سعید بردعی کے فیض یافتہ ہیں اور ابو سعید بردعی علامہ موسیٰ رازی کے فیض یافتہ ہیں اور علامہ موسیٰ رازی امام محمد کے علم پروردہ اور مایہ ناز فرزند ہیں گویا امام قدوری پانچ واسطوں سے امام محمد سے علم فقہ حاصل کیا اور حدیث کی روایت محمد بن علی سوید اور عبید اللہ بن محمد جوشنی سے کرتے ہیں۔ اور آپ کے شاگرد احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی اور قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن محمود امغانی اور قاضی مفضل بن مسعود بن محمد بن یحیٰی وغیرہ ہیں۔

تصانیف آپ کی تصنیفات میں یہ کتابیں ہیں (۱) تجرید۔ یہ سات جلدوں میں ہے جس میں اصحاب حنفیہ و شافعیہ کے مسائل مختلفہ پر محققانہ بحث ہے (۲) مسائل الخلاف۔ اس میں علل و ادلہ سے تعرض کئے بغیر صرف آپ کے اور آپ کے اصحاب کے مابین فروعی اختلاف کا ذکر ہے۔ (۳) کتاب التقریب۔ اس میں مسائل کو مع ادلہ ذکر کیا ہے (۴) شرح مختصر الکرخی (۵) شرح ادب القاضی (۶) مختصر القدوری۔

تاریخ وفات آپ شہر بغداد میں ۶۶ برس عمر پاکر اتوار کے دن ۵ رجب المرجب ۴۲۸ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور اسی دن درب ابی خلف میں مدفون ہوئے اس کے بعد آپکی لاش کو شارع منصور کی طرف منتقل کرکے ابوبکر خوارزمی حنفی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مادۂ تاریخ لامع النور نکلتا ہے۔

مختصر القدوری

چار متون فقہاء کے نزدیک معتبر مانے جاتے ہیں (۱) وقایہ (۲) کنز الدقائق (۳) مجمع البحرین (۴) مختار بعض لوگوں نے مختار کے بجائے مختصر القدوری کو متون اربعہ میں شمار کیا ہے۔ مختصر القدوری میں ۶۱ کتب اور ۶۲ ابواب ہیں جس میں دوسری کتابوں سے تقریباً بارہ ہزار مسائل منتخب ہیں اور عہد تصنیف سے آج تک اس کی تعلیم جاری ہے۔

شروح وحواشی اس کے حواشی و شروح ابتک ۲۶ شمار میں آئے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) خلاصۃ الدلائل فی تنقیح المسائل۔ از امام حسام الدین علی بن احمد مکی متوفی ۵۹۸ھ (۲) المجتبیٰ۔ از نجم الدین مختار بن محمود بن محمد زاہدی معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع متوفی ۶۵۸ھ تین جلدوں میں۔ (۳) السراج الوہاج الموضح لکل طالب محتاج۔ تین جلدوں میں (۴) الجوہرۃ النیرۃ۔ دو جلدوں میں۔ یہ دونوں شیخ ابوبکر بن علی حدادی متوفی ۸۰۰ھ کی تصنیف ہے (۵) شرح قدوری۔ از محمد شاہ بن الحاج حسن رومی متوفی ۹۳۹ھ (۶) جامع المضمرات۔ از یوسف بن عمر یوسف الصوفی الکادوری (۷) تصحیح القدوری۔ از علامہ زین الدین بن قاسم بن قطلوبغا متوفی ۸۷۹ھ (۸) شرح قدوری۔ از امام احمد بن محمد معروف بابن نصر الاقطع متوفی ۴۷۴ھ دو جلدوں میں (۹) البحر الزاخر از شیخ احمد بن محمد بن اقبال (۱۰) النوری شرح القدوری۔ از محمد بن ابراہیم رازی متوفی ۶۱۵ھ (۱۱) ملتمس الاخوان۔ از ابوالمعالی عبد الرب بن منصور غزنوی متوفی ۵۰۰ھ (۱۲) الکفایہ۔ از اسماعیل بن الحسین البیہقی (۱۳) البیان از محمد بن رسول الموقانی (۱۴) التقریر۔ از محمود بن احمد قونوی متوفی ۷۷۰ھ چار جلدوں میں (۱۵) اللباب۔ از جلال الدین ابو سعد مطہر بن الحسن بن سعد بن علی بن بندار یزدی۔ دو جلدوں میں (۱۶) زاد الفقہاء۔ از ابو المعالی بہاء الدین (۱۷) الینابیع فی معرفۃ الاصول والتفاریع۔ از بدر الدین محمد بن عبد اللہ شبلی طرابلسی متوفی ۷۶۹ھ (۱۸) شرح القدوری۔ از شہاب الدین احمد سمرقندی (۱۹) شرح القدوری۔ از رکن الائمہ عبد الکریم بن محمد بن علی الصیاغی (۲۰) شرح القدوری۔ از ابو اسحاق ابراہیم بن عبد الکریم ابن ابی الغارات متوفی ۶۲۸ھ نا تمام ہے (۲۱) شرح القدوری۔ از ابو اسحاق ابراہیم بن عبد الرزاق بن ابی بکر بن رزق اللہ بن خلف الرسغی مشہور بابن

المحدث متوفی ۶۹۵ھ یہ بھی ناتمام ہے (۲۲) شرح القدوری۔ از امام ابو العباس محمد بن احمد المحبوبی (۲۳) تنقیح الضروری حاشیہ قدوری۔ از مولف نظام الدین کیرانوی (۲۴) حاشیہ قدوری۔ از شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی متوفی ۱۳۷۴ھ (۲۵) المعتصر الضروری حاشیہ مختصر القدوری، (۲۶) اشراق نوری ترجمہ اردو مختصر القدوری

فہرست مضامین ایضاح الشکوری فی شرح مختصر القدوری، جلد اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: ـــــ اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

تشریح: ـــــ قولہ بسم اللہ۔ اللہ ربُّ محمدٍ صلیّٰ علیہ وسلماً۔ نحن عبادُ محمدٍ صلیّٰ علیہ وسلماً تسمیہ وتحمید کا ذکر قرآن کی اتباع کے علاوہ حدیث رسول علیہ التحیۃ والثناء پر عمل بھی ہے جو سیدنا ابوھریرہ نے سرکار مدینہ سے روایت کی ہے کہ کلُّ امرٍ ذی بالٍ لم یبدأ ببسم اللہ اولم یبدأ بحمد اللہ فھو اقطع یعنی جس امر مہتم بالشان کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا الحمد للہ سے نہ کی جائے وہ بے برکت ونامکمل ہے۔ مزید تفصیل مرسات شرح مرقات اور التشریح المنیب بحل شرح التہذیب اور نوادر النعیمی بحل شرح ملا جامی میں درج ہے ان شئتہ فترجع الیھا۔

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین

ترجمہ: ـــــ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہان کا اور آخرت کی بھلائی ہے ڈرنے والوں کے لئے۔

تشریح: ـــــ قولہ الحمد للہ۔ حمد کہتے ہیں اختیاری خوبیوں کو زبان سے بیان کرنے کو خواہ وہ نعمت کے عوض ہو یا نعمت کے عوض نہ ہو۔ اور رب العالمین میں ربّ مصدر ہے جو لغت میں بمعنی تربیت و پرورش کرنا ہے اور اصطلاح میں کسی چیز کو کمال تک پہونچانے کے لئے تدریج پرورش کرنا ہے اور عالمین جمع ہے عالم کی اور عالَم بفتح لام مشتق ہے علامت سے جو خدا کے ماسوا کو کہا جاتا ہے۔

قولہ والعاقبۃ للمتقین۔ العاقبۃ اصل میں خیرُ العاقبۃ یا حُسنُ العاقبۃ ہے جو مبتدا واقع ہے اور للمتقین جار ومجرور سے مل کر خبر ہے۔ اس کی تفصیل مختار النحو فی شرح ہدایۃ النحو میں درج ہے ان شئتہ فترجع الیہ۔

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمدٍ وآلہ واصحابہ اجمعین

ترجمہ: ـــــ اور صلوٰۃ وسلام کا نزول اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل اور تمام اصحاب پر۔

تشریح: ـــــ قولہ والصلوٰۃ۔ صلوٰۃ کے بعد سلام کو کیوں بیان کیا گیا؟ اس کا تفصیلی بیان التشریح المنیب

میں درج ہے اسی طرح دوسری عبارتوں یعنی علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین کی توضیح مختار النحو او رمرسات شرح مرقات وغیرہ میں درج ہے۔

قَالَ[1] الشَّیخُ الاِمَامُ[2] الاَجَلُّ الزَّاھِدُ اَبُو الحَسَن[3] بن احمد بن محمد بن جعفر البغدادی المعروف بالقدوری

ترجمہ: ــــــ فرمایا شیخ نے جو امام بزرگ تر عبادت گذار ابوالحسن بن احمد بن جعفر بغدادی ہیں جو مشہور ہیں قدوری سے

تشریح: ــــــ قولہ[1] قال الشیخ۔ شیخ مصدر ہے باب ضرب یضرب کا اور شیخا شیوخۃ شیوخیۃ لغت میں بمعنی بوڑھا ہونا ہے اور اصطلاح میں وہ عمر رسیدہ انسان ہے جو پچاس یا اکاون سال سے اسی سال یا آخر عمر تک ہو قال اللہ تعالیٰ ان لہ ابا شیخا کبیرا۔

شیخ کا اطلاق استاد۔ عالم۔ سردار قوم۔ ماہر فن اور ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے نزدیک علم و فضیلت اور مرتبہ کے لحاظ سے بڑا ہو اگرچہ عمر میں وہ چھوٹا ہو۔ یہ عبارت بالقدوری تک چونکہ مصنف علیہ الرحمہ کے کسی شاگرد کی ہے اس لئے انہوں نے شیخ لکھا۔

خیال رہے کہ شیخ اگر مطلق بولا جائے تو حکماء فلاسفہ کے نزدیک اس سے مراد بوعلی بن سینا ہے اور اہل معانی کے نزدیک عبدالقاہر جرجانی ہے اور اگر شیخین بولا جائے تو اہل سیر کے نزدیک سیدنا ابوبکر و عمر مراد ہیں اور محدثین کے نزدیک سیدنا امام بخاری و امام مسلم ہیں۔ اور فقہاء کے نزدیک سیدنا امام اعظم اور سیدنا امام ابویوسف ہیں۔

قولہ[2] الامام الاجل۔ امام آلہ ہے بمعنی من یوتم بہ یعنی وہ ہے جس کی اقتدا کی جائے بمعنی مقتدا جس طرح ازار بمعنی ما یوتزر بہ ہے اور لباس بمعنی ما یلبس بہ۔ امام مشتق ہے باب نصر ینصر سے ام اما امامۃ سے بمعنی امام بننا اور ائتم بہ بمعنی افعال و احوال میں دوسرے کی اقتدا کرنا۔ اور امام جب مطلق بولا جائے تو مناطقہ کے نزدیک امام فخرالدین رازی مراد ہیں اور فقہاء احناف کے نزدیک سیدنا ابوحنیفہ امام اعظم ہیں۔

اجل اسم تفضیل ہے جو ماخوذ ہے جل یجل جلالۃ باب ضرب یضرب سے جو بمعنی بڑا مرتبہ والا ہونا ہے اجل بمعنی جو بزرگ تر ہوا۔

قولہ[3] ابوالحسن۔ اکثر نسخوں میں ابوالحسن ہی درج ہے لیکن تاریخ ابن خلکان اور مدینۃ العلوم وغیرہ میں لکھا ہے کہ صحیح ابوالحسین ہے بہر دو تقدیر وہ عطف بیان ہے الشیخ الامام الاجل کا۔ بغدادی صفت ہے ابوالحسن کی نہ کہ جعفر کی اور المعروف بالقدوری سے مراد ابوالحسن ہیں کیونکہ قدوری سے مشہور ابوالحسن ہیں۔ قدوری

قاف و دال کے ضم اور واؤ کے سکون کیساتھ منسوب ہے قدر کی طرف جو قدر بمعنی ہانڈی کی جمع ہے۔ وہ چونکہ دیگ سازی یا اس کے خرید و فروخت کا کام کیا کرتے تھے یا وہ غالباً قدرنامی گاؤں کے باشندہ تھے اسلئے ان کو قدوری کہا جاتا تھا۔

کتاب[1] الطہارۃ[2]

ترجمہ: ــــــ پاکی کے مسائل کا بیان۔

تشریح: ــــــ قولہ[1] کتاب۔ ترکیب میں وہ خبر ہے مبتدا کی یا مبتدا ہے خبر محذوف کا یا مفعول ہے فعل محذوف کا یعنی ہذا کتاب الطہارۃ او کتاب الطہارۃ ہذا او اقرأ کتاب الطہارۃ۔ کتاب مصدر ہے جو لغت میں بمعنی جمع وضم ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کتبت الشئ ای جمعتہ یا کتاب بروزن فعال بمعنی مفعول ہے جیسے لباس بمعنی ملبوس ہے پھر د تقدیر بمعنی مجموع ہے اور اصطلاح میں کتاب مسائل کے اس مجموعہ کو کہا جاتا ہے جس کو مستقل مانا گیا ہے۔

قولہ[2] الطہارۃ۔ طہارۃ بھی مصدر ہے جو لغت میں بمعنی نظافت و پاکیزگی ہے اس کا برعکس دنس ہے اور اصطلاح شرع میں وہ نام ہے مخصوص اعضاء کے دھونے کا اس کا برعکس حدث ہے۔ یہ طہارۃ بفتح طا ہے لیکن جو طہارۃ بضم طا ہے وہ حصول طہارۃ کے بعد باقی ماندہ پانی کو کہا جاتا ہے اور طہارۃ بکسر آلۂ طہارۃ کو کہا جاتا ہے۔

طہارت کی دو قسمیں ہیں حقیقیہ اور حکمیہ۔ حقیقیہ وہ طہارت ہے جو پانی سے ہو اور حکمیہ وہ طہارت ہے جو تیمم سے ہو اور وہ طہارت جو پانی سے ہو اس کی دو قسمیں ہیں خفیفہ اور غلیظہ۔ خفیفہ جیسے وضو اور غلیظہ جیسے غسل جو جنابت اور حیض و نفاس سے ہو۔

وضو کو پہلے بیان کیا گیا پھر غسل کو اس کی وجہ یہ کہ وضو کی ضرورت بہ نسبت غسل کے زیادہ پیش آتی ہے۔

قال[1] اللّٰہ تعالیٰ یا ایہا[2] الذین آمنوا اذا قمتم[3] الی الصلوٰۃ[4] فاغسلوا[5] وجوہکم[6] وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم[7] الی الکعبین

ترجمہ: ــــــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے مونھ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کی مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

تشریح: ــــــ قولہ[1] قال اللہ۔ بحث کو کلام باری تعالیٰ سے اس لئے آغاز کیا گیا کہ اس سے تیمن و تبرک

حاصل ہو اور اس لئے بھی کہ اس سے فرضیت وضو پر استدلال حاصل ہو کہ دلیل رتبۃً دعویٰ پر مقدم ہوتی ہے۔

قولہ[۲] یاایہا الذین۔ یہ آیت کریمہ چند امور پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک دو دو امر کو شامل ہے (۱) طہارتین یعنی وضو و غسل (۲) مطہرین یعنی پانی و مٹی (۳) حکمین یعنی غسل و مسح (۴) موجبین یعنی حدث و جنابت (۵) مبیحین یعنی مرض و سفر۔

قولہ[۳] اذا۔ شرط کے لئے اگرچہ اذا بھی آتا ہے اور اِنْ بھی لیکن شرط کا وقوع اگر یقینی ہو تو اذا کا استعمال کیا جاتا ہے اور اگر یقینی نہ ہو تو اِنْ کا استعمال کیا جاتا ہے اور یہاں نماز چونکہ امور لازمہ و ثابتہ اور غالب الوجود سے ہے اس لئے اذا کا استعمال کیا گیا ہے اور جنابت چونکہ امور عارضہ اور قلیل الوجود سے ہے اس لئے ان کنتم جنباً فاطہروا میں اِنْ کو استعمال کیا گیا ہے۔

قولہ[۴] قمتم الی الصلوٰۃ۔ وضو، فرض نماز کی طرف قیام کے وقت نہیں بلکہ اس وقت ہے جب کہ نماز کا ارادہ ہو اسی وجہ سے شارحین نے قمتم کو بمعنی اردتم بیان کیا لیکن اردتم بیان نہ کرکے قمتم بیان کیا گیا اس کی وجہ یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ارادہ سے یہاں مطلق ارادہ مراد نہیں بلکہ وہ ہے جو قیام کو لازم کرے اور وہ اس وقت ہے جب کہ محدث و بے وضو ہو اس وجہ سے اس کے بعد وانتم محدثون جملہ محذوف مانا گیا ہے کہ جب ارادۂ نماز ہو اور محدث ہو تو وضو لازم و ضروری ہو جاتا ہے۔

قولہ[۵] فاغسلوا۔ وہ امر حاضر جمع کا صیغہ ہے جو ماخوذ ہے غَسل بفتح غین سے جو لغت میں کسی چیز پر پانی بہا کر میل و کچیل دور کرنے کو کہا جاتا ہے اور غُسل بضم غین تمام بدن کے دھونے کو کہا جاتا ہے اور اس پانی کو بھی جس سے غسل کیا جائے اور غِسل بکسر غین خطمی وغیرہ کو کہا جاتا ہے جس سے سر دھویا جاتا ہے اور شریعت میں غسل اسالت یعنی مطلق پانی بہانے کو کہا جاتا ہے اگرچہ ایک قطرہ ہی ٹپکے۔

قولہ[۶] وجوہکم۔ وجوہ جمع ہے وجہ بمعنی چہرہ کی اور اس کی حد۔ لمبائی میں پیشانی کے بال کی جڑ کے نیچے سے ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور چوڑائی میں ایک کان کے لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے اس وجہ سے جو سفیدی رخسار اور کانوں کے درمیان ہے سیدنا امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کا دھونا واجب و ضروری ہے۔ اس پر معطوف ہے ایدیکم۔ ایدی جمع ہے ید کی جو بمعنی ہاتھ ہے اور الی المرافق میں مرافق جمع ہے مرفق بمعنی کہنی کی وہ بکسر میم اور فتح فا ہے اس کا برعکس مَفصِل ہے جو بفتح میم و کسر صاد ہے۔

قولہ[۷] وامسحوا برؤسکم۔ امسحوا بھی امر حاضر جمع کا صیغہ ہے جو ماخوذ ہے مسح سے۔ مسح لغت میں امرار الید علی الشئ یعنی ہاتھ کو شئ پر گذارنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اصابۃ الید المبتلۃ علی العضو یعنی

تر ہاتھ کو کسی عضو پر چلانے کو کہا جاتا ہے ۔ رؤس جمع ہے راس کی جو بمعنی سر ہے ۔

قولہ ۵ ارجلکم ۔ ارجل جمع ہے رجل کی جو بمعنی پاؤں ہے ۔ کعبین تثنیہ ہے کعب کا جو بمعنی اُبھری ہوئی ہڈی ہے یعنی ٹخنہ اسی سے کاعب آیا ہے جو بمعنی نوخیز و اُبھری ہوئی پستان والی لڑکی ۔ ارجلکم نصب کے ساتھ معطوف ہے وجوھکم پر تقدیر عبارت یہ ہے فاغسلوا وجوھکم وایدیکم وارجلکم پس معنی یہ ہوا کہ آپ لوگ اپنے چہروں اور ہاتھوں اور پیروں کو دھو ڈالیں ۔ رافضیوں نے ارجلکم کو کسرہ کے ساتھ مجاورت یعنی رؤسکم کے کسرہ کے قریب ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے لہٰذا ان کے نزدیک سر کے علاوہ پیروں پر بھی مسح کرنا ہوگا رؤس پر عطف کر کے کسرہ کی قرآت کو وہ اپنی حجت پیش کرتے ہیں احناف کا جواب یہ ہے کہ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ کسرہ محض مجاورت و قربت کی بنا پر ہے شئ کے لحاظ سے نہیں جبکہ سیدنا امام باقر نے سیدنا امام زین العابدین سے اور وہ سیدنا حسن بن علی سے اور وہ سیدنا مولیٰ علی سے راوی ہیں کہ آپ نے وضو فرمایا اور دونوں پیر دھوئے پھر فرمایا کہ میں تمہیں یہ دیکھانا چاہتا ہوں کہ رسول گرامی علیہ التحیۃ والثناء کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے اُن کا طریقہ یہی تھا جو ہم نے کیا ہے دوسری روایت حارث کی سیدنا مولیٰ علی سے جب کہ رسول ہاشمی نے فرمایا کہ تم لوگ دونوں پیروں کو دھو ڈالا کرو جیسا کہ تمہیں حکم ہے ۔

فَفَرْضُ[۱] الطَّهَارَةِ عَلَى الْأَعْضَاءِ الثَّلٰثَةِ وَمَسْحُ[۲] الرَّأْسِ

ترجمہ: ـــــ پس طہارت یعنی وضو کا فرض تینوں اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ ۱ ففرض ۔ فرض لغت میں قطع و تقدیر ہے قال اللہ تعالیٰ سورۃ انزلنٰھا وفرضنٰھا ای قدّرناھا وقطعنا الاحکام فیھا قطعاً اور شرع میں اس حکم مقدر کو کہا جاتا ہے جو زیادت و نقصان کا احتمال نہ رکھے اور دلیل قطعی مثلاً کتاب و خبر متواتر سے ثابت ہو یہاں تک کہ اس کا منکر کافر ہو چنانچہ کہا جاتا ہے فرض القاضی النفقۃ ای قدّرھا

اس پر فا برائے تفریع ہے پس آیت مذکورہ سے یہ امر متفرع ہے کہ وضو کے لئے چار چیزیں فرض ہیں ۔ تینوں اعضا کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ۔ تینوں اعضاء میں سے ایک چہرہ کا اور دوسرا دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت اور تیسرا دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت ایک مرتبہ دھونا ۔ سوال تینوں اعضاء سے مراد جبکہ چہرہ اور دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ہیں تو وہ درحقیقت پانچ ہوئے نہ کہ تین جواب ان کو تین اس لئے کہا گیا ہے کہ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں حکم میں بمنزلہ عضو واحد ہے اس لئے کہ جب متعدد چیزیں خطاب واحد کے تحت داخل ہوں تو وہ شئ واحد کے حکم میں ہو جاتی ہیں ۔

قولہ مسح الراس ۔ اس کو یہاں موخر کیا گیا جبکہ وہ آیت میں بیچ میں واقع ہے اس کی وجہ یہ کہ وہ ممسوح ہے اور تینوں اعضاء مغسول اور وہ چونکہ مغسول ہونے میں متفق ہیں اس لئے تینوں کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا اور مسح راس کو موخر کر دیا گیا ۔

والمرفقان والکعبان یدخلان فی فرض الغسل عند علمائنا الثلاثۃ خلافاً لزفر

ترجمہ: ـــــ اور دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے فرض غسل میں داخل ہیں ہمارے علماء ثلاثہ کے نزدیک برخلاف امام زفر کے ۔

تشریح: ـــــ قولہ والمرفقان ۔ آیت مذکورہ میں ایدیکم الی المرافق وارجلکم الی الکعبین کے اندر مرافق وکعبین مذکور ہیں وہ دونوں حکم غسل میں داخل ہیں یا نہیں، ائمہ ثلاثہ یعنی سیدنا امام ابوحنیفہ اور صاحبین یعنی سیدنا امام ابویوسف اور امام محمد تینوں کے نزدیک حکم غسل یعنی ہاتھ پاؤں کے دھونے میں کہنیاں اور ٹخنے داخل ہیں البتہ سیدنا امام زفر اس کے خلاف ہیں وہ ان دونوں کو خارج مانتے ہیں ۔ دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ جب کسی چیز کی انتہاء بیان کی جائے تو اس میں خود انتہاء داخل نہیں ہوتی چنانچہ قول باری تعالیٰ ثم اتموا الصیام الی اللیل میں روزوں کو رات تک تمام کرو یہاں غایت یعنی رات مغیا یعنی روزہ سے بالاتفاق خارج ہے لہذا مذکورہ آیت میں بھی کہنیاں اور ٹخنے ہاتھ پاؤں کے دھونے میں داخل نہ ہوں گے ۔ ائمہ ثلاثہ دونوں آیت کے متعلق یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ ہاتھ پاؤں کا اطلاق اعضاء پر ہوتا ہے اگر یہ حد نہ بیان کی جاتی تو بظاہر تمام اعضاء داخل ہو جاتے پس یہاں الیٰ اسقاط غایت کے لئے نہیں بلکہ اسقاط ماوراء غایت کے لئے آیا ہے یعنی کہنیاں اور ٹخنے حکم غسل میں داخل ہیں اور ان سے باہر کا حصہ خارج ہے برخلاف روزہ کہ اس کا اطلاق کھانے پینے، جماع سے ایک گھڑی رکنے پر بھی ہوتا ہے اس لئے یہاں الیٰ مد حکم کے لئے آیا ہے اسقاط حکم کے لئے نہیں یعنی روزہ کا حکم صبح سے کھینچ کر شام تک آیا ہے اور رات کو اس حکم سے خارج کرتا ہے ۔

والمفروض فی مسح الراس مقدار الناصیۃ وھو ربع الراس لما روی المغیرۃ بن شعبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی سباطۃ قوم فبال وتوضا ومسح علی الناصیۃ وخفیہ ۔

ترجمہ: ـــــ اور فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ سر کا چوتھائی حصہ ہے کیونکہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوم کے کوڑاخانہ پر تشریف لائے پس آپ نے بول شریف فرمایا اور وضو کیے اور مقدار ناصیہ اور اپنے دونوں موزوں پر مسح فرمایا ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] والمفروض ۔ یعنی سر کی مسح کے سلسلے میں پیشانی کی مقدار مسح فرض ہے اور یہی مقدار چوتھائی سر کی ہے اس لئے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے روایت کی ہے کہ رسول ہاشمی علیہ التحیۃ والثناء ایک دن کوڑاخانہ پر تشریف لائے اور آپ نے بول شریف فرماکر استنجا کیا اور اس کے بعد آپ نے جو وضو فرمایا تو پیشانی کی مقدار مسح فرمائی اس حدیث کو مسلم وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ وطحاوی ودارقطنی وبیہقی وطبرانی وغیرہ نے روایت کی ۔ یہ حدیث سیدنا امام شافعی کے خلاف حجت ہے جو کم سے کم تین بالوں کی مسح کو کافی سمجھتے ہیں اور امام مالک؁ کے خلاف بھی حجت ہے جو تمام سر کے مسح کو فرض قرار دیتے ہیں ۔

خیال رہے کہ یہ حدیث اگرچہ خبر احاد میں سے ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی قطعاً جائز نہیں ہوتی لیکن چونکہ کتاب اللہ مجمل ہے اس لئے اس کی تفصیل حدیث مذکور سے کی گئی ہے ۔

قولہ[۲] لما روی المغیرۃ ۔ اس حدیث سے چھ امور مستفاد ہوتے ہیں (۱) غیر کی مملوکہ زمین اگر خراب اور ناقابل استعمال ہو تو اس میں مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہو سکتا ہے ۔ (۲) ایسی جگہوں پر پیشاب تو کیا جا سکتا ہے لیکن پاخانہ نہیں اس لئے کہ پیشاب زمین میں جذب ہو جاتا ہے پاخانہ نہیں (۳) پیشاب ناقض وضو ہے (۴) پیشاب کے بعد وضو کرنا مستحب ہے (۵) مسح راس میں مقدار ناصیہ مسح کرنا ضروری ہے (۶) موزوں پر مسح کرنا جائز ہے ۔

سُنَنُ[۱] الطَّهَارَةِ غَسْلُ[۲] الْيَدَيْنِ ثَلَاثًا قَبْلَ إِدْخَالِهِمَا الْإِنَاءَ إِذَا اسْتَيْقَظَ الْمُتَوَضِّئُ[۳] مِنْ نَوْمِهِ وَتَسْمِيَةُ[۴] اللّٰهِ تَعَالٰى فِي ابْتِدَاءِ الْوُضُوْءِ وَالسِّوَاكُ[۵]

ترجمہ: ـــــ اور وضو کی سنتیں دونوں ہاتھوں کو تین بار دھونا ہے ان دونوں کے برتن میں ڈالنے سے پہلے جب وضو کرنے والا نیند سے بیدار ہو اور بسم اللہ پڑھنا وضو کے شروع میں اور مسواک کرنا ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] سنن الطھارۃ ۔ سُنَن جمع ہے سنۃ کی جو لغت میں مطلق طریقہ کو کہا جاتا ہے خواہ پسندیدہ ہو یا غیر پسندیدہ چنانچہ ارشاد گرامی علیہ التحیۃ والثناء ہے مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً کَانَ لَہٗ ثَوَابُھَا وَمَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ علیہ وزرھا اور اصطلاح شرع میں سنت اس طریقہ کو کہا جاتا ہے جس پر سرکار مدینہ نے بطور عبادت مواظبت کی ہو اور گاہے گاہے ترک بھی ۔ سنت کو بصیغہ جمع بیان کیا گیا جبکہ فرض کو بصیغۂ واحد بیان کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ کہ ارکان وضو کی دلیل صرف ایک ہے یعنی آیت وضو اور سنتوں کی دلیل جداگانہ احادیث ہیں دوسری وجہ یہ کہ ہر سنت کا حکم یعنی ثمرہ و ثواب

کبھی جداگانہ ہے بایں طور کہ اگر ایک سنت ادا کی اور دوسری ترک کر دی تو جس سنت کو ادا کیا گیا اس کا ثواب ملے گا برخلاف ارکان وضو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کر دی تو کچھ بھی ثواب نہ ملے گا بلکہ عمل ہی نادرست ہو جائے گا۔

قولہ[۲] غسل الیدین۔ وضو میں متعدد سنتیں ہیں (۱) ابتداءِ وضو میں دونوں ہاتھوں یعنی دونوں پہنچوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے تین بار دھونا چونکہ ہاتھ آلۂ طہارت ہے اس لئے ابتدا اس کی پاکی سے ہونی چاہیئے چنانچہ ارشاد نبی علیہ التحیۃ والثناء ہے اذا استیقظ احدکم من منامہ فلیغسل یدیہ قبل ان یدخلھما الاناء فی وضوئہ فان احدکم لایدری این باتت یدہٗ یعنی جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو چاہیئے کہ اپنے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے دھولے وضو کے پانی سے اس لئے کہ کوئی نہیں جانتا کہ اُس کا ہاتھ رات بھر کہاں گذارا۔

خیال رہے کہ نیند سے بیداری کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں اس لئے کہ یہ دھونا خواب سے بیدار ہونے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وضو کرنے والے کیلئے سنت ہے جیساکہ سرکار کا دوسرا قول بلا قید نوم مروی ہے۔

قولہ[۳] تسمیۃ اللہ۔ وضو کی دوسری سنت شروع میں بسم اللہ پڑھنا ہے چنانچہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاوضوء لمن لم یسم اسم اللہ تعالیٰ یعنی بسم اللہ کے بغیر کامل وضو نہیں ہوتا۔

خیال رہے کہ تسمیہ سے مراد خاص بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں بلکہ مطلق ذکر باری تعالیٰ ہے لہٰذا اگر کوئی لا الٰہ الا اللہ یا الحمد للہ یا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وغیرہ کہدے تو سنت ادا ہو جائے گی البتہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنا بہتر و افضل ہے۔

قولہ[۴] السواک۔ وضو کی تیسری سنت مسواک کرنا ہے کیونکہ سرکار مدینہ نے اس کی پابندی فرمائی ہے اس کے علاوہ ارشاد گرامی ہے لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل وضوء یعنی اگر مجھے اپنی امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو ہر وضو کیلئے مسواک کا حکم دیتا۔

مسواک جو سنت ہے اس کے متعلق تین اقوال ہیں (۱) مسواک سنت وضوء ہے (۲) سنت نماز ہے (۳) سنت دین ہے اول احناف کا قول ہے دوم شوافع کا سوم سیدنا امام ابوحنیفہ کا۔

والمضمضۃ[۱] والاستنشاق ومسح[۲] الاذنین وتخلیل[۳] اللحیۃ والاصابع[۴] وتکرار[۵] الغسل الی الثلث۔

ترجمہ: ——— اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور دونوں کانوں کا مسح کرنا اور داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا اور اعضاءِ وضو کو تین تین بار دھونا۔

تشریح: ——— قولہ[۱] والمضمضۃ والاستنشاق۔ چوتھی سنت کلی کرنا ہے اور پانچویں ناک میں پانی ڈالنا دونوں

کے دو دو طریقے ہیں اول تین مرتبہ کلی ہر دفعہ کیلئے پانی کے ہاتھ کرے پھر اسی طرح ناک میں پانی دے۔ بروایت طبرانی عن کعب بن عمر یمانی۔ احناف کے نزدیک یہی افضل ہے اور بروایت ترمذی امام شافعی بھی اسی کو افضل قرار دیتے ہیں۔ دوم ہر چلو پانی سے ایک ساتھ کلی اور ناک میں پانی ڈالے بروایت مزنی امام شافعی کے نزدیک یہی افضل ہے۔ یہ اختلاف صرف افضل ہونے میں ہے ورنہ سنت ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

خیال رہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا دونوں سنت مؤکدہ ہیں بلکہ امام مالک ان کی فرضیت کے قائل ہیں لہذا اس کا تارک گنہ گار ہوگا چونکہ سنت مؤکدہ بدرجہ اولیٰ واجب ہوتا ہے۔

قولہ[۱] مسح الاذنین۔ چھٹی سنت دونوں کانوں کی مسح کرنا ہے سر کی مسح سے باقی ماندہ پانی کے ساتھ اور ان دونوں کے باطن و ظاہر کی مسح بایں طور کرے کہ اپنے دونوں سبابہ کی انگلی کو دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کرے اور اپنے دونوں ابہاموں کو کانوں کے ظاہر حصہ پر گھمائے اور گردن کی مسح کرے۔

یہ بھی سنت مؤکدہ ہے سیدنا امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے اور اکثر علماء کا قول یہی ہے اور بعض نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ امام شافعی اور ابو ثور کے نزدیک علیحدہ پانی سے تین بار کانوں کی مسح کرنا سنت ہے انکی دلیل عبداللہ بن زید کی یہ روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے کانوں کی مسح کیلئے تازہ پانی لیا تھا۔ احناف سرکار کے اس قول کو پیش کرتے ہیں اَلاُذُنَانِ مِنَ الرَّاسِ یعنی کانوں کا تعلق سر سے ہے۔

قولہ[۲] تخلیل اللحیۃ۔ ساتویں سنت داڑھی کا خلال کرنا ہے وہ نیچے سے اوپر کی طرف کرنا ہے وہ مستحب ہے صاحبین کے نزدیک لیکن امام ابو یوسف اس کو سنت قرار دیتے ہیں اور یہی قول علامہ قدوری کا ہے۔ علماء کے اس کے بارے چار قول ہیں (۱) واجب ہے اس کے قائل سعید بن جبیر اور عبدالحکیم مالکی ہیں (۲) سنت ہے اس کے قائل امام ابو یوسف اور امام شافعی ہیں اور امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے (۳) مستحب ہے اس کے قائل امام ابو حنیفہ ہیں چنانچہ مبسوط میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک خلال کرنا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مستحب (۴) جائز ہے۔

قولہ[۴] والاصابع۔ آٹھویں سنت انگلیوں کا خلال کرنا ہے خواہ ہاتھ کی انگلیوں کا ہو یا پیر کی انگلیوں کا ہاتھ کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں پنجہ کے طریقے سے ڈالے اور پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ ابتدا کرے داہنے پیر کی خنصر انگلی سے اور اس کے ابہام میں ختم کرے اور داہنے پاؤں کے ابہام سے شروع کرے اور خنصر میں ختم کرے۔

قولہ[۵] تکرار الغسل۔ نویں سنت اعضاء وضو کو تین تین بار دھونا ہے کیونکہ سرکار مدینہ نے وضو میں ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھو کر فرمایا کہ یہ ایسا وضو ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا اور دو مرتبہ دھو کر

فرمایا کہ اس وضو پر اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عطا فرماتا ہے اور تین تین مرتبہ دھو کر فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا جو اس سے کم یا زیادہ کرے گا وہ ظلم کرے گا

خیال رہے کہ اعضاء وضو کا ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور دوسری بار دھونا سنت ہے اور تیسری بار دھونا اکمل وضو ہے بعض نے دوسری مرتبہ کو سنت اور تیسری مرتبہ کو نفل قرار دیا ہے ۔

ویُستحبُ للمتوضئِ اَنْ ینوِیَ الطہارۃَ [۱] ویستوعبَ [۲] راسَہٗ بالمسحِ ویرتبَ [۳] الوضوءَ فیبتدء بما بدأ [۴] اللہُ تعالیٰ بذکرِہٖ بالمیامنِ [۵] والتوالی [۶] ومسحِ الرقبۃِ

ترجمہ: ـــــ اور مستحب ہے وضو کرنے والے کیلئے کہ وہ طہارت کی نیت کرے اور اپنے پورے سر کی مسح کرے اور وضو میں ترتیب کرے پس اس سے شروع کرے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے اور داہنے عضو سے شروع کرے اور پے در پے کرے اور گردن کی مسح کرنا ۔

تشریح: ـــــ قولہ [۱] یستحب للمتوضی۔ وضو کے مستحبات چھ ہیں (۱) طہارت کی نیت کرنا ۔ نیت لغت میں دل کے ارادہ کو کہا جاتا ہے اور شرع میں کسی کام میں اللہ کی طاعت یا تقرب کے ارادہ کو کہا جاتا ہے اور یہاں نیت حدث دور کرنی ہے یا جو عبادت بغیر طہارت کے نہ ہو اس کی نیت کرنا ۔ یہ احناف وسفیان ثوری امام اوزاعی وغیرہ کے نزدیک سنت ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کے نزدیک نیت فرض ہے اس لئے کہ سرکار کی حدیث ہے انما الاعمالُ بالنیاتِ یعنی تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے ۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وضو میں دو جہت ہیں ایک اُس کا مستقل عبادت ہونا دوسری اس کا نماز وغیرہ کے لئے وسیلہ نماز ہونا ۔ بتقدیر اول وضو عبادت ہے جو بلا نیت رہا نہیں یعنی وضو کرنے والے کو بلا نیت وضو کا ثواب حاصل نہ ہوگا لیکن بتقدیر دوم یعنی نماز کا ذریعہ ہونا اس پر موقوف نہیں بلکہ طہارت بلا نیت بھی حاصل ہو جائیگی اس لئے کہ پانی بنفسہٖ پاک کرنے والا ہے ارادہ ہو یا نہ ہو۔

خیال رہے کہ علامہ قدوری نے وضو میں نیت اور پورے سر کی مسح اور بالترتیب وضو کرنے کو مستحب قرار دیا ہے جبکہ صاحب فتح القدیر وغیرہ نے کہا کہ اس کی کوئی سند نہیں بلکہ مشائخ کا اتفاق اس کے سنت ہونے پر ہے اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ متقدمین ومتاخرین کی اصطلاحات کا فرق ہے ۔ متاخرین استحباب کو سنت کے مقابل بیان کرتے ہیں جبکہ متاخرین استحباب کو بالمعنی الاعم مراد لیتے ہیں جو سنت و واجب دونوں کو شامل ہے ۔

قولہ [۲] یستوعب راسہٗ ۔ چوتھائی سر کی ایک بار مسح کرنا فرض ہے لیکن پورے سر کی ایک بار مسح سنت

موکدہ ہے اور مستحب بالمعنی الاعم ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک اعضاء وضو کو جس طرح تین نئے پانی سے دھونا سنت ہے اسی طرح سر کا مسح بھی تین مرتبہ نئے پانی سے سنت ہے گویا انہوں نے مسح کو غسل یعنی دھونے پر قیاس کیا ہے جبکہ ممسوح کا قیاس مغسول پر نہیں ہوتا۔ امام شافعی دلیل میں حضرت عثمان کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے تین بار سر کا مسح کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔ احناف کے نزدیک حضرت انس کی یہ حدیث ہے کہ آپ نے وضو میں تین تین مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا اور ایک بار سر کا مسح کر کے فرمایا کہ سرکار مدینہ کا وضو اسی طرح تھا اسی طرح عبد اللہ بن زید کی حدیث ہے کہ سرکار نے اپنے سر کا مسح ایکبار فرمایا۔

خیال رہے کہ سر کا مسح کرنے کا مشہور طریقہ یہ ہے کہ سر کے اگلے حصہ سے شروع کرے۔ سیدتنا عائشہ صدیقہ کی حدیث بھی اسی کی تائید میں ہے کہ مسح کے وقت اپنے دونوں ہاتھ سر سے پیچھے لے جائیں پھر ان کو کھینچتے ہوئے کانوں اور رخساروں تک لائیں اور یہی روایت عبد اللہ بن زید کی ہے کہ آپ نے سر کا مسح کرتے ہوئے پہلے اقبال کیا پھر ادبار کیا۔

قولہ ۳ ترتیب الوضوء۔ یعنی اس ترتیب کیساتھ وضو کرے جس کی تصریح قرآن کریم میں مذکور ہے کہ پہلے چہرہ کو دھوئے پھر دونوں ہاتھوں کو پھر مسح۔ اس کے بعد دونوں پاؤں کو دھوئے اس ترتیب کے ساتھ وضو کرنا مستحب ہے یہی قول احناف، اوزاعی، ثوری، زہری وغیرہ کا ہے لیکن امام شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہ کے نزدیک ترتیب فرض ہے دلیل ان کی یہ ہے کہ آیت کریمہ میں فاء تعقیب مع الوصل کے لئے آیا ہے کہ ارادۂ نماز اور منہ کے دھونے میں تعقیب و ترتیب فاء سے ثابت ہوئی اور بقیہ اعضاء میں ترتیب حرف واؤ سے مستفاد ہوتی ہے احناف کا جواب یہ کہ حرف واؤ اہل لغت کے نزدیک بالاتفاق مطلق جمع کیلئے آتا ہے لہذا فاء تعقیبیہ کا مفہوم یہ ہوا کہ ارادۂ نماز کے بعد ہی ان تمام اعضاء کی پاکی کرنے کا تحقق ہوگا۔

قولہ ۴ بالمیامن۔ یعنی اعضاء وضو کے دھوتے وقت دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے چنانچہ سیدتنا عائشہ صدیقہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ سرکار مدینہ ہر شئی کو دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے یہاں تک کہ جوتا پہننے اور کنگھا کرنے وغیرہ میں بھی۔

قولہ ۵ والتوالی۔ یعنی وضو میں مستحب پے در پے دھونا بھی ہے کہ ایک عضو خشک ہونے سے پہلے دوسرا بھی دھو ڈالے اور مستحب یہ بھی ہے کہ دونوں ہاتھوں کی پشت سے گردن کا مسح کرے۔

والمعانی[1] الناقضۃ للوضوء کل ما خرج من السبیلین والدم[2] والقیح والصدید اذا خرج من

البدن فتجاوز الی موضع یلحقہ حکم التطہیر۔

ترجمہ: ۔۔۔ اور وضو کو توڑنے والی ہر وہ چیز ہے جو پیشاب و پاخانہ کے راہوں سے نکلے اور خون و پیپ اور زرد پانی بھی جس وقت بدن سے نکل کر بہ جائے ایسی جگہ کی طرف جس کو پاک کرنے کا حکم لاحق ہو۔

تشریح: ۔۔۔ قولہ والمعانی الناقضۃ۔ وضو کے فرائض و سنن و مستحبات سے فارغ ہونے کے بعد اب اس کے نواقض کو بیان کیا جاتا ہے جن میں سے کچھ تو متفق علیہ ہوتے ہیں اور کچھ مختلف فیہ اور علامہ قدوری کی عادت ہے کہ وہ پہلے متفق علیہ مسائل کو بیان کرتے ہیں پھر مختلف فیہ مسائل کو اور خارج سبیلین کا ناقض وضو ہونا چونکہ متفق علیہ ہے اس لئے پہلے اس کو بیان کیا جاتا ہے کہ وضو کو وہ چیزیں توڑ دیتی ہیں جو پیشاب و پاخانہ کی راہوں سے نکلے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَوْجَاءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَائِطِ یعنی تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے فارغ ہو کر آئے۔ خروج سے یہاں مراد ظہور ہے یعنی جب نجاست بول و براز کے راہوں سے ظاہر ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ سیلان نہ ہو۔ آگے کی راہ سے نکلنے والی یہ چیزیں ہیں۔ پیشاب۔ منی۔ مذی۔ ودی۔ سنگریزہ۔ کیڑا۔ حیض و استحاضہ کا خون جو عورتوں کو بالغ ہونے کے بعد آئے۔ پیچھے کی راہ سے نکلنے والی یہ چیزیں ہیں۔ ریح۔ کیڑا۔ پاخانہ وغیرہ ان سب سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن جو ریح مرد کے ذکر اور عورت کے فرج سے نکلے بر مذہب اصح اس سے وضو نہیں ٹوٹتا البتہ عورت اگر مفضاۃ ہو تو اس کو وضو کر لینا مستحب ہے واجب نہیں۔ اس لئے کہ اس کے متعلق یہ احتمال ہے ریح غالباً پیچھے سے نکلی ہو جس سے وضو ٹوٹ جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ آگے سے نکلی ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ وضو پہ چونکہ یقین تھا اور ٹوٹنے میں شک ہے اور وضو شک سے نہیں ٹوٹتا اس لئے شک کو زائل کرنے کے لئے وضو کر لینا مستحب ہے۔

قولہ والدم والقیح۔ یہ غیر سبیلین کا ذکر ہے کہ اگر بدن کے کسی حصہ سے نجاست مثلاً خون۔ پیپ اور کچلو وغیرہ ایسے حصہ کی طرف تجاوز کر جائے کہ جس کو پاک کرنے کا حکم لاحق ہو تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا چنانچہ ارشاد گرامی ہے الوضوء من کل دم سائل یعنی ہر بہنے والا خون سے وضو واجب و ضروری ہے۔ خروج سے یہاں مراد صرف ظہور نہیں بلکہ سیلان بھی ہے پس خون اگر زخم کے سرے پر چڑھا اور بہا نہیں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا خیال رہے کہ سیلان کے لئے بالفعل بہنا کوئی ضروری نہیں بلکہ قوت و استعداد سیلان کافی ہے لہٰذا کسی ترکیب سے اگر خون بہنے نہ دیا جائے تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا چنانچہ امام محمد نے فرمایا کہ خون اگر تھوڑا تھوڑا نکلتا رہے اور بار بار پونچھا رہے کہ بہنے کی ضرورت نہ پیش آئے تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

والقیئ اذا کان ملاء الفم

ترجمہ: ــــــ اور قیئ جب کہ منہ بھر کر ہو۔

تشریح: ــــــ قولہ والقیئ۔ قیئ کی پانچ قسمیں ہیں (۱) صرف پانی کی قیئ (۲) کھانا کی قیئ (۳) خون کی قیئ (۴) صفرا کی قیئ (۵) بلغم کی قیئ اول تینوں میں قیئ اگر منہ بھر کر ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا اس سے کم میں نہیں اور اخیر یعنی بلغم کی قیئ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اگرچہ منہ بھر کر ہو اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ بلغم کی قیئ اگر منہ بھر کر ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ بلغم پیٹ سے آئے اور اگر دماغ سے آئے تو کسی کے نزدیک بھی اس سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ وہ اصل میں رینٹ ہوتا ہے لیکن اگر خون غلیظ وجما ہوا ہو تو جب تک موںھ بھر کر نہ ہو وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر نرم و پتلا ہو تو خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ شیخین کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جائے گا امام محمد نے فرمایا کہ وہ دوسرے خلطوں کی طرح ہے کہ جب تک اس کی قیئ موںھ بھر کر نہ ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ خون پیٹ سے آئے اور اگر دماغ سے آئے تو خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا۔

واضح ہو کہ متعدد بار تھوڑی تھوڑی قیئ اس طرح ہو کہ اگر سب کو جمع کر لیا جائے تو منہ بھر کر ہو۔ اس کو دیکھا جائے کہ قیئ کا سبب یعنی جی کا متلانا متحد ہے یا مختلف اگر متحد ہے تو وہ ناقض وضو ہے ورنہ نہیں یہ امام محمد کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسف اتحاد مجلس کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر ایک ہی مجلس میں ہو تو ناقض ہے ورنہ نہیں۔ یہاں پر چار صورتیں ہیں (۱) مجلس وسبب دونوں متحد ہوں (۲) ہر دو مختلف ہوں (۳) صرف مجلس متحد ہو (۴) صرف سبب متحد ہو۔ بتقدیر اول بالاتفاق ناقض وضو ہے اور بتقدیر دوم بالاتفاق غیر ناقض ہے اور بتقدیر سوم امام ابو یوسف کے نزدیک ناقض ہے اور بتقدیر چہارم امام محمد کے نزدیک ناقض ہے۔

والنوم مضطجعا او متکئا او مستندا الی شیئ لو ازیل لسقط عنہ

ترجمہ: ــــــ اور نیند کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا ایسی چیز کے سہارے کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو گر جائیگا

تشریح: ــــــ قولہ والنوم۔ ناقض وضو ایک حقیقی ہے اور دوسرا حکمی اور اس سے قبل جو ناقض کا بیان گذرا وہ ناقض حقیقی ہے اور اب جو بیان کیا جاتا ہے وہ ناقض حکمی ہے کہ احتمالات عقلیہ کے اعتبار سے نیند کی تیرہ

صورتیں ہیں (۱) کروٹ کے بل لیٹ کر (۲) سرین پر سہارا دیکر (۳) تکیہ لگاکر (۴) چہار زانو ہوکر (۵) بیٹھ کر (۶) پاؤں پھیلاکر (۷) منہنی ہوکر (۸) کتے کی ہیئت پر (۹) پیدل (۱۰) سوار ہوکر (۱۱) قیام کی حالت میں (۱۲) رکوع کی حالت میں (۱۳) سجدہ کی حالت میں اول تین ناقض وضو اس لئے ہے کہ اس طرح سونے میں جوڑ بند ڈھیلے پڑجاتے ہیں اور عادۃً ریاح کے خروج کا سبب ہوجاتا ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ کروٹ کے بل یا تکیہ لگاکر یا ایسی چیز کے سہارے کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو گر جائے گا۔ سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۔

والغلبۃ[۱] علی العقل بالاغماء والجنونُ والقہقہۃ[۲] فی کلِّ صلوٰۃٍ ذات رکوعٍ وسجودٍ

ترجمہ: ـــــ اور مغلوب العقل ہونا مدہوشی کی وجہ سے اور دیوانگی اور کھل کھلاکر ہنسا رکوع وسجود والی نماز میں۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] والغلبۃ۔ ناقض وضو مدہوشی کی وجہ سے مغلوب العقل ہوجانا بھی ہے خواہ حالت قیام میں ہو یا حالت قعود میں یا رکوع یا سجود میں۔ حالت نماز میں ہو یا غیر نماز میں اس لئے کہ مدہوشی میں چت لیٹ کر سونے سے بھی زیادہ جوڑ بند ڈھیلے پڑجاتے ہیں اسی طرح جنون کا طاری ہونا بھی ناقض وضو ہے اس لئے کہ اس سے شعور وامتیاز کا زوال ہوجاتا ہے اور کسی شئی کے خروج وعدم خروج کی پرواہ ختم ہوجاتی ہے اس وجہ سے اس کو بھی ہر حال میں حدث سمجھا جائے گا ۔

خیال رہے کہ اغماء وجنون دونوں مرض ہیں جن سے عقل وشعور میں فتور وضعف لاحق ہوجاتا ہے جنون میں عقل بالکلیہ زائل ہوجاتی ہے اور اغماء میں بالکلیہ زائل نہیں ہوتی البتہ مغلوب ہوجاتی ہے ۔

قولہ[۲] والقہقہۃ۔ یعنی عاقل وبالغ نمازی کا کھل کھلاکر ہنسنا بھی ناقض وضو ہے ۔ رکوع وسجود والی نماز کی قید سے نماز جنازہ خارج ہوگئی اور سجدۂ تلاوت بھی اور قہقہہ میں اگرچہ کوئی ناپاک چیز خارج نہیں ہوتی لیکن چونکہ ابوموسیٰ اشعری نے سرکار مدینہ سے یہ حدیث نقل کیا ہے کہ آپ نماز پڑھا رہے تھے اتنے میں یکم نظر آدمی اس گڑھے میں گر گیا جو مسجد میں تھا جس سے بہت سارے آدمی ہنس پڑے تو سرکار نے ان سے فرمایا کہ وضو کرکے نماز کا اعادہ کرلو مجیب کہ وہ قیاس کے مقتضیٰ کے خلاف ہے ۔ اسی وجہ سے امام شافعی وامام مالک وامام احمد بن حنبل قہقہہ کو ناقض وضو نہیں مانتے ۔

واضح ہو کہ ہنسی کی تین قسمیں ہیں ۔ (۱) قہقہہ (۲) ضحک (۳) تبسم ۔ قہقہہ اتنی آواز سے ہنسنے کو کہا جاتا ہے کہ خود بھی اور قریب کے لوگ بھی اس کی آواز کو سن لیں ۔ ضحک وہ ہنسی ہے جس کو خود سن سکے اور دوسرے لوگ نہ سن سکیں اور تبسم اس ہنسی کو کہا جاتا ہے جس کو بالکل آواز نہ ہو بلکہ صرف دانت کھل جائے اول مبطل نماز ہے اور دوم

ناقض وضو۔ مبطل نماز نہیں اور سوم نہ ناقض وضو ہے اور نہ مبطل نماز۔

وفرضُ الغسلِ المضمضةُ والاستنشاقُ وغسلُ سائرِ البدنِ

ترجمہ: ــــ اور غسل کا فرض کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور پورے بدن کو دھونا ہے۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] وفرض الغسل۔ غسل کی بہ نسبت وضو کی ضرورت چونکہ زیادہ درپیش ہوتی ہے اس لئے قرآن کریم میں پہلے وضو کو بیان کیا گیا پھر اس کے بعد غسل کو۔ غسل میں تین امور فرض ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) ایک مرتبہ پورے جسم پر پانی بہانا۔ آخری امر اگرچہ پہلے دونوں امر کو شامل ہے لیکن امام شافعی چونکہ اول دونوں کو سنت قرار دیتے ہیں اس لئے علامہ قدوری نے ان دونوں کو فرض میں شمار کیا تاکہ امام ابوحنیفہ کا مسلک واضح ہو جائے۔

سوال کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں سنت ہے لیکن غسل میں فرض کیوں؟ جواب آیت وضو فاغسلوا وجوھکم میں چونکہ لفظ وجوہ مذکور ہے اور وجہ اس کو کہا جاتا ہے جس میں مواجہت ہو اور ظاہر ہے منہ اور ناک کا اندرونی حصہ میں مواجہت نہیں ہوتی برخلاف غسل کہ اس کی آیت وان کنتم جنباً فاطھروا میں طہر بطور مبالغہ واقع ہے جو اس امر کا متقاضی ہے کہ جتنے حصے کا دھونا ممکن ہو اس کا دھونا ضروری ولازمی ہے اور ظاہر ہے منہ اور ناک کا اندرونی حصہ کا دھونا ممکن ہے اس لئے غسل میں اُن کا دھونا فرض قرار دیا گیا۔

قولہ[۲] المضمضة۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی فرض صرف نیت اور پورے جسم پر پانی بہانے کو قرار دیتے ہیں۔ اور امام مالک کے نزدیک ان تینوں کے علاوہ بدن کو ملنا بھی فرض ہے۔

وسنةُ[۱] الغسلِ انْ یبدأَ المغتسلُ بغسلِ یدیهِ وفرجهِ ویزیلُ النجاسةَ[۲] انْ کانتْ علی بدنهِ ثلاثاً ثمَّ یتنحّی[۳] عن ذلکَ المکانِ فیغسلُ رجلیهِ ولیسَ[۴] علی المرأةِ انْ تنقضَ ضفائرَها فی الغسلِ اذا بلغَ الماءُ اصولَ الشعرِ۔

ترجمہ: ــــ اور غسل کی سنت یہ ہے کہ غسل کرنے والا اپنے دونوں ہاتھوں اور شرمگاہ کے دھونے سے شروع

کرے اور نجاست دور کرے اگر اس کے بدن پر ہو پھر نماز جیسا وضو کرے مگر پاؤں دھونا ابھی ضروری نہیں پھر پانی بہائے اپنے سر اور پورے بدن پر اور وہاں سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوتے اور عورت پر فرض نہیں کہ وہ غسل میں اپنے جوڑوں کو کھولے جبکہ پانی بالوں کے جڑوں کو پہونچ جائے ۔

تشریح :۔ قولہ[۱] سنۃ الغسل ۔ غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والا پہلے اپنے دونوں ہاتھ اور شرمگاہ کو دھوئے پھر اگر بدن پر کہیں نجاست لگی ہو تو اس کو پانی سے زائل کرے پھر نماز کی طرح وضو کرے اور پیروں کو ابھی نہ دھوئے پھر اپنے سر سے لے کر پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے اور وہاں سے علیحدہ ہو کر اپنے دونوں پیروں کو دھوئے

قولہ[۲] الغسل ۔ غسل کی چند صورتیں ہیں ۔ اول غسل فرض وہ چار وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے ہوتا ہے (۱) آلہ تناسل کا حشفہ قُبل یا دُبر میں پہونچ جائے تو فاعل و مفعول دونوں پر غسل فرض ہے خواہ انزال ہو یا انزال نہ ہو (۲) شہوت کیساتھ جب انزال ہو ۔ احتلام کی صورت میں ہو یا بوس و کنار کے ذریعہ یا مشت زنی سے (۳) حیض سے (۴) نفاس سے ۔

دوم غسل مسنون ۔ اس کی بھی چند وجہیں ہیں (۱) غسل جمعہ (۲) غسل عیدین (۳) غسل احرام (۴) غسل یوم عرفہ ۔ سوم غسل واجب مثلاً مردہ کو نہلانے کیلئے ۔ چہارم غسل مستحب اس کی بھی چند وجہیں ہیں (۱) کافر کے اسلام قبول کرنے کیلئے (۲) بچہ کے بالغ ہونے پر (۳) جنون سے افاقہ ہونے پر وغیرہ وغیرہ ۔

قولہ[۳] الاغسل رجلیہ ۔ یہ استثنا اس وقت کے لئے ہے جبکہ پانی کے ڈھلوان کی جگہ بیٹھا ہو لیکن اگر پتھر یا پختہ یا چوکی وغیرہ پر بیٹھا ہو تو تاخیر کی ضرورت نہیں بلکہ شروع ہی میں دھولینا چاہئے ۔

قولہ[۴] ولیس علی المرأۃ ۔ یعنی عورت کے گوندھے ہوئے بالوں کو کھول کر غسل میں جڑوں کے اندر پانی پہونچانا ضروری نہیں اس لئے کہ اس میں ان لوگوں کیلئے حرج واقع ہو جائے گا چنانچہ سیدتنا ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں سر کے بالوں کو گوندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت میں کھول لیا کروں ؟ آپ نے فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں بلکہ اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالکر باقی بدن پر پانی بہالینا کافی ہے ۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عورت اگر حائضہ ہو تو بالوں کو کھولکر پانی پہونچانا ضروری ہے اور اگر جنبیہ ہے تو ضروری نہیں علامہ قدوری نے یہاں پر عورت کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مرد پر لازم و ضروری ہے کہ وہ اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کی جڑوں میں پانی پہونچائے ۔

وَالْمَعَانِی[۱] الْمُوجِبَۃُ لِلْغُسْلِ اِنْزَالُ الْمَنِیِّ عَلٰی وَجْہِ الدَّفْقِ وَالشَّہْوَۃِ[۲] مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَۃِ وَالْتِقَاءُ[۳] الْخِتَانَیْنِ مِنْ غَیْرِ اِنْزَالٍ وَالْحَیْضُ[۴] وَالنِّفَاسُ

ترجمہ :۔۔۔ اور وہ امور جو غسل کا موجب ہیں مرد وعورت سے شہوت کیساتھ منی کا کود کر نکلنا ہے اور دونوں شرمگاہوں کا ملنا بغیر انزال کے یعنی اگر چہ انزال نہ ہو اور حیض ونفاس ۔

تشریح :۔۔۔ قولہ[۱] من المعانی الموجبۃ ۔ یعنی غسل کو لازم کرنے والی چیزوں میں سے ایک کود کر شہوت کیساتھ منی کا نکلنا ہے خواہ وہ مرد کی ہو یا عورت کی ۔ امام شافعی کے نزدیک منی کا مطلقاً نکلنا موجب غسل ہے شہوت کیساتھ ہو یا بلا شہوت چنانچہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے الماءُ بالماء یعنی غسل منی سے واجب ہوتا ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو ۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ وان کنتم جنباً فاطھروا میں حکم تطہیر جنبی کو شامل ہے اور جنابت لغت میں شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو کہا جاتا ہے ۔

قولہ[۲] والشھوۃ ۔ منی کا شہوت کیساتھ نکلنا صرف مستقر سے خروج کے وقت ضروری ہے یا عضو سے ظاہر ہونے کے وقت بھی ۔ اول کے قائل طرفین یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد ہیں اور دوم کے قائل امام ابو یوسف ہیں کہ وہ عضو سے ظاہر ہونے کے وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں لہذا اگر بوقت انفصال شہوت ہو اور عضو سے ظاہر ہوتے وقت شہوت زائل ہو جائے بلکہ نفس کا ہیجان سکون سے تبدیل ہو جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہ ہوگا کیونکہ شرط لازمی پائی گئی پس یہاں تین صورتیں ہیں (۱) انفصال وظہور دونوں وقتوں میں شہوت نہ ہو (۲) دونوں وقتوں میں شہوت ہو (۳) انفصال کے وقت شہوت ہو اور ظہور کے وقت نہ ہو ۔ بتقدیر اول بالاتفاق غسل واجب نہ ہوگا اور بتقدیر دوم بالاتفاق غسل واجب ہوگا اور بتقدیر سوم طرفین کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہ ہوگا ۔

قولہ[۳] التقاء الختانین ۔ یعنی غسل کو لازم کرنے والا مرد وعورت کی شرمگاہ کا باہم مل جانا ہے التقاء ختانین میں التقاء سے مراد مع تواری حشفہ ہے کیونکہ دخول حشفہ کے بغیر محض ایک ساتھ دوسرے کا باہم مل جانا موجب غسل نہیں چنانچہ سرکار کا ارشاد ہے کہ مرد وعورت اگر چار شاخوں یعنی ہاتھ پاؤں کے درمیان بیٹھے اور ایک ختان دوسرے ختان کو چھوئے یعنی صحبت کرے تو غسل واجب ہو جائے گا ۔ حشفہ سے مراد آدمی کا حشفہ ہے لہذا عورت کیساتھ اگر کوئی جن جماع کرے اور وہ اس کے سامنے آدمی کی صورت میں ظاہر نہ ہو اور عورت کو انزال بھی نہ ہو تو عورت پر غسل واجب نہ ہوگا لیکن اگر جن آدمی کی صورت میں ظاہر ہو تو صرف دخول حشفہ سے غسل واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو ۔

ختانین سے مراد اس کے حقیقی معنی نہیں بلکہ ان دونوں کے محاذات مراد ہیں چنانچہ مرد وعورت کا اگر ختنہ نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے اسی طرح علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ مرد کا حشفہ فرج میں مطلقاً دخول موجب غسل

ہے خواہ مرد و عورت کی ختنہ ہو یا نہ ہو۔

قولہ[۱] والحیض والنفاس۔ یعنی غسل کو لازم کرنے والا حیض و نفاس کا منقطع ہوجانا بھی ہے پس جب حیض و نفاس جاری ہو تو غسل واجب نہ ہوگا اور نہ اس وقت کا غسل اس کیلئے کافی ہوگا جو ختم ہونے پر لازم ہوتا ہے۔

وسَنَّ[۱] رسولُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہِ وسلّم الغسلَ للجمعۃِ والعیدَینِ[۲] والإحرامِ وعرفۃَ

ترجمہ: ـــــ اور مسنون فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کو جمعہ اور عیدین اور احرام اور عرفہ کے لئے

تشریح: ـــــ قولہ[۱] سن رسول اللہ۔ چار چیزوں کے لئے غسل کرنا مسنون ہے ان میں سے ایک جمعہ کے لئے چنانچہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص جمعہ میں آئے اُس کو غسل کرنا چاہئے۔ جبکہ امام مالک کے نزدیک غسل کرنا واجب ہے دلیل میں حضرت ابوسعید الخدری کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ سرکار نے فرمایا کہ غسل جمعہ ہر بالغ پر واجب ہے۔ احناف کی دلیل سرکار کی وہ حدیث ہے کہ جمعہ کے دن وضو کرلینا بھی کافی ہے البتہ غسل افضل ہے اور ابوسعید الخدری کی روایت میں وجوب سے لغوی معنی مراد نہیں یا وہ منسوخ ہے بعد والی حدیثوں سے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ جمعہ کا غسل نماز جمعہ کے لئے ہے یا اُس کے دن کیلئے امام ابویوسف اول کے قائل ہیں اور حسن بن زیاد دوم کے۔ یہ اختلاف اس وقت ظاہر ہوگا جبکہ جمعہ کے دن اگر کوئی غسل کرے اور اس کا وضو ٹوٹ جائے پھر وہ وضو کرکے جمعہ کی نماز پڑھے تو حسن بن زیاد کے نزدیک سنت ادا ہوجائے گی اور امام ابویوسف کے نزدیک سنت ادا نہ ہوگی اور اگر کسی نے نماز جمعہ کے بعد غسل کیا تو امام ابویوسف اور حسن بن زیاد دونوں کے نزدیک وہ غسل معتبر نہ ہوگا لیکن امام ابویوسف کے نزدیک اس لئے کہ غسل جمعہ اس وجہ مشروع ہوا ہے کہ آدمی کے بدن سے میل کچیل دور ہو جس سے جماعت کو تکلیف نہ ہو اور جمعہ کے بعد غسل سے وہ مقصد فوت ہوجاتا ہے اور حسن بن زیاد کے نزدیک اس لئے کہ غسل جمعہ اگرچہ دن کیلئے ہے نماز کے لئے نہیں لیکن اس کے باوجود یہ شرط ہے کہ غسل نماز سے پہلے ہو اور وہ یہاں مفقود ہے اسی طرح اگر کوئی طلوع فجر سے پہلے غسل کرے اور محدث نہ ہو یہاں تک کہ جمعہ کی نماز پڑھ لے تو امام ابویوسف کے نزدیک سنت پر عمل کرنے والا ہوگا۔ اور حسن بن زیاد کے نزدیک نہیں۔

قولہ[۲] والعیدین۔ یعنی غسل کرنا عیدین یعنی عید الفطر اور عید الاضحی کے لئے بھی مسنون ہے چنانچہ

طبرانی وابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ سرکار مدینہ عیدین کیلئے غسل فرمایا کرتے تھے۔ اور احرام باندھنے کیلئے بھی غسل کرنا مسنون ہے خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا چونکہ ترمذی ودارقطنی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ سرکار بوقت احرام غسل فرمایا کرتے تھے۔ اور عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کیلئے بھی غسل کرنا مسنون ہے کما کہ بن سعد صحابی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم عرفہ میں غسل فرمایا کرتے تھے۔

خیال رہے کہ اتفاقیہ طور پر اگر عید وجمعہ وجنابت تینوں ایک ساتھ ہوں تو ایکبار غسل کرنا غسل سنت وغسل فرض دونوں ادا ہو جائیں گے۔

وَلَيْسَ فِي الْمَذْيِ وَالْوَدْيِ غُسْلٌ وَفِيهِمَا الْوُضُوءُ

ترجمہ: ـــــ اور مذی اور ودی میں غسل نہیں اوران دونوں میں صرف وضو ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ ولیس فی المذی۔ آدمی جب بالغ ہوجائے تو اس کے آلہ تناسل سے تین چیزیں نکلتی ہیں ایک مذی اور دوسری ودی اور تیسری منی۔ مذی ایک قسم کا سفید اور پتلا مادہ ہوتا ہے جو ملاعبت کے وقت بلادفق خارج ہوتا ہے اور ودی منی کے مشابہ قدرے گاڑھا اور ایک مادہ ہے جو پیشاب کے بعد ایک آدھ قطرہ خارج ہوتا ہے اور منی سفید گاڑھا مادہ ہوتا ہے جو بوقت ملاعبت دفق وشہوت کیساتھ خارج ہوتا ہے۔

منی سے بالاتفاق غسل واجب ہوتا ہے مذی وودی سے نہیں البتہ وضو ان دونوں سے واجب ہوتا ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل فحل یمذی فیہ الوضوء اور سیدنا مولیٰ علی نے بھی رسول گرامی سے یہ روایت کی ہے کہ ہر مرد کو مذی آتی ہے تو اس کی وجہ سے عضو تناسل اور خصیے دھونے چاہیں اور نماز جیسا وضو کرنا چاہیئے۔

وَالطَّهَارَةُ مِنَ الْأَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْأَوْدِيَةِ وَالْعُيُونِ وَالْآبَارِ وَمَاءِ الْبِحَارِ

ترجمہ: ـــــ اور ہر قسم کے حدث سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے آسمان کے پانی یعنی بارش اور وادیوں اور چشموں اور کنوؤں اور دریاؤں کے پانی سے۔

تشریح: ـــــ قولہ والطہارۃ۔ اس سے قبل طہارت کا بیان تھا اور اب اُن چیزوں کا بیان ہے جن سے

طہارت حاصل کی جاتی ہے اور وہ آسمان کا پانی اور وادیوں اور چشموں اور کنوؤں اور سمندروں کا پانی ہے آسمان کے پانی کی پاکی قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے وانزلنا من السماء ماءً طهوراً یعنی ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا اور وادیوں اور چشموں اور کنوؤں اور سمندروں کا پانی حقیقۃً سب آسمان سے اترے ہیں لیکن ظاہر و مشاہدہ کے اعتبار سے ان سب کو الگ الگ بیان کیا گیا رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے الم تر ان اللہ انزل من السماء ماءً فسلکہ ینابیع فی الارض یعنی کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر چلایا وہ پانی زمین کے چشموں میں۔ مطلق پانی کے بارے سرکار کا ارشاد ہے ھو الطہور ماءہٗ والحل میتتہٗ یعنی اس کا پانی پاک اور اس کا مردہ جانور یعنی مچھلی حلال ہے
خیال رہے احداث جمع حدث بمعنی ناپاکی اور سماء بمعنی آسمان اودیہ جمع ہے وادی کی لغت میں اس کشادگی کو کہا جاتا ہے جو پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان ہو یہاں اس سے مراد جنگل کا پانی ہے جو بارش سے بہہ کر جمع ہو جائے جیسے ندی۔ نالہ۔ جھیل کا پانی۔ عیون جمع عین بمعنی چشمہ۔ آبار جمع بئر بمعنی کنواں۔ بحار جمع بحر بمعنی دریا۔

ولا تجوز الطهارةُ بماءٍ اُعتُصِرَ من الشجرِ والثمرِ ولا بماءٍ غلبت علیه غیرُہٗ فاخرجه عن طبعِ الماءِ کالاشربةِ والخلِّ والمرقِ وماءِ الباقلاءِ وماءِ الوردِ وماءِ الزردجِ

ترجمہ: — اور طہارت جائز نہیں ہوتی درخت اور پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے اور اس پانی سے بھی کہ جس پر کوئی اور شئی غالب آکر پانی کی طبیعت سے نکال دے جیسے ہر قسم کے شربت اور سرکہ اور شوربا اور باقلاء کا پانی اور گلاب کا پانی اور زردج یعنی گاجر کا پانی۔

تشریح: — قولہ ولا تجوز۔ پانی دو طرح کا ہوتا ہے ایک مطلق اور دوسرا مقید۔ مطلق پانی سے بالاتفاق طہارت حاصل ہو جاتی ہے مقید سے نہیں۔ اور مطلق جو مقید ہوتا ہے وہ دو وجہ سے ایک کمال امتزاج سے اور دوسرا غلبۂ مخالطت سے۔ کمال امتزاج بھی دو طریقے سے ہوتا ہے (۱) کسی ایسی پاک چیز سے ملا کر پکا دیا جائے جس سے نظافت مقصود نہ ہو جیسے باقلاء کو پانی میں جوش دیا جائے (۲) نباتات پانی کو اس طرح چوس لیں کہ نچوڑے بغیر نہ نکلے چنانچہ تربوز و خربوزہ کا پانی کہ اگر ان کو نچوڑا جائے تو بمشکل پانی نکلتا ہے۔
غلبۂ مخالطت وہ ہے کہ پانی میں مخلوط ہونے والی چیز پانی کے زیادہ مقدار میں مل جائے چنانچہ کوئی خشک چیز مثلاً ستو وغیرہ پانی میں مل جانے سے اس کی رقت و سیلان زائل ہو جائے تو وہ پانی مطلق نہیں کہا جائے گا اور اگر سیلانی چیز ملائی جائے تو دیکھا جائے کہ اس میں پانی کی ساری صفتیں موجود ہیں یا نہیں۔ پس اگر پانی

کے سارے اوصاف یعنی رنگ ومزہ وبو بدستور برقرار ہیں مثلاً ماء مستعمل کو غیر مستعمل میں ملادیا جائے کہ اس سے اوصاف میں تغیر پیدا نہ ہو تو اجزاء کو دیکھا جائے اور غالب کا لحاظ کیا جائے اور اگر پانی کے اکثر اوصاف بدل جائیں تو وہ مطلق ہونے سے نکل جائیگا۔

قولہ[۲] بماء اعتصر۔ یعنی وہ پانی جو کسی درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہو مثلاً گنے کا رس اور تربوز وغیرہ کا پانی کہ ایسے پانی سے بالاتفاق وضو جائز نہیں کیونکہ اس کو مطلق پانی نہیں کہا جاتا۔

اعتصر صیغہ مجہول سے یہ مستفاد ہے کہ جو پانی خود بخود مثلاً انگور وغیرہ سے نکلے تو اس سے بلاشبہ وضو جائز ہے اس لئے کہ وہ ایک قدرتی پانی ہے جو مصنوعی طریقے کے بغیر برآمد ہے۔

قولہ[۳] ولا بماء غلب۔ وہ معطوف ہے لا تجوز الطہارۃ الخ پر اصل عبارت یہ ہے لا تجوز الطہارۃ بماء غلب الخ خلاصہ یہ کہ اس پانی سے بھی وضو جائز نہیں جس میں مطلق پانی کے علاوہ کوئی دوسری پاک چیز زیادہ مقدار میں مل گئی ہو جس سے پانی کے اوصاف یعنی رنگ وسیلان وبو زائل ہو جائے مثلاً ہر طرح کے شربت اور سرکا وشوربا اور باقلاء اور زردک کا پانی اور گلاب کا پانی وغیرہ کہ ان کو مطلق پانی نہیں کہا جاتا پس اس سے وضو جائز نہیں البتہ غلبہ غیر نہ ہو یعنی پانی مغلوب نہ ہو بلکہ غالب یعنی زائد ہو تو اس سے بلاشبہ وضو جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ غالب دو طرح کا ہوتا ہے ایک باعتبار اوصاف اور دوسرا باعتبار اجزاء غالب سے یہاں کیا مراد ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اول کے قائل امام محمد اور صاحب ہدایہ ہیں اور اسی طرف علامہ قدوری بھی گئے ہیں کہ ملنے والی چیز اگر پانی کے تینوں اوصاف یا دو وصف کو متغیر کر دئے ہوں تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا اور اگر ایک وصف بھی متغیر ہو جائے تو اس سے وضو جائز ہوگا۔ دوم کے قائل امام ابو یوسف ہیں کہ پانی میں ملنے والی چیز اگر سیال ہو اور نصف سے کم ہو تو اس سے وضو جائز ہوگا اور اگر نصف یا اس سے زائد ہو تو جائز نہ ہوگا۔

دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق ہوگی کہ ملنے والی چیز اگر سیال ہو اور پانی کے جنس سے ہو جیسے کدو وغیرہ کا پانی تو اس میں غلبہ کا اعتبار اجزاء سے ہوگا اور اگر ملنے والی چیز پانی کی جنس سے نہ ہو جیسے دودھ وغیرہ میں تو غلبہ کا اعتبار اوصاف سے ہوگا۔

وتجوز[۱] الطهارة بماءٍ خالطه شيءٌ طاهرٌ متغيرٌ احدَ اوصافه كماء[۲] المدِّ والماءِ الذي يختلط به الاشنانُ والصابونُ والزعفرانُ۔

ترجمہ:۔۔۔ اور اس پانی سے طہارت جائز ہوتی ہے جس میں پاک چیز مل کر اس کے اوصاف میں سے کوئی ایک

وصف بدل دے جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اشنان اور صابون اور زعفران ملا ہو۔

تشریح: ——— قولہ[1] تجوز الطهارۃ۔ یعنی طہارت اس پانی سے حاصل کرنا جائز ہے جس میں پاک چیز مل کر پانی کے اوصاف ثلاثہ یعنی رنگ و بو و مزہ میں سے کوئی ایک وصف بدل جائے لیکن اگر دو وصف بدل جائے تو علامہ قدوری کے نزدیک طہارت جائز نہ ہوگی مگر حق یہ ہے کہ جائز ہو جائے گی۔

قولہ[2] کماء المد والماء۔ پاک چیزوں میں سے ایک مَد یعنی سیلاب کا پانی ہے اور دوسرا وہ پانی جس میں اشنان یا صابون یا زعفران ملا ہو۔ اشنان ایک قسم کی گھاس کو کہا جاتا ہے جو کھاری زمین میں پیدا ہوتی ہے اور صابن کی طرح وہ کپڑوں کو صاف ستھرا کرتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اشنان نامی گھاس اور صابون اور زعفران کے ملے ہوئے پانی سے طہارت جائز ہے اس لئے کہ معمولی آمیزشوں سے اجتناب ناممکن ہے لیکن امام شافعی کا خیال ہے کہ زعفران اور وہ چیزیں جو زمین کے جنس سے نہ ہوں تو ان کے ملے ہوئے پانی سے طہارت جائز نہیں کیونکہ وہ پانی مطلق نہیں بلکہ مقید ہو جاتا ہے چنانچہ زعفران کا پانی کہا جاتا ہے۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ زعفرانی پانی کو بھی مطلقاً پانی ہی کہا جاتا ہے اضافت سے وہ پانی مقید نہیں ہوتا بلکہ مطلق ہی رہتا ہے جس طرح کنویں اور چشمے کے پانی کو کنوؤں کا پانی اور چشموں کا پانی کہا جاتا ہے جب کہ وہ بالاتفاق مطلق پانی ہے۔

کل[1] ماءٍ دائمٍ اذا وقعت فیہ نجاسۃٌ لم یجز الوضوء بہ قلیلاً کان او کثیراً[2] لان[3] النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بحفظ الماء من النجاسۃ فقال لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ولا یغتسلن فیہ من الجنابۃ[4] وقال[5] علیہ السلام اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا یغمسن یدہ فی الاناء حتی یغسلھا ثلاثاً[6] فانہ لا یدری این باتت یدہ۔

ترجمہ: ——— ہر وہ ٹھہرا ہوا پانی جس میں کچھ نجاست گر جائے اس سے وضو جائز نہیں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو نجاست سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کریں اور نہ اس میں جنابت کا غسل کریں اور آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سو کر اٹھے تو وہ برتن میں ہاتھ نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین بار دھو ڈالے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری

تشریح: ——— قولہ[1] کل ماء دائم۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں اگر نجاست گر جائے تو اس پانی سے وضو کرنا

جائز نہیں۔ پانی خواہ کم ہو یا زیادہ۔ یہ جبکہ پانی دہ در دہ نہ ہو اور اگر ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ امام مالک نے کہا کہ نجاست گرنے کی وجہ سے پانی کے اوصاف میں سے اگر کسی وصف میں تغیر پیدا نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر پیدا ہو تو وضو جائز نہیں۔ امام شافعی کا خیال ہے کہ اگر وہ پانی دو مٹکوں کی مقدار ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے کم ہو تو جائز نہیں۔ امام مالک کی دلیل یہ حدیث پاک ہے جس کو بیہقی و دار قطنی و سنن ابن ماجہ وغیرہ نے بیان کیا ہے الماءُ طھورٌ لا ینجسہ شئٌ یعنی پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث مذکور بئر بضاعہ سے متعلق ہے کہ جس کا پانی باغوں کی سیرابی کے لئے جاری رہا کرتا تھا اور ظاہر ہے جاری پانی میں نجاست کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ امام شافعی اپنے قول پر یہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ جس کو سنن ابن ماجہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اذا بلغ الماءُ قلتین لا یحمل خبثاً یعنی جب پانی دو قلوں کو پہونچے تو وہ خبث و ناپاکی کا متحمل نہیں ہوتا احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث مذکور کے متن و سند میں ضعف و اضطراب واقع ہے۔

قولہ[۲] لا یبولن۔ یہ دلیل ہے اس دعویٰ مذکور کی کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں اگر نجاست گر جائے تو اس پانی سے وضو نا جائز ہے خواہ وہ پانی کم ہو یا زیادہ۔ خلاصہ دلیل کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاست سے پانی کو حفاظت کا حکم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے لا یبولن احدکم فی الماءِ الدائم ولا یغتسلن فیہ من الجنابۃ یعنی تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت کا غسل کرے۔

قولہ[۳] وقال علیہ السلام۔ دعویٰ مذکور پر یہ دوسری دلیل ہے کہ سرکار نے ارشاد فرمایا اذا استیقظ احدکم من منامہ الخ یعنی جب تم میں سے کوئی سو کر اُٹھے تو وہ برتن میں ہاتھ نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین بار دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا ہے کہ اُس کا ہاتھ رات کہاں گذارا۔ اس حدیث میں محض احتمال نجاست پر پانی میں ہاتھ ڈالنے سے سرکار نے منع فرما دیا تو حقیقۃً پانی میں نجاست گرنے پر بدرجۂ اولیٰ ناپاک ہوگا۔

واَمّا[۱] الماءُ الجاریِ[۲] اذا وقعتْ فیہِ نجاسۃٌ جازَ الوضوءُ منہ اذا لم یُرَ لہا[۳] اثرٌ لانہا لا تستقرُ معَ جریانِ الماءِ

ترجمہ: ــــــ اور لیکن جاری پانی میں جب نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز ہے جب اُس کا اثر دکھائی نہ پڑے کیونکہ نجاست پانی کے بہاؤ کے ساتھ نہیں ٹھہرتی

تشریح: ــــــ قولہ[۱] واما الماء یعنی جاری پانی میں اگر نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ نجاست کا کوئی اثر دکھائی نہ پڑے اس لئے کہ جب پانی کا بہاؤ ہوگا تو اس سے نجاست بھی بہہ جائے گی۔

قولہ الجاری۔ جاری پانی کس کو کہا جاتا ہے؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۱) جاری پانی وہ ہے جس کو عرف عام میں جاری اور بہتا ہوا کہا جائے (۲) جاری وہ ہے جو خشک تنکا کو بہالے جائے۔ (۳) وہ پانی کہ جب وضو کرنے والا پانی کا چلو لے تو پہلے چلو کا پانی ہاتھ میں نہ آئے بلکہ وہ بہہ کر دوسرا پانی ہاتھ میں آئے۔ ابن ہمام نے جاری پانی کیلئے یہ شرط بیان کیا ہے کہ نہر و چشمہ و جھیل وغیرہ کی مدد ہو یعنی اس کی مدد سے پانی جاری ہو۔

قولہ لها اثر۔ نجاست کے اثر سے مراد یہ کہ اس کا رنگ و مزہ و بو پانی میں معلوم نہ ہو اور اگر پانی میں کوئی مرا ہوا جانور گرا ہو تو اس کا اکثر حصہ یا نصف حصہ اگر پانی میں ہے تو اس پانی کا استعمال جائز نہ ہوگا اور اگر کم حصہ پانی میں ہے اور زیادہ حصہ باہر ہے اور پانی خوب زور سے بہہ رہا ہے تو اس کا استعمال جائز ہے جب کہ اس میں نجاست کا اثر معلوم نہ ہو۔

والغدیرُ العظیمُ الذی لا یتحرکُ احدُ طرفیہِ بتحریکِ الطرفِ الآخرِ اذا وقعتْ فی احدِ جانبیہِ نجاسۃٌ جازَ الوضوءُ من الجانبِ الآخرِ لانّ الظاہرَ انّ النجاسۃَ لا تصلُ الیہِ

ترجمہ: ــــــ اور وہ بڑا تالاب جس کے ایک جانب حرکت دینے سے دوسری جانب حرکت نہ کرے تو اس کا ایک جانب نجاست گر جائے تو دوسری جانب وضو کرنا جائز ہوگا اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ نجاست اس طرف نہیں پہونچی ہے۔

تشریح: ــــــ قولہ والغدیر العظیم۔ غدیر عظیم اس حوض کو کہا جاتا ہے جس کی ایک طرف حرکت دینے سے دوسری طرف حرکت نہ ہو پس اگر اس میں ایک طرف نجاست گر جائے تو دوسری طرف وضو کرنا جائز ہے اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ اس طرف نجاست نہیں پہونچی ہے اور اگر ایک طرف جنبش دینے سے دوسری طرف جنبش ہو جائے تو اس میں اگر نجاست گر جائے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔

خیال رہے کہ حوض اگر مربع ہو تو مساحت ۱۰ گز ہونی چاہیئے اور اگر مدور ہو تو ۴۴ یا ۴۸ گز معتبر سمجھا گیا ہے لیکن مفتی بہ قول ۴۶ گز ہے ظہیریہ میں ۴۸ گز مانا ہے اور بعض نے تو ۳۶ گز کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ درمختار کے اندر مدور کے متعلق ۳۶ گز اور خلاصہ و محیط و سرخسی میں ۴۸ گز ہے اور حوض اگر مثلث ہو تو ہر طرف سوا پندرہ گز سے زیادہ کا اعتبار کیا گیا ہے۔ بعض فقہاء نے اس کی مساحت دہ در دہ قرار دیا ہے۔

قولہ لا تصل الیہ۔ نجاست دوسری طرف اس لئے نہیں پہونچی کہ حرکت کا اثر بمقابلہ نجاست کے جلد پہونچتا ہے۔ سیدنا امام ابوحنیفہ اور سیدنا امام ابو یوسف کے نزدیک غسل کی حرکت کا اعتبار ہے اور اس سلسلہ میں امام محمد کی دو روایت ہیں ایک روایت صرف ہاتھ کی حرکت کی ہے اور دوسری روایت وضو کی حرکت کی ہے شیخین

کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ حوض کی ضرورت بہ نسبت وضو کے غسل کے لئے زیادہ پیش آتی ہے۔ گہرائی کے سلسلے میں معتبر اور صحیح قول یہ ہے کہ صرف چلو بھر لینے سے زمین نہ کھل جائے۔

مَوْتُ مَا لَيْسَ لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فِي الْمَاءِ لَا يُفْسِدُ الْمَاءَ كَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزَّنَابِيرِ وَالْعَقَارِبِ وَمَوْتُ مَا يَعِيشُ فِي الْمَاءِ إِذَا مَاتَ فِي الْمَاءِ لَا يُفْسِدُ الْمَاءَ كَالسَّمَكِ وَالضِّفْدَعِ وَالسَّرَطَانِ۔

ترجمہ: —— پانی میں ایسے جانور کا مرجانا جس میں بہتا خون نہ ہو پانی کو خراب نہیں کرتا جیسے مچھر اور مکھی اور بھڑ اور بچھو اور پانی میں اس جانور کا مرجانا جو پانی ہی میں زندگی بسر کرتا ہے پانی کو خراب نہیں کرتا جیسے مچھلی اور مینڈک اور کیکڑا۔

تشریح: —— قولہ[۱] موت ما لیس لہ۔ یعنی جس جانور میں دم سائل یعنی بہتا خون نہ ہو اس کے پانی میں مرجانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا جیسے مچھر، مکھی، کیکڑا، بچھو وغیرہ چنانچہ حضرت سلمان کی روایت ہے سرکار مدینہ کا ارشاد گرامی ہے کہ اے مسلمان کھانے پینے کی چیزوں میں اگر بلا خون والا جانور مرجائے تو اس چیز کا کھانا، پینا اور اس سے وضو کرنا جائز ہے اور اس لئے بھی کہ پانی کا ناپاک ہونا جانوروں کے مرنے کے وقت بہنے والے خون سے ملنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ مذکورہ جانوروں میں مفقود ہے۔

امام شافعی کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں ایک قول احناف کے موافق ہے اور یہی جمہور شافعی کے نزدیک معتبر بھی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہو جائے گا اس لئے کہ کسی چیز کو حرام قرار دینا جب بطور کراہت نہ ہو تو وہ ناپاک ہونے کی علامت ہے اس کے برخلاف شہد کی مکھیوں اور پھلوں کے کیڑوں کے کہ ان کے مرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حرام ہونے کے لئے کسی چیز کا ناپاک ہونا ضروری نہیں جس طرح مٹی کوئلہ وغیرہ کھانا حرام ہے جب کہ ان کی حرمت ان کے احترام کی وجہ سے نہیں۔

قولہ[۲] موت ما یعیش۔ پانی میں زندگی گذارنے والا جانور مثلاً مچھلی، مینڈک، کیکڑا وغیرہ کے مرجانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ امام شافعی مچھلی کے علاوہ دوسرے جانوروں کی موت کی وجہ سے پانی کو ناپاک قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی کے قول کا رد اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ جب کوئی چیز اعلیٰ مقام پر ہو تو وہ ناپاک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انڈے کی زردی اگر خون میں تبدیل ہو جائے تو ناپاک نہ ہوگی۔

وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَا يَجُوْزُ اسْتِعْمَالُهُ فِي طَهَارَةِ الْأَحْدَاثِ وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ كُلُّ مَاءٍ أُزِيْلَ بِهِ حَدَثٌ

1- شرح القدوری - 3

اَوِ اسْتُعْمِلَ فِی الْبَدَنِ عَلٰی وَجْہِ الْقُرْبَۃِ

ترجمہ: ـــــ اور ماء مستعمل کا استعمال طہارت احداث میں جائز نہیں ہوتا اور ماء مستعمل وہ پانی ہے جس سے حدث یعنی ناپاکی دور کی جائے یا بدن میں قربت الہٰی کے طور پر استعمال کیا جائے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] الماء المستعمل ۔ ماء مستعمل میں چار چیزوں سے متعلق کلام ہے اول سبب استعمال میں دوم مستعمل کب کہا جائے گا؟ سوم اس کی صفت سے متعلق چہارم اس کے حکم سے متعلق اول کا بیان والماء المستعمل کل ما اُزیل الخ سے آگے مذکور ہے اور دوم کا بیان یہ ہے کہ پانی جب تک عضو میں ہے مستعمل نہیں کہا جائے گا اور عضو سے جدا ہوتے ہی مستعمل کہا جائے گا جب کہ مشائخ بلخ و بخارا نے کہا کہ پانی عضو سے جدا ہونے کے بعد جب تک کسی جگہ پر نہ ٹھہر جائے اس وقت تک مستعمل نہیں کہا جائے گا خواہ وہ جگہ زمین ہو یا برتن ہو یا وضو کرنے والا کی ہتھیلی ہو لیکن صحیح پہلا قول ہے اسی طرح ھدایہ وغیرہ میں ہے سوم کا بیان یہ کہ ماء مستعمل سے متعلق سیدنا ابو حنیفہ کی تین روایتیں منقول ہیں ایک حسن بن زیاد کی اور دوسری امام ابو یوسف کی اور تیسری امام محمد کی ۔ بتقدیر اول ماء مستعمل نجس نجاست غلیظہ ہے اور بتقدیر دوم نجس بنجاست خفیفہ اور بتقدیر سوم طاہر ہے فقہاء نے امام محمد کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور فخر الاسلام نے شرح جامع صغیر میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی مختار ہے اور اکثر کتابوں میں اسی پر فتویٰ ہے ۔ چہارم کا بیان لا یجوز استعمالہ الخ سے آگے مذکور ہے ۔

قولہ[۲] لا یجوز استعمالہ ۔ امام ابو حنیفہ کی ایک روایت کے مطابق جس کو امام محمد نے بیان کیا ہے کہ پانی طاہر یعنی پاک ہے اس کا استعمال طہارت احداث میں جائز نہیں یعنی دوسری چیزوں کو پاک نہیں کر سکتی اور اس سے دوبارہ وضو یا غسل نہیں کیا جا سکتا البتہ نجاست حقیقی اس سے دور کی جا سکتی ہے ۔

قولہ[۳] والماء المستعمل کل ما الخ ۔ یعنی ماء مستعمل کس وجہ سے ہوتا ہے؟ یہ اُس کا بیان ہے کہ مستعمل وہ پانی ہے جو حدث کو زائل کرنے کے لئے استعمال کیا جائے یا قربت کیلئے بہر دو تقدیر وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ماء مستعمل ہے ۔ ابو بکر رازی نے امام محمد کے مذہب کو نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک ماء مستعمل صرف قربت کے طور پر استعمال کرنے کیلئے ہوتا ہے جبکہ شمس الائمہ نے لکھا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں کیونکہ اصل مذہب یہ ہے کہ ماء مستعمل صرف ازالۂ حدث سے ہوتا ہے ۔

وَکُلُّ[۱] اِھَابٍ دُبِغَ[۲] فَقَدْ طَھُرَ جَازَتِ الصَّلٰوۃُ فِیْہِ وَالْوُضُوْءُ مِنْہُ اِلَّا جِلْدُ الْخِنْزِیْرِ وَالْاٰدَمِیِّ وَ

وشعرُ المیتۃِ وعظمُہا طاہرٌ

ترجمہ:۔ —— اور ہر کچا چمڑہ دباغت سے پاک ہوجاتا ہے اس پر نماز پڑھنا اور اس سے وضو کرنا جائز ہے مگر خنزیر اور آدمی کی کھال اور مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہے۔

تشریح —— قولہ[1] کل اھاب۔ غیر دباغت شدہ چمڑہ کو اھاب کہا جاتا ہے اور دباغت شدہ کو ادیم۔ اور چمڑہ کے مسائل کو پانی کے مسائل کے ذیل میں اس لئے بیان کیا گیا کہ چمڑہ سے چونکہ ڈولچی یا مشکیزہ وغیرہ تیار کر کے پانی نکالا جاتا ہے اور اس سے وضو کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر کچا چمڑہ کہ اگر اس کو دباغت دیا جائے تو اس پر نماز پڑھنا اور وضو کرنا جائز ہو جاتا ہے اور اس کو مشکیزہ و ڈولچی وغیرہ بنا کر وضو بھی کیا جا سکتا ہے چنانچہ سرکار کا ارشاد ہے کہ جس کچا چمڑہ کو دباغت دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے لیکن آدمی اور خنزیر کی کھال اس سے مستثنیٰ ہیں وہ قابل انتفاع نہیں خنزیر کی اس لئے کہ وہ نجس العین ہے اس کے علاوہ وہ تہ بہ تہ ہونے کی وجہ سے دباغت کے لائق بھی نہیں لیکن آدمی کی کھال کہ وہ نہایت رقیق ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ دباغت کے قابل نہیں اور اگر دباغت دی بھی جائے تو اس کی تعظیم وتوقیر کی وجہ سے استعمال ممنوع ہے۔

قولہ[2] دُبِغَ۔ دباغت دو طرح کی ہوتی ہے ایک حقیقی اور دوسری حکمی۔ حقیقی وہ دباغت ہے جو پھٹکری یا ببول کے پتے وغیرہ مصالحوں کے ذریعہ ہو اور حکمی وہ ہے جو مذکورہ مصالحوں کے علاوہ صرف دھوپ۔ ہوا۔ مٹی کے ذریعہ ہو۔ دباغت چونکہ یہاں مطلق ہے اس لئے دباغت حکمیہ کے بعد بھی چمڑہ اگر پانی میں گر جائے تو ناپاک نہ ہوگا چنانچہ ہندیہ میں ہے کہ دباغت حقیقی کے بعد چمڑہ کو پانی لگنے سے قطعاً ناپاک نہیں ہوتا۔ لیکن دباغت حکمیہ کے بعد بھی ظاہر یہ ہے کہ ناپاک نہ ہوگا۔

قولہ[3] الا الجلد الخنزیر۔ استثنا یہاں پہلے خنزیر کا کیا گیا پھر آدمی کا جب کہ اس کا برعکس ہونا چاہیئے لیکن یہاں ایسا اس لئے کیا گیا کہ یہ مقام ذلت وخواری یعنی اظہار نجاست کا ہے اس لئے ذلیل وخوار چیز جو خنزیر ہے اس کو پہلے بیان کیا گیا پھر آدمی کو۔

قولہ[4] شعر المیتۃ۔ یعنی مردار اور اس کی ہڈی اسی طرح کھر۔ سم۔ سینگ۔ اون۔ ناخن۔ پر۔ چربی غرض کہ وہ تمام چیزیں جس میں زندگی نہ پائی جائے وہ پاک ہے اسی حکم میں آدمی بھی ہے لیکن خنزیر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی ہر چیز ناپاک ہے۔ مذکورہ چیزیں پاک اس لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اون و بال وغیرہ کو انعامات میں شمار کیا ہے

جس سے ظاہر ہے کہ وہ پاک ہے اس لئے کہ ناپاک چیز سے کبھی بھی امتنان نہیں کیا جاتا اس کے علاوہ سرکار نے اپنے موئے مبارک حضرت طلحہ کو عطا فرمایا اور انہوں نے تمام لوگوں میں تقسیم کیا اسی طرح حضرت ثوبان کی روایت ہے کہ سرکار نے حضرت فاطمہ کیلئے اونٹ کی ہڈی کا ایک ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدا تھا جس سے واضح ہے کہ مذکورہ چیزیں پاک ہیں۔

واضح رہے کہ یہ پاک اس وقت ہے جبکہ ان میں خون وغیرہ کی آلائش نہ لگی ہو ورنہ الائش کی وجہ سے وہ ناپاک ہوں گے۔

وَاِذَا وَقَعَتْ فِی الْبِئْرِ نَجَاسَةٌ نُزِحَتْ وَکَانَ نَزْحُ مَا فِیْهَا مِنَ الْمَاءِ طَهَارَةً لَهَا فَاِنْ مَاتَتْ فِیْهَا فَارَةٌ اَوْ عُصْفُوْرَةٌ اَوْ صَعْوَةٌ اَوْ سُوْدَانِیَّةٌ اَوْ سَامَّ اَبْرَصَ نُزِحَ فِیْهَا مَا بَیْنَ عِشْرِیْنَ دَلْوًا اِلٰی ثَلٰثِیْنَ بِحَسَبِ کِبَرِ الدَّلْوِ وَصِغَرِهَا۔

ترجمہ: ـــــ اور جب کنویں میں نجاست گرجائے تو اس کا سارا پانی نکالا جائے گا اور اس کے پانی کا نکالنا ہی کنویں کیلئے طہارت ہے پس اگر اس میں چوہا مرا یا چڑیا یا ممولہ یا بھجنگا یا چھپکلی تو نکالا جائے گا۔ بیس ڈول سے تیس ڈول تک ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے اعتبار سے۔

تشریح: ـــــ قولہ واذا وقعت۔ کنوؤں میں چونکہ پانی ہوتا ہے اس لئے کنوؤں کے احکام کو پانی کے احکام کیساتھ بیان کیا گیا کہ کنویں میں اگر نجاست گرجائے تو اولاً اس نجاست کو نکالا جائے پھر کنویں کو پاک کرنے کیلئے اس کا سارا پانی نکالا جائے اور یہ پانی کا نکالنا ہی کنویں کیلئے طہارت ہے نزحت کا فاعل اگرچہ بئر ہے لیکن اس سے مراد اس کا پانی ہے از قبیل ذکر محل وارادۂ حال چنانچہ کہا جاتا ہے جرَی النھرُ وسالَ المیزابُ یعنی نہر جاری ہوا اور پرنالہ بہا حالانکہ نہر اور پرنالہ کا پانی جاری ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے و اسئل القریۃ اور طہارۃ لہا سے یہ اشارہ ہے کہ کنواں جب پاک ہوگا تو اس کے ساتھ اس کی کیچڑ اور پتھر اور ڈول اور رسی وغیرہ پاک ہوجائیں گے۔ اور کنواں کی پاکی اس وقت سے ہوگی جب آخری ڈول پانی سے جدا ہوجائے یا اس وقت ہوگی جب کہ آخری ڈول کنواں سے باہر آجائے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دوم معتبر ہے اور امام محمد کے نزدیک اول اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا جبکہ آخری ڈول کے پانی سے جدا ہونے کے بعد کنواں سے باہر آنے سے قبل کنواں سے پانی نکالا جائے کہ وہ امام ابو یوسف کے نزدیک ناپاک ہے اور امام

محمد کے نزدیک پاک !

قولہ[۱] فان ماتت ۔ یعنی کنواں میں اگر چوہا یا اس کے مانند جانور مثلاً گوریا اور بھجنگا اور گرگٹ وچھپکلی گر کر مر جائے تو اس سے بیس[۲] سے تیس[۳] ڈول تک پانی نکالا جائے گا یعنی بیس ڈول نکالنا واجب ہوگا اور تیس[۳] ڈول نکالنا مستحب ! چنانچہ حضرت انس کی روایت ہے کہ کنواں میں اگر چوہا گر کر مر جائے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس[۲] ڈول نکالنا چاہیئے ۔

واضح ہو کہ چوہا یا اس کی مانند جانوروں کے متعلق جو حکم گذرا یہ اس وقت ہے جبکہ چوہا بلی سے خوف زدہ یا زخمی ہو کر پانی میں گرا ہو ورنہ کنواں کا سارا پانی نکالنا ضروری ہوگا ۔ اگر چہ وہ زندہ ہی نکل آئے چوہا بلی کے خوف سے پانی میں پیشاب کردے گا اور ظاہر ہے اس کا پیشاب ناپاک ہے اسی طرح بلی میں کہ وہ کتا سے خوف زدہ یا زخمی ہو کر نہ گری ہو ورنہ پورا پانی نکالا جائے گا ۔

قولہ[۳] فیہا فارۃ ۔ حکم مذکور جانوروں کی موت سے متعلق ہے کہ وہ کنواں میں گر کر مر جائے اور اگر زندہ نکال لیا جائے تو کنواں ناپاک نہ ہوگا سوائے کتا اور خنزیر کہ ان کے زندہ نکالے جانے پر بھی پورا پانی نکالا جائے

کتا و خنزیر کے علاوہ جانور جو زندہ کنواں سے نکالا جائے اس کو دیکھا جائے کہ اس کا منہ پانی تک پہونچا ہے یا نہیں اگر پانی تک پہونچا ہو اور اس جانور کا جوٹھا ناپاک ہو تو پانی ناپاک ہوگا جس سے پورا پانی نکالا جائے گا اور اگر مکروہ ہو تو پانی مکروہ ہوگا جس سے صرف دس ڈول پانی نکالا جائے گا ۔ اور اگر مشکوک ہو تو پانی مشکوک ہوگا جس سے پورا پانی نکالا جائے گا اور اگر اس کا منہ پانی تک نہ پہونچا ہو تو کچھ بھی پانی نکالنے کی ضرورت نہیں پانی خواہ کم ہو یا زیادہ ۔

وَاِنْ[۱] مَاتَتْ فِیْهَا حَمَامَةٌ اَوْ دَجَاجَةٌ اَوْ سِنَّوْرٌ نُزِحَ مِنْهَا مَابَیْنَ اَرْبَعِیْنَ دَلْوًا اِلٰی خَمْسِیْنَ وَاِنْ مَاتَ فِیْهَا کَلْبٌ اَوْ شَاةٌ اَوْ آدَمِیٌّ نُزِحَ جَمِیْعُ مَا فِیْهَا مِنَ الْمَاءِ ۔

ترجمہ : ـــــ اور اگر کنویں میں کبوتر مر گیا یا مرغی یا بلی تو چالیس سے پچاس ڈول تک نکالا جائے گا اور اگر اس میں کتا مر گیا یا بکری یا آدمی تو سارا پانی نکالا جائے گا ۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] وان ماتت فیہا ۔ یعنی کنواں میں اگر کبوتر یا اس کی مانند مرغی یا بلی وغیرہ گر کر مر جائے تو چالیس سے پچاس ڈول تک پانی نکالا جائے گا ۔ یعنی چالیس ڈول نکالنا واجب ہوگا اور

بچاس ڈول مستحب ! علامہ طحاوی نے حضرت ابو سعید الخدری سے اسی طرح نقل کیا ہے ۔
قولہ فیھا کلب ۔ یعنی کنواں میں اگر کتا یا بکری یا آدمی مرجائے تو اس کا پورا پانی نکالا جائیگا دارقطنی وبیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے یہی فتویٰ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے زمزم کے کنویں میں ایک حبشی کے مرنے پر فتویٰ دیا تھا ۔
خیال رہے کہ موت کیساتھ کتے کا ذکر احترازی نہیں کیونکہ وہ جانور جس کا جوٹھا نجس ہو اس کے لئے مرنا شرط نہیں بلکہ وہ اگر زندہ نکال لیا جائے پھر بھی پورا پانی نکالا جائے گا ۔

وان انتفخ الحیوان فیھا او تفسخ نزح جمیع ما فیھا صغر الحیوان او کبر

ترجمہ : ــــ اور اگر جانور کنواں میں گر کر پھول جائے یا پھٹ جائے تو سارا پانی نکالا جائے گا جانور خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ۔
تشریح : ــــ قولہ وان انتفخ ۔ اس سے قبل جانوروں کی موت سے متعلق بیان تھا کہ وہ اگر کنواں میں گر کر مرجائے تو اس کے مختلف احکام ہیں جانوروں کے چھوٹے اور بڑے ہونے کے اعتبار سے اور اب یہ بیان ہے کہ جانور اگر کنویں میں گر کر پھول جائے یا پھٹ جائے تو اس کا صرف ایک حکم ہے اور وہ یہ کہ کنویں کا پورا پانی نکالا جائے ۔ جانور خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ۔

وعدد الدلاء یعتبر بالدلو الوسط المستعمل للآبار فی البلدان فان نزح منھا بدلو عظیم قد ما یسع من الدلاء الوسط احتسب بہ وان کان البئر معینا لا ینزح وجب نزح ما فیھا اخرجوا مقدار ما فیھا من الماء وعن محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ انہ قال ینزح منھا مائتا دلو الی ثلثمائۃ

ترجمہ : ــــ اور ڈول کی گنتی اس اوسط درجہ کے ڈول سے اعتبار کرلی جائے گی جو ان شہروں کے کنوؤں میں استعمال کیا جاتا ہے پس اگر ایک بڑے ڈول سے اس قدر پانی نکالا جائے جس میں اوسط درجہ کے بہت سے ڈول سما جائے تو اس اوسط درجہ کے ڈول سے اس کا حساب کرلیا جائے گا اور اگر کنواں جاری ہو اور سارا پانی

نکلنا ممکن نہ ہو تو پانی کی واجب مقدار نکالی جائے گی اور امام محمد بن حسن سے روایت ہے کہ دو سو ڈول سے تین سو ڈول تک نکالا جائے گا۔

تشریح: ــــ قولہ عدد الدلاء ۔ یعنی ڈولوں کی تعداد کا اعتبار اوسط درجہ کے ڈول سے کیا جائے گا جو ان شہروں کے کنویں میں روزانہ مستعمل ہے اور اگر کسی کنواں کا ڈول مقرر نہ ہو تو اس ڈول کا اعتبار کیا جائے گا جس میں ایک صاع پانی سما جائے اور جو ڈول صاع سے کم یا زیادہ ہو تو اس کا حساب صاع والے ڈول سے کیا جائے گا لہذا بڑا ڈول اگر بیس یا چالیس ڈولوں کے برابر ہو تو ایک ہی ڈول نکالنا کافی ہوگا اگر بیس یا چالیس ڈول نکالنا واجب ہو کیونکہ جتنی مقدار نکالنا واجب تھا وہ حاصل ہو گیا۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ڈولوں کی گنتی شرط نہیں اور امام زفر کے نزدیک شرط ہے چنانچہ صورت مذکورہ میں بڑا ڈول جو بیس یا چالیس ڈولوں کے برابر ہے تینوں اماموں کے نزدیک بیس یا چالیس شمار کیا جائیگا اور امام زفر کے نزدیک صرف ایک ڈول اور فتویٰ ائمہ ثلاثہ کے قول پر ہے۔

قولہ وان کان البئر ۔ یعنی کنواں اگر جاری ہو اور سارا پانی نکالنا دشوار ہو تو اس کے پانی کا اندازہ کر کے اس میں سے اتنا ہی پانی نکالا جائے ۔ کنواں کے جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا سوت کھلا ہوا ہو جس قدر پانی اس میں سے نکالا جائے اتنا ہی دوسرا آجائے اور نزح ما فیہا الخ سے مراد یہ کہ صرف اسی پانی کو کنواں سے نکالا جائے جو نجاست کنواں میں گرنے کے وقت تھا۔ اندازہ کر کے اتنا پانی نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا اگر چہ سوت کھلا ہوا ہونے کی وجہ سے اس کا پانی کم نہ ہو۔

قولہ عن محمد بن الحسن ۔ یعنی کنواں اگر جاری ہو اور اس کا سارا پانی نکالنا دشوار ہو تو اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کے مختلف اقوال ہیں۔ امام ابو حنیفہ سے تین قول مروی ہیں ایک یہ کہ ایسے کنویں سے سو ڈول نکالا جائے دوسرا قول یہ کہ دو سو ڈول نکالا جائے تیسرا قول یہ کہ سارا پانی نکالا جائے لیکن اس کی کوئی تفصیل مروی نہیں اور امام ابو یوسف سے بھی مختلف اقوال ہیں ایک یہ کہ جن لوگوں کو پانی کے اندازہ کرنے کا ملکہ ہو تو جتنا پانی وہ اندازہ کریں اتنا ہی نکالا جائے ۔ دوسرا قول یہ کہ اس کے پانی کو ناپ کر گہرائی چوڑائی میں اس کی برابر ایک گڑھا کھودا جائے اور کنویں سے پانی نکال کر اس میں ڈالا جائے پس اگر وہ گڑھا بھر جائے تو سمجھ لیا جائیگا کہ وہ کنواں پاک ہو گیا ۔ اسی طرح امام محمد بن حسن کے بھی دو قول ہیں ایک یہ کہ دو سو ڈولوں سے ڈھائی سو تک نکال دیا جائے اور اسی پر فتویٰ ہے اور دوسرے میں ڈھائی سو سے تین سو ڈول تک نکال دیا جائے۔

وَاِذَا وُجِدَ فِی الْبِئْرِ فَارَۃٌ مَیِّتَۃٌ اَوْ غَیْرُھَا وَلَا یَدْرُوْنَ مَتٰی وَقَعَتْ وَلَمْ تَنْتَفِخْ وَلَمْ تَتَفَسَّخْ اَعَادُوْا صَلٰوۃَ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ اِذَا کَانُوْا تَوَضَّؤُا مِنْھَا وَغَسَلُوْا کُلَّ شَیْءٍ اَصَابَہٗ مَاؤُھَا۔

ترجمہ: ـــــ اور جب کنواں میں مرا ہوا چوہا وغیرہ پایا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ کب گرا ہے اور نہ وہ پھولا پھٹا نہ ہو تو وہ لوگ ایک دن اور ایک رات کی نمازیں لوٹائیں جنہوں نے اس سے وضو کیا ہے اور ہر اس چیز کو دھوئیں جس کو اس کا پانی پہونچا ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ واذا وُجِدَ۔ یعنی کنواں میں اگر چوہا وغیرہ مرا ہوا پایا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ کب گرا ہے اور نہ وہ پھولا پھٹا ہو تو جن لوگوں نے اس سے وضو کیا ہے وہ ایک دن اور ایک رات کی نمازوں کو لوٹائیں اور ان سب چیزوں کو دھوئیں جن کو اس کا پانی لگا ہو۔

یہ حکم سیدنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب تک یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ جانور کب گرا ہے؟ اس وقت تک اعادہ کا حکم نہیں دیا جائے گا چونکہ پچھلا جو کام بھی کیا گیا وہ یقین کے طور پر تھا اور اب جو گمان لاحق ہوا اس سے یقین کو زائل نہیں کیا جا سکتا۔ دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ جب کسی چیز کا حقیقی سبب معلوم نہ ہو تو ظاہری سبب پر حمل کیا جائے گا پس جانور کی موت کا سبب اگرچہ یقینی طور پر معلوم نہیں لیکن چونکہ اس کا پانی میں گرنا موت کا ظاہری سبب موجود ہے اس لئے اس طرف موت کی نسبت کر دی گئی لیکن ایک دن اور ایک رات کے میعاد کی وجہ یہ ہے کہ جانور کا نہ پھولنا اور نہ پھٹنا قرب زمانی کی علامت ہے اس وجہ سے ایک دن اور ایک رات کا میعاد متعین کیا گیا چونکہ اس سے کم ساعتوں کا تعین دشوار ہے برخلاف پھول جانے یا پھٹ جانے میں پرانا پن کی علامت ہے اور اس کی ادنیٰ مدت تین دن اور تین رات ہیں جس طرح کسی مردہ کو اگر بلا نماز پڑھائے دفن کر دیا جائے تو اس کی قبر پر تین دن اور تین رات تک نماز پڑھی جا سکتی ہے ان کے بعد ممنوع ہے۔

قولہ میتۃ او غیرھا۔ میتۃ یاء کی تخفیف کیساتھ ہے اس لئے کہ جو میّتۃ یاء کی تشدید کے ساتھ ہے اس کا اطلاق زندہ پر ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے انک میّتٌ یعنی ستموت۔

وَاِنِ انْتَفَخَتْ اَوْ تَفَسَّخَتْ اَعَادُوْا صَلٰوۃَ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ وَّلَیَالِیْھَا فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی لَیْسَ عَلَیْھِمْ اِعَادَۃُ شَیْءٍ حَتّٰی یَتَحَقَّقُوْا مَتٰی وَقَعَتْ

ترجمہ: ـــــ اور اگر جانور پھول گیا یا پھٹ گیا ہو تو تین دن اور تین رات کی نمازیں لوٹائیں امام ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اور امام ابویوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ ان پر کسی چیز کا اعادہ ضروری نہیں جب تک یہ تحقیق نہ کر لیا جائے کہ کب گرا ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وان انتفخت۔ یعنی کنویں میں اگر کوئی مرا ہوا چوہا یا کوئی جانور پایا گیا ہو اور اس کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو اور وہ پھول یا پھٹ گیا ہو تو تین دن اور تین رات قبل سے ہی کنویں کو ناپاک مانا جائے گا اور اس درمیان جتنی نمازیں اس پانی سے وضو یا غسل کر کے پڑھی گئیں ہیں ان سب کا اعادہ لازم ہوگا یہ حکم سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین کا خیال ہے کہ جبتک یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ جانور کب گرا ہے اس وقت تک کسی چیز کا اعادہ ضروری نہیں جیسا کہ دلیل اوپر گذری۔

وسؤر[۱] الآدمی[۲] ومایؤکل لحمہ طاھر وسؤر الکلب[۳] والخنزیر وسباع[۴] البھائم نجس

ترجمہ: ـــــ اور آدمی اور ان جانوروں کا جوٹھا پاک ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور کتے اور خنزیر اور درندوں کا جوٹھا ناپاک ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] سؤر۔ سؤر یعنی وہ پانی جس کو پی کر چھوڑ دیا ہو اس کی پانچ قسمیں ہیں (۱) طاہر بالاتفاق (۲) نجس بالاتفاق (۳) مختلف فیہ (۴) مکروہ (۵) مشکوک ہر ایک کا بیان آگے مذکور ہے لیکن پہلی قسم جو طاہر بالاتفاق ہے وہ آدمی اور ان جانوروں کا جوٹھا ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ وہ پاک اس لئے ہے کہ ان کے جوٹھے میں لعاب دہن شامل ہوتا ہے جو پاک گوشت سے بنتا ہے چنانچہ مروی ہے کہ سرکار مدینہ کی بارگاہ میں دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے نوش فرما کر ایک اعرابی کو دیا اور اس نے کچھ پی کر سیدنا ابوبکر کو دی اور آپ نے باقی ماندہ کو پی لیا۔

قولہ[۲] الآدمی۔ آدمی سے مراد عام ہے کہ وہ جنبی ہو یا کافر۔ حائضہ ہو یا نفاس والی۔ زندہ ہو یا مردہ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار مدینہ سے سیدنا ابوہریرہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں جنبی تھا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ ان المؤمن لا ینجس یعنی مومن ناپاک نہیں ہوتا۔ دوسرا قول عبداللہ بن عباس سے مروی ہے لاتنجسوا موتاکم فان المسلم لیس بنجس حیاً ومیتاً یعنی مسلمان مردہ کو ناپاک نہ سمجھیں کیونکہ مسلمان زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا۔ حضرت ثمامہ بن اثال کو اسلام قبول کرنے سے قبل سرکار نے مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تھا جس سے پتہ چلا کہ کافر بھی بظاہر ناپاک نہیں ہوتا۔ ورنہ مسجد میں سرکار نہ باندھتے۔

قولہ سور الکلب ۔ یہ بیان ہے دوسری قسم نجس بالاتفاق کا کہ کتا اور خنزیر کا جوٹھا ناپاک ہے چنانچہ سرکار کا قول ہے اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیھرقہ ولیغسلہ ثلاث مرات ۔ یعنی جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈالدے تو اس کا گرادینا چاہیئے اور برتن کو تین مرتبہ دھونا چاہیئے پس جب کتے کی زبان کا پانی میں لگنے کی وجہ سے برتن ناپاک ہوسکتا ہے تو پانی بدرجۂ اولیٰ ناپاک ہوگا اور خنزیر کتا سے زیادہ ناپاک ہے کہ وہ نجس العین ہے تو اس خنزیر کا جوٹھا بھی بدرجۂ اولیٰ ناپاک ہوگا ۔

قولہ سباع البھائم ۔ یہ بیان ہے تیسری قسم مختلف فیہ کا کہ درندوں کا جوٹھا سیدنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناپاک ہے لیکن سیدنا امام شافعی کے نزدیک پاک ہے ۔ دلیل امام شافعی کی سرکار کی یہ حدیث ہے کہ آپ سے ایسے تالاب سے متعلق دریافت کیا گیا جس سے درندے اور کتے پانی پیتے ہیں تو جواب دیا لھا ما اخذت فی بطونھا وما بقی فھو لنا شراب و طھور یعنی جو کچھ ان کے پیٹ میں گیا وہ ان کا ہے اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے لئے پاک ہے دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ درندوں کا گوشت چونکہ ناپاک ہے اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے ناپاک و پاک ہونے میں گوشت کا اعتبار کیا جائے گا اور حدیث مذکور میں کتے کا بھی ذکر موجود ہے پس اس میں تائید کیساتھ تردید بھی موجود ہے ۔

درندوں کا جوٹھا ناپاک ہے وہ آیا نجس غلیظ ہے یا خفیف امام ابوحنیفہ اول کے قائل ہیں اور امام ابو یوسف دوم کے ! خیال رہے کہ درندوں میں شیر ۔ بھیڑیا ۔ لومڑی ۔ ہاتھی ۔ بجو ۔ بندر وغیرہ داخل ہیں ۔

وسؤر الھرۃ والدجاجۃ المخلاۃ وسباع الطیور وما یسکن فی البیوت مثل الحیۃ والفارۃ مکروہ

ترجمہ: ـــــ اور بلی اور چھوٹی ہوئی مرغی اور شکاری پرندوں اور ان جانوروں کا جوٹھا جو گھروں میں رہتے ہیں جیسے سانپ اور چوہا مکروہ ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ سور الھرۃ ۔ یہ بیان ہے چوتھی قسم مکروہ کا کہ بلی اور آزاد مرغی اور سباع طیور مثلاً باز اور شقرہ اور عقاب اور چیل اور کوے اور گھریلو جانور مثلاً سانپ اور چوہا وغیرہ کا جوٹھا مکروہ ہے ۔ بلی کے متعلق سرکار کی یہ حدیث ہے الھرۃ سبع یعنی بلی ایک درندہ ہے ظاہر ہے اس سے بلی کی تخلیق نہیں بلکہ اس کے حکم کو بیان کیا گیا ہے لہذا اس کے جوٹھے کو دوسرے درندوں کی طرح ناپاک ہونا چاہیئے لیکن چونکہ وہ گھروں میں بکثرت آمد ورفت کرتی ہے اس وجہ سے اس سے نجاست کو ساقط کردی گئی تو کراہت باقی رہ گئی ۔ سیدنا امام شافعی کا قول

بلکہ یہی قول امام ابو یوسف کا ہے کہ بلی کا جوٹھا بلا کراہت پاک ہے۔ چنانچہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانی کے برتن کو بلی کے سامنے کرتے اور اس کے پی لینے کے بعد اس سے وضو فرمایا کرتے پس اگر وہ مکروہ ہوتا تو سرکار اس کا استعمال نہ فرماتے۔

واضح ہو کہ مکروہ کی چونکہ دو قسمیں ہیں ایک تنزیہی اور دوسری تحریمی لہٰذا یہاں مکروہ سے کونسی قسم مراد ہے بجامع صغیر میں سیدنا امام ابوحنیفہ سے مکروہ تنزیہی مروی ہے اور یہی اصح بھی ہے۔ صاحب ہدایہ سے دونوں قول منقول ہیں۔ تحریمی بھی اور تنزیہی بھی لیکن تحریمی اس لئے کہ اس کا گوشت حرام ہے اور تنزیہی اس لئے کہ وہ نجاست وگندگی سے نہیں بچتی۔

قولہ[۲] والدجاجۃ المخلاۃ۔ یعنی چھوٹی ہوتی مرغی کا جوٹھا مکروہ ہے کیونکہ وہ گندگی سے آلودہ ہوتی ہے اور اگر وہ اس طور پر بندھی ہو کہ اس کا چونچ اس کے قدم تک نہ پہونچے تو مکروہ نہیں کیونکہ اس میں اصل طہارت ہے کہ اس کا گوشت حلال ہے۔ برخلاف بلی کہ اگر اس کو باندھ دیا جائے تو اس کی کراہت زائل نہ ہوگی کیونکہ وہ ماکول اللحم نہیں لیکن شکاری پرندوں کا جوٹھا مکروہ اس لئے ہے کہ وہ عادۃً مردوں کو کھاتا ہے لہٰذا وہ چھوٹی ہوئی مرغی کے مشابہ ہوگی۔ پس اگر اس کو باندھ دیا جائے تو کراہت زائل ہوجائے گی کیونکہ وہ اپنے چونچ سے کھاتی پیتی ہے اور وہ ہڈی ہے اور ہڈی ظاہر ہے پاک ہوتی ہے برخلاف بلی کہ وہ اپنی زبان سے پیتی ہے اور ظاہر ہے زبان گوشت ہوتی ہے اور گوشت اس کا ناپاک ہے۔

وسؤرُ[۱] الحمارِ والبغلِ مشکوکٌ فانْ لَمْ[۲] یجدِ الانسانُ غیرہٗ توضأ بہٖ وتیمم وبایہما بدأ جاز۔

ترجمہ:۔ اور گدھے اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے پس اگر انسان اس کے علاوہ نہ پاتے تو وہ اس سے وضو اور تیمم بھی کرے اور جائز ہے ان میں سے جس سے ابتدا کرے۔

تشریح:۔ قولہ[۱] سور الحمار۔ یہ بیان ہے پانچویں قسم مشکوک کا کہ گدھا اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے اور مشکوک کا یہ معنی نہیں کہ اس کا شرعی حکم معلوم نہیں اس لئے کہ شرعی حکم مثلاً استعمال کا ضروری ہونا اور نجاست کا منتفی ہونا اور اس کے ساتھ تیمم کو ملانا وغیرہ بلاشبہ معلوم ہے بلکہ اس سے مراد توقف ہے ان کے گوشت کی حرمت ومباح ہونے میں اس بناء پر کہ دلیلیں ایک دوسرے کے متعارض ہیں چنانچہ سیدنا جابر کی روایت سرکار مدینہ سے یہ ہے کہ آپ نے جنگ خیبر کے موقع پر پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا تھا اور گھوڑے کے گوشت کی

اجازت مرحمت فرمائی تھی اور سیدنا مولیٰ علی کی روایت ہے کہ آپ نے پالتو گدھا اور خچر کے ساتھ گھوڑے کے گوشت کو بھی منع فرمایا ہے ۔

قولہ[۲] فان لم یجد ۔ یعنی کسی کے پاس اگر کہی مشکوک پانی اور پاک مٹی ہے اور مطلق پانی نہیں تو وہ وضو اور تیمم دونوں کرے اور ان میں سے جس کو چاہے ابتدا کرے ۔

خیال رہے کہ ائمہ ثلاثہ اس امر میں متفق ہیں کہ وضو و تیمم میں سے جس کو چاہے مقدم کیا جا سکتا ہے البتہ امام زفر کا قول اس امر میں یہ ہے کہ پہلے وضو کرے پھر تیمم کرے تاکہ اثر تیمم باقی رہے اس لئے کہ وہ پانی واجب الاستعمال ہے جو مطلق پانی کے مشابہ ہے ۔

بابُ التیمم[۱]

ترجمہ : مسائل تیمم کا بیان

وَمَن[۱] لَم یجد الماءَ وھو مسافرٌ اوخارجُ المصرِ[۲] وبینہٗ وبین المصرِ نحو المیلِ[۳] او اکثرَ او کان یجد الماءَ الّا انّہٗ مریضٌ فخاف[۴] اِن استعمل الماءَ اشتدّ مرضہٗ اوخافَ الجنبُ اِن اغتسلَ بالماءِ یقتلہُ البردُ اَو یُمرّضہٗ فانہٗ تیمّمَ بالصعیدِ[۵] ۔

ترجمہ : ـــــ اور جو شخص پانی نہ پائے اور وہ مسافر ہو یا شہر سے باہر ہو دراں حالیکہ اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا اس سے زائد کا فاصلہ ہو یا وہ پانی پائے لیکن وہ بیمار ہو اور اندیشہ ہو کہ اگر پانی استعمال کرے تو مرض بڑھ جائے گا یا جنبی کو اندیشہ ہو کہ اگر پانی استعمال کرے تو اس کو سردی مار ڈالے گی یا بیمار کر دے گی تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے ۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] باب التیمم ۔ تیمم چونکہ خلیفہ ہے وضو کا اس لئے وضو کے بعد تیمم کو بیان کیا گیا کہ خلیفہ کا درجہ اصل کے بعد ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فان لم تجدوا الماءَ فتیمموا صعیداً طیباً ۔ تیمم لغت میں

بمعنی قصد و ارادہ ہے اور شریعت میں بہ نیت تقرب پاک مٹی وغیرہ سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کی مسح کرنے کو کہا جاتا ہے۔

تیمم کے ارکان و شرائط اگرچہ آگے بالتفصیل مذکور ہیں لیکن یہاں اُن کو مزید افادہ کیلئے اجمالاً بیان کیا جاتا ہے کہ تیمم میں دو رکن ہیں ایک پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مارنا دوسرا چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا پورے طور پر استیعاب۔ شرطیں اس کی چھ ہیں (۱) نیت کرنا (۲) مسح کرنا (۳) کم سے کم تین انگلیوں سے تیمم کرنا (۴) مٹی یا اُس کی مثل کا ہونا (۵) زمین وغیرہ کا پاک ہونا (۶) پانی نہ ملنا یا اس کا نقصان دہ ہونا۔

قولہ ومن لم یجد۔ یعنی جو شخص سفر میں ہونیکی وجہ سے یا شہر میں باہر ہونے کی وجہ سے پانی نہ پائے دراں حالیکہ اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا اس سے زائد کا فاصلہ ہو یا پانی تو پالے لیکن اگر پانی استعمال کرے تو مرض بڑھ جانے کا خطرہ ہے یا جنبی کو ٹھنڈی کی وجہ سے مرجانے کا اندیشہ ہو تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے گا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فان لم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً۔ سرکار مدینہ نے ارشاد فرمایا التراب طہور المسلم ولوالی عشر حجج مالم یجد الماء۔ یعنی مٹی مسلمان کے لئے پاکی کا ذریعہ ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے۔

قولہ او خارج المصر۔ وہ منصوب ہے ظرفیت کی وجہ سے اصل عبارت یہ ہے او فی خارج المصر خارج مصر یعنی شہر سے باہر ہونا عام ہے کہ تجارت کیلئے ہو یا کاشتکاری یا اس کے علاوہ کیلئے۔ اس قید سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ شہر میں رہتے ہوئے پانی اگر نہ ملے تو تیمم جائز نہیں صرف تین صورتوں میں جو اس سے مستثنیٰ ہیں ایک نماز جنازہ اور دوسری نماز عیدین کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تیسری جنبی کو ٹھنڈک کی وجہ سے بیمار ہوجانے کا اندیشہ ہو۔

قولہ نحو المیل۔ بُعد و دوری کتنی ہونی چاہیئے؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے اکثر فقہاء کم سے کم ایک میل کی دوری کا اعتبار کیا ہے۔ بعض کے نزدیک اتنی دوری ہو کہ چلانے سے آواز وہاں پہونچ جائے۔ بعض کے نزدیک اتنی دوری ہو کہ جہاں اذان کی آواز نہ سنائی دے۔ بعض نے کہا کہ بجانب سفر دو میل کی دوری ضروری ہے۔ بعض نے ہر طرف دو میل کی دوری کا اعتبار کیا ہے لیکن امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ پانی اگر اتنی دور ہو کہ اگر اس کی تلاش کی جائے تو شریک سفر نظروں سے اوجھل ہوجائے جس سے جان و مال کے نقصان کا اندیشہ ہو تو اس مسافت کو دوری اعتبار کیا جائے گا۔ امام زفر نے کہا کہ نماز قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت بھی تیمم جائز ہے اگرچہ پانی میل بھر سے کم دوری پر ہو۔

خیال رہے کہ ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے۔ اور ایک فرسخ تین میل کا اور ایک میل ایک ہزار باع کا اور ایک باع چار گز کا اور ایک گز چار انگل کا اور ایک انگل چھ جو کا اس طور پر کہ ایک جو کی پیٹھ دوسرے

جُو کے پیٹ سے ملی ہو اور ایک جو خچر کے چھ بالوں کا ہوتا ہے۔
قولہ[۵] الا انہ ۔ بیمار کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ پانی کا استعمال نقصان دے جیسے بخار و چیچک کا بیمار کہ اس کے لئے تیمم بالاجماع جائز ہے دوسرا یہ کہ پانی اگر چہ مضر تو نہ ہو لیکن حرکت کرنا مضر ہو جیسے دستوں کا بیمار پس اگر اس میں کوئی مددگار نہ ہو تو تیمم بالاجماع جائز ہے لیکن اگر مددگار ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیمم جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں تیسری صورت یہ کہ بیمار وضو پر قادر نہ ہو نہ بذات خود اور نہ کسی دوسرے کی مدد سے بعض نے کہا کہ جب تک کسی ایک پر قادر نہ ہو جائے اس وقت تک نماز نہ پڑھے امام ابو یوسف نے کہا کہ نماز پڑھے لیکن قدرت کے بعد اعادہ کرے۔
قولہ[۹] فخاف ان استعمل ۔ یعنی یہ اندیشہ ہو کہ پانی اگر استعمال کرے تو اس کی بیماری بڑھ جائیگی یا جنبی کو یہ خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کرے تو اس کو سردی مار ڈالے گی یا بیمار کر دے گی تو ایسی صورت میں پاک مٹی سے تیمم کیا جائے گا۔
قولہ بالصعید ۔ آیت تیمم میں چونکہ لفظ صعید مذکور ہے چنانچہ ارشاد ہے ان لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا اس لئے تیمم کے لئے پاک مٹی کا ہونا ضروری ہے۔ اور صعید لغت میں پاک مٹی کو کہا جاتا ہے اور اس کے بعد طیب کے ذکر سے کمال نظافت کی طرف اشارہ ہے کہ تیمم کے لئے نہایت پاک مٹی کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ وہ آلۂ تیمم ہے تو جب وہ خود ہی پاک نہ ہو تو دوسروں کو کس طرح پاک کر سکے گی؟ اسی وجہ سے وہ زمین جو پیشاب وغیرہ سے گندہ ہو اور دھوپ کی تمازت سے خشک ہو جائے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے لیکن اس سے تیمم جائز نہیں

والتیمم[۱] ضربتان یمسح[۲] بلحدھما وجھہ وبالاخری یدیہ[۳] الی المرفقین

ترجمہ: ـــــ اور تیمم کے لئے دو ضرب ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک سے اپنے منہ پر ملے اور دوسرے سے دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک۔
تشریح: ـــــ قولہ[۱] والتیمم ۔ تیمم میں دو ضرب ہیں ایک سے منہ پر ملا جاتا ہے اور دوسری سے دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک چنانچہ سرکار مدینہ نے ارشاد فرمایا کہ التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین یعنی تیمم میں دو ضرب ہوتی ہے ایک منہ کیلئے اور دوسری ہاتھوں کیلئے ۔ پیروں پر تیمم نہیں ہوتا ہے اور تیمم میں استیعاب ضروری ہے کیونکہ وہ وضو کے قائمقام ہے اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ تیمم میں کبھی انگلیوں میں خلال کرے اور

انگوٹھی نکال لے تاکہ تیمم میں نقص نہ رہے۔

قولہ یدیہ الی المرفقین۔ تیمم میں تین بار کی تکرار شرط نہیں جیسا کہ وضو میں ہے کیونکہ مٹی ملوث ہے اور وہ حقیقۃً طاہر نہیں البتہ عرف شرع میں طاہر مان لیا گیا ہے پس وہ کثرت تلویث کا محتاج نہیں اور یاحد ھما سے یہ اشارہ ہے کہ تیمم میں ترتیب نہیں اور لفظ مسح سے یہ مستفاد ہے کہ مٹی اگر چہرہ پر ہو اور اس کو مسح نہ کیا جائے تو جائز نہ ہوگا اور لفظ مرفقین سے علامہ زہری کے اس قول سے احتراز ہے کہ وہ مونڈھوں تک مسح کو شرط قرار دیتے ہیں اور امام مالک کے اس قول سے بھی احتراز ہے کہ وہ نصف ہاتھ تک مسح کا قول کرتے ہیں۔

والتیمم من الجنابۃ والحدث سواء

ترجمہ: ــــ اور تیمم جنابت اور حدث میں برابر ہے۔

تشریح: ــــ قولہ والتیمم۔ یعنی تیمم جنابت اور حدث میں برابر ہے فعل میں بھی اور نیت میں بھی چنانچہ سرکار مدینہ کے دربار میں کچھ لوگ حاضر ہو کر عرض کئے انا قوم نسکن ہذہ الرمال ولم نجد الماء شہرا او شہرین وفینا الجنب والحائض والنفساء فقال علیکم بارضکم یعنی اے رسول گرامی ہم لوگ ریگستان میں رہتے ہیں اور وہاں پر ایک دو ماہ تک پانی نہیں پاتے اور ہم لوگوں میں حیض و نفاس اور جنابت والے بھی ہیں تو آپ نے فرمایا تم پاک مٹی سے تیمم کرتے رہا کرو؟

قولہ سواء۔ ابو بکر رازی کے نزدیک نیت کے ذریعہ امتیاز ضروری ہے کہ تیمم جو حدث میں ہوتا ہے وہ رفع حدث کے لئے ہے اور جو تیمم جنابت میں ہوتا ہے وہ رفع جنابت کیلئے لیکن صحیح یہ کہ اس کی ضرورت نہیں بلکہ اگر طہارت یا نماز کے مباح ہونے کی نیت کر لی جائے تو کافی ہو جائے گا اسی طرح حیض و نفاس کیلئے بھی کافی ہوتا ہے۔

ویجوز التیمم عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ بکل ما کان من جنس الارض کالتراب والرمل والحجر والجص والنورۃ والکحل والزرنیخ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ لا یجوز الا بالتراب والرمل خاصۃ

ترجمہ: ــــ اور تیمم جائز ہوتا ہے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی اور بالو اور پتھر اور گچ اور چونا اور سرمہ اور ہڑتال اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز نہیں ہوتا مگر خاص کر مٹی

اور بالو سے ۔

تشریح: ـــــــ قولہ ویجوز التیمم۔ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہر اس چیز سے تیمم جائز ہوتا ہے جو زمین کی جنس سے ہو یعنی دھات کی قسم سے نہ ہو اور وہ نہ آگ میں جلے اور نہ پانی میں گلے جیسے مٹی اور بالو اور پتھر اور چونا وغیرہ لیکن راکھ اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ نہ جلتا ہے اور نہ پگھلتا ہے اس کے باوجود اس سے تیمم جائز نہیں اور جو چیزیں جل کر راکھ ہو جائیں جیسے لکڑی اور گھاس وغیرہ یا پگھل کر نرم ہو جائے جیسے لوہا و پیتل و تانبا و سونا و چاندی وغیرہ زمین کی جنس سے نہیں ۔ چونا البتہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس سے تیمم جائز ہے ۔

قولہ وقال ابو یوسف ۔ جواز تیمم کے سلسلے میں امام ابو یوسف سے دو قول منقول ہیں ایک تو وہی جو متن میں مذکور ہے کہ تیمم صرف مٹی اور بالو سے جائز ہوتا ہے اور دوسرا قول یہ کہ تیمم صرف خالص مٹی ہی سے جائز ہوتا ہے ۔ امام شافعی کے نزدیک صرف " اگنے والی مٹی سے تیمم جائز ہے عبداللہ بن عباس نے آیت کریمہ فتیمموا صعیداً کی تفسیر یہی بیان کیا ہے احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ صعید لغت میں زمین کے بالائی حصہ کو کہا جاتا ہے خواہ ریت ہو یا پتھر اور اسی پر ائمہ لغت کا اتفاق بھی ہے اور لفظ طیب کا معنیٰ اگرچہ صاف ستھرا اور حلال و اگانے کے ہے لیکن یہاں اس سے مراد طاہر و پاک ہے ۔

وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِي التَّيَمُّمِ وَمُسْتَحَبَّةٌ فِي الْوُضُوْءِ

ترجمہ: ـــــــ اور نیت فرض ہے تیمم میں اور مستحب ہے وضو میں ۔

تشریح: ـــــــ قولہ والنیۃ ۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں کے نزدیک تیمم میں نیت فرض ہے اور وضو میں مستحب! البتہ امام زفر نیت کو مستحب قرار دیتے ہیں جس طرح وضو میں مستحب قرار دیتے ہیں اور امام شافعی دونوں میں فرض کے قائل ہیں ۔ ائمہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ آیت تیمم ان لم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً میں چونکہ تیمم مذکور ہے جس کا معنیٰ لغت میں قصد و ارادہ ہے اس لئے شرعی معنیٰ میں اس ذاتی جزء کا لحاظ رکھا گیا کہ بغیر قصد و ارادہ کے اس کا تحقق نہیں ہوگا برخلاف وضو کہ وہ غسل و مسح کو کہا جاتا ہے ۔ دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ وضو پانی سے ہوتا ہے ۔ اور پانی بذاتہ پاک کرنے والا ہے وہ نیت تطہیر کا محتاج نہیں اور تیمم مٹی سے کیا جاتا ہے اور مٹی ملوث ہے جو بغیر نیت کے پاک کرنے والی نہیں ہوتی ۔

وَيَنْقُضُ التَّيَمُّمَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ وَيَنْقُضُهُ اَيْضًا رُؤْيَةُ الْمَاءِ اِذَا قَدَرَ عَلَى اسْتِعْمَالِهِ

ترجمہ : ـــــ اور تیمم کو ہر وہ چیز توڑ دیتی ہے جو وضو کو توڑ دیتی ہے اور پانی کو دیکھنا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے جبکہ اس کے استعمال پر قدرت ہو ۔

تشریح : ـــــ قولہ ینقض ۔ یعنی ان چیزوں سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے کہ جن سے وضو ٹوٹتا ہے چونکہ وہ اس کا خلیفہ و نائب ہے اس لئے اس کا حکم بھی وضو جیسا ہے ۔

خلاصہ یہ کہ جو چیزیں وضو کیلئے ناقض ہیں وہ تیمم کیلئے بھی ناقض ہیں لیکن جو چیزیں تیمم کیلئے ناقض نہیں ضروری نہیں کہ وہ وضو کیلئے بھی ناقض ہو چنانچہ رویت ماء یعنی پانی کا دیکھنا کہ تیمم کیلئے وہ ناقض تو ہے لیکن وضو کیلئے نہیں اسی طرح جو چیزیں غسل کیلئے ناقض ہیں وہی وضو کیلئے بھی ناقض ہیں لیکن جو وضو کیلئے ناقض ہیں ضروری نہیں کہ غسل کیلئے بھی ناقض ہو ۔ پس اگر تیمم وضو کا ہو تو ایک لوٹا پانی سے ہی تیمم ٹوٹ جائیگا لیکن غسل کا تیمم اتنے پانی سے نہیں ٹوٹے گا اسی طرح ریح خارج ہونے سے جب وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس سے وضو کا تیمم بھی ٹوٹ جائیگا ۔ لیکن اس سے چونکہ غسل نہیں ٹوٹتا پس اس سے غسل کا تیمم بھی نہ ٹوٹے گا البتہ احتلام یا جماع سے دونوں تیمم ٹوٹ جائیں گے ۔

قولہ رویۃ الماء ۔ یعنی پانی کو دیکھنا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے جس وقت اس کے استعمال پر قدرت ہو اور وہ پانی اس کیلئے کافی بھی ہو ۔

خیال رہے کہ پانی کا دیکھنا حقیقۃً ناقض تیمم نہیں اس لئے کہ وہ خروج نجاست نہیں بلکہ ناقض حقیقۃً حدث سابق ہے اور نقض کا عمل چونکہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے اس لئے رویت ماء کی طرف مجازاً نقض کی نسبت کردی گئی

وَلَا یَجُوْزُ التَّیَمُّمُ اِلَّا بِصَعِیْدٍ طَاهِرٍ

ترجمہ : ـــــ اور تیمم جائز نہیں ہوتا مگر پاک مٹی سے ۔

تشریح : ـــــ قولہ ولا یجوز ۔ صرف پاک مٹی سے تیمم اس وجہ سے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ان لم تجدوا الماء فصعیدا طیبا میں طیب سے مراد پاک ہے اور اس لئے بھی کہ مٹی پاکی کا ذریعہ و وسیلہ ہے اس لئے اس کو بھی فی نفسہ پاک ہونا چاہیئے جس طرح پانی فی نفسہ پاک ہوتا ہے ۔

وَیُسْتَحَبُّ لِمَنْ لَمْ یَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ یَرْجُوْ اَنْ یَّجِدَهٗ فِیْ اٰخِرِ الْوَقْتِ اَنْ یُّؤَخِّرَ الصَّلٰوۃَ اِلٰی اٰخِرِ الْوَقْتِ فَاِنْ وَجَدَ الْمَاءَ تَوَضَّاَ وَصَلّٰی وَاِلَّا تَیَمَّمَ

ترجمہ: ـــــ اور مستحب ہے اس شخص کیلئے جو پانی نہ پائے اور اس کو امید ہو آخر وقت میں پانی ملنے کی تو وہ نماز کو اخیر وقت تک موخر کرے۔ پس اگر پانی مل جائے تو وضو کرکے نماز پڑھے ورنہ تیمم کرلے۔

تشریح: ـــــ قولہ ویستحب لمن ۔ یعنی جس کے پاس پانی نہ ہو لیکن ملنے کی اُمید ہو تو اس کو آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے پس اگر پانی دستیاب ہو تو اس سے وضو کرلے ورنہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے تاکہ نماز کمال طہارت کیساتھ ادا ہو جائے۔

خیال رہے کہ امید سے یقین یا ظن غالب ہے اور اگر ایسی اُمید پانی ملنے کی نہ ہو تو پھر وقت مستحب سے نماز کو موخر کرنا جائز نہیں اور تاخیر نماز کا حکم نماز مغرب کو بھی شامل ہے پس اس کو غیبوبت شفق تک موخر کرے اور آخر وقت سے مراد آخر وقت جواز ہے یا آخر وقت استحباب ہے؛ بعض نے کہا کہ آخر وقت جواز تک موخر کرے لیکن صحیح یہ ہے کہ آخر وقت استحباب تک موخر کرے۔

ویُصَلّی بتیممہ ما شاءَ منَ الفرائضِ والنوافِل ۔

ترجمہ: ـــــ اور اپنے تیمم سے نماز پڑھے جو چاہے فرائض ونوافل میں سے

تشریح: ـــــ قولہ یصلی بتیممہ ۔ یعنی تیمم واحد سے متعدد فرائض ونوافل وقتیہ غیر وقتیہ ہر طرح کی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ یہ حکم ہمارے ائمہ کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ تیمم واحد سے ایک ہی وقت کا فرض ادا کیا جاسکتا ہے چند فرائض نہیں البتہ سنن ونوافل جتنا چاہیں فرض کے تابع ہو کر پڑھی جاسکتی ہیں کیونکہ وہ تیمم کو طہارت ضروریہ مانتے ہیں اور دو فرضوں کیلئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے پس وہ وضو جیسا عمل کرے گا اس کے علاوہ سرکار کی حدیث ہے کہ پاک مٹی مسلمان کیلئے وضو کے درجہ میں ہے اگرچہ دس سال تک پانی میسر نہ ہو۔

ویجوزُ التیممُ للصحیحِ المقیمِ اذا حضرتْ جنازۃٌ والولیُّ غیرُہ فخافَ انْ اشتغلَ بالطہارۃِ انْ تفوتَہ صلاۃُ الجنازۃِ فلہ انْ یتیممَ ویصلیَ وکذلکَ منْ حضرَ العیدَ فخافَ انْ اشتغلَ بالطہارۃِ انْ تفوتَہ العیدُ ۔

ترجمہ: ـــــ اور تیمم جائز ہوتا ہے تندرست مقیم کیلئے جب کوئی جنازہ آجائے اور ولی کوئی اور ہو۔

پس اندیشہ ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہو گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اس طرح وہ شخص جو نماز عید کیلئے آیا اور اس کو اندیشہ ہو کہ وضو میں مشغول ہونے سے نماز عید جاتی رہے گی ۔

تشریح: ــــــ قولہ یجوز التیمم۔ یعنی جب کوئی جنازہ آجائے اور اس کا کوئی ولی دوسرا ہو اور یہ خوف ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہو تو نماز جنازہ جاتی رہے گی تو ایسی صورت میں تندرست مقیم کیلئے بھی جائز ہے کہ تیمم کر کے اس جنازہ کی نماز پڑھ لے ۔

ولی کی قید سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ولی کو تیمم سے نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کو اختیار ہے وہ دوبارہ بھی پڑھ سکتا ہے اور اس صورت میں نماز جنازہ جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے اذا جاءتک جنازۃ وانت علی غیر وضوء فتیمم یعنی اگر تمہارے پاس کوئی جنازہ آئے اور تمہیں وضو نہ ہو تو اس نماز کیلئے تم تیمم کر لیا کرو ۔

قولہ کذلک من حضر العید۔ یعنی حکم مذکور اس شخص کیلئے بھی ہے کہ جو عید گاہ وغیرہ میں نماز عید کیلئے گیا ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ وضو میں مشغول ہوا تو عید کی نماز فوت ہو جائے گی تو وہ بھی تیمم کر کے نماز پڑھ لے ۔

وَاِنْ خَافَ مَنْ شَهِدَ الْجُمُعَةَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ تَفُوْتَهُ الْجُمُعَةُ تَوَضَّاَ فَاِنْ اَدْرَكَ الْجُمُعَةَ صَلَّاهَا وَاِلَّا صَلَّى الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَكَذٰلِكَ اِنْ ضَاقَ الْوَقْتُ فَخَشِيَ اِنْ تَوَضَّاَ فَاتَهُ الْوَقْتُ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَلٰكِنَّهُ يَتَوَضَّاُ وَيُصَلِّيْ فَائِتَةً

ترجمہ: ــــــ اور اگر خوف ہو جمعہ کیلئے آنے والا کو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو نماز جمعہ فوت ہو جائے گی تو وہ وضو کرے پس اگر جمعہ مل جائے تو پڑھ لے ورنہ ظہر کی چار رکعت پڑھے اسی طرح اگر وقت تنگ ہو اور خوف ہو کہ وضو کرنے سے وقت نکل جائے گا تو تیمم نہ کرے بلکہ وضو کر کے اپنی فوت شدہ نماز پڑھ لے ۔

تشریح: ــــــ قولہ وان خاف۔ یعنی اگر کسی نماز جمعہ پڑھنے والے کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر وضو کرنے میں لگ جائے تو اس کی نماز جمعہ جاتی رہے گی تو اس کو ضروری ہے ۔ وضو کرے اور اگر نماز جمعہ مل جائے تو جمعہ پڑھے ورنہ ظہر کی چار فرض پڑھے حاصل یہ کہ نماز جمعہ کیلئے تیمم نہ کرے کیونکہ جمعہ نہ ملنے پر اس کا خلیفہ ظہر موجود ہے جمعہ نہ ملنے پر وہ ظہر پڑھے گا ۔

قولہ وکذلک ان ضاق۔ یعنی حکم مذکور کی طرح یہ حکم بھی ہے کہ اگر نماز کا وقت تنگ ہو جائے

اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر وضو میں لگ جائے تو وقت نکل جائیگا تو ایسی صورت میں وہ شخص بھی تیمم نہ کرے بلکہ وضو کر کے اپنی قضا نماز پڑھے کیونکہ وقتی نماز کا بدل اس کی قضا ہے جس طرح نماز جمعہ کا بدل ظہر موجود ہے۔

والمسافر اذا نسی الماء فی رحلہ فتیمم وصلّی ثم ذکر الماء فی الوقت لم یعد صلوتہ عند ابی حنیفۃ ومحمد وقال ابو یوسف یعید ولیس علی المتیمم اذا لم یغلب علی ظنہ ان بقربہ ماء ان یطلب الماء وان غلب علی ظنہ ان ھناک ماء لم یجزلہ ان یتیمم حتی یطلبہ وان کان مع رفیقہ ماء طلبہ منہ قبل ان یتیمم فان منعہ منہ یتمم وصلّی

ترجمہ: ــــ اور مسافر جب اپنے کجاوہ میں پانی رکھکر بھول گیا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر وقت کے اندر پانی یاد آگیا تو نماز امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نہ لوٹائے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ لوٹائے اور تیمم کرنے والا پر ضروری نہیں جبکہ قریب میں پانی ہونے کا غالب گمان نہ ہو پانی تلاش کرنا اور اگر غالب گمان ہو کہ یہاں پانی ہے تو تیمم کرنا جائز نہیں جبتک کہ تلاش نہ کرے اگر اس کے ساتھی کے پاس پانی ہو تو تیمم کرنے سے پہلے اس سے مانگ لے پس اگر وہ نہ دے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

تشریح: ــــ قولہ والمسافر اذا۔ یعنی مسافر اگر اپنے کجاوہ میں پانی بھول جائے اور تیمم کر کے نماز پڑھنے کے بعد اس کو پانی یاد آیا تو سیدنا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نماز کے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ جبتک علم نہ ہو تو پانی پر قدرت ثابت نہیں کی جائے گی اور پانی کے موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پانی پر اس کی قدرت ہو اور یہاں وہ مفقود ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ نماز کا اعادہ کرے اس لئے کہ پانی اگر موجود ہو تو تیمم درست نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ یہاں پر چار امور مذکور ہیں (۱) مسافر (۲) نسیان (۳) فی رحلہ (۴) ذکر الماء فی الوقت۔

امر اول قید احترازی نہیں کیونکہ یہی حکم ہر بھولنے والے کا ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم۔ ممکن ہے کہ یہ حکم مسافر کے لئے ہو اور غیر مسافر کو اسی حکم کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو یا یہ قید باعتبار غالب ہے کہ اکثر پانی مسافر کے پاس ہی رہتا ہے اور امر دوم کی وجہ یہ کہ مسافر نے اگر یہ شک یا گمان کرتے ہوئے کہ پانی ختم ہو گیا ہے۔ تیمم کر لیا تو بالاجماع نماز کا اعادہ لازم ہے اور امر سوم کی وجہ یہ کہ پانی کا مشکیزہ پیٹھ پر لدا ہو یا گردن میں لٹکا ہو یا سامنے رکھا ہو اور بھول کر تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو یہ بالاجماع ممنوع ہے اور امر چہارم کی وجہ یہ کہ پانی اگر عین نماز میں یاد آگیا ہو

تو نماز کو ختم کر کے اعادہ کرنا ضروری ہے

قولہ[۲] ولیس علی المتیمم۔ یعنی نمازی کا غالب گمان اگر یہ نہ ہو کہ یہاں پانی ہے تو اس کو طلب کرنا ضروری نہیں اور اگر غالب گمان ہو کہ یہاں پانی ہے تو پانی تلاش کئے بغیر تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ تلاش اب کتنی دور تک کرے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ایک غلوہ کی مقدار تلاش کرے غلوہ چار سو گز فاصلہ کی مقدار ہے اور بعض نے تین سو گز کی مقدار کہا ہے بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جتنی دور تک تیر جائے وہ غلوہ کی مقدار ہے۔ بدائع میں ہے کہ اتنی دور تک تلاش کرے کہ اس کا اپنا نقصان نہ ہو اور ساتھیوں کو زحمت انتظار بھی نہ ہو۔

قولہ[۳] وان کان مع رفیقہ۔ یعنی سفر میں اپنے ساتھی کے پاس پانی ہے تو چاہیئے کہ تیمم کرنے سے پہلے اس سے طلب کرے پس اگر وہ نہ دے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اگر وہ دیدے تو وضو کر کے نماز پڑھے۔ پانی طلب کرنے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ اتنا پانی دیدے گا اور اگر بغیر طلب کئے نماز پڑھ لی پھر وہ پانی دینے لگا تو اب نماز کا اعادہ نہ کرے اور اگر اس نے پانی مانگا اور نہ دیا اور اس نے تیمم سے پڑھ لی پھر دوسرا ساتھی پانی دینے لگا تو اب بھی نماز کا اعادہ نہ کرے۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

ترجمہ: ـــــ موزوں پر مسح کے مسائل کا بیان

تشریح: ـــــ قولہ[۱] باب المسح۔ تیمم کے بعد موزوں کی مسح کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ تیمم خلف عن الکل ہے اور مسح خلف عن البعض یعنی تیمم وضو کا بدل ہے اور موزوں پر مسح پاؤں دھونے کا بدل ہے اور تیمم کا ثبوت چونکہ قرآن سے ہے اور موزوں پر مسح کا ثبوت احادیث متواترہ و اخبار مشہورہ سے ہے اس لئے تیمم کو مسح خفین پر مقدم کیا گیا۔

واضح ہو کہ مسح خفین رخصت ہے اور پاؤں کا دھونا عزیمت اور ظاہر ہے عزیمت پر عمل افضل ہے رخصت پر عمل کرنے سے۔

المسح[۱] على الخفين[۲] جائز بالسنة من كل[۳] حدث موجب للوضوء اذا لبس الخفين على طهارة تم احدث

ترجمہ: ــــ موزوں پر مسح جائز ہے سنت سے ہر ایسے حدث کے وقت جو وضو کا باعث ہو جبکہ موزوں کو طہارت پر پہنے پھر حدث ہو جائے۔

تشریح: ــــ قولہ[1] المسح علی الخفین۔ موزوں پر مسح کرنا سنت کی وجہ سے جائز ہے ایسے حدث سے جو باعث وضو ہو اور جس وقت وضو کی حالت میں موزوں کو پہن کر حدث لاحق ہو ایسے حدث سے جو باعث وضو ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو حدث باعث غسل ہو۔ اس سے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں اور سنت کی وجہ سے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسح سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

بعض لوگوں نے مسح خفین کے جواز کو وارجلکم کی قرآت جر سے ثابت کیا ہے لیکن علامہ عینی اور صاحب فتح القدیر نے اس کو مسترد قرار دیا ہے اس لئے کہ آیت میں ارجلکم کے ساتھ الی الکعبین بھی مذکور ہے جبکہ مسح خفین بالاتفاق کعبین تک نہیں بلکہ پشت قدم پر ہوتا ہے۔

اور متن میں بالسنۃ سے اس طرف اشارہ ہے کہ مسح خفین کا جواز سنت سے ہے قرآن سے نہیں۔ بالسنۃ کہا گیا بالحدیث اس لئے نہیں کہ سنت قول وفعل ہر دونوں کو شامل ہے جبکہ حدیث صرف قول کو کہا جاتا ہے چنانچہ سیدنا ابوبکر اور عمر اور ابوہریرہ وغیرہ سے روایت ہے کہ سرکار نے اپنے موزوں پر مسح فرمایا اور سیدنا عمر و عائشہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا یمسح المقیم یوماً ولیلۃً۔

قولہ[2] جائز بالسنۃ۔ جائز کہا گیا واجب اس لئے نہیں کہ بندے کو اختیار ہے فعل و ترک کا اور مستحب اس لئے نہیں کہا گیا۔ کہ جس کا اعتقاد جواز کا ہو اور اس کو نہ کرے تو وہ افضل ہے اور موجب وضو کی قید احترازی ہے کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اس کے لئے مسح جائز نہیں چنانچہ متن کی عبارت ہے ولا یجوز المسح علی الخفین لمن وجب علیہ الغسل۔

قولہ[3] علی طہارۃ۔ بعض نسخوں میں طہارۃ کیساتھ کاملہ بھی مذکور ہے اور بعض میں صرف طہارۃ مذکور ہے لیکن جواز مسح کیلئے ان میں سے کوئی بھی شرط نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ موزے پہننے کے وقت طہارت مکمل ہو بلکہ حدث لاحق ہونے کے بعد طہارت کا ہونا ضروری ہے یہی احناف کا مذہب ہے یہاں تک کہ کسی نے اگر صرف پاؤں دھو کر موزہ پہن لیا اس کے بعد طہارت مکمل کی پھر حدث لاحق ہوا تو بھی مسح کرنا جائز ہے۔

فَاِنْ کَانَ[1] مُقِیْماً مَسَحَ یَوْماً وَّلَیْلَۃً فَاِنْ کَانَ مُسَافِراً مَسَحَ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ وَّلَیَالِیْہَا وَابْتِدَاءُ[2] ہَا عَقِیْبَ الْحَدَثِ

ترجمہ : ـــــ پس اگر مقیم ہو تو مسح کرے ایک دن اور ایک رات اور اگر مسافر ہو تو مسح کرے تین دن اور تین رات اور مسح کی ابتداء حدث کے بعد سے ہوتی ہے۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] فان کان مقیماً۔ یعنی خفین پر مسح کرنے والا اگر مقیم ہو تو ایک دن اور ایک رات تک مسح کرے اور اگر مسافر ہے تو تین دن اور تین رات تک مسح کرے چنانچہ سرکار مدینہ نے فرمایا یمسح المقیم یوماً ولیلۃً والمسافر ثلاثۃ ایام ولیالیھا یعنی مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کرے اور مسافر تین دن اور تین رات۔

قولہ[۲] ابتداءھا۔ مسح کا زمانہ حدث کے بعد سے شروع ہوتا ہے یعنی حدث کے وقت سے نہ کہ پہننے کے وقت سے چنانچہ اگر کسی نے صبح کے وقت وضو کر کے موزوں کو پہن لیا پھر ظہر کے وقت اسے حدث لاحق ہوا تو دوسرے روز ظہر ہی کے وقت مسح باطل ہوگا اس لئے کہ ظہر کے وقت سے مسح کا زمانہ بھی شروع ہوا تھا کیونکہ موزہ حدث کے سرایت کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ اس لئے مسح کا اعتبار منع کے وقت سے ہوگا

والمسح[۱] علی الخفین علی ظاھرھما خطوطاً بالاصابع یبتدأ من الاصابع الی الساق و فرض[۲] من ذلک مقدار ثلاث اصابع من اصابع الید

ترجمہ : ـــــ اور موزوں کا مسح ان کے ظاہر پر ہے خطوط کی شکل میں انگلیوں سے شروع پنڈلی تک اور مسح میں فرض ہاتھ کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار ہے۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] والمسح۔ یعنی موزوں کا مسح ان کے ظاہر پر ہے اس طرح سے کہ پیروں کی انگلیوں سے لے کر پنڈلی تک ہاتھوں کی انگلیوں سے سیدھے خط ہو جائیں اور اگر کسی نے ہتھیلی سے مسح کیا تب بھی مسح ہو جائیگا مسح کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں داہنے پیر کی انگلیوں پر اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں پیر کی انگلیوں پر رکھ کر ایک ہی دفعہ پنڈلی کی طرف ٹخنے سے اوپر تک کھینچے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے۔ احناف کے نزدیک یہی مسنون ہے۔ یہ مسح صرف اوپر ہی ہے اور امام شافعی کے نزدیک دونوں طرف ہے۔

قولہ[۲] فرض من ذلک۔ اس مسح میں ہاتھوں کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار فرض ہے یعنی اگر تین انگلیوں سے مسح نہ کیا بلکہ کم سے کیا تو وہ مسح نہ ہوگا۔

ولا یجوز[۱] المسح علی خف فیہ خرق کثیر یتبین منہ قدر ثلاث الرجل وان کان اقل[۲] من ذلک جاز ولا یجوز المسح علی الخفین[۳] لمن وجب علیہ الغسل

ترجمہ: ـــــ اور مسح ایسے موزوں پر جائز نہیں جس میں زیادہ پھٹن ہو کہ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار نظر آتا ہو اور اگر اس سے کم ہو تو جائز ہے اور موزوں پر مسح کرنا اس کیلئے جائز نہیں جس پر غسل واجب ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ولا یجوز المسح ۔ یعنی ایسے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں جس میں زیادہ پھٹن ہو یعنی پیر کی تین انگلیوں کی مقدار نظر آتی ہو اور اگر اس سے کم ہو تو جائز ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے فرمایا کہ اگر سوراخ سوئی کے نوک کے برابر بھی ہو تو مسح جائز نہیں ۔ کیونکہ جب ظاہر ہونے والے حصہ کو دھونا پڑے گا تو باقی حصہ کو بھی دھونا چاہیئے ۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ موزہ چونکہ عموماً معمولی پھٹن سے خالی نہیں ہوتا پس اگر اس کو نظر انداز کیا جائے تو حرج لازم آئیگا جو شرعاً ممنوع ہے امام مالک نے کہا کہ جب تک اس موزہ کو پہنکر راہ چلنا ممکن ہو تو اس پر مسح جائز ہے ۔

قولہ[۲] علی الخفین ۔ ایسے شخص کے موزہ پر مسح کرنا جائز نہیں جس پر غسل واجب ہو یعنی جنبی کو موزے پر مسح کرنا جائز نہیں چنانچہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت صفوان بن عسال نے روایت کی ہے یامرنا اذا کنا سفراً ان لا ننزع خفافنا ثلاثۃ ایام ولیالیھن الا عن جنابۃ ۔ ولکن من غایۃ وبول ونوم یعنی سرکار مدینہ نے ہم کو بحالت سفر حکم دیا کرتے تھے کہ تین دن اور تین رات تک ہم موزے نہ نکالیں مگر یہ کہ جنابت پیش آئے البتہ پیشاب و پاخانہ و نیند آنے پر نکالنے کی ضرورت نہیں اور اس لئے بھی کہ جنابت چونکہ بار بار نہیں ہوتی اس لئے موزے نکالنے میں کوئی حرج لازم نہیں آتا ۔ برخلاف حدث کہ وہ ہر وقت لاحق ہوتے رہتا ہے اس سے حرج لازم نہیں آئے گا ۔

وینقضُ[۱] المسحَ ماینقضُ الوضوءَ و ینقضُ ایضاً نزعُ الخفِ و مضیُ المدۃِ فاذا[۲] مضتِ المدۃُ نزعَ خفیۡہِ وغسلَ رجلیۡہِ وصلّٰی ولیسَ علیہِ اعادۃُ بقیۃِ الوضوءِ

ترجمہ: ـــــ اور مسح کو وہ شئی توڑ دیتی ہے جو وضو کو توڑ دیتی ہے اور نیز اس کو موزے کا نکلنا بھی توڑ دیتا ہے اور مدت کا گذرنا بھی پس جب مدت گذر جائے تو موزے نکال کر پاؤں دھوکے نماز پڑھ لے اور باقی وضو کو دوبارہ کرنا ضروری نہیں ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وینقض المسح ۔ یعنی جو چیزیں وضو کو توڑ دیتی ہیں وہی چیزیں موزوں کے مسح کو بھی توڑ دیتی ہیں اور اس کو موزوں کا نکلنا اور مدت کا تمام ہونا بھی توڑ دیتا ہے یعنی وضو ٹوٹنے

کے بعد موزوں کے نکلنے سے بھی مسح جاتا رہتا ہے کیونکہ موزہ حدث کے اثر سے مانع ہوتا ہے اور جب موزہ نکل گیا تو مانع نہ ہونے کی وجہ سے حدث کا اثر پیر میں ظاہر ہو جاتا ہے اور بعض علماء نے موزہ کی پھٹن کو بھی ناقض مسح میں شمار کیا ہے۔

قولہ فاذا مضت ۔ یعنی جب مسح کی مدت تمام ہو جائے اور وضو برقرار ہو تو دونوں موزوں کو نکال کر پیروں کو دھو ڈالے اور نماز پڑھے اور بقیہ وضو کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک از سر نو وضو کرے خواہ وضو رہے یا نہ رہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ پانی موجود ہو ورنہ پاؤں دھونے کی بھی ضرورت نہیں ۔

وَمَنُ ابْتَدَاءَ المسحَ وهو مقیمٌ فسافرَ قبلَ تمامِ یومٍ ولیلۃٍ مسحَ تمامَ ثلاثۃِ ایامٍ ولیالیہا ومَنُ ابتداءَ المسحَ وھو مسافرٌ ثمّ قامَ فانْ کانَ مسحَ یوماً ولیلۃً اَوْ اکثرَ لزمہٗ نزعُ خفّیہِ وان کانَ اقلَّ منہ تمّمَ مسحَ یومٍ ولیلۃٍ

ترجمہ: ـــــــ اور اگر کسی نے مسح شروع کیا دراں حالیکہ وہ مسافر ہے پھر ایک دن و رات تمام ہونے سے پہلے مسافر ہو گیا تو تین دن اور تین رات مسح کی مدت پوری کرے اور اگر مسح شروع کیا دراں حالیکہ وہ مسافر ہے پھر مقیم ہو گیا تو اگر وہ ایک دن اور ایک یا اس سے زیادہ تک مسح کر چکا ہے تو لازم ہے اس کو موزے کا نکالنا اور اگر اس سے کم کیا ہو تو ایک دن اور رات کی مدت پوری کرے ۔

تشریح: ـــــــ قولہ ومن ابتداء یعنی کسی شخص نے مسح کی ابتداء مقیم ہونے کی حالت میں کی اور ایک دن اور ایک رات پورا ہونے سے پہلے سفر شروع کر دیا تو اس کو تین دن اور تین رات تک مسح کرنے کی اجازت ہے یعنی سفر کرنے والا مسح کی مدت کو اس طرح تمام کرے کہ مجموعہ تین دن ہو جائیں اس کا یہ معنی نہیں کہ سرے سے تین دن اور تین رات تک مسح کرتا ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اس کے خلاف ہیں احناف کی دلیل یہ ہے کہ حدث مسح مطلق ہے اور اس لئے بھی کہ جو احکام وقت سے متعلق ہے ان میں اعتبار اخیر وقت کا ہوتا ہے جیسے نماز کا مسئلہ کہ اگر کوئی شخص اخیر وقت میں سفر شروع کر دے تو اس کی فرض نماز چار کے بجائے دو رکعت ہو جاتی ہیں اور اگر اخیر وقت میں مقیم ہو جائے تو دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں لازم ہو جاتی ہیں اسی طرح اگر کوئی نابالغ اخیر وقت میں بالغ ہو جائے یا کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو ان پر نماز

واجب ہو جاتی ہے اسی طرح مسح کا مسئلہ کہ وہ بھی چونکہ وقت سے متعلق ہے اس لئے اس میں بھی اخیر وقت کا لحاظ کیا جائے گا۔

قولہ لزمہ ۔ یعنی کوئی مسافر اگر مقیم ہو گیا تو دیکھا جائے کہ اس کی مدت اقامت پوری ہوئی یا نہیں اگر پوری ہوئی تو موزے نکال لے اس لئے کہ رخصت سفر بغیر سفر کے باقی نہیں رہتی اور اگر مدت اقامت پوری نہ ہوئی تو اس کو پوری کرے اس لئے کہ مدت اقامت باقی ہے اور یہ مقیم بن چکا ہے۔

وَمَنْ لَبِسَ الجُرْمُوقَ فَوْقَ الخُفِّ مَسَحَ عَلَيْهِ وَلَا يَجُوْزُ المَسْحُ عَلَى الجَوْرَبَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَا مُجَلَّدَيْنِ أَوْ مُنَعَّلَيْنِ وَقَالَا يَجُوْزُ إِذَا كَانَا ثَخِيْنَيْنِ لَا يَشِفَّانِ

ترجمہ: ــــــ اور جو موزہ کے اوپر جرموق پہنا تو وہ اس پر مسح کرے اور جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ وہ پوری مجلد ہوں یا صرف تلے پر چمڑہ چڑھا ہوا ہو اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے اگر وہ گاڑھی ہوں اتنی کہ ظاہر نہ ہوتی ہوں۔

تشریح: ــــــ قولہ ومن لبس الجرموق ۔ یعنی جرموق جو موزے کے اوپر اس کی حفاظت کیلئے پہنا جاتا ہے اگر اس کو پہنا جائے تو مسح اسی پر کیا جائیگا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے فرمایا کہ جرموق موزہ کا بدل ہے اور خود موزہ پاؤں کا بدل ہے پس اگر جرموق پر مسح کیا جائے تو بدل کے بدل کا اعتبار لازم آئے گا جبکہ اعتبار صرف بدل کا ہوتا ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ سرکار نے موقین پر مسح فرمایا اور موق جرموق ہی کو کہا جاتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

قولہ ولا یجوز المسح ۔ جرابوں پر مسح کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں البتہ اگر وہ مجلد یا منعل ہوں تو جائز ہے اور صاحبین جواز کے قائل ہیں۔ جبکہ وہ ایسی غف ہوں کہ ان سے پیر کی کھال نظر نہ آتی ہو۔

مجلد اس کو کہا جاتا ہے جس پر ہر طرف چمڑہ لگا ہوا اور منعل وہ جس کے صرف تلے پر چمڑہ لگا ہو یہاں پر چار صورتیں ہیں اول یہ کہ جراب سخت بنی ہو یعنی غف ہو اور مجلد یا منعل بھی تو اس پر بالاتفاق مسح جائز ہے دوم یہ کہ سخت بنی نہ ہو اور نہ مجلد یا منعل بھی تو اس پر مسح بالاتفاق ممنوع ہے سوم میں اختلاف ہے وہ یہ کہ سخت بنی ہو لیکن مجلد و منعل نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر مسح جائز نہیں البتہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ چہارم یہ کہ صرف مجلد یا منعل ہو تو اس پر بھی بالاتفاق مسح جائز ہے۔

وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْبُرْقُعِ وَالْقُفَّازَيْنِ

ترجمہ: ــــ اور جائز نہیں ہے پگڑی اور ٹوپی اور برقعہ اور دستانوں پر مسح کرنا۔
تشریح: ــــ قولہ ولا یجوز المسح۔ پگڑی اور ٹوپی اور برقعہ اور دستانوں پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ ان چیزوں کے نکالنے اور اتارنے میں کوئی حرج نہیں اور آسانی صرف حرج کو دور کرنے کیلئے ہوتی ہے امام شافعی نے کہا کہ عمامہ کا مستقلاً مسح درست نہیں البتہ ممکن ہے پہلے بالوں کے کچھ حصہ پر مسح کیا جائے پھر اس مسح کی تکمیل عمامہ پر کرلی جائے بشرطیکہ عمامہ کے کھولنے میں دشواری ہو اور یہی قول امام مالکؒ کا بھی ہے اور امام ابوحنیفہ اور عام فقہاء کا بھی! اس لئے کہ آیت وامسحوا برؤسکم میں سروں پر مسح کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے جو شخص عمامہ پر مسح کرے گا اس کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے سر پر مسح کیا ہے اور جن روایتوں میں اس کے متعلق مروی وہاں سر کے بعض حصہ پر مسح کر کے عمامہ پر پھیر لینا مراد ہے چنانچہ سیدنا مغیرہ کی حدیث میں اس کی تفسیر ناصیہ اور عمامہ پر مسح کرنے کی منقول ہے اور حضرت انس سے اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ آپ نے عمامہ کے نیچے دست مبارک داخل کیا اور مقدم راس پر مسح فرمایا۔

وَيَجُوزُ عَلَى الْجَبَائِرِ وَإِنْ شَدَّهَا عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ فَإِنْ سَقَطَتْ مِنْ غَيْرِ بُرْءٍ لَمْ يَبْطُلِ الْمَسْحُ وَإِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ

ترجمہ: ــــ اور زخم پر بندھی ہوئی پٹیوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اگرچہ بلا وضو بندھی گئی ہوں پس اگر وہ پٹی گر جائے زخم کے اچھا ہوئے بغیر تو مسح باطل نہ ہوگا اور اگر اچھا ہونے پر گر جائے تو باطل ہو جائے گا۔
تشریح: ــــ قولہ ویجوز علی الجبائر۔ جبائر یعنی زخم پر بندھی ہوئی پٹیوں پر مسح جائز ہے اگرچہ بے وضو بندھی ہوئی ہوں پس اگر کوئی جبیرہ زخم کے اچھا ہوئے بغیر گر پڑے تو مسح باطل نہ ہوگا اور اگر اچھا ہونے پر گر پڑے تو مسح باطل ہو جائے گا۔
واضح ہو کہ موزے اور جبیروں کے مسح میں متعدد طریقوں سے فرق ہے اول یہ کہ موزہ کے مسح کی مدت مقرر ہے اور جبیرہ کے مسح کی مدت مقرر نہیں دوم یہ کہ موزہ اگر بے وضو پہنا ہو تو اس پر مسح جائز نہیں اور اگر جبیرہ بے وضو بندھی ہو تو اس پر مسح جائز ہے سوم یہ کہ موزہ اگر پیر سے گر پڑے تو مسح باطل ہو جاتا ہے

اور جبیرہ زخم کے اچھا ہوئے بغیر گر پڑے تو مسح باطل نہ ہوگا ۔

بَابُ الْحَيْضِ

ترجمہ ——— مسائل حیض کا بیان

اَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَمَا نَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ بِحَيْضٍ وَهُوَ اسْتِحَاضَةٌ وَاَكْثَرُهُ عَشَرَةُ اَيَّامٍ وَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ اسْتِحَاضَةٌ ۔

ترجمہ : ——— حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین رات ہیں اور جو خون اس سے بھی کم ہو وہ حیض نہیں استحاضہ ہے اور حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس روز ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے ۔

تشریح : ——— قولہ بَابُ الْحَيْض ۔ مطلق حدث کا وقوع چونکہ بکثرت ہوتا ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا گیا پھر اس کے بعد اکبر حدث کو بیان کیا گیا جس کا وقوع قلیل ہے اور وہ حیض و نفاس ہے اور نفاس کا وقوع چونکہ حیض سے قلیل تر ہے اس لئے پہلے حیض کو بیان کیا پھر نفاس کو ۔

حیض لغت میں فرج و شرمگاہ سے خون کے نکلنے کو کہا جاتا ہے اور شرع میں اس مخصوص خون کو کہا جاتا ہے جو آدم کی اولاد زنانہ کے مخرج مخصوص سے وقت مخصوص سے نکلے ۔

قولہ اقل الحیض ۔ یعنی حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین رات ہیں اور جو خون اس سے بھی کم آئے وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے یہ حکم احناف میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ یعنی ڈھائی دن سے زیادہ خون ہے اکثر کو کل کے قائم مقام مانتے ہوئے ۔ طرفین کا کہنا ہے کہ شرعی عدد کی تنصیص کے بعد کمی بیشی کی گنجائش نہیں ورنہ قیاس کے اعتبار سے ڈیڑھ دن سے زائد پر بھی للاکثر حکم الکل کا قاعدہ جاری ہونا چاہیئے ۔ امام شافعی کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت ایک روز ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روز ! اور امام مالک کے نزدیک اسکی مدت کم سے کم ایک ساعت ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں احناف کی دلیل سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ

شادی شدہ وغیر شادی شدہ دونوں کے حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین رات ہیں اور زیادہ سے زیادہ دس دن اور دس رات ہیں جس طرح طبرانی اور دار قطنی نے ابوامامہ سے روایت نقل کیا ہے ۔
قولہ ثلاثۃ ایام ۔ ثلاثۃ کو رفع بھی پڑھا جا سکتا ہے اور نصب بھی۔ رفع اس تقدیر پر کہ وہ مبتدا کی خبر ہے اور حیض سے پہلے لفظ مدت مقدر ہے اصل عبارت یہ ہے اقلُّ مدۃِ الحیض ثلاثۃٌ کیونکہ حیض خون ہے دن نہیں اور نصب ظرفیت کی بناء پر ہے ۔

وماتراہُ المرأۃُ من الحمرۃِ والصُّفرۃِ والکدرۃِ فی ایّامِ الحَیضِ فھو حیضٌ حتی تریَ البیاضَ خالصاً

ترجمہ : اور جو عورت سرخ اور زرد اور مٹیالا خون دیکھے حیض کے دنوں میں تو وہ سب حیض ہے یہاں تک کہ خالص سفید رنگ دیکھے ۔
تشریح : قولہ وماتراہُ ۔ یعنی جو عورت حیض کے دنوں میں سرخ اور زرد اور مٹیالا خون دیکھے تو وہ سب حیض ہے حیض کا خون چھ رنگوں کا ہوتا ہے ۔ تین تو وہی ہیں جو مذکور ہوئے اور باقی تین میں سے ایک سیاہ ہے اور دوسرا سبز اور تیسرا گدلا ۔ حیض والی عورت ایام حیض میں مذکورہ رنگوں میں سے جس رنگ کا بھی خون دیکھے سب حیض شمار کیا جائے گا یہاں تک خالص سفید رنگ دیکھے یعنی جب خالص سفیدی دیکھے تو اس کے حیض کے دن ختم ہو گئے اور وہ پاک ہو گئی ۔
سرخ اور سیاہ رنگ کا خون تو بالاجماع حیض ہے اور گہرا زرد بھی اصح قول پر حیض ہے البتہ ہلکا زرد اور گدلا اور مٹیالا بھی طرفین کے نزدیک حیض شمار کیا جاتا ہے ۔ مٹیالا خواہ شروع میں ہو یا اخیر میں یعنی مٹیالا خون پر مقدم ہو یا موخر بہر دو تقدیر حیض ہے ۔ امام ابو یوسف مٹیالا پن کو حیض نہیں کہتے جبتک کہ وہ خون کے بعد نہ ہو۔ طرفین کی دلیل حضرت عائشہ کا یہ قول ہے خالص سفید رنگ کے علاوہ سب رنگ کو حیض شمار کیا جاتا ہے ۔

والحیضُ یُسقطُ عن الحائضِ الصلوٰۃَ ویُحرِّمُ علیھا الصومَ وتقضِی الصومَ ولا تقضی الصلوٰۃَ

ترجمہ : اور حیض حائضہ عورت سے نماز کو ساقط کر دیتا ہے اور اس پر روزہ رکھنا حرام

کر دیتا ہے اور وہ روزہ کا قضا کرے گی اور نماز کا نہیں

تشریح: ـــــ قولہ والحیض ۔ یہ حیض کے احکام کا بیان ہے اور وہ کل دس ہیں ۔ ان میں سے سات تو وہ ہیں جو متن میں مذکور ہیں اور وہ نفاس کو بھی شامل ہیں اور تین جو متن میں مذکور نہیں وہ صرف حیض کے ساتھ خاص ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) حیض سے عدت پوری ہوتی ہے (۲) ابتداء رحم ہوتا ہے (۳) بلوغ معلوم ہوتا ہے۔

قولہ یسقط ۔ حیض کے سات احکام میں سے ایک یہ ہے کہ حیض والی عورتوں کے ذمہ سے نماز کو روک دیتا ہے ۔ نماز عام ہے کہ رکوع و سجود والی نماز ہو یا اس کے علاوہ یعنی نماز جنازہ اور وہ سجدۂ تلاوت و سجدۂ شکر کو بھی روک دیتا ہے اس لئے کہ جو کل کو منع کر دے وہ اس کے بعض کو بھی منع کر دیتا ہے ۔ لفظ سقوط سے یہ اشارہ ہے کہ حائضہ پر نماز تو واجب ہوتی ہے لیکن اس سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے اس کی قضا نہیں کی جاتی البتہ روزہ کہ حیض کے دنوں میں روزہ اگرچہ حرام ہے لیکن ساقط نہیں ہوتی اس لئے اُس کی قضا لازم ہوتی ہے۔

قولہ یحرم علیہا ۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ حیض حائضہ عورت پر روزہ کو حرام کر دیتا ہے لیکن اس کے بعد روزہ کی قضا لازم ہوگی نماز کی نہیں ۔ دلیل میں حضرت معاذہ کی یہ روایت ہے کہ میں نے سیدتنا عائشہ سے دریافت کیا کہ حائضہ عورتوں کے روزوں کی قضا کی جاتی ہے نمازوں کی کیوں نہیں؟ اس پر سیدتنا عائشہ برہم ہوگئی کہ کیا تم حرورۃ یعنی خارجیہ ہو ۔ جواب دی نہیں ۔ بلکہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں تو سیدتنا عائشہ نے فرمایا کہ سرکار مدینہ ہم لوگوں کو صرف روزوں کی قضا کا حکم دیتے تھے نمازوں کی قضا کا نہیں ۔

اس لئے بھی کہ روزہ سال میں صرف ایک ہی ماہ ہوتا ہے پس اگر حائضہ نے پورے دس روزے نہ رکھ سکا اس کے باوجود گیارہ مہینے باسانی ایک ایک روزہ رکھ لیا جائے تو بھی ایک مہینہ بچ جاتا ہے برخلاف ہر مہینہ کی نماز کہ پچاس نمازوں کے حساب سے سال بھر کی قضا نمازیں چھ سو ہو جاتی ہیں گویا ہر مہینہ دس روز متواتر دہری نمازیں پڑھنی پڑیں گی صرف پانچ دن ایسے ہوتے ہیں جس میں نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں اس کے بعد پھر دوسرے حیض کی نمازیں قضا ہونا شروع ہو جائیں گی اس طریقہ سے مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی نمازیں دوگنی ہو جائیں گی جو نہایت پریشانی کا سبب بن جائے گی۔

وَلَا تَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَلَا تَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَلَا يَأْتِيهَا زَوْجُهَا

ترجمہ: ـــــ اور نہ وہ مسجد میں داخل ہوگی اور نہ بیت اللہ شریف کا طواف کرے گی اور نہ اس کے پاس

اُس کا شوہر لے گا ۔

تشریح : قولہ ولا تدخل ۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ حیض والی عورت مسجد میں بھی داخل نہ ہوگی اور یہی حال جنبی کا ہے چنانچہ سیدتنا عائشہ صدیقہ سے روایت ہے سرکار مدینہ نے فرمایا لا احل المسجد لحائض ولا جنب یعنی میں حائضہ اور جنبی کیلئے مسجد حلال نہیں کرتا یعنی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا اسی طرح سیدتنا ام سلمہ سے روایت ہے سرکار نے فرمایا کہ جنبی اور حائضہ کیلئے مسجد حلال نہیں یہی حکم سطح مسجد کا ہے کہ حائضہ و جنبی کو سطح مسجد پر کھڑا ہونا ممنوع ہے کیونکہ جو حکم مسجد کے اندر کا ہے وہی اس کی سطح کا ہے ۔

قولہ ولا تطوف ۔ چوتھا حکم یہ ہے کہ حیض والی عورت بیت اللہ شریف کا طواف بھی نہیں کرے گی اس لئے کہ طواف کعبہ مسجد حرام میں ہوتا ہے اور مسجد میں داخلہ ممنوع ہے جیسا کہ اوپر گذرا ۔ سوال اس کا ذکر لا تدخل المسجد کے بعد فضول ہے اس لئے کہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور اس کا ممنوع ہونا اوپر گذر چکا ۔ جواب حائضہ کیلئے چونکہ دوسرے حاجیوں کی طرح وقوف وغیرہ کی اجازت ہے اس لئے وہم ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے اس کیلئے طواف کی بھی اجازت ہو تو اس عبارت سے اس کا ازالہ کر دیا گیا ۔

قولہ ولا یاتیہا ۔ پانچواں حکم یہ کہ حیض والی عورت کے پاس اُس کا شوہر نہ آئے یعنی صحبت نہ کرے شیخین اور امام شافعی اور امام مالک نے کہا کہ حائضہ عورت کے ناف سے زانو تک مرد کو نزدیکی کرنا ممنوع ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے لا تقربوھن حتی یطھرن چنانچہ عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے سرکار مدینہ سے دریافت کرنے پر کہ حالت حیض میں بیوی کی کیا چیز حلال ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کے ازار سے اوپر کا حصہ حلال ہے ۔ امام محمد کا قول ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ باقی جسم مرد پر حرام نہیں چنانچہ سرکار مدینہ نے فرمایا کہ وطی کے علاوہ اس سے سب باتیں حلال ہیں ۔

خیال رہے کہ عورت اگر حائضہ ہو تو اس کے لئے مرد سے حیض کو چھپانا جائز نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ اپنے حیض سے مرد کو آگاہ کرے تاکہ وہ لاعلمی کی وجہ سے صحبت نہ کر بیٹھے اور اگر عورت پاک ہو تو خود کو حائضہ بتا کر مرد کو صحبت سے روکنا بھی جائز نہیں چنانچہ سرکار کا ارشاد ہے لعن اللہ الغائصۃ والمغوصۃ یعنی غائصہ اور مغوصہ پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے ۔ غائصہ وہ عورت ہے جو مرد کو اپنے حیض سے مطلع نہ کرے اور مغوصہ وہ عورت ہے جو پاک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حائضہ بتا کر مرد کو صحبت سے روکے ۔

ولا یجوز لحائض ولا لجنب قراءۃ القرآن ولا یجوز لمحدث مس المصحف الا ان یاخذہ بغلافہ

ترجمہ: ــــ اور جائز نہیں ہے حائضہ اور نہ جنبی کیلئے قرآن کا پڑھنا اور جائز نہیں ہے محدث یعنی بے وضو کیلئے قرآن کا چھونا مگر یہ کہ اس کو غلاف کیساتھ چھوئے۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] ولا یجوز لحائض۔ چھٹا حکم یہ کہ حیض والی عورت کیلئے اور جنبی آدمی کیلئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں چنانچہ سرکار کا ارشاد پاک ہے کہ حائضہ اور جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ حائضہ اگر قرآن پاک کی تلاوت کرے تو جائز ہے اس پر حجت گذشتہ حدیث ہے البتہ شکر کے طور پر اگر الحمد للہ کہا جائے یا کام شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا جائے تو جائز ہے۔

قولہ[۲] للمحدث۔ ساتواں حکم یہ ہے کہ محدث کیلئے قرآن پاک کو چھونا بھی جائز نہیں البتہ غلاف کے ساتھ جائز ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے لا یمسہ الا المطہرون اور ارشاد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگائے مگر پاک آدمی۔

خیال رہے کہ یہاں لفظ محدث بیان کیا گیا جب کہ لفظ حائض و نفساء بیان کرنا چاہیئے۔ اس کی وجہ یہ کہ پڑھنے کا حکم چھونے کے حکم سے اخف ہے تو جب حائضہ و نفساء کیلئے پڑھنا جائز نہیں تو چھونا بدرجۂ اولیٰ جائز نہ ہوگا اور محدث کیلئے چھونا جائز نہیں البتہ پڑھنا جائز ہے اس میں وجہ یہ ہے کہ حدث کا حلول صرف ہاتھ میں ہوتا ہے اور جنابت کا ہاتھ اور موٗنھ دونوں میں۔ اسی وجہ سے غسل جنابت میں ہاتھ اور منہ دونوں کا دھونا ضروری ہے اور حدث میں صرف ہاتھوں کا دھونا ضروری ہے منہ کا نہیں۔ قرآن شریف کا غلاف اگر سلا ہوا ہے تو وہ بھی قرآن شریف کے حکم میں ہے ورنہ اس کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

فاذا[۱] انقطع دمُ الحیضِ لاقلَّ من عشرۃِ ایّامٍ لم یجز وطیُہا[۲] حتی تغتسلَ اَو یمضیَ علیہا وقتُ صلوٰۃٍ کاملۃٍ وانْ[۳] انقطعَ دمُہا لعشرۃِ ایامٍ جازَ وطیُہا قبلَ الغسلِ

ترجمہ: ــــ پس جب حیض کا خون دس روز سے کم میں موقوف ہو تو اس سے صحبت جائز نہیں یہاں تک کہ نہالے یا اس پر نماز کا وقت گذر جائے اور اگر دس روز میں خون موقوف ہوا تو غسل سے پہلے اس سے صحبت جائز ہے۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] فاذا انقطع۔ یعنی حیض کا خون اگر دس روز سے کم میں رک گیا تو صحبت جائز نہیں جب تک کہ عورت غسل نہ کرے چونکہ خون کبھی جاری ہوتا ہے اور کبھی موقوف! اس لئے غسل ضروری ہے تاکہ

موقوف ہونے کی جانب ترجیح ہو جائے اور اگر عورت غسل نہ کرے بلکہ اس پر نماز کا اتنا وقت گذر جائے کہ وہ اس میں غسل کر کے تکبیر تحریمہ باندھ سکے تو اس سے صحبت جائز ہے کیونکہ اس کے ذمہ نماز فرض ہو چکی ہے جس سے اس کو حکماً پاک مانا جائیگا لہٰذا اس سے صحبت جائز ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ خون اس کی عادت کے موافق رک جائے۔ اور اگر عادت سے کم مگر تین دن سے زیادہ میں رُک گیا ہے تو جب تک عادت کے دن پورے نہ ہوں گے اس وقت تک صحبت جائز نہیں اگرچہ غسل بھی کرلے اس لئے کہ عادت کے اندر دوبارہ حیض آنے کا غالب احتمال ہے لہٰذا اجتناب ہی میں بہتری ہے

قولہ وطیہا۔ لفظ وطی سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حیض والی عورت کی طہارت کا حکم صرف وطی کے معاملہ میں ہے قرآن کے پڑھنے کے معاملہ میں نہیں۔ اسی طرح صلوٰۃ کے ساتھ کاملہ کی قید سے احتراز ہے اس عورت سے جب حیض کے خون کا انقطاع صلوٰۃ ناقصہ کے وقت میں ہو چنانچہ نماز عیدین کے وقت وطی جائز نہیں یہاں تک کہ غسل کرے یا ظہر کی نماز کا وقت گذر جائے اور نماز کے وقت سے مراد وقت کا آخری جزء ہے جو بقدر غسل و تحریمہ ہو سکے اس لئے کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ نماز اس کے ذمہ واجب ہونی چاہیئے اور نماز کا وجوب وقت نکلنے پر ہوتا ہے شروع ہونے پر نہیں۔

قولہ وان انقطع۔ یعنی حائضہ عورت کا خون اگر دس روز میں موقوف ہوا ہے تو اس سے صحبت غسل سے پہلے بھی جائز ہے کیونکہ دس روز سے زیادہ حیض نہیں آتا البتہ بغیر غسل کئے ایسا کرنا مستحب نہیں یہ حکم ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک اس عورت کا بھی حکم یہی ہے کہ غسل کے بغیر صحبت جائز نہیں اور لعشرۃ ایام میں لام بمعنی بعد ہے یعنی بعد عشرۃ ایام چنانچہ آیت کریمہ اقیم الصلوٰۃ لدلوک الشمس میں لام بمعنی بعد ہے یعنی بعد دلوک اسی طرح سرکار مدینہ کا ارشاد ہے صوموا لرویتہ میں لام بمعنی بعد ہے یعنی بعد رویۃ ہلال رمضان۔

خیال رہے کہ حیض کے وقت میں وطی کو حلال سمجھ کر صحبت کرنا موجب کفر ہے اور اگر حرام سمجھتے ہوئے ایسا کیا تو توبہ و استغفار لازم ہے اور مستحب ہے ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دیا جائے جس کا مصرف وہ ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔

۱- نور الانوار ص ۵

والطُّهرُ اذا تخلل بين الدمَين فى مُدّة الحيضِ فهو كالدمِ الجارِى واقلُّ الطهرِ خمسة عشرَ يوماً

ترجمہ : ـــــ اور جب حیض کی مدت میں دو خونوں کے درمیان پاکی ہو تو وہ جاری خون کی طرح ہے اور پاکی کی مدت کم سے کم پندرہ دن ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] والطھر ۔ یعنی جو پاکی دو خونوں کے بیچ میں واقع ہو یعنی خون آتے ہوئے اس کا انا بند ہو جائے تو یہ جاری خون کے حکم میں ہے ۔ مدت حیض میں حیض اور مدت نفاس میں نفاس شمار کیا جائے گا مثلاً دس روز کے اندر اگر دو خونوں کے بیچ میں پاکی واقع ہو تو یہ پاکی بھی خون جاری کی مثل ہے

قولہ[۲] واقل الطھر ۔ یعنی پاکی کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں یعنی عورت جب پاک رہنے لگے تو وہ نماز روزہ سب کچھ کرے اگرچہ ساری عمر اسی طرح گذر جائے ۔ عورت کی اگر کوئی عادت مقرر ہو تو اس صورت میں اس کی عادت کے مطابق تحدید کر لی جائے گی ۔ اس سلسلہ میں ائمہ احناف کے مختلف اقوال ہیں جو نقشہ ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں ۔

نقشہ طہر متخلل کے متعلق ائمہ احناف کے مختلف اقوال و مذاہب

نمبر شمار	صورت مسئلہ	امام ابو یوسف	امام محمد	امام زفر	حسن بن زیاد
۱	ایک دن خون آٹھ دن طہر پھر ایکدن خون	کل کا کل حیض ہے	حیض نہیں	حیض نہیں ہے	حیض نہیں ہے
۲	دو دن خون سات دن طہر پھر ایکدن خون	〃 〃	〃	کل کا کل حیض ہے	〃 〃
۳	تین دن خون چھ دن طہر پھر ایکدن خون	〃 〃	پہلا تین دن حیض باقی استحاضہ	〃 〃	پہلا تین دن حیض اور باقی استحاضہ
۴	ایکدن خون چھ دن طہر پھر تین دن خون	〃	آخری تین دن حیض باقی استحاضہ	〃	آخری تین دن حیض باقی استحاضہ
۵	۴ دن خون دن طہر اور ۱ر دن خون	〃	کل کا کل حیض ہے	کل کا کل حیض ہے	پہلے چار دن حیض ہے
۶	۱ر دن خون ۵ر دن طہر ۴ر دن خون	〃	〃	〃	آخری چار دن حیض ہے
۷	۱ر دن خون ۲ر دن طہر اور ۱ر دن خون	〃	〃	〃	کل کا کل حیض ہے
۸	۳ر دن خون ۶ر دن طہر پھر ۳ر دن خون	〃	پہلا ۳ر دن حیض باقی استحاضہ	〃	پہلا تین دن حیض اور باقی استحاضہ

قولہ[۳] الطھر ۔ طہر متخلل سے متعلق امام ابو حنیفہ سے چار روایتیں منقول ہیں (۱) امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ طہر ناقص کو اگر دونوں طرف سے خون گھیرے ہوئے ہو خواہ ایکدن ہو یا زیادہ نیز اس دن کے اندر ہو یا باہر تو وہ طہر متخلل حیض شمار ہوگا اور عورت اگر مبتدیہ ہے تو پورے دس دن اور معتادہ ہے تو

عادت کے دنوں کے شمار کیا جائیگا ۔

(۲) امام محمد سے مروی ہے کہ دس دن سے کم کے حیض میں دونوں طرف خون محیط ہو تو دس دن حیض کے ہوں گے عورت مبتدیہ ہو یا معتادہ جیسے پہلی اور دسویں تاریخ میں خون آئے اور نویں تک طہر یا ساتویں تک طہر پھر آٹھویں کو خون تو پہلی صورت میں دس دن اور دوسری صورت میں آٹھوں دن حیض ہوں گے ۔

(۳) ابن المبارکؒ سے مروی ہے کہ کیفیت مذکورہ کیساتھ دونوں جانب کا خون مجموعی طور پر ادنیٰ نصاب حیض تک پہونچ جانا چاہیئے یعنی تین دن ہونے چاہئیں پس اگر پہلی اور دسویں تاریخ کو آخر میں خون آجائے تو کل حیض ہوگا ۔

(۴) حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ جو طہر تین روز یا زیادہ کا ہو وہ فاصل رہے گا اور کم ہو تو حیض شمار کیا جائے گا ۔ امام محمد کا مذہب جس میں تیسرے قول کی شرطوں کیساتھ یہ بھی شرط ہے کہ درمیان طہر بھی اتنی مقدار میں ہو جتنا دونوں طرف کے خون کا مجموعہ ہو ۔

ودم[۱] الاستحاضة هو ما تراه المرأة اقل من ثلاثة ايام او اكثر من عشرة ايام فحكمه[۲] حكم الرعاف لا يمنع الصلوة ولا الصوم ولا الوطئ

ترجمہ: ـــــ اور استحاضہ کا خون وہ ہے جس کو عورت دیکھے تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ پس اس کا حکم نکسیر کی طرح ہے جو نہ نماز کو روکتا ہے اور نہ روزہ اور نہ وطی کو ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] دم الاستحاضۃ ۔ یعنی استحاضہ کا خون وہ ہے جو تین روز سے کم یا دس روز سے زیادہ تک آئے استحاضہ کے خون حقیقۃً پانچ ہیں دو خون تو وہ ہیں جو ابھی گذرے ایک وہ جو تین دن سے کم ہو دوسرا وہ جو دس روز سے زیادہ ہو تیسرا وہ جو نو برس کی عمر سے پہلے آئے چوتھا وہ کہ جو حمل کی حالت میں آئے پانچواں وہ کہ جو ولادت کے بعد چالیس روز سے زیادہ تک آئے ۔

قولہ[۲] فحکمہ ۔ استحاضہ کے خون کا حکم نکسیر کے خون کی طرح ہے کہ نکسیر کا خون جس طرح نماز روزہ و صحبت کو نہیں روکتا اسی طرح استحاضہ کا خون بھی نماز و روزہ و صحبت کو نہیں روکتا چنانچہ سرکار مدینہ نے فاطمہ بنت حبیش سے ارشاد فرمایا تھا کہ وضو کرکے نماز پڑھتی رہو اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکتا ہے ۔

واذا زاد الدم على العشرة وللمرأة عادة معروفة رُدّت الى ايام عادتها وما زاد على ذلك فهو استحاضة وان ابتدأت مع البلوغ مستحاضة فحيضها عشرة ايام من كل شهر والباقی استحاضة

ترجمہ: ـــــ اور جب خون دس دن سے بڑھ جائے اور عورت کی مقررہ عادت ہو تو مقررہ عادت کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور جو اس سے زائد ہو وہ استحاضہ ہوگا اور اگر عورت استحاضہ ہی کی حالت میں بالغ ہوئی تو اس کا حیض ہر ماہ کے دس دن ہیں اور باقی استحاضہ ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ واذا زاد۔ یعنی خون جب دس روز سے زیادہ آئے اور اس کی عادت مقررہ ہو اور مقررہ عادت دس روز سے کم ہو تو حیض اسی کے مطابق شمار کیا جائے گا یعنی مقررہ عادت کو حیض کی طرف لوٹایا جائے گا اور زائد کو مستحاضہ شمار کیا جائے گا مثلاً پانچ روز کی عادت تھی اور اس مرتبہ بارہ روز خون آگیا تو پانچ روز حیض کے اور سات روز استحاضہ کے شمار ہوں گے۔

فائدہ لوٹانے کا یہ ہے کہ عادت کے دنوں کے بعد جو نمازیں چھوڑی جائیں گی ان کی قضا کی جائیں گی اور اگر کسی کی عادت مقررہ نہ ہو تو اس کے دس روز حیض کے ہوں گے اور باقی استحاضہ کے۔

قولہ وان ابتدأت۔ یعنی عورت اگر استحاضہ کی حالت میں بالغ ہوئی تو اس کا حیض ہر ماہ دس روز ہوگا اور باقی استحاضہ۔ کیونکہ اس کی عادت مقررہ پہلے سے نہیں ہے کہ اس کی طرف لوٹایا جائے۔

والمستحاضة ومن به سلس البول والرعاف الدائم والجرح الذی لا یرقأ یتوضئون لوقت كل صلوة ويصلون بذالك الوضوء فی وقت ماشاء وا من الفرائض والنوافل فاذا خرج الوقت بطل وضوءهم وكان عليهم استيناف الوضوء لصلوة أخرى۔

ترجمہ: ـــــ اور مستحاضہ اور جس کو ہر وقت پیشاب لگتا ہو یا دائمی نکسیر ہو یا برابر بہنے والا زخم ہو تو وہ لوگ ہر نماز کے وقت کیلئے وضو کرلیں اور اس وضو سے وقت کے اندر جو چاہیں فرائض و نوافل میں سے پڑھیں پس جب وقت نکل جائے تو ان کا وضو باطل ہو جائے گا اور دوسری نماز کیلئے از سر نو وضو کرنا ہوگا۔

تشریح: ـــــ قولہ والمستحاضة۔ مستحاضہ یعنی وہ عورت جس کو استحاضہ کی شکایت ہو یا سلس البول

یعنی ہر وقت پیشاب جاری رہنے کا عارضہ ہو یا دائمی نکسیر ہو یا ناسور یعنی برابر بہنے والا زخم ہو ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر لیا کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر جو چاہے فرائض و نوافل میں سے پڑھے اور امام شافعی کے نزدیک اس وضو سے صرف ایک فرض پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے ضمن میں نفلیں، کیونکہ حدیث شریف ہے کہ مستحاضہ کو ہر نماز کیلئے تازہ وضو کرنا ہوگا اور اس لئے بھی مستحاضہ کے لئے طہارت کا اعتبار ضرورت فرض کی وجہ سے ہے پس فرض نماز سے فارغ ہونیکے بعد طہارت باقی نہیں رہتی۔ احناف کی دلیل سرکار کا یہ قول ہے کہ مستحاضہ کو ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرنا ہوگا۔ اور امام مالک کے نزدیک صرف ایک فرض اور ایک نفل پڑھ سکتے ہیں۔

والنِّفَاسُ[1] هُوَالدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ وَالدَّمُ الَّذِي تَرَاهُ الْحَامِلُ وَمَا تَرَاهُ[2] الْمَرْأَةُ فِي حَالِ وِلَادَتِهَا قَبْلَ خُرُوجِ الْوَلَدِ اِسْتِحَاضَةٌ

ترجمہ: ـــــ اور نفاس وہ خون ہے جو خارج ہو ولادت کے بعد اور وہ خون جو حاملہ عورت دیکھے یا کوئی عورت ولادت کے بعد بچہ پیدا ہونے سے پہلے دیکھے تو وہ استحاضہ ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] والنفاس۔ نفاس وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آئے کیونکہ وہ ماخوذ ہے تنفس الرحم بالدم سے جس کا معنی ہے رحم نے خون اگل دیا یا ماخوذ ہے خروج النفس سے جو کبھی بچہ یا خون کا نکلنا ہے۔ لیکن وہ خون جو حاملہ عورت کو آئے یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے ولادت کے وقت آئے وہ استحاضہ ہے اگرچہ وہ خون حیض کے نصاب کو پہونچ جائے اس کے باوجود وہ استحاضہ ہی میں شمار ہوگا اس لئے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا کیونکہ رحم کا منہ بچہ اندر رہنے کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے اور حیض و نفاس کا خون رحم ہی سے آتا ہے برخلاف استحاضہ کے کہ وہ فرج سے آتا ہے نہ کہ رحم سے۔ امام شافعی اس خون کو حیض شمار کرتے ہیں وہ اس کو نفاس پر قیاس کرتے ہیں کہ دونوں کا خروج رحم ہی سے ہوتا ہے۔ احناف کی دلیل گذر چکی کہ رحم کا منہ عادۃً حمل کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے اور نفاس بچہ کی پیدائش کی وجہ سے رحم کا منہ کھلنے کے بعد آتا ہے۔

قولہ[2] وما تراہ المرأۃ۔ عورت اگر بچہ کی پیدائش کے بعد خون نہ دیکھے تو اس پر غسل واجب نہیں البتہ وضو واجب ہے اکثر مشائخ نے محیط میں اسی کو نقل کیا ہے۔

وَاَقَلُّ[1] النِّفَاسِ لَاحَدَّ لَهُ وَاَكْثَرُهُ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا وَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ وَاِذَا

تجاوز[۳] الدم على الاربعين وقد كانت هذه المرأة ولدت قبل ذلك ولها عادة في النفاس ردت الى ايام عادتها وان لم تكن لها عادة فنفاسها اربعون يوما

ترجمہ: ـــــ اور نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز ہیں جو اس سے زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے اور جب خون چالیس دن پر زائد ہو جائے اور وہ عورت اس سے جن چکی ہے اور اس میں اس کی عادت تھی تو معینہ عادت کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور اگر اس کی عادت نہ ہو تو اس کا نفاس چالیس روز ہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] اقل النفاس۔ یعنی نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں اور یہی قول جمہور علماء کا ہے سراجیہ میں ہے کہ نفاس اگر ایک ساعت بھی ہو تو نفاس ہی کہلائے گا کیونکہ بچہ کا پہلے تولد ہونا خون کے رحم سے آنے کی دلیل وعلامت ہے برخلاف حیض کہ اس میں خون کے رحم سے آنے پر چونکہ کوئی دلیل نہیں اس لئے اس میں تین دن کی شرط قرار دی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ خون رحم کا ہے۔

قولہ[۲] اکثرہ اربعون۔ یعنی نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہیں اور جو خون اس سے زیادہ دنوں تک آئے وہ استحاضہ ہے یہ حکم ہمارے احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک اس کی مدت زیادہ سے زیادہ ساٹھ دن ہیں اور امام مالکؒ ستر دنوں کے قائل ہیں۔ دلیل احناف کی سیدتنا ام سلمہ کی روایت ہے کہ نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہیں اسی کو سیدنا انس اور عبداللہ بن عمر اور سیدتنا عائشہ وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔

قولہ[۳] اذا تجاوز الدم۔ یعنی جو خون چالیس دنوں سے زائد ہو وہ استحاضہ ہے اور نفاس میں اس عورت کو پہلے سے کوئی عادت مقرر ہو تو اس کو عادت کے دنوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اور اگر اس کی کوئی عادت نہ ہو تو چالیس دن اس کے نفاس کے ہوں گے اور باقی استحاضہ کے کیونکہ جب اس کی کوئی عادت مقرر نہ ہو تو اس کی زیادہ سے زیادہ مدت کا اعتبار کیا جائے گا جس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

واضح ہو کہ بچہ کی پیدائش کے بعد عورت اگر خون نہ دیکھے تو اس پر غسل واجب نہیں البتہ وضو واجب ہے یہی روایت امام ابو یوسف وامام محمد کی ہے لیکن امام ابو حنیفہ وامام زفر نے کہا کہ احتیاطاً غسل کر لینا واجب ہے

ومن ولدت[۱] ولدين في بطن واحد فنفاسها ما خرج من الدم عقيب الولد الاول عند ابي

حنیفۃ اُبی یوسف رحمہما اللّٰہ تعالیٰ وقال محمدٌ وزفرُ رحمہما اللّٰہ تعالیٰ من الولدِ الثانی

ترجمہ: ـــــ اور جو عورت ایک بطن سے دو بچے جنے تو اس کا نفاس وہ خون ہوگا جو پہلے بچہ کی پیدائش کے بعد نکلے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللّٰہ کے نزدیک اور امام محمد اور امام زفر رحمہما اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوسرے بچہ کی پیدائش کے بعد سے ہوگا۔

تشریح: ـــــ قولہ ومن ولدت ۔ جوڑواں بچے یعنی ایک ہی بطن سے اگر مثلاً دو بچے پیدا ہوں تو شیخین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک نفاس پہلے بچہ کی ولادت سے شروع ہوگا اگرچہ دونوں کے درمیان چالیس دنوں کی مدت ہو اور امام محمد اور امام زفر کے نزدیک نفاس آخری بچہ کی ولادت سے شروع ہوگا دلیل یہ ہے کہ پہلے بچہ کی ولادت کے بعد تو ابھی وہ حمل والی ہے پس وہ اس وقت نہ حائضہ کہلائے گی اور نہ نافسہ! اسی وجہ سے عدت بالاجماع آخری بچہ سے شمار کی جاتی ہے دلیل شیخین کی یہ ہے کہ حاملہ کو رحم کی بندش کی وجہ سے خون نہیں آتا تھا لیکن جب پہلے بچہ کی ولادت ہو چکی تو اس کے بچہ دانی کا منہ کھل چکا جس کی وجہ سے خون جاری ہے اس لئے وہ خون نفاس کا کہلائے گا اور رہا عدت کا معاملہ تو اس کا تعلق چونکہ وضع حمل سے ہے اس لئے وہ مجموعہ حمل کو شامل ہوگا۔ خواہ اس میں ایک بچہ ہو یا چند بچے اس وجہ سے بطن کے ہر بچہ کے وضع کے بعد ہی عدت مکمل ہو جائے گی۔

بابُ الانجاسِ

ترجمہ: ـــــ نجاستوں کے مسائل کا بیان

تطہیرُ النجاسۃِ واجبٌ من بدنِ المصلّی وثوبِہ والمکانِ الذی یصلّی علیہ ویجوزُ تطہیرُ النجاسۃِ بالماءِ وبکلِّ مائعٍ طاہرٍ یمکن ازالتہا بہ کالخلِّ وماءِ الوردِ ۔

ترجمہ: ـــــ نماز پڑھنے والا کو اپنا بدن اور اپنا کپڑا اور جس جگہ نماز پڑھتا ہے تینوں کو نجاست سے پاک کرنا واجب ہے اور نجاست کو پانی سے اور ہر ایک ایسی بہنے والی چیز سے دھونا جائز ہے کہ جس سے

وہ نجاست زائل ہو جائے جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔

تشریح:۔۔۔ قولہ[۱] باب الانجاس۔ ماقبل میں نجاست حکمیہ یعنی حیض ونفاس وجنابت اوران کے ازالہ کے طریقوں مثلاً وضو وغسل وتیمم ومسح کا بیان تھا اوراب نجاست حقیقیہ اوراس سے پاکی کے طریقوں کا بیان ہے اور نجاست حکمیہ کو پہلے اس لئے بیان کیا گیا کہ اس کی قلیل مقدار بھی نماز کے جواز کے لئے مانع ہے برخلاف نجاست حقیقیہ کہ اس کی قلیل مقدار مثلاً مقدار درہم یا اس سے کم معاف ہے۔

انجاس جمع نجس بفتح نون وفتح جیم بمعنی نجاست یعنی ناپاکی اور نجس بفتح نون وبکسر جیم بمعنی ناپاک چیز ہے۔ کنز میں ہے کہ خبث کا اطلاق نجاست حقیقی پر ہوتا ہے اور حدث کا نجاست حکمی پر اور نجس کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔

قولہ[۲] تطہیر النجاسۃ۔ نجاست بمعنی گندگی وناپاکی ہے اور تطہیر بمعنی پاک کرنا اور عین گندگی کو چونکہ پاک نہیں کیا جاتا اس لئے یہاں لفظ نجاست سے پہلے مضاف مقدر مانا جاتا ہے ای تطہیر محل النجاسۃ یعنی محل نجاست کو پاک کرنا اور ضروری ہے نمازی اپنے کپڑے کو پاک وصاف رکھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے وثیابک فطہر یعنی اپنا لباس کو پاک رکھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے حتیہ ثم اقرصیہ ثم اغسلیہ بالماء ولا یضرک اثرہ۔ یعنی اس کو رگڑ دے پھر کھرچ دے پھر اس کو پانی سے دھو ڈال اور ناپاکی کا نشان مضر نہیں دے گا۔ اور جب کپڑے کو پاک کرنا ضروری ہوا تو مکان وجگہ کو پاک کرنا بھی ضروری ہوا اور مکان وجگہ سے مراد کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے اور بیٹھنے کی جگہ ہے کیونکہ حالت نماز میں ہر ایک کا استعمال لازمی ہوتا ہے۔

قولہ[۳] بالماء وبکل مائع۔ ماء سے مطلق پانی مثلاً دریا وچشمہ وبارش وغیرہ کا پانی ہے اور مائع سے مقید پانی مثلاً گلاب وسرکہ وغیرہ کا پانی مراد ہے خلاصہ یہ کہ مطلق پانی بلکہ مقید پانی یعنی ہر ایسی بہنے والی چیزوں سے دور کرنا جائز ہے جو پاک ہو لیکن مطلق پانی سے دور کرنا تمام علماء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے لیکن مقید پانی سے وہ سیدنا امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ فتوی اسی پر ہے۔ لیکن امام محمد اور امام زفر بلکہ امام شافعی بھی اس کو جائز نہیں مانتے۔ وہ صرف مطلق پانی سے پاک ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ جس سے پاک کیا جائے وہ ناپاک چیز کے ملتے ہی ناپاک ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے جو ناپاک ہو وہ دوسرے کو پاک نہیں کر سکتا۔ برخلاف مطلق کے اس میں اس قیاس کو مجبوراً ترک کیا جاتا ہے۔ دلیل شیخین یعنی امام اعظم اور ابو یوسف کی یہ ہے کہ بہنے والی چیز گندگی کو زائل کر دیتی ہے اور پاکی کا مدار نجاست کا زوال ہے علیہ

پاک کرنے والی چیزوں کا ناپاک ہوجانا تو وہ مجاورت کی وجہ سے تھا اور جب اجزاء نجاست ہی ختم ہوگئے تو پاک کرنے والی چیز بھی پاک رہ گئی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ سیدتنا عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے کہ ہمارے پاس ایک کپڑا کے سوا کچھ بھی نہ تھا پس اگر حیض آنے لگتا اور کپڑا خون سے ملوث ہوتا تو اس کو تھوک لگا کر ناخن سے کھرچ دیا کرتے۔ پس ظاہر ہے کہ تھوک سے اگر کپڑا پاک نہ ہوتا تو ناپاکی اور زیادہ بڑھ جانی چاہیئے تھی۔

وَاِذَا اَصَابَتِ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جِرْمٌ فَجَفَّتْ فَدَلَكَهُ بِالْاَرْضِ جَازَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ وَالْمَنِيُّ نَجِسٌ يَجِبُ غَسْلُ رَطْبِهٖ فَاِذَا جَفَّ عَلَى الثَّوْبِ اَجْزَاءَ فِيْهِ الْفَرْكُ وَالنَّجَاسَةُ ۔

ترجمہ: ــــ اور جب خف یعنی موزہ کو جسم دار نجاست لگ جائے تو خشک ہوجانے پر اس کو زمین سے رگڑ دے پس اس میں نماز جائز ہے اور منی ناپاک ہے اور تر کو دھونا واجب ہے اور جب کپڑے پر خشک ہوجائے تو اس کو مل دینا کافی ہے۔

تشریح: ــــ قولہ واذا اصابت ۔ جب کوئی جسم دار نجاست خف یعنی موزہ کو لگ کر خشک ہوجائے تو اس کو زمین سے رگڑ دیا جائے تو موزہ استحساناً پاک ہوجائے گا اور اگر جسم دار نہ ہو تو دھونا پڑے گا جسم دار نجاست سے مراد یہ ہے کہ خشک ہوجانے کے بعد اُس کا رنگ اور اثر باقی رہے جیسے لید اور گوبر اور پاخانہ اور خون وغیرہ ان کا حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر تر ہے تو موزے کو دھونا ضروری ہے اور اگر خشک ہوگیا ہے تو صرف زمین سے رگڑ دینا ہی کافی ہے اسی پر فتویٰ ہے اور امام محمد کے نزدیک نجاست خشک ہو یا تر بہر دو تقدیر دھونے ہی سے پاک ہوگی کیونکہ جو نجاست موزہ میں پیوست ہوجائے تو اس کو نہ خشک ہونا دور کر سکتا ہے اور نہ رگڑنا اور دلیل امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی یہ ہے کہ موزہ میں اگر کوئی گندگی لگ جائے تو زمین پر رگڑ دیا جائے اس لئے کہ زمین ان کو پاک کر دیتی ہے۔

قولہ والمنی نجس ۔ یعنی منی ناپاک ہے تر کو دھونا ضروری ہے اور جب کپڑے میں لگ کر خشک ہوجائے تو پھر اسے ہاتھوں سے کھرچ دینا یا رگڑ دینا کافی ہے۔ چنانچہ سیدتنا عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں سرکار مدینہ کے کپڑے سے اگر گیلی منی ہوتی تو دھو ڈالتی اور اگر خشک ہوتی تو کھرچ دیتی۔ امام شافعی کے نزدیک منی پاک ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ سرکار مدینہ سے منی کے بارے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ منی تھوک اور ناک کی رینٹ کی طرح ہے اس لئے یہی کافی ہے کہ کسی چیتھڑے یا اذخر گھاس سے پونچھ ڈالے۔ ان کا قول یہ بھی ہے

کہ منی انسان کا مبداءِ تخلیق ہے اس کو ناپاک کیسے کہا جا سکتا ہے۔ احناف دوسرے قول کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انسان کی پیدائش اصل میں خون سے ہوتی ہے کیونکہ منی خون سے بنتی ہے جبکہ خون ناپاک ہے اور قول اول کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث مذکور زیر کلام ہے اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو سیدتنا عائشہ و سیدنا عمر وغیرہ سے بکثرت روایتیں منقول ہیں جن میں منی کا دھونا اور دھونے کا حکم دینا مذکور ہے سیدنا ابوہریرہ نے تو یہ بھی کہا ہے کہ منی کی جگہ معلوم نہ ہو تو پورے کپڑے کو دھونا پڑے گا۔

---

[١] إِذَا أَصَابَتِ الْمِرْآةُ أَوِ السَّيْفُ اكْتَفَى بِمَسْحِهِمَا وَإِنْ أَصَابَتِ الْأَرْضَ [٢] نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ وَذَهَبَ أَثَرُهَا جَازَتِ الصَّلٰوةُ عَلَى مَكَانِهَا وَلَا يَجُوزُ التَّيَمُّمُ مِنْهَا

ترجمہ: ـــــ اور جب نجاست آئینہ یا تلوار کو لگ جائے تو اُن کو پونچھ دینا کافی ہے اور اگر نجاست زمین کو لگ جائے پس دھوپ سے خشک ہو جائے اور اس کا نشان جاتا رہے تو اس جگہ نماز جائز ہے لیکن اس سے تیمم جائز نہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ [١] اذا اصابت المرأۃ۔ یعنی آئینہ یا تلوار کو اگر نجاست لگ جائے تو پونچھ دینے سے ہی پاک ہو جائے گا اس لئے کہ نجاست اس میں نہیں گھستی اور جو اوپر لگی ہے وہ پونچھ دینے سے ہی صاف ہو جاتی ہے یہ حکم سیدنا امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کے نزدیک ہے اسی پر فتویٰ ہے لیکن امام محمد و امام شافعی نے کہا کہ ان کو بھی دھونا لازم و ضروری ہے۔

قولہ [٢] الارض نجاسۃ۔ یعنی نجاست اگر زمین میں لگ کر دھوپ سے خشک ہو جائے اور اس کا نشان بھی بالکل جاتا رہے تو اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اس سے تیمم جائز نہیں۔ یہ حکم ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف و امام محمد کے نزدیک ہے لیکن امام زفر و امام شافعی کے نزدیک ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی جائز نہیں۔ کیونکہ نجاست کو زائل کرنے والی چیز یہاں مفقود ہے اسی وجہ سے تیمم اس سے جائز نہیں۔ احناف کا جواب یہ ہے کہ نجاست کو زائل کرنے والی چیز دھوپ کی حرارت ہے اور تیمم میں مٹی کا پاک ہونا بطور شرط آیت تیمم صعیدًا طیبًا سے ثابت ہے۔ امام مالک نے کہا کہ اس جگہ پر نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور اس سے تیمم بھی

وَمَنْ [١] أَصَابَهُ مِنَ [٢] النَّجَاسَةِ الْمُغَلَّظَةِ [٣] كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ وَالْخَمْرِ مِقْدَارُ [٤] الدِّرْهَمِ وَ

مادونہ جازت الصلوٰۃ معہ وان زاد لم یجز وان اصابتہ نجاسۃ مخففۃ کبول ما یؤکل لحمہ جازت الصلوٰۃ معہ مالم تبلغ ربع الثوب

ترجمہ: ـــــ اور جس کو نجاست غلیظ لگ جائے جیسے خون اور پیشاب اور پاخانہ اور شراب ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم تو جائز ہے اس کے ساتھ نماز، اور اگر زائد ہو تو جائز نہیں اور اگر اس کو نجاست خفیفہ لگ جائے جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو جائز ہے اس کے ساتھ نماز جبتک کہ چوتھائی کپڑے کو نہ پہونچے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ومن اصابتہ لیعنی جس کپڑے کو ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم نجاست غلیظ جیسے خون و پیشاب، و پاخانہ و شراب وغیرہ لگ جائے تو اس سے نماز جائز ہے اور اگر زائد لگ جائے تو جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے بھی کپڑا ناپاک ہوجاتا ہے کیونکہ جس نص میں دھونے کا حکم آیا ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں احناف کی دلیل یہ ہے کہ معمولی نجاست سے بچنا عادۃً دشوار ہے اس لئے اتنی نجاست معاف ہے۔

قولہ[۲] من النجاسۃ الغلیظۃ۔ نجاست غلیظ و خفیفہ کی تعریف میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نجاست غلیظ وہ ہے جس کا ثبوت ایسے نص سے ہو جس کا معارض دوسرا نص مثبت طہارت نہ ہو اور نجاست خفیفہ وہ ہے جس میں دو نص باہم متعارض ہوں صاحبین نے فرمایا کہ نجاست غلیظ وہ ہے جسکی نجاست پر اجماع ہو چکا ہو اور نجاست خفیفہ وہ ہے جس میں اختلاف ہو۔ اس اختلاف کا نتیجہ گوبر میں ظاہر ہوگا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عبداللہ بن مسعود کی حدیث لیلۃ الجن کی وجہ سے نجاست غلیظ ہے کہ دوسری حدیث اُس کا معارض نہیں۔ صاحبین کے نزدیک گوبر کی نجاست خفیفہ ہے اس لئے کہ امام مالکؒ و ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک گوبر پاک ہے لہذا اس میں نجاست اتفاقی نہیں بلکہ اختلافی ہوگئی۔

واضح ہو کہ اگر کسی چیز میں نجاست غلیظ و خفیفہ دونوں جمع ہوں تو خفیفہ کو احتیاطاً غلیظ کے تابع کر دیا جائے گا مثلاً نجاست غلیظ اگر ایک درہم سے کم ہو اور نجاست خفیفہ ملا کر پورے ایک درہم یا اس سے زائد ہو تو دونوں کو ملا کر ایک مان لیا جائے گا۔

قولہ[۳] کالدم۔ نجاست غلیظ میں خون سے مراد انسان یا کسی جانور کا بہنے والا خون ہے اس سے بارہ خون مستثنیٰ ہیں۔ (۱) غیر سیال خون (۲) شہید (۳) لاغر گوشت (۴) رگوں (۵) کلیجہ (۶) تلی (۷) دل (۸) مچھلی (۹) پسو (۱۰) مچھر (۱۱) کھٹمل (۱۲) جوں کا خون اور بول یعنی پیشاب سے مراد انسان اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب

ہے جن میں سے چگاڈر اور چوہا مستثنیٰ ہے کیونکہ چگاڈر کا پیشاب پاک ہے اور چوہے سے احتراز نہایت مشکل ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ[4] مقدار الدرھم۔ یعنی نجاست غلیظہ ایک درہم کی مقدار معاف ہے۔ بعض نے درہم کے وزن یعنی ایک مثقال جس کا وزن بیس قیراط ہے کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے مساحت کا اعتبار کیا ہے۔ دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی جائیگی کہ نجاست اگر پیشاب کی طرح پتلی ہو تو مساحت یعنی ایک درہم کا پھیلاؤ یعنی ہتھیلی کی گہرائی بھر اعتبار ہے اور پاخانہ کی طرح گاڑھی نجاست ہو تو درہم کے وزن کا اعتبار ہے۔

قولہ[5] مادونہ جازت الصلوٰۃ۔ یعنی نجاست غلیظہ مقدار درہم یا اس سے کم ہو تو اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی یعنی اس کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جائے گی البتہ مکروہ تحریمی ہو گی کہ اتنی نجاست کا دھونا واجب ہے یہاں تک کہ نماز اگر شروع کر چکا ہو تو افضل یہ ہے کہ اس کے دھونے کے واسطے نماز کو قطع کر دے پھر شروع سے نماز پڑھے اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔

قولہ[6] وان اصابتہ نجاسۃ مخففۃ۔ نجاست خفیفہ یعنی وہ جس کی نجاست وطہارت کے نصوص سے متعارض ہونیکی وجہ سے اس کی نجاست میں تخفیف پیدا ہو جائے چنانچہ حدیث عرینہ جو اونٹ کے پیشاب کے پاک ہونے پر دال ہے اور حدیث استنزھوا عن البول اس کی نجاست پر دال ہے وہ اگر کسی کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز جائز ہو جائے گی۔ جبتک کہ چوتھائی کپڑے کو نہ پہونچے۔

قولہ[7] مالم تبلغ۔ بعض احکام میں چوتھائی حصہ کو بمنزلہ کل مانا جاتا ہے چنانچہ چوتھائی سر کی مسح بمنزلہ کل سر کے مانا جاتا ہے اسی طرح نجاست خفیفہ میں چوتھائی حصہ کو بمنزلہ کل کے مانا گیا ہے۔ لیکن اس میں اختلاف اس امر میں ہے کہ چوتھائی حصہ پورے بدن یا پورے کپڑے کا ہے یا صرف اس جگہ کا جس میں نجاست لگی ہے۔ ابن ہمام نے اول کو احسن اور بعض نے دوم کو معتبر قرار دیا ہے مثلاً کرتا کا دامن۔ کلی۔ آستین وغیرہ

وَتَطْهِيْرُ[1] النَّجَاسَةِ الَّتِيْ يَجِبُ غَسْلُهَا عَلٰى وَجْهَيْنِ فَمَا كَانَ لَهُ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا[2] زَوَالُ عَيْنِهَا اِلَّا اَنْ يَبْقٰى مِنْ اَثَرِهَا مَا يَشُقُّ اِزَالَتُهَا وَمَا لَيْسَ لَهُ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا اَنْ يُغْسَلَ حَتّٰى يَغْلِبَ عَلٰى ظَنِّ الْغَاسِلِ اَنَّهُ قَدْ طَهُرَ۔

ترجمہ: ـــــ اور جس نجاست کو دھونا ضروری ہے اس سے پاکی حاصل کرنا دو طرح پر ہے پس جو نجاست

بعینہٖ نظر آتی ہو اس کی پاکی اُس کے عین کا زائل ہو جانا ہے مگر یہ کہ ایسا نشان باقی رہ جائے جس کا ازالہ مشکل ہو اور جو نجاست بعینہٖ نظر نہ آتی ہو تو اس کی پاکی اتنا دھونا ہے کہ دھونے والا کو غالب گمان ہو جائے کہ وہ اب پاک ہو چکا ۔

قولہ[۱] وتطهير النجاسة ۔ نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک مرئیہ اور دوسری غیر مرئیہ ۔ مرئیہ وہ نجاست ہے جو آنکھوں سے معلوم ہوتی ہو ۔ اسکا پاک ہونا اس طرح ہے کہ اس کا اثر و رنگ جاتا رہے البتہ اگر ایسا داغ ہو کہ اُس کا زائل ہونا مشکل ہے تو وہ معاف ہے اور غیر مرئیہ وہ نجاست ہے جو آنکھوں سے نظر نہ آتی ہو ۔ اس کا پاک ہونا اس طرح ہے کہ اتنی بار دھویا جائے کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو جائے کہ اب کپڑا پاک ہو گیا ہے اور وہ تین مرتبہ ہے کیونکہ تین بار سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے پس سبب ظاہر کو طہارت کے قائم مقام کر دیا گیا ہے لیکن ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری ہے اور جس چیز کا نچوڑنا دشوار ہو مثلاً بوریہ ، بچھونا ، لحاف وغیرہ تو اس کو تین بار دھو کر خشک کرنے سے پاک ہو جائے گا ۔

قولہ[۲] فطهارتها زوال عينها ۔ زوال عین سے مراد یہ ہے کہ ایک مرتبہ دھونے سے ہی اگر عین نجاست زائل ہو جائے تو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں اور اگر تین مرتبہ دھونے سے بھی عین نجاست زائل نہ ہو تو اس سے زائد دھونا پڑے گا یہاں تک کہ عین نجاست زائل ہو جائے اس لئے کہ آنکھوں سے نظر آنے والی نجاست میں اصل مقصود نجاست کا زوال ہے پس اس میں تین اور پانچ کی قید کا کوئی اعتبار نہیں ۔

قولہ[۳] ما يشق ازالتها ۔ ازالہ نجاست کے دشوار ہونے کا مطلب یہ کہ اس کو زائل کرنے کیلئے صابن وغیرہ یا گرم پانی استعمال کرنا پڑے چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ خولہ بنت یسار نے سرکار مدینہ سے حیض کے خون سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے دھونے کا حکم صادر فرمایا پھر عرض کیا یا رسول اللہ دھونے سے بھی اس کا نشان باقی رہتا ہے تو فرمایا کوئی حرج نہیں ۔

وَالْاِسْتِنْجَاءُ[۱] سُنَّةٌ[۲] يُجْزِئُ[۳] فِيْهِ الْحَجَرُ وَالْمَدَرُ وَمَا قَامَ مَقَامَهُمَا يَمْسَحُهُ حَتّٰى يُنَقِّيَهُ وَلَيْسَ[۴] فِيْهِ عَدَدٌ مَسْنُوْنٌ وَغَسْلُهُ[۵] بِالْمَاءِ اَفْضَلُ

ترجمہ : ـــــ اور استنجا سنت ہے کافی ہے اس میں پتھر اور ڈھیلا اور ان کے قائم مقام چیزیں ۔ مخرج کو اس سے پونچھے یہاں تک کہ اس کو صاف کر دے ۔ اور اس میں کوئی خاص عدد مسنون نہیں اور پانی سے دھونا افضل ہے

تشریح : ـــــ قولہ[۱] والاستنجاء ۔ استنجا کو نجاست حقیقیہ کے ذیل میں بیان کیا گیا سنن وضو کے ذیل

میں اس لئے نہیں کہ سنن وضو کی مشروعیت نجاست حکمیہ کو زائل کرنے کیلئے ہے جبکہ استنجا سے نجاست حقیقیہ کو زائل کیا جاتا ہے
قولہ[۱] سنۃ۔ یعنی استنجا سنت مؤکدہ ہے چنانچہ سرکار مدینہ نے اس پر مواظبت فرمائی پس اگر اس کو چھوڑ دیا تو نماز ہو جائے گی۔ امام شافعی نے کہا استنجا واجب ہے بعض نے کہا کہ استنجا مطلقاً نہ صرف واجب ہے اور نہ سنت بلکہ وہ کبھی فرض ہوتا ہے اور کبھی واجب اور کبھی سنت اور کبھی بدعت۔ کیونکہ نجاست اگر مقدار درہم سے زائد ہو تو استنجا فرض ہے اور مقدار درہم ہو تو واجب ہے اور اس سے کم ہو تو سنت ہے اور صرف پیشاب کے بعد پانی سے استنجا مستحب ہے اور صرف ریح وغیرہ کے بعد ہو تو بدعت ہے۔
طریقہ استنجا کا یہ ہے کہ استنجا کرتے وقت بائیں ٹانگ پر زور دیکر بیٹھے اور قبلہ اور ہوا کے رخ پر نہ بیٹھے اور چاند وسورج کے مقابل سے شرمگاہ کو چھپا کر بیٹھے پھر تین ڈھیلوں سے اس طرح استنجا کرے کہ اول ڈھیلا آگے سے پیچھے کی جانب اور دوسرا پیچھے سے آگے اور آگے سے پیچھے کی طرف لائے۔ بعض نے کہا کہ یہ طریقہ گرمیوں کے موسم کا ہے لیکن جاڑوں میں اول پیچھے سے آگے پھر آگے سے پیچھے پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے۔
قولہ[۲] یجزئ فیھا کلھ۔ یعنی استنجا میں ڈھیلا اور پتھر کا استعمال کافی ہے یا اس چیز کا جو ان کے قائم مقام ہو یعنی جو پاک اور نجاست دور کرنے والی اور قیمتی واہم شئ نہ ہو مثلاً لکڑی وکپڑا اور روئی و پرانی کھال وغیرہ لیکن یہ استعمال اس وقت ہے جب کہ نجاست معتاد ہو اور اگر معتاد نہ ہو مثلاً پیپ یا خون ہو تو اس میں صرف پانی استعمال کیا جائے گا اس کے علاوہ دوسری چیزیں نہیں۔
خیال رہے کہ پاخانہ سے استنجا میں پتھر کا استعمال اس وقت کافی ہے جبکہ پاخانہ خشک نہ ہو اور استنجا کرنے والا اپنی جگہ سے کھڑا نہ ہو ورنہ صرف پانی سے ہی صاف کرنا لازم ہوگا اس لئے کہ کھڑا ہونے کی صورت میں پاخانہ اپنے مخرج سے تجاوز کر جاتا ہے اور خشک ہونے کی صورت میں ڈھیلا سے صاف نہیں ہوتا۔
قولہ[۳] لیس فیہ عدد۔ استنجا میں چونکہ مخرج کی صفائی مقصود ہے اس میں ڈھیلوں کی کوئی خاص تعداد مسنون نہیں۔ امام شافعی نے طاق عدد تین۔ پانچ۔ سات کو مسنون قرار دیا ہے چنانچہ سرکار کا ارشاد ہے کہ تین پتھروں سے استنجا کرنا چاہیئے۔ احناف کی دلیل سرکار کا یہ ارشاد ہے کہ استنجا میں طاق عدد ملحوظ رکھا جائے پس جو لحاظ رکھا وہ اچھا کیا اور جو لحاظ نہیں رکھا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔
قولہ[۴] غسلہ بالماء۔ استنجا دو طرح سے کیا جاتا ہے ایک صرف ڈھیلا سے اور دوسرا صرف پانی سے ڈھیلوں سے استنجا سنت ہے اور ڈھیلوں کے بعد پانی سے استنجا ادب وافضل ہے۔ بعض نے مستحب قرار دیا ہے اور بعض مشائخ مطلقاً سنت کا قول کئے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحب ہدایہ نے ادب لکھا ہے چونکہ آیت کریمہ فیہ

رجال یحبون ان یتطہروا کا نزول اہل قبا کی شان میں نازل ہوا ہے جو ڈھیلوں کے بعد پانی سے بھی استنجا کیا کرتے تھے

وَاِنْ تَجَاوَزَتِ النَّجَاسَةُ مَخْرَجَهَا لَمْ يُجْزِ فِيْهِ اِلَّا الْمَاءُ اَوِ الْمَائِعُ وَلَا يَسْتَنْجِيْ بِعَظْمٍ وَلَا بِرَوْثٍ وَلَا بِطَعَامٍ وَلَا بِيَمِيْنِهٖ

ترجمہ: ــــ اور اگر نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کر جائے تو اس میں صرف پانی یا بہنے والی چیز کافی ہے اور استنجا ہڈی سے نہ کرے اور نہ گوبر اور نہ کھانا اور نہ داہنے ہاتھ سے کرے۔

تشریح: ــــ قولہ وان تجاوزت النجاسة۔ یعنی نجاست اگر اپنی جگہ سے تجاوز کر جائے تو اس کو پانی سے یا بہنے والی چیز سے دھونا لازم و ضروری ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ ایسی صورت میں صرف پانی سے دھونے سے پاک ہو جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ پانی کے علاوہ دوسرے تمام بہنے والی چیزوں سے بھی دھونا جائز ہے جیسے گلاب و سرکہ وغیرہ اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ ولا یستنجی۔ یعنی ہڈی سے استنجا کرے اور نہ لید اور کھانے کی چیز جیسے نمک وغیرہ اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے کیونکہ ان سے استنجا مکروہ تحریمی ہے۔

واضح ہو کہ کل تیرہ چیزوں سے استنجا مکروہ تحریمی ہے اور وہ یہ ہیں (۱) ہڈی (۲) گوبر (۳) بکری وغیرہ کی مینگنی (۴) کھانا مثلاً نمک وغیرہ (۵) کوئلہ (۶) شیشہ (۷) پتہ (۸) ٹھیکری (۹) نرکل (۱۰) بال (۱۱) روئی (۱۲) چیتھڑا اور کپڑا (۱۳) چارہ جانور کا مثلاً گھاس وغیرہ لیکن ہڈی اور گوبر سے مکروہ اس لئے ہے کہ سرکار نے ارشاد فرمایا کہ جو ہڈی یا گوبر سے استنجا کرے میں اس سے بری ہوں اور اس لئے بھی کہ ہڈی جنات کی خوراک ہے اور گوبر اس کے جانوروں کی۔ روایت میں آیا ہے کہ سرکار نے فرمایا کہ میرے پاس جن کا ایک گروہ آیا اور اپنی خوراک کے بارے دریافت کیا تو ہم نے اُن کیلئے دعا کی کہ وہ جب بھی کسی ہڈی یا گوبر سے گذرے مگر اس میں وہ کھانا پائے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ جب بھی کسی ہڈی سے گذرتا ہے مگر اس پر گوشت ویسا ہی پاتا ہے جس طرح کہ کھایا گیا اسی طرح گوبر بھی کہ اس میں دانا ویسا ہی پاتا ہے جس طرح کہ کھایا گیا۔

رہا پتہ خواہ کاغذ کا ہو یا درخت کا اول مکروہ اس لئے ہے کہ اس پر لکھا جاتا ہے اور دوم اس لئے کہ وہ جانور کی خوراک ہے اس طرح کھانا سے مکروہ اس لئے ہے کہ وہ اسراف ہونے کے علاوہ توہین بھی ہے لیکن ٹھیکری اور شیشہ اور کوئلہ سے مکروہ اس لئے ہے کہ اس سے مقعد کو تکلیف پہونچتی ہے لیکن بکری و اونٹ وغیرہ کی مینگنی

سے اس لئے کہ وہ ناپاک ہے اور جو ناپاک ہو وہ طہارت و پاکی کیلئے آلہ نہیں ہو سکتا اس طرح باقی چیزوں سے کہ ان سے فقر و محتاجی پیدا ہوتی ہے۔

کتابُ الصلوٰۃِ

ترجمہ : ــــــ مسائل نماز کا بیان

اَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِیْ وَ ھُوَ الْبَیَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِی الْاُفُقِ وَ اٰخِرُ وَقْتِھَا مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ

ترجمہ : ــــــ نماز فجر کا اول وقت جبکہ فجر ثانی طلوع ہو اور وہ سفیدی ہے جو آسمان کے کناروں میں پھیلی ہوتی ہے اور آخر وقت جبکہ آفتاب طلوع نہ ہو۔

تشریح : ــــــ قولہ[1] اول وقت الفجر ۔ نماز کے اوقات چونکہ نماز کے اسباب ہیں اور ہر شیٔ کا سبب طبعاً مسبب پر مقدم ہوتا ہے اس لئے ذکر میں بھی اوقات کے بیان کو نماز کے بیان پر مقدم کیا گیا لیکن نماز فجر کے وقت کو پہلے اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ ایسی نماز ہے جس کے اول و آخر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں برخلاف ظہر و عصر وغیرہ کہ ان میں اختلاف ہے اور اس لئے بھی کہ اس نماز کو سب سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام نے ادا فرمایا۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ نوم کو نصف الموت کہا گیا ہے پس اس کے بعد سب سے پہلی نماز فجر ہی ہے اور اس لئے بھی کہ شب معراج میں جو پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو اس کے بعد جو پہلی نماز پڑھی گئی وہ نماز فجر تھی۔

قولہ[2] اذا طلع ۔ یعنی فجر کا اول وقت فجر ثانی یعنی صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ہے اور وہ سفیدی ہے جو آسمان کے عرض و چوڑائی میں کناروں میں پھیلتی ہے اور اس کا آخری وقت جبکہ آفتاب طلوع نہ ہو چنانچہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ حضرت جبرئیل آپ کے پاس تشریف لائے اور پہلا دن فجر کی نماز صبح صادق ہوتے ہی پڑھائی اور دوسرے دن اس وقت پڑھائی جبکہ آفتاب نکلنے کے قریب ہوا اور فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان جو وقت ہے یہی آپ کے اور آپ کی امت کیلئے ہے۔

قولہ الفجر الثانی ۔ فجر دو ہے ایک فجر اول اور دوسرا فجر ثانی ۔ فجر اول صبح کاذب کو کہا جاتا ہے اور وہ دم گرگ کی طرح بلند ہوتی ہے اور کچھ ہی دیر بعد سفیدی ختم ہو کر سیاہی پیدا ہو جاتی ہے اس وجہ سے اس کو صبح کاذب کہا جاتا ہے وہ وقت عشاء ہے روزہ دار اس وقت سحری کھا سکتا ہے ۔ چنانچہ سرکار کا فرمان ہے لایغرنکم اذانُ بلالٍ ولا الفجرُ المستطیلُ وانما الفجرُ المستطیرُ فی الافقِ ۔ یعنی بلال کی اذان اور فجر مستطیل تم کو دھوکہ میں نہ ڈالدے فجر وہ سفیدی ہے جو آسمان کے کناروں میں پھیل جاتی ہے ۔

فجر ثانی وہ ہے جو آسمان کے کناروں میں معترض و منتشر یعنی دائیں بائیں پھیلی و چوڑی ہوتی ہے جس کی روشنی دھیرے دھیرے بڑھتی جاتی ہے اس کے بعد اندھیرا نہیں ہوتا اس وجہ سے اس کو صبح صادق کہا جاتا ہے

واَوّلُ وقتِ الظُّہرِ اذا زالتِ الشمسُ وآخرُ وقتِہا عندابی حنیفۃ رحمہ اللہ اذا صار ظلُّ کلِّ شیءٍ مثلیہ سوی فی الزوالِ وقال ابو یوسفَ ومحمدٌ رحمہما اللہ اذا صار ظلُّ شیءٍ مثلَہٗ

ترجمہ :۔ اور ظہر کا اول وقت جبکہ آفتاب ڈھل جائے اور اس کا آخری وقت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جبکہ ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے علاوہ دوچند ہو جائے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے ۔

تشریح :۔ قولہ اول وقت الظہر ۔ ظہر کا اول وقت کب سے ہے ؟ اس سلسلہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ وہ زوال کے بعد سے ہے یعنی آفتاب جبکہ وسط آسمان سے ذرا پچھم جانب ڈھل جائے لیکن اس کے آخر وقت میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس وقت ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے اصلی سایہ کے علاوہ دوچند ہو جائے چنانچہ سرکار کا ارشاد ہے اَبرِدُوا بالظہرِ فانّ شدۃَ الحرِّ من فیحِ جہنّم یعنی ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی تیزی جہنم کی جوش سے ہوتی ہے ظاہر ہے ایک مثل سایہ تک گرم ممالک میں بالخصوص سخت گرمی پڑتی ہے ۔ امام ابو یوسف اور امام محمد بلکہ امام شافعی و امام مالک و امام زفر کا بھی یہی قول ہے کہ ظہر کا آخری وقت ایک مثل تک رہتا ہے احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل تک مؤخر نہ کرے اور عصر کی نماز دو مثل سایہ ہونے سے پہلے نہ پڑھے تاکہ دونوں نمازیں بالاتفاق اپنے اپنے وقت پر ادا کی جائیں ۔

واَوّلُ وقتِ العصرِ اذا خرجَ وقتُ الظہرِ علی القولینِ وآخرُ وقتِہا ما لم تغرب الشمسُ

ترجمہ: ـــــ اور عصر کا اول وقت جبکہ دونوں قولوں کے مطابق ظہر کا وقت نکل جائے اور اس کا آخر وقت جبتک آفتاب غروب نہ ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] اول وقت العصر۔ عصر کا اول وقت وہ ہے جبکہ دونوں قولوں یعنی امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے قولوں کے مطابق ظہر کا وقت نکل جائے اور عصر کا آخر وقت وہ ہے جبتک آفتاب غروب نہ ہو۔

واضح ہو کہ سایہ اصلی معلوم کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہموار زمین پر ایک دائرہ کھینچا جائے اور دائرہ کے بالکل بیچ میں قطر دائرہ کے چوتھائی سے بڑی نوکیلے سر کی ایک لکڑی گاڑ دی جائے اور جب سورج طلوع کرے تو اس لکڑی کا سایہ دائرہ سے باہر نکلا ہوا ہوگا جیسے ہی سورج بڑھے گا سایہ کم ہوتا ہوا دائرہ کے اندر داخل ہونا شروع ہو جائے گا اور دائرہ کے محیط میں جبکہ وہ سایہ پہونچے اور اندر داخل ہونا شروع ہو تو محیط پر اس جگہ ایک نشان لگا دیا جائے جس جگہ سے سایہ اندر داخل ہوتا ہے پھر وہ دوپہر کے بعد سایہ بڑھکر دائرہ کے محیط سے نکلنا شروع ہوگا جس جگہ محیط سے سایہ باہر نکلے اسی جگہ بھی محیط پر نشان لگا دیا جائے پھر ان دونوں نشانوں کو ایک خط مستقیم کھینچ کر ملا دیا جائے۔ اب محیط دائرہ کے اس قوی حصہ کے نصف پر جو کہ ان دونوں نشانوں کے درمیان ہے ایک نشان قائم کرکے اس کو خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ سے گذرتے ہوئے محیط تک پہونچے یہ خط نصف النہار کہلائے گا اور جو سایہ اس خط پر پڑے گا وہ سایہ اصلی کہلائے گا۔



[1] واول وقت المغرب اذا غربت الشمس وآخر وقتہا ما لم تغب الشفق وھو[2] البیاض الذی یریٰ فی الافق بعد الحمرۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ ھو الحمرۃ

ترجمہ: ـــــ اور مغرب کا اول وقت وہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جائے اور اس کا آخر وقت وہ ہے

جبتک شفق غائب نہ ہو اور وہ ایک سفیدی ہے جو کناروں میں سرخی کے بعد نظر آتی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ شفق وہ سرخی ہے ۔

تشریح: ــــــ قولہ اول وقت المغرب ۔ یعنی مغرب کا اول وقت آفتاب ڈوبنے کے بعد سے ہے اور آخری وقت غروب شفق تک ہے امام شافعی کے نزدیک اس کا وقت وضو واذان واقامت اور پانچ رکعتوں کی مقدار ہے بلکہ ایک روایت میں صرف تین رکعتوں کی مقدار ہے دلیل میں حضرت جبرئیل کی مشہور حدیث ہے کہ آپ نے دونوں دن ایک ہی وقت میں امامت فرمائی ہے احناف کی دلیل سرکار کا یہ قول ہے کہ مغرب کا اول وقت غروب آفتاب کے بعد ہے اور آخر وقت غروب شفق تک ہے اور حدیث جبرئیل میں تاخیر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اول وقت سے تاخیر چونکہ مکروہ ہے اس لئے انہوں نے ایک ہی وقت میں دونوں دن نماز پڑھائی جس طرح عصر کی نماز میں کہ اس کا وقت اگرچہ غروب آفتاب تک ہے لیکن اس میں بھی انہوں نے تاخیر نہ کی ۔

قولہ وھو البیاض ۔ شفق کے معنی میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد نمایاں ہوتی ہے لہذا سفیدی کے بعد جب تک سیاہی نہ آجائے اس وقت تک مغرب کا وقت باقی رہے گا چنانچہ حضرت انس سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکار مدینہ سے عرض کیا متی اُصلی العشاء یعنی عشاء کی نماز کب پڑھوں آپ نے فرمایا حین اسود الافق یعنی جب افق سیاہ ہو جائے ۔ ظاہر ہے افق کا سیاہ ہونا سفیدی کے بعد ہی ہوتا ہے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک شفق سے مراد شفق احمر ہے یعنی وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد مغرب کی طرف ہوتی ہے امام شافعی و امام مالک بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ عبد اللہ بن عمر نے روایت کی ہے کہ سرکار مدینہ نے ارشاد فرمایا الشفق الحمرۃ یعنی شفق وہ سرخی ہے لیکن صحیح ومفتی بہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے ۔

وَاَوَّلُ وَقْتِ العِشَاءِ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَطْلُعِ الفَجْرُ الثَّانِي وَاَوَّلُ وَقْتِ الوِتْرِ بَعْدَ العِشَاءِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَطْلُعِ الفَجْرُ

ترجمہ: ــــــ اور عشاء کا اول وقت وہ ہے جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جبتک فجر ثانی طلوع نہ ہو اور وتر کا اول وقت عشاء کے بعد ہے اور آخر وقت وہ ہے جبتک فجر طلوع نہ ہو ۔

تشریح: ــــــ قولہ اول وقت العشاء یعنی عشاء کا اول وقت شفق ختم ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور بغیر کراہت آدھی رات تک اور طلوع ہونے تک طلوع فجر تک وقت باقی رہتا ہے ۔ صاحب ہدایہ نے امام شافعی کے نزدیک

عشاء کا آخری وقت دو تہائی رات نقل کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

قولہ[۱] اول وقت الوتر۔ یعنی وتروں کا اول وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے اور ان کا آخر وقت وہ ہے جب تک صبح صادق نہ ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر و عشاء کی نماز کا وقت ایک ہی ہے لیکن افضل یہ ہے کہ پہلے فرض پڑھ لیا جائے پھر سنتیں پھر وتر اور صاحبین کے نزدیک وتروں کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شخص نے مثلاً عشاء کی نماز پڑھی اور وتروں کو آخر شب میں پڑھا۔ بعد میں اس کو یاد آیا کہ میں نے عشاء کی نماز بے وضو پڑھی ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف عشاء کی نماز کا اعادہ کرنا ہوگا وتروں کا نہیں اور صاحبین کے نزدیک وتر اور عشاء دونوں کا اعادہ کرنا ہوگا۔

ویستحب[۱] الاسفار بالفجر والابراد[۲] بالظهر فی الصیف وتقدیمها فی الشتاء

ترجمہ: ---- اور مستحب ہے نماز فجر کو اجالا میں پڑھنا اور نماز ظہر کو گرمی میں ٹھنڈے وقت پڑھنا اور جاڑوں میں اس کو اول وقت میں پڑھنا۔

تشریح: ---- قولہ[۱] یستحب الاسفار۔ اس سے قبل ان وقتوں کا بیان تھا کہ جن کے اندر نماز کا پڑھنا جائز تھا لیکن اب ان وقتوں کا بیان ہے کہ جن کے اندر نماز کا پڑھنا مستحب ہے۔ خلاصہ یہ کہ نماز فجر کو اُجالا و روشنی میں پڑھنا مستحب ہے اجالا سے مراد یہ ہے کہ فجر کی نماز اگر طوال مفصل کے ساتھ ادا کرتے ہوئے کسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے تو طلوع آفتاب سے قبل قرات مسنونہ کے ساتھ نماز کا اعادہ کیا جا سکے سرکار مدینہ نے فرمایا اَسفِرُوا بالفجر فانہ اعظم للاجر یعنی فجر کی نماز کو خوب روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس سے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے امام شافعی نے کہا کہ غلس یعنی اندھیرا میں پڑھنا مستحب ہے بلکہ ان کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے چنانچہ عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ احناف کا قول یہ ہے کہ حدیث میں اول وقت کا اطلاق آخری وقت کے مقابلہ میں ہے جو کراہت کے درجہ میں پہونچ جائے یعنی وقت مستحب سے موخر کرنا مکروہ ہے۔

قولہ[۲] والابراد۔ یعنی گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز ایسے وقت میں پڑھنا مستحب ہے کہ دھوپ کی گرمی میں کمی پیدا ہو جائے اور وہ یہ کہ ایک مثل سے پہلے ختم ہو جاتے چنانچہ سرکار کا ارشاد ہے اَبرِدُوا بالظهر فان شدۃ الحر من فیح جہنم یعنی گرمی جب سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھا کریں کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کے بھاپ سے پیدا ہوتی ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ ہر موسم میں ظہر کی تعجیل مستحب ہے چنانچہ سرکار مدینہ کے پاس کسی نے گرمی کی

شدت کا تذکرہ کیا تو آپ نے قبول نہ فرمایا احناف یہ کہتے ہیں کہ وہ حدیث منسوخ ہے چونکہ حضرت مغیرہ کی حدیث ہے کہ تعجیل وابراد میں سے سرکار کا آخری فعل ابراد پر عمل رہا۔

وتاخیرُ العصرِ مالم تتغیر الشمسُ وتعجیلُ المغربِ وتاخیرُ العشاءِ الی ما قبل ثلثِ اللیلِ ویستحبُّ فی الوترِ لمن یالفُ صلوٰۃَ اللیلِ اَنْ یؤخرَ الوترَ الی اٰخرِ اللیلِ واِنْ لم یثق بالانتباہ اوتر قبلَ النومِ

ترجمہ:— اور عصر کو دھوپ میں زردی نہ آنے تک مؤخر کرنا اور مغرب کو جلدی پڑھنا اور عشاء کو تہائی رات سے قبل تک مؤخر کرنا اور مستحب ہے وتر میں اس کے لئے جس کو نماز تہجد کا شوق ہو کہ وتر کو اخیر رات تک مؤخر کرے اور اگر بیدار ہونے پر وثوق نہ ہو تو سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لے۔

تشریح:— قولہ تاخیر العصر۔ عصر کیلئے ہر موسم میں اتنی تاخیر مستحب ہے کہ سورج کی رنگ میں فرق نہ آئے۔ ایسا اس وجہ سے کہ عصر سے پہلے زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھ سکیں۔ کیونکہ عصر کی نماز کے بعد نوافل مکروہ ہوتی ہیں چنانچہ سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر میں تاخیر کا حکم دیتے تھے یہی قول عبداللہ ابن مسعود اور ابو ہریرہ وغیرہ کا ہے۔

قولہ تعجیل المغرب۔ مغرب کی نماز میں ہر موسم میں تعجیل مستحب ہے مطلب یہ کہ وقت ہو جانے کے بعد اذان واقامت کے درمیان زیادہ فصل نہ کرے اس لئے کہ تاخیر کرنے میں یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اس کے علاوہ ابو ایوب انصاری سے روایت ہے سرکار کا ارشاد ہے لاتزال امتی بخیر او علی الفطرۃ مالم یؤخروا المغرب الی ان تشتبک النجوم۔

قولہ تاخیر العشاء۔ عشاء کی نماز میں تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے اس لئے کہ ابو ہریرہ کی روایت ہے سرکار کا ارشاد ہے کہ اگر مجھ کو اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو عشاء میں تہائی رات تک تاخیر کا حکم دیدیتا

قولہ یستحب فی الوتر۔ یعنی جس شخص کو تہجد پڑھنے کا شوق ہو تو اس کے لئے وتروں کو آخر رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے اور اگر تہجد کے وقت آنکھ کھلنے پر اعتماد نہ ہو تو وتروں کو سونے سے پہلے ہی پڑھ لے چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ من خاف ان لایقوم آخر اللیل فلیوتر اوّلہ۔ یعنی جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخر شب میں نہ اٹھ سکوں گا تو اس کو اول شب میں وتر پڑھ لینا چاہیئے۔

بابُ الاذانِ

ترجمہ:—— مسائل اذان کا بیان

اَلْاَذَانُ سُنَّةٌ لِّلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ دُوْنَ مَا سِوَاهَا وَلَا تَرْجِيْعَ فِيْهِ وَيَزِيْدُ فِيْ اَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ

ترجمہ: ـــــ اذان سنت ہے نماز پنجگانہ اور جمعہ کیلئے نہ کہ اس کے علاوہ کیلئے اور اس میں ترجیع نہیں اور اذان فجر میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ زیادہ کرے ۔

تشریح: ـــــ قولہ الاذان ۔ اذان لغت میں اعلان و آگاہ و خبردار کرنے کو کہا جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اذان من اللہ و رسولہ اصطلاح میں اذان چند مخصوص الفاظ کے ساتھ خاص ساعتوں میں اوقات شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث دونوں سے ہے قرآن میں ہے واذا نادیتم الی الصلوٰۃ واذا نودی للصلوٰۃ اور حدیث میں عبد اللہ بن زید انصاری کی روایت مشہور ہے جو کتب حدیث میں مرقوم ہے ۔

اوقات کے بعد اذان کو اس لئے بیان کیا گیا کہ اوقات اسباب ہیں اور اسباب مقدم ہوتے ہیں اعلام و اعلان پر کیونکہ اعلام کہتے ہیں معلم بہ کے وجود کی خبر دینے کو لہذا خبر دینے کیلئے پہلے مخبر بہ کا وجود ضروری ہے ۔

قولہ الاذان سنۃ ۔ اذان سنت ہے پانچوں وقت کی نمازوں اور جمعہ کے لئے ۔ دوسری نمازوں مثلاً وتر و تراویح و جنازہ و عیدین و خسوف و کسوف کی نمازوں کیلئے نہیں ۔

سنت سے یہاں مراد سنت موکدہ ہے بعض نے اس کو واجب کہا ہے چنانچہ سرکار کا ارشاد ہے فاذ نا واقیما میں صیغہ امر ہے ۔ دونوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ سنت موکدہ واجب کے حکم میں ہوتی ہے بایں معنی کہ اس کا تارک گنہگار ہو جاتا ہے ۔ امام محمد نے تو یہاں تک بیان فرمایا ہے کہ شہر والا اگر ترک اذان پر اتفاق کرے تو ان سے قتال حلال ہو جاتا ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ وہ مار کھانے اور قید کئے جانیکے لائق ہے ۔

قولہ لا ترجیع ۔ یعنی اذان میں ترجیع نہیں یہ احناف کے نزدیک ہے جب کہ امام شافعی ترجیع کے قائل ہیں ۔ ترجیع کہتے ہیں شہادتین کو آہستہ کہکر دوبارہ بلند آواز سے پکارنے کو چونکہ سرکار مدینہ نے ابو محذورہ کو ترجیع کا حکم دیا تھا ۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ سرکار چونکہ ابو محذورہ کو اذان کی تعلیم دے رہے تھے اور ظاہر ہے تعلیم میں ایک چیز کو بار بار دہرائی جاتی ہے اس کے علاوہ عبد اللہ بن زید اور عبد اللہ بن عمر وغیرہ کی روایتیں بھی مذکور ہیں جس میں قطعاً ترجیع جائز نہیں ۔

قولہ ویزید فی اذان ۔ یعنی فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ زیادہ کرے چنانچہ حضرت بلال نے ایک مرتبہ سرکار مدینہ کو اذان فجر کے بعد نماز کی اطلاع دینے کیلئے حاضر ہوئے تو دریافت کرنے

پر معلوم ہوا کہ آپ سو رہے ہیں تو حضرت بلال نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم سرکار نے ان کو سن کر فرمایا ما احسن ہٰذا اجْعَلْہ فی اذانِ الفجرِ یعنی یہ عمدہ کلمات ہیں ان کو فجر کی اذان میں شامل کر لیا کرو ؛ ۔

وَالْاِقَامَةُ مِثْلُ الْاَذَانِ اِلَّا اَنَّهُ يَزِيْدُ فِيْهَا بَعْدَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ وَيَتَرَسَّلُ فِی الْاَذَانِ وَيَحْدُرُ فِی الْاِقَامَةِ وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ فَاِذَا بَلَغَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَالْفَلَاحِ حَوَّلَ وَجْهَهٗ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا

ترجمہ: ـــــ اور اقامت اذان کی مثل ہے مگر یہ کہ اس میں حیّ علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ زیادہ کرے اور اذان میں ٹھہر ٹھہر کر کہے اور اقامت میں جلدی کرے اور دونوں کو قبلہ رُخ ہو کر کہے پس جب حیّ علی الفلاح پر پہونچے تو اپنا منہ دائیں اور بائیں پھیر دے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] والاقامۃ ۔ یعنی اقامت کے الفاظ اذان کی طرح مثنیٰ مثنیٰ یعنی دو دو مرتبہ کہیں سوائے تکبیر کے کہ اس کو شروع میں چار مرتبہ کہا جائے چنانچہ عبد اللہ بن زید کی حدیث میں اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ منقول ہیں امام شافعی اقامت کے کلمات کو مفرد بیان کرتے ہیں ۔ استدلال میں حضرت بلال کی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جس کو امام بخاری نے روایت کی ہے کہ سرکار نے کلمات اذان کو جفت اور کلمات اقامت کو طاق فرمایا ہے سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے ۔ احناف کی دلیل حدیث مذکور بالا ہے اس میں عدد کی تصریح ہے اور کلمات اذان کی حکایت بھی ۔ اس کے علاوہ ابو محذورہ سے صراحۃً منقول ہے کہ سرکار نے اقامت کے الفاظ کو دو دو مرتبہ کی تعلیم دی ہے ۔

قولہ[۲] یترسل ۔ اذان میں ترسیل کرے اور اقامت میں حدر ! ترسیل یہ کہ ایک سانس میں دو مرتبہ اللّٰہ اکبر کہکر رک جائے پھر دوسرے سانس میں دو مرتبہ اللّٰہ اکبر کہے ۔ اس کے بعد ہر سانس میں صرف ایکبار کلمہ کہا جائے صرف اخیر میں دو مرتبہ اللّٰہ اکبر ایک سانس میں کہے اور حدر یہ ہے کہ اول ایک سانس میں چار مرتبہ اللّٰہ اکبر کہے اس کے بعد ایک ایک سانس میں دو دو کلمات کہتا چلا جائے سوائے لا الٰہ الا اللّٰہ کے کہ وہ آخری کلمہ ایک سانس میں ہے

قولہ[۳] یستقبل بہما ۔ یعنی اذان و اقامت دونوں کو قبلہ رُخ ہو کر پڑھا جائے جب حیّ علی الصلاح وحیّ علی الفلاح پر پہونچے تو اپنے منہ کو دائیں اور بائیں طرف پھیر دے ۔ یعنی حیّ علی الصلوٰۃ کو دائیں طرف منہ کر کے کہے اور حیّ علی الفلاح کو بائیں طرف منہ کر کے اور پیروں کو پھیرنے کی ضرورت نہیں البتہ اگر کوئی اونچی جگہ منارہ کی مثل ہو اور وہاں صرف منہ پھیرنا کافی نہ ہو تو ایسی جگہ پیروں سے بھی ادھر ادھر پھر جائے ۔

وَیُؤَذِّنُ لِلفَائِتَةِ وَیُقِیمُ فَاِن فَاتَتهُ الصَّلوٰتُ اَذَّنَ لِلاُولٰی وَاَقَامَ وَکَانَ مُخَیَّرًا فِی الثَّانِیَةِ اِن شَاءَ اَذَّنَ وَاَقَامَ وَاِن شَاءَ اقتَصَرَ عَلَی الاِقَامَةِ

ترجمہ :۔۔۔ اور فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دے اور اقامت کہے پس اگر چند نمازیں فوت ہو گئیں تو پہلی نماز کیلئے اذان و اقامت کہے اور باقی نمازوں میں اختیار ہے اگر چاہے اذان و اقامت کہے اور اگر چاہے اقامت پر اقتصار کرے۔

تشریح :۔۔۔ قولہ[۱] ویؤذن للفائتۃ ۔ قضا نمازوں کیلئے اذان و اقامت دونوں کہی جائیں گی چنانچہ سرکار مدینہ نے حدیبیہ یا کسی دوسرے معرکہ کی واپسی کے موقعہ پر لیلۃ التعریس کی صبح کو فجر کی قضا اذان و اقامت کیساتھ ادا فرمائی تھی۔ امام شافعی اور امام مالک صرف اقامت پر اکتفا کرتے ہیں۔ دلیل ان کی حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ جس میں صرف اقامت کا ذکر ہے احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ راوی نے غالباً اذان کے ذکر کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ دوسری اکثر روایتوں میں اقامت کیساتھ اذان بھی مذکور ہے۔

قولہ[۲] اذن للاولی ۔ یعنی چند نمازیں اگر قضا ہو گئی ہوں تو صرف پہلی نماز کیلئے اذان و اقامت کہی جائے اور باقی نمازوں کیلئے اختیار ہے اذان و اقامت دونوں کہی جائیں یا صرف اقامت پر اکتفا کی جائے اس لئے کہ اذان غائب کو حاضر کرنے کیلئے کہی جاتی ہے اور یہاں موجود ہیں چنانچہ عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے جبکہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر سرکار مدینہ کی چار نمازیں قضا ہو گئیں تو آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا پس انہوں نے اذان و اقامت دونوں کہی۔ سرکار نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر عصر کی نماز اقامت کے بعد بغیر اذان کے پڑھی۔

وَیَنبَغِی[۱] اَن یُؤَذِّنَ وَیُقِیمَ عَلٰی طُهرٍ فَاِن اَذَّنَ عَلٰی غَیرِ وُضُوءٍ جَازَ وَیُکرَهُ اَن یُقِیمَ عَلٰی غَیرِ وُضُوءٍ اَن یُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ وَلَا یُؤَذِّنُ[۲] لِصَلوٰةٍ قَبلَ دُخُولِ وَقتِهَا اِلَّا فِی الفَجرِ عِندَ اَبِی یُوسُفَ

ترجمہ :۔۔۔ اور مناسب ہے اذان و اقامت طہارت کی حالت میں کہی جائیں پس اگر اذان بلا وضو کہی جائے تو جائز ہے اور مکروہ ہے بلا وضو اقامت کہنا یا ناپاکی کی حالت میں اذان دینا اور کسی نماز کیلئے اس کے وقت کے داخل ہونے سے پہلے اذان نہ دی جائے مگر فجر کی نماز میں امام ابو یوسف کے نزدیک۔

تشریح :۔۔۔ قولہ[۱] وینبغی ان یؤذن ۔ یعنی اذان و اقامت با وضو کہنا چاہیئے پس اگر کسی نے اذان بے وضو

کہا تو وہ بلاشبہ جائز ہے لیکن اقامت بے وضو کہنا مکروہ ہے یعنی جنبی کو اذان دینا مکروہ ہے یعنی جنبی کو اذان کہنا جائز ہے لیکن مکروہ ! اور اقامت بے وضو جائز نہیں ۔

قولہ۲ ولا یؤذن ۔ وقت سے پہلے اذان کہنا جائز نہیں پس اگر کسی نے وقت سے پہلے اذان کہدی تو اس کا اعادہ وقت کے اندر ضروری ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف فجر میں وقت سے پہلے اذان کہنا جائز ہے اس کے موافق امام شافعی اور امام مالک بھی ہیں ۔ البتہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد عدم جواز کے قائل ہیں ۔

بابُ۱ شُرُوطِ الصلوٰۃ التی تتقدمُہا

ترجمہ : ــــــ نماز کی ان شرطوں کا بیان جو نماز پر مقدم ہوتی ہیں ۔

تشریح : ــــــ قولہ۱ باب شروط ۔ جو چیز مشروع ہے اس کے ساتھ متعلق ہونے والی شئ آیا وہ اس کی ماہیت میں داخل ہے یا اس سے خارج ؟ اگر وہ داخل ہے تو اس کو رکن کہا جاتا ہے جیسے رکوع و سجود وغیرہ اور اگر خارج ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں آیا وہ اس میں موثر ہے جیسے عقد نکاح برائے حلت یا موثر نہیں تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں آیا وہ فی الجملہ اس تک موصل ہے جیسے وقت اس کو سبب کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے یا موصل نہیں تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں آیا اس پر شئ موقوف ہے یا نہیں اول کو شرط کہا جاتا ہے جیسے وضو وغیرہ دوم کو علامت جیسے اذان وغیرہ ۔

شرط کی دو قسمیں ہیں حقیقی و جعلی ۔ حقیقی وہ ہے جس پر شئ کا وجود فی الواقع موقوف ہو جعلی کی دو قسمیں ہیں شرعی و غیر شرعی ۔ شرعی وہ ہے جس پر شئ کا وجود شرعاً موقوف ہو جیسے نکاح کیلئے گواہوں کا ہونا اور نماز کیلئے طہارت کا ہونا اور غیر شرعی وہ ہے جس میں شخص مکلف بہ اجازت شرع اپنے تصرفات پر کسی چیز کا وجود معلق کرے جیسے ان دخلت الدار کان کذا ۔

شروط نماز کی تین قسمیں ہیں ۔ (۱) شرط انعقاد (۲) شرط دوام (۳) شرط بقاء ۔ قسم اول میں چار چیزیں ہیں (۱) نیت (۲) تحریمہ (۳) وقت (۴) خطبہ ۔ قسم دوم میں چار چیزیں ہیں (۱) حدث سے پاک ہونا (۲) نجاست سے پاک ہونا (۳) ستر عورت (۴) استقبال قبلہ ۔ قسم سوم میں صرف ایک چیز ہے یعنی قرأت ۔

یجبُ۱ علی المصلّی ان یقدّم الطہارۃ من الاحداثِ والانجاسِ علی ما قدمنا ہُ ویستُر۲ عورتہٗ

والعورۃ من الرجل ما تحت السرۃ الی الرکبۃ والرکبۃ عورۃ دون السرۃ وبدن المرأۃ الحرۃ کلہ عورۃ الا وجھہا وکفیہا

ترجمہ: ـــــ نمازی پر واجب ہے طہارت کو ناپاکیوں اور پلیدیوں سے مقدم کرنا اس طور پر جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور اپنی شرمگاہ کو چھپائے اور مرد کی شرمگاہ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا شرمگاہ ہے نہ کہ ناف اور آزاد عورت کا پورا بدن شرمگاہ ہے سوائے اس کا چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے ۔

تشریح: ـــــ قولہ یجب علی المصلی۔ یعنی نمازی پر واجب ہے ناپاکیوں اور پلیدیوں سے پہلے اپنے بدن وغیرہ کو پاک وصاف کرے جیسا کہ نجاستوں کے بیان میں گذرا کیونکہ نماز صحیح ہونے کیلئے نمازی کا بدن حدث اصغر واکبر سے پاک ہونا اور اس کے کپڑے کا بھی پاک ہونا ضروری ہے اور نمازی کے کپڑے سے مراد وہ ہے جو نمازی کے بدن سے متعلق ہو یعنی جو کپڑا نمازی کے حرکت دینے سے حرکت میں آئے لیکن جو حرکت میں نہ آئے اس کا پاک ہونا کوئی ضروری نہیں ۔

قولہ یستر عورتہ ۔ یعنی نمازی کا اپنی شرمگاہ کو چھپانا بھی ضروری ہے قال اللہ تعالیٰ خذوا زینتکم عند کل مسجد نبی کریم کا ارشاد ہے بالغہ عورت کی نماز بلا اوڑھنی نہیں ہوتی دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا ۔ عورت مشتق ہے عور یعنی نقصان وعیب سے ۔ شرمگاہ کو عورت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا کھولنا عار وعیب وقبیح ہوتا ہے ۔

بعض فقہاء نے نماز کی چھ شرطیں بیان کی ہیں (۱) بے وضو ہو تو وضو کرے (۲) نجاست کو دھوئے (۳) ستر عورت کو چھپائے (۴) قبلہ کی طرف منہ کرے ۔ (۵) نماز کا وقت ہو جائے (۶) نیت ہو

قولہ والعورۃ من الرجل ۔ یعنی مرد کی شرمگاہ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا شرمگاہ ہے ناف نہیں ۔ احناف کے نزدیک گھٹنا شرمگاہ میں داخل ہے اور ناف خارج چنانچہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ مرد کے لئے ناف اور گھٹنوں کے درمیان کا حصہ عورت ہے دوسری روایت میں ہے ناف کے نیچے سے گھٹنے تک عورت ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ ناف شرمگاہ میں داخل نہیں البتہ گھٹنا شرمگاہ میں داخل ہے پس اس میں الی بمعنی مع محمول ہے چونکہ دوسری حدیث میں گھٹنا کو شرمگاہ میں داخل مانا گیا ہے ۔ برخلاف امام شافعی وامام احمد بن حنبل کہ وہ ناف کو شرمگاہ میں داخل اور گھٹنا کو خارج مانتے ہیں ۔

قولہ بدن المرأۃ الحرۃ ۔ یعنی آزاد عورت کی شرمگاہ، موتھ اور دونوں ہتھیلیوں کے علاوہ سارا بدن

ہے قال اللہ تعالیٰ ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ یعنی عورتیں نہ دکھلائیں اپنی زینت کو مگر جو اس میں سے کھلی رہتی ہے اور وہ عورت کا چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں ہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا قول ہے اور اس لئے بھی کہ بہت ساری ضروریات دینی و دنیاوی ایسے ہیں کہ جو اُن کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اسی وجہ سے فقہاء نے قدموں کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے کیونکہ چہرہ و ہتھیلیوں سے زیادہ قدموں کو بھی کھلا رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

وما کان عورۃ من الرجل فھو عورۃ من الامۃ وبطنھا وظھرھا وما سوی ذلک من بدنھا لیس بعورۃ ومن لم یجد ما یزیل بہ النجاسۃ صلی معھا ولم یعد

ترجمہ: ـــــ اور جو حصہ شرمگاہ ہے مرد کا وہ شرمگاہ ہے باندی کا اور اس کا پیٹ اور پیٹھ بھی شرمگاہ ہے اور اس کے علاوہ باقی بدن شرمگاہ نہیں اور وہ شخص جو ایسی چیز نہ پائے جس سے نجاست زائل کرے تو وہ نجاست کیساتھ نماز پڑھے پھر وہ نماز کا اعادہ نہ کرے۔

تشریح: ـــــ قولہ وما کان عورۃ۔ یعنی مرد کے جسم کا جتنا حصہ عورت ہے باندی کے جسم کا اتنا ہی حصہ عورت ہے صرف دو چیزیں اس کے عورت ہونے میں زیادہ ہیں یعنی باندی کا پیٹ اور پیٹھ بھی عورت میں شمار ہیں یہی حکم مدبرہ و مکاتبہ و ام ولد کا بھی ہے یعنی ان کا بھی پورا جسم پیٹ اور پیٹھ کے علاوہ مرد کی طرح ہے۔

قولہ ومن لم یجد۔ یعنی اگر کسی کے پاس صرف ناپاک کپڑا ہو اور اس کے پاس نجاست کو زائل کرنے والی کوئی چیز نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا اس کا چوتھائی یا اس سے زائد کپڑا پاک ہے یا ناپاک! بتقدیر اول اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھے کیونکہ چوتھائی، کل کے قائم مقام ہوتا ہے گویا کل کپڑا پاک ہے لہذا پاک کپڑے کی موجودگی میں ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ بتقدیر دوم ـ شیخین کے نزدیک اختیار ہے خواہ ننگا نماز پڑھے یا نجس کپڑے میں۔ بلکہ نجس کپڑے میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ ستر کا کھلنا اور نجاست کا ہونا دونوں نماز کیلئے مانع ہیں لہذا حکم نماز میں بھی دونوں برابر ہونگے۔ امام محمد نے کہا اس کو ناپاک کپڑے ہی میں نماز پڑھنا ہوگا یہی قول امام مالک کا ہے کیونکہ ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنے سے صرف ایک فرض یعنی طہارت چھوٹتی ہے اور ننگے نماز پڑھنے میں کئی فرضیں! اور امام شافعی سے دونوں قول مروی ہیں۔

ومن لم یجد ثوبا صلی عریانا قاعدا یومی بالرکوع والسجود فان صلی قائما اجزاہ والاول

أَفضلُ وَيَنْوِى[۲] لِلصلوةِ التى يدخلُ فيها بنيةٍ لايفصلُ[۳] بينها وبين التحريمةِ بعَمَلٍ ۔

ترجمہ: ـــــ اور جو کپڑا نہ پائے تو وہ ننگا بیٹھ کر نماز پڑھے اور اشارہ سے رکوع و سجود کرے اور اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو بھی اس کو کافی ہو جائے گا البتہ پہلا طریقہ افضل ہے اور اس نماز کی نیت کرے جس کو پڑھنا چاہتا ہے اس طور پر کہ اس کے اور تحریمہ کے درمیان کسی عمل سے فصل نہ ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ومن لم یجد ۔ نمازی اگر ننگا ہو یعنی ستر ڈھانکنے کیلئے اس کے پاس کپڑا نہ ہو تو وہ ایسی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع و سجود اشارہ سے کرے چنانچہ عبد اللہ بن عمر اور انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام سفر دریا کے لئے کشتی پر سوار ہوئے اور اتفاق سے کشتی ٹوٹ گئی تو وہ لوگ جان بچا کر بمشکل سمندر سے ننگے نکل پڑے اور جب نماز کا وقت آیا تو وہ لوگ بیٹھ کر نماز پڑھے ۔ نماز بیٹھ کر پڑھے تو وہ کس طرح؟ اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں بعض کا قول ہے اس طرح بیٹھے جس طرح کہ نماز میں بیٹھا جاتا ہے ۔ بعض کا خیال ہے کہ دونوں پاؤں قبلہ کی طرف پھیلا کر بیٹھے اور اپنی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ لے لیکن پہلی صورت زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں ایک تو پردگی ہے اور دوسرا قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے سے احتیاط ہے ۔ اور اگر کوئی ایسی حالت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو نماز جائز ہو جائے گی البتہ بیٹھ کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ ارکان نماز جو قیام و رکوع و سجود وغیرہ میں صرف حق نماز ہے لیکن ستر عورت میں حق نماز بھی ہے اور حق نگاہ ناس بھی ۔

قولہ[۲] ینوی للصلوۃ ۔ یعنی نماز کے صحیح ہونے کیلئے نیت کا ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ حدیث شریف ہے انما الاعمال بالنیات ۔ یعنی اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے مطلب یہ کہ نمازی اپنے دل میں یہ جانے کہ وہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے؟ لیکن اگر فرض کے علاوہ نفل و سنت و تراویح کی نماز ہے تو اس کے لئے مطلق نیت کافی ہے اور اگر فرض نماز ہے تو اس کا ذکر ضروری ہے کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے؟ عصر کی یا ظہر کی ۔

قولہ[۳] لایفصل بینھا ۔ یعنی نیت اس طرح ہو کہ تکبیر تحریمہ اور نیت کے درمیان فصل نہ کرے یعنی دل کے ارادہ کو تحریمہ سے ملا دے ۔ ظاہر الروایۃ میں تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کا اعتبار نہیں اور امام کرخی نے تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کو جائز قرار دیا ہے بلکہ بعض نے ثناء تک اور بعض نے رکوع تک اور بعض نے رکوع سے اٹھنے تک نیت کرنے کی اجازت دیا ہے لیکن قول اول زیادہ بہتر ہے ۔

ويستقبلُ[۱] القبلةَ الّا[۲] أن يكونَ خائفاً فيصلّى الى ايّ جهةٍ قدرَ فانْ اشتبهتْ عليه القبلةُ

ولیس بحضرتہ من یسئلہ عنہا اجتہد وصلیٰ فان علم انہ اخطأ بعد ما صلیٰ فلا اعادۃ علیہ وان علم ذلک وہو فی الصلوٰۃ استدار الی القبلۃ و بنیٰ علیہا ۔

ترجمہ : ـــــ اور قبلہ کی طرف منہ کرے مگر یہ کہ اس کو ڈر ہو لہٰذا جس طرف ہو سکے نماز پڑھ لے پس اگر اس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور وہاں کوئی ایسا نہ ہو جس سے پوچھا جائے تو اپنے دل میں غور کر کے نماز پڑھ لے پس اگر نماز کے بعد یہ معلوم ہو کہ اس نے خطا کی ہے تو اس پر اعادہ نہیں اور اگر اس کو نماز کی حالت میں معلوم ہو جائے تو قبلہ کی طرف منہ پھیر لے اور باقی نماز وں کو اسی پر بناء کرے ۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] یستقبل ۔ صحت نماز کیلئے جن امور کا ہونا ضروری ہے ان میں سے ایک استقبال قبلہ بھی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فولّوا وجوھکم شطر المسجد الحرام یعنی اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو ؛ اور ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کر کے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر تکبیر کہو ؛ ۔

جہت قبلہ یا کعبہ وہ طرف ہے کہ جب آدمی اس کی طرف منہ کرے تو کعبہ یا فضائے کعبہ تحقیقی یا تقریبی طور پر مقابل ہو جائے ۔ تحقیقی مقابلہ یہ کہ اگر چہرہ کی سیدھ سے ایک خط افق عمود پر کھینچا جائے تو وہ کعبہ یا اس کی فضاء پر گذرے اور تقریبی مقابلہ وہ ہے کہ خط مذکور کسی قدر منحرف ہو کر گذرے مگر اس طرح کہ چہرہ کی سطح کعبہ یا اس کی فضا کے مقابل باقی رہے ۔

استقبال قبلہ اس لئے ضروری ہے کہ اس میں بندے کی آزمائش مقصود ہے اس لئے کہ عقلمند انسان جو خدا کے حق میں جہت کو محال جانتا ہے اس کی فطرت چونکہ اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ کسی خاص طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی بات کا حکم دیا جو اس کی اصل فطرت کے خلاف ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ وہ حکم مانتا ہے یا انکار کرتا ہے ۔

قولہ[۲] الا ان یکون خائفاً یعنی کسی انسان کو اگر قبلہ کی طرف متوجہ ہونے میں خوف پیدا ہو تو جس طرف ہو سکے وہ منہ کر کے نماز پڑھے ۔ خوف عام ہے کہ جان و مال دونوں کا ہو یا دشمن یا صرف درندہ یا رہزن کا

قولہ[۳] فان اشتبہت ۔ یعنی اگر کسی کو قبلہ معلوم نہ ہو اور وہاں کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس سے دریافت کیا جائے تو وہ علامتوں کے ذریعہ اپنے دل میں خوب غور کرے کہ قبلہ کس سمت ہے ؛ پس غالب گمان جس طرف ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے پھر اگر نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ جس طرف نماز پڑھی گئی اس طرف قبلہ نہیں تھا تو اس پر نماز کا اعادہ ضروری نہیں اور اگر نماز ہی میں معلوم ہو جائے تو قبلہ کی طرف منہ پھیر لے اور باقی نماز کو پوری کرے

چنانچہ اہل قبا بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف قبلہ بدلنے کا حکم سن کر رکوع کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے تھے اور سرکار مدینہ نے اس کو منع نہیں فرمایا بلکہ جائز رکھا ۔

امام شافعی نے کہا کہ تحری سے نماز پڑھنے میں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ پیٹھ قبلہ کی طرف تھی تو اعادہ ضروری ہے چونکہ اب خطا کا یقین ہو گیا۔ احناف کا بیان یہ ہے کہ قبلہ اُس کے حق میں جہت ہے پس جب نماز پڑھ لی گئی تو اب اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

بابُ[۱] صِفَةِ الصَّلٰوۃِ

ترجمہ : ــــــــ طریقہ نماز کے مسائل کا بیان ۔

فرائضُ[۲] الصلٰوۃِ ستۃٌ التحریمۃُ[۳] والقیامُ[۴] والقراءۃُ[۵] والرکوعُ[۶] والسجودُ والقعدۃُ[۷] الاخیرۃُ مقدارُ التشہدِ وما زادَ[۸] علی ذلکَ فھو سنۃٌ

ترجمہ : ــــــــ فرائض نماز چھ ہیں (۱) تکبیر تحریمہ (۲) اور قیام (۳) اور قرآت (۴) اور رکوع (۵) اور سجود (۶) اور قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار اور جو شئی اس سے زائد ہے وہ سنت ہے ۔

تشریح : ــــــــ قولہ[۱] باب صفۃ ۔ اس سے قبل مقدمات کا بیان تھا اور اب اصل مقصود کا بیان ہے اور وہ نماز اور اس کے طریقہ کا بیان ہے ۔ صفت دراصل وصف تھا تا اس کے آخیر میں اس واؤ کے عوض ہے جو وصف کے شروع میں ہے جس طرح عظۃ وعظ سے اور عِدۃ وعد سے اور زنۃ وزن سے اور مستعمل اگرچہ وصف بھی ہوتا ہے اور صفت بھی لیکن وصف اس کیلئے مستعمل ہوتا ہے جو قائم بالواصف ہو یعنی جو وصف بیان کرے اسکے ساتھ قائم ہو اور صفت اس کیلئے مستعمل ہوتا ہے جو قائم بالموصوف ہو یعنی جس کا وصف بیان کیا جائے اسکے ساتھ قائم ہے جیسے زید عالم ہیں عالم زید کا وصف ہے صفت نہیں اور علم جو زید کیساتھ قائم ہے اس کی صفت ہے اس کا وصف نہیں اور یہاں صفت سے مراد نماز کے ذاتی اوصاف یعنی اجزائے عقلیہ ہیں جو اجزاء خارجیہ مثلاً قیام و رکوع و سجود وغیرہ پر صادق ہیں قولہ[۲] فرائض الصلوٰۃ ۔ یعنی نماز میں کل چھ چیزیں فرض ہیں البعض نے خروج بصنعہٖ کو بھی فرض میں شمار کیا ہے پس وہ کل سات چیزیں فرض ہو جائیں گی اور وہ یہ ہیں ۔ (۱) تکبیر تحریمہ (۲) قیام (۳) قرآت (۴) رکوع

(۵) سجود (۶) قعدہ اخیرہ (۷) خروج بصنعہ۔ اول چھ کا بیان آگے مذکور ہے لیکن اخیر یعنی خروج بصنعہ وہ ہے جو قعدہ اخیرہ کے بعد سلام و کلام وغیرہ کوئی ایسا فعل قصداً سرزد ہو جو منافی نماز ہو۔ اس سے نماز درست ہو جائے گی اور اگر وہ قصداً نہ ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔

قولہ التحریمۃ: تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا اور تحریم یعنی حرام کرنا ہے اور اللہ اکبر کہنے کے بعد نمازی چونکہ کلام وغیرہ جو مباح چیزیں ہیں حرام ہو جاتی ہیں اس وجہ سے اس کو تحریمہ کہا جاتا ہے۔ تکبیر کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وربک فکبر۔ اس میں مفسرین کا اجماع ہے کہ تکبیر سے مراد تکبیر افتتاح ہے اور تحریم کا ثبوت نبی کریم کا ارشاد ہے مفتاح الصلوٰۃ الطہور وتحریمھا التکبیر یعنی نماز کی کنجی طہارت ہے اور اس کی تحریم اللہ اکبر کہنا ہے۔

قولہ والقیام۔ قیام بھی فرض ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وقوموا للہ قانتین یعنی کھڑے ہو جائیں اللہ تعالیٰ کیلئے خشوع وخضوع کی حالت میں۔ مفسرین کا اس میں اجماع ہے کہ قیام سے مراد قیام نماز ہے سرکار کا ارشاد ہے صل قائماً فان لم تستطع فقاعداً یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر کھڑے ہونے کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو۔ قیام یہ ہے کہ سیدھا کھڑا ہو۔ اس کی حد یہ ہے کہ ہاتھ پھیلائے تو گھٹنوں تک نہ پہونچے۔

قولہ القرأۃ۔ قرأت بھی فرض ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن یعنی جس قدر آسان ہو قرآن سے پڑھو۔ قرأت اس کو کہتے ہیں کہ تمام حروف مخارج سے ادا ہوں کہ ہر حرف غیر سے صحیح طور پر علٰحدہ ہو جائے پس اگر آہستہ پڑھے تو اتنا ضروری ہے کہ خود سن لے اور اگر حروف کو صحیح ادا کیا لیکن اس قدر آہستہ پڑھا کہ خود نہ سن سکا اور کوئی مانع یعنی شور وغل یا ثقل سماعت بھی نہ ہو تو نماز نہ ہوگی۔

قولہ والرکوع والسجود۔ رکوع فرض ہے اور سجود بھی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے وارکعوا واسجدوا یعنی رکوع وسجدہ کرو۔ رکوع یہ کہ پیٹھ سیدھی بچھا دے۔ اس کا ادنیٰ درجہ اتنا جھکنا ہے کہ ہاتھ بڑھائے تو گھٹنے کو پہونچ جائے۔ اور سجدہ پیشانی کو زمین پر جمانا ہے اور پاؤں کی کم سے کم ایک انگلی کے پیٹ کا لگنا شرط ہے پس اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھا ہے تو نماز نہ ہوگی بلکہ اگر صرف انگلی کی نوک بھی زمین سے لگ جائے تو بھی نماز نہ ہوگی۔

قولہ والقعدۃ الاخیرۃ۔ قعدۂ اخیرہ مقدار تشہد بھی فرض ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے سرکار کا ارشاد ہے کہ جب اسے یعنی قعدۂ اخیرہ کو کر لو تو تمہاری نماز پوری ہو جائے گی۔ اس میں نماز کا پورا ہونا اس کے کرنے پر موقوف ہے خواہ کچھ پڑھے یا نہ پڑھے۔ پڑھنے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اور پڑھنا واجب پس اگر مقتدی امام کے فارغ ہونے سے پہلے فارغ ہو گیا اور وہ کلام کیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ محیط میں ہے

لو فرغ المقتدی قبل فراغ الامام فسلم او تکلم فصلاتہ تامۃ۔

قولہ وما زاد ذلک ۔ یعنی مذکورہ چھ سے جو چیزیں زائد ہوں وہ سنت کہلاتی ہیں جبکہ اس میں واجب بھی داخل ہیں مثلاً سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور سورت کا ملانا اور ان امور میں ترتیب جسمیں تکرار ہوتی ہے مثلاً سجدہ پس اگر رکعت اولی میں دوسرے سجدہ کو بھول کر کھڑا ہو گیا اور نماز پوری ہونے کے بعد اس کو یاد آیا تو واجب ہے وہ سجدۂ سہو کرے ۔ اور تشہد کو قعدۂ اخیرہ میں پڑھنا اور قنوت اور تکبیرات عیدین اور جہری نماز میں جہر اور سری نماز میں سر کرنا ۔ اس وجہ سے ان کے چھوڑ دینے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے ان کو سنت کہنے کی وجہ یہ کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے ۔

وَاِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِی صَلٰوتِہٖ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ مَعَ التَّکْبِیْرِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِاِبْہَامَیْہِ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ فَاِنْ قَالَ بَدَلًا مِنَ التَّکْبِیْرِ اَللّٰہُ اَجَلُّ اَوْ اَعْظَمُ اَوِ الرَّحْمٰنُ اَکْبَرُ اَجْزَاءَہٗ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا یَجُوْزُ اِلَّا اَنْ یَقُوْلَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَوِ اللّٰہُ الْاَکْبَرُ اَوِ اللّٰہُ الْکَبِیْرُ

ترجمہ : ــــ اور جب آدمی اپنی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو تکبیر کیساتھ اُٹھائے یہانتک کہ دونوں انگوٹھے کانوں کے لو کے مقابل ہو جائیں پس اگر اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمن اکبر کہے تو کافی ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز نہیں مگر یہ کہ کہے اللہ اکبر یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر۔

تشریح : ــــ قولہ اذا دخل ۔ یعنی جب کوئی آدمی نماز شروع کرنے کا ارادہ رکھے تو اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے مقابل ہیں ہو جائیں پھر کسی نے اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمن اکبر کہا تو طرفین کے نزدیک جائز ہو جائے گا لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف اللہ اکبر یا اللہ الاکبر کہنا جائز ہے ان کے علاوہ نہیں ۔

قولہ حتی یحاذی بابہامیہ ۔ دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھائیں کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل ہو جائیں یہ احناف کے نزدیک ہے کہ ان کے نزدیک اٹھانے کی حد کانوں کی لو تک ہے اور امام شافعی کے نزدیک کندھوں تک ہے اور امام مالک کے نزدیک سر تک ہے ۔ دلیل امام شافعی کی حضرت ابو حمید ساعدی کی یہ حدیث ہے کہ انہوں نے نبی کریم کے اصحاب کی ایک جماعت سے کہا کہ مجھے تم میں سب سے زیادہ رسول گرامی کی نماز محفوظ ہے کہ

میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ شروع میں تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے۔ دلیل احناف کی حضرت مالک بن حویرث کی وہ حدیث ہے جو صحیحین میں مرقوم ہے اور وائل بن حجر کی حدیث بھی ہے جو صحیح مسلم میں ہے

ویعتمد[1] بیدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ ویضعہما تحت السرۃ ثم[2] یقول سبحانک اللّٰہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک ویستعذ[3] باللّٰہ من الشیطان الرجیم ویقرأ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ویسر[4] بہما ثم یقرأ[5] فاتحۃ الکتاب وسورۃ معہا او ثلاث آیات من ای سورۃ شاء واذا قال الامام ولا الضالین قال آمین ویقولہما المؤتم ویخفیہا

ترجمہ: ــــــ اور دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑے اور ان دونوں کو ناف کے نیچے رکھے پھر کہے سبحانک اللّٰہم اے اللہ ہم تیری پاکی کا اقرار کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں تیرا نام بہت برکت والا اور تیری بزرگی برتر ہے اور تیرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور پناہ چاہے اللہ کی شیطان ملعون سے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور ان دونوں کو آہستہ پڑھے پھر سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورۃ یا تین آیتیں پڑھے جس سورت سے چاہے اور جب امام ولا الضالین کہے تو آمین کہے اور اس کو مقتدی بھی کہے اور آہستہ کہے۔

تشریح: ــــــ قولہ[1] ویعتمد بیدہ۔ یعنی دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ کر ناف کے نیچے رکھے۔ یہ احناف کے نزدیک سنت ہے چنانچہ ابوداؤد و دارقطنی وغیرہ نے اس طرح نقل کیا ہے۔ امام شافعی سینہ پر ہاتھ باندھنے کا قول کرتے ہیں چنانچہ حضرت وائل بن حجر کی روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے سرکار مدینہ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر کے سینہ پر رکھ دیا۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس پر یقین کے طور پر صرف ایک مرتبہ کا ذکر ہے جس سے سنت ہونا ثابت نہیں۔ امام مالک نے کہا کہ ہاتھ چھوڑ دے۔

قولہ[2] ثم یقول۔ یعنی جب دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھ چکے تو اب ثنا پڑھے چونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے وسبح بحمد ربک حین تقوم یعنی جب کھڑے ہو تو اپنے رب کی حمد بیان کرے۔ پس اگر کسی نے امام کی اقتدا اس وقت کی جب امام قرأت میں مشغول ہو تو اب ثنا پڑھنا جائز نہیں بلکہ خاموشی کے ساتھ اس کی قرأت سننے کا قال اللّٰہ تعالیٰ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔

قولہ[3] یستعذ۔ ثنا کے بعد تعوذ یعنی اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھے خواہ امام ہو یا منفرد امام مالک نے کہا کہ امام نہ ثنا پڑھے اور نہ تعوذ، دلیل میں حضرت انس کا وہ قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے سرکار

مدینہ اور ابوبکر و عمر و عثمان کے پیچھے نماز پڑھی مگر ہر ایک نے نماز کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کیا۔ احناف کی دلیل حضرت ابو سعید الخدری کی حدیث ہے کہ سرکار مدینہ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو ثنا پڑھتے پھر تعوذ پڑھتے۔

قولہ یسر بہما۔ یعنی الحمد للہ سے پہلے تعوذ و تسمیہ دونوں کو آہستہ پڑھنا مسنون ہے چنانچہ عبد اللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ نماز میں چار چیزیں ایسی ہیں جن کو آہستہ کہے ان میں سے ایک ثنا اور دوسرا تعوذ اور تیسرا تسمیہ اور چوتھا آمین۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالک نے کہا کہ تسمیہ کو فرض نمازوں میں الحمد یا سورت کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔ امام شافعی نے کہا کہ جہری نمازوں میں تسمیہ کو بھی جہر یعنی زور سے پڑھے چونکہ روایت ہے سرکار مدینہ تسمیہ کو نماز میں زور سے پڑھتے تھے اسی طرح حضرت بریدہ و جابر بن عبد اللہ وغیرہ سے بھی متعدد روایتیں ہیں مگر ہر ایک میں کلام ہے اس وجہ سے احناف ترک جہر کے قائل ہیں چنانچہ سیدنا انس سے روایت ہے کہ ہم نے سرکار مدینہ اور ابوبکر و عمر و عثمان کے ساتھ نماز پڑھی مگر ان میں سے کسی کو بھی تسمیہ زور سے پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

قولہ ثم یقرأ فاتحۃ الکتاب۔ یعنی تعوذ و تسمیہ کے بعد سب سے پہلے سورۂ فاتحہ پڑھے اسی بناء پر سورۂ فاتحہ کو فاتحہ کہا جاتا ہے کہ اس سے قرأت کی افتتاح کی جاتی ہے۔ احناف کے نزدیک اس کی قرأت ضروری ہے لیکن رکن کے طور پر نہیں۔ جبکہ امام شافعی و امام مالک اس کو رکن مانتے ہیں چنانچہ نبی کریم کا ارشاد ہے لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے فاقرأوا ما تیسر من القرآن۔ یعنی قرآن سے جو آسان ہو پڑھو اور ظاہر ہے کسی سورت کا تعین آسان ہونے کے خلاف ہے۔

قولہ اذا قال الامام۔ یعنی امام جب ولا الضالین کہے تو مقتدی آہستہ سے آمین کہے اور امام بھی امام مالک نے کہا کہ آمین صرف مقتدی کہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے امام حقیقۃً وہی ہے جس کی اقتدا کی جائے اور امام جب ولا الضالین کہے تو تم لوگ آمین کہو۔ امام مالک اس سے تقسیم سمجھتے ہیں یعنی امام کے ذمہ قرأت کی تکمیل ہے اور مقتدی کے ذمہ آمین کہنا۔ احناف کی دلیل حدیث مذکور ہے جس کے اخیر میں یہ ارشاد ہے کہ فان الامام یقولہا یعنی امام آمین کہے۔ معلوم ہوا کہ تقسیم مراد نہیں۔

ثُمَّ یُکَبِّرُ وَیَرْکَعُ وَیَعْتَمِدُ بِیَدَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ وَیُفَرِّجُ اَصَابِعَہٗ وَیَبْسُطُ ظَھْرَہٗ وَلَا یَرْفَعُ رَاْسَہٗ وَلَا یُنَکِّسُہٗ وَیَقُوْلُ فِیْ رُکُوْعِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ثَلَاثًا وَّ ذٰلِکَ اَدْنَاہُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ وَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ وَیَقُوْلُ الْمُؤْتَمُّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ فَاِذَا اسْتَوٰی قَائِمًا کَبَّرَ وَسَجَدَ وَاعْتَمَدَ بِیَدَیْہِ عَلَی الْاَرْضِ وَوَضَعَ وَجْھَہٗ بَیْنَ کَفَّیْہِ۔

ترجمہ: ــــ پھر تکبیر کہتا ہوا رکوع کرے اور ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور انگلیوں کو کشادہ اور پیٹھ کو برابر رکھے اور سر کو نہ اٹھائے اور نہ جھکائے اور رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے پھر سر اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی کہے ربنا لک الحمد پس جب سیدھا کھڑے ہو جائے تو تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر اور اپنے چہرہ کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے ۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] ثم یکبر ۔ یعنی جب قرأت پوری ہو جائے تو اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے اور پیٹھ کو برابر رکھے ۔ نہ سر کو اونچا کرے ۔ اور نہ زیادہ نیچا کرے بلکہ برابر رکھے اور رکوع میں تین دفعہ یہ کہے سبحان ربی العظیم اور تین دفعہ کہنا ادنیٰ درجہ ہے پس اگر زیادہ کہے تو بہتر ہے پھر سر اٹھائے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہیں پھر سیدھا کھڑا ہو جائے تو اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے اور منہ کو دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں کرے ۔

قولہ[۲] ذالک ادناہ ۔ جمع چونکہ تین سے شروع ہوتی ہے اس لئے تین بار تسبیح کہنا کمال جمع کا ادنیٰ درجہ ہوا یا کمال سنت کا ادنیٰ درجہ ۔ کیونکہ کمال جمع دس بار کہنا ہے ۔ منیۃ المصلی میں ہے کہ تین بار تسبیح کہنا ادنیٰ ہے اور پانچ بار اوسط اور سات بار اکمل ہے ۔

قولہ[۳] یقول سمع اللہ ۔ یعنی امام جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو مقتدی ربنا لک الحمد کہیں یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین نے کہا کہ امام بھی آہستہ سے ربنا لک الحمد کہے چونکہ حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ سرکار مدینہ دونوں کو جمع فرمایا کرتے تھے ۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی سرکار کی یہ حدیث ہے اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد یعنی جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو لوگ سمع اللہ لمن حمدہ کہیں پس اس سے تقسیم مستفاد ہوتی ہے کہ امام صرف تسمیع کہے اور مقتدی صرف تحمید ۔ امام شافعی نے فرمایا کہ امام اور مقتدی تسمیع و تحمید دونوں کہیں اور اگر نمازی منفرد ہو تو اصح روایت میں یہ ہے کہ وہ تسمیع و تحمید دونوں ہی پڑھے ۔

وَسَجَدَ[۱] عَلٰی اَنْفِہٖ وَجَبْھَتِہٖ فَاِنِ اقْتَصَرَ عَلٰی اَحَدِھِمَا جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالَ لَا یَجُوْزُ الْاِقْتِصَارُ عَلَی الْاَنْفِ اِلَّا[۲] مِنْ عُذْرٍ فَاِنْ[۳] سَجَدَ عَلٰی کَوْرِ عِمَامَتِہٖ اَوْ عَلٰی فَاضِلِ ثَوْبِہٖ جَازَ

ترجمہ: ــــ اور ناک و پیشانی دونوں سے سجدہ کرے پس اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کیا

تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے کہا کہ ناک پر اکتفا سوائے عذر کے جائز نہیں پس اگر پگڑی کے کونے یا زائد کپڑے پر سجدہ کرے تو جائز ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] سجد علی انفہ۔ یعنی سجدہ اپنی ناک اور اپنی پیشانی سے کرے چنانچہ وائل بن حجر اور عبد اللہ بن عباس کی روایت ہے کہ سرکار نے اس پر مواظبت فرمائی۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کرے تو جائز ہو جائے گا لیکن مکروہ تحریمی! بشرطیکہ سجدہ ناک کے سخت حصہ سے ہو اور اگر نرم حصہ سے ہو تو بالاتفاق سجدہ جائز نہیں۔ صاحبین نے کہا کہ اگر عذر ہو مثلاً پیشانی پر زخم ہو تو صرف ناک سے سجدہ کرنا جائز ہے اور اگر عذر نہ ہو تو جائز نہیں۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ[۲] فان سجد۔ یعنی اگر کسی نے پگڑی کے کونے یا زائد کپڑے پر سجدہ کر لیا تو جائز ہے چنانچہ راوی کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یسجد علی کور عمامتہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ صلی فی الثوب الواحد یتقی بفضولہ حر الارض وبردھا۔

وَیُبْدِی ضَبْعَیْہِ[۱] وَیُجَافِی بَطْنَہٗ عَنْ فَخِذَیْہِ وَیُوَجِّہُ اَصَابِعَ رِجْلَیْہِ نَحْوَ الْقِبْلَۃِ وَیَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثَلٰثًا وَذٰلِکَ اَدْنَاہُ ثُمَّ یَرْفَعُ[۲] رَاسَہٗ وَیُکَبِّرُ وَاِذَا اطْمَاَنَّ جَالِسًا کَبَّرَ وَسَجَدَ

ترجمہ: ـــــ اور بغلوں کو کشادہ اور پیٹ کو رانوں سے علیحدہ رکھے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رُخ کرے اور سجدہ میں تین بار کہے سبحان ربی الاعلیٰ اور اس کا ادنیٰ درجہ ہے پھر تکبیر کہتا ہوا سر اُٹھائے اور جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہتا ہوا دوسرا سجدہ کرے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ویبدی ضبعیہ۔ یعنی بازوں کو کروٹوں اور پیٹ کو رانوں اور رانوں کو پنڈلیوں سے جدا رکھے اور دونوں پاؤں کی ہر ایک انگلیوں کے پیٹ قبلہ رو جمے ہوں اور ہتھیلیاں بچھی ہوں اور انگلیاں قبلہ کی طرف ہوں اور کم سے کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے پھر سر اٹھائے اور ہاتھ اور داہنا قدم کھڑا کر کے اس کی انگلیوں کو قبلہ رُخ کرے اور بایاں قدم کو بچھا کر اس پر خوب سیدھا بیٹھ جائے اور انگلیاں بچھا کر رانوں پر گھٹنوں کے پاس رکھے کہ دونوں ہاتھ کی انگلیاں قبلہ کو ہوں پھر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ کو جائے اور اسی طرح سجدہ کرے۔

قولہ[۲] ثم یرفع۔ سجدہ کب مکمل ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں امام محمد نے کہا کہ سر اُٹھانے پر سجدہ مکمل ہوتا ہے امام ابو یوسف نے کہا کہ صرف سر رکھنے سے سجدہ مکمل ہوتا ہے۔ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اس اختلاف

فائدہ اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص سجدہ میں بے وضو ہو جائے تو امام محمد کے نزدیک وضو کے بعد اس سجدہ کا اعادہ کرے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اعادہ کی ضرورت نہیں اس لئے پہلا سجدہ ہی کافی ہے

فاذا اطمأن ساجدا کبر واستوی قائماً علی صدور قدمیہ ولا یقعد ولا یعتمد بیدیہ علی الارض ویفعل فی الرکعۃ الثانیۃ مثل مافعل فی الاولی الا انہ لا یستفتح ولا یتعوذ ولا یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولی

ترجمہ: ـــــ پس جب اطمینان سے سجدہ کرے تو تکبیر کہتا ہوا دونوں پاؤں کے سینوں پر سیدھا کھڑا ہو جائے اور نہ بیٹھے اور ہاتھوں سے زمین پر سہارا لے اور دوسری رکعت میں اسی طرح کرے جس طرح پہلی رکعت میں کیا ہے مگر یہ کہ ثنا اور تعوذ نہ پڑھے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف تکبیر اولی میں ہی اٹھائے ۔

تشریح: ـــــ قولہ فاذا اطمأن ۔ یعنی جب اطمینان سے سجدہ کرے تو اللہ اکبر کہتا ہوا دونوں پیروں کے سینے کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے یعنی دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ کر سیدھا کھڑا ہو جائے ۔ بیٹھے نہیں اور نہ ہاتھوں کے ذریعہ زمین پر سہارا لے اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرے جس طرح پہلی رکعت میں کیا ہے مگر ثنا وتعوذ نہ پڑھے اور نہ ہاتھوں کو اٹھائے بلکہ صرف تسمیہ پڑھکر قرآت شروع کرے ۔

خیال رہے کہ طمانیت طرفین کے نزدیک نماز کے تمام ارکان میں واجب ہے اسی کے قائل امام کرخی بھی ہیں اور امام ابو یوسف نے اس کو فرض لکھا ہے اور جرجانی سے سنت منقول ہے ۔

قولہ ولا یرفع یدیہ ۔ یعنی تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی دوسرے موقعہ پر ہاتھ نہ اٹھائے یہ احناف کے نزدیک ہے ۔ اور یہی روایت امام مالک کی ہے لیکن امام شافعی نے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانے کا قول کیا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے انہ اذا فتح الصلوٰۃ رفع یدیہ اذا رکع ۔ واذا رفع راسہ واذا رکع فعل مثل ذلک ویقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فعل مثل ذلک ۔ احناف کی دلیل حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث ہے کہ سرکار مدینہ نے رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر ہم سے فرمایا مجھے معلوم ہوا کہ میں تم کو اس طرح ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جس طرح بدکنے والا گھوڑا دم ہلاتا ہے ۔ نماز میں سکون اختیار کرو ۔

قولہ الا فی التکبیرۃ الاولی ۔ یعنی رفع یدین نماز میں صرف تکبیر اولی یعنی تکبیر تحریمہ میں ہوتا ہے اور

اس کے علاوہ چھ موقعوں پر بھی! اور وہ یہ ہیں (۱) قنوت وتر کے وقت (۲) تکبیرات عیدین (۳) حجر اسود کے استلام کے وقت (۴) صفا و مروہ میں سعی کے وقت (۵) عرفات (۶) جمرہ میں رمی کے وقت!

وَاِذَا رَفَعَ[۱] رَاسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ افْتَرَشَ[۲] رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَ نَصَبَ الْيُمْنٰى نَصْبًا وَوَجَّهَ اَصَابِعَهٗ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَبَسَطَ اَصَابِعَهٗ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ

ترجمہ: ـــــ اور جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھ جائے اور داہنا پاؤں کھڑا رکھے اور انگلیوں کو قبلہ رُخ کرے اور اپنے ہاتھوں کو رانوں پر رکھے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے پھر تشہد پڑھے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] واذا رفع۔ یعنی جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو اپنے بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور داہنے پیر کو کھڑا کرے اور ساری انگلیوں کو قبلہ رُخ رکھے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیوں کو قبلہ رُخ پھیلائے رکھے پھر تشہد پڑھے۔

قولہ[۲] افترش رجلہ۔ افتراش کہتے ہیں. بایاں پیر کے بچھانے اور داہنا پیر کے کھڑا کرنے کو اور تورک سرین کے بل بیٹھنے کو کہا جاتا ہے۔ احناف اور امام شافعی کے درمیان افتراش و تورک میں اختلاف ہے۔ احناف افتراش کو مسنون قرار دیتے ہیں اور امام شافعی تورک کو یعنی احناف کے نزدیک داہنا پاؤں کو کھڑا کرنا اور بایاں پاؤں کو بچھانا مسنون ہے اور امام شافعی کے نزدیک قعدۂ اولیٰ میں بچھانا اور قعدۂ ثانیہ میں سرین کے بل بیٹھنا مسنون ہے امام مالکؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک مسنون ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک دو رکعت والی میں افتراش اور چار رکعت والی کے قعدۂ اولیٰ میں افتراش مسنون ہے اور اس کے قعدۂ ثانیہ میں تورک مسنون ہے دلیل میں احناف یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بارے متعدد احادیث وارد ہیں اور جن احادیث میں تورک منقول ہے وہ آپ کے ضعف و کبر سنی پر محمول ہیں۔

وَالتَّشَهُّدُ[۱] اَنْ يَقُوْلَ التَّحِيَّاتُ[۲] لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ[۳] وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ[۴] اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَزِيْدُ[۵] عَلٰى ذٰلِكَ فِي الْقَعْدَةِ الْاُوْلٰى۔

ترجمہ: ـــــــ اور تشہد یہ کہے التحیات للہ الخ تمام قولی و فعلی و مالی عبادتیں اللہ ہی کیلئے ہیں سلام آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں اور سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور قعدۂ اولیٰ میں اس پر زیادہ نہ کرے۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] والتشھد ان یقول ۔ یہ وہ تشہد ہے جس کو عبداللہ بن مسعود نے روایت کی کہ اخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدی وعلمنی التشہد کما کان یعلمنی سورۃ من القرآن وقال قل التحیات للہ الخ یعنی رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور مجھے تشہد کی تعلیم دی جس طرح سورۃ قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے پڑھو التحیات للہ والصلوات الخ یہ تشہد دوسرے تشہد سے بہتر ہے کیونکہ اس کو امام ترمذی اور ابن منذر نے اصح قرار دیا ہے اور اس لئے بھی کہ اس میں السلام معرف باللام ہے جو مفید استغراق ہے اور اس لئے بھی کہ اس تشہد کو سیدنا ابوبکر صدیق نے منبر پر کھڑے ہو کر تعلیم دیا کرتے۔ اور اس لئے بھی کہ اس میں صیغہ امر ہے جو کم از کم استحباب پر دال ہے۔

قولہ[۲] التحیات ۔ تحیات جمع تحیۃ بمعنی سلام و دعا اور صلوات جمع صلوۃ بمعنی نماز و روزہ و دعا اور طیبات جمع طیبۃ بمعنی پاک ہونا لیکن یہاں تحیات سے مراد قولی عبادتیں اور صلوات سے فعلی عبادتیں اور طیبات سے مالی عبادتیں ہیں ۔ اور ان پر الف لام چونکہ برائے استغراق ہے اس لئے وہ تمام کے معنی میں ہے یعنی تمام قولی عبادتیں ۔

قولہ[۳] اشھد ان لا الہ ۔ جب کلمہ لا کے قریب پہونچے تو داہنے ہاتھ کی بیچ والی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور چھنگلیاں اور اس کے آس پاس والی کو ہتھیلی سے ملا دے اور لفظ لا پر کلمہ کی انگلی اٹھائے مگر اس کو جنبش نہ دے اور کلمۂ الا پر گرا دے اور سب انگلیاں فوری سیدھی کرلے ۔

قولہ[۴] ولا یزید ۔ یعنی قعدۂ اولیٰ میں اس سے زیادہ نہ کرے چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے درمیان اور اخیر کے تشہد کو اس طرح سکھایا کہ جب پہلا تشہد پڑھ چکو تو کھڑے ہو جاؤ اور اخیر کا تشہد پڑھ کر اپنے لئے جس قدر چاہو دعا کر لیا کرو ۔

ویقرءُ فی الرکعتین الاُخریین بفاتحۃ الکتاب خاصۃً فاذا[۱] جلس فی آخر الصلوۃ کما جلس فی الاولیٰ وتشہد وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعا[۲] بما شاء مما یشبہ الفاظ القرآن والادعیۃ الماثورۃ

ولا یدعو بما یشبہ کلام الناس ثم یسلم عن یمینہ ویقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ ویسلم عن یسارہ مثل ذلک۔

ترجمہ ـــــ اور آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے اور اخیر نماز میں اس طرح بیٹھے جس طرح قعدۂ اولیٰ میں بیٹھ چکا اور تشہد پڑھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے اور جو دعا چاہے مانگے ان الفاظ سے جو الفاظ قرآن اور منقول دعاؤں کے مشابہ ہیں۔ ایسی دعا نہ مانگے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو پھر دائیں طرف سلام پھیرے اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرے۔

تشریح: ـــــ قولہ ویقرأ ـ یعنی دو سے زیادہ رکعتیں پڑھنا چاہیں تو اخیر دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے جبکہ پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورۃ بھی اس کے ساتھ پڑھے۔ اخیر دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ سبحان ربی الاعلیٰ وغیرہ پڑھ سکتے ہیں بلکہ خاموشی بھی جائز ہے لیکن سورۃ فاتحہ پڑھنا افضل ہے

قولہ۲ فاذا جلس ـ قعدۂ اخیرہ کہ جس کے بعد نماز پوری ہو جاتی ہے اس میں اس طرح بیٹھے جس طرح قعدۂ اولیٰ میں بیٹھ چکا ہے اور تشہد پڑھے پھر اس کے بعد درود ابراہیمی پڑھے یعنی اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

واضح ہو کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے اور اس میں تشہد پڑھنا واجب ہے اور نبی کریم پر درود شریف سنت! یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک تشہد اور نبی کریم پر درود شریف دونوں فرض ہیں کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کر دے تو نماز نہ ہوگی۔

قولہ۳ دعا بما شاء ـ یعنی درود شریف کے بعد اگر چاہے تو ایسی دعا پڑھے جو قرآن کریم اور منقولہ دعاؤں کے الفاظ کے مشابہ ہوں۔ ایسی دعا نہ پڑھے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو مثلاً یہ دعا پڑھے اللھم اغفرلی ولوالدی ولمن توالد ولجمیع المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات انک مجیب الدعوات برحمتک یا ارحم الراحمین۔

قولہ۴ ثم یسلم ـ یعنی داہنے شانے کی طرف مونہہ کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے پھر بائیں شانے کی طرف یہ طریقہ جو مذکور ہوا امام یا تنہا مرد کے پڑھنے کا ہے لیکن مقتدی کیلئے بعض امور میں مخالفت ہے مثلاً امام کے پیچھے فاتحہ یا کسی دوسری سورت کا پڑھنا۔

قولہ[۵] یقول۔ سلام پھیرنے میں مناسب اس قدر پھیرے کہ دونوں سلاموں میں دونوں طرف کے مقتدی اُس کے رخساروں کو دیکھ سکیں اور جب داہنی طرف سلام پھیرے تو یہ نیت کرے کہ میں ان مسلمانوں اور ان فرشتوں کو سلام کرتا ہوں جو اس طرف ہیں اسی طرح بائیں طرف کے سلام میں نیت کرے اور امام محمد نے کہا کہ پہلے فرشتوں کی نیت کرے اور پھر مسلمانوں کی امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کی نیت کرے پھر فرشتوں کی اور مقتدی امام کے داہنے طرف ہے تو پہلے سلام میں اول مسلمانوں کی نیت کرے پھر فرشتوں کی اور اگر امام کے بائیں طرف ہے تو پہلے سلام میں اول امام کی نیت کرے پھر مسلمانوں کی پھر فرشتوں کی اور دوسرے سلام میں صرف مسلمانوں اور فرشتوں کو اور اگر امام کے پیچھے ہی کھڑا ہے تو دونوں سلاموں میں امام اور مسلمانوں اور فرشتوں سب کی نیت کرے ۔

وَیَجْھَرُ بِالْقِرَاءَۃِ[۱] فِی الْفَجْرِ وَفِی الرَّکْعَتَیْنِ[۲] الْاُوْلَیَیْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اِنْ کَانَ اِمَامًا وَیُخْفِی الْقِرَاءَۃَ فِیْمَا بَعْدَ الْاُوْلَیَیْنِ وَاِنْ[۳] کَانَ مُنْفَرِدًا فَھُوَ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ جَھَرَ وَاَسْمَعَ[۴] نَفْسَہٗ وَاِنْ شَاءَ خَافَتَ وَیُخْفِی الْاِمَامُ الْقِرَاءَۃَ فِی الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ

ترجمہ: ـــــ اور قرآت میں جہری کرے فجر میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دونوں رکعتوں میں اگر وہ امام ہو اور قرآت میں سری کرے پہلی دونوں رکعتوں کے بعد والی دونوں رکعتوں میں اور نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے اگر چاہے جہری کرے اور اپنی ذات کو سنائے اور اگر چاہے سری کرے اور امام ظہر وعصر میں قرآت کو سری کرے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ویجھر بالقراءۃ۔ نمازی اگر امام ہے تو فجر میں اور جمعہ وعیدین میں بھی اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرآت جہری کرے اور آخری دو رکعتوں میں آہستہ سے کرے اور اگر تنہا نماز پڑھتا ہو تو اختیار ہے کہ جہری کرے اور اپنے نفس کو سنائے اور یا آہستہ کرے اور ظہر وعصر میں قرآت کو آہستہ کرے ۔

قولہ[۲] فی الفجر وفی الرکعتین۔ نماز فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اسی طرح جمعہ وعیدین کی نمازوں میں قرآت آواز سے کرے چنانچہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء اسلام میں سب نمازوں میں قرآت جہری کرتے اور مشرکین عرب آپ کو تکلیف پہونچایا کرتے تو قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلا یعنی آپ تمام نمازوں میں جہری نہ کریں اور نہ تمام نمازوں میں سری کریں بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک راہ اختیار کریں تو سرکار مدینہ نے ظہر وعصر میں قرآت آہستہ کرنے لگے کیونکہ کفار ان ہی دونوں وقتوں میں تکلیف دینے کیلئے آمادہ رہا کرتے تھے اور مغرب میں چونکہ خورد ونوش

میں مشغول رہتے اور عشاء و فجر سونے میں اس وجہ سے ان تین وقتوں میں قرآت جہری کرتے اور جمعہ و عیدین چونکہ مدینہ منورہ میں قائم ہوئیں جہاں کفار کا غلبہ نہ تھا اس لئے آپ ان دونوں نمازوں میں جہری کرتے اور اس وقت سبب یعنی عدو اگرچہ موجود نہیں لیکن حکم ہنوز برقرار ہے پس اگر امام جہری نمازمیں سری اور سری نماز میں جہری کرے تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

قولہ[۲] وان کان منفرداً۔ نمازی اگر تنہا ہو تو اس کو اختیار ہے قرآت جہری کرے یا سری لیکن جہری بہتر ہے تاکہ منفرد کی نماز جماعت کی نماز کے مطابق ہو جائے مگر یہ جب کہ نماز جہری ہو اور اگر سری ہو تو اس کو اختیار نہیں بلکہ سری نماز میں وجوبی طور پر سری ہی پڑھنا ہوگا پس اگر جہری پڑھ لے تو سجدہ سہو لازم آئے گا۔

قولہ[۳] واسمع نفسہٗ۔ ابوالحسن کرخی کا قول ہے کہ جہری کی حد یہ ہے کہ وہ اپنی قرآت خود سن سکے اور سری کی حد تصحیح حروف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ سری کا ادنیٰ درجہ وہ ہے کہ خود سن سکے اس لئے کہ آواز کے بغیر صرف زبان کی حرکت کو قرآت نہیں کہا جاتا اور جہر کا ادنیٰ درجہ وہ ہے کہ خود بھی اور قریب کے ایک دو آدمی بھی سن سکے فتویٰ اسی قول پر ہے۔

والوتر[۱] ثلاث رکعاتٍ لا یفصل بینھن بسلامٍ ویقنت[۲] فی الثالثۃ قبل الرکوع فی جمیع[۳] السنۃ ویقرأ[۴] فی کل[۵] رکعۃٍ من الوتر فاتحۃ الکتاب وسورۃً معھا فاذا اراد ان یقنت کبّر[۶] ورفع یدیہ ثم قنت ولا[۷] یقنت فی صلوٰۃ غیرھا

ترجمہ: ـــــــ اور وتر تین رکعتیں ہیں کہ جن کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے اور تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے سال قنوت پڑھے اور وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت، پس جب دعاء قنوت پڑھنے کا ارادہ ہو تو تکبیر کہے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھائے پھر قنوت پڑھے اور قنوت وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں نہ پڑھے۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] والوتر۔ وتر تین رکعتیں ہیں ان کے درمیان سلام سے فصل نہیں کیا جاتا۔ وتر سیدنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے اگرچہ ان سے فرض و سنت موکدہ کی روایت بھی منقول ہے لیکن واجب آپ کا آخری قول ہے۔ جس کو محیط میں صحیح اور خانیہ میں اصح اور مبسوط میں ظاہر مذہب قرار دیا ہے۔ بعض مشائخ نے ان تینوں روایتوں میں یوں تطبیق بیان کیا ہے کہ وتر عملاً فرض ہے اور

اعتقاداً واجب اور ثبوتاً سنت ہے صاحبین نے وتر کو سنت کہا ہے

قولہ ثلاث رکعات ۔ وتر کی کتنی رکعتیں ہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے لیکن مختار تین رکعتیں ہیں چونکہ احادیث و آثار سے تین ہی رکعتیں ثابت ہیں کہ وہ مغرب کی رکعتوں کے موافق ہے برخلاف ایک و پانچ رکعتیں کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ۔چنانچہ حدیث عائشہ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ مع سبح اسم ربک الاعلیٰ دوسری میں قل یایہا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد یا قل اعوذ برب الفلق یا قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے ۔

قولہ یقنت ۔ یعنی وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے سال دعاء قنوت پڑھے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی سے اس کے متعلق کوئی تصریح موجود نہیں بلکہ ان کے اصحاب میں اختلاف ہے بعض قبل رکوع کا قول کرتے ہیں اور بعض بعد رکوع کا لیکن ان کے مذہب میں صحیح بعد رکوع ہی ہے ۔ امام احمد بن حنبل سے دونوں کا جواز منقول ہے ۔احناف کی دلیل حضرت ابی بن کعب سے یہ روایت ہے کہ سرکار مدینہ وتر تین رکعت پڑھتے تھے اول میں سورۃ اعلیٰ اور دوم میں سورۃ کافرون اور سوم میں سورۃ اخلاص اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے ۔

قولہ فی جمیع السنۃ ۔ دعاء قنوت سال بھر پڑھی جائے گی یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی رمضان شریف کی پندرہویں تاریخ سے آخر تک کا قول کئے ہیں ۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ حضرت عمر نے جب لوگوں کو ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تھا تو ابی بن کعب نے بیس روز تک نماز پڑھائی اور صرف نصف آخر میں قنوت پڑھی گئی ۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ سرکار نے حضرت حسن کو قنوت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا اس کو اپنے وتر میں قائم کرو ؛ اس میں رمضان کے نصف آخر کی کوئی قید نہیں ۔ اور علامہ نووی نے ابی بن کعب کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے ۔

قولہ یقرأ ۔ وتر کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ایک دوسری سورت پڑھے چنانچہ عبد اللہ بن عباس کی روایت ابھی گذری کہ سرکار نے پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یایہا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد پڑھی ۔

قولہ ولا یقنت ۔ یعنی وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں دعاء قنوت نہ پڑھے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے کہا کہ فجر کی نماز کے آخر رکعت میں رکوع کے بعد پڑھے ۔ دلیل میں حضرت انس کی یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ سرکار مدینہ برابر نماز فجر میں قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے دنیا کو چھوڑا احناف

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جس روایت سے نماز فجر میں قنوت کا پڑھنا ثابت ہے وہ درحقیقت قنوت نازلہ تھی جو منسوخ ہو گئی چنانچہ عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ سرکار نے نماز فجر میں ایک ماہ قنوت پڑھی پھر آپ نے چھوڑ دی۔ نہ اس سے پہلے آپ نے پڑھا اور نہ اس کے بعد۔

ولیس[1] فی شیءٍ من الصلوٰۃ قراءۃ سورۃٍ بعینھا لایجوز غیرھا ویکرہ[2] ان یتخذ قراءۃ سورۃٍ بعینھا لایقرأ فیھا غیرھا

ترجمہ: ـــــ اور کسی نماز میں کسی معین سورت کا پڑھنا جائز نہیں کہ اس کے علاوہ نماز جائز نہ ہو اور مکروہ ہے کسی خاص سورت کے پڑھنے کو نماز کیلئے کہ اس کے علاوہ اس میں کوئی دوسری سورت نہ پڑھے۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] ولیس فی شیءٍ۔ ہر نماز میں سورۃ فاتحہ کو معین طور پر پڑھنا واجب ہے لیکن دوسری سورتوں کو معین طور پر پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں جو بھی سورت چاہے پڑھ سکتا ہے

قولہ[2] ویکرہ ان یتخذ۔ کسی سورت کو اس طرح معین کرنا کہ فلاں نماز میں ہمیشہ صرف اسی سورت کو پڑھنا چاہیئے۔ مکروہ ہے مثلاً جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری میں سورۃ دھر کو معین کرنا، مکروہ ہے البتہ جو سورتیں احادیث میں وارد ہیں اگر ان کو پڑھ لینا مستحب ہے مگر مداومت نہ کرے کہ کوئی اس کو واجب گمان نہ کرے البتہ معین سورت کے علاوہ اگر اس کو یاد نہ ہو تو مکروہ نہیں۔

وادنی[1] ما یجزی من القراءۃ فی الصلوٰۃ ما یتناولہ اسم القرآن عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف و محمد رحمھما اللہ تعالیٰ لا یجوز اقل من ثلاث آیاتٍ قصارٍ او آیۃٍ طویلۃٍ

ترجمہ: ـــــ نماز میں کم سے کم اتنی قرأت کافی ہے جس کو قرآن کہا جا سکے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ تین چھوٹی آیتوں یا ایک بڑی آیت سے کم جائز نہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] ادنی ما یجزی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز میں کم سے کم اتنی مقدار قرأت کافی ہے کہ جس کو قرآن کہا جا سکے۔ صاحبین نے کہا کہ چھوٹی تین آیتوں یا ایک بڑی آیت مثلاً آیۃ الکرسی وغیرہ سے کم میں نماز نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس سے کم کی تقدیر پر قرأت کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی

رب تعالیٰ کا یہ قول ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن یعنی اس قدر پڑھو جو قرآن سے آسان ہو فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے

ولا[۱] یقرأ المؤتم خلف الامام ومن[۲] اراد الدخول فی صلوۃ غیرہ یحتاج الی نیتین نیۃ الصلوۃ و نیۃ المتابعۃ

ترجمہ: ــــــ اور مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے اور جو شخص کسی نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو وہ دو نیتوں کا محتاج ہوگا ایک نماز کی اور دوسری متابعت کی۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] ولا یقرأ۔ یعنی مقتدی امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قرأت نہ کرے نماز خواہ جہری ہو یا سری۔ امام شافعی کے دو قول ہیں۔ قول قدیم میں صرف سری نماز میں اور قول جدید میں سری و جہری دونوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے دلیل امام شافعی کی حضرت عبادہ بن ثابت کی یہ حدیث ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔ اس میں امام و منفرد و مقتدی کی کوئی تفصیل نہیں بلکہ مطلقاً قرأت فاتحہ کا وجوب مذکور ہے۔ دلیل احناف کی یہ آیت کریمہ ہے اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے سرکار مدینہ نے ارشاد فرمایا کہ امام تو اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

قولہ[۲] ومن اراد۔ یعنی جو شخص کسی کے پیچھے نماز پڑھنا چاہے تو وہ دو نیتوں کا محتاج ہوگا ایک نماز کی اور دوسری مقتدی بننے کی کہ میں اس امام کی اقتدا کرتا ہوں۔ افضل یہ ہے کہ متابعت کی نیت اس وقت کرے جب کہ امام اللہ اکبر کہہ چکے۔

باب الجماعۃ

ترجمہ: ــــــ جماعت کے مسائل کا بیان

والجماعۃ[۱] سنۃ[۲] مؤکدۃ

ترجمہ: ــــــ اور جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ باب الجماعۃ ۔ اس کو باب صفۃ الصلوٰۃ کے بعد اس لئے بیان کیا گیا کہ صفۃ الصلوٰۃ میں منفرد کی نماز کے مسائل بھی مذکور ہے اور باب الجماعۃ میں جماعت کے مسائل ہیں اور منفرد کی نماز بہ نسبت جماعت کی نماز کے اس طرح ہے کہ جزء کو کل کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر ہے جزء کو کل پر تقدم حاصل ہے اس لئے باب صفۃ الصلوٰۃ کو پہلے بیان کیا گیا پھر باب الجماعۃ کو ۔

قولہ والجماعۃ ۔ جماعت عاقل بالغ آزاد قادر پر واجب ہے ایکبار بھی بلا عذر چھوڑنے والا گنہگار اور مستحق سزا ہے اور کئی بار چھوڑ دے تو فاسق و مردود الشہادۃ اور اس کو سخت سزا دیجائے گی اگر پڑوسیوں نے سکوت اختیار کیا تو وہ بھی گنہگار ہوں گے ۔

قولہ سنۃ موکدۃ ۔ جماعت سنت موکدہ ہے یا فرض اس کے متعلق چند قول ہیں (۱) فرض عین یعنی ہر شخص پر فرض ہے یہ اہل ظواہر اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے مگر صحت نماز کیلئے شرط نہیں (۲) فرض کفایہ ہے یعنی بعض نے اگر جماعت کرلی تو باقی لوگوں کی طرف سے گناہ ساقط ہو جائے گا یہ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا قول ہے (۳) واجب ہے یہ احناف کا قول ہے (۴) سنت موکدہ ہے یہ بعض لوگوں کا قول جس میں علامہ قدوری بھی ہیں سرکار کا ارشاد ہے الجماعۃ من سنن الھدیٰ لا یتخلفھا الا منافق ۔

واولی الناس بالامامۃ اعلمھم بالسنۃ فان تساووا فاقرأھم فان تساووا فاورعھم فان تساووا فاسنھم

ترجمہ: ـــــ اور لوگوں میں امامت کیلئے سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ عالم سنت ہو پس اگر سب برابر ہوں تو جو سب سے اچھا قاری ہو اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو پھر جو سب سے زیادہ عمر رسیدہ ہو ۔

تشریح: ـــــ قولہ واولی الناس ۔ امامت کا سب سے زیادہ مستحق کون کون لوگ ہیں ؟ علامہ قدوری نے ان کو بطور تمثیل صرف چار کو بیان کیا ہے جبکہ اس کی تعداد گیارہ سے بھی زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ (۱) جو نماز و طہارت کے احکام کو سب سے زیادہ جانتا ہو اگرچہ دوسرے علوم میں پوری طور پر دسترس نہ ہو بشرطیکہ اتنا قرآن یاد ہو کہ بطور مسنون پڑھ سکے یعنی حروف کو مخارج سے ادا کر سکے (۲) وہ شخص جو تجوید و قرأت کا زیادہ علم رکھتا ہو (۳) وہ شخص جو زیادہ ورع رکھتا ہو یعنی حرام تو حرام شبہات سے بھی بچتا ہو (۴) زیادہ عمر والا یعنی جس کا زیادہ زمانہ اسلام میں گذرا ہو (۵) وہ جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں (۶) وجاہت والا یعنی تہجد گذار ہو کہ تہجد کی کثرت سے آدمی کا چہرہ زیادہ

خوبصورت ہو جاتا ہے۔ (۷) زیادہ خوبصورت ہو (۸) زیادہ حسب والا ہو (۹) باعتبار نسب کے زیادہ شریف ہو (۱۰) زیادہ عزت والا ہو (۱۱) جس کے کپڑے زیادہ ستھرے ہوں۔

قولہ بالسنۃ۔ سنت سے مراد احکام شرعیہ یعنی نماز کے احکام بشرطیکہ اس طرح قرأت کرے کہ جس سے نماز جائز ہو امام ابو یوسف نے کہا بہتر قرأت کرنے والا اولیٰ ہے جبکہ ضرورت کے مطابق نماز کا علم رکھتا ہو کیونکہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے اور نماز میں علم کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ نماز میں کوئی غیر معمولی واقعہ درپیش ہو۔

قولہ فاورعھم۔ یعنی علم و قرأت میں بھی اگر برابر ہوں تو جو صاحب ورع ہو وہ اولیٰ ہے ورع وہ ہے کہ شرعاً جن چیزوں میں شبہ ہو اگرچہ ان کا ارتکاب جائز ہے ان سے بھی پرہیز کرنا اور تقویٰ وہ ہے کہ حرام و مکروہ تحریمی سے بھی بچنا۔ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھا گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

قولہ فاسنھم۔ یعنی مذکورہ چیزوں میں جو برابر ہو تو وہ جو عمر رسیدہ ہو چونکہ سرکار مدینہ نے حضرت مالک بن حویرث اور ان کے ساتھی کیلئے فرمایا اذا حضرت الصلوٰۃ فاذ نا ثم اقیما ولیؤمکما اکبرکما اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں جو اپنے بڑوں کی توقیر نہ کرے اور جب بڑے کو امام بنائے تو اس نے اس کی توقیر کی اور اس سے جماعت میں بھی کثرت ہوتی ہے۔

ویکرہ تقدیمُ العبدِ والاعرابیّ والفاسقِ والاعمٰی وولدِ الزنا فان تقدموا جاز وینبغی للامام ان لا یطول بھم الصلوٰۃ

ترجمہ: ـــــ اور مکروہ ہے غلام اور گنوار اور فاسق اور اندھا اور حرامی کو آگے بڑھانا پس اگر وہ آگے بڑھ جائیں تو جائز ہے اور امام کو چاہیئے کہ وہ نماز کو طول نہ دے۔

تشریح: ـــــ قولہ ویکرہ تقدیم۔ یعنی غلام اور دہقانی اور فاسق اور اندھے اور حرامی بچہ کو مقدم کرنا یعنی امام بنانا مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح امرد اور کوڑھی اور فالج والا اور برص والا کہ جس کا برص ظاہر ہو۔ سفیہ یعنی بیوقوف کہ تصرفات مثلاً بیع و شرا میں دھوکہ کھاتا ہو کی امامت بھی مکروہ تنزیہی ہے اور اگر وہ امام ہو جائیں تو نماز ہو جائے گی اور جس کو کم سوجھتا ہو وہ بھی اندھے کے حکم میں ہے۔ کراہت اس وقت ہے جبکہ اس جماعت میں کوئی دوسرا ان سے بہتر ہو اور اگر یہی مستحق امامت ہے تو مکروہ نہیں۔

قولہ العبد والاعرابی۔ غلام اگرچہ آزاد کر دیا گیا ہو تو بھی اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اس لئے

کہ غلام مالک کی خدمت کی وجہ سے تحصیل علم سے محروم رہتا ہے اور دیہقانی بھی عموماً جاہل رہتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الاعراب اشد کفراً و نفاقاً واجدر ان لا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ۔ یعنی دیہقانی کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور و مناسی لائق ہے کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا۔ اس لئے ان کی امامت بھی مکروہ ہے

قولہ والفاسق۔ فاسق کی اقتدا نہ کی جائے مگر صرف جمعہ میں کہ اس میں مجبوری ہے باقی نمازوں میں دوسری مسجد کو چلا جائے اور جمعہ اگر شہر میں چند جگہ ہوتا ہو تو اس میں بھی اقتدا نہ کی جائے دوسری مسجد میں جاکر پڑھے۔

فاسق کی امامت مکروہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے فسق کی وجہ سے دین کے معاملہ میں اہتمام نہ کر سکے گا اور اس وجہ سے بھی کہ امامت ایک طرح کی تعظیم و تکریم ہے اور فاسق کی تکریم مکروہ ہے امام مالکؒ اس کی امامت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

قولہ والاعمیٰ۔ اندھے کی امامت اس وجہ سے مکروہ ہے کہ وہ پورے طور پر پاکی و ناپاکی سے احتیاط نہیں کر سکتا اور نجاست کا چونکہ صرف احتمال ہے اس لئے کہ اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے البتہ اگر کسی ذریعہ سے نجاست وغیرہ سے بچنے کا پورا اہتمام کر لیتا ہو تو بلا کراہت جائز ہے اور اگر نابینا قوم کے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہو تو وہ اولیٰ ہے چونکہ سرکار مدینہ نے ابن ام مکتوم اور عتبان بن مالکؓ کو جو نابینا تھے جہاد میں جاتے وقت مدینہ میں خلیفہ مقرر کیا تھا اور وہ امامت وغیرہ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

قولہ ولد الزنا۔ حرامی بچہ کی امامت اس لئے مکروہ ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام معقول نہیں کہ اس کا نہ تو باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی ہمدرد جو اس کا انتظام کرے بلکہ لوگ اس سے عادۃً نفرت کرنے لگتے ہیں جبکہ وہ خود بے قصور ہے یہی قول امام شافعی کا ہے۔

قولہ ینبغی للامام۔ یعنی امام نماز میں طول نہ دے چونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص امامت کرے اس کو چاہیئے کہ جماعت میں جو کمزور ہو یعنی بیمار، بوڑھے۔ حاجت مند ہیں ان ہی کے مطابق نماز پڑھائے یعنی ان کی رعایت کرے

ویکرہ[۱] للنساء ان یصلین وحدھن بجماعۃ فان فعلن وقفت الامامۃ وسطھن[۲] کالعراۃ ومن[۳] صلی مع واحد اقامہ عن یمینہ وان کان اثنین تقدمھما ولا یجوز[۴] للرجال ان یقتدوا بامرأۃ او صبی

ترجمہ:۔ ـــــ اور عورتوں کیلئے مکروہ ہے کہ ان عورتوں میں سے ایک جماعت کو نماز پڑھائے پس اگر وہ ایسا کریں تو نماز پڑھانے والی عورت ان کے بیچ میں کھڑی ہو جیسے ننگے اور جو ایک آدمی کو نماز پڑھائے تو اس کو اپنی داہنی

طرف کھڑا کرے اور اگر دو ہوں تو امام ان کے آگے ہو جائے اور مردوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ عورت یا بچہ کی اقتدا کرے

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ویکرہ للنساء ۔ عورت، عورت کا امام بن سکتی ہے مگر اس کو مطلقاً امام بنانا مکروہ تحریمی ہے پس اگر عورت، عورتوں کی امامت کرے تو امام آگے نہ ہو بلکہ بیچ میں کھڑی ہو اور آگے ہو تو بھی نماز ہو جائے گی اور خنثیٰ عورت کا امام بن سکتا ہے البتہ اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ صف سے آگے ہو ورنہ نماز ہی نہ ہو گی اور خنثیٰ، خنثیٰ کا امام نہیں ہو سکتا ۔

قولہ[۲] کالعراۃ ۔ عورت کے امام ہونے کا حکم ننگوں کے حکم کی طرح ہے کہ جسطرح ننگوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اسی طرح عورتوں کی بھی پس اگر ننگا جماعت کریں تو امام جس طرح بیچ میں کھڑا ہوتا ہے اسی طرح عورتیں بھی اگر جماعت کریں تو امام اس کے بیچ میں کھڑی ہو اس لئے کہ آگے کھڑی ہونے کی صورت میں کشف عورت کے زیادہ ہونے کا احتمال ہے ۔

قولہ[۳] ومن صلی مع واحد ۔ جو شخص ایک آدمی کو نماز پڑھائے یعنی جس کا ایک ہی مقتدی ہو تو امام کو چاہیئے کہ اُسے اپنے دائیں طرف کھڑا کرے اگرچہ بچہ ہی ہو ۔ بائیں طرف یا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے ۔ چونکہ سرکار مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو نماز پڑھائی تو آپ نے ان کو اپنے دائیں طرف کھڑا کیا ۔ امام محمد نے کہا کہ مقتدی اتنا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس ہوں ۔ لیکن پہلا قول قوی وظاہر ہے ۔

قولہ[۴] وان کانا اثنین ۔ یعنی مقتدی اگر دو ہوں تو امام اُن کے آگے کھڑا ہو اور اگر امام دو کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور دو سے زائد کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تحریمی ہے چنانچہ سرکار مدینہ نے حضرت انس اور ایک بچہ کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور حضرت ام سلیم کو ان کے پیچھے کھڑا کیا ۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ امام دو کے درمیان کھڑا ہو چونکہ عبداللہ بن مسعود نے علقمہ واسود کو گھر میں نماز پڑھائی تو ان کے درمیان کھڑے ہوتے ۔ جواب اس کا یہ ہے کہ وہ مکان کی تنگی کی وجہ سے ہے ۔ اور اگر دو مقتدی ایسے ہوں کہ ایک مرد ہو اور ایک بچہ تو دونوں پیچھے کھڑے ہوں اور اگر اکیلی عورت مقتدی ہے تو پیچھے کھڑی ہو ۔ زیادہ عورتیں ہوں تو بھی یہی حکم ہے اور دو مقتدی ہوں ایک مرد اور ایک عورت تو مرد برابر کھڑا ہو اور عورت پیچھے اور دو مرد ہوں اور ایک عورت تو مرد امام کے پیچھے کھڑا ہو اور عورت ان کے پیچھے ۔

قولہ[۵] ولا یجوز للرجال ۔ یعنی مردوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ عورت یا لڑکے کو امام بنائے ۔ عورت کو امام نہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ سرکار مدینہ نے ارشاد فرمایا کہ اخروھن من حیث اخرھن اللہ یعنی عورتوں کو پیچھے کیا کرو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیچھے کیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو امام بنانا جائز نہیں اور لڑکا سے

مراد نابالغ لڑکا ہے چونکہ اس کے ذمہ نماز فرض نہیں اور فرض پڑھنے والے کو نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرنا جائز نہیں ۔

ویصف[1] الرجال ثم الصبیان ثم الخنثی ثم النساء فان[2] قامت امراۃ الی جنب رجل وھما مشترکان فی صلوۃ واحدۃ فسدت صلوتہ

ترجمہ: ـــــ اور صف بنائی جائے مردوں کی پھر بچوں کی پھر خنثاؤں کی پھر عورتوں کی پس اگر عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جائے اور وہ دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی ۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] یصف الرجال ۔ مرد اور بچے اور خنثی اور عورتیں جمع ہوں تو صفوں کی ترتیب اس طرح کی جائے پہلے مردوں کی صف ہو پھر بچوں کی پھر خنثی کی پھر عورتوں کی ۔ اور بچہ تنہا ہو تو مردوں کی صف میں داخل ہو جائے چونکہ عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ تم میں سے اصحاب علم و فضل مجھ سے قریب ہیں ۔ پھر وہ لوگ جو ان سے ملتے جلتے ہیں اور ابو مالک کی روایت ہے سرکار مدینہ جب صف بندی کرتے تو مردوں کو لڑکوں کے آگے صف میں اور لڑکوں کے پیچھے اور عورتوں کو لڑکوں کے پیچھے کرتے تھے ۔

قولہ[2] فان قامت ۔ یعنی عورت اگر مرد کے بغل میں کھڑی ہو جائے اور وہ دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی عورت کی نہیں کیونکہ حدیث شریف اخروھن من حیث اخرھن اللہ یعنی مردوں کو حکم ہے کہ تم عورتوں کو مؤخر کرو ۔ اور اس نے اس کے خلاف کیا اسی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی عورت کی نہیں ۔ اس کیلئے چند شرطیں ہیں ۔ (۱) عورت مشتہاۃ ہو یعنی اس قابل ہو کہ اس سے جماع کیا جا سکے اگرچہ نابالغہ ہو (۲) کوئی چیز انگلی برابر موٹی اور ایک ہاتھ اونچی حائل نہ ہو اور نہ دونوں کے درمیان اتنی جگہ خالی ہو کہ ایک مرد کھڑا ہو سکے ۔ نہ عورت اتنی بلندی پر ہو کہ مرد کا کوئی عضو اس کے کسی عضو سے محاذی نہ ہو ۔ (۳) رکوع و سجود والی نماز میں یہ محاذات واقع ہو (۴) وہ نماز دونوں میں تحریمۃً مشترک ہو (۵) ادا میں مشترک ہو کہ اس میں مرد اس کا امام ہو یا ان دونوں کا کوئی تیسرا امام ہو جس کے پیچھے ادا کر رہے ہیں (۶) دونوں ایک ہی جہت کو متوجہ ہوں (۷) عورت عاقلہ ہو (۸) امام نے امامت زنان کی نیت کر لی ہو (۹) اتنی دیر تک محاذات رہے کہ ایک کامل رکن ادا ہو جائے یعنی بقدر تین تسبیح کے (۱۰) دونوں نماز پڑھنا جانتے ہوں (۱۱) مرد عاقل بالغ ہو ۔

ویکرہ[1] للنساء حضور الجماعۃ ولا[2] باس بان تخرج العجوز فی الفجر والمغرب والعشاء عند ابی حنیفۃ

رحمہ اللہ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ یجوز خروج العجوز فی سائر الصلوات

ترجمہ: ـــــ اور عورتوں کو جماعت میں شریک ہونا مکروہ ہے اور اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں کہ فجر و مغرب و عشاء میں بڑھیا عورت نکلے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں بڑھیا عورت کا نکلنا جائز ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] یکرہ للنساء ۔ یعنی جوان عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے اس لیے کہ ان کے حاضر ہونے میں فتنہ کا اندیشہ ہے چونکہ سرکار مدینہ کے زمانہ میں عورتیں مسجد میں آیا کرتی تھیں ۔ اور جب حضرت عمر کا دور آیا تو انہوں نے منع فرمادیا ۔ عورتیں حضرت انس کے پاس شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر نے جو منع کیا وہ درست ہے کیونکہ سرکار مدینہ بھی اگر ایسی حالت کو دیکھتے تو وہ بھی منع فرما دیتے ۔

قولہ[۲] ولا باس ۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ بڑھیا عورت کو فجر و مغرب و عشاء بلکہ جمعہ و عیدین میں بھی مسجد میں حاضر ہونے میں کوئی حرج نہیں اور صاحبین نے فرمایا کہ بڑھیا عورت کو ہر نماز میں حاضر ہونا جائز ہے البتہ جوان عورتوں کو کسی بھی نماز میں حاضر ہونا جائز نہیں کیونکہ ان کی وجہ سے فساد کا اندیشہ ہے اور بڑھیا عورتوں کی طرف چونکہ لوگوں کی رغبت کم ہوتی ہے اس لیے ان کو مسجد میں حاضر ہونا جائز ہے ۔

ولا[۱] یصلی الطاہر خلف من بہ سلس البول ولا الطاہرۃ خلف المستحاضۃ ولا[۲] القاری خلف الامی ولا المکتسی خلف العریان

ترجمہ: ـــــ اور پاک آدمی ایسے کے پیچھے نماز نہ پڑھے جسے سلس البول ہو اور نہ پاک عورت مستحاضہ کے پیچھے اور نہ پڑھا ہوا اَن پڑھ کے پیچھے اور نہ کپڑے پہنے ہوا ننگے کے پیچھے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ولا یصلی ۔ یعنی پاک آدمی اپنی نماز اس کے پیچھے نہ پڑھے جس کے ساتھ سلس البول کی بیماری ہو ۔ اور نہ پاک عورت مستحاضہ عورت کے پیچھے پڑھے ۔ خلاصہ یہ کہ غیر معذور کی نماز معذور کے پیچھے جائز نہیں کیونکہ امام کا حال بہ نسبت مقتدی کے اعلیٰ یا کم سے کم برابر ہونا ضروری ہے ۔ اور یہاں اس کا برعکس ہے ۔ امام شافعی کے نزدیک اصح قول میں معذور کے پیچھے تندرست کی نماز جائز ہے ۔

قولہ[۲] ولا القاری ۔ یعنی پڑھا ہوا آدمی اَن پڑھ کے پیچھے نماز نہ پڑھے اسی طرح کپڑا پہنا ہوا آدمی یعنی

ستر کو ڈھانکنے والا آدمی ننگے کے پیچھے نہ پڑھے کیونکہ ان پڑھ اور ننگا آدمی بہ نسبت پڑھے ہوئے اور کپڑا پہنے ہوئے آدمی کی حالت ضعیف ہے اور جس کی حالت ضعیف ہو وہ امام نہیں بن سکتا بلکہ قوی حالت والا ہی امام بن سکتا ہے

ویجوز[1] ان یؤم المتیمم المتوضئین والماسح[2] علی الخفین الغاسلین ویصلی[3] القائم خلف القاعد ولا یصلی[4] الذی یرکع ویسجد خلف المومی ولا یصلی[5] المفترض خلف المتنفل

ترجمہ: ــــ اور جائز ہے یہ کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرے اور موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی امامت کرے اور نماز پڑھے کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے اور نہیں پڑھے گا رکوع وسجدہ کرنے والا اشارہ سے پڑھنے والا کے پیچھے اور نہیں پڑھے گا فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے۔

تشریح: ــــ قولہ[1] ویجوز ان یؤم ۔ یعنی جائز ہے تیمم والا وضو والے کی امامت کرے یہ مذہب شیخین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کا ہے اور امام محمد عدم جواز کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک طہارت ضروریہ ہے جب کہ شیخین اس کو طہارت مطلقہ کہتے ہیں ۔ دلیل حضرت عمر بن العاص کی حدیث ہے کہ سرکار مدینہ نے ان کو ایک مرتبہ لشکر کا سردار بنا کر بھیجا اور جب لوگ واپس آئے تو عمر کے بارے دریافت فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ نیک سیرت ہیں لیکن انہوں نے ایک دن ہم لوگوں کو جنابت کے ساتھ نماز پڑھائی ۔ سرکار مدینہ نے حضرت عمر سے دریافت فرمایا تو عرض کیا یارسول اللہ ایک رات کافی سردی پڑ رہی تھی مجھے احتلام ہوگیا اور اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کر لیا جائے تو ہلاک ہو جاؤں گا ۔ اسی وجہ سے ہم نے اللہ تعالیٰ کے قول لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ پر عمل کیا اور تیمم کرکے ہم نے نماز پڑھائی ۔ یہ سنکر سرکار مدینہ نے تبسم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یالک من فقیہ عمرو بن العاص ۔ آپ نے نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا ۔

قولہ[2] والماسح ۔ یعنی موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی امامت کرے گا اس لئے کہ موزہ حدث کو قدم تک پہونچنے نہیں دیتا اس لئے حدث سے پاؤں کی طہارت زائل نہ ہوگی اور موزہ پر حدث کا جو کچھ اثر ہوا اس کو مسح نے زائل کر دی ۔ پس موزہ والے کی طہارت پاؤں دھونے والے کی طرف باقی ہے

قولہ[3] یصلی القائم ۔ یعنی کھڑا ہو کر پڑھنے والا اگر بیٹھ کر پڑھنے والے کے پیچھے پڑھے تو جائز ہے یہ شیخین کے نزدیک ہے ۔ اور فتویٰ اسی پر ہے ۔ لیکن امام محمد عدم جواز کے قائل ہیں ۔ قیاس مذکور کا مقتضیٰ بھی یہی ہے چونکہ مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی ہے اور حدیث شریف میں بھی ہے سرکار کا

ارشاد ہے کہ امام جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، شیخین کی دلیل یہ نص صریح ہے جو صحیحین میں مروی ہے کہ سرکار نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی یعنی زندگی کی سب سے آخری ظہر کی نماز آپ نے اتوار یا ہفتہ کے دن بیٹھ کر پڑھائی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھی اور حدیث مذکور بہ تصریح امام بخاری منسوخ ہے۔

قولہ ولا یصلی الذی۔ یعنی جو شخص رکوع و سجدہ کرتا ہو اور اشارہ سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نہ پڑھے اس لئے کہ مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی وارفع ہے البتہ اشارہ کرنے والا اپنے جیسے اشارہ کرنے والے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے کہ دونوں حالت میں برابر ہیں اور حالت کی برابری صحت اقتدا کیلئے کافی ہے مگر جب کہ امام لیٹ کر اشارہ سے پڑھتا ہو اور مقتدی کھڑے یا بیٹھے تو نہیں۔

قولہ لا یصلی المفترض۔ یعنی فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے نہ پڑھے اسی طرح ایک فرض نماز پڑھنے والا دوسرے فرض پڑھنے والے کے پیچھے نہ پڑھے خواہ دونوں کے فرض دو نام کے ہوں مثلاً ایک ظہر پڑھتا ہو اور دوسرا عصر یا صفت میں جدا ہوں مثلاً ایک آج کی ظہر پڑھتا ہو اور دوسرا کل کی اور اگر دونوں کی ایک ہی دن کی ایک ہی وقت کی نماز قضا ہو گئی ہے تو ایک دوسرے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے اسی طرح امام نے اگر عصر کی نماز غروب سے پہلے شروع کی۔ دو رکعتیں پڑھی کہ آفتاب غروب ہو گیا اب دوسرا شخص جس کی اسی دن کی نماز عصر جاتی رہی پچھلی رکعتوں میں اس کی اقتدا کر سکتے ہیں البتہ مقتدی اگر مسافر ہے تو اس کی اقتدا نہیں کر سکتا مگر غروب سے پہلے نیت اقامت کر لی ہو تو کر سکتا ہے۔

وَمَنِ اقْتَدٰى بِاِمَامٍ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ اَعَادَ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: ــــــ اور جس نے کسی امام کی اقتدا کی پھر معلوم ہوا کہ وہ ناپاک تھا تو وہ اپنی نماز لوٹا لے۔

تشریح: ــــــ قولہ ومن اقتدی۔ یعنی جس نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ امام وضو سے نہ تھا تو یہ شخص نماز کا اعادہ کرے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اعادہ کے قائل نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ہر ایک کی نماز علیحدہ ہے اور حدیث مذکور بھی ہے کہ حضرت عمر نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھائی اور انہوں نے اپنی نماز کا اعادہ تو کیا لیکن قوم کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ دلیل احناف کی سرکار کا یہ ارشاد ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے یعنی امام قوم کی نمازوں کا صحت و فساد کے اعتبار سے ذمہ دار ہے اور حدیث بالا میں جو اعادہ کا حکم مذکور نہیں اس سے اعادہ نہ ہونا لازم نہیں آتا ممکن ہے قوم نے حضرت عمر کی نماز کا اعادہ کرتے ہوئے اپنی

نمازوں کا بھی اعادہ کر لیا ہو ۔

ویکرہ[1] للمصلی ان یعبث بثوبہ او بجسدہ ولا یقلب[2] الحصیٰ الا ان لایمکنہ السجود علیہ فیسویہ مرۃ واحدۃ ولا یفرقع[3] اصابعہ ولا یشبک

ترجمہ: ـــــ اور نمازی کو اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا مکروہ ہے اور نہ وہ کنکریوں کو ہٹائے مگر یہ کہ ان پر سجدہ نہ ہو سکے تو صرف ایک دفعہ انہیں ہموار کرے اور انگلیاں نہ چٹخائے اور نہ ایک کو دوسری میں داخل کرے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] ویکرہ للمصلی ۔ یعنی نمازی کو اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا مکروہ ہے چونکہ سرکار مدینہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تین چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے ایک نماز میں کھیل کرنا اور دوسری روزہ میں گندی باتیں کرنا اور تیسری قبرستان میں ہنسنا ۔ نبی کریم نے ایک مرتبہ ایک نمازی کو داڑھی سے کھیلتے ہوئے ارشاد فرمایا لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ یعنی اگر اس کے دل میں خوف ہوتا تو اس کے اعضاء کانپنے لگتے ۔

قولہ[2] ولا یقلب ۔ نمازی کیلئے یہ بھی مکروہ ہے کہ وہ نماز کی حالت میں کنکریوں کو ہٹائے مگر یہ کہ اچھی طرح اگر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک مرتبہ کنکریوں کو ہٹا سکتا ہے چنانچہ نبی کریم کا ارشاد ہے کہ کنکریوں کو مت ہٹاؤ جب کہ تم نماز پڑھو اور اگر ہٹائے بغیر کام نہ چلے تو صرف ایکبار کی اجازت ہے

قولہ[3] لا یفرقع ۔ نماز میں انگلیاں چٹخانا اور انگلیوں کی قینچی باندھنا یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا چونکہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے نمازی نہ انگلیاں چٹخائیں اور نہ ہی قینچی باندھیں چنانچہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے حضرت علی سے کہ انی احب لک ما احب لنفسی لا تفرقع اصابعک وانت تصلی یعنی میں آپ کیلئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے نفس کیلئے پسند کرتا ہوں کہ اپنی انگلیوں کو نہ چٹخائیں جبکہ نماز میں ہوں ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے الضاحک فی الصلوٰۃ والملتفت والمفرقع اصابعہ بمنزلۃ واحدۃ یعنی نماز میں ہنسنے والا اور دائیں بائیں منہ پھیرنے والا اور انگلیوں کو چٹخانے والا ایک منزل میں ہے ۔

ولا یتخصر[1] ولا یسدل[2] ثوبہ ولا یکفہ[3] ولا یعقص شعرہ ولا یلتفت[4] یمیناً وشمالاً ولا یقعی[5] کاقعاء الکلب

ترجمہ: ـــــ اور نہ کولہے پر ہاتھ رکھے اور نہ اپنا کپڑا لٹکائے۔ اور نہ اس کو سمیٹے اور نہ بالوں کو گوندھے اور نہ دائیں بائیں دیکھے اور نہ کتے کی طرح بیٹھے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ولا یتخصر۔ یعنی نماز میں ہاتھ کو کوکھ پر نہ رکھے کیونکہ وہ مکروہ تحریمی ہے بلکہ وہ نماز کے علاوہ میں بھی مکروہ ہے کیونکہ ابلیس کو جب جنت سے اتارا گیا تو وہ اسی حالت میں تھا اور اس لئے بھی کہ وہ فعل یہودی متکبرین کا تھا اور سرکار کی حدیث پاک بھی ہے جس کو حضرت ابوہریرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے اختصار فی الصلوٰۃ یعنی نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کو منع فرمایا ہے۔

قولہ[۲] لا یسدل۔ نمازی سدل ثوب بھی نہ کرے یعنی رومال یا شال یا رضائی یا چادر کے کناروں کو دونوں مونڈھوں سے لٹکائے رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر ایک کنارہ دوسرے مونڈھے پر ہو اور دوسرا لٹک رہا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر ایک ہی مونڈھا پر اس طور پر ہو کہ ایک کنارہ پیٹھ پر لٹک رہا ہو اور دوسرا پیٹ پر جیسا کہ لوگ عموماً کرتے ہیں تو یہ بھی مکروہ ہے۔

قولہ[۳] ولا یکفہٗ۔ یعنی نمازی سجدہ کے وقت اپنے کپڑا کو نہ سمیٹے نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے اور نہ وہ بالوں کو گوندھے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اُمرتُ ان اسجدَ علیٰ سبعۃِ اعظمٍ لا اکف ثوباً ولا اعقص شعراً یعنی مجھے اس امر کا حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ کپڑا کو سمیٹوں اور نہ بال گوندھوں۔

قولہ[۴] لا یلتفت۔ یعنی نمازی منہ کو نہ دائیں پھیرے اور نہ بائیں کیونکہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے البتہ منہ اگر نہ پھیرے بلکہ صرف کنکھیوں سے اِدھر اُدھر بلاضرورت دیکھے۔ تو وہ اگرچہ جائز ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے اور نادراً کسی غرض صحیح سے ہو تو اصلاً حرج نہیں۔ نگاہ آسمان کی طرف اٹھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ حضرت انس نے سرکار مدینہ سے روایت کی ہے کہ نماز میں منہ اِدھر اُدھر نہ پھیرے کہ وہ موجب ہلاکت ہے۔

قولہ[۵] ولا یقعی۔ نمازی حالت میں کتا کی طرح نہ بیٹھے کیونکہ تشہد یا سجدوں کے درمیان کتا کی طرح بیٹھنا یعنی گھٹنوں کو سینہ سے ملاکر ان دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر سرین کے بل بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مرد کا سجدہ میں کلائیوں کو بچھانا مکروہ تحریمی ہے چنانچہ حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ نہانی خلیلی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ثلاث ان انقر کنقر الدیک وان اقعی کاقعاء الکلب وان افترش کافتراش الثعلب۔

ولا یردُّ السلامَ بلسانہٖ ولا بیدہٖ[۱] ولا یتربعُ الا من عذرٍ[۲] ولا یاکلُ ولا یشربُ

ترجمہ: ـــــ اور سلام کا جواب نہ زبان سے دے اور نہ ہاتھ سے اور نہ چہار زانو بیٹھے مگر عذر سے اور نہ کھائے اور نہ پیئے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ولا یرد السلام۔ نمازی سلام کا جواب نہ دے کیونکہ اگر زبان سے سلام کا جواب دیگا تو نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح اگر کوئی سلام کی نیت سے مصافحہ کرے تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی اور سلام کا جواب اگر سر یا ہاتھ یا انگلیوں سے اشارہ کر کے دے تو نماز اگرچہ فاسد نہ ہو گی لیکن مکروہ ہو جائے گی۔ اور قرأت کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے اسی طرح نماز پڑھنے والے اور پیشاب و پاخانہ کیلئے بیٹھنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

قولہ[۲] ولا یتربع۔ یعنی نماز میں چہار زانو نہ بیٹھے کیونکہ بلا عذر چہار زانو بیٹھنا مکروہ ہے اور عذر ہو تو اصلاً حرج نہیں اور نماز کے علاوہ اس طرح بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قولہ[۳] ولا یاکل۔ یعنی نماز کی حالت میں نہ کھائے اور نہ پیئے کیونکہ نماز میں کھانا پینا مطلقاً نماز کو فاسد کر دیتا ہے قصداً ہو یا بھول کر۔ تھوڑا ہو یا زیادہ یہاں تک کہ تل اگر بغیر چبائے نگل جائے یا کوئی قطرہ اس کے منہ میں گرا اور وہ نگل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور دانتوں کے اندر کوئی چیز رہ گئی تھی اس کو نگل گیا وہ اگر چنے سے کم ہے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ البتہ مکروہ ہو گی اور چنا برابر ہے تو فاسد ہو جائے گی۔ دانتوں سے خون نکلا اگر اس میں تھوک غالب ہے تو نگلنے سے نماز فاسد نہ ہو گی اور اگر غالب نہیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ غالب یہ ہے کہ حلق میں خون کا مزہ محسوس ہو نماز اور روزہ توڑنے میں مزہ کا اعتبار ہے اور وضو توڑنے میں رنگ کا۔

فَاِنْ سَبَقَهُ[۱] الْحَدَثُ انْصَرَفَ وَتَوَضَّاَءَ وَبَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ اِنْ لَّمْ يَكُنْ اِمَامًا فَاِنْ كَانَ اِمَامًا اسْتَخْلَفَ وَ تَوَضَّاَءَ وَبَنٰى عَلٰى صَلَاتِهٖ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ وَالْاِسْتِيْنَافُ اَفْضَلُ۔

ترجمہ: ـــــ پس اگر نمازی کو حدث لاحق ہو تو وہ لوٹ جائے اور وضو کر کے اپنی نماز پر بنا کرے اگر امام نہ ہو اور اگر امام ہو تو خلیفہ بنائے اور وضو کر کے اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو اور از سر نو پڑھنا افضل ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] فان سبقہ۔ یعنی نماز میں اگر حدث لاحق ہو تو از سر نو پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جہاں سے وضو ٹوٹا ہے وہیں سے وضو کر کے نماز شروع کرے۔ شریعت کی زبان میں اس کو بناء کہا جاتا ہے اور اگر نمازی امام ہو تو کسی کو اپنی جگہ پر خلیفہ بنائے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کہتے ہیں کہ بمقتضائے قیاس بناء ممنوع ہے اس لئے کہ حدث نماز کا منافی ہے اور وضو کیلئے جانا اور قبلہ سے منحرف ہونا دونوں مفسد نماز

ہیں چنانچہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو تو اس کو چاہیئے کہ لوٹ جائے اور وضو کرکے نماز کا اعادہ کرے۔ احناف کی دلیل سرکار کا یہ قول ہے کہ جس شخص کو قے ہو یا نکسیر چھوٹے یا مذی نکل آئے تو وہ لوٹ جائے اور وضو کرکے اپنی نماز پر بنا کرے جبتک کہ کلام نہ کیا ہو۔

وَاِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ اَوْ جُنَّ اَوْ اُغْمِیَ عَلَیْهِ اَوْ قَهْقَهَ[۱] اِسْتَانَفَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ وَاِنْ تَكَلَّمَ[۲] فِیْ صَلٰوتِهٖ سَاهِیًا اَوْ عَامِدًا[۳] بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ

ترجمہ: ـــــ اور اگر نمازی سوگیا پس احتلام ہوگیا یا دیوانہ بیہوش ہوگیا یا کھلکھلا کر ہنس پڑا تو از سر نو وضو کرے اور نماز بھی اور اگر نماز میں نادانستہ یا دانستہ بات کرلی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وان نام۔ یعنی کوئی اگر نماز میں سوگیا اور اُسے احتلام ہوگیا یا دیوانہ ہوگیا یا بے ہوش ہوگیا یا کھل کھلا کر ہنس پڑا تو ان تمام صورتوں میں وضو نئے سرے سے کرے اور نماز بھی نئے سرے سے پڑھے

قولہ[۲] وان تکلم۔ کلام مفسد نماز ہے عمداً ہو یا خطاءً یا سہواً۔ سوتے میں ہو یا بیداری میں۔ کلام خوشی سے ہو۔ یا مجبوری سے۔ خطا کا معنی یہ ہے کہ قرآت وغیرہ اذکار نماز کہنا چاہتا تھا غلطی سے زبان سے کوئی دوسری بات نکل گئی اور سہو کا معنی یہ ہے کہ اُسے اپنے نماز میں ہونا یاد نہ ہو۔

کلام عام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں کوئی فرق نہیں اور کلام خواہ اصلاح نماز کیلئے ہو یا اس کے علاوہ کے لئے مثلاً امام کو بیٹھنا تھا کھڑا ہوگیا۔ مقتدی نے کہا بیٹھ جا۔ یا بھول کہا نماز جاتی رہی اور کلام وہی مفسد نماز ہے جس میں اتنی آواز ہو کہ کم سے کم وہ خود سن سکے اگر کوئی مانع نہ ہو اور اگر اتنی آواز بھی نہ ہو بلکہ صرف تصحیح حروف ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

قولہ[۳] او عامداً۔ حکم مذکور احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے کہا کہ کلام اگر عمداً اور بلا مصلحت ہو تو بالاجماع نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر کلام کسی مصلحت کیلئے ہو مثلاً پانچویں رکعت کیلئے اُٹھتے وقت امام سے کہا کہ چار ہو چکیں تو یہ بھی مفسد ہے اور بھول چوک سے بولنا ان کے نزدیک مفسد نہیں دلیل سرکار کی یہ حدیث ہے ان اللہ وضع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ یعنی اللہ نے میری اُمت سے خطا و نسیان اور اس چیز کو اٹھالیا جس پر اُن کو مجبور کیا جائے اور دلیل احناف کی سرکار کا یہ قول ہے کہ ہماری نماز ایسی ہے کہ اس میں کلام وغیرہ کرنا زیب نہیں یہ تو محض تسبیح و تہلیل و قرآت و قرآن ہے چونکہ پہلے لوگ نماز میں بات چیت کرتے

تھے اب اس کی ممانعت کر دی گئی اور امام شافعی نے حدیث سے جو استدلال پیش کیا ہے اس کی صحت میں محدثین کا کلام ہے ۔

وَاِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ وَاِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ اَوْ تَكَلَّمَ اَوْ عَمِلَ عَمَلًا يُنَافِي الصَّلٰوةَ تَمَّتْ صَلَاتُهُ وَاِنْ رَاٰى الْمُتَيَمِّمُ الْمَاءَ فِيْ صَلٰوتِهٖ بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ ۔

ترجمہ: ـــــ اور اگر نمازی کو بمقدار تشہد بیٹھنے کے بعد حدث لاحق آیا تو وہ وضو کر کے سلام پھیر دے اور اگر کسی نے اس حالت میں جانکر حدث کیا یا بات کی یا نماز کے منافی کام کیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی اور اگر تیمم کرنے والا پانی کو اپنی نماز میں دیکھ لیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی ۔

تشریح: ـــــ قولہ وان سبقہ ۔ یعنی تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اگر کسی کا وضو ٹوٹ گیا تو وضو کر کے پھر سے بیٹھ کر سلام پھیر دے چونکہ سلام واجب ہے جو چھوٹ گیا تھا اس وجہ سے وضو کر کے اس کو ادا کیا جائے گا ۔ امام شافعی کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی چونکہ لفظ سلام اُنکے نزدیک فرض ہے اور ظاہر ہے فرض کے ترک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر تشہد کے بعد کوئی بے وضو ہو جائے یا کوئی بات کرے یا کوئی ایسا عمل کر لیا جو نماز کا منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی، لیکن مکروہ تحریمی ہو گی کیونکہ منافی کی وجہ سے بناء دشوار ہو گیا پس اس کا اعادہ نہیں کیا جائے گا اس لئے مقدار تشہد کے بعد اب ارکان میں سے کوئی رکن باقی نہیں رہا ۔

قولہ وان رای ۔ یعنی تیمم کر کے کسی نے نماز شروع کر دی اور عین نماز میں وہ پانی دیکھ لیا یعنی اتنا پانی پر قادر ہو گیا کہ جس سے وہ طہارت حاصل کر سکے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی پس وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے پھر نماز پڑھے اس لئے کہ طہارت کی مقدار پانی پر قادر ہو جانا تیمم کا ناقض ہے ۔

وَاِنْ رَاٰهُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ اَوْ كَانَ مَاسِحًا فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهٖ اَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ قَلِيْلٍ اَوْ كَانَ اُمِّيًّا فَتَعَلَّمَ سُوْرَةً اَوْ عُرْيَانًا فَوَجَدَ ثَوْبًا اَوْ مُوْمِيًا فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اَوْ تَذَكَّرَ اَنَّ عَلَيْهِ صَلٰوةً قَبْلَ هٰذِهٖ اَوْ اَحْدَثَ الْاِمَامُ الْقَارِئُ فَاسْتَخْلَفَ اُمِّيًّا اَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ اَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ اَوْ كَانَ مَاسِحًا عَلَى الْجَبِيْرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ اَوْ كَانَتْ مُسْتَحَاضَةً فَبَرَأَتْ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَمَّتْ صَلٰوتُهُمْ فِيْ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ

ترجمہ : ــــــ اور اگر مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد پانی دیکھ لیا یا مسح کرنے والا کی مدت ختم ہوگئی یا تھوڑے عمل سے موزے نکال لیے یا ان پڑھ تھا کوئی سورت سیکھ لی یا ننگا تھا کپڑا پالیا یا اشارہ کرنے والا رکوع و سجود پر قادر ہوگیا یا یاد آگیا کہ اس کے ذمہ اس سے پہلے نماز ہے یا خواندہ امام کا وضو ٹوٹ گیا اور اس نے ان پڑھ کو خلیفہ بنادیا یا فجر کی نماز میں آفتاب نکل آیا یا عصر کا وقت نماز جمعہ میں داخل ہوگیا یا جبیرہ پر مسح کرنے والا تھا زخم اچھا ہو کر جبیرہ گر گیا یا مستحاضہ تھی اچھی ہوگئی تو ان سب صورتوں میں نماز باطل ہوجائے گی۔ امام ابوحنیفہ کے قول میں اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا نماز پوری ہوجائے گی۔

تشریح : ــــــ قولہ وان رأی ۔ نماز میں جس طرح قیام و رکوع وغیرہ ضروری اسی طرح خروج بصنعہ بھی یعنی قعدۂ اخیرہ کے بعد قصداً سلام و کلام وغیرہ ایسا فعل ضروری ہے جو منافی نماز ہو اور اگر لفظ سلام کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہو تو نماز صحیح ہوجائے گی لیکن واجب الاعادہ ہوگی اور اگر منافی نماز بلا قصد ہو تو نماز باطل ہوجائے گی اس لئے کہ وہ منافی وسط نماز میں واقع ہوئی جو مفسد نماز ہے۔

قولہ ۲ ما قعد قدر التشہد ۔ منافی نماز جو بلا قصد ہو اس کی یہاں بارہ صورتیں بیان کی گئیں ہیں جب کہ اس کی کل پندرہ صورتیں نکلتی ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد تیمم والا پانی کو دیکھا یعنی پانی پر قادر ہو (۲) موزہ پر مسح کیا ہوا تھا مدت پوری ہوگئی (۳) عمل قلیل کے ساتھ موزہ اتار دیا (۴) بالکل بے پڑھا تھا اور کوئی آیت بے کسی پڑھائے محض سننے سے یاد ہوگئی (۵) ننگا تھا اب پاک کپڑا بقدر ستر کسی نے لاکر دیا جس سے نماز ہوسکے (۶) اشارہ سے پڑھ رہا تھا رکوع و سجود پر قادر ہوگیا (۷) صاحب ترتیب کو یاد آیا کہ اس سے پہلے کی نماز نہیں پڑھی ہے اگر وہ صاحب ترتیب امام ہے تو مقتدی کی بھی گئی (۸) امام کو حدث ہوا اور امی کو خلیفہ کیا (۹) فجر کی نماز میں آفتاب طلوع ہوگیا (۱۰) نماز جمعہ میں عصر کا وقت آگیا ۔ (۱۱) عیدین میں نصف النہار شرعی ہوگیا ۔ (۱۲) جبیرہ پر مسح کیا ہوا تھا اور زخم اچھا ہو کر گر گیا (۱۳) صاحب عذر تھا اب وہ جاتا رہا (۱۴) نجس کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا اور اسے کوئی چیز مل گئی جس سے طہارت ہوسکتی ہے (۱۵) قضا نماز پڑھ رہا تھا اور وقت مکروہ آگیا ۔ ان تمام صورتوں میں نماز باطل ہوجائے گی ۔

باب قضاء الفوائت

ترجمہ : ــــــ فوت شدہ نمازوں کی قضا کے مسائل کا بیان

وَمَنْ[۲] فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ قَضَاهَا إِذَا ذَكَرَهَا وَقَدَّمَهَا[۳] عَلٰى صَلٰوةِ الْوَقْتِ إِلَّا أَنْ يَّخَافَ فَوْتَ صَلٰوةِ الْوَقْتِ فَيُقَدِّمُ صَلٰوةَ الْوَقْتِ عَلَى الْفَائِتَةِ ثُمَّ يَقْضِيْهَا وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ كَمَا وَجَبَتْ فِي الْأَصْلِ إِلَّا أَنْ تَزِيْدَ الْفَوَائِتُ عَلٰى خَمْسِ صَلَوَاتٍ فَيَسْقُطُ التَّرْتِيْبُ فِيْهِمَا

ترجمہ: ـــــ اور جس کی نماز فوت ہو جائے تو اس کو پڑھ لے جب اُس کو یاد آجائے اور اس کو وقتیہ نماز پر مقدم کرے مگر وقتیہ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو وقتیہ کو فوت شدہ پر مقدم کرے پھر فوت شدہ کو پڑھے اور جس کی چند نمازیں فوت ہو جائیں تو ان کو اسی ترتیب سے پڑھے جس ترتیب سے وہ فرض ہوئی ہیں مگر یہ کہ فوت شدہ پانچ نمازوں سے زائد ہوں پس اس میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] باب قضاء۔ ادا نماز اور اس کے متعلقات سے جب فارغ ہو چکے تو اب قضا اور اس کے متعلقات کو بیان کیا جاتا ہے کہ ادا نام ہے قضا کا اس لئے کہ ادا کہتے ہیں نفس واجب کے سپرد کرنے کو اور قضا نام ہے مثل واجب کے سپرد کرنے کو اور مثل واجب کی سپردگی اسی وقت ہوتی ہے جبکہ نفس شی کی سپرد سے عاجز ہو۔

فوائت جمع ہے فوات مصدر کی جو بمعنی گذرنے اور وقت جاتے رہنے کے ہے یہاں اُس کو بصیغۂ جمع بیان کیا گیا جبکہ باب الحج میں فوات بصیغۂ واحد بیان کیا گیا ہے کیونکہ حج عمر میں ایک ہی بار واجب ہوتا ہے اور نماز بار بار! اس وجہ سے یہاں بصیغۂ جمع بیان کیا گیا اور باب الحج میں بصیغۂ واحد!

قولہ[۲] ومن فاتتہ۔ یعنی جس شخص کی کوئی نماز فوت ہو جائے تو جب اُسے یاد آجائے تو پڑھ لے چنانچہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من نام عن صلوٰۃ أو نسیہا فلیصلہا اذا ذکرھا یعنی جو نماز نہ پڑھا سو گیا یا بھول گیا تو جب اُس کو یاد آجائے پڑھ لے کہ وہی اُس کا وقت ہے۔

دخول وقت کے بعد اگر سو گیا پھر وقت نکل گیا تو گنہ گار ہو گا جبکہ جاگنے پر صحیح اعتماد یا جگانے والا موجود نہ ہو بلکہ فجر میں دخولِ وقت سے پہلے بھی سونے کی اجازت نہیں جبکہ رات کا اکثر حصہ جاگنے میں گذرا ہو اور گمان ہو کہ اب سو گیا تو وقت میں آنکھ نہ کھلے گی۔

قولہ[۳] قدمہا۔ یعنی فوت شدہ نماز کو وقتیہ نماز پر مقدم کرے اور اگر وقت کی تنگی کی وجہ سے وقتیہ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً عشاء کی نماز اگر فوت ہوا اور فجر کا وقت طلوع آفتاب ہونے میں اتنا باقی ہو کہ عشاء کی قضا نماز پڑھی جائے تو فجر کا وقت باقی نہ رہے گا تو ایسی صورت میں وقتیہ کو مقدم کرے پھر فوت شدہ نماز کی قضا کرے۔

واضح ہو کہ فرض کی قضا فرض ہے اور واجب کی واجب اور سنت کی سنت مثلاً فجر کی سنتیں جبکہ فرض بھی فوت ہو گیا ہو اور ظہر کی پہلی سنتیں جبکہ ظہر کا وقت باقی ہو ۔

قضا کا کوئی وقت متعین نہیں ۔ عمر میں جب بھی پڑھے گا بری الذمہ ہو جائے گا مگر طلوع و غروب و زوال کے وقت کہ ان تین وقتوں میں نماز جائز نہیں ۔

قولہ صلوات رتبھا ۔ یعنی جس کی چند نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ ان نمازوں کو اسی ترتیب سے پڑھے کہ جس ترتیب سے وہ فرض ہوئی ہیں لیکن پانچ نمازوں سے زیادہ فوت ہو جائیں تو ان کے ادا کرنے میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے ۔

خیال رہے کہ ترتیب تین وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے ۔ اول بھول جانے سے مثلاً کسی نے ظہر و عصر کی نماز پڑھی پھر اُسے یاد آیا کہ ظہر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو چاہیئے کہ ظہر کی نماز پڑھ لے اور عصر کی نماز کا اعادہ نہ کرے ۔ دوسرے تنگیٔ وقت ہو جانے سے مثلاً کسی نے عشاء کی نماز پڑھی اور فجر کی نماز میں اُسے یاد آیا کہ میں نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی اور نہ اتنا وقت ہے کہ آفتاب نکلنے سے پہلے دونوں وقت کی نمازیں پڑھ لے تو ایسی صورت میں فجر کی نماز پڑھ لے اور آفتاب نکلنے کے بعد عشاء کی پڑھے ۔ تیسری یہ کہ نمازیں زیادہ فوت ہو جائیں پس اگر پانچ نمازیں فوت ہوئی ہیں تو ان کو اسی ترتیب سے ادا کرے جس ترتیب سے فوت ہوئی ہے اور اگر چھ نمازیں فوت ہوئی ہیں تو ترتیب ساقط ہو جائے گی ۔ پس ان کو جس طرح چاہے پڑھے ۔

بابُ الاوقاتِ التی تکرہُ فیھا الصلوٰۃُ

ترجمہ: ــــ ان اوقات کے مسائل کا بیان کہ جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

لا[۱] تجوزُ الصلوٰۃُ عند طُلوعِ[۲] الشمسِ ولا عند غروبِہا الّا عصرَ یومِہٖ ولا عند قیامِہا فی الظہیرۃِ وَلا یُصلّی[۳] علی جنازۃٍ ولا[۴] یسجدُ لِلتلاوۃِ

ترجمہ: ــــ نماز جائز نہیں طلوعِ آفتاب کے وقت اور نہ غروبِ آفتاب کے وقت مگر اس دن کا عصر اور نہ دوپہر میں آفتاب کے قیام کے وقت اور نہ جنازہ پر نماز پڑھے اور نہ سجدۂ تلاوت کرے ۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] باب الاوقات ۔ جب ان اوقات کے بیان سے فارغ ہو چکے جن میں نماز کا پڑھنا مستحب ہے تو اب ان اوقات کو بیان کیا جاتا ہے جن میں نماز کا پڑھنا مکروہ ہے اور باب میں کراہت اوقات کو بیان کیا گیا اور یہاں عدم جواز کو اس کی وجہ اغلب کا بیان مقصود ہے کہ عدم جواز کے مقابلہ میں مکروہ اغلب ہے اس لئے کہ کراہت عدم جواز سے عام ہے ۔

قولہ[۲] لا یجوز ۔ طلوع و غروب و نصف النہار ان تین وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں ۔ نہ فرض اور نہ واجب اور نہ نفل اور نہ ادا اور نہ قضا اسی طرح سجدۂ تلاوت و سجدۂ سہو بھی جائز نہیں ۔ البتہ اس دن کا عصر جو اب تک نہیں پڑھی ہے وہ پڑھ لے اگرچہ آفتاب ڈوبتا ہو مگر اتنی تاخیر منع ہے چونکہ سرکار مدینہ نے اس کو منافق کی نماز قرار دیا ہے ۔ آج کا عصر آفتاب ڈوبنے کے وقت اس لئے پڑھ سکتا ہے کہ وجوب نماز کا سبب وہی جزء ہے جو وقت مشروع سے متصل ہے پس غروب کے وقت جس طرح نماز عصر واجب ہوئی اسی طرح ادا کر لی جائیگی ۔

قولہ[۳] طلوع الشمس ۔ طلوع سے مراد آفتاب کا کنارہ ظاہر ہونے سے اس وقت تک ہے کہ اس پر نگاہ خیرہ ہونے لگے جس کی مقدار کنارہ چمکنے سے ۲۰ منٹ تک ہے اور اس وقت سے کہ آفتاب پر نگاہ ٹھہرنے لگے ڈوبنے تک غروب ہے ۔ یہ وقت بھی ۲۰ منٹ تک ہے ۔ نصف النہار سے مراد نصف النہار شرعی سے نصف النہار حقیقی یعنی آفتاب ڈھلنے تک ہے جس کو ضحوۂ کبریٰ کہا جاتا ہے یعنی طلوع فجر سے غروب آفتاب تک آج جو وقت ہے اس کو برابر برابر دو حصہ کر لیا جائے تو پہلا حصہ کے ختم پر ابتداء نصف النہار شرعی ہے اور اس وقت سے آفتاب ڈھلنے تک وقت استواء ہے ۔

قولہ[۴] لا یصلی علی جنازۃ ۔ یعنی ان تین وقتوں میں نماز جنازہ جائز نہیں البتہ جنازہ اگر ان وقتوں میں لایا جائے تو جنازہ پڑھ سکتے ہیں ۔ ممنوع صرف اس وقت ہے جبکہ جنازہ پہلے ہی سے موجود ہوا اور ان کو اوقات ممنوعہ تک موخر کیا جائے ۔

قولہ[۵] لا یسجد ۔ یعنی دوسرے اوقات میں اگر آیت سجدہ تلاوت کی گئی تو اوقات ممنوعہ میں سجدۂ تلاوت جائز نہیں اور اگر سجدہ کر لیا تو مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر آیت سجدہ ان اوقات ممنوعہ میں تلاوت کی تو ان میں اگرچہ سجدہ کرنا جائز ہے لیکن بہتر ہے ان کے بعد کیا جائے ۔

ویکرہ[۱] اَنْ یَتَنَفَّلَ بعدَ صلوٰۃِ الفجرِ حتی تطلعَ الشمسُ و بعدَ صلوٰۃِ العصرِ حتی تغربَ الشمسُ ولا[۲] بأسَ بانْ یصلیَ فی ھٰذینِ الوقتینِ الفوائتَ ویکرہُ اَنْ یتنفلَ بعدَ طلوعِ الفجرِ باکثرَ من رکعتی الفجرِ وَ لَا

يتنفل قبل المغرب

ترجمہ: ـــــــ اور نماز فجر کے بعد آفتاب کے طلوع ہونے تک اور نماز عصر کے بعد آفتاب کے غروب ہونے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان وقتوں میں فوت شدہ نمازیں پڑھے اور طلوع صبح صادق کے بعد سنت فجر سے زیادہ نفل پڑھنا مکروہ ہے اور مغرب سے پہلے بھی نفل نہ پڑھے۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] ویکرہ ان یتنفل۔ تیرہ[۱۳] وقتوں میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اور یہاں بطور تمثیل صرف ان چار وقتوں کو بیان کیا جاتا ہے کہ (۱) طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک اگرچہ وقت میں وسعت ہو (۲) نماز عصر کے بعد سے آفتاب کے زرد ہونے تک (۳) غروب آفتاب سے مغرب کی فرض نماز تک (۴) نماز فجر سے طلوع آفتاب تک۔ بقیہ نو اوقات یہ ہیں (۵) امام جس وقت اپنی جگہ سے خطبہ جمعہ کیلئے کھڑا ہو اس وقت سے فرض جمعہ ختم ہونے تک نفل نماز مکروہ ہے یہاں تک کہ جمعہ کی سنتیں بھی (۶) عین خطبہ کے وقت اگرچہ پہلا ہو یا دوسرا اور جمعہ کا ہو یا خطبہ عیدین یا کسوف و استسقاء و حج و نکاح کا ہو ہر نماز حتی کہ قضا بھی ناجائز ہے مگر صاحب ترتیب کیلئے خطبہ جمعہ کے وقت قضا کی اجازت ہے (۷) نماز عیدین سے پہلے نفل مکروہ ہے خواہ گھر میں پڑھے یا عیدگاہ یا مسجد میں۔ (۸) نماز عیدین کے بعد نفل مکروہ ہے جبکہ عیدگاہ یا مسجد میں پڑھے۔ گھر میں پڑھنا مکروہ نہیں (۹) عرفات میں جو ظہر و عصر ملا کر پڑھتے ہیں ان کے درمیان اور بعد میں بھی نفل و سنت مکروہ ہے (۱۰) فرض کا وقت تنگ ہو تو ہر نماز یہاں تک کہ سنت فجر و ظہر مکروہ ہے (۱۱) مزدلفہ میں مغرب و عشاء جمع کئے جاتے ہیں صرف ان کے درمیان نفل و سنت مکروہ ہے بعد میں نہیں (۱۲) اپنے مذہب کی جماعت کیلئے اقامت ہوئی تو اقامت سے ختم جماعت تک نفل و سنت مکروہ ہے (۱۳) جس چیز سے دل بٹے مثلاً پیشاب و پاخانہ و ریاح کا غلبہ اس کو دفع کر سکتا ہو اسے دفع کئے بغیر نماز مکروہ ہے۔

قولہ[۲] ولا باس۔ مذکورہ دونوں وقتوں یعنی نماز فجر اور نماز عصر کے بعد قضا نمازیں یعنی نماز جنازہ وسجدہ تلاوت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ کراہت حق فرض کی وجہ سے تھی کہ پورا وقت فرض میں مشغول ہو اور فی نفسہ وقت میں کوئی خرابی بھی نہیں۔

باب[۱] النوافل

ترجمہ: ـــــــ نفل نمازوں کے مسائل کا بیان

السنۃ[۲] فی الصلوٰۃ ان یصلی[۳] رکعتین بعد طلوع الفجر واربعاً[۴] قبل الظھر ورکعتین بعدھا واربعاً قبل العصر[۵] وان شاء رکعتین و رکعتین بعد المغرب واربعاً[۶] قبل العشاء واربعاً بعدھا ان شاء رکعتین

ترجمہ: ـــــ سنت نماز میں یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھے صبح صادق کے بعد اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں اس کے بعد اور چار رکعتیں عصر سے پہلے اور اگر چاہے تو دو رکعتیں پڑھے اور مغرب کے بعد اور چار عشاء سے پہلے اور چار اس کے بعد اور اگر چاہے دو رکعتیں پڑھے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] باب النوافل۔ فرائض اور اس کے متعلقات کے بیان سے جب فارغ ہو چکے تو اب نوافل کو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرائض کے مکملات ہیں چنانچہ شیخ ابو زید نے کہا کہ نفل کی مشروعیت اس نقصان کو پورا کرنے کیلئے ہے جو فرائض میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ انسان کتنا ہی اونچے درجہ میں پہونچ جائے پھر بھی کوتاہی سے خالی نہیں۔

نوافل جمع ہے نافلہ کی جو لغت میں زیادتی کے معنی میں آتا ہے چنانچہ نافلہ فرعی اولاد کو کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ حقیقی اولاد پر زائد ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب نافلۃ اور نفل بمعنی غنیمت بھی آتا ہے اور وہ بھی اصل مال پر زائد ہوتی ہے۔ اصطلاح شرع میں نفل اس عبادت کو کہا جاتا ہے جو فرائض و واجبات پر زائد ہو اور اس کے کرنے پر ثواب ہو اور چھوڑنے پر عذاب نہ ہو۔

قولہ[۲] السنۃ فی الصلوٰۃ۔ باب نوافل کا قائم کیا گیا لیکن بحث کا آغاز سنت سے کیا گیا اس کی وجہ یہ کہ نفل سنت کو شامل ہے کیونکہ نفل عام ہے اور سنت خاص یعنی ہر سنت نفل ہوتی ہے لیکن ہر نفل سنت نہیں کہ وہ مستحب کو بھی شامل ہے کیونکہ نفل یہاں اس عبادت کو کہا جاتا ہے جو فرائض و واجبات پر زائد ہو پس وہ سنت کو بھی شامل ہوا اور مستحب کو بھی۔

قولہ[۳] بعد طلوع الفجر۔ سنت فجر کو تمام سنتوں پر اس وجہ سے مقدم کیا گیا کہ وہ تمام سنتوں سے زیادہ موکد ہے چنانچہ حضرت عائشہ نے کہا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی نفل نماز کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا کہ فجر کی دو رکعتوں کا کرتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے سنت فجر کو مت چھوڑو اگر چہ تم کو گھوڑے پیس دیں اور آپ نے اس کو کبھی نہیں چھوڑا۔ نہ سفر میں اور نہ حضر میں اسی وجہ سے بعض فقہاء نے اس کو واجب کہا ہے۔

قولہ[۴] اربعاً قبل الظھر۔ یعنی ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو رکعتیں سنت موکدہ ہیں اور اگر چاہے تو بعد میں بھی چار پڑھ لے چنانچہ ترمذی شریف میں حدیث مرفوع ہے من حافظ علی اربع قبل الظھر واربع بعدھا حرمہ اللہ علی النار۔ یعنی جو شخص ظہر سے پہلے چار اور ظہر کے بعد چار رکعتوں کی حفاظت کرے تو اللہ تعالیٰ اس

کو آگ پر حرام کردیتا ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ پہلے چار پڑھے پھر بعد والی دو پڑھے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔

قولہ اربعًا قبل العصر۔ یعنی چار رکعتیں عصر سے پہلے اور اگر چاہے ان چار کی جگہ دو پڑھ لے یہ سنتیں غیر موکدہ یعنی مستحب ہیں کیونکہ سرکار نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی چنانچہ مولیٰ علی سے روایت ہے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے من صلی اربعًا قبل العصر لم تمسہ النار یعنی جو شخص عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے اس کو آگ نہ چھوئے گی۔

قولہ رکعتین بعد المغرب۔ یعنی مغرب کے بعد دو رکعتیں سنت موکدہ ہیں جن میں تطویل قرأت مستحب ہے حدیث شریف میں ہے کہ سرکار مدینہ پہلی رکعت میں الٓم تنزیل پڑھتے اور دوسری میں سورۂ ملک۔

قولہ اربعًا بعد العشاء۔ یعنی عشاء سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد چار رکعتیں اور اگر چاہے تو دو رکعتیں سنت غیر موکدہ یعنی مستحب ہیں کیونکہ سرکار مدینہ نے ان پر مواظبت نہیں فرمائی۔

خلاصہ یہ کہ تمام سنتوں میں قوی تر سنت فجر ہے اس کے بعد مغرب کی سنتیں پھر ظہر کے بعد کی سنتیں پھر عشاء کے بعد کی پھر ظہر سے پہلے کی سنتیں۔ یہ کل بارہ رکعتیں ہیں نماز فجر سے پہلے دو ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو اور مغرب کے بعد دو اور عشاء کے بعد دو۔ یہ تمام سنت موکدہ ہیں۔ جن کے بارے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ ثَابَرَ وَاظَبَ عَلٰی اثْنَی عَشَرَ رَکْعَۃً فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ الخ یعنی جو رات و دن میں بارہ رکعت نمازوں پر پابندی کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

وَنَوَافِلُ النَّهَارِ اِنْ شَاءَ صَلّٰی رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ وَاِنْ شَاءَ اَرْبَعًا وَيُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلٰی ذٰلِكَ فَاَمَّا نَوَافِلُ اللَّيْلِ فَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ اِنْ صَلّٰی ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ جَازَ وَيُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلٰی ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَزِيْدُ بِاللَّيْلِ عَلٰی رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ

ترجمہ: ـــــ اور دن کی نفلیں اگر چاہے تو دو دو رکعتیں ایک سلام سے پڑھے اور اگر چاہے تو چار چار رکعتیں پڑھے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے لیکن رات کی نفلیں تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اگر آٹھ رکعتیں ایک سلام سے پڑھے تو وہ بھی جائز ہے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ رات میں ایک سلام سے دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھے۔

تشریح: ـــــ قولہ نوافل النهار۔ دن میں نفل نمازیں ایک سلام سے دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں اور چار چار

رکعتیں بھی اس سے زیادہ مکروہ ہے اس میں امام اعظم اور صاحبین کا اتفاق ہے لیکن اختلاف رات کی نفل نماز میں ہے امام اعظم نے فرمایا کہ ایک سلام سے آٹھ رکعتوں تک پڑھی جا سکتی ہیں اس سے زیادہ مکروہ ہے اور صاحبین نے کہا کہ ایک سلام سے دو رکعتوں سے زیادہ پڑھی نہیں جاسکتیں۔ سرکار کا ارشاد ہے صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ یعنی رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک رات و دن دونوں میں نفل نمازیں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے جبکہ امام ابوحنیفہ دونوں میں چار چار رکعت پڑھنا افضل قرار دیتے ہیں چنانچہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھتے تھے اور اس لئے بھی کہ چار رکعتوں کے تحریمہ میں اس کے اَدْوَم ہونے کی وجہ سے زیادہ مشقت ہوتی ہے جس سے فضیلت میں اضافہ ہوتا ہے۔

وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرَائِضِ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْأُخْرَيَيْنِ إِنْ شَاءَ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَإِنْ شَاءَ سَكَتَ وَإِنْ شَاءَ سَبَّحَ وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ وَجَمِيعِ الْوِتْرِ

ترجمہ: ـــــ اور قرآت فرض نمازوں کی پہلی دونوں رکعتوں میں فرض ہے اور اخیر دونوں رکعتوں میں مختار ہے اگر چاہے سورۃ فاتحہ پڑھے اور اگر چاہے خاموش رہے اور اگر چاہے تسبیح پڑھے اور قرآت واجب ہے نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں۔

تشریح: ـــــ قولہ والقرآۃ فی الفرائض ۔ فرض نماز اگر دو رکعت والی ہے تو دونوں میں قرآت فرض ہے اور اگر چار یا تین رکعت والی ہے تو اس کی پہلی دونوں رکعتوں میں قرآت فرض ہے اور اخیر دونوں میں اختیار ہے اگر چاہے تو سورۃ فاتحہ پڑھے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے یا خاموش رہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے کہا کہ قرآت ہر رکعت میں فرض ہے کیونکہ سرکار کا ارشاد ہے لاصلوٰۃ الا بقراءۃ یعنی قرآت کے بغیر نماز نماز نہ ہوگی چونکہ ہر رکعت نماز ہے اس لئے ہر رکعت میں قرآت ضروری ہے احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن یعنی پڑھو جو آسان ہو قرآن میں سے اس میں اقرؤا فعل امر ہے جو وجوب پر دال ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی فعل کا حکم دیا جائے تو اس کو ایکبار ادا کر لینے سے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے پس اس سے ایک رکعت میں قرآت کی فرضیت ثابت ہوتی ہے لیکن دوسری رکعت میں اس کی فرضیت دلالۃ النص سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ دونوں رکعتیں ہر اعتبار سے اصل و ارکان میں یکساں ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ

امام شافعی کے استدلال مذکور لاصلوٰۃ الا بقراءۃ میں صلوٰۃ مطلقاً مذکور ہے اور مطلق کا جب بھی اطلاق ہوتا ہے اس سے چونکہ فرد کامل مراد ہوتا ہے اس لئے اس سے یہاں دو رکعتیں مراد ہوں گی کہ وہ نماز کا فرد کامل ہے۔

قولہ وھو مخیر۔ یعنی اخیر کی دونوں رکعتوں میں اختیار ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے یا تسبیح پڑھے یا خاموش رہے کیونکہ اخیر کی دونوں رکعتیں پہلی دونوں رکعتوں سے تین چیزوں میں الگ ہیں۔ (۱) اخیر کی دو رکعتیں سفر میں ساقط ہو جاتی ہیں (۲) پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت جہری ہوتی ہے اور اخیر دونوں میں سری (۳) مقدار قرأت میں بھی تفاوت ہوتی ہے کہ اخیر دونوں میں پہلی دونوں سے کم قرأت ہوتی ہے۔

قولہ والقراءۃ واجبۃ۔ حکم مذکور فرض نمازوں کا تھا اور یہ نفل اور وتر کا ہے اور وہ یہ کہ ان کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب و ضروری ہوتی ہے لیکن نفل میں اس لئے کہ اس کا ہر شفعہ یعنی ہر دو رکعت علاحدہ و مستقل نماز ہوتی ہے اس میں تیسری رکعت کیلئے قیام بمنزلہ مستقل تحریمہ ہے اس وجہ سے اس میں تعوذ و تسمیہ پڑھا جاتا ہے لیکن وتر میں اس لئے کہ احتیاط مقصود ہے کیونکہ اس کے اندر فرض و نفل میں تردد ہوتا ہے قرأت کو واجب اس وجہ سے قرار دیا گیا کہ وہ نفل ہے اور تیسری رکعت میں تعوذ و تسمیہ اس وجہ سے پڑھا نہیں جاتا کہ وہ فرض کے مشابہ ہے۔

ومن[1] دخل فی صلوٰۃ النفل ثم افسدھا قضاھا فان[2] صلی اربع رکعات وقعد فی الاولیین ثم افسد الاخریین قضی رکعتین وقال ابو یوسف یقضی اربعاً

ترجمہ: ـــ اور جس نے نفل نماز شروع کر کے فاسد کر دیا تو اس کی قضا کرے پس اگر چار رکعتوں کی نیت کی اور پہلی دو رکعتوں کے بعد بیٹھ کر آخری دو رکعتیں فاسد کر دیں تو دو رکعتوں کی قضا کرے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ چار پڑھے۔

تشریح: ـــ قولہ ومن دخل۔ یعنی جس نے نفل نماز شروع کر کے فاسد کر دیا تو وہ اس کی قضا کرے اس کی چند صورتیں ہیں۔ نفل نماز قصداً شروع کیا یا بلا قصد بتقدیر اول نماز شروع کرنے سے ہی واجب ہوتی ہے پس اگر اس کو فاسد کر دیا تو قضا کرنی پڑے گی۔ اور اگر قصداً شروع نہ کیا مثلاً یہ گمان تھا کہ فرض پڑھنا ہے۔ اور فرض کی نیت سے شروع کیا پھر یاد آیا کہ وہ پڑھ چکا ہے تو اب یہ نفل ہے اور فاسد کر دینے سے قضا واجب نہیں بشرطیکہ یاد آتے ہی توڑ دے اور اگر یاد آنے پر اس نماز کو پڑھنا اختیار کیا تو فاسد کر دینے سے قضا واجب ہوگی اور اگر بلا قصد نماز فاسد ہو گئی جب بھی قضا واجب ہے مثلاً تیمم سے نماز پڑھ رہا تھا اس درمیان وہ پانی پر قادر ہو گیا اسی طرح عورت

عورت نفل پڑھ رہی تھی اس کو حیض آگیا تو قضا واجب ہوگی وہ طہارت کے بعد قضا پڑھے۔
قولہ فان صلی۔ یعنی اگر کسی نے نفل چار رکعت شروع کیا اور قعدۂ اولی کرکے آخری دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو طرفین یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک دو رکعتوں کی قضا واجب ہوگی اور امام ابو یوسف کے نزدیک چار رکعتوں کی۔ اول کی دلیل یہ ہے کہ نفل نماز کا ہر شفعہ مستقل نماز ہے اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پہلا شفعہ تمام ہو گیا اور تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہونا مستقل تحریمہ کی منزل میں ہے پس شفعہ ثانیہ ہی لازم رہا اور اس کو چونکہ فاسد کر دیا ہے اس لئے اس کو قضا واجب ہوگی دوم کی دلیل یہ ہے کہ احتیاطاً اس کو چار کی قضا واجب ہوگی کیونکہ وہ ایک مستقل نماز کی منزل میں ہے۔

ويُصَلّي النافلةَ قاعداً مع القدرةِ على القيامِ وان افتتحها قائماً ثم قعدَ جاز عند ابي حنيفة رحمه الله وقالا لا يجوز الا من عذرٍ.

ترجمہ: ــــ اور نفل نماز کو قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور اگر کھڑا ہو کر شروع کیا پھر بیٹھ گیا تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں مگر عذر کی وجہ سے۔

تشریح: ــــ قولہ یصلی النافلة۔ نفل نماز جو پڑھنے کا ارادہ کرے وہ بیٹھ کر نفل پڑھ سکتا ہے کیونکہ جس کو اصل نماز کے ترک کا اختیار ہے اس کو ترک وصف کا بدرجۂ اولی اختیار ہوگا اور اگر وہ کھڑا ہو کر نفل نماز شروع کیا پھر بیٹھ کر پڑھنے لگا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک استحساناً وہ جائز ہے اس لئے کہ جب ابتداءً بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے تو انتہاءً بدرجۂ اولی پڑھ سکے گا۔ صاحبین نے کہا کہ صورت مذکورہ اگر عذر کی وجہ سے ہے تو جائز ہے اور اگر بلا عذر ہے تو جائز نہیں اور یہی قیاس کا مقتضی بھی ہے۔

ومَن كان خارجَ المصرِ يتنفلُ على دابتهِ الى أيِّ جهةٍ توجهت يومي ايماءً

ترجمہ: ــــ اور جو شخص شہر سے باہر ہو تو وہ اپنی سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے جس طرف بھی وہ متوجہ ہو اشارہ کرتے ہوئے۔

تشریح: ــــ قولہ ومن کان۔ یعنی جو شخص شہر سے باہر ہو یعنی مسافر ہو تو وہ اشارے سے اپنی

سواری پر بیٹھ کر نفل پڑھ سکتا ہے سواری خواہ جس طرف بھی متوجہ ہو کیونکہ احناف کے نزدیک سواری پر نماز پڑھنے میں استقبال قبلہ شرط نہیں چونکہ حضرت عمر نے فرمایا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ آپ خیبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے جبکہ وہ قبلہ کی جانب نہیں۔ امام شافعی نے کہا کہ سواری پر پڑھنے والے کو بوقت نیت قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے یہ حکم نفلوں کا ہے لیکن فرضوں کا یہ کہ اس کو سواری پر پڑھنا جائز نہیں۔

بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ

ترجمہ: ـــــــ سجدۂ سہو کے مسائل کا بیان

سُجُودُ السَّهْوِ وَاجِبٌ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ بَعْدَ السَّلَامِ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ

ترجمہ: ـــــــ سجدۂ سہو زیادت ونقصان میں سلام کے بعد واجب ہے۔ سجدہ کرے دو سجدے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔

تشریح: ـــــــ قولہ باب سجود السہو۔ فرائض ونوافل وادا وقضا نمازوں سے جب فارغ ہو چکے تو اب اس چیز کو بیان کیا جاتا ہے جس سے ان نمازوں کے نقصان کو پورا کیا جا سکے اور وہ چیز سجدۂ سہو ہے

قولہ سجود السہو۔ فرائض ونوافل وادا وقضا نمازوں سے جب فارغ ہو چکے تو اب اس چیز کو بیان کیا جاتا ہے جس سے ان نمازوں کے نقصان کو پورا کیا جا سکے اور وہ چیز سجدۂ سہو ہے۔ اس میں سہو چونکہ سبب ہے اور سجدہ مسبب اس لئے سجدۂ سہو میں اضافت مسبب کی بسوئے سبب ہوتی ہے۔

قولہ واجب۔ نماز خواہ فرض ہو یا نفل جب اس میں کوئی واجب بھول سے رہ جائے تو اس کی تلافی کیلئے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ التحیات کے بعد دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔

ترک واجب اگر قصداً کیا ہو تو سجدۂ سہو سے وہ نقصان دفع نہ ہوگا بلکہ اعادہ ضروری ہے اسی طرح ترک واجب اگر سہواً ہو لیکن سجدۂ سہو نہ کیا ہو جب بھی اعادہ واجب ہے اسی طرح فرض اگر ترک کیا ہو جب بھی اعادہ ضروری اور اگر سنن ومستحبات مثلاً تعوذ وتسمیہ وثنا وآمین وتکبیرات انتقالیہ وغیرہ ترک کیا ہو تو

اس کے لئے سجدہ تو نہیں کیونکہ ان کے بغیر بھی نماز پوری ہو جاتی ہے ترک عام ہے کہ سہواً ہو یا قصداً ۔

قولہ بعد السلام ۔ سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے کیونکہ سلام کے بغیر سجدۂ سہو کرنا اگرچہ کافی ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے ۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے کہا کہ سجدۂ سہو سلام سے پہلے کرے گرچہ سلام کے بعد بھی جائز ہے ۔ امام مالک نے اس کی دو شق بیان کیا ہے کہ سہو اگر بطور نقصان ہے تو سلام سے پہلے کرے اور اگر بطور زیادتی ہو تو سلام کے بعد کرے دلیل امام شافعی کی سرکار مدینہ کا یہ عمل ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز کے قعدہ اخیرہ میں تکبیر کہی اور سلام سے پہلے دو سجدہ کئے ۔ احناف کی دلیل سرکار کا یہ قول ہے کہ ہر سہو کیلئے سلام کے بعد دو سجدہ کرے اور حضرت ذوالیدین سے مروی ہے کہ آپ نے سلام کے بعد دو سجدہ کئے ۔ عمل کی روایتیں چونکہ ایک دوسرے کے متعارض ہیں اس لئے قولی روایت پر عمل کیا گیا ۔

وَيَلْزَمُ سُجُودُ السَّهْوِ إِذَا زَادَ فِي صَلٰوتِهٖ فِعْلًا مِنْ جِنْسِهَا لَيْسَ مِنْهَا أَوْ تَرَكَ فِعْلًا مَسْنُونًا أَوْ تَرَكَ قِرَاءَةَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَوِ الْقُنُوتَ أَوِ التَّشَهُّدَ أَوْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيْدَيْنِ أَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ فِيمَا يُخَافِتُ أَوْ خَافَتَ فِيمَا يُجْهَرُ

ترجمہ : ـــــ اور سجدۂ سہو اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ نماز میں ایسا فعل زائد کرے جو جنس نماز سے ہو اور نماز میں داخل نہ ہو یا کوئی فعل مسنون چھوڑ دے یا قرأت فاتحہ یا قنوت یا تشہد یا تکبیرات عیدین یا امام سری نماز میں جہری یا جہری نماز میں سری قرأت کرے ۔

تشریح: ـــــ قولہ یلزم سجود ۔ سجدۂ سہو اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ نماز میں کوئی زیادتی یا کمی کیا جائے یعنی نماز میں ایسا فعل زائد کرے جو جنس نماز سے ہو لیکن نماز میں داخل نہ ہو یا کوئی واجب چھوڑ دے مثلاً قرأت سورۂ فاتحہ یا دعاء قنوت یا التشہد یا تکبیرات عیدین چھوڑ دے ۔ یا امام کو جس نماز میں آہستہ پڑھنا تھا اس میں آواز سے پڑھ دیا یا جس میں آواز سے پڑھنا تھا اس میں آہستہ سے پڑھ دیا بس عبارت کے اندر او ترک قرأت الخ میں اور لئے تغیر ہے کیوں کہ فعل مسنون سے مراد فعل واجب ہے اور قرأت فاتحۃ الکتاب الخ سے اسی ترک واجب کی وضاحت ہے اور فعل مسنون کی قید سے اذکار مسنونہ سے احتراز ہے کیونکہ کوئی اگر اس کو چھوڑ دے تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا مثلاً ثنا یا تعوذ یا تکبیرات رکوع وسجود اور ان کی تسبیحات کے ترک سے سجدۂ سہو نہیں اور من جنسہا کی قید سے احتراز ہے غیر جنس نماز سے مثلاً پتھر وغیرہ کو الٹ پلٹ کرنا اور لیس منہا سے یہ بیان مقصود ہے کہ وہ فعل زائد جنس نماز سے تو ہو لیکن نماز سے نہ ہو بلکہ اس سے زائد ہو مثلاً قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا تھا کھڑا ہو گیا یا کسی رکن کو دوبارہ کیا ۔

وَسَهْوُ الْاِمَامِ يُوجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُودَ فَاِنْ لَمْ يَسْجُدِ الْاِمَامُ لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمُّ فَاِنْ سَهَى الْمُؤْتَمُّ لَمْ يَلْزَمِ الْاِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُودُ

ترجمہ: ـــــ اور امام کا سہو مقتدی پر سجدہ کو واجب کرتا ہے پس اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے اور اگر مقتدی کو سہو ہو تو نہ امام پر سجدہ لازم آتا ہے اور نہ مقتدی پر۔

تشریح: ـــــ قولہ سہو الامام۔ امام سے سہو ہوا اور اس نے سہو کا سجدہ کیا تو مقتدی بھی نہ کرے اور اگر مقتدی کو سہو ہو تو نہ امام پر سجدہ لازم ہے اور نہ مقتدی پر اور اگر امام سے سجدۂ سہو ساقط ہو گیا تو مقتدی سے بھی ساقط ہو جائے گا پھر اگر امام سے ساقط ہونا اس کے کسی فعل کے سبب ہو تو مقتدی پر نماز کا اعادہ واجب ہے ورنہ معاف ا اور اگر مقتدی سے اقتدا کی حالت میں سہو واقع ہوا تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں۔

وَمَنْ سَهَى عَنِ الْقَعْدَةِ الْاُولٰى ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ اِلٰى حَالِ الْقُعُودِ اَقْرَبُ عَادَ فَجَلَسَ وَتَشَهَّدَ وَاِنْ كَانَ اِلٰى حَالِ الْقِيَامِ اَقْرَبَ لَمْ يَعُدْ وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ

ترجمہ: ـــــ اور جو شخص قعدۂ اولی کو بھول گیا پھر اس حال میں یاد آیا کہ وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو وہ لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے اور اگر کھڑے ہونے کے زیادہ قریب ہے تو نہ لوٹے اور سجدۂ سہو کرے۔

تشریح: ـــــ قولہ ومن سہی۔ یعنی جو قعدۂ اولی کو بھول گیا اور کھڑا ہونے لگا تو اب آیا وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے یا کھڑے ہونے کے پس اگر وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو بیٹھ کر قعدہ کرکے تشہد پڑھ لے اور سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ ہر چیز اپنے قریب کے حکم میں ہوتی ہے پس وہ بیٹھنے ہی کے حکم میں ہوا اور اگر کھڑا ہونے کے زیادہ قریب ہے تو کھڑا ہو جائے اور نہ لوٹے اور اخیر میں اس کے عوض سجدۂ سہو کرے اور اگر سیدھا کھڑا ہو کر لوٹ آیا تو سجدہ سہو کرے اور اس کی نماز ہو جائے گی مگر گنہ گار ہو گا اور اگر مقتدی بھول کر کھڑا ہو گیا اور امام بیٹھا ہی رہا تو وہ لوٹ آئے تاکہ امام کی مخالفت لازم نہ آئے۔

وَاِنْ سَهَى عَنِ الْقَعْدَةِ الْاَخِيْرَةِ فَقَامَ اِلَى الْخَامِسَةِ رَجَعَ اِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ وَاَلْغَى الْخَامِسَةَ وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهُ وَتَحَوَّلَتْ صَلٰوتُهُ نَفْلًا وَكَانَ عَلَيْهِ اَنْ يَضُمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً

ترجمہ: ــــــ اور اگر قعدۂ اخیرہ کو بھول کر پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے جبتک سجدہ نہ کرے اور پانچویں رکعت کو چھوڑ دے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اس کا فرض باطل ہو کر نفل ہو جائے گی، اور اس پر لازم ہو گا کہ اس کیساتھ چھٹی رکعت ملا دے۔

تشریح: ــــــ قولہ وان سہی۔ یعنی نمازی اگر قعدۂ اخیرہ کو بھول گیا اور پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا تو جبتک اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ آئے اور پانچویں رکعت کو چھوڑ دے اور سجدۂ سہو کر لے اور لوٹ آئے اس لئے کہ وہ نماز کی اصلاح کیلئے ہے اور سجدۂ سہو اس لئے کرے کہ واجب قطعی یعنی قعدہ اخیرہ میں تاخیر ہو گی۔ اور اگر قعدۂ اخیرہ میں بیٹھا مگر بقدر تشہد نہ ہوا کہ کھڑا ہو گیا تو لوٹ آئے اور وہ جو پہلے کچھ دیر تک بیٹھا تھا محسوب ہو گا یعنی لوٹنے کے بعد جتنی دیر تک بیٹھا۔ یہ اور پہلے کا قعدہ دونوں ملا کر اگر بقدر تشہد ہو گئے تو فرض ادا ہو گیا مگر سجدۂ سہو اس صورت میں بھی واجب ہو گا اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو سجدہ سے سر اٹھاتے ہی وہ فرض نماز نفل ہو جائے گی پس اگر چاہے تو مغرب کے علاوہ دوسری نمازوں میں ایک رکعت اور ملائے تاکہ نفل جفت ہو جائے اور اگر نہ ملائے تو بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اس نے اس کو قصداً شروع نہیں کیا ہے پس اس پر سجدۂ سہو لازم نہ ہو گا۔

وَاِنْ قَعَدَ فِی الرَّابِعَۃِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ یُسَلِّمْ یَظُنُّہَا قَعْدَۃَ الْاُوْلٰی عَادَ اِلَی الْقُعُوْدِ مَالَمْ یَسْجُدْ لِلْخَامِسَۃِ وَسَلَّمَ وَسَجَدَ لِلسَّہْوِ وَاِنْ قَیَّدَ الْخَامِسَۃَ بِسَجْدَۃٍ ضَمَّ اِلَیْہَا رَکْعَۃً اُخْرٰی وَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُہٗ وَالرَّکْعَتَانِ نَافِلَۃٌ

ترجمہ: ــــــ اور اگر چوتھی رکعت میں قعدہ کیا پھر کھڑا ہو گیا اور اس کو قعدۂ اولی سمجھ کر سلام نہیں پھیرا تو وہ قعدہ کی طرف لوٹ جائے جبتک کہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے اور سلام پھیر کر سجدۂ سہو کر لے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا دے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی اور دو رکعتیں نفل ہو جائیں گے۔

تشریح: ــــــ قولہ وان قعد۔ یعنی تشہد کی مقدار اگر قعدہ اخیرہ کر چکا ہے تو جبتک اس رکعت کا سجدہ نہ کرے لوٹ آئے اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے اور اگر قیام ہی کی حالت میں سلام پھیر دیا تو بھی نماز ہو جائے گی مگر سنت کا ترک لازم آئیگا اور اس صورت میں امام اگر کھڑا ہو گیا تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دیں بلکہ بیٹھے ہوئے انتظار کریں اگر لوٹ آیا تو ساتھ ہو لیں اور نہیں لوٹا اور سجدہ کر لیا تو مقتدی سلام پھیر دیں

اور امام ایک رکعت اور ملائے کہ وہ سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے بس اس کی فرض نماز پوری ہو جائے گی اور دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ فرض اس لئے پوری ہو گی کہ نماز کا کوئی رکن نہیں چھوٹا صرف لفظ سلام جو واجب ہے وہ رہ گیا اس لئے اس کی تکمیل سجدۂ سہو سے کی گئی اور ایک رکعت ملانے کا حکم اس لئے ہے کہ تنہا ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت ہے۔

وَمَنْ شَكَّ فِي صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ اَثَلٰثًا صَلّٰى اَمْ اَرْبَعًا وَذٰلِكَ اَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهٗ اِسْتَانَفَ الصَّلٰوةَ فَاِنْ كَانَ يَعْرِضُ لَهٗ كَثِيْرًا بَنٰى عَلٰى غَالِبِ ظَنِّهٖ اِنْ كَانَ لَهٗ ظَنٌّ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ ظَنٌّ بَنٰى عَلَى الْيَقِيْنِ

ترجمہ: ـــــ اور جو شخص اپنی نماز میں شک کرے اور نہ جانے کہ تین رکعتیں پڑھا ہے یا چار اور وہ بھول اس کو پہلی بار عارض ہوئی ہے تو نماز از سر نو پڑھے اور اگر اس کو بکثرت بھول عارض ہوتی ہے تو اپنے غالب گمان پر بنا کرے اگر اس کو غالب گمان ہو اور اگر گمان غالب نہ ہو تو یقین پر بنا کرے۔

تشریح: ـــــ قولہ ومن شک۔ یعنی جس شخص کو رکعت کی تعداد میں شک ہو کہ تین رکعتیں ہوئیں ہیں یا چار اور بلوغ کے بعد اگر یہ پہلا اتفاق ہے تو اس کو سرے سے پڑھے اور اگر اس کو شک بارہا ہوتا ہو تو اگر غالب گمان کی طرف ہو تو اسی کے مطابق عمل کرے ورنہ کم کی جانب جو یقین ہے اس کو اختیار کرے کہ تین اور چار میں تین یقینی ہے اور دو اور تین میں دو یقینی وعلیٰ ہذا القیاس اور اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں مگر جبکہ سوچنے میں بقدر ایک رکن کے وقفہ کیا ہو تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ

ترجمہ: ـــــ بیمار کی نماز کے مسائل کا بیان

اِذَا تَعَذَّرَ عَلَى الْمَرِيْضِ الْقِيَامُ صَلّٰى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ اَوْمٰى اِيْمَاءً وَجَعَلَ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ وَلَا يَرْفَعُ اِلٰى وَجْهِهٖ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ

ترجمہ: ـــــ بیمار پر جب کھڑا ہونا دشوار ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے رکوع اور سجدہ کرے بس اگر رکوع اور سجدہ

بھی نہ کر سکے تو اشارہ سے پڑھے اور سجدہ کو رکوع کی بہ نسبت زیادہ پست کرے اور اپنے چہرہ کی طرف کسی ایسی چیز کو نہ اٹھائے کہ جس پر وہ سجدہ کرے۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] باب صلوٰۃ المریض۔ اس سے قبل صحیح و تندرست کی نمازوں کا ذکر تھا اور اب بیمار کی نمازوں کا ذکر ہے اور سجدہ سہو کے بعد اس کو اس لئے بیان کیا گیا کہ سہو جس طرح عارض سماوی سے ہوتا ہے اسی طرح بیماری بھی لیکن سہو چونکہ عام ہے کہ وہ تندرست کو بھی عارض ہوتا ہے اور بیمار کو بھی اس لئے عام کے بعد خاص کو بیان کیا گیا۔

قولہ[۲] اذا تعذر۔ یعنی جو شخص بیماری کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے مجبور ہو کر اس سے ضرر لاحق ہوتا ہے یا مرض بڑھنے کا امکان قوی ہے یا دیر میں اچھا ہو گا یا چکر آتا ہے یا کھڑے ہو کر پڑھنے سے قطرہ آجاتا ہے یا بہت شدید درد ناقابل برداشت پیدا ہو جاتا ہے تو ان تمام صورتوں میں بیٹھ کر رکوع و سجدہ کے ساتھ نماز پڑھے اور اگر رکوع و سجود بھی نہ کر سکے تو اشارہ سے نماز پڑھے۔

قولہ[۳] وجعل السجود۔ اشارہ سے پڑھنے کی صورت میں سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے پست کرے مگر یہ لازم نہیں کہ سر کو بالکل زمین سے قریب کر دے اور سجدہ کیلئے تکیہ وغیرہ کو پیشانی کے قریب اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ پیشانی میں زخم ہو کر سجدہ کیلئے ماتھا نہیں لگا سکتا تو ناک پر سجدہ کرے اور اگر ناک پر بھی سجدہ نہ کر سکے تو نماز نہ ہوگی۔

فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ اسْتَلْقٰى عَلٰى قَفَاهُ وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْقِبْلَةِ وَاَوْمٰى بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَاِنِ اضْطَجَعَ عَلٰى جَنْبِهٖ وَوَجْهُهٗ اِلَى الْقِبْلَةِ وَاَوْمٰى جَازَ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْاِيْمَاءَ[۱] بِرَاْسِهٖ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ وَلَا يُوْمِىْ بِعَيْنِهٖ وَلَا بِحَاجِبِهٖ وَلَا بِقَلْبِهٖ

ترجمہ: ــــــ پس اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو چت لیٹ جائے اور اپنے پاؤں کو قبلہ کی جانب کرے اور رکوع و سجود اشارہ سے کرے اور اگر کروٹ پر لیٹ جائے اور منہ اس کا قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ سے پڑھے تو بھی جائز ہے اور اگر سر سے بھی اشارہ نہ کر سکے تو نماز کو مؤخر کر دے اور آنکھوں اور بھوؤں اور دل سے اشارہ نہ کرے۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] فان لم یستطع القعود۔ یعنی بیمار اگر بیٹھنے پر بھی قدرت نہ رکھے تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھے عام ہے کہ دائیں یا بائیں لیٹ کر قبلہ کو مونہہ کرے یا چت لیٹ کر قبلہ کو پاؤں کرے مگر پاؤں نہ

پھیلانے کہ قبلہ کو پھیلانا مکروہ ہے بلکہ گھٹنے کھڑے رکھے اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر اونچا کرے کہ منہ قبلہ کو ہو جائے اور یہ صورت یعنی چت لیٹ کر پڑھنا افضل ہے۔

قولہ الایماء براسہ۔ یعنی بیماری اگر اتنی بڑھ جائے کہ اشارہ بھی نہ کر سکے تو نماز ساقط ہو جائے گی اس کی ضرورت نہیں کہ آنکھ یا بھووں یا دل کے اشارہ سے پڑھے۔

بیمار اگر قبلہ کی طرف نہ خود سے منہ کر سکے اور نہ دوسرے کے ذریعے سے تو وہ ویسے ہی پڑھ لے اور صحت کے بعد اس نماز کا اعادہ نہیں اور اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو کہ اس کے کہنے سے اس کو قبلہ رو کر دے گا تو کہنا ضروری ہے اور اگر نہ کہا اور نماز پڑھ لیا تو نہ ہوئی اور اشارہ سے جو نمازیں پڑھی گئیں صحت کے بعد ان کا اعادہ نہیں اسی طرح اگر زبان بند ہو گئی اور گونگا کی طرح نماز پڑھ لی پھر اس کی زبان کھل گئی تو ان نمازوں کا اعادہ نہیں۔

فَاِنْ قَدَرَ عَلَی الْقِیَامِ وَلَمْ یَقْدِرْ عَلَی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ لَمْ یَلْزَمْہُ الْقِیَامُ وَجَازَ اَنْ یُّصَلِّیَ قَاعِدًا یُوْمِیْ اِیْمَاءً فَاِذَا صَلَّی الصَّحِیْحُ بَعْضَ صَلَاتِہٖ قَائِمًا ثُمَّ حَدَثَ بِہٖ مَرَضٌ اَتَمَّھَا قَاعِدًا یَرْکَعُ وَیَسْجُدُ وَیُوْمِیْ اِیْمَاءً اِنْ لَّمْ یَسْتَطِعِ الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ اَوْ مُسْتَلْقِیًا اِنْ لَّمْ یَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ

ترجمہ: — پس اگر قیام پر قادر ہو اور رکوع و سجود نہیں تو اس پر قیام لازم نہیں اور جائز ہے اشارہ سے بیٹھ کر پڑھے پس اگر تندرست نے بعض نماز کو کھڑے ہو کر پڑھا پھر اس کو بیماری لاحق ہوئی تو اس نماز کو بیٹھ کر رکوع و سجود سے پوری کرے اور اشارہ سے پڑھے اگر رکوع و سجود نہ کر سکتا ہو یا چت لیٹ کر اگر بیٹھ بھی نہ سکتا ہو۔

تشریح: — قولہ فان قدر۔ یعنی کھڑا ہونے پر قدرت ہو لیکن رکوع و سجود پر نہیں یا صرف سجود پر قدرت نہ ہو مثلاً حلق وغیرہ میں پھوڑا ہو کہ سجدہ کرنے سے بہنے گا تو وہ بیٹھ کر اشارہ سے پڑھے بلکہ یہی بہتر ہے اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھے اور رکوع کیلئے اشارہ کرے یا رکوع پر قادر ہو تو رکوع کرے لیکن سجود کے لئے بیٹھ کر اشارہ کرے۔

قولہ فاذا صلی۔ نماز جب پڑھ رہا تھا تو تندرست تھا لیکن درمیان میں وہ بیمار پڑ گیا کہ ارکان کی ادائیگی اس سے نہیں ہو پاتی۔ تو جس طرح ممکن ہو بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پوری کرے۔ سرے سے پڑھنے کی ضرورت نہیں اور یہی قول معتبر ہے کیونکہ باقی نماز چونکہ ادنیٰ ہے اس لئے اعلیٰ پر ادنیٰ کی بناء جائز ہو جائے گی لیکن ابو یوسف نے

فرمایا کہ نماز از سر نو پڑھے ۔

وَمَنْ صَلّٰی قَاعِدًا یَرْکَعُ وَیَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ بَنٰی عَلٰی صَلٰوتِہٖ قَائِمًا فَاِنْ صَلّٰی بَعْضَ صَلٰوتِہٖ بِاِیْمَاءٍ ثُمَّ قَدَرَ عَلَی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اِسْتَانَفَ الصَّلٰوۃَ وَمَنْ اُغْمِیَ عَلَیْہِ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فَمَا دُوْنَھَا قَضَاھَا اِذَا صَحَّ وَاِنْ فَاتَتْہُ بِالْاِغْمَاءِ اَکْثَرُ مِنْ ذٰلِکَ لَمْ یَقْضِ

ترجمہ : ــــــ اور جو شخص بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع وسجود کر کے نماز پڑھے پھر تندرست ہو جائے تو وہ اپنی نماز پر کھڑے ہو کر بنا کرے پس اگر اپنی بعض نماز کو اشارہ سے پڑھا پھر رکوع وسجود پر قادر ہو گیا تو وہ از سر نو نماز پڑھے اور جس شخص پر پانچ نمازوں سے کم میں بیہوشی طاری رہی تو جب وہ تندرست ہو جائے تو ان کی قضا کرے اور اگر بے ہوشی کی وجہ سے اس سے زیادہ نمازیں فوت ہوئیں تو ان کی قضا نہ کرے ۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] ومن صلّٰی[۱] ۔ یعنی جو شخص بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع وسجود سے نماز پڑھ رہا تھا کہ درمیان میں وہ قیام پر قادر ہو گیا تو اب جو نماز باقی رہ گئی شیخین کے نزدیک وہ اسی پر بناء کرے یعنی کھڑا ہو کر پڑھے اور اگر اشارہ سے نماز پڑھ رہا تھا درمیان میں وہ رکوع وسجود پر قادر ہو گیا تو سرے سے پڑھے ۔ امام محمد نے کہا کہ صورت ثانیہ کی طرح صورت اولیٰ میں بھی سرے سے نماز پڑھے اور امام زفر نے کہا کہ دونوں صورتوں میں بنا کرے یہ مسئلہ حقیقۃً اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ نماز کے آخری حصہ کی بناء پہلے حصہ پر بالکل ایسا ہی ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے لہٰذا جن صورتوں میں اقتدا درست ہے ان ہی صورتوں میں بناء بھی درست ہو گی اور شیخین کے نزدیک بیٹھنے والے کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی اقتدا درست ہے پس ان کے نزدیک صرف پہلی صورت میں بناء درست ہو گی دوسری صورت میں نہیں اور امام محمد نے کہا کہ اقتدا مذکور چونکہ درست نہیں اس لئے بناء بھی درست نہیں لیکن امام زفر کے نزدیک چونکہ اشارہ کرنے والے کے پیچھے رکوع وسجود درست نہیں اس لئے بناء بھی درست نہیں لیکن امام زفر کے نزدیک چونکہ وہ دونوں صورتوں میں بناء کو جائز قرار دیتے ہیں ۔

قولہ[۲] من اغمی ۔ یعنی جس شخص کو پانچ یا اس سے کم وقتوں کی نمازوں میں بے ہوشی یا جنون طاری رہا تو وہ ان نمازوں کی قضا کرے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ وقتوں میں بے ہوشی وجنون طاری رہا تو وہ ان کی قضا نہ کرے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چار نمازوں تک بے ہوشی طاری رہی تو آپ نے اس کی قضا فرمایا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن اور ایک رات سے

زیادہ بے ہوش رہے تو آپ نے ان کی قضا نہیں فرمایا۔

بابُ سُجُودِ التلاوۃ

ترجمہ: ــــــــ سجدۂ تلاوت کے مسائل کا بیان

فی القرآنِ اربعۃَ عشرَ سجدۃً فی آخرِ الاعرافِ وفی الرعدِ وفی النحلِ وفی بنی اسرائیلَ و مریمَ والاولیٰ فی الحجِ والفرقانِ والنملِ والم تنزیلِ وصٓ وحمٓ السجدۃِ والنجمِ والانشقاقِ والعلقِ والسجودُ واجبٌ فی ھٰذہِ المواضعِ علی التالی والسامعِ سواءٌ قصدَ سماعَ القرآنِ اولم یقصدْ

ترجمہ: ــــــــ قرآن میں چودہ سجدے ہیں سورۂ اعراف کے اخیر میں اور سورۂ رعد اور سورۂ نحل اور سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ مریم اور پہلا سجدہ سورۂ حج میں اور سورۂ فرقان اور سورۂ نمل اور سورۂ الم تنزیل اور سورۂ صٓ اور سورۂ حم السجدہ اور سورۂ نجم اور سورۂ انشقاق اور سورۂ علق میں۔ اور پڑھنے والا اور سننے والا پر ان تمام جگہوں میں سجدہ واجب ہے۔ قرآن سننے کا خواہ ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

تشریح: ــــــــ قولہ باب سجود التلاوۃ۔ سجود جمع ہے سجدہ کی وہ مسبب ہے تلاوت کا یا اس کا حکم ہے پس سجود کی اضافت تلاوت کی طرف اضافۃ المسبب الی السبب یا اضافۃ الحکم الی السبب کے قبیل سے ہے اور سجدۂ تلاوت جو قرآن میں ہے اس کی تعداد سے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ گیارہ کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے پندرہ کا قول کیا ہے۔ چنانچہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے اقرءُ الخمسَ عشرۃَ فی القرآنِ اور امام شافعی چودہ کے قائل ہیں یہی قول احناف کا ہے لیکن احناف سورۂ حج میں ایک سجدہ مانتے ہیں اور امام شافعی دو سجدے اور سورۂ صٓ میں احناف کے نزدیک سجدہ ہے امام شافعی کے نزدیک نہیں۔ دلیل امام شافعی کی حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے لیسَ صٓ من عزائمِ السجودِ اور دلیل احناف کی حضرت ابوسعید الخدری کی یہ حدیث ہے قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی المنبرِ صٓ فلما بلغ السجدۃَ نزلَ فسجدَ وسجدَ الناسُ معہٗ یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر سورۂ صٓ تلاوت کی اور جب آیت سجدہ پر پہونچے تو منبر سے اُترے اور سجدہ کئے اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔

قولہ[۱] فی القرآن اربعۃ عشر۔ یعنی قرآن میں سجدہ کی چودہ[۱۴] آیتیں ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) سورۂ اعراف کی آخر آیت ان الذین الخ تا ولہ یسجدون (۲) سورۂ رعد میں یہ آیت وللہ یسجد الخ تا والآصال (۳) سورۂ نحل میں یہ آیت وللہ یسجد الخ تا لایستکبرون (۴) سورۂ بنی اسرائیل میں یہ آیت ان الذین الخ تا خشوعاً (۵) سورۂ مریم میں یہ آیت اذا تتلی الخ تا بکیاً (۶) سورۂ حج میں پہلا مقام جہاں سجدہ کا ذکر کیا ہے یعنی یہ آیت الم تر الخ تا ما یشاء (۷) سورۂ فرقان میں۔ یہ آیت واذا قیل الخ تا نفوراً (۸) سورۂ نمل میں یہ آیت الا یسجدوا الخ تا العظیم (۹) سورۂ الم تنزیل میں یہ آیت ومن آیاتہ الخ تا لایستکبرون (۱۰) سورۂ ص میں یہ آیت فاستغفر الخ تا مآب (۱۱) سورۂ حم السجدہ میں یہ آیت ومن آیاتہ الخ تا لایسأمون (۱۲) سورۂ نجم میں فاسجدوا للہ واعبدوا (۱۳) سورۂ انشقاق میں یہ آیت فما لہم الخ تا لایسجدون (۱۴) سورۂ اقرأ میں یہ آیت واسجد واقترب۔

قولہ[۲] والسجود واجب۔ مذکورہ مقاموں میں احناف کے نزدیک عملاً سجدہ کرنا واجب ہے اس لئے کہ تمام آیتیں وجوب سجدہ پر دال ہیں کیونکہ آیت سجدہ تین طرح کی ہوتی ہے۔ اول وہ جن میں صریح امر ہے جو مقتضی وجوب ہے دوم وہ جن میں انبیاء کرام کا فعل مذکور ہے اور ظاہر ہے انبیاء کی اقتدا ضروری ہے سوم وہ جن میں سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت ہے اور مستحق مذمت ترک واجب ہی سے ہوتا ہے۔

قولہ[۳] علی التالی والسامع۔ تالی اور سامع یعنی آیت سجدہ تلاوت کرنے والا اور سننے والا دونوں پر سجدہ واجب ہے۔ تلاوت کرنے میں یہ شرط ہے کہ اتنی آواز ہو کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو خود سن سکے اور سننے والا کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قصداً سنا جائے کیونکہ بلا قصد سننے پر بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

وجوب سجدہ کیلئے پوری آیت کا تلاوت کرنا ضروری نہیں بلکہ وہ کافی ہے جس میں سجدہ کا مادہ پایا جائے اور اس کے ساتھ قبل یا بعد کا کوئی لفظ ملا یا جائے اور اگر آیت سجدہ اتنی آواز سے تلاوت کی گئی کہ سنی جا سکتی تھی لیکن شور و غل یا بہرا پن کی وجہ سے نہیں سنی جاتی تو سجدہ واجب ہو جائے گا اور اگر صرف ہونٹوں میں جنبش پیدا ہو اور آواز نہ نکلے تو سجدہ واجب نہ ہو گا۔

فَاِذَا تَلَا[۱] الْاِمَامُ اٰیَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَ الْمَامُوْمُ مَعَهٗ فَاِنْ تَلَا[۲] الْمَامُوْمُ لَمْ یَلْزَمِ الْاِمَامُ وَلَا الْمَامُوْمَ السُّجُوْدُ وَاِنْ سَمِعُوْا وَهُمْ فِی الصَّلٰوةِ اٰیَةَ السَّجْدَةِ مِنْ رَجُلٍ لَیْسَ مَعَهُمْ فِی الصَّلٰوةِ لَمْ یَسْجُدُوْهَا فِی الصَّلٰوةِ وَسَجَدُوْهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَاِنْ سَجَدُوْهَا فِی الصَّلٰوةِ لَمْ یُجْزِهِمْ وَلَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُمْ

ترجمہ۔ —— پس جب امام آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو وہ سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کریں

اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ نہ امام پر لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر اور اگر لوگوں نے نماز میں آیت سجدہ کسی ایسے شخص سے سنا جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں تو وہ نماز میں سجدہ نہ کریں بلکہ نماز کے بعد سجدہ کریں پس اگر ان لوگوں نے نماز میں سجدہ کر لیا تو وہ سجدہ ان کو کافی نہ ہوگا اور ان کی نماز فاسد نہ ہوگی ۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] فاذا تلا الامام ۔ یعنی امام نے اگر آیت سجدہ تلاوت کی تو وہ سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کریں کیونکہ مقتدی پر امام کی اتباع لازم و ضروری ہے اور اگر امام نے آیت سجدہ تلاوت کی لیکن انہوں نے سجدہ نہ کیا تو مقتدی بھی اس کے اتباع میں سجدہ نہ کریں اگر چہ انہوں نے آیت سنی ہو ۔

قولہ[۲] وان تلا الماموم ۔ یعنی کسی مقتدی نے اگر آیت سجدہ تلاوت کی تو نہ خود اس پر سجدہ واجب ہوگا اور نہ امام پر اور نہ دوسرے مقتدیوں پر ۔ نہ نماز میں اور نہ اس کے بعد ۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے لیکن امام محمد نے کہا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان پر سجدہ لازم ہوگا چونکہ سجدہ کا سبب یعنی تلاوت کا تحقق ہو چکا ہے اور نماز میں اس لئے لازم نہیں کہ قلب موضوع نہ ہو جائے شیخین نے کہا کہ مقتدی شرعاً قرات سے محجور ہے والمحجور لا یجوز لہ التصرف ۔ اور اگر دوسرے نمازی نے کہ اس کے ساتھ نماز میں شریک نہ تھا آیت سنی خواہ وہ منفرد ہو یا دوسرے امام کا مقتدی یا دوسرا امام تو وہ نماز میں سجدہ نہ کرے بلکہ نماز کے بعد سجدہ کرے اور اگر نماز ہی میں سجدہ کر لیا تو کافی نہ ہوگا کیونکہ یہ اداء ناقص ہے اور جو چیز اداء ناقص ہو اس کا اعادہ ضروری ہوتا ہے لہٰذا نماز کے بعد اعادہ ضروری ہے اور سجدہ چونکہ افعال نماز سے ہے اس لئے شیخین کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی ۔ امام محمد نے کہا کہ فاسد ہو جائے گی لیکن اصح قول شیخین کا ہے ۔

وَمَنْ تَلَا آیَةَ سَجْدَةٍ خَارِجَ الصَّلٰوةِ وَلَمْ یَسْجُدْ هَا حَتّٰی دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا وَسَجَدَ اَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلَاوَتَیْنِ وَاِنْ تَلَاهَا فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوةِ فَسَجَدَ هَا ثُمَّ دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا سَجَدَ هَا ثَانِیًا وَلَمْ یُجْزِهِ السَّجْدَةُ الْاُوْلٰی وَمَنْ[۲] کَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ فِیْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ اَجْزَأَتْهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ وَمَنْ اَرَادَ السُّجُوْدَ کَبَّرَ وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ کَبَّرَ وَرَفَعَ رَاْسَهٗ وَلَا تَشَهُّدَ عَلَیْهِ وَلَا سَلَامَ

ترجمہ: ــــــ اور جس کسی نے نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ نہ کیا یہاں تک کہ نماز میں داخل ہو گیا پس اسی آیت کو تلاوت کیا اور سجدہ کیا تو اس کو وہ سجدہ دونوں تلاوتوں کی طرف سے کافی ہوگا اور اگر نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کر لیا پھر نماز میں داخل ہوا پس وہی آیت تلاوت کر کے دوبارہ سجدہ کیا تو اس کو پہلا سجدہ کافی نہ ہوگا اور جس نے آیت سجدہ کو ایک مجلس میں بار بار تلاوت کی تو اس کو صرف ایک سجدہ کافی ہوگا اور جو سجدہ

تلاوت کا ارادہ کرے تو وہ تکبیر کہے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھائے اور سجدہ میں چلا جائے پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے اور اس پر نہ تشہد ہے اور نہ سلام۔

تشریح: ــــــ قولہ ومن تلا آیۃ۔ یعنی جو شخص نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کیا اور ابھی سجدہ نہ کر پایا تھا کہ نماز شروع کر کے پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور سجدہ بھی کیا تو یہ دوسرا سجدہ پہلا سجدہ کیلئے کافی ہو جاتے گا یعنی دوسرے سجدہ سے پہلا سجدہ بھی ادا ہو جاتے گا اگر چہ پہلے سجدہ کی نیت بھی نہ کی ہو کیونکہ نماز کا سجدہ افضل ہوتا ہے غیر نماز کے سجدہ سے پس سجدۂ ثانیہ قوی ہوا سجدہ اولیٰ سے اسی بناء پر یہ سجدہ سجدہ اولیٰ کو اپنے تابع کرے گا اور اگر نماز شروع کرنے سے پہلے سجدہ کر چکا ہے تو اس کو نماز میں دوبارہ سجدہ کرنا پڑے گا اور نماز کا سجدہ چونکہ قوی ہوتا ہے اس لئے یہ سجدہ سجدۂ اولیٰ کے تابع نہ ہوگا

قولہ من کرر۔ جس نے مجلس واحد یعنی ایک جگہ بیٹھ کر اگر سجدہ کی آیت کو بار بار تلاوت کیا تو اس کو صرف ایک بار سجدہ کر لینا کافی ہو جائے گا کیونکہ آیت اور مجلس اگر دونوں ایک ہوں تو اس کیلئے ایک ہی سجدہ کافی ہو جاتا ہے اور اگر دونوں مختلف ہوں تو دو سجدے لازم ہوتے ہیں۔

قولہ من اراد السجود۔ یعنی سجدہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کھڑا ہو کر بغیر دونوں ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور کم سے کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے پھر اللہ اکبر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے۔ دونوں بار اللہ اکبر کہنا سنت ہے اور کھڑے ہو کر سجدہ میں جانا اور سجدہ کے بعد کھڑا ہونا دونوں مستحب ہیں اور یہ بھی کہ تلاوت کرنے والا آگے اور سننے والا اس کے پیچھے صف باندھ کر سجدہ کریں اور نیز یہ بھی کہ سننے والا اس سے پہلے سر نہ اٹھائے۔ اور اگر اسکے خلاف کیا یعنی اپنی جگہ پر سجدہ کیا اگر چہ تلاوت کرنے والا کے آگے یا اس سے پہلے سجدہ کیا یا سر اٹھایا یا تلاوت کرنے والا نے اس وقت سجدہ نہ کیا اور سننے والا نے کر لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بَابُ صلوٰۃ المسافر

ترجمہ: ــــــ مسافر کی نمازوں کے مسائل کا بیان

السفرُ الذی یتغیّرُ بہ الاحکامُ ھو اَنْ یقصدَ الانسانُ موضعاً بینَہٗ وبینَ المقصدِ مسیرۃَ ثلاثۃِ ایامٍ سیرَ الابلِ ومشیِ الاقدامِ ولا معتبرَ فی ذلکَ بالسیرِ فی الماءِ

ترجمہ: ــــــ وہ سفر کہ جس سے احکام بدل جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ آدمی ایسی جگہ کا ارادہ کرے کہ اس کے اور اس

جگہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو اونٹ یا پیدل کے رفتار سے اور اس میں دریائی رفتار کا کوئی اعتبار نہیں ۔

تشریح: ——— قولہ[1] باب صلوٰۃ المسافر بحث سفر کو بحث تلاوت کے بعد اس لئے بیان کیا گیا کہ سفر امر مباح ہے اگرچہ حج وغیرہ کی وجہ سے وہ عبادت میں شمار کیا جاتا ہے جب کہ تلاوت خالص عبادت ہے۔ اس لئے پہلے بحث تلاوت کو بیان کیا گیا پھر اس کے بعد بحث سفر کو!۔

قولہ[2] السفر الذی ـ سفر لغت میں بمعنی ظہور ہے اور سفر سے چونکہ آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں یا اس سے زمین کا حال ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس کو سفر کہا جاتا ہے اور سفر اصطلاح شرع میں اس مسافت کے قصد کرنے کو کہا جاتا ہے جو عادۃً تین دن اور تین رات میں طے ہو۔ دن سے مراد سال کا سب سے چھوٹا دن ہے اور تین دن کی راہ سے مراد وہ نہیں کہ صبح سے شام تک چلتا رہے بلکہ دن کا اکثر حصہ ہے مثلاً صبح صادق سے دوپہر ڈھلنے تک چلے پھر ٹھہر جائے اسی طرح دوسرے اور تیسرے دن کرے اور دوپہر تک چلنے سے مراد مسلسل نہیں بلکہ عادۃً آرام کرتا ہوا اور چلنا بھی تیز رفتار سے نہیں بلکہ معتدل اور میانہ روی سے خشکی مسطح زمین کی راہوں میں پیدل یا اونٹ کی رفتار سے ہے لیکن پہاڑوں میں اسی حساب سے جو اس کے مناسب ہو اور خشکی و مسطح زمین میں معتاد رفتار سے تین دن کا سفر ہو لیکن اگر گھوڑا یا موٹر سائیکل یا بس یا ٹرین سے چند گھنٹوں میں پہونچ جائے تو وہ مسافر ہی کہلائے گا۔ میل کے اعتبار سے اس کی مسافت، ۵۷ ۳/۸ میل ہے اور کلو میٹر کے اعتبار سے ۹۲ کلو میٹر ہے

قولہ[3] لا معتبر فی ذلک ـ سفر دریا میں خشکی کی رفتار کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ ہر ایک میں اس کے مناسب رفتار کا اعتبار ہے یعنی دریا کے سفر میں اس طرح ہو کہ ہوا نہ بالکل تیز ہو اور نہ رکی ہو اور نہ مخالف سمت ہو چنانچہ اگر کوئی شخص کہیں جانا چاہے اور وہاں تک پہونچنے کیلئے دو راستے ہوں ایک خشکی کا اور دوسرا تری کا اور ایک راہ سے اگر تین دن کی مدت لگتی ہے تو دوسری سے دریا اس سے کم تو بتقدیر اول مسافر کہلائے گا اور بتقدیر دوم مقیم!

وفرضُ[1] المسافرِ عندنا فی کلِّ صلوٰۃٍ رباعیۃٍ رکعتانِ ولا یجوزُ لہُ الزیادۃُ علیہا فانْ[2] صلی اربعاً وقد قعدَ فی الثانیۃِ مقدارَ التشہدِ اجزاتہُ الرکعتانِ عن فرضِہ وکانت الاُخریانِ لہُ نافلۃً وانْ لم یقعدْ فی الثانیۃِ مقدارَ التشہدِ بطلت صلوتُہٗ

ترجمہ: ——— اور مسافر کا فرض ہمارے نزدیک ہر چار رکعت والی نماز میں دو رکعتیں ہیں اس سے زیادہ اس کیلئے جائز نہیں پس اگر اس نے چار پڑھ لیا اور قعدۂ ثانیہ میں مقدار تشہد بیٹھ گیا تو دو رکعتیں اس کے فرض

کی طرف سے کافی ہو جائیں گی اور آخری دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور اگر قعدۂ ثانیہ میں بقدر تشہد نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

تشریح: ——— قولہ۱ وفرض المسافر۔ مسافر پر احناف کے نزدیک نماز میں قصر کرنا ضروری ہے یعنی چار رکعت والی نماز کو دو رکعتیں پڑھے کیونکہ اس کے حق میں دو ہی رکعتیں پوری نماز ہے چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نماز پہلے دو ہی رکعتیں فرض تھیں اور سفر کی نماز اپنے حال پر برقرار ہے البتہ حضر کی نماز میں اضافہ ہو گیا ہے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔ اور امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول میں قصر کرنا رخصت ہے لیکن چار رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔

قولہ۲ فان صلی اربعاً۔ یعنی اگر مسافر نے دو کے بجائے چار رکعتیں پڑھا اور اول دو پر قعدہ کیا تو اس کے فرض پورے ہو جائیں گے اور بعد کی دو رکعتیں جو زائد ہو ئیں نفل ہو جائیں گی لیکن قصداً ایسا کرنا منع ہے اور اگر دو رکعتوں پر قعدہ نہیں کیا تو فرض نماز ادا نہ ہوگی کیونکہ واجب (قعدہ) کو چھوڑ دیا بلکہ وہ پوری نفل ہو جائیں گی البتہ اگر تیسری رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے اقامت کی نیت کر لی تو فرض باطل نہ ہوگی مگر قیام و رکوع کا اعادہ ضروری ہوگا اور اگر تیسری رکعت کے سجدہ میں نیت کی تو فرض نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح اگر پہلی دونوں یا ایک میں قرأت نہ کی تو بھی نماز باطل ہو جائے گی۔

وَمَنْ خَرَجَ۱ مسافراً صلّی رکعتین اذا فارق بیوتَ المصرِ ولا یزال علی حکمِ المسافرِ حتی ینوی الاقامۃَ فی بلدٍ خمسۃَ عشرَ یوماً فصاعداً فیلزمہُ الاتمامُ فان نوی الاقامۃَ اقلَّ من ذلکَ لم یتمّ۲ ومَن دخلَ بلداً ولم ینوِ اَن یقیمَ منہُ خمسۃَ عشرَ یوماً وانما یقولُ غداً اَخرجُ او بعدَ غدٍ اَخرجُ حتی بقیَ علی ذلکَ سنینَ صلّی رکعتینِ

ترجمہ: ——— اور جو شخص سفر کے ارادہ سے نکلا تو وہ شہر کی آبادی سے نکلتے ہی دو رکعت پڑھے اور وہ مسافر کے حکم میں رہے گا یہاں تک کہ کسی شہر میں پندرہ روز یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے پس اس کو پوری پڑھنا لازم ہوگا اور اگر اس سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو پوری نہ پڑھے اور جو کوئی شہر میں گیا اور وہ پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہیں کی بلکہ یہ کہتا رہا کہ کل جاؤں گا یا پرسوں یہاں تک کہ اسی طرح کئی سال گزر گئے تو وہ دو ہی رکعتیں پڑھتا رہےگا

تشریح: ——— قولہ۱ ومن خرج۔ مسافر محض نیت سفر سے نہ ہوگا بلکہ اس کا حکم اس وقت سے جاری

ہوگا جب کہ آبادی سے باہر ہو جائے شہر میں ہو تو شہر سے اور گاؤں میں ہو تو گاؤں سے اور شہر والوں کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ شہر کے آس پاس جو آبادی شہر سے متصل ہے اس سے بھی باہر ہو جائے تو قصر شروع ہو جائے گا یعنی چار رکعت والی نماز کو دو رکعت پڑھے گا یہ اس وقت جبکہ مدت سفر کرنے سے پہلے وطن واپسی کا ارادہ کرے یا مدت سفر پوری کر کے وطن واپس آجائے یا دوسرے مقام پر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرلے بشرطیکہ وہ جگہ دار الحرب نہ ہو اور نہ وہ خود کسی کے تابع ہو اور نیت میں کوئی تردد بھی نہ ہو چنانچہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر کی روایت ہے سرکار کا قول ہے کہ جب تو کسی شہر میں مسافر ہو کر آؤ اور وہاں پندرہ روز تک ٹھہرنے کا ارادہ رکھو تو اپنی نماز کو پوری پڑھو ورنہ قصر کیا کرو، امام مالکؒ اور امام شافعی نے چار دن کی اقامت پر بھی نماز پوری پڑھنے کا قول کیا ہے۔

قولہ[۹] ومن دخل بلدًا۔ یعنی جب کوئی مسافر کسی شہر میں کسی کام سے گیا یا ساتھیوں کے انتظار میں دو چار روز یا تیرہ چودہ روز کی نیت سے ٹھہرا رہا اور یہ ارادہ کیا کہ کام ہو جائے گا تو چلا جاؤں گا اس طرح کئی برس گذر گئے تو وہ مسافر ہی کہلائے گا یعنی نماز چار کی دو رکعتیں ہی پڑھے گا۔

وَاِذَا[۱] دَخَلَ الْعَسْکَرُ فِیْ اَرْضِ الْحَرْبِ فَنَوُوا الْاِقَامَةَ خَمْسَةَ عَشَرَ یَوْمًا لَمْ یُتِمُّوا الصَّلٰوةَ وَاِذَا[۲] دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِیْ صَلٰوةِ الْمُقِیْمِ مَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ اَتَمَّ الصَّلٰوةَ وَاِنْ دَخَلَ مَعَهٗ فِیْ فَائِتَةٍ لَمْ تُجْزِ صَلٰوتُهٗ خَلْفَهٗ وَاِذَا[۳] صَلَّی الْمُسَافِرُ بِالْمُقِیْمِیْنَ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتَمَّ الْمُقِیْمُوْنَ صَلٰوتَهُمْ وَیُسْتَحَبُّ لَهٗ اِذَا سَلَّمَ اَنْ یَّقُوْلَ لَهُمْ اَتِمُّوْا صَلٰوتَکُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ

ترجمہ: ـــــ اور جب کوئی لشکر دار الحرب میں پہونچ کر پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرے تو لشکر والے پوری نماز نہ پڑھیں اور جب مسافر کسی مقیم کی نماز میں داخل ہو جائے وقت باقی رہنے کے باوجود تو وہ پوری نماز پڑھے اور اس کے ساتھ اگر کوئی قضا نماز میں شریک ہوا تو اس کے پیچھے اس کی نماز نہ ہوگی اور جب مسافر مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے تو دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے اور مقیم لوگ اپنی نماز کو پوری کرلیں اور اس کے ساتھ مستحب ہے کہ سلام کے بعد یہ کہدے کہ آپ لوگ اپنی نماز کو پوری کرلیں چونکہ ہم مسافر ہیں

تشریح: ـــــ قولہ[۱] واذا دخل العسکر۔ یعنی مسلمانوں کا لشکر اگر دار الحرب میں داخل ہوا یا دار الحرب میں کسی قلعہ کا محاصرہ کیا تو مسافر ہی کہلائے گا یعنی پوری نماز نہ پڑھے گا اگرچہ پندرہ دن کی نیت کرلی ہو یعنی پندرہ روز

کی نیت کرنے سے بھی وہ لوگ مقیم نہ ہوں گے کیونکہ اگر وہ غالب آگئے تو وہاں ٹھہر جائیں گے اور اگر مغلوب ہو گئے تو پھر بھاگنا پڑے گا لہذا ان کا ٹھہرنا کوئی قابل اعتبار نہیں۔ اور ان کا مقیم نہ ہونا طرفین کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسف نے کہا کہ اگر وہ لوگ خیموں میں رہتے ہیں تو وہ اس نیت سے مقیم نہ ہوں گے اور اگر شہر میں قیام ہو تو اس نیت سے مقیم ہو جائیں گے۔

قولہ[۲] اذا دخل المسافر۔ یعنی مسافر اگر باوجود وقت باقی رہنے کے مقیم کا مقتدی ہو جائے تو وہ پوری نماز پڑھے گا کیونکہ امام کی اتباع کی وجہ سے مسافر کا فرض متغیر ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اس صورت میں مقتدی جو مسافر ہے قعدۂ اولیٰ اس پر بھی واجب ہو جائے گا فرض نہ رہے گا پس اگر امام نے قعدہ نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر مقیم نے مسافر کی اقتدا کی تو مقتدی پر بھی قعدۂ اولیٰ فرض ہو جائے گا اور مسافر نے مقیم کے پیچھے نماز شروع کر کے فاسد کر دی تو اب دو ہی پڑھے گا جبکہ تنہا پڑھے یا کسی مسافر کی اقتدا کرے اور اگر مقیم کی اقتدا کی تو چار پڑھے اور اگر مسافر مقیم کی قضا نماز میں شامل ہو تو اس کی نماز اس کے پیچھے جائز نہ ہوگی اس لئے کہ صحت اقتدا کیلئے ابتداء میں وقت کا ادا ہونا ضروری ہے پس اگر خروج وقت کے بعد اقتدا کی تو صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ وقت کے بعد مسافر کا فرض متغیر نہیں ہوتا۔

قولہ[۲] اذا صلی: یعنی مسافر جب مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے پھر لوگ اپنی نماز پوری کر لیں یعنی اکیلے اکیلے پڑھ لیں اور ان رکعتوں میں قرأت نہ پڑھیں کیونکہ یہ لاحق ہیں اور مسافر امام کیلئے مستحب ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ان سے یہ کہہ دے کہ آپ لوگ اپنی نماز پوری کر لیں اس لئے کہ ہم مسافر ہیں یعنی ہم نے مسافر ہونے کی وجہ سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا ہے۔

وَاِذَا دَخَلَ[۱] الْمُسَافِرُ مِصْرَہٗ اَتَمَّ الصَّلٰوۃَ وَاِنْ لَمْ یَنْوِ الْاِقَامَۃَ فِیْہِ وَمَنْ[۲] کَانَ لَہٗ وَطَنٌ[۳] فَانْتَقَلَ عَنْہُ وَیَتَوَطَّنُ غَیْرَہٗ ثُمَّ سَافَرَ فَدَخَلَ وَطَنَہُ الْاَوَّلَ لَمْ یُتِمَّ الصَّلٰوۃَ وَاِذَا[۴] نَوَی الْمُسَافِرُ اَنْ یُقِیْمَ بِمَکَّۃَ وَمِنًی خَمْسَۃَ عَشَرَ یَوْمًا لَمْ یُتِمَّ الصَّلٰوۃَ وَالْجَمْعُ[۵] بَیْنَ الصَّلَاتَیْنِ لِلْمُسَافِرِ یَجُوْزُ فِعْلًا وَلَا یَجُوْزُ وَقْتًا

ترجمہ: ــــــ اور جب مسافر اپنے شہر میں آجائے تو نماز پوری پڑھے اگرچہ وہاں اقامت کی نیت کی ہے اور جس شخص کا ایک وطن ہو اس نے وہاں سے منتقل ہو کر دوسری جگہ کو وطن بنا لیا پھر سفر کر کے پہلے وطن میں آیا تو وہ پوری نماز نہ پڑھے اور جب مسافر مکہ مدینہ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ پوری نماز نہ پڑھے اور مسافر کیلئے دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے فعلاً نہ کہ وقتاً۔

تشریح: ــــــ قولہ[1] واذا دخل المسافر۔ یعنی مسافر جب اپنے شہر میں پہونچے تو پوری نماز پڑھے اگرچہ وہاں ٹھہرنے کی نیت نہ کرے کیونکہ اس کا شہر اقامت کیلئے متعین ہے اور نیت کا محتاج نہیں۔

قولہ[2] من کان لہ وطن۔ یعنی جس کا کوئی وطن ہوا اور وہاں سے منتقل ہوکر دوسری جگہ اپنا وطن بنالے پھر سفر کرکے وطن اول میں آئے تو وہ پوری نماز نہ پڑھے یعنی قصر کرے کیونکہ اب وہ اس کا وطن نہ رہا اس لئے کہ سرکار مدینہ جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے پھر وہاں سے زیارت کیلئے کعبہ معظمہ آئے تو آپ نے خود کو مسافروں میں شمار فرمایا اور نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ مکہ والو! اپنی نماز کو پوری کرلو! کیونکہ ہم مسافر ہیں۔

قولہ[3] وطن۔ وطن کی دو قسمیں ہیں۔ وطن اصلی اور وطن اقامت۔ وطن اصلی وہ جگہ ہے جہاں اُس کی پیدائش ہوئی یا اُس کے گھر کے لوگ وہاں رہتے ہیں یا وہاں سکونت کرلی ہو اور یہ ارادہ کرلیا ہو کہ اب یہاں سے نہ جائے گا وطن اقامت وہ جگہ ہے جہاں مسافر نے پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے اور مسافر اگر کہیں شادی کرلیا اگرچہ وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ کرے مقیم ہوگیا۔ اور دو شہروں میں اس کی دو عورتیں رہتی ہوں تو دونوں جگہ پہنچتے ہی وہ مقیم ہوجائے گا اور ایک وطن اقامت دوسرے وطن اقامت کو باطل کردیتا ہے یعنی ایک جگہ پندرہ دن کے ارادہ سے ٹھہرا پھر دوسری جگہ اتنے ہی دن کے ارادہ سے ٹھہرا تو پہلی جگہ اب وطن اقامت نہ رہی اسی طرح وطن اقامت وطن اصلی سے باطل ہوجاتا ہے۔

قولہ[4] اذا نوی۔ یعنی مسافر اگر مکہ اور منیٰ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ پوری نماز نہ پڑھے کیونکہ مکہ و منیٰ دو الگ الگ جگہ ہیں اور مقیم ہونے کیلئے پندرہ روز کی نیت ایک ہی جگہ میں رہنا ضروری ہے۔

قولہ[5] والجمع بین۔ جمع دو قسم کا ہوتا ہے ایک فعلی اور دوسرا وقتی۔ فعلی وہ ہے کہ ایک نماز کو آخر وقت میں پڑھی جائے اور دوسری کو اول وقت میں اس کو جمع صوری کہا جاتا ہے۔ اور جمع وقتی وہ ہے کہ دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھی جائیں اس کو جمع حقیقی کہا جاتا ہے۔ علامہ قدوری نے کہا ہے کہ دو فرضوں کو مطلقاً جمع نہیں کیا جاسکتا؟ نہ جمع فعلی اور نہ جمع وقتی! البتہ حج کے موقعہ پر عرفات و مزدلفہ کی دو نمازوں کو جمع وقتی کیا جائے گا یعنی عرفات میں ظہر و عصر کی نمازوں کو ظہر کے وقت میں پڑھنا ہوگا اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کی نمازوں کو عشاء کے وقت میں پڑھنا ہوگا۔ اسی طرح سفر کے موقعہ پر کسی ضرورت شرعی کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع فعلی کیا جاسکتا ہے۔

وتجوز الصلوٰة[1] فی سفینۃ قاعداً علی کل حال عند ابی حنیفۃ وعندھما لا تجوز الا بعذر، ومن[2] فاتتہ صلوٰة فی السفر قضاھا فی الحضر رکعتین ومن فاتتہ صلوٰة فی الحضر قضاھا فی السفر اربعاً والعاصی والمطیع

فی السفر فی الرخصۃ سواء

ترجمہ : ـــــــ اور کشتی میں بیٹھ کر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر حال میں نماز جائز ہوتی ہے اور صاحبین کے نزدیک عذر کے علاوہ جائز نہیں اور جس کی نماز سفر میں فوت ہو جائے تو وہ حضر میں دو رکعتیں قضا پڑھے گا اور جس کی نماز حضر میں فوت ہو جائے تو سفر میں چار رکعتیں قضا پڑھے گا اور گنہ گار اور فرمانبردار رخصت سفر میں برابر ہیں ۔

تشریح : ـــــــ قولہ یجوز الصلوٰۃ ۔ کشتی میں بیٹھ کر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر حال میں نماز جائز ہوتی ہے ہر حال سے مراد یہ ہے کہ عام ہے کھڑا ہو سکے یا کھڑا نہ ہو سکے البتہ کھڑا ہو کر پڑھنا افضل ہے صاحبین کے نزدیک عذر کے بغیر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں یہی قول امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا ہے دلیل ان کی یہ ہے کہ قیام پر جب قدرت ہے تو بلا وجہ قیام کو ترک نہیں کیا جا سکتا دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ کشتی میں اکثر چکر آتا ہے اور جو چیز اکثر ہو وہ بمنزلہ متحقق ہوتی ہے جس طرح سفر میں قصر کی رخصت اس وجہ سے ہے کہ اس میں اکثر مشقت لاحق ہوتی ہے اگرچہ بعض لوگ بڑے آرام سے سفر کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر پڑھنا چونکہ افضل ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ بلا عذر ترک قیام جائز ہے یا نہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھے تاکہ اختلاف سے محفوظ ہو جائے ۔

قولہ ومن فاتتہ ۔ یعنی جس کی نماز سفر میں فوت ہو جائے تو وہ حضر میں اس کے عوض دو ہی رکعت پڑھے گا کیونکہ قضا مثل ادا کے ہوتی ہے اور اگر کسی کی نماز حضر میں فوت ہو جائے تو سفر میں اس کے عوض چار ہی رکعت پڑھے گا ۔

قولہ والعاصی ۔ گنہ گار اور فرمانبردار سفر کی رخصت میں برابر ہیں یعنی دونوں قصر نمازیں پڑھیں گے مطلب یہ کہ جس طرح حلال تجارت، طلب علم، اور حج بیت اللہ کیلئے سفر کرنے والا دو رکعت پڑھتا رہے ۔ اسی طرح جو شخص شراب پینے یا چوری کرنے یا کسی پر ظلم کرنے کیلئے شرعی مسافت طے کرے وہ بھی دو رکعت پڑھے گا امام شافعی کے نزدیک گنہ گار کیلئے سفر کی رخصت نہیں اس لئے کہ رخصت رحمت و انعام ہے اور گنہ گار مستحق عتاب اور انعام سے محروم ہوتا ہے یہی قول امام مالک و امام احمد بن حنبل کا ہے ۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ فمن کان منکم مریضاً او علی سفر کی آیت مطلق ہے اور حدیث شریف میں ہے فرض المسافر رکعتان یعنی مسافر کی فرض نماز دو رکعتیں ہیں ۔ اس میں مسافر مطلق ہے خواہ گنہ گار ہو یا فرمانبردار !

باب صلوٰۃ الجمعۃ

ترجمہ : ـــــــ نماز جمعہ کے مسائل کا بیان

لَا تَصِحُّ[۱] الْجُمُعَۃُ[۲] اِلَّا فِیْ مِصْرٍ[۳] جَامِعٍ اَوْ[۴] فِیْ مُصَلَّی[۵] الْمِصْرِ وَلَا تَجُوْزُ فِی الْقُرٰی

ترجمہ: ـــــ جمعہ صحیح نہیں ہوتی مگر شہر جامع یا شہر کی عیدگاہ میں اور گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] باب صلوۃ الجمعۃ۔ اس باب کو باب مسافر کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ جس طرح مسافر کی نماز میں تنصیف ہوتی ہے یعنی چار رکعت والی نماز کو دو رکعت پڑھی جاتی ہے اسی طرح جمعہ کی نماز میں بھی دو رکعت پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر کی نماز جو چار رکعت ہیں اس کی جگہ پر جمعہ کی نماز دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔

جمعہ مشتق ہے اجتماع سے جیسے فرقہ افتراق سے۔ اس دن میں چونکہ خصال خیر یعنی فضیلتیں بکثرت جمع ہوتی ہیں اس لئے اس کو جمعہ کہا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ حضرت آدم کا حضرت حوا سے جنت سے بچھڑنے کے بعد زمین میں اسی دن پہلی بار ملاقات ہوتی تھی۔

قولہ[۲] لا تصح۔ جمعہ کیلئے بارہ شرطیں ہیں جن میں سے چھ وجوب کی ہیں اور چھ صحت کی۔ وجوب کی شرطیں یہ ہیں (۱) آزاد ہونا (۲) مرد ہونا (۳) مقیم ہونا (۴) تندرست ہونا (۵) پاؤں ہونا (۶) آنکھوں کا صحیح ہونا۔ اور صحت کی شرطیں یہ ہیں (۱) شہر کا ہونا (۲) بادشاہ یا اس کے نائب کا ہونا (۳) وقت کا ہونا (۴) جماعت کا ہونا (۵) خطبہ کا ہونا (۶) اذن عام ہونا۔

قولہ[۳] فی مصر جامع۔ صحت جمعہ کی چھ شرطوں میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ مصر جامع اور شہر میں ہو لیکن جنگل وگاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہ ہوگی امام شافعی نے کہا اگر گاؤں میں بھی جمعہ واجب ہوگی چونکہ عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ مسجد نبوی میں جمعہ واجب ہونے کے بعد پہلی جمعہ ہو بحرین کے قریہ جواثا میں پڑھی گئی۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ قریہ کا اطلاق جس طرح گاؤں کیلئے ہوتا ہے اسی طرح شہر کیلئے بھی چنانچہ آیت کریمہ تلک[۶] القری نقص علیک اور تلک القری اہلکناھم میں قوم ہود اور قوم صالح اور قوم لوط اور قوم فرعون کی آبادیوں کو قریہ سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ وہ تمام شہر تھے

مصر جامع اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں امیر وقاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کرتا ہو یا ہر وہ جگہ ہے کہ اگر وہاں کے تمام لوگ جن پر جمعہ واجب ہے اس کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں نہ سماسکیں یا ہر وہ جگہ ہے جس میں گلیاں۔ بازار اور حاکم ہو جو ظالم ومظلوم کا انصاف کرے۔

قولہ[۴] او فی مصلی المصر۔ یعنی مصر جامع کی عیدگاہ میں ہو اس سے مراد فناء شہر ہے۔ فنا اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں شہر کے مصالح یعنی گھوڑ دوڑ۔ تیراندازی۔ عیدین۔ مردوں کی تدفین اور چراگاہ وغیرہ کیلئے بنائی جاتی ہے۔

ولا[1] تجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امره السلطان و من[2] شرائطها الوقت فتصح في وقت الظهر ولا تصح بعده

ترجمہ : ـــــ اور جمعہ قائم کرنا جائز نہیں مگر بادشاہ کیلئے یا جس کو بادشاہ نے حکم دیا ہو اور شرائط جمعہ میں سے وقت ہے پس جمعہ ظہر کے وقت میں صحیح ہوگی اور اس کے بعد صحیح نہ ہوگی ۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] ولا تجوز ۔ صحت جمعہ کیلئے دوسری شرط بادشاہ یا اُس کے نائب کا ہونا ہے اس لئے کہ جمعہ میں آبادی کے اکثر لوگ جمع ہوتے ہیں اور اکثر لوگوں میں اہل الرائے کا اجماع ہوتا ہے پس اس میں اختلافات پیدا ہو جائیں گے مثلاً کوئی کہے گا کہ جمعہ میں قائم کروں گا کوئی کہے گا فلاں آدمی اس کا امام ہوگا کوئی کہے گا جمعہ ہماری مسجد میں ہوگی وغیرہ وغیرہ اس لئے بادشاہ یا اُس کے نائب کا ہونا ضروری قرار دیا گیا کہ صرف ان کی رائے جاری ہوگی ۔

قولہ[2] ومن شرائطها ۔ تیسری شرط وقت ظہر کا ہونا ہے کہ جمعہ کی نماز ظہر کے وقت ادا ہوگی ۔ نہ اُس کے بعد اور نہ اس سے پہلے پس اگر جمعہ پڑھتے ہوئے ظہر کا وقت نکل گیا تو جمعہ کی نماز ادا نہ ہوگی بلکہ ظہر کی ادا کرنی ہوگی کیونکہ نماز جمعہ کے اخیر تک وقت ظہر کا ہونا ضروری ہے اور جمعہ کا اخیر سلام پھیرنا ہے ۔ صاحبین نے کہا کہ اگر مقدار تشہد بیٹھ گیا تو جمعہ ادا ہو جائے گی ۔ جمعہ کیلئے وقت ظہر کا ہونا سرکار کی اس حدیث سے ثابت ہے جس کا سلمہ بن اکوع روایت کرتے ہیں کہ آپ جمعہ اس وقت پڑھاتے تھے جبکہ آفتاب ڈھل جاتا تھا یہی قول جمہور صحابہ و تابعین کا ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعی کا

ومن[1] شرائطها الخطبة قبل الصلوة يخطب الامام خطبتين يفصل بينهما بقعدة و يخطب قائما على الطهارة فان اقتصر على ذكر الله تعالى جاز عند ابي حنيفة رحمه الله وقالا لابد من ذكر طويل يسمى خطبة فان[2] خطب قاعدا او على غير طهارة جاز و يكره

ترجمہ: ـــــ اور شرائط جمعہ میں سے خطبہ ہے نماز سے پہلے امام دو خطبہ پڑھے ۔ ان دونوں کے درمیان قعدہ سے فصل کرے اور باوضو کھڑے ہو کر خطبہ دے پس اگر ذکر الٰہی پر اقتصار کیا تو جائز ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے کہا ایسا ذکر طویل ضروری ہے جس کو خطبہ کہا جا سکے پس اگر بیٹھ کر یا بے وضو خطبہ دیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے

تشریح: ـــــ قولہ[1] ومن شرائطها ۔ چوتھی شرط خطبہ ہے کہ نماز سے پہلے امام دو خطبہ پڑھے ان دونوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھ جائے ۔ خطبہ شرط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ساری عمر جمعہ کی نماز بغیر خطبہ کے کبھی نہیں پڑھی ہے ۔ جمعہ میں دو چیزیں ضروری ہیں ایک یہ کہ خطبہ نماز سے پہلے اور زوال کے

بعد ہو پس اگر جمعہ بغیر خطبہ کے پڑھی گئی یا خطبہ زوال سے پہلے یا نماز کے بعد پڑھا گیا تو جائز نہ ہوگا دوسری ضروری یہ ہے کہ خطبہ میں اللہ کا ذکر ہو جس کی ادائیگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ سے بھی ہو سکتی ہے مگر کراہت کیساتھ۔ صاحبین نے کہا کہ خطبہ میں ذکر طویل ہونا ضروری ہے جس کو خطبہ کہا جا سکے وہ کم از کم التحیات کے برابر ہے دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ آیت کریمہ فاسعوا الی ذکر اللہ مطلق ذکر ہے جو کم و زیادہ دونوں کو شامل ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ذکر الٰہی کی کچھ تفصیل نہیں بیان کی اور یہ جواز بھی اسی وقت ہے جبکہ خطبہ کے ارادہ سے ذکر الٰہی کرے اور کراہت کی وجہ سنت کی مخالفت ہے پھر وہ کراہت بھی بعض کے نزدیک تحریمی ہے۔ اور بعض کے نزدیک تنزیہی۔

قولہ فان خطب۔ یعنی امام اگر بیٹھ کر بے وضو خطبہ پڑھے تب بھی جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اور جائز اس لئے ہے کہ مقصود یعنی ذکر و وعظ دونوں موجود ہیں اور مکروہ اس لئے کہ ذکر و وعظ اور نماز کے درمیان فصل لازم آتی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک خطبہ وضو کے بغیر جائز نہیں کیونکہ وہ بمنزلہ نماز ہے اس وجہ سے وہ وقت سے پہلے جائز نہیں۔ طرفین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ خطبہ نماز کی طرح نہیں کیونکہ وہ مستدبر قبلہ یعنی قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے پڑھا جاتا ہے جبکہ نماز قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ہی ادا کی جاتی ہے۔

وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ وَاَقَلُّهُمْ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ ثَلَاثَةٌ سِوَى الْاِمَامِ وَقَالَا اِثْنَانِ سِوَى الْاِمَامِ وَيَجْهَرُ الْاِمَامُ بِقِرَائَتِهِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ وَلَيْسَ فِيْهِمَا قِرَاءَةُ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا

ترجمہ :۔ اور شرائط جمعہ سے جماعت ہے جس کی کم سے کم تعداد امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی ہیں اور صاحبین نے کہا کہ امام کے علاوہ دو آدمی ہیں اور امام دونوں رکعتوں میں قرأت کو زور سے پڑھے اور ان دونوں رکعتوں میں کسی معین سورت کی قرأت معین نہیں۔

تشریح: قولہ ومن شرائطها۔ جمعہ کی پانچویں شرط جماعت کا ہونا ہے جس کی کم سے کم مقدار امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی ہیں اسی پر فتویٰ ہے اور صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمی کافی ہیں چونکہ تثنیہ میں اجتماع کا معنی موجود ہے لہذا امام کے ساتھ دو کے ہونے سے جماعت متحقق ہو جائے گی۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ جماعت اور امام کا ہونا دو الگ الگ شرط ہے پس امام کے علاوہ کم از کم تین کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ آیت کریمہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ایک ذاکر ہو اور لا ایک امام اور تین نماز کی طرف سعی کرنے والے کیونکہ تثنیہ میں اگرچہ جمع کا معنی موجود ہے لیکن وہ حقیقۃً جمع نہیں امام شافعی نے

نے کہا کہ جمعہ کیلئے کم سے کم چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے چونکہ سعد بن زرارہ نے مدینہ منورہ میں پہلا جمعہ چالیس آدمیوں کے ساتھ پڑھا تھا۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ سعد بن زرارہ کا جمعہ پڑھنا نبی کریم کا کے آنے سے قبل تھا۔

قولہ ۲ یجھر الامام۔ یعنی امام قرأت کو دونوں رکعتوں میں زور سے پڑھے چونکہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان دونوں رکعتوں میں قرأت زور سے پڑھا کرتے تھے اور ان دونوں رکعتوں میں کوئی سورت معین نہیں بلکہ جہاں سے چاہے پڑھ لے البتہ مستحب ہے پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون یا پہلی میں سبح اسم اور دوسری میں ھل اتاک پڑھے مگر ہمیشہ ان ہی کو نہ پڑھے بلکہ کبھی کبھی دوسری سورتوں کو بھی پڑھے۔

وَلَا تَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلٰی مُسَافِرٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا مَرِيْضٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا عَبْدٍ وَلَا اَعْمٰی فَاِنْ حَضَرُوْا وَصَلُّوْا مَعَ النَّاسِ اَجْزَأَهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ وَيَجُوْزُ لِلْعَبْدِ وَالْمُسَافِرِ وَالْمَرِيْضِ اَنْ يَّؤُمُّوْا فِي الْجُمُعَةِ

ترجمہ: ــــــ اور جمعہ مسافر پر واجب نہیں اور نہ عورت پر اور نہ بیمار پر اور نہ بچے پر اور نہ غلام پر اور نہ نابینا پر پس اگر وہ لوگ حاضر ہو جائیں اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں تو اس وقت کی فرض نماز ان کے ذمہ سے ادا ہو جائیگی اور غلام و مسافر و مریض کیلئے جائز ہے کہ وہ جمعہ میں امامت کریں۔

تشریح: ــــــ قولہ ولا تجب۔ وجوب جمعہ کی شرائط کو اس عبارت سے بیان کی جاتی ہے کہ اس کی چھ شرطیں ہیں (۱) مسافر ہونا کیونکہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں اس لئے کہ اس کو جمعہ میں حاضری سے حرج پیدا ہو جائے گا (۲) مرد ہونا۔ اس لئے کہ عورت پر دیانۃً اس کی خدمت ضروری ہے اور شوہر نہ بھی ہو تو عورت کو مسجد کے اندر جماعت میں آنا ممنوع ہے (۳) تندرست ہونا کیونکہ بیمار پر جمعہ واجب نہیں (۴) آزاد ہونا۔ چونکہ غلام پر جمعہ واجب نہیں اس لئے کہ اس کے ذمہ مالک کی خدمت لازم ہے البتہ مالک اگر اجازت دے تو واجب ہے (۵) دونوں آنکھوں کا صحیح ہونا کیونکہ اندھے پر جمعہ واجب نہیں اگر چہ اس کو کوئی ساتھ لے جانے والا مل جائے صاحبین نے ایسی صورت میں وجوب کا قول کیا ہے (۶) عاقل و بالغ ہونا کیونکہ بچہ پر جمعہ واجب نہیں۔ پس وہ تمام لوگ جن میں مذکورہ چھ اوصاف نہ ہوں اگر وہ جمعہ ادا کریں تو جائز ہے یعنی جمعہ پڑھنے سے وقتی فرض نماز ان کے ذمہ سے ادا ہو جائے گی۔

قولہ ۲ یجوز للعبد۔ یعنی غلام اور مسافر اور بیمار جمعہ کی امامت کر سکتا ہے البتہ امام زفر عدم جواز کے قائل ہیں چونکہ ان پر جمعہ فرض نہیں پس ان کی امامت عورتوں اور بچوں کی طرح بدرجہ اولی جائز نہ ہوگی۔ احناف یہ کہتے

ہیں کہ اصل جمعہ تو فرض عین ہے مگر اندھے و مسافر وغیرہ پر حرج و مشقت لاحق ہوتا ہے اسی وجہ سے ان کو رخصت اور حاضر نہ ہونے کی اجازت دی جاتی ہے اسی بنا پر وہ لوگ اگر حاضر ہو جائیں تو ان کی فرض ہی واقع ہو گی اس کو بچوں اور عورتوں پر قیاس کرنا درست نہیں اس لئے کہ بچہ امامت کا اہل نہیں اور عورت مردوں کی امامت کا لائق نہیں ۔

وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِيْ مَنْزِلِهٖ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْاِمَامِ وَلَا عُذْرَ لَهٗ كُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ وَجَازَتْ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يَحْضُرَ الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ اِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلٰوةُ الظُّهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِالسَّعْيِ اِلَيْهَا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا تَبْطُلُ حَتّٰى يَدْخُلَ مَعَ الْاِمَامِ

ترجمہ: ــــ اور جس نے جمعہ کے دن ظہر کی نماز امام کی نماز سے پہلے اپنے گھر میں پڑھ لی حالانکہ اس کو کوئی عذر نہیں تو وہ مکروہ ہے اور اس کی نماز جائز ہو گی پس اگر ان کو ظاہر ہو کہ جمعہ میں حاضر ہو پس وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تو ظہر کی نماز اس کی طرف چلنے ہی سے باطل ہو جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ اس وقت تک باطل نہ ہو گی یہاں تک کہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے ۔

تشریح: ــــ قولہ ومن صلی الظھر ۔ یعنی کسی نے اگر جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی جبکہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں تو نماز ہو جائے گی لیکن اس کے حق میں مکروہ تحریمی ہو گی یہی امام شافعی کا قول قدیم ہے ۔ امام زفر نے کہا کہ نماز ہی جائز نہ ہو گی کیونکہ اصل فرض جمعہ ہے اور ظہر اس کے بدل میں واقع ہے اور جب تک اصل پر قدرت حاصل ہو تو بدل کی طرف رجوع ممنوع ہے ۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اصل فرض جمعہ نہیں ۔ بلکہ ظہر ہے البتہ قدرت والے کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس ظہر کو جمعہ ادا کر کے اپنے ذمہ سے ساقط کر دے لہذا ظہر ساقط کرنے کیلئے ہر فرد پر قدرت کے مطابق جمعہ ادا کرنا فرض ہے ۔

قولہ فان بدا لہ ۔ مذکورہ صورت میں جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لینے کے بعد یہ ارادہ ہوا کہ جمعہ میں حاضر ہو پس اگر وہ اس کی طرف چل پڑا تو ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی ۔ رہا یہ سوال کہ ظہر کی نماز باہر نکلنے ہی سے باطل ہو جاتی ہے یا امام کے ساتھ شریک ہونے سے ۔ امام ابو حنیفہ اول کے قائل ہیں کہ باہر نکلتے ہی ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی ۔ اگرچہ جمعہ پانے کی امید نہ ہو اور صاحبین دوم کے قائل ہیں کہ ظہر کی نماز اس وقت تک باطل نہ ہو گی جب تک کہ امام کے ساتھ شریک ہو کر تحریمہ باندھ لے اس لئے کہ سعی ظہر سے کم درجہ ہونے کی وجہ سے ظہر کو اس کے پورا ہونے کے بعد نہیں توڑے گی اور جمعہ ظہر سے بڑھ کر ہے پس جب اس نے جمعہ پا لیا تو وہ ظہر کو توڑ دے گا دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے

کہ امام جبتک جمعہ سے فارغ نہ ہو اس وقت تک اس پر فرض متوجہ ہے کہ اس کے ساتھ ادا کرے پس جب وہ اس فرض کیلئے چلا تو اس نے جو ظہر کی نماز پڑھی تھی وہ گویا معدوم ہو گئی چونکہ ایک وقت میں دو فرض نماز جمع نہیں ہوتی

ویکرہ[۱] ان یصلی المعذور الظہر بجماعۃ یوم الجمعۃ وکذلک اہل السجن ومن ادرک[۲] الامام یوم الجمعۃ صلی معہ ما ادرک وبنیٰ علیہا الجمعۃ وان ادرکہ فی التشہد او فی سجود السہو بنیٰ علیہا الجمعۃ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وقال محمد ان ادرک معہ اکثر الرکعۃ الثانیۃ بنیٰ علیہا الجمعۃ وان ادرک معہ اقلہا بنیٰ علیہا الظہر

ترجمہ: ــــ اور مکروہ ہے یہ کہ معذور جمعہ کے دن جماعت سے ظہر کی نماز پڑھے اور اسی طرح قیدیوں کیلئے مکروہ ہے اور جو امام کو جمعہ کے دن پائے تو اس کے ساتھ پڑھ لے جو پائے اور اس پر جمعہ کی بنا کرے اور اگر امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پائے تو اس پر جمعہ کی بنا کرے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر حصہ پائے تو اس پر جمعہ کی بنا کرے اور اگر اس سے کم پائے تو اس پر ظہر کی بنا کرے۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] یکرہ ان یصلی۔ یعنی معذور لوگوں کو جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس طرح قیدیوں کو بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کرنے سے جمعہ میں خلل پیدا ہوتا ہے اس لئے چاہیئے کہ وہ لوگ اپنی اپنی پڑھ لیا کریں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ معذوروں کو پڑھتے دیکھ کر ممکن ہے کوئی غیر معذور شریک ہو جائے پس جمعہ کی جماعت میں کمی واقع ہو جائے گی اور اس وجہ سے بھی کہ جمعہ کے دن اقامت جمعہ کا حکم ہے اور دوسری جماعت کی اقامت میں ایک قسم کا مقابلہ پیدا ہو جائے گا۔

قولہ[۲] ومن ادرک۔ یعنی جو شخص تاخیر سے جمعہ میں شریک ہو تو جتنی نماز اس کو ملے اس کے ساتھ پڑھ لے اگرچہ امام کو تشہد میں پائے شیخین کے نزدیک دو رکعت جمعہ پورا کرلے لیکن امام محمد نے فرمایا کہ امام کے ساتھ اگر اس کو دوسری رکعت کا زیادہ حصہ مل گیا ہے تو اس پر جمعہ کی بنا کرے یعنی جمعہ پورا کرے اور اگر امام کے ساتھ اگر اس کو دوسری رکعت کا زیادہ حصہ کی بنا کرے یعنی ظہر کی چار فرض پوری کرے۔ فتویٰ شیخین کے قول پر ہے۔

واذا[۱] خرج الامام یوم الجمعۃ ترک الناس الصلوٰۃ والکلام حتی یفرغ من خطبتہ وقالا لا باس بان یتکلم ما لم یبدأ بالخطبۃ واذا اذن المؤذنون یوم الجمعۃ الاذان الاول ترک الناس البیع

والشراءَ وتوجهوا الی الجمعۃ فاذا صعد الامامُ المنبرَ جلس واذن المؤذنون بین یدی المنبر ثم یخطب الامام فاذا فرغ من خطبتہ اقاموا الصلوٰۃ ۔

ترجمہ: ــــــ اور جب امام جمعہ کے دن نکلے تو لوگ نماز اور بات چیت کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے اور صاحبین نے کہا کہ بات چیت میں کوئی حرج نہیں جبتک کہ خطبہ شروع نہ کرے اور جب موذن جمعہ کے دن پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت کو چھوڑ دیں اور جمعہ کیلئے چل پڑیں پس جب امام منبر پر چڑھے تو بیٹھ جائے اور موذن منبر کے سامنے اذان دے پھر امام خطبہ دے اور جب خطبہ سے فارغ ہو تو لوگ نماز قائم کریں ۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] واذا خرج ۔ یعنی امام اگر جمعہ کے دن خطبہ کیلئے اپنے حجرہ سے نکلا اگر حجرہ ہو ورنہ امام کا منبر پڑھنے کیلئے کھڑا ہونا معتبر ہے تو اس وقت سے امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک نہ کوئی نماز ہے اور نہ کلام اور صاحبین نے کہا کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور اس کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ خاموش رہنا اس وجہ سے تھا کہ خطبہ سنا جائے اور ان دونوں حالتوں میں خطبہ کا سننا نہیں ۔ امام شافعی نے کہا کہ دوران خطبہ بھی تحیۃ المسجد اور سلام کا جواب جائز ہے چنانچہ حضرت جابر سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ خطبہ دے رہے تھے اس درمیان ایک آدمی حاضر آیا آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ نماز پڑھا ہے ؟ جواب دیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھ لے احناف کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث ہے کہ سرکار مدینہ نے فرمایا اذا قلت لصاحبک والامام یخطب انصت فقد لغوت یعنی دوران خطبہ اگر کسی نے یہ کہا کہ خاموش رہو تو یہ بھی غلط ہے یعنی خاموش رہو کہنا بھی نہ چاہیئے ۔

قولہ[۲] اذا اذن المؤذنون ۔ یعنی جمعہ کے دن جب اذان دی جائے تو نماز کیلئے تیاری کرنا ضروری اور خرید و فروخت میں مشغول ہونا حرام ہے چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے اذا نودی الصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ وذروا البیع یعنی جب نماز جمعہ کیلئے اذان دی جائے تو وہ دوڑ پڑو ذکر الہٰی کی طرف اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو ۔ بیع کو شراء پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ ایجاب ، قبول پر مقدم ہے اور بیع و شراء سے مراد وہ ہے جس سے نماز کی طرف سعی کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو یہاں تک کہ اگر کسی دوسرے عمل سے بھی سعی سے رکاوٹ پیدا ہو تو وہ بھی حرام ہے لیکن وہ بیع و شراء کہ جن سے سعی میں رکاوٹ پیدا نہ ہو تو وہ حرام نہیں ۔

قولہ[۳] الاذان الاول ۔ اذان اول سے مراد کیا ہے ؟ اس امر میں فقہاء کا اختلاف ہے امام طحاوی نے کہا کہ وہ اذان مراد ہے جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے یہی قول امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور اکثر فقہاء کا ہے اور سرکار مدینہ کے زمانہ میں صرف یہی ایک اذان تھی جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے ۔ بعد میں دوسری اذان کا اضافہ ہو گیا جس کو

اب اذان اول کہا جاتا ہے لیکن صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اذان اول سے مراد وہ ہے جو حضرت عثمان غنی کے دور میں اول ہو گئی یعنی جو اس وقت اول ہے بشرطیکہ وہ زوال کے بعد ہو اسی کو سرخسی نے اختیار کیا ہے اور یہی مبسوط میں ہے

باب[۱] صلوٰۃ العیدین

ترجمہ: ــــــ نماز عیدین کے مسائل کا بیان

یستحب[۲] یوم الفطر ان یطعم الانسان شیئاً قبل الخروج الی المصلیٰ ویغتسل ویتطیب ویلبس احسن ثیابہ ویتوجہ الی المصلیٰ ولا یکبر[۳] فی طریق المصلیٰ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ویکبر عندھما

ترجمہ: ــــ مستحب ہے عیدالفطر کے دن انسان عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی چیز کھائے اور غسل کرے اور خوشبو لگائے۔ اور اچھے کپڑے پہنے پھر عیدگاہ کیطرف جائے اور عیدگاہ کے راستہ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر نہ کہے، اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے

تشریح: ــــ قولہ[۱] باب صلوٰۃ العیدین۔ اس باب کو باب جمعہ کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ دونوں نمازوں میں عظیم جماعت ہوتی ہے اور نماز عیدین اس پر بھی واجب ہے جس پر نماز جمعہ واجب ہے اور اس کی ادا کی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کی ہیں۔ فرق صرف اس میں یہ ہے کہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور عیدین میں سنت۔ اگر جمعہ میں خطبہ نہ پڑھا گیا تو جمعہ نہ ہوگا اور عیدین میں نہ پڑھا تو نماز ہو گئی مگر برا کیا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ قبل نماز ہے اور عیدین کا بعد نماز اگر پہلے پڑھ لیا تو برا کیا مگر نماز ہو گئی لوٹائی نہیں جائے گی اور خطبہ کا بھی اعادہ نہیں اور جمعہ کے بیان کو عیدین کے بیان پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ جمعہ کا ثبوت قرآن سے اور عیدین کا حدیث سے اور ظاہر ہے قرآن کا مقام حدیث پر مقدم ہے

عیدین تثنیہ ہے عید کا اور عید مشتق ہے عود سے جس کا معنی ہے لوٹنا بار بار آنا اور وہ دن بھی چونکہ ہر سال ماہ شوال کی پہلی تاریخ اور ماہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو بار بار آتی ہے اس لئے اس کو یوم عید کہلاتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے انعامات بندوں پر عائد و مکرر ہوتے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ رمضان میں جو انسان کو کھانے پینے سے روک دیا گیا تھا عید کی وجہ سے وہ انعامات بندوں پر رجوع کئے جاتے ہیں۔

قولہ[۲] یستحب۔ عیدالفطر میں بارہ چیزیں مستحب ہیں جن میں سے اول چار متن میں مذکور ہیں اور باقی آٹھ چھوڑ دیا گیا ہے جو فقہ کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں وہ کل یہ ہیں (۱) عیدگاہ جانے سے پہلے کچھ کھا لینا

(۲) غسل کرنا (۳) خوشبو لگانا (۴) عمدہ لباس پہننا (۵) مسواک کرنا (۶) نماز کیلئے جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا (۷) عمامہ باندھنا (۸) صبح سویرے اٹھنا (۹) عیدگاہ سویرے جانا (۱۰) محلہ کی مسجد میں نماز فجر پڑھنا (۱۱) عیدگاہ پیدل جانا (۱۲) ایک راستہ سے جانا اور دوسرے سے آنا۔

قولہ ۳ یکبر۔ نماز عید اضحیٰ کیلئے جاتے وقت راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہی جائے لیکن نماز عید الفطر کیلئے اختلاف ہے امام ابوحنیفہ نے کہا کہ آہستہ سے تکبیر کہی جائے اور صاحبین نے کہا کہ بلند آواز سے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے اور یہی حضرت علی سے مروی ہے دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ ذکر الٰہی میں اصل آہستہ ہی ہے قال اللہ تعالیٰ واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفۃً اور سرکار مدینہ کا ارشاد ہے خیر الذکر الخفی یعنی عمدہ ذکر وہی ہے جو پوشیدہ ہو۔

ولا [۱] یتنفل فی المصلی قبل صلوٰۃ العید فاذا [۲] احلت الصلوٰۃ بارتفاع الشمس دخل وقتھا الی الزوال فاذا زالت الشمس خرج وقتھا

ترجمہ: ـــــ اور عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نہ پڑھے پس جب آفتاب کے بلند ہونے سے نماز پڑھنا جائز ہو جائے تو اس کا وقت زوال تک شروع ہو جاتا ہے پس جب آفتاب زائل ہو جائے تو اس کا وقت نکل جاتا ہے

تشریح: ـــــ قولہ ۱ ولا یتنفل یعنی عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل نہ پڑھے کیونکہ اس سے قبل نفل نماز مطلقاً مکروہ ہے عیدگاہ میں ہو یا گھر میں۔ اس پر عید کی نماز واجب ہو یا واجب نہ ہو یہاں تک کہ عورت اگر چاشت کی نماز گھر میں پڑھنا چاہئے تو نماز ہو جانے کے بعد پڑھے چنانچہ عبداللہ بن عباس کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عید الفطر کے دن دوگانہ عید کی ادا کی اور اس سے پہلے نماز نہیں پڑھی اور نماز عید کے بعد عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے البتہ گھر میں پڑھ سکتا ہے بلکہ مستحب ہے کہ چار رکعتیں پڑھے۔

قولہ ۲ فاذا احلت۔ یعنی آفتاب بلند ہو کر نماز پڑھنا جائز ہو جائے تو عید کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال تک اس کا وقت رہتا ہے پھر جس وقت زوال ہو جائے تو اس کا وقت نکل جاتا ہے۔ زوال کا وقت ہونے سے مراد یہ ہے کہ زوال سے پہلے ہی عید کی نماز پڑھ لے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید کی نماز ایسے وقت میں پڑھی تھی کہ آفتاب ایک دو نیزہ کی مقدار اونچا تھا۔ عید الفطر میں دیر کرنا اور عید اضحیٰ میں جلد پڑھ لینا مستحب ہے اور سلام پھیرنے سے پہلے زوال ہو گیا تو نماز جاتی رہی۔

ویصلی الامامُ بالناسِ رکعتَینِ یکبّرُ فی الاولیٰ تکبیرۃَ الاحرامِ وثلاثاً بعدَھا ثم یقرأُ فاتحۃَ الکتابِ وسورۃً معھا ثم یکبر تکبیرۃً یرکعُ بھا ثم یبتدئُ فی الرکعۃِ الثانیۃِ بالقراءۃِ فاذا فرغ من القراءۃِ کبّرَ ثلاثَ تکبیراتٍ وکبّرَ تکبیرۃً رابعۃً یرکعُ بھا ویرفعُ یدیہِ فی تکبیراتِ العیدَینِ

ترجمہ: ــــ اور امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیریں کہے پھر سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے پھر دوسری رکعت میں قرأت شروع کرے۔ قرأت سے فارغ ہو کر تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور تکبیرات عیدین میں دونوں ہاتھوں کو اٹھائے

تشریح: ــــ قولہ[۱] یصلی الامام۔ اس عبارت سے نماز عید کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام لوگوں کو دو رکعت پڑھائے پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیر اور بھی کہے اور ان تکبیروں کے درمیان تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار خاموش کھڑا رہے اور ہاتھ نہ باندھے۔ ہاں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھ باندھ لے اور سبحانک اللھم پڑھ کے تین تکبیریں کہے پھر اعوذ باللہ پڑھ کے الحمد للہ شروع کرے پھر اس کے بعد کوئی سورت اس کے ساتھ جہر سے پڑھے اور اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے پھر دوسری رکعت میں قرأت شروع کرے اور جب قرأت سے فارغ ہو تو تین تکبیریں یعنی تین بار اللہ اکبر کہے اور چوتھی بار اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور دونوں عیدوں کی تکبیروں میں دونوں ہاتھ اٹھائے۔

قولہ[۲] یکبر فی الاولیٰ۔ تکبیرات عیدین سے متعلق مختلف اقوال ہیں امام مالکؒ اور امام احمد کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں۔ امام شافعی بھی امام مالکؒ کے ساتھ ہیں اتنی ترمیم کیساتھ کہ پہلی رکعت میں سات تکبیروں میں تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد پانچ تکبیروں میں تکبیر رکوع شامل نہیں پس انکے نزدیک تکبیرات زوائد بارہ ہیں لیکن احناف کے نزدیک ہر رکعت میں تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں تکبیرات زوائد یہی آتی ہیں۔

قولہ[۳] یرفع یدیہ۔ یعنی دونوں عیدوں کی تکبیروں میں دونوں ہاتھ اٹھائے۔ عیدوں کی تکبیر سے مراد تکبیرات زوائد ہیں۔ چونکہ سرکار مدینہ نے فرمایا کہ سات موقعوں کے علاوہ کہیں ہاتھ نہ اٹھائے اور ان سات موقعوں میں عیدین کی تکبیروں کو بھی شمار کیا ہے خلاصہ یہ کہ پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ میں ہاتھ باندھے اس کے بعد دو تکبیروں میں ہاتھ لٹکائے پھر چوتھی تکبیر میں باندھ لے اس کو یوں یاد رکھیں کہ تکبیر کے بعد اگر کچھ پڑھنا ہے تو ہاتھ باندھ لئے جائیں اور اگر پڑھنا نہیں تو ہاتھ چھوڑ دئے جائیں۔

ثمّ یخطبُ بعدَ الصلوٰۃِ خطبتَینِ یعلّمُ الناسَ فیھما صدقۃَ الفطرِ واحکامَھا ومَن فاتتہ صلوٰۃُ

العیدِ مع الامامِ لم یقضھا فَاِنْ غمّ الھلالُ عن الناسِ وشھدوا عند الامامِ برؤیۃ الھلالِ بعدَ الزوالِ صلّی العیدَ من الغدِ فاِنْ حدثَ عذرٌ منعَ الناسَ من الصلوٰۃِ فی الیومِ الثانی لم یصلّھا بعدہٗ

ترجمہ: ـــــ پھر نماز کے بعد دو خطبہ دے جن میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام کی تعلیم دے اور جس کی نماز عید امام کے ساتھ فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہ کرے پس اگر لوگوں کو چاند نظر نہ آئے اور زوال کے بعد امام کے روبرو چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو دوسرے دن نماز پڑھائے پس اگر کوئی ایسا عذر پیدا ہو جو لوگوں کو دوسرے دن نماز پڑھنے سے روک دے تو اس کے بعد نہ پڑھے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ثم یخطب۔ یعنی نماز کے بعد امام دو خطبہ پڑھے اگر عید الفطر کا خطبہ ہے تو اس میں صدقہ فطر کے احکام کی تعلیم دے وہ پانچ باتیں ہیں۔ (۱) کس پر واجب ہے (۲) اور کس کیلئے (۳) اور کب (۴) اور کتنا (۵) اور کس چیز سے بلکہ مناسب یہ ہے کہ عید سے پہلے جو جمعہ پڑھے اس میں یہ احکام بتائے جائیں تاکہ لوگوں کو پہلے ہی سے معلومات ہو جائیں اور عید اضحٰی کے خطبہ میں قربانی کے احکام اور تکبیرات تشریق کی تعلیم دے۔ عید سے پہلے اگر خطبہ پڑھا گیا تو وہ اگرچہ جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترک سنت ہے اور جو چیز خطبہ جمعہ میں مسنون یا مکروہ ہے وہ خطبہ عیدین میں بھی مسنون و مکروہ ہے

قولہ[۲] من فاتتہ۔ یعنی امام نے اگر نماز پڑھ لی اور کوئی شخص چھوٹ گیا یا وہ شامل ہی نہ ہوا یا شامل تو ہوا لیکن اس کی نماز فاسد ہو گئی تو اگر دوسری جگہ مل جائے تو پڑھ لے ورنہ اس کی قضا نہیں اگرچہ اس کا فوت ہونا خود اس کے فاسد کرنے سے ہو یہ طرفین کے نزدیک ہے اور فتویٰ اسی پر ہے لیکن امام ابو یوسف نے فرمایا کہ فاسد کرنے کی صورت میں قضا لازم ہے لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے

قولہ[۳] فان غم الہلال۔ یعنی بادل وغیرہ کی وجہ سے چاند اگر لوگوں کو نظر نہ آئے اور امام کے روبرو گواہی ایسے وقت گذری کہ آفتاب ڈھل چکا ہے تو امام عید الفطر کی نماز اگلے روز زوال سے پہلے پڑھائے اور عید اضحٰی کی نماز تیسرے دن یعنی بارہویں کے زوال سے پہلے پڑھائے پس یہ تاخیر عید اضحٰی کی نماز میں بلا عذر مکروہ ہے اور عذر کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے برخلاف نماز عید الفطر کہ اس کی تاخیر بلا عذر جائز نہیں۔

ویُستحبُّ فی یومِ الاضحٰی اَنْ یغتسلَ ویتطیّبَ ویؤخرَ الاکلَ حتی یفرغَ من الصلوٰۃِ ویتوجہ الی المصلّٰی وھو یکبّرُ ویصلّی الاضحٰی رکعتین کصلوٰۃِ الفطرِ ویخطبُ بعدَھا خطبتینِ یعلّمُ الناسَ فیھما الاضحیۃَ

وتكبيراتِ التشريقِ فإنْ حدثَ عذرٌ منعَ الناسَ من الصلوٰةِ يومَ الاضحیٰ صلاها من الغدِ وبعدَ الغدِ ولا يصليها بعدَ ذلكَ

ترجمہ: ـــــ اور عید اضحیٰ کے دن مستحب ہے غسل کرنا اور خوشبو لگانا اور کھانے کو موخر کرنا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے اور عیدگاہ تکبیر کہتا ہوا جائے اور عید اضحیٰ کی دو رکعتیں عید الفطر کی طرح پڑھے اور نماز کے بعد دو خطبہ پڑھے جن میں لوگوں کو قربانی اور تکبیرات تشریق کی تعلیم دے پس اگر عذر درپیش ہو جو لوگوں کو عید اضحیٰ کے دن نماز سے روک دے تو دوسرے یا تیسرے دن نماز پڑھے اس کے بعد نہ پڑھے۔

تشریح: ـــــ قولہ ویستحب۔ یعنی عید اضحیٰ تمام احکام میں عید الفطر کی طرح ہے صرف بعض باتوں میں فرق ہے عید اضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ غسل کرے اور خوشبو لگائے اور نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے اگرچہ قربانی نہ کرے اور کھالیا تو کراہت نہیں اور راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہتا ہوا جائے۔ اور اس کی نماز عذر کی وجہ سے بارہویں تک بلا کراہت نہیں موخر کی جا سکتی ہے بارہویں کے بعد نہیں اور بلا عذر ہو تو دسویں کے بعد مکروہ ہے اور اس کی دو رکعت مثل عید الفطر کے پڑھے اور اس کے بعد امام دو خطبے پڑھے جن میں قربانی کے احکام اور ایام تشریق کی تکبیریں لوگوں کو سکھائے۔

وتكبيرُ التشريقِ اولهُ عقيبَ صلوٰةِ الفجرِ من يومِ عرفةَ وآخرهُ عقيبَ صلوٰةِ العصرِ من يومِ النحرِ عند ابي حنيفةَ وقالَ ابو يوسف ومحمد الى صلوٰةِ العصرِ من آخرِ ايامِ التشريقِ والتكبيرُ عقيبَ الصلواتِ المفروضاتِ الله اكبر الله اكبر لا الٰه الا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمدُ

ترجمہ: ـــــ اور تکبیر تشریق کی ابتدا عرفہ کے دن سے نماز فجر کے بعد سے ہے اور اس کا آخر قربانی کے دن کی نماز عصر کے بعد تک ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ ایام تشریق کی نماز عصر کے بعد تک ہے اور یہ تکبیر فرض نماز کے بعد ہے وہ اس طرح اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔

تشریح: ـــــ قولہ تکبیر التشریق۔ عرفہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ کی فجر سے آخر ایام تشریق یعنی تیرہویں کی نماز عصر تک ہر فرض نماز پنجگانہ کے بعد جو جماعت مستحبہ کیساتھ ادا کی گئی ہو ایک بار بلند آواز سے تکبیر کہنا واجب ہے اور تین بار افضل ہے یہ صاحبین کے نزدیک ہے اور یہی قول حضرت علی اور عبد اللّٰہ بن عمر وغیرہ کا ہے اور یہی سفیان ثوری اور احمد بن حنبل کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ ابتدا تو نویں ذو الحجہ کی فجر سے ہی ہے لیکن انتہا ذی الحجہ کی

دسویں تاریخ کے عصر کے بعد تک ہے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ثابت اور حسن بصری سے منقول ہے فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور اسی پر عمل ہے۔

قولہ[۲] والتکبیر عقیب الصلوات۔ تکبیر فرض نمازوں کے بعد واجب ہے نفل وسنت و وتر کے بعد نہیں اور جمعہ کے بعد واجب ہے اور نماز عید کے بعد بھی کہہ لے۔ تکبیر تشریق سلام پھیرنے کے بعد فوراً واجب ہے یعنی جبتک کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو کہ اس نماز پر بنا نہ کر سکے اور اگر مسجد سے باہر ہو گیا یا قصداً وضو توڑ دیا یا کلام کیا اگرچہ سہواً ہو تو تکبیر ساقط ہو گئی اور بلا قصد وضو ٹوٹ گیا تو کہہ لے۔ تکبیر تشریق اس پر واجب ہے جو شہر میں مقیم ہو یا جس نے اس کی اقتدا کی اگرچہ عورت یا مسافر یا گاؤں کا رہنے والا ہو اور اگر اس کی اقتدا نہ کریں تو ان پر واجب نہیں۔

باب[۱] صلوٰۃِ الکسوفِ

ترجمہ: ـــــ سورج گہن کی نماز کے مسائل کا بیان۔

اذا[۱] انکسفتْ الشمسُ صلی[۲] الامامُ بالناسِ رکعتَیْنِ کھیْئۃِ النافلۃِ فی کلّ[۳] رکعۃٍ رکوعٌ واحدٌ ویطول القراءۃَ فیھما ویخفی[۴] عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف ومحمد یجھر ثم یدعو بعدھا حتی تنجلی الشمس

ترجمہ: ـــــ جب سورج گہن ہو تو امام لوگوں کو نفل کی طرح دو رکعتیں پڑھائے اور ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے اور ان دونوں میں قرأت طول کرے اور آہستہ پڑھے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ جہری کرے پھر نماز کے بعد دعاء کرے یہانتک کہ سورج کھل جائے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] باب صلوٰۃ الکسوف۔ اس باب کو صلوٰۃ عیدین کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ جس طرح نماز عیدین میں جماعت بلا اذان واقامت ہوتی ہے اسی طرح کسوف میں بھی نماز بلا اذان واقامت ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ انسان کے دو حال ہیں ایک امن وخوشی کا اور دوسرا غم وخوف کا۔ عیدین میں امن وخوشی کا پیغام ہوتا ہے اور اس میں غم وخوف کا۔ کسوف لغت میں سورج گہن کو کہا جاتا ہے اور خسوف چاند گہن کو لیکن کبھی کبھی دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ پر مستعمل ہوتے ہیں جبکہ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ فقہاء کے نزدیک کسوف مخصوص بہ آفتاب ہوتا ہے اور خسوف مخصوص بہ ماہتاب۔ صلوٰۃ کی اضافت کسوف کی طرف اضافۃ السبب الی المسبب کے قبیل سے ہے۔

قولہ اذا انکسف ۔ یعنی سورج میں جب گہن لگ جائے تو امام جمعہ یا اس کا نائب دو رکعت پڑھائیں یعنی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کریں اور قرآت دونوں رکعتوں میں طول کرے اور آہستہ پڑھے اور نماز کے بعد دعا کریں یہانتک کہ آفتاب نکل جائے اور دو رکعت سے زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں خواہ دو رکعت پر سلام پھیریں یا چار پر چنانچہ سرکار مدینہ نے ارشاد فرمایا اذا رأیتم شیئاً من ہذہ الاھوال فافزعوا الی اللّٰہ بالصلوٰۃ ۔

قولہ فی کل رکعۃ ۔ کسوف کی ہر رکعت میں احناف کے نزدیک دوسری نمازوں کی طرح ایک رکوع اور دو سجدے ہیں ۔ امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہر رکعت میں دو رکوع ہیں چنانچہ حضرت عائشہ نے روایت کی سرکار مدینہ نے دو رکعتوں میں چار رکوع کئے ۔ احناف کی دلیل یہ کہ حضرت عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص وغیرہ کی احادیث میں ایک رکوع کی تصریح ہے اور حضرت عائشہ سے جو دو رکوع کی روایت ہے وہ اس وجہ سے کہ کسوف کی نماز چونکہ طویل ہونے کی وجہ سے رکوع بھی طویل ہوتے تھے اسی بناء پر صحابہ کرام سر اٹھا کر بار بار دیکھتے کہ سرکار رکوع سے سر اٹھائے ہیں یا نہیں اگر سر نہ اٹھاتے تو دوبارہ رکوع میں چلے جاتے اور آخری صف چونکہ عورتوں کی ہوتی تھی جس میں حضرت عائشہ بھی ہوتی وہ یہ سمجھتی کہ نماز میں دو رکوع ہوتے ہیں ۔

قولہ یخفی عند ابی حنیفۃ ۔ دونوں رکعتوں میں قرآت آہستہ کرے یا زور سے اس میں احناف کے درمیان اختلاف ہے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ دونوں رکعتوں میں قرآت آہستہ کرے چنانچہ حضرت عبداللّٰہ بن عباس کی روایت ہے کہ میں نے نبی کریم کے ساتھ کسوف کی نماز پڑھی تو آپ سے قرآت کا ایک حرف بھی نہ سنا یہی قول امام شافعی اور امام مالک کا ہے اور صاحبین نے کہا کہ قرآت زور سے کرے چنانچہ حضرت عائشہ کی روایت ہے سرکار مدینہ نماز خسوف میں قرآت زور سے پڑھتے تھے یہی قول امام احمد بن حنبل کا ہے ۔ قرآت کے آہستہ پڑھنے کی روایت چونکہ مردوں کی ہے اس لئے امام ابو حنیفہ کے قول کی ترجیح دی جائے گی کہ قرآت کی وجہ سے ان پر حال زیادہ واضح ہوتا ہے ۔

وَیُصَلِّیْ بِالنَّاسِ اِمَامُ الَّذِیْ یُصَلِّیْ بِھِمُ الْجُمُعَۃَ فَاِنْ لَّمْ یَحْضُرِ الْاِمَامُ صَلَّاھَا النَّاسُ فُرَادٰی وَلَیْسَ فِیْ خُسُوْفِ الْقَمَرِ جَمَاعَۃٌ وَاِنَّمَا یُصَلِّیْ کُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِہٖ وَلَیْسَ فِی الْکُسُوْفِ خُطْبَۃٌ

ترجمہ :۔ ـــــــ اور اس نماز کو وہی امام پڑھائے جو لوگوں کو جمعہ پڑھاتا ہے پس اگر امام نہ ہو تو لوگ اکیلے اکیلے پڑھیں اور چاند گہن میں جماعت نہیں بلکہ ہر ایک اپنی اپنی پڑھ لے اور سورج گہن میں خطبہ نہیں ۔

تشریح ۔ ـــــــ قولہ یصلی بالناس ۔ یعنی سورج گہن کی نماز وہی امام پڑھائے جو لوگوں کو جمعہ پڑھاتا ہے ۔ اس

نماز کو جماعت سے پڑھنا مستحب ہے اگرچہ اکیلے اکیلے بھی جائز ہے اور جماعت سے پڑھنے کی صورت میں اس میں وہی تمام شرائط ہیں جو جمعہ میں ہیں چاند گہن کی نماز میں جماعت نہیں ہوتی امام خواہ موجود رہے یا نہ رہے اکیلے اکیلے پڑھے کیونکہ وہ رات کی نماز ہے جس میں اجتماع دشواری کا باعث ہے۔ سورج گہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور چاند گہن کی مستحب ہے۔

بابُ[۱] صلوٰۃِ الاستسقاءِ

ترجمہ: ــــــ طلب باراں کی نماز کے مسائل کا بیان۔

قَالَ[۲] ابوحنیفۃَ لیسَ فی الاستسقاءِ صلوٰۃٌ مسنونۃٌ بالجماعۃِ فانْ صلّی النّاسُ وحدانًا جازَ وانّما الاستسقاءُ الدّعاءُ والاستغفارُ وقالَ ابویوسفَ ومحمّدٌ رحمہما اللّٰہُ یصلّی الامامُ رکعتینِ یجہرُ فیہما بالقراءۃِ ثمّ یخطبُ[۳] ویستقبلُ القبلۃَ بالدّعاءِ ویقلّبُ الامامُ رداءَہٗ ولا یقلبُ القومُ اردیتہم ولا یحضُرُ اھلُ الذّمّۃِ للاستسقاءِ

ترجمہ: ــــــ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ طلب باراں کیلئے نماز جماعت کیساتھ مسنون نہیں پس اگر لوگ تنہا تنہا پڑھیں تو جائز ہے اور استسقاء صرف دعاء واستغفار ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ امام دو رکعتیں نماز پڑھائے جن میں قرأت جہری کرے پھر خطبہ دے اور قبلہ رخ ہو کر دعاء کرے اور امام اپنی چادر کو پلٹ دے اور لوگ اپنی چادروں کو پلٹیں اور ذمی لوگ نماز استسقاء میں حاضر نہ ہوں۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] صلوٰۃ الاستسقاء۔ اس باب کو باب کسوف کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ اس نماز میں بھی جماعت کثیر ہوتی ہے۔ جس طرح نماز کسوف میں ہوتی ہے۔ اور نماز کسوف جس طرح حزن وغم کی وجہ سے پڑھی جاتی ہے اسی طرح نماز استسقاء بھی! استسقاء لغت میں پانی طلب کرنے کو کہا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے سقاک اللّٰہ سقاہٗ یعنی اللّٰہ تعالیٰ تجھے سیراب کرے اور اصطلاح شرع میں اس نماز کو کہا جاتا ہے جو خشک سالی کے موقعہ پر مخصوص کیفیت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

قولہ[۲] قال ابوحنیفۃ۔ استسقاء نماز مسنون ہے یا صرف دعا واستغفار! احناف کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ دعاء واستغفار کے قائل ہیں اور صاحبین نماز مسنون کے یعنی یہ کہ امام یا اس کا

نائب جمعہ کی طرح جماعت کیساتھ دو رکعتیں پڑھائے۔ یہی قول امام مالکؒ کا ہے بلکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے سنت موکدہ کا قول کیا ہے دلیل میں امام ابوحنیفہ نے کہا کہ سنت سے مراد جو نکہ فعل ہے جس کو سرکار مدینہ نے بطور مواظبت کیا ہو اور کبھی کبھی تعلیم جواز کیلئے ترک کر دیا ہو اور نماز استسقاء میں اس طرح نہیں اس لئے کہ متعدد روایتوں سے صرف دعاء و استغفار پر اکتفا ثابت ہے چنانچہ غزوہ تبوکؒ میں جاتے وقت حضرت عمر کی طویل حدیث میں ہے کہ سرکار نے حضرت ابوبکر صدیق کی التجا پر دعاء کیلئے ہاتھ اٹھائے تو اچانکؒ ایک بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا اور جھوم کر بارش برسا دیا۔

قولہ[۳] ثم یخطب۔ یعنی امام جب نماز استسقاء سے فارغ ہو جائے تو ایک خطبہ پڑھے امام ابویوسف کے نزدیک اور دو خطبہ پڑھے امام محمد کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک چونکہ جماعت واجب نہیں اس لئے ان کے نزدیک خطبہ بھی واجب نہیں کیونکہ خطبہ جماعت کے تابع ہوتا ہے

قولہ[۴] یقلب الامام۔ یعنی امام اپنی چادر کو پھیرے اور مقتدی اپنی چادروں کو نہ پھیریں یہ امام محمد کے نزدیک ہے لیکن امام ابوحنیفہ نے کہا کہ امام چادر نہ پھیریں کیونکہ ان کے نزدیک وہ نماز بمنزلہ دعاء ہے اس لئے اس کا حکم بھی دوسری دعاؤں کی طرح ہے اور چادر پھیرنے کی صورت یہ ہے کہ اگر وہ چوکشی ہے تو اوپر کا کنارہ نیچے کرلے اور نیچے کا اوپر کرلے اور اگر گول ہے تو دائیں جانب کو بائیں کرلے اور بائیں جانب کو دائیں اس طرح چادر کی ہیئت بدل جائیگی جس سے یہ شگون حاصل کیا جائے گا کہ خشک سالی خوش حالی سے بدل جائے۔

قولہ[۵] لا یحضر۔ اس نماز میں ذمیوں کو نہ لے جائیں کیونکہ ذمی وہ کافر ہے جو اسلامی سلطنت میں سلطان سے اجازت لے کر رہنے لگے۔ کافروں کو لے جانے سے اس لئے روکا گیا کہ وہاں رحمت کی طلب کی جاتی ہے جب کہ کافر پر لعنت کا نزول ہوتا ہے اس وجہ سے اس نماز کیلئے پرانے یا پیوند لگے کپڑے پہن کر تذلل و خشوع و خضوع و تواضع و انکساری کے ساتھ سر برہنہ پیدل جانا چاہیئے بلکہ پا برہنہ ہوں تو بہتر ہے۔

باب[۱] قیام شہر رمضان

ترجمہ: —— ماہ رمضان کی تراویح کے مسائل کا بیان۔

[۲] یستحب ان یجتمع الناس فی شہر رمضان بعد العشاء فیصلی[۳] بھم امامھم خمس ترویحات فی

كُلُّ تَرْوِيحَةٍ تَسْلِيمَتَانِ وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيحَةٍ ثُمَّ يُوتِرُ بِهِمْ وَلَا يُصَلَّى الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِي غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ ۔

ترجمہ: ــــــ مستحب ہے لوگ رمضان کے مہینہ میں عشاء کے بعد جمع ہوں پس ان کو امام پانچ ترویحہ پڑھائے ہر ترویحہ میں دو سلام ہوں اور ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے پھر ان لوگوں کو وتر پڑھائے اور ماہِ رمضان کے علاوہ میں وتر جماعت سے نہ پڑھی جائے ۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] باب قیام ۔ اس باب کو باب استسقاء کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ نماز استسقاء دن کے نوافل سے ہے اور قیام رات کے نوافل سے ہے کیونکہ قیام سے یہاں مراد تراویح ہے جو رات میں پڑھی جاتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ عَلَیْکُمْ صِیَامَ رَمَضَانَ وَسَنَنْتُ لَکُمْ قِیَامَہٗ ۔

قولہ[۲] یستحب ان یجتمع ۔ رمضان کے ماہ میں تراویح کی بیس[۲] رکعتیں دس سلام اور پانچ ترادیحوں کیساتھ عشاء کے بعد وتر سے پہلے جماعت کے ساتھ سنت مؤکدہ کفایہ ہے ۔ یہی قول اکثر مشائخ کا ہے اور امام احمد بن حنبل اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جماعت مستحب اور افضل ہے اور علماء کے درمیان یہی مشہور ہے اور اس عبارت کا یہی مطلب ہے اسی وجہ سے یستحب ان یجتمع کہا گیا یستحب التراویح نہیں ۔

قولہ[۳] خمس ترویحات ۔ چار رکعت کا ایک ترویحہ ہوتا ہے اور اس کو ترویحہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ہر چار رکعت کے بعد آرام کیا جاتا ہے ۔ پانچ ترویحوں سے بیس[۲۰] رکعتیں ہوتی ہیں اور بیس رکعتوں کا قول متعدد روایتوں سے ثابت ہے جبکہ اس کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال ہیں یعنی ۲۸ اور ۳۴ اور ۳۶ اور ۳۸ اور ۴۰ اور ۴۱ لیکن جمہور علماء اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ بیس[۲] رکعتوں کے قائل ہیں اور یہی ایک قول امام مالک کا بھی ہے ۔

قولہ[۴] لا یصلی الوتر ۔ رمضان شریف میں وتر جماعت کیساتھ پڑھنا افضل ہے خواہ اس امام کے پیچھے ہو کہ جس کے پیچھے عشاء و تراویح پڑھا ہے یا کسی دوسرے کے پیچھے ۔ اور رمضان شریف کے علاوہ وتر کی نماز جماعت سے نہ پڑھی جائے اگرچہ پڑھا جانا ہے ۔ اس عبارت سے اصل جواز کی نفی نہیں بلکہ کراہت مراد ہے یعنی وتر اگر غیر رمضان میں جماعت سے پڑھی جائے تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے ۔

بَابُ[۱] صَلٰوۃِ الْخَوْفِ

ترجمہ: ــــــ نمازِ خوف کے مسائل کا بیان

۲؎ اذا اشتد الخوف جعل الامام الناس طائفتين طائفة الی وجه العدو وطائفة خلفه فيصلی بهذه الطائفة ركعة وسجدتين فاذا رفع راسه من السجدة الثانية مضت هذه الطائفة الی وجه العدو وجاءت تلك الطائفة فيصلی بهم الامام ركعة وسجدتين وتشهد وسلم ولم يسلموا وذهبوا الی وجه العدو وجاءت الطائفة الاولی فصلوا وحدانا ركعة وسجدتين بغير قرأة وتشهدوا وسلموا ومضوا الی وجه العدو وجاءت الطائفة الاخری وصلوا ركعة وسجدتين بقرأة وتشهدوا وسلموا

ترجمہ: ـــــ جب خوف زیادہ ہو جائے تو امام لوگوں کو دو گروہ کر دے ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں اور دوسرا گروہ اس کے پیچھے پس اس گروہ کو ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھائے پس جب امام دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے تو یہ گروہ دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا گروہ آئے پس اس کو امام ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھائے اور تشہد پڑھ کے سلام پھیر دے اور وہ لوگ سلام نہ پھیریں بلکہ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں پھر پہلا گروہ آئے اور تنہا تنہا ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ بلا قرأت پڑھے اور تشہد کے بعد سلام پھیر کر دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اس کے بعد دوسرا گروہ آئے اور وہ ایک رکعت دو سجدوں کیساتھ قرأت سے پڑھے اور تشہد کے بعد سلام پھیر دے ۔

تشریح: ـــــ قولہ؎ باب صلوٰۃ الخوف ۔ اس باب کو قیام رمضان کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ قیام رمضان حال سرور و انبساط ہے اور نماز خوف حال حزن و ملال پس سرور کے بعد حزن و ملال کے حال کو بیان کیا گیا ۔

نماز خوف جائز ہے جبکہ دشمنوں کا قریب میں ہونا یقین کیساتھ معلوم ہوا اور اگر یہ گمان تھا کہ دشمن قریب میں ہے اور نماز خوف پڑھی گئی بعد کو گمان کی غلطی ظاہر ہو گئی تو مقتدی نماز کا اعادہ کریں اسی طرح دشمن اگر دور ہوں تو یہ نماز جائز نہیں یعنی مقتدی کی نہ ہو گی اور امام کی ہو جائے گی ۔

قولہ؎۲ اذا اشتد الخوف ۔ یعنی دشمن جب سامنے ہوں اور یہ اندیشہ ہو کہ سب کوئی اگر ایک ساتھ نماز پڑھیں تو دشمن حملہ کر دیں گے تو ایسے وقت امام جماعت کے دو حصہ کرے ۔ اگر کوئی گروہ اس بات پر تیار ہو جائے کہ ہم بعد میں پڑھ لیں گے تو وہ دشمن کا مقابلہ کرے اور دوسرے گروہ کیساتھ پوری نماز پڑھ لے پھر جس گروہ نے نماز نہیں پڑھی ہے اس میں کوئی امام ہو جائے اور یہ لوگ اس کے ساتھ با جماعت پڑھ لیں اور اگر دونوں میں سے کوئی بعد میں پڑھنے پر تیار نہ ہو تو امام ایک گروہ کو دشمن کے مقابل کرے اور دوسرا امام کے پیچھے نماز پڑھے

اور جب امام اس گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے اگر مسافر ہو۔ اور یہ گروہ اپنی آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابل میں جاکر کھڑا ہو جائے اور جو گروہ دشمن کے مقابل میں کھڑا تھا وہ آئے اور امام ان کو نصف باقی پڑھائے اور خود سلام پھیر دے اور یہ لوگ سلام نہ پھیریں بلکہ امام کے سلام کے بعد یہ لوگ پھر دشمن کے مقابل میں جاکر کھڑے ہوں اور پہلا گروہ جو شروع کی ایک رکعت پڑھ کر گیا تھا وہ آئے اور اپنی باقی ماندہ نماز بلا قرأت پوری کرے اس لئے کہ یہ لاحق ہیں اور لاحق پر قرأت نہیں اور یہ لوگ نماز پوری کر کے دشمن کے مقابل میں جائیں اور دوسرا گروہ آکر اپنی باقی نماز کو قرأت کیساتھ پوری کرے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور مسبوق پر قرأت لازم ہے۔

قولہ[۳] مضت هذه الطائفة۔ یعنی اس گروہ کا دشمن کے مقابلہ میں جانے سے مراد پیدل جانا ہے کیونکہ سواری پر اگر جائیں گے تو نماز جاتی رہے گی اور نماز خوف میں صرف دشمن کے مقابلہ میں جانا اور وہاں سے امام کے پاس صف میں آنا یا وضو جاتا رہا تو وضو کیلئے چلنا معاف ہے اس کے علاوہ چلنا نماز کو فاسد کر دے گا۔ اور اگر دشمن نے اُسے دوڑایا یا اس نے دشمن کو بھگایا تو نماز جاتی رہی البتہ پہلی صورت میں اگر سواری پر ہو تو معاف ہے۔

وانْ[۱] كانَ مقيماً صلّى بالطائفةِ الاولىٰ ركعتينِ و بالثانيةِ ركعتَيْنِ ويصلّي بالطائفةِ الاولىٰ ركعتينِ من المغربِ وبالثانيةِ ولايقاتلونَ ركعةً في حالِ الصلوٰةِ فإنْ فعلوا ذلكَ بطلتْ صلوتهم وانْ اشتدّ الخوفُ صلّوا ركباناً وحداناً يؤمُونَ بالركوعِ والسجودِ الى ايّ جهةٍ شاؤوا اذا لم يقدروا على التوجّهِ الى القبلةِ

ترجمہ: ـــــ اور اگر امام مقیم ہو تو پہلے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں اور پہلے گروہ کو مغرب کی دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت اور نماز کی حالت میں قتال نہ کریں پس اگر ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر خوف زیادہ ہو جائے تو اپنی اپنی سواری پر تنہا تنہا رکوع و سجود کے اشارہ سے پڑھلیں جس طرف چاہیں جبکہ قبلہ رُخ ہونے پر قادر نہ ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وان كان مقيماً۔ اس سے قبل جو طریقہ مذکور ہوا امام کے مسافر ہونے کی تقدیر پر تھا اور اب جو بیان کیا جاتا ہے امام کے مقیم ہونے کی تقدیر پر کہ امام اگر مقیم ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھائے چونکہ امام مقیم ہے جس کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز بھی چار رکعت ہو جاتی ہے اور اگر مغرب کی نماز ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت اس لئے کہ پہلا گروہ وہ نصف نماز کا مستحق ہے اور ایک رکعت کا نصف دشوار ہے اسی وجہ سے پہلا گروہ سابق ہونے کی وجہ سے زیادہ کا مستحق ہے

قولہ[۲] وان اشتد الخوف ۔ یعنی خوف اگر زیادہ ہو جائے کہ سواری سے اتر نہ سکیں تو سواری ہی پر تنہا اشارہ سے جس طرف بھی منہ کیا جا سکے اسی طرف نماز پڑھ لیں ۔ سواری پر جماعت سے نہیں پڑھ سکتے ہاں اگر ایک گھوڑا پر دو سوار ہوں تو پچھلا اگلے کی اقتدا کر سکتا ہے اور سواری پر فرض نماز اسی وقت جائز ہو گی جب کہ دشمن ان کا تعاقب کر رہے ہوں اور اگر یہ دشمن کے تعاقب میں ہوں تو سواری پر نماز نہ ہو گی ۔

باب[۱] الجنائز

ترجمہ ــــــ جنازوں کے مسائل کا بیان

اذا[۲] احتضر الرجل وُجِّهَ الی القبلۃ علی شقہ الایمن ولُقِّنَ[۳] الشہادتین واذا[۴] مات شدّوا لحیتہ وغمضوا عینیہ

ترجمہ : ـــــ جب آدمی مرنے کے قریب ہو تو دائیں کروٹ قبلہ رُخ کر دیا جائے اور شہادتین کی تلقین کی جائے اور جب مر جائے تو اس کے جبڑے کو باندھیں اور اس کی آنکھیں بند کر دیں ۔

تشریح ـــــ قولہ[۱] باب الجنائز ۔ اس باب کو باب الخوف کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ خوف چوں کہ کبھی مفضی الی الموت ہوتا ہے اس لئے خوف کے بعد باب جنائز کو بیان کیا گیا ۔ جنائز جمع ہے جنازہ کی ۔ وہ بفتح جیم اور بکسر جیم دونوں مستعمل ہے لیکن بکسر جیم زیادہ فصیح ہے ۔ جنازہ اس حالت کو کہا جاتا ہے جب کہ میت تخت یا پلنگ پر رکھی ہوئی ہو ۔ بعض لوگ جنازہ بفتح جیم میت (جو بفتح جیم ہے) کو کہتے ہیں ۔ اور جنازہ بکسر جیم اس تخت یا پلنگ یا تابوت کو کہتے ہیں جس پر میت کو رکھا جاتا ہے ۔

قولہ[۲] اذا احتضر ۔ یعنی جب موت کا وقت قریب ہو اور علامتیں پائی جائیں (مثلاً پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں اور ناک کا بانسہ جھک جائے اور کنپٹیاں اندر کو دھنس جاتی) تو سنت یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر لٹا کر قبلہ کی طرف منہ کر دیں کیونکہ سرکار مدینہ جب مدینہ تشریف لائے تو براء بن معرور کے متعلق دریافت فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا وہ وفات پا گئے اور مرتے وقت ثلث مال اور اس بات کی وصیت کر گئے ہیں کہ مرتے وقت میرا منہ قبلہ کی طرف کر دینا اس پر آپ نے فرمایا اصاب الفطرۃ ۔ یہ بھی جائز ہے کہ مردہ کو چت لٹائیں اور قبلہ کو پاؤں کریں کہ یوں بھی قبلہ کو

مونہہ ہو جائے گا مگر اس صورت میں سر کو قدرے اونچا رکھیں اور قبلہ کو مونہہ کرنا دشوار ہو یعنی اس کو تکلیف ہوتی ہو تو جس حالت پر ہے چھوڑ دیں۔

قولہ لقن الشہادتین۔ یعنی جانکنی کے وقت جبتک روح گلے کو نہ آتی ہو تو اُسے شہادتین کی تلقین کریں یعنی اس کے پاس بلند آواز سے یہ پڑھیں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لقنوا موتاکم شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ یعنی اپنے مردوں کو شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کریں (تفصیل ناچیز کی کتاب دلائل اہلسنت میں دیکھیے) جب اُس نے کلمہ پڑھ لیا تو تلقین موقوف کردیں ہاں اگر کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے کوئی بات کی تو پھر تلقین کریں کہ اُس کا آخر کلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہو اس کو شہادت کہنے کا حکم نہ دیں۔

تلقین کرنے والا کوئی نیک شخص ہو ایسا نہ ہو جس کو مرنے کی خوشی ہو اور اس وقت اُس کے پاس نیک اور پرہیزگار لوگوں کا ہونا بہت اچھی بات ہے اور اس وقت وہاں سورہ یٰسین شریف کی تلاوت اور خوشبو ہونا مستحب ہے مثلاً لوبان یا اگربتی وغیرہ سلگائیں۔

قولہ واذا مات۔ جب موت طاری ہو یعنی روح نکل جائے تو ایک چوڑی پٹی جبڑے کے نیچے سے سر پر لے جاکر گرہ دیدیں کہ منہ کھلا نہ رہے اور آنکھیں بند کر دی جائیں کیونکہ سرکار مدینہ ابو سلمہ صحابی کے پاس تشریف لے گئے تو ان کے مرنے کے بعد ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ آپ نے اُن کو بند فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب روح قبض ہوتی ہے تو بینائی اُس کے ساتھ ہی چلی جاتی ہے۔ انگلیاں اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیئے جائیں یہ کام اُس کے گھر والوں میں جو زیادہ نرمی کے ساتھ کر سکتا ہو مثلاً باپ یا بیٹا کرے۔

واضح ہو کہ مردے چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس پر نماز پڑھی جائے اور غسل نہ دیا جائے وہ شہید ہے اور دوسرا وہ کہ غسل دیا جاتا ہے اور نماز پڑھی جاتی ہے وہ مسلمان غیر شہید ہے تیسرا وہ جس کو غسل دیا جائے اور نہ اس کی نماز پڑھی جائے وہ کافر ہے جس کا کوئی مسلمان والی نہ ہو۔

فاذا ارادوا غسلہ وضعوہ علی سریر وجعلوا علی عورتہ خرقۃ ونزعوا ثیابہ ووضوہ ولا یمضمض ولا یستنشق ثم یفیضون الماء علیہ ویجمر سریرہ وترا ویغلی الماء بالسدر او بالحرض فان لم یکن فالماء القراح

ترجمہ: پس جب اس کو غسل دینے کا ارادہ ہو تو اس کو تختے پر رکھیں اور اس کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا ڈالدیں

اور اس کے کپڑے اُتار دیں اور اس کو وضو کرائیں اور نہ کلی کرائیں اور نہ ناک میں پانی ڈالیں پھر اس پر پانی بہائیں اور تختے کو طاق مرتبہ دھونی دیں اور پانی کو بیری کے پتے یا اشنان ڈال کر گرم کیا جائے پس اگر وہ نہ ہوں تو خالص پانی کافی ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] فاذا ارادوا! یعنی میت کو جب نہلانے کا ارادہ ہو تو اُسے تخت یا تختہ یا چار پائی پر لٹائیں اور اس کو تین یا پانچ یا سات بار دھونی دیں یعنی جس چیز میں وہ خوشبو سلگتی ہو اُسے اتنی بار تخت وغیرہ کے گرد پھیرائیں اور اس پر میت کو لٹا کر ناف سے گھٹنوں تک کسی کپڑے سے چھپا دیں اور اس کے کپڑے اتار لیں پھر نہلانیوالا اپنا ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر پہلے استنجا کرائے پھر نماز کی طرح وضو کرائے اور اس کے منہ پھر کہنیوں سمیت ہاتھ دھوئیں پھر سر کا مسح کریں پھر پاؤں دھوئیں مگر میت کے وضو میں گٹوں تک پہلے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہیں البتہ کسی کپڑے یا روئی کی پھریری بھگو کر دانتوں اور مسوڑوں اور ہونٹوں اور نتھنوں پر پھیر دیں پھر میت کے اوپر پانی بہا دیں اور تختے وغیرہ کو طاق مرتبہ دھونی دیں ۔ اور پانی بیری کے پتے یا اشنان ڈالکر گرم کر دیا جائے اگر وہ چیزیں نہ ہوں تو خالص پانی نیم گرم کافی ہے چنانچہ حضرت ام عطیہ کی حدیث جو صحیحین میں موجود ہے اس میں اس کا حکم ہے اور اس وجہ سے بھی بیری کے پتے دافع عفونت ہیں اور لاش جلدی خراب نہیں ہوتی ۔ جسم کا میل خوب صاف ہو جاتا ہے نیز اس سے اور کافور سے قبر کے اندر موذی جانور بھاگتے ہیں ۔

ويُغسَلُ[۱] رأسُهٗ ولحيتُهٗ بالخطمي ثم يُضجع على شقه الايسر فيُغسل بالماء والسدر حتى يرى ان الماء قد وصل الى مايلي التخت منه ثم يُضجع على شقه الايمن فيُغسل بالماء حتى يرى ان الماء قد وصل الى مايلي التخت منه ثم يجلسه ويسنده اليه ويمسح بطنه مسحًا رفيقًا فان خرج منه شيءٌ غسله ولا يعيد غسله ثم ينشفه في ثوب ويدرجه في اكفانه ويجعل الحنوط على رأسه ولحيته والكافور على مساجده

ترجمہ: ـــــ اور اس کے سر و داڑھی کو خیر ملی سے دھویا جائے پھر اس کے بائیں کروٹ پر لٹایا جائے پس پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ پانی میت کے نیچے تک پہونچ چکا ہے پھر اس کے دائیں کروٹ پر لٹایا جائے پس پانی سے دھویا جائے یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ پانی اُس کے نیچے تک پہونچ گیا ہے پھر اس کو کسی سہارے سے بٹھائیں اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ سونتیں پس اگر اس سے کچھ نکلے تو اس کو دھو ڈالیں اور اس کے غسل کا اعادہ نہ کرے پھر اس کو کپڑے سے خشک کر دیں اور کفن میں داخل کر دیا جائے

اور حنوط اس کے سر اور داڑھی پر مل دیا جائے اور کافور اس کے سجدہ کے اعضاء پر۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] یغسل رأسہ، یعنی سر اور داڑھی کے بال ہوں تو گل خیرو سے دھویا جائے یہ نہ ہو تو پاک صابون اسلامی کارخانہ کا تیار شدہ یا بیسن یا کسی دوسری چیز سے ورنہ خالی بھی کافی ہے پھر بائیں کروٹ پر لٹا کر سر سے پاؤں تک بیری کا پانی بہایا جائے کہ وہ پانی میت کے نیچے تک پہونچ جائے پھر دائیں کروٹ پر لٹا کر اسی طرح کریں اور بیری کے پتے جوش دیا ہوا پانی نہ ہو تو خالص پانی نیم گرم کافی ہے پھر ٹیک لگا کر بٹھائیں اور نرمی کے ساتھ نیچے کو پیٹ پر ہاتھ پھیریں اگر کچھ نکلے تو دھو ڈالیں۔ وضو اور غسل کا اعادہ نہ کریں امام شافعی کے نزدیک وضو کا اور ابن سیرین کے نزدیک غسل کا اعادہ ضروری ہے۔ پھر اس کو کپڑے سے خشک کر کے کفن میں داخل کیا جائے اور اس کے سر اور داڑھی پر حنوط خوشبو لگائی جائے اور اس کے سجدہ کی جگہوں یعنی پیشانی و ناک و ہتھیلیوں اور گھٹنوں اور پاؤں پر کافور مل دیا جائے۔

واضح ہو کہ مشائخ میں یہ اختلاف ہے کہ غسل میت کا وجوب حدث کی وجہ سے ہے یا نجاست کی وجہ سے بعض اول کے قائل ہیں کیونکہ جو نجاست موت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے وہ غسل سے زائل نہیں ہوتی برخلاف حدث کہ وہ چونکہ حیات میں غسل کے ذریعہ زائل ہوتی ہے اس لئے موت کے وقت بھی غسل سے زائل ہوگی۔ انسان موت سے بر بناء کرامت ناپاک نہیں ہوتا البتہ محدث ہوتا ہے کیونکہ موت سبب ہے استرخاء مفاصل اور زوال عقل کا۔ ابو عبد اللہ وغیرہ دوم کے قائل ہیں کہ غسل میت کا وجوب نجاست کی وجہ سے ہے حدث کی وجہ سے نہیں کیونکہ انسان کو دم سائل ہے جو موت سے ناپاک ہو جاتا ہے جس طرح دوسرے حیوانات کو دم سائل ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ اگر کوئی مسلمان کنویں میں گر کر مر جائے تو پورا پانی نکالا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غسل کا وجوب اس کے ناپاک ہونے کی وجہ سے

والسنۃ[1] أن یکفن الرجلُ فی ثلاثۃِ اثوابٍ[2] ازارٍ وقمیصٍ ولفافۃٍ فإن اقتصروا علی ثوبَیْنِ جاز وإذا ارادوا[3] لفّ اللفافۃَ علیہ ابتدؤا بالجانبِ الایسرِ فالقوہ علیہ ثم الایمن فانْ خافوا ان ینتشرَ الکفنُ عنہ عقدُوہُ وتکفّنُ المرأۃُ فی خمسۃِ اثوابٍ ازارٍ وقمیصٍ وخمارٍ وخرقۃٍ تربطُ بہا ثدیاہا ولفافۃٍ فان اقتصروا علی ثلاثۃِ اثوابٍ جاز ویکون الخمارُ فوقَ القمیصِ تحتَ اللفافۃِ ویجعلُ شعرُہا علی صدرِہا

ترجمہ: ـــــ اور سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے یعنی ازار اور قمیص اور لفافہ میں اور اگر

دو کپڑوں پر اکتفا کریں تو بھی جائز ہے اور جب میت پر لفافہ لپیٹنا چاہیں تو بائیں طرف سے شروع کریں پس اس پر ڈال دیں پھر دائیں طرف سے پس اگر اندیشہ ہو کہ کفن اس سے کھل جائے گا تو اس کو باندھ دیں اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنائی جائے یعنی ازار اور کفنی اور اوڑھنی اور سینہ بند اور لفافہ میں اور اگر تین کپڑوں پر اکتفا کریں تو بھی جائز ہے اور اوڑھنی لفافہ کے نیچے کفنی کے اوپر ہوگی اور اس کے بال اس کے سینہ پر رکھ دیے جائیں۔

تشریح: —— قولہ[۱] والسنۃ ان یکفن ۔ میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے۔ کفن کے تین درجے ہیں (۱) ضرورت (۲) کفایت (۳) سنت۔ کفن سنت مرد کیلئے تین کپڑے ہیں۔ (۱) لفافہ (۲) ازار (۳) قمیص چنانچہ سرکار مدینہ کا کفن مبارک یہی تھا اور حضرت عائشہ کی حدیث میں جو قمیص کی نفی ہے اس سے مراد سلا ہوا قمیص ہے کیونکہ دوسری روایتوں میں قمیص کی تصریح موجود ہے

عورت کیلئے پانچ کپڑے سنت ہیں۔ تین تو یہی اور دو میں سے ایک اوڑھنی ہے اور دوسرا سینہ بند۔ کفن مردوں کیلئے دو کپڑے ہیں (۱) لفافہ (۲) ازار اور عورت کیلئے تین (۱) لفافہ (۲) ازار (۳) اوڑھنی یا (۱) لفافہ (۲) قمیص (۳) اوڑھنی اور کفن ضرورت دونوں کیلئے یہ ہے کہ جو میسر آئے اور کم از کم اتنا تو ہو کہ سارا بدن ڈھک جائے چنانچہ حضرت مصعب کو ایک چادر میں کفنایا گیا تھا جو اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھکتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا چنانچہ نبی کریم نے سر ڈھانکنے کا حکم فرمایا اور پاؤں گھاس سے چھپا دیے گئے۔

قولہ[۲] ازار و قمیص ولفافۃ ۔ ازار یعنی تہبند اس کی مقدار یہ ہے کہ چوٹی سے قدم تک ہو یعنی لفافہ سے اتنی چھوٹی جو بندش کیلئے کافی ہو۔ لفافہ یعنی چادر کی مقدار یہ ہے کہ میت کے قد سے اس قدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکیں اور قمیص جس کو کفنی کہتے ہیں گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک اور یہ آگے اور پیچھے دونوں طرف برابر ہوں اور جاہلوں میں جو رواج ہے کہ پیچھے کم رکھتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ چاک اور آستین اس میں نہ ہوں مرد اور عورت کی کفنی کے درمیان یہ فرق ہے کہ مرد کی کفنی مونڈھے پر چیریں اور عورت کی سینہ کی طرف۔

قولہ[۳] واذا ارادوا ۔ کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو غسل دینے کے بعد بدن کسی پاک کپڑے سے آہستہ پونچھ لیں کہ کفن تر نہ ہو اور کفن کو ایک یا تین یا پانچ یا سات بار دھونی دے لیں اس سے زیادہ نہیں پھر کفن اس طرح بچھائیں کہ پہلے بڑی چادر پھر تہبند پھر کفنی پھر میت کو اس پر لٹائیں اور کفنی پہنائیں اور داڑھی اور تمام بدن پر خوشبو ملیں اور مقامات سجود یعنی ماتھے اور ناک اور ہاتھ اور گھٹنا اور قدم پر کافور لگائیں پھر ازار یعنی تہبند لپیٹیں۔ پہلے بائیں جانب سے پھر دائیں طرف سے پھر لفافہ لپیٹیں۔ پہلے بائیں طرف سے پھر دائیں طرف سے تاکہ داہنا اوپر رہے اور سر اور پاؤں کی طرف باندھ دیں کہ اڑنے کا اندیشہ نہ رہے اور عورت بچھا کر سر

پر لاکر مونہہ پر مثل نقاب ڈالدیں کہ سینہ پر رہے کہ اُس کا طول نصف پشت سے سینہ تک ہے اور عرض ایک کان کی لَو سے دوسرے کان کی لَو تک ہے ۔

وَلَا يُسَرَّحُ شَعْرُ الْمَيِّتِ وَلَا لِحْيَتُهُ وَلَا يُقَصُّ ظُفْرُهُ وَلَا يُقَصُّ شَعْرُهُ وَيُجْمَرُ الْأَكْفَانُ قَبْلَ أَنْ يُدْرَجَ فِيهَا وِتْرًا

ترجمہ: ـــــ اور میت کے بالوں اور اس کی داڑھی میں کنگھا نہ کیا جائے اور نہ اس کے ناخن تراشے جائیں اور نہ بال کاٹے جائیں اور کفنوں کو اس میں داخل کرنے سے پہلے طاق مرتبہ خوشبو میں بسا لیا جائے ۔

تشریح: ـــــ قولہ ولا یسرح ۔ یعنی میت کی داڑھی یا اس کے سر کے بال میں کنگھا نہ کیا جائے اور نہ اُس کے ناخن تراشے جائیں اور نہ بال کاٹے جائیں اور نہ کسی جگہ کے بال مونڈائے یا کترے یا اکھاڑے جائیں کیونکہ ایسا کرنا ناجائز و مکروہ تحریمی ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ جس حالت پہ ہے اُسی حالت پر دفن کر دیں بال اگر ناخن ٹوٹا ہو توڑ سکتے ہیں اور اگر ناخن یا بال تراشے جائے تو کفن میں رکھ دیں ۔

فَإِذَا فَرَغُوا مِنْهُ صَلُّوا عَلَيْهِ وَأَوْلَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ عَلَيْهِ السُّلْطَانُ إِنْ حَضَرَ فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَيُسْتَحَبُّ تَقْدِيمُ إِمَامِ الْحَيِّ ثُمَّ الْوَلِيِّ فَإِنْ صَلَّى عَلَيْهِ غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلْطَانِ أَعَادَ الْوَلِيُّ وَإِنْ صَلَّى عَلَيْهِ الْوَلِيُّ لَمْ يَجُزْ أَنْ يُصَلِّيَ أَحَدٌ بَعْدَهُ

ترجمہ: ـــــ پس جب اُس سے فارغ ہو جائیں تو اس پر نماز پڑھیں اور سب سے زیادہ حقدار اس کی امامت کا بادشاہ ہے اگر وہ حاضر ہو پس اگر حاضر نہ ہو تو محلہ کے امام کو آگے بڑھانا مستحب ہے پھر میت کے ولی کو پس اگر ولی اور بادشاہ کے علاوہ نے نماز پڑھائی تو ولی اس کا اعادہ کر سکتا ہے اور اگر ولی اس پر نماز پڑھ چکا ہے تو جائز نہیں کہ کوئی اس کے بعد نماز پڑھائے ۔

تشریح: ـــــ قولہ فاذا فرغوا یعنی جب غسل اور کفن سے فارغ ہو جائے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور اس میں امامت کا زیادہ حق بادشاہ اسلام کو ہے پھر قاضی پھر امام جمعہ پھر امام محلہ پھر ولی کو ۔ امام محلہ کا ولی پر تقدم بطور استحباب ہے اور یہ بھی اس وقت کہ ولی سے افضل ہو ورنہ ولی بہتر ہے چنانچہ حضرت حسن کا وصال ہوا تو ان کو نماز جنازہ کے لئے حضرت امام حسین نے حضرت سعید بن العاص کو جو والی مدینہ تھے بڑھا کر یہ فرمایا لولا السنۃ ما قدمتک

امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں امام ابو یوسف کے نزدیک ولی مقدم ہے۔
ولی سے مراد میت کے عصبہ ہیں اور نماز پڑھانے میں اولیاء کی وہی ترتیب ہے جو نکاح میں ہے فرق صرف یہ ہے کہ نماز جنازہ میں میت کے باپ کو بیٹے پر تقدم ہے اور نکاح میں بیٹے کو باپ پر البتہ باپ اگر عالم نہیں اور بیٹا عالم ہے تو نماز جنازہ میں بھی بیٹا مقدم ہے اگر عصبہ نہ ہوں تو ذوی الارحام غیروں پر مقدم ہیں۔
قولہ فان صلی۔ یعنی ولی اور بادشاہ کے علاوہ کسی دوسرے نے نماز پڑھائی اور ولی و بادشاہ نے اُسے اجازت بھی نہ دی تھی تو اگر ولی نماز میں شریک نہ ہوا تو وہ نماز کا اعادہ کر سکتا ہے کیونکہ ولی میت کا مالک ہوتا ہے لہٰذا اُسے اختیار ہے کہ وہ دوبارہ پڑھے۔ اور اگر مردہ کو دفن کر دیا ہو تو قبر پر بھی نماز پڑھ سکتا ہے اور اگر ولی نماز میں شریک ہوا یعنی وہ بھی نماز پڑھا تو اب اُس کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

فَاِذَا دُفِنَ وَلَمْ یُصَلَّ عَلَیْہِ صُلِّیَ عَلٰی قَبْرِہٖ اِلٰی ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ وَلَا یُصَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ وَیَقُوْمُ الْمُصَلِّیْ بِحِذَاءِ صَدْرِ الْمَیِّتِ

ترجمہ: ـــــ پس اگر مردہ کو دفن کر دیا جائے اور اس پر نماز نہ پڑھی گئی تو اس کی قبر پر تین دن تک نماز پڑھی جائے اور اس کے بعد نہ پڑھی جائے اور نماز پڑھانے والا میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔
تشریح: ـــــ قولہ فان دفن۔ یعنی میت کو بغیر نماز پڑھائے دفن کر دیا جائے تو تین روز تک اس کی قبر پر نماز پڑھ سکتے ہیں چونکہ سرکار مدینہ نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز پڑھی تھی۔ تین دن کی تعداد امام ابو یوسف کے نزدیک ہے جبکہ ہدایہ میں ہے کہ نماز اس وقت تک پڑھ سکتے ہیں جبکہ مردہ نہ پھٹا ہو۔ اس اعتبار سے کوئی مدت متعین نہ ہوگی کہ کتنے دن تک نماز پڑھی جائے کیونکہ وہ موسم و زمین اور میت کے جسم و مرض کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے گرمی میں جلد پھٹے گا اور جاڑے میں دیر سے اور تر یا شور زمین میں جلد اور خشک و غیر شور زمین میں دیر سے۔ اور فربہ جسم جلد اور لاغر دیر سے۔
قولہ یقوم المصلی۔ مستحب ہے کہ امام میت کے سینہ کے سامنے کھڑا ہو اور میت سے دور نہ ہو میت خواہ مرد ہو یا عورت۔ بالغ ہو یا نابالغ۔ یہ اس وقت ہے کہ ایک ہی میت کی نماز پڑھانی ہو اور اگر چند ہوں تو کسی ایک کے سینہ کے مقابل اور قریب کھڑا ہو۔ کیونکہ یہ دل کی جگہ ہے اور دل ہی میں نور ایمان ہوتا ہے پس اس جگہ کھڑا ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ امام اس کے ایمان کی سفارش کرتا ہے۔

والصلوٰۃ[1] اَنْ یکبّر[2] تکبیرۃً یحمد اللّٰہ تعالیٰ عقیبہا ثم یکبّر تکبیرۃً یصلّی علی النبی علیہ السلام ثم یکبّر تکبیرۃً ثالثۃً یدعو فیہا لنفسہ وللمیّت وللمسلمین ثم یکبّر تکبیرۃً رابعۃً ویسلّم ولا یرفع یدیہ الّا فی التکبیرۃ الاولیٰ

ترجمہ : ـــــ اور نماز یہ ہے کہ ایک تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد و ثنا کہے پھر دوسری تکبیر کہہ کر نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجے پھر تیسری بار تکبیر کہہ کر اپنے لئے اور میت کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعاء کرے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے اور ہاتھ نہ اٹھائے مگر پہلی تکبیر میں ۔

تشریح : ـــــ قولہ[1] والصلوٰۃ ۔ نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ نیچے لائے اور ناف کے نیچے حسب دستور باندھ لے اور ثنا پڑھے پھر بغیر ہاتھ اٹھائے دوسری تکبیر کہے اور درود شریف پڑھے بہتر وہ درود ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اگر کوئی دوسرا درود پڑھا جب بھی حرج نہیں پھر تیسری تکبیر کہہ کر اپنے اور تمام مومنین و مومنات کیلئے دعا کرے اور بہتر وہ ہے جو احادیث سے مروی ہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر بغیر کوئی دعا پڑھے ہاتھ کھول کر سلام پھیر دے ۔ سلام میں میت اور فرشتا اور حاضرین نماز کی نیت کرے جس طرح دوسری نمازوں کے سلام میں نیت کی جاتی ہے اس میں اتنا اور زیادہ کرے کہ میت کی بھی نیت کرے ۔

قولہ[2] ان یکبّر تکبیرۃ ۔ نماز جنازہ میں تکبیرات چار ہیں چونکہ سرکار مدینہ سے چار تکبیرات مروی ہیں اگرچہ پانچ اور سات تکبیرات کی بھی روایت ہے لیکن پانچ بنو ہاشم کیلئے اور سات بدری شہداء کیلئے خاص تھیں جیسا کہ تاریخ اصبہان میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے تصریح موجود ہے جبکہ سرکار مدینہ نے نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ پڑھائی تو آپ نے چار تکبیرات کہیں اور اخیر وقت تک آپ کا یہی معمول رہا ۔

ولا یُصلّی علیٰ میّتٍ فی مسجدِ جماعۃٍ فاذا[2] حملوہ علیٰ سریرہٖ اخذوا بقوائمہ الاربع ویمشون بہٖ مسرعین دون الخبب فاذا[3] بلغوا الیٰ قبرہٖ کُرِہَ للناس اَنْ یجلسوا قبلَ اَنْ یوضع من اعناق الرجال

ترجمہ : ـــــ اور جماعت والی مسجد میں جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے پس جب اس کو تخت پر اٹھائیں تو اس کے چاروں پائے پکڑ لیں اور اس کو جلدی دوڑے بغیر لے چلیں اور جب اس کی قبر تک پہونچیں تو لوگوں کے لئے مکروہ ہے کہ وہ بیٹھ جائیں قبل اس کے کہ لوگوں کی گردنوں سے اتار کر رکھا جائے ۔

تشریح : ـــــ قولہ[1] ولا یصلی ۔ یعنی جنازہ کی نماز جماعت والی مسجد میں نہ پڑھی جائے کیونکہ وہ مطلقاً مکروہ

تحریمی ہے کہ میت خواہ مسجد کے اندر ہو یا اس سے باہر اور مسجد میں تمام نمازی ہوں یا بعض نمازی چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ صلی علی الجنازۃ فی المسجدِ فلا اجرلہٗ یعنی جو مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھے اس کو کوئی ثواب نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ سرکار نے جب نجاشی بادشاہ کے انتقال کی خبر پہونچی تو آپ مسجد سے نکل کر عیدگاہ میں نماز پڑھلئے پس اگر مسجد میں نماز جائز ہوتی تو باہر نکلنا فضول تھا اور نماز جنازہ ذکر و دعا ہے وہ جب مسجد میں ممنوع ہے تو مردہ کو مسجد میں داخل کرنا بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوا۔

قولہ فاذا حملوہٗ۔ یعنی میت کو جب تخت یا چارپائی پر رکھ کر لے جائیں تو اس کے چاروں پایوں کو پکڑیں چنانچہ ارشاد گرامی ہے مَنْ حمل جنازۃً بقوائمہا الاربع غفر اللہ لہٗ مغفرۃً حتماً یعنی جو جنازہ کے چار پایوں کو پکڑ کر قبرستان لے جائے تو یقینی طور پر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔

جنازہ کو جلدی جلدی لے جائیں اگرچہ آہستہ بھی جائز ہے چنانچہ نبی کریم نے فرمایا عجلوا بموتاکم فان یک خیراً قدمتموہ الیہ وان یک شراً القیتموہ عن اعناقکم۔ یعنی اپنے مردوں کو قبرستان لے جانے میں جلدی کرو؛ پس اگر وہ نیک ہو تو آگے بڑھو اور اگر بد ہو تو اس کو اپنی گردنوں سے ڈال دو؛

قولہ فاذا بلغوا۔ یعنی جنازہ جب قبر کے پاس پہونچے تو اس کو کندھوں سے اتارنے سے پہلے لوگوں کو بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ جنازہ کو پکڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور جب آدمی بیٹھ جائیں گے تو پکڑنے والے کم پڑ جائیں گے اور اس لئے بھی کہ بیٹھ جانے سے جنازہ کی توہین لازم آتی ہے اس وجہ سے پہلے جنازہ رکھا جائے اس کے بعد لوگ بیٹھیں۔

ویحفر القبر و یلحد و یدخل المیت مما یلی القبلۃ فاذا وضع فی لحدہٖ قال الذی یضعہ بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ و یوجھہ الی القبلۃ و یحل العقد و یسوی اللبن علی اللحد و یکرہ الاجر والخشب ولا باس بالقصب ثم یھال التراب علیہ و یسنم القبر ولا یسطح

ترجمہ: —— اور قبر کھود کر لحد بنائی جائے اور میت کو قبلہ کی طرف سے اتارا جائے اور جب لحد میں رکھا جائے تو رکھنے والا بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ کہے اور اس کو قبلہ رُخ کرے اور کفن کے بند کھولدے اور لحد پر کچی اینٹ برابر کردے اور پکی اینٹیں اور تختے مکروہ ہیں اور بانس وغیرہ میں کوئی حرج نہیں پھر اس پر مٹی ڈالدیا جائے اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے نہ کہ چوگوشی۔

تشریح: —— قولہ یحفر القبر۔ قبر دو طرح کی ہوتی ہے ایک لحد اور دوسری صندوق۔ لحد وہ قبر ہے جس میں قبلہ کی طرف سے میت کو رکھا جائے اور صندوق وہ قبر ہے جو عموماً ہندوستان میں رائج ہے یعنی سیدھا گڑھے میں

رکھا جاتا ہے۔ لحد احناف کے نزدیک مسنون ہے چنانچہ سرکار مدینہ نے فرمایا کہ لحد ہمارے لئے ہے اور صندوق دوسروں کیلئے اور اس لئے بھی کہ جب سرکار کا وصال ہوا تو آپ کی قبر سے متعلق اختلاف پڑا کہ لحد ہو یا صندوق۔ حضرت ابو طلحہ انصاری لحد میں ماہر تھے اور حضرت ابو عبیدہ صندوق میں۔ پس جب ان دونوں کے پاس آدمی بھیجا گیا تو حضرت عباس بن عبدالمطلب نے دعا کی اللھم اختر لنبیک احب الامرین الیک ۔ حسن اتفاق کہ حضرت ابو طلحہ ان کو مل گئے اور حضرت ابو عبیدہ نہیں ملے تو آپ کی قبر لحد بنائی گئی۔ امام شافعی نے صندوق کو مسنون قرار دیا ہے لیکن یہ اختلاف زمین کے نرم و سخت ہونے میں ہے کہ زمین اگر سخت ہو تو لحد بہتر ہے اور اگر نرم ہو تو صندوق بہتر ہے۔

قولہ[۲] یدخل المیت۔ یعنی میت کو قبلہ رُخ اتارا جائے اور اُتارتے وقت یہ دعا پڑھے بسم اللّٰہ و باللّٰہ و علٰی ملۃ رسول اللّٰہ اور ایک روایت میں بسم اللّٰہ کے بعد و فی سبیل اللّٰہ بھی منقول ہے اور میت کو دائیں کروٹ لٹایا جائے اور اس کے منہ کو قبلہ کی جانب کیا جائے اور قبر میں رکھنے کے بعد کفن کی بندش کھول دی جائے کہ اب اس کی ضرورت نہیں اور اگر بندش نہ کھولی جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

قولہ[۳] و یسوی اللبن۔ یعنی لحد پر کچی اینٹیں برابر کر دی جائے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی لحد پر کچی اینٹیں لگادی گئی تھیں اور اس لئے بھی کہ حضرت ابو بکر و عمر کی لحد پر بھی کچی اینٹیں کھڑی کی گئی تھیں اور حضرت سعید بن العاص نے بھی اپنی قبر کیلئے کچی اینٹ کیلئے وصیت کی تھی۔ پکی اینٹ اور تختہ لگانا مکروہ ہے کیونکہ وہ عمارت کی چیزیں ہیں جن کو میت کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں اور اینٹ میں آگ لگی ہوتی ہے جس سے بدفالی کا امکان ہے

قولہ[۴] ثم یھال۔ یعنی قبر پر مٹی ڈال کر اس کو کوہان نما کر دیا جائے اور مستحب ہے دونوں ہاتھوں سے تین بار مٹی ڈالا جائے پہلی بار کہے منہا خلقناکم دوسری بار و فیہا نعیدکم اور تیسری بار و منہا نخرجکم تارۃ اخری اور باقی مٹی ہاتھ یا کھرپی یا پھوڑے وغیرہ جس چیز سے ممکن ہو قبر میں ڈالی جائے اور جتنی مٹی قبر سے نکالی گئی اس سے زیادہ اس پر ڈالنا مکروہ ہے۔

وَمَنْ[۱] استھل بعد الولادۃ سُمّیَ وغُسِلَ و صُلّیَ علیہ وانْ لَمْ یستھل اُدْرِجَ فی خرقۃٍ و دُفِنَ ولم یصلّ علیہ

ترجمہ: ـــــ اور بچہ ولادت کے بعد آواز نکالے تو اس کا نام رکھا جائے اور غسل دیکر اس کی نماز پڑھی جائے اور اگر آواز نہ نکالے تو کپڑے میں لپیٹ کر اس کو دفن کر دیا جائے اور اس کی نماز نہ پڑھی جائے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] و من استھل۔ بچہ کی ولادت کے بعد اس کے زندہ ہونے کی علامت مثلاً رونا چلانا

وغیرہ اگر پایا جائے تو اس کا نام رکھا جائے اور غسل دیا جائے اور نماز بھی پڑھی جائے اور اگر وہ علامت نہ ہو بلکہ مردہ ہونا پایا جائے تو اس کو ایک منشر کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور اس کی نماز بھی نہ پڑھی جائے البتہ امام ابو یوسف نے کہا کہ اس کا نام رکھا جائے اور غسل بھی دیا جائے ۔

باب الشهيد

ترجمہ : ـــــــ شہید کے مسائل کا بیان ۔

الشهيد مَنْ قتله المشركون أو وُجد في المعركة وبه أثرُ الجراحة أو قتله المسلمون ظلمًا ولم يجب بقتله دية

ترجمہ: ـــــــ شہید وہ ہے جس کو مشرکوں نے قتل کر دیا ہو یا میدان جنگ میں پایا گیا ہو اور اس پر زخم کا اثر ہو یا مسلمانوں نے اس کو ظلماً قتل کر دیا ہو اور اس کے مارنے سے دیت واجب نہ ہو ۔

تشریح: ـــــــ قولہ باب الشهيد ۔ شہید کا بیان اگرچہ اموات کے بیان میں ہے چونکہ شہید میں فضیلت و اجر و ثواب اور درجات کی بلندی ہے اس لئے اس کو دوسرے اموات سے علاحدہ بیان کیا گیا ۔ شہید مشتق ہے شہود یا شہادت سے وہ بمعنی شاہد ہے یا بمعنی مشہود بتقدیر اول اس لئے کہ خون اور زخم اس کے شاہد ہیں یا اس لئے کہ اس کی روح جنت میں پہونچ جاتی ہے یا فرشتے اس کے مرنے کی شہادت دیتے ہیں بتقدیر دوم اس لئے کہ وہ مشہود لہ بالجنۃ ہے

قولہ الشهيد من قتله ۔ شہید اصطلاح شرع میں اس مسلمان کو کہا جاتا ہے جس کو مشرکوں یا کافروں نے قتل کیا ہو یا وہ میدان جنگ میں پایا گیا ہو اور اس پر زخم کا نشان ہو یا اس کو مسلمانوں نے بطور ظلم قتل کیا ہو اور اس کے مارنے پر دیت واجب نہ ہو ۔ ظلم کی قید سے اس قتل سے احتراز ہو گیا جو قصاص یا حد یا التعزیر میں قتل کیا گیا ہو یا درندہ نے مار ڈالا ہو اور نفس قتل سے دیت یعنی مال واجب نہ ہونے کی قید سے احتراز ہے اس سے کہ وجوب مال کسی امر خارج سے ہو مثلاً قاتل وا ولیاء مقتول میں صلح ہو گئی ۔

فيكفن ويصلى عليه ولا يغسل وإذا استشهد الجنب غُسل عند أبي حنيفة وكذلك الصبي وقال أبو يوسف ومحمد لا يُغسلان

ترجمہ: ـــــــ پس اس کو کفن دیا جائے اور نماز پڑھی جائے اور غسل نہ دیا جائے اور جب کوئی ناپاک شہید ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک غسل دیا جائے اور اسی طرح بچہ کا حکم ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ ان کو غسل نہ دیا جائے۔

تشریح: ـــــــ قولہ[1] فیکفن۔ یعنی اوصاف مذکورہ کیساتھ جو قتل کیا جائے اس کو کفن دیا جائے گا اور غسل کے بغیر اس کی نماز پڑھی جائے گی اور اسی خون آلود کپڑوں میں اس کو دفن کر دیا جائے گا چنانچہ بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن ثعلبہ سے روایت کی سرکار مدینہ نے شہداء احد سے متعلق فرمایا تھا کہ ان کو خون اور زخموں کے ساتھ کپڑوں میں لپیٹ دو امام شافعی نے فرمایا کہ جس طرح ان کو غسل نہیں دیا جاتا اسی طرح نماز بھی نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو زندہ کہا ہے جبکہ نماز جنازہ مردہ کی پڑھی جاتی ہے اور اس لئے بھی کہ تلوار چونکہ گناہوں کو مٹانے والا ہوتا ہے پس اس کے لئے نماز پڑھکر مغفرت کی دعا کرنا فضول ہے احناف کی دلیل سرکار کا یہ عمل ہے کہ آپ نے شہداء احد کی نماز پڑھی اور فرمایا صلّوا علیٰ من قال لا الٰہ الا اللہ اور اس لئے بھی کہ میت کی نماز اس کی کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اور شہید اس کا زیادہ حقدار ہے اور اللہ تعالیٰ نے شہداء کو جو زندہ کہا ہے وہ احکام آخرت میں چنانچہ ارشاد ہے بل احیاءٌ عند ربہم اور لیکن احکام آخرت میں وہ مردہ ہے اسی وجہ سے اس کے مال میں وراثت جاری ہوتی ہے اور اس کی بیوی، کی شادی جائز ہوتی ہے

قولہ[2] اذا استشہد۔ یعنی جب کوئی ناپاک آدمی یا بچہ شہید ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک غسل دیا جائے گا اسی پر فتویٰ ہے اور صاحبین کے نزدیک ان کو غسل نہیں دیا جائے گا یہ درحقیقت ایک اختلاف پر مبنی ہے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ شہید کو غسل نہ دینے کیلئے اس کا عاقل و بالغ ہونا اور طاہر یعنی جنابت سے پاک ہونا ضروری ہے پس اگر کوئی بچہ یا مجنون یا جنبی شہید ہو جائے تو ان کو غسل دیا جائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ قتل کا بطور شہادت پایا جانا غسل کے قائم مقام ہے جس طرح کھال کی پاکی کیلئے دباغت، زکوٰۃ کے قائم مقام ہے اس وجہ سے صاحبین کے نزدیک ان کو غسل نہیں دیا جائے گا دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ جب حضرت حنظلہ شہید ہوئے تو سرکار نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے نہلا رہے ہیں۔ صحابہ کرام نے ان کی اہلیہ سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ ناپاک تھے اس پر سرکار نے فرمایا اسی وجہ سے فرشتوں نے ان کو نہلایا۔

ولا یُغسلُ[1] عن الشھید دمُہٗ ولا ینزع عنہ ثیابُہٗ وینزع[2] عنہ الفروُ والحشو والخفُّ والسلاحُ

ترجمہ: ـــــ اور شہید کا خون نہ دھویا جائے اور نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں اور اس سے پوستین اور روئی بھرا ہوا کپڑا اور موزہ اور ہتھیار اتار لیا جائے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ولا یغسل۔ یعنی شہید کے بدن سے خون نہ دھویا جائے اور نہ اُس کے بدن سے کپڑے اُتارے جائیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہداء احد کے متعلق فرمایا زملوھم بدمائھم وکلومھم یعنی ان کو زخموں اور خون آلود کپڑوں میں لپیٹ دو؛ اور اس لئے بھی کہ شہید کا خون اس کی ذات کے حق میں طاہر ہے اور اس کے غیر کے حق میں ناپاک ہے۔

قولہ[۲] ینزع عنہ۔ یعنی شہید کے بدن پر جو چیزیں از قبیل کفن نہ ہوں ان کو اُتار لیا جائے مثلاً پوستین وزرہ وٹوپی وہتھیار وروئی کا کپڑا اور موزہ کیونکہ وہ چیزیں دشمن کے ضرر کو دفع کرنے کیلئے تھیں اور جب وہ زندہ ہی نہ رہا تو اس کی ضرورت نہ رہی اھ اس لئے بھی کہ سرکار نے شہداء احد کے متعلق فرمایا کہ ان کے بدن سے لوہا اور پوستین اتار لو اور ان کو ان کے خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کر دو؛

وَمَنْ[۱] اِرْتُثَّ غُسِلَ وَالْاِرْتِثَاثُ اَنْ یَّاکُلَ اَوْ یَشْرَبَ اَوْ یُدَاوِیَ اَوْ یَبْقٰی حَیًّا حَتّٰی یَمْضِیَ عَلَیْہِ وَقْتُ صَلٰوۃٍ وَھُوَ یَعْقِلُ اَوْ یُنْقَلُ مِنَ الْمَعْرَکَۃِ

ترجمہ: ـــــ اور جو مرتث ہو اس کو غسل دیا جائے اور ارتثاث وہ ہے کہ کھائے یا پیئے یا دوا لگائے یا اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت بہ حالت ہوش وحواس گذر جائے یا میدان جنگ سے زندہ نقل کیا جائے

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ومن ارتث۔ ارتثاث شریعت میں وہ ہے کہ مقتول منافع زندگی میں سے کوئی نفع حاصل کرے مثلاً کوئی چیز کھا پی لے یا علاج معالجہ کرے یا اس پر ایک نماز کا وقت بحالت ہوش وحواس گذر جائے اور نماز ادا کرنے پر قادر ہو یا بحالت ہوش میدانِ جنگ سے منتقل کیا جائے ان تمام صورتوں میں مقتول کو غسل دیا جائے گا چنانچہ حضرت عمر کو جب زخمی حالت میں مکان لایا گیا تو آپ دو دن زندہ رہکر وصال فرما گئے تو آپ کو غسل دیا گیا جبکہ آپ شہید تھے اسی طرح حضرت علی اور سعد بن معاذ کو بھی غسل دیا گیا تھا۔

وَمَنْ[۱] قُتِلَ فِیْ حَدٍّ اَوْ قِصَاصٍ غُسِلَ وَصُلِّیَ عَلَیْہِ وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُغَاۃِ اَوْ قُطَّاعِ الطَّرِیْقِ لَمْ یُصَلَّ عَلَیْہِ

ترجمہ: ـــــ اور جو حد یا قصاص میں قتل کیا جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز بھی پڑھی جائے گی اور جو باغی یا ڈاکو مارا جائے تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ومن قتل۔ یعنی جو شخص حد یا قصاص کی وجہ سے قتل کیا جائے اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی کیونکہ وہ ظلماً نہیں بلکہ ایفاء حق کیلئے مارا گیا ہے اور جو شخص بغاوت یا رہزنی میں مارا جائے تو اس کی نماز نہ پڑھی جائے چونکہ حضرت علی نے خارجیوں کی نماز نہیں پڑھی۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ لوگ کیا کافر ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ باغی ہیں۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ عقوبت کے طور پر اس کو غسل بھی نہ دیا جائے گا اور امام محمد نے کہا کہ غسل دیا جائے گا البتہ نماز نہ پڑھی جائے گی

بابُ[۱] الصلوٰۃِ فی الکعبۃِ

ترجمہ ـــــ کعبہ میں نماز کے مسائل کا بیان

الصّلوٰۃُ[۲] فی الکعبۃِ جائزۃٌ فرضھا ونفلھا وانْ[۳] صلّی الامامُ فیھا بجماعۃٍ فجعل بعضھم ظھرہٗ الی ظھرِ الامامِ جازَ ومن جعل منھم وجھہٗ الی وجہِ الامامِ جاز ویکرہُ ومن جعل منھم ظھرہٗ الی وجہِ الامامِ لَمْ تجز صلاتہٗ

ترجمہ: ـــــ کعبہ میں نماز جائز ہے فرض بھی اور نفل بھی پس اگر امام کعبہ میں جماعت سے نماز پڑھائے اور مقتدیوں میں سے کوئی اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے تو جائز ہے اور جو ان میں سے اپنا منہ امام کے منہ کی طرف کرے تو جائز ہے اور مکروہ ہے اور جو ان میں سے کوئی اپنی پیٹھ امام کے منہ کی طرف کرے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] باب الصلوٰۃ۔ اس باب کو اگرچہ باب الجنائز سے پہلے بیان کرنا چاہیئے کیونکہ اس کا تعلق حیات سے ہے اور جنازے کا تعلق موت سے ہے۔ غالباً اس کو اس وجہ سے موخر کیا گیا کہ کتاب الصلوٰۃ کا اختتام ایک متبرک چیز پر ہو جائے اور باب الشہید سے متصل اس لئے کہ کعبہ میں نماز پڑھنے والا جس طرح من وجہ مستقبل ہوتا ہے اور من وجہ مستدبر اسی طرح شہید بھی من وجہ زندہ اور من وجہ مردہ یعنی عند اللہ زندہ ہوتا ہے اور عند الناس مردہ!

قولہ[۲] الصلوٰۃ فی الکعبۃ جائزۃ۔ یعنی کعبہ میں ہر نماز جائز ہے خواہ فرض ہو یا نفل، تنہا پڑھے۔ یا جماعت

کے ساتھ؛ اس لئے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول گرامی اور ان کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت بلال بن رباح کعبہ میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا گیا۔ کچھ دیر وہاں ٹھہرے۔ جب باہر تشریف لائے تو میں نے حضرت بلال سے پوچھا کہ سرکار کیا کر رہے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے ایک ستون کو بائیں طرف کیا اور دو کو دائیں طرف اور تین کو پیچھے۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور اس زمانہ میں کعبہ میں چھ ستون تھے۔ امام شافعی نے کہا کہ اس میں نہ فرض نماز صحیح ہے اور نہ نفل نماز، امام مالک کے نزدیک نفل تو پڑھ سکتے ہیں لیکن فرض نہیں کیونکہ سرکار مدینہ ایک مرتبہ کعبہ میں داخل ہوئے اور ستون کے پاس کھڑے ہو کر دعاء فرمائی لیکن نماز نہ پڑھے۔ احناف کے نزدیک اس کا جواب حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث مذکور ہے۔

قولہ۲ وان صلی الامام۔ یعنی امام اگر کعبہ میں جماعت سے نماز پڑھائے اور مقتدیوں میں سے کوئی ایک اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی اور جو ان میں سے اپنا منہ امام کے منہ کی طرف کرے تو اس کی نماز بھی ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر اپنی کوئی پیٹھ امام کے منہ کی طرف کرے تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ وہ امام سے آگے ہے اور یہ جائز نہیں۔

امام کعبہ کے اندر ہے اور مقتدی باہر تو اقتدا صحیح ہے امام خواہ تنہا اندر ہو یا اس کے ساتھ بعض مقتدی بھی مگر دروازہ کھلا رہنا ضروری ہے تاکہ امام کے رکوع و سجود کا حال معلوم ہوتا رہے اور اگر دروازہ بند ہے مگر امام کی آواز آتی ہے جب بھی کوئی حرج نہیں مگر اس صورت میں امام کے تنہا اندر ہونے میں کراہت ہے کہ امام تنہا بلندی پر ہوگا اور یہ مکروہ ہے اور امام باہر ہو اور مقتدی اندر جب بھی نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ مقتدی کی پیٹھ امام کے مواجہہ میں نہ ہو۔

وَاِذَا صَلَّى الْاِمَامُ[۱] فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّوْا بِصَلٰوةِ الْاِمَامِ فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ اَقْرَبَ اِلَى الْكَعْبَةِ مِنَ الْاِمَامِ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِي جَانِبِ الْاِمَامِ وَمَنْ صَلّٰى عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ

ترجمہ: ـــــ اور جب امام مسجد حرام میں نماز پڑھائے تو لوگ کعبہ کے ارد گرد حلقہ باندھ لیں اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں پس جو شخص امام کی بہ نسبت کعبہ سے زیادہ قریب ہو تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی جبکہ یہ امام کی جانب میں نہ ہو اور جو کوئی کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو اس کی نماز بھی جائز ہو جاتی ہے

تشریح: ـــــ قولہ۱ واذا صلی۔ یعنی امام جب مسجد حرام میں نماز پڑھائے اور مقتدی کعبہ کے چاروں طرف

ہوں جب بھی نماز جائز ہے اگرچہ مقتدی بہ نسبت امام کے کعبہ سے قریب تر ہے۔ بشرطیکہ وہ مقتدی جو بہ نسبت امام کے قریب تر ہے اُدھر نہ ہو جس طرف امام ہو بلکہ دوسری طرف ہو اور اگر اس طرف ہے جدھر امام ہے اور بہ نسبت امام کے قریب ہے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

قولہ ومن صلی ۔ یعنی کعبہ کی چھت پر بھی نماز جائز ہے کیونکہ احناف کے نزدیک قبلہ کعبہ کی عمارت نہیں بلکہ اس بقعہ سے آسمان تک خلائی فضا ہے البتہ یہ مکروہ ہے کیونکہ ایک تو تعظیم کے خلاف ہے اور دوسرا حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ سرکار نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جن میں سے ایک کعبہ کی چھت بھی شمار کیا ہے امام شافعی کے نزدیک کعبہ کی چھت پر نماز نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک قبلہ وہ عمارت ہے ۔

کتاب الزکوٰۃ

ترجمہ: ــــــــ زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

الزکوٰۃُ واجبۃٌ علی الحرِّ المسلمِ البالغِ العاقلِ اذا ملکَ نصاباً کاملاً ملکاً تاماً وحالَ علیہِ الحولُ

ترجمہ: ــــــــ زکوٰۃ واجب ہے۔ آزاد۔ مسلمان۔ بالغ۔ عاقل۔ پر جبکہ وہ نصاب کا پورے طور پر مالک ہو اور اس پر سال گذر جائے۔

تشریح: ــــــــ قولہ کتاب الزکوٰۃ ۔ عبادات پانچ ہیں (۱) نماز (۲) روزہ (۳) حج (۴) زکوٰۃ (۵) جہاد ۔ ان میں سے بعض بدنی محض ہے اور بعض مالی محض اور بعض دونوں کا مجموعہ اول وہ نماز و روزہ و جہاد ہے دوم زکوٰۃ اور سوم حج اور جب نماز کو بیان کیا گیا تو مناسب ہوا کہ اس کے بعد روزہ کو بیان کیا جائے لیکن زکوٰۃ کو بیان کیا گیا اس کی وجہ یہ کہ قرآن میں اکثر جگہوں میں چونکہ نماز کے بعد زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ اس لئے نماز کے بعد یہاں زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ۔

قولہ الزکوٰۃ ۔ زکوٰۃ لغت میں بمعنی بڑھنا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے زکا الزرع یعنی کھیتی بڑھ گئی۔ چونکہ خدا کے نام پر مال دینے سے بڑھوتری ہو جاتی ہے اس لئے سال تمام ہونے پر مال سے حصہ معینہ دینے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے یا وہ مشتق ہے زکا بمعنی پاکی سے قال اللہ تعالیٰ خیراً منہ زکوٰۃ اور چونکہ زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہو جاتا ہے

اس لئے اس کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے قال اللہ تعالیٰ خُذْ مِنْ اَموالِھِم صدقۃً تطھّرُھم وتزکیھم اور زکوٰۃ اصطلاح شرع میں نام ہے مسلمان فقیر کو مال کے اس حصہ کا مالک بنا دینے کو جس کو شریعت مطہرہ نے معین کیا ہے بشرطیکہ وہ فقیر ہاشمی اور اس کا آزاد کردہ نہ ہو۔

قولہ واجبۃ :۔ زکوٰۃ فرض ہے اس کا نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مستحق ادا میں تاخیر کرنے والا گنہگار اور مردود الشہادۃ ہے پس وجوب سے یہاں مراد فرض ہے کیونکہ زکوٰۃ قطعی فریضہ محکمہ ہے جس کا منکر باتفاقِ علماء کافر ہے۔

قولہ علی الحر المسلم. زکوٰۃ فرض ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں۔ پانچ مالک میں اور تین مملوک میں۔ مالک میں یہ ہیں (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) مسلمان ہونا پس کافر پر زکوٰۃ نہیں خواہ وہ اصلی ہو یا مرتد۔ اس لئے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جس کا کافر مستحق نہیں (۴) آزاد ہونا (۵) مالک نصاب کے ذمہ محیط کا نہ ہونا۔ مملوک میں یہ ہیں۔ (۱) نصاب کامل کا ہونا (۲) حول والا ہونا ارشاد گرامی ہے لا زکوٰۃ فی المالِ حتی یحول علیہ الحولُ (۳) مال کا سائمہ ہونا یا اسکا تجارت کیواسطے ہونا

ولیسَ علی صبیٍ ولا مجنونٍ ولا مکاتبٍ زکوٰۃ ومَنْ کانَ علیہِ دینٌ محیطٌ بمالہٖ فلا زکوٰۃ علیہِ وانْ کانَ مالُہٗ اکثرَ من الدینِ زکّی الفاضلَ اذا بلغَ نصاباً ولیسَ فی دورِ السکنٰی وثیابِ البدنِ واثاثِ المنزلِ ودوابِّ الرکوبِ وعبیدِ الخدمۃِ وسلاحِ الاستعمالِ

ترجمہ: ـــــ اور بچہ پر زکوٰۃ نہیں اور نہ دیوانہ اور نہ مکاتب پر! اور جس کے ذمہ اس کے مال کے برابر قرض ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں اور جس کا مال قرض سے زائد ہو تو زائد کی زکوٰۃ دے جب وہ نصاب کو پہونچ جائے اور رہائشی گھروں اور بدن کے کپڑوں اور گھریلو سامان اور سواری کے جانوروں اور خدمت کے غلاموں اور استعمالی ہتھیاروں میں زکوٰۃ نہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ ولیسَ علی صبیٍ۔ یہ تفریع ہے قیود مذکورہ پر کہ وجوب زکوٰۃ کیلئے چونکہ بالغ اور عاقل اور آزاد کا ہونا ضروری ہے اس لئے بچہ اور دیوانہ اور مکاتب پر زکوٰۃ واجب نہیں نبی کریم کا ارشاد ہے رُفِعَ القلمُ عن ثلاثۃٍ النائم حتی یستیقظ وعن الصبیِ حتی یحتلم وعن المجنونِ حتی یعقلَ یعنی تین اشخاص سے حکم شرع مرفوع ہے ایک سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے اور دوسرا بچہ سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور تیسرا دیوانہ سے یہاں تک کہ عقل وشعور ہو جائے۔

قولہ۲ من کان علیہ ۔ قید مذکور میں چونکہ ملک تام ملحوظ ہے اس لئے اگر کوئی مال نصاب کا مالک ہو لیکن اس پر اس کے مال کے برابر قرض بھی ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ اس کا ملک اس میں تام نہیں بلکہ ناقص ہے کہ وہ مقروض ہے البتہ قرض سے زیادہ مال ہو اور وہ نصاب کو پہونچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہے ۔

قولہ۳ لیس فی دور السکنیٰ ۔ چند چیزوں میں زکوٰۃ واجب نہیں اول رہنے کے مکانوں میں دوم پہننے کے کپڑوں میں سوم گھر کے اسباب میں چہارم سواری کے جانوروں میں پنجم خدمت کے غلاموں میں ششم استعمالی ہتھیاروں میں اس لئے کہ وہ حوائج اصلیہ کیلئے ہیں کہ زندگی گذارنے کیلئے انسان کو اس کی ضرورت پیش آتی ہے اسی طرح اہل علم کے لئے کتابیں حاجت اصلیہ سے ہیں اور اگر غیر اہل کے پاس ہوں تو بھی کتابوں کی زکوٰۃ واجب نہیں جبکہ تجارت کیلئے نہ ہوں اور طبیب کیلئے طب کی کتابیں حاجت اصلیہ سے ہیں جبکہ مطالعہ میں رکھتا ہو یا اُسے دیکھنے کی ضرورت ہو اور حافظ کے لئے قرآن شریف حاجت اصلیہ سے نہیں اور غیر حافظ کیلئے ایک سے زائد حاجت اصلیہ کے علاوہ ہے ۔

ولا۱ یجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیۃ مقارنۃ للاداء او مقارنۃ لعزل مقدار الواجب ومن۲ تصدق بجمیع مالہ ولا ینوی الزکوٰۃ سقط فرضھا عنہ

ترجمہ: ــــــ اور زکوٰۃ صرف اس نیت سے ادا کرنا جائز ہے جو ادا کے مقارن ہو یا مقدار واجب علیحدہ کرنے کے مقارن ہو اور جس نے اپنا سارا مال صدقہ کر دیا اور زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو فرض زکوٰۃ اس سے ساقط ہو جائے گا ۔

تشریح: ــــــ قولہ۱ ولا یجوز اداء ۔ زکوٰۃ صرف اس نیت سے ادا کرنا جائز ہے جو ادا کے مقارن ہو یا مقدار واجب علیحدہ کرنے کے مقارن ہو یعنی جس قدر مال اُسے زکوٰۃ میں دینا واجب ہے اس کی مقدار مال سے نکالتے وقت نیت ہو کہ یہ میں زکوٰۃ ادا کرتا ہوں کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادت کی شرط سے نیت کا ہونا ہے مثلاً نماز روزہ وغیرہ اور نیت میں اصل اقتران ہے ۔

قولہ۲ ومن تصدق ۔ یعنی جس شخص نے اپنا سارا مال صدقہ و خیرات کر دیا اور اس نے ادائیگی زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس کے ذمہ سے فرضیت زکوٰۃ ساقط ہو گئی کیونکہ زکوٰۃ کا وجوب نصاب کی وجہ سے تھا اور نصاب ختم ہو گیا، اصل مال کی خیرات سے ۔

باب۱ زکوٰۃ الابل ۔

ترجمہ: ــــــ اونٹ کی زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

لیسَ[۲] فی اقلِّ من خمس ذودٍ من الابلِ صدقۃٌ فاذا بلغت خمساً سائمۃً[۳] وحال علیہا الحولُ ففیہا شاۃٌ[۴] الی تسعٍ فاذا کانت عشراً ففیہا شاتانِ الی اربع عشرۃَ فاذا کانت خمس عشرۃَ ففیہا ثلاث شیاہٍ الی تسع عشرۃَ فاذا کانت عشرین ففیہا اربعُ شیاہٍ الی اربعٍ وعشرین .

ترجمہ: ـــــ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں جبکہ وہ پانچ کو پہونچے دراں حالیکہ سائمہ ہوں اور ان پر سال گذر جائے پس ان میں ایک بکری ہے نو تک پس جب دس ہو جائیں تو ان میں دو بکری ہیں چودہ تک پس جب پندرہ ہو جائیں تو ان میں تین بکری ہیں انیس[۱۹] تک پس جب بیس[۲۰] ہو جائیں تو ان میں چار بکری ہیں چوبیس[۲۴] تک

تشریح: ـــــ قولہ[۱] باب زکوٰۃ الابل ـ یہ بیان جانوروں کے زکوٰۃ کے سلسلے میں جاری ہے اور جانوروں میں اونٹ چونکہ خلقت کے اعتبار سے اعظم مانا جاتا ہے اس لئے اونٹ کو پہلے بیان کیا گیا اور اس لئے بھی کہ اہل عرب کے نزدیک اونٹ بہ نسبت دوسرے جانوروں کے زیادہ استعمال میں آتا ہے ـ

قولہ[۲] لیس فی اقل ـ پانچ اونٹ سائمہ میں زکوٰۃ واجب ہے اس سے کم میں نہیں اور جب پانچ یا اس سے زیادہ ہوں مگر پچیس سے کم ہوں تو ہر پانچ میں ایک بکری واجب ہوتی ہے یعنی پانچ ہوں تو ایک بکری اور دس ہوں تو دو چودہ تک اور جب پندرہ ہو جائیں تو تین، انیس[۱۹] تک اور جب بیس[۲۰] ہو جائیں تو چار، چوبیس[۲۴] تک وعلیٰ ہذا القیاس جو دو نصابوں کے درمیان ہو وہ عفو ہے یعنی ان میں کچھ بھی زکوٰۃ نہیں مثلاً سات یا آٹھ ہوں تو بھی وہ ہی ایک بکری واجب ہے

قولہ[۳] سائمہ ـ وہ جانور ہے جو سال کے اکثر حصہ میں چر کر گذارا کرتا ہو ـ اور اس سے مقصود صرف دودھ اور بچہ لینا یا فربہ کرنا ہے اور اگر گھر میں گھاس لاکر کھلاتے ہوں یا مقصود بوجھ لادنا یا ہل وغیرہ کسی کام میں لانا یا سواری لینا ہے تو اگرچہ چر کر گذارا کرتا ہو تو وہ سائمہ نہیں اور اس کی زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح اگر گوشت کھانے کیلئے ہے تو سائمہ نہیں اگرچہ جنگل میں چرتا ہو ـ

قولہ[۴] شاۃ ـ زکوٰۃ میں جو بکری دی جائے وہ سال بھر سے کم کی نہ ہو ـ اس میں بکری دیں یا بکرا دینے والے کو اختیار ہے ـ

فاذا[۱] بلغت خمساً وعشرین ففیہا بنتُ مخاضٍ[۲] الی خمس وثلاثین فاذا بلغت ستاً وثلاثین ففیہا بنتُ لبونٍ[۳] الی خمسٍ واربعین فاذا بلغت ستاً واربعین ففیہا حقۃٌ الی ستین فاذا بلغت احدیٰ وستین ففیہا جذعۃٌ الی خمسٍ وسبعین فاذا بلغت ستاً وسبعین ففیہا بنتا لبونٍ الی

تسعین واذا کانت احدی وتسعین ففیها حقتان الی مائۃ وعشرین ثم تستانف الفریضۃ فیکون فی الخمس شاۃ مع الحقتین وفی العشرۃ شاتان وفی خمس عشرۃ ثلاث شیاہ وفی عشرین اربع شیاہ وفی خمس وعشرین بنت مخاض الی مائۃ وخمسین فیکون فیہا ثلاث حقاق ثم تستانف الفریضۃ ففی الخمس شاۃ وفی العشرۃ شاتان وفی خمس عشرۃ ثلاث شیاہ وفی عشرین اربع شیاہ وخمس وعشرین بنت مخاض وفی ست وثلاثین بنت لبون فاذا بلغت مائۃ وستا وتسعین ففیہا اربع حقاق الی مائتین ثم تستانف الفریضۃ ابدا کما تستانف فی الخمسین التی بعد المائۃ والخمسین والبخت والعراب سواء

ترجمہ: پس جب پچیس[۲۵] اونٹ ہو جائیں تو ان میں ایک بنت مخاض ہے پینتیس[۳۵] تک اور جب چھتیس[۳۶] ہو جائیں تو ان میں ایک بنت لبون ہے پینتالیس تک اور جب چھیالیس[۴۶] ہو جائیں تو ان میں دو بنت لبون ہیں نوّے تک اور جب اکانوّے[۹۱] ہو جائیں تو ان میں دو حقے ہیں ایک سو بیس[۱۲۰] تک پھر فریضہ ازسرِ نو ہوگا پس پانچ میں ایک بکری دو حقے کیساتھ ہوگی اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس[۲۰] میں چار بکریاں اور پچیس[۲۵] میں ایک بنت مخاض ایک سو پچاس تک پس اس میں تین حقے ہونگے پھر فریضہ ازسرِ نو ہوگا پس پانچ میں ایک بکری ہوگی اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس[۳۶] میں ایک بنت لبون پس جب ایک سو چھیانوے[۱۹۶] ہو جائیں تو ان میں چار حقے ہونگے دو سو تک پھر فریضہ ازسرِ نو ہمیشہ ہوتا رہے گا جیسا کہ ازسرِ نو ہوا ان پچاس میں جو ایک سو پچاس کے بعد ہے اور بختی اور عربی اونٹ زکوٰۃ کے سلسلہ میں برابر ہیں۔

تشریح: قولہ فاذا بلغت۔ یعنی اونٹ کی تعداد اگر پچیس[۲۵] ہو جائے تو ایک بنت مخاض پینتیس[۳۵] اونٹ تک یہی حکم ہے یعنی صرف بنت مخاض دینے ہونگے اور چھتیس[۳۶] سے پینتالیس[۴۵] تک ایک بنت لبون اور چھیالیس[۴۶] سے ساٹھ تک ایک حقہ اور اکسٹھ[۶۱] سے پچھتر تک ایک جذعہ ہے اور چھہتر[۷۶] سے نوّے[۹۰] تک دو بنت لبون اور اکانوے سے ایک سو بیس[۱۲۰] تک دو حقہ اور اس کے بعد ایکسو[۱۴۵] پینتالیس تک دو حقہ اور ہر پانچ میں ایک بکری مثلاً ایکسو پچیس[۱۲۵] میں دو حقہ اور ایک بکری اور ایک سو تیس[۱۳۰] میں دو حقے اور دو بکریاں وعلیٰ ہذا القیاس پھر ایک سو پچاس[۱۵۰] میں تین حقہ اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ان میں ویسا ہی کریں جس طرح شروع میں کیا تھا یعنی ہر پانچ میں ایک بکری اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس[۳۶] میں ایک بنت لبون اور ایکسو چھیاسی[۱۸۶] بلکہ

ایک سو پچانوے [۱۹۵] تک کا حکم ہو گیا یعنی اتنے میں تین حقہ اور ایک بنت لبون پھر ایک سو چھیانوے [۱۹۶] سے دو سو تک [۹] چار حقہ اور یہ بھی اختیار ہے کہ پانچ بنت لبون دیدیں پھر دو سو کے بعد وہی طریقہ جاری کریں جو ایک سو پچاس [۱۵۰] کے بعد ہے یعنی ہر پانچ میں ایک بکری پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس [۳۶] میں ایک بنت لبون پھر دو سو چھیالیس سے دو سو پچاس تک پانچ حقہ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام کے نزدیک [۹] ایک سو بیس [۱۲۰] کے بعد ہر چالیس [۴۰] میں ایک بنت لبون ہے اور پچاس میں ایک حقہ اور زائد میں کچھ نہیں ایک سو تیس [۱۳۰] تک پس ایک سو تیس [۱۳۰] میں ایک حقہ اور دو بنت لبون اور ایک سو چالیس [۱۴۰] میں دو حقے اور ایک بنت لبون اور ایک سو پچاس [۱۵۰] میں تین حقے اور ایک سو ساٹھ [۱۶۰] میں چار بنت لبون اور ایک سو ستر میں ایک حقہ اور تین بنت لبون اور ایک سو اسی [۱۸۰] میں دو حقے اور دو بنت لبون اور ایک سو نوے [۱۹۰] میں تین حقے اور ایک بنت لبون ہے دو سو تک امام شافعی نے کہا کہ ایک سو بیس [۱۲۰] پر جب ایک زیادہ ہو جائے تو اس میں تین بنت لبون ہیں ایک سو تیس [۱۳۰] تک بقیہ وہی ہے جو امام مالک سے گذرا پس ان کے نزدیک فریضہ ہر چالیس اور پچاس پر دائر ہوگا۔

قولہ [۲] بنت مخاض۔ اونٹ کے اس بچہ کو کہا جاتا ہے جو ایک برس کا ہو اور دوسرے برس میں قدم رکھے اور بنت لبون اونٹ کے اس مادہ بچہ کو کہا جاتا ہے جو دو سال کا ہو تیسرے برس میں قدم رکھے اور حقہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جو تین برس کی ہو اور چوتھے میں قدم رکھے اور جذعہ چار برس کی وہ اونٹنی ہے جو پانچویں برس میں قدم رکھے۔

قولہ [۳] بنت لبون۔ اونٹ کی زکوٰۃ میں جس موقعہ پر بنت مخاض ہو یا بنت لبون یعنی ایک برس کے اونٹ کا بچہ ہو یا دو تین چار برس کا تو ضروری ہے کہ وہ مادہ ہو۔ نر دیں تو مادہ کی قیمت کا ہو ورنہ نہیں لیا جائے گا۔

قولہ [۴] والبخت والعراب۔ بخت جمع ہے بختی کی اور وہ اونٹ ہے جو عرب و عجم کے اونٹ کی نسل سے پیدا ہو۔ وہ منسوب ہے بخت نصر بادشاہ کی طرف اور وہ چونکہ دونوں کی نسل سے اونٹ پیدا کرواتا تھا اس وجہ سے اس اونٹ کو بختی کہا جاتا ہے اور عراب جمع ہے عربی کی اور وہ منسوب ہے عرب کی طرف اور عراب وہ اونٹ ہے جو عرب میں پیدا ہو۔ خلاصہ کلام یہ کہ بختی و عربی اونٹ زکوٰۃ کے واجب ہونے میں برابر ہیں لیکن یہ صرف ربوا کے اعتبار کرنے اور قربانی کے جائز ہونے میں ہے قسم کھانے میں نہیں کہ اگر کوئی قسم کھایا کہ بختی اونٹ کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ تو وہ عربی اونٹ کے گوشت کھانے سے حانث نہیں ہوگا اس لئے کہ قسم عرف و عادت پر محمول ہے

باب صدقۃ البقر

ترجمہ: ــــ گائے بیل کی زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

لیس فی اقل من ثلاثین من البقر صدقۃٌ فاذا کانت ثلاثین سائمۃً وحال علیھا الحول ففیھا تبیعٌ او تبیعۃٌ وفی اربعین مسنٌ او مسنۃٌ

ترجمہ: ـــــ تیس۳۰ گائے سے کم میں زکوٰۃ نہیں پس جب وہ تیس۳۰ ہو جائیں دراں حالیکہ وہ سائمہ ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں ایک بچھڑا یا بچھڑی ہے اور چالیس۴۰ میں ایک مسن یا مسنہ ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] باب صدقۃ البقر۔ یعنی تیس۳۰ گائے یا بیلوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور جب وہ تیس۳۰ ہو جائیں اور سب جنگل میں چرتے ہوں اور ایک سال پورا ان پر گذر جائے تو ان میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے اور چالیس۴۰ میں دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے ۔

قولہ[2] تبیع او تبیعۃ۔ تبیع اس بچھڑا کو اور تبیعہ اس بچھڑی کو کہا جاتا ہے جس کا ایک سال پورا ہو جائے اور دوسرے سال میں قدم رکھے اور مسن اس بچھڑا اور مسنہ اس بچھڑی کو کہا جاتا ہے جس کا دو سال پورا ہو کر تیسرے سال میں قدم رکھے ۔ نر و مادہ دونوں کو بیان کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حکم مذکور میں دونوں برابر ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ گائے زیادہ ہوں تو بچھڑی اور نر زیادہ ہوں تو بچھڑا۔ یہی حکم بکریوں کا ہے ۔

فاذا زادت[1] علی الاربعین وجب فی الزیادۃ بقدر ذلک الی ستین عند ابی حنیفۃ ففی الواحدۃ ربع عشر مسنۃٍ وفی الاثنین نصف عشر مسنۃٍ وفی الثلاث ثلاثۃ ارباع عشر مسنۃٍ وقال ابو یوسف ومحمد لا شیء فی الزیادۃ حتی تبلغ ستین فیکون فیھا تبیعان او تبیعتان وفی سبعین مسنۃٌ وتبیعٌ وفی ثمانین مسنتان وفی تسعین ثلاثۃ اتبعۃٍ وفی مائۃٍ تبیعتان ومسنۃٌ وعلی ھذا یتغیر الفرض فی کل عشرٍ من تبیعٍ الی مسنۃٍ والجوامیس[2] والبقر سواءٌ

ترجمہ: ـــــ پس جب چالیس سے زیادہ ہو جائے تو زائد میں اس کے حساب سے ساٹھ تک واجب ہوگا امام ابو حنیفہ کے نزدیک پس ایک میں مسنہ کا چالیسواں اور دو میں بیسواں اور تین میں چالیس حصوں کے تین حصے واجب ہوں گے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ زائد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ ساٹھ ہو جائیں پس ساٹھ میں دو تبیع ہوں گے اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع اور اسی میں دو مسنہ اور نوے میں تین تبیعہ اور ایکسو میں دو تبیع اور ایک مسنہ اور اسی قیاس پر ہر دس میں فرض بدلتا ہے کا تبیع سے

مسنہ کی طرف اور بھینس اور زکوٰۃ میں برابر ہیں ۔

تشریح : ـــــ قولہ[1] فاذا زادت ۔ یعنی گائے یا بھینس چالیس[40] سے ساٹھ[60] تک جو زائد ہو تو اس میں اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی یعنی ایک میں مسن کا چالیسواں حصہ اور دو میں بیسواں اور تین میں دسواں اسی طرح حساب جاری رہے گا یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے صاحبین نے فرمایا کہ زائد میں کچھ نہیں ساٹھ تک پس ساٹھ میں دو تبیع اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع اور اسی میں دو مسنہ ہیں اس کے بعد ہر دس میں تبیع سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیع کی طرف فریضہ بدلتا رہے گا ۔

قولہ[2] والجوامیس ۔ بھینس گائے کے حکم میں ہے اور گائے و بھینس دونوں اگر برابر ہوں تو زکوٰۃ میں ملادی جائے گی مثلاً بیس[20] گائے ہوں اور دس بھینس تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور زکوٰۃ میں سے اس کے بچہ کو لیا جائے گا جو زیادہ ہو یعنی گائے زیادہ ہو تو گائے کا بچہ اور بھینس زیادہ ہو تو بھینس کا اور اگر کوئی زیادہ نہ ہو تو زکوٰۃ میں لیا جائے گا جو اعلیٰ سے کم ہو ۔ اور ادنیٰ سے اچھا ۔

باب[1] صدقۃ الغنم

ترجمہ : ـــــ بکریوں کی زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

لیس[2] فی اقل من اربعین شاۃ صدقۃ فاذا کانت اربعین شاۃ سائمۃ وحال علیہا الحول ففیہا شاۃ[3] الی مائۃ وعشرین ۔

ترجمہ : ـــــ چالیس[40] بکریوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں پس جب چالیس[40] بکریاں ہو جائیں درآں حالیکہ سائمہ ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں ایک بکری ہے ایک سو بیس[120] تک ۔

تشریح : ـــــ قولہ[1] باب صدقۃ الغنم ۔ گائے کے بعد بکریوں کی زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ۔ گھوڑوں کی زکوٰۃ کو اس لئے نہیں کہ بکریاں بہ نسبت گھوڑے کے کثیر ہیں اور اس لئے بھی کہ بکریوں کی زکوٰۃ میں اتفاق ہے اور گھوڑوں کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے اور اس لئے بھی کہ گائے کی طرح بکریاں بھی ماکول اللحم ہیں ۔ گھوڑے نہیں ۔

قولہ[2] لیس فی اقل ۔ یعنی چالیس بکریوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور جب چالیس پورے ہو جائیں

اور وہ سائمہ ہوں اور ان پر ایک سال گذر جائے تو ان میں ایکسو بیس تب ایک بکری ہے چنانچہ حضرت انس سے روایت ہے کہ جب ان کو صدیق اکبر نے بحرین بھیجا جو فرائض صدقہ جو رسول گرامی نے مقرر فرمایا تھا لکھ کر دیئے ان میں بکریوں کے نصاب کا بیان تھا اور وہ یہ کہ زکوٰۃ میں بوڑھی بکری نہ دی جائے ۔

قولہ شاۃ ۔ زکوٰۃ میں بکرا بھی دینا جائز ہے اور بکری بھی ۔ دونوں اختیار ہے لیکن وہ سال بھر سے کم کا نہ ہو ورنہ قیمت کے حساب سے دیا جائے گا ۔ اور جن جانوروں میں زکوٰۃ واجب ہے وہ کم سے کم سال بھر کے ہوں کیونکہ اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر ان میں سے ایک بھی سال بھر کا ہو تو سب اسی کے تابع ہو کر ان پر زکوٰۃ واجب ہو گی ۔ مثلاً بکری کے چالیس بچوں کو سال بھر سے کم کے خریدا گیا تو وقت خریداری سے ایک سال پر زکوٰۃ واجب نہیں اس وقت وہ کامل نصاب نہیں بلکہ اس وقت سے سال لیا جائے گا کہ ان میں کا کوئی سال بھر کا ہو گیا ۔

فاذا زادت واحدۃٌ ففیھا شاتان الی مائتین فاذا زادت واحدۃٌ ففیھا ثلاث شیاہ فاذا بلغت اربع مائۃٍ ففیھا اربع شیاہ ثم فی کل مائۃٍ شاۃٌ والضان والمعز سواءٌ ۔

ترجمہ: ـــــ پس جب ایکسو بیس سے ایک زائد ہو جائے تو ان میں دو بکریاں ہیں دوسو تک پس جب ایک زائد ہو جائے تو ان میں تین بکریاں ہیں پس جب چار سو ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے اور بھیڑ اور بکری زکوٰۃ میں برابر ہیں ۔

تشریح: ـــــ قولہ فاذا زادت ۔ یعنی جب بکریاں ایکسو بیس سے ایک زیادہ ہو جائے تو ان میں دوسو تک دو بکریاں ہیں پھر جب دوسو سے بھی ایک زیادہ ہو جائے تو ان میں تین بکریاں ہیں یعنی ایکسو اکیس میں دو بکریاں اور دوسو ایک میں تین بکریاں اور چار سو میں چار بکریاں پھر ہر سو پر ایک اور جو دو نصابوں کے درمیان ہو وہ معاف ہے ۔ جانوروں میں نسب ماں سے ہوتا ہے پس اگر ہرنا اور بکری سے بچہ پیدا ہوا تو بکریوں میں شمار ہو گا اور نصاب میں اگر ایک کم ہو جائے تو اس کو ملا کر پورا کر لیا جائے گا ۔

قولہ والضان والمعز ۔ بھیڑ اور بکریاں دونوں حکم زکوٰۃ میں برابر ہیں بکری کے حکم میں بھیڑ اسی طرح دنبہ بھی اور اگر ایک قسم کے جانور سے نصاب پورا نہ ہو تو دوسرے کو ملا کر پورا کر لیا جائے گا اور زکوٰۃ میں بھی اس کو دیا جا سکتا ہے مگر سال بھر سے کم کے نہ ہو ۔

بَابُ زَكٰوةِ الْخَيْلِ

ترجمہ : ـــــــ گھوڑوں کی زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

اِذَا كَانَتِ الْخَيْلُ سَائِمَةً ذُكُوْرًا وَّاُنَاثًا وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَصَاحِبُهَا بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْطٰى مِنْ كُلِّ فَرَسٍ دِيْنَارًا وَّاِنْ شَاءَ قَوَّمَهَا فَاَعْطٰى عَنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ فِيْ ذُكُوْرِهَا مُنْفَرِدَةً زَكٰوةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا زَكٰوةَ فِي الْخَيْلِ وَلَا شَيْئَ فِي الْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ لِلتِّجَارَةِ

ترجمہ : ـــــــ جب گھوڑے گھوڑیاں جنگل میں چرتے ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان کے مالک کو اختیار ہے۔ چاہے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دیدے اور چاہے ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم کی طرف سے پانچ درہم دیدے اور صرف گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ گھوڑوں میں بالکل زکوٰۃ نہیں اور نہ خچر اور گدھوں میں مگر یہ کہ وہ تجارت کیلئے ہوں۔

تشریح : ـــــــ قولہ اذا کانت۔ احناف کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ صاحبین نے فرمایا کہ اس میں مطلقاً زکوٰۃ نہیں خواہ گھوڑا ہو یا گھوڑی یعنی نر و مادہ دونوں ہوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے سرکار مدینہ کا ارشاد ہے لیس علی المسلم فی عبدہ الخ یعنی مسلمان پر اس کے غلام میں اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں اور قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ گھوڑا غیر ماکول اللحم ہے جبکہ زکوٰۃ صرف اس جانور کی دی جاتی ہے جو ماکول اللحم ہو۔ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ اس میں زکوٰۃ نہیں مگر تین شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ سائمہ ہوں یعنی جنگل میں چرتے ہوں دوم یہ کہ نر و مادہ دونوں ہوں کیونکہ تنہا نروں سے تناسل نہیں ہوتا برخلاف دوسرے جانوروں کہ ان سے اگرچہ تناسل نہیں ہوتا لیکن اس سے دوسرا فائدہ یعنی کھانا حاصل ہے سوم یہ کہ ان پر پورا سال گذر جائے لیکن زکوٰۃ دھندہ کو اختیار ہوگا کہ ہر گھوڑا کے عوض ایک ایک دینار دے اور اگر چاہے تو ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم کی طرف سے پانچ درہم دے چنانچہ حضرت جابر سے روایت ہے کہ ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار ہے یا دس درہم اور حضرت عمر نے حضرت ابو عبیدہ کے پاس لکھا کہ خیر اربابہا ان ادّوا من کل فرس دینارا والا نقوّمہا

وخذمن کل مائتی درہم خمسۃ دراہم اور صاحبین نے جو حدیث نقل کیا ہے اس میں فرس سے مراد نمازیوں کے گھوڑے ہیں کہ ان میں زکوٰۃ نہیں ۔

قولہ ولا شئی فی البغال ۔ یعنی نہ خچروں میں زکوٰۃ ہے اور نہ گدھوں میں چنانچہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے لم ینزل علیّ فیہما شئی یعنی ان دونوں کے سلسلے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا البتہ دونوں اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے جس طرح تجارت کے دوسرے اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ۔

ولیس فی الفصلانِ والحملانِ والعجاجیلِ زکوٰۃٌ عند ابی حنیفۃَ ومحمدٍ الّا ان یکونَ معہا کبارٌ وقالَ ابو یوسفَ تجبُ فیہا واحدۃٌ منہا

ترجمہ : ــــــ اور اونٹ اور بکری اور گائے کے چھوٹے بچوں میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زکوٰۃ نہیں مگر یہ کہ ان کے ساتھ بڑے ہوں اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ان ہی میں سے ایک واجب ہوتا ہے ۔

تشریح : ــــــ قولہ ولیس فی الفصلانِ ۔ فصلان جمع ہے فصیل کی وہ اونٹنی کے اس بچہ کو کہا جاتا ہے جو ایک سال سے کم کا ہو اور حملان جمع ہے حمل کی جو بمعنی بکری کا بچہ ہے اور عجاجیل جمع ہے عجول کی جو بمعنی بچھڑا ہے ۔ خلاصہ یہ کہ اونٹ اور بکری اور گائے کے چھوٹے بچوں میں زکوٰۃ نہیں بشرطیکہ ان کے ساتھ بڑے نہ ہوں یہ امام ابو حنیفہ کا آخری قول ہے جس کو امام محمد نے اختیار کیا ہے اُن کا پہلا قول یہ ہے کہ جو بڑوں میں واجب ہے وہی چھوٹوں میں واجب ہے اس کو امام زفر نے اختیار کیا ہے اور امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ان میں سے ایک دینا واجب ہے یہی قول امام شافعی کا ہے اور یہی ایک قول امام ابو حنیفہ کا بھی ہے ۔

ومن وجب علیہ سنٌّ فلم یوجدْ اخذَ المصدِّقُ اعلیٰ منہا وردَّ الفضلَ اَوْ اخذَ دونہا واخذَ الفضلَ ویجوزُ دفعُ القیمِ فی الزکوٰۃِ

ترجمہ :۔ ــــــ اور جس پر سن واجب ہوا اور وہ موجود نہ ہو تو زکوٰۃ لینے والا ان میں سے اعلیٰ لے

اور زائد دام کو لوٹا دے یا اس سے کم درجہ کا لے اور باقی دام لیلے اور زکوٰۃ میں قیمتوں کا دینا جائز ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ومن وجب۔ یعنی جس عمر کے جانور کو زکوٰۃ میں دینا واجب ہو وہ اس کے پاس موجود نہ ہو بلکہ اس سے زیادہ عمر کا ہو تو وہ دیدے اور جو زائد ہو وہ واپس لے لے اور اگر کم عمر کا ہے تو وہی دیدے اور جو کم ہو اس کی قیمت دے یا واجب کی قیمت دے مثلاً جس کسی پر زکوٰۃ میں مسن واجب ہو اور اس کے پاس وہ موجود نہ ہو تو صدقہ وصول کرنے والا اس سے اعلیٰ درجہ کا جانور یعنی تبیعہ لیلے اور اس کی قیمت ٹھہرا کے مسن کی قیمت رکھ لے اور باقی دام اُسے واپس دیدے یا اس سے کم درجہ کا لے اور باقی دام اسی سے وصول کرلے اور زکوٰۃ میں قیمتوں کا دینا بھی جائز ہے۔

ولیس[۱] فی العوامل والحوامل والعلوفۃ زکوٰۃ ولا[۲] یاخذ المصدق خیار المال ولا رذالتہ و یاخذ الوسط

ترجمہ: ـــــ اور عوامل وحوامل یعنی کام کاج والوں اور علوفہ یعنی گھر پر کھانے والوں میں زکوٰۃ نہیں اور صدقہ لینے والا نہ عمدہ مال لے اور نہ ردی مال بلکہ ان دونوں میں جو اوسط ہو وہ لے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] لیس فی العوامل۔ عوامل وحوامل اس جانور کو کہا جاتا ہے جو مالک کے گھر کے کام کاج میں لگے رہتے ہوں اور علوفہ وہ جانور ہے جس کو گھر میں دانہ پانی دیا جاتا ہو۔

خلاصہ یہ کہ جو جانور سائمہ یعنی جنگل میں چرتے ہوں صرف اسی میں زکوٰۃ ہے لیکن جو گھر کے کام کاج میں ہو اور جس کو گھر میں دانہ پانی دیا جاتا ہو اس میں زکوٰۃ نہیں کیونکہ زکوٰۃ ضرورت سے زائد مالوں میں واجب ہوتی ہے۔

قولہ[۲] لا یاخذ۔ یعنی صدقہ وصول کرنے والا نہ سب سے اچھا مال لے اور نہ سب سے ردی بلکہ وہ لے جو ان میں سے اوسط ہو کیونکہ اس میں دونوں جانب کی رعایت ہے زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے دونوں کی اس لئے کہ عمدہ مال لینے میں مال والے کا نقصان ہے اور ردی مال لینے میں فقیروں کا نقصان ہے۔

ومن[۱] کان لہ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول من جنسہ ضمہ الیٰ مالہ وزکاہ بہ

ترجمہ: ــــــ اور جو شخص نصاب کا مالک ہو پس وہ وسط سال میں اسی قسم کا مال حاصل کر لیا تو اس کو اپنے مال میں ملا کر سب کی زکوٰۃ دے ـ

تشریح: ــــــ قولہ ومن کان لہ الخ ـ یعنی جو شخص شروع سال میں نصاب کا مالک تھا اس درمیان اس کو کچھ مال دستیاب ہوا خواہ ہبہ کے طور پر ہو یا وراثت یا کسب کے طور پر تو اس کو اصل مال کے ساتھ ملا کر کل کی زکوٰۃ دینا واجب ہوگا اسی طرح سائمہ جانور درمیانی سال میں بچہ جن جائے تو وہ اسی حکم مذکور میں داخل ہے ـ

والسائمۃ ھی التی تکتفی بالرعی فی اکثر الحول فان علفھا نصف الحول او اکثر فلا زکوٰۃ فیھا

ترجمہ: ــــــ اور سائمہ وہ جانور ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چرنے پر اکتفا کرے پس اگر اس کو نصف سال یا اس سے زیادہ گھر پر کھلائے تو ان میں زکوٰۃ نہیں ـ

تشریح: ــــــ قولہ والسائمۃ ـ یعنی سائمہ وہ جانور ہے جو سال کے اکثر حصہ چر کر گذارا کرتا ہو اور اس سے مقصود صرف دودھ اور بچہ حاصل کرنا یا فربہ کرنا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے لیکن جو اس کا برعکس ہو یعنی سال کا اکثر حصہ گھر میں چارہ وغیرہ کھاتا ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ـ

والزکوٰۃ عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف فی النصاب دون العفو وقال محمد و زفر تجب فیھما و اذا ہلک المال بعد وجوب الزکوٰۃ سقطت و ان قدم الزکوٰۃ علی الحول وھو مالک للنصاب جاز

ترجمہ: ــــــ اور زکوٰۃ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نصاب میں ہے عفو میں نہیں اور امام محمد اور امام زفر نے فرمایا کہ زکوٰۃ دونوں میں واجب ہے اور جب مال وجوب زکوٰۃ کے بعد ہلاک ہو جائے تو اس پر سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اگر سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کر دیا ـ درآں حالیکہ وہ مالک نصاب تھا تو بھی جائز ہے ـ

تشریح: ــــــ قولہ والزکوٰۃ ـ مسئلہ زکوٰۃ میں ایک نصاب ہے اور دوسرا عفو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ زکوٰۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے عفو میں نہیں یعنی دو نصابوں کے درمیان جو عفو ہے اس میں زکوٰۃ نہیں اور امام محمد اور امام زفر نے فرمایا کہ زکوٰۃ دونوں میں واجب ہوتی ہے ثمرہ

اختلاف اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی کے پاس اسی بکریاں ہوں اور ان پر سال گذر جائے لیکن اس کی زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے چالیس بکریاں ہلاک ہو جائیں تو باقی چالیس میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک بکری واجب ہوگی اور امام محمد کے نزدیک نصف بکری۔

قولہ[۲] اذا اھلک۔ یعنی زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد جب اصل مال ہلاک ہو جائے تو اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور خود اگر ہلاک کر دیا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی کیونکہ یہ زیادتی اب اس کی طرف سے ہے مثلاً جانور کو چارہ پانی وغیرہ نہ دیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔

قولہ[۳] وان قدم۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی مال کے نصاب کا مالک تھا اس نے ایک سال یا چند سال کی پیشگی زکوٰۃ ادا کر دی تو وہ ادا ہو جائے گی کیونکہ زکوٰۃ کا سبب وجوب صرف نصاب ہے اور وہ موجود ہے لیکن حولان حول تو یہ شریعت کی طرف سے زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے ایک قسم کی مہلت ہے جیسے تاجیل دین نیز سبب ہونے میں اصل پہلا نصاب ہے باقی اس کے تابع ہیں۔

باب زکوٰۃ الفضۃ

ترجمہ: ــــــ چاندی کی زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

لیس[۱] فی مادون مائتی درھم صدقۃ فاذا کانت مائتی[۲] درھم وحال علیھا الحول ففیھا خمسۃ دراھم ولا شئی فی الزیادۃ حتی تبلغ اربعین درھما فیکون فیھا درھم ثم فی کل اربعین درھما درھم عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف ومحمد مازاد علی المائتین فزکاتہ بحسابہ

ترجمہ: ــــــ سو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں پس جب دو سو درہم ہو جائیں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں پانچ درہم ہیں اور زائد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ چالیس ہو جائیں پس ان میں ایک درہم ہوگا پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ جو زائد ہو دو سو پر تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہے۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] لیس فی مادون۔ دو سو درہموں سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں یعنی چاندی کا نصاب

دوسو درہم ہے جس میں پانچ درہم واجب ہیں چونکہ سرکار مدینہ نے حضرت معاذ بن جبل کے پاس لکھا ہے کہ ان تاخذ من مائتی درہم خمسۃ دراہم یعنی ہر دوسو درہموں میں آپ پانچ درہم لیں اور جب چالیس درہم ہو جائیں تو ان میں ایک درہم ہے اس لئے کہ حضرت عمر نے حضرت موسیٰ اشعری کے پاس لکھا ہے کہ فما زاد علی المائتین ففی کل اربعین درہما درہم یعنی جو دوسو درہموں پر زائد ہو تو ہر چالیس درہموں میں ایک درہم ہے۔ صاحبین نے فرمایا کہ دوسو درہم پر جو کچھ زائد ہو اس کی زکوٰۃ اسی حساب سے ہوگی چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مازاد علی المائتین فبحسابہ۔ دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ قول ہے لاتاخذ من الکسور شیئاً یعنی کسور میں کچھ بھی نہ لے اور دوسری جگہ ارشاد ہے لیس فیما دون الاربعین صدقۃ یعنی چالیس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

قولہ[۲] مائتی درھم۔ چاندی کا نصاب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ ہے اور تولہ سے مراد وہ ہے جس سے یہ رائج روپیہ سوا گیارہ ماشہ ہے اور چاندی وسونا کی زکوٰۃ میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں مثلاً سات تولہ سونا یا کم کا زیور یا برتن بنا ہو کہ اس کی کاریگری کی وجہ سے دوسو درہم سے زیادہ قیمت ہو جائے یا سونا گراں ہو کر ساڑھے سات تولہ سے کم کی قیمت دوسو درہم سے بڑھ جائے جیسے آجکل کہ ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت چاندی کے کئی نصابوں ہوتی ہے غرض کہ وزن میں بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں قیمت جو کچھ بھی ہو۔

وان[۱] کانَ الغالبُ علی الورقِ الفضۃَ فھو فی حکمِ الفضۃِ واذا[۲] کانَ الغالبُ علیہِ الغشُّ فی حکمِ العروضِ ویعتبرُ اَنْ تبلغ قیمتُھا نصاباً

ترجمہ: ـــــ اور اگر کسی چیز پر غالب چاندی ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر اس پر غالب کھوٹ ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہے اور یہ اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی قیمت نصاب کو پہونچ جائے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وان کان الغالب۔ سونا اور چاندی باہم مل جائے تو اگر سونا غالب ہو تو سونا کے حکم میں ہوگا اور اگر چاندی غالب ہو تو چاندی کے حکم میں ہوگا اور اگر وہ نصاب کو پہونچے تو چاندی کی زکوٰۃ دی جائے گی مگر جب کہ اس میں جتنا سونا ہے وہ اگر چاندی کی قیمت سے زیادہ ہو تو وہ کل سونا کے حکم میں شمار کیا جائے گا۔ اور اگر دونوں برابر ہوں اور سونا بقدر نصاب ہے تنہا یا چاندی کے ساتھ مل کر جب بھی سونا کے حکم میں ہوگا۔

قولہ[۲] اذا کان الغالب۔ چاندی یا سونا میں اگر کھوٹ ہو اور غالب چاندی یا سونا ہو تو وہ چاندی یا سونا کے حکم میں ہوگا اور زکوٰۃ کل پر واجب ہوگی اور اگر غالب کھوٹ ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہوگا۔ اور

اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا کہ وہ نصاب کو پہونچ جائے اور اگر کھوٹ چاندی یا سونا کے برابر ہو اور چاندی یا سونا بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ اسی کے مطابق واجب ہوگی ۔

بابُ زکوٰۃِ الذَّهب

ترجمہ ــــــ سونا کی زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

لیسَ فی ما دُونَ عشرینَ مثقالاً من الذهبِ صدقۃٌ فاذا کانتْ عشرینَ مثقالاً وحالَ علیہا الحولُ ففیہا نصفُ مثقالٍ

ترجمہ: ــــــ بیس مثقال سے کم سونا میں زکوٰۃ نہیں پس جب وہ بیس مثقال ہو جائے اور اس پر پورا سال گذر جائے تو اس میں نصف مثقال ہے ۔

تشریح: ــــــ قولہ لیسَ فی ما دون ۔ یعنی بیس مثقال سے کم سونا میں زکوٰۃ نہیں پس جب پورے بیس مثقال ہو جائے اور ان پر پورا سال گذر جائے تو ان میں نصف مثقال ہے چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کی حدیث میں نبی کریم کا ارشاد ہے ومن کل عشرین مثقالاً من ذھب نصف مثقال ۔

ایک مثقال برابر ایک دینار ہوتا ہے اور ایک دینار بیس قیراط کا اور ایک قیراط پانچ جَو کا پس ایک دینار سو جَو کا ہوا جس کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہوتا ہے پس سونے کا نصاب ، ۷½ تولہ ہوا جس کا چالیسواں حصہ دو ماشہ دو رتی ہوتا ہے پس جو شخص بیس مثقال یعنی بیس دینار یعنی ، ۷½ تولہ کا مالک ہو تو اس پر نصف مثقال یعنی دو ماشہ دو رتی بھر زکوٰۃ واجب ہوگی ۔

ثمَّ فی کلِّ اربعۃِ مثاقیلَ قیراطانِ ولیسَ فی ما دون اربعۃ مثاقیلَ صدقۃٌ عند ابی حنیفۃَ وقالا ما زادَ علی العشرینَ فزکاتہٗ بحسابہا وفی تبرِ الذھبِ والفضۃِ وحلیہما والآنیۃ منہما زکوٰۃٌ

ترجمہ: ــــــ پھر ہر چار مثقال میں دو قیراط ہیں اور چار مثقال سے کم میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں

اور صاحبین نے فرمایا کہ بیس[۱] پر جو زائد ہو اس کی زکوٰۃ اسی کے حساب سے ہے۔ اور سونا اور چاندی کی ڈلی اور ان کے زیورات اور ان کے برتنوں میں بھی زکوٰۃ ہے

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ثم فی کل اربعۃ۔ یعنی بیس[۱] مثقال کے بعد ہر چار مثقال میں دو قیراط واجب ہیں کیونکہ زکوٰۃ میں مال کا چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور چار مثقال اسی[۸۰] قیراط کے ہوتے ہیں اور چالیسواں حصہ دو قیراط کے اور شریعت میں ایک دینار برابر دس درہم ہے پس چار مثقال برابر چالیس درہم ہوئے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک چار مثقال پر زکوٰۃ واجب ہے اس سے کم میں نہیں۔ صاحبین نے فرمایا کہ بیس[۲] مثقال سے جتنا زیادہ ہو تو اس کی زکوٰۃ اسی حساب سے واجب ہوگی۔

قولہ[۲] وفی تبر الذھب۔ یعنی سونا و چاندی کی ڈلیوں اور ان کے زیورات اور برتنوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے چنانچہ اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ میں اور میری خالہ سرکار مدینہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور ہم سونے کا کنگن پہنی ہوئی تھی۔ سرکار مدینہ نے دریافت فرمایا کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو ہم نے عرض کی نہیں! سرکار نے فرمایا کہ ڈرتی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو آگ کا کنگن پہنائے اس کی زکوٰۃ ادا کرو! اور سونا چاندی خلقت کے اعتبار سے ثمن کیلئے وضع کیا گیا ہے اور ظاہر ہے ثمن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی زیورات وغیرہ میں زکوٰۃ کے قائل نہیں۔

باب زکوٰۃ العروض

ترجمہ ـــــ اسباب کی زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

[۱]الزکوٰۃ واجبۃٌ فی عروضِ التجارۃِ کائنۃً ما کانت اذا بلغت قیمتُھا نصاباً من الورقِ او الذھبِ یقوِّمُھا[۲] بما ھو انفع للفقراءِ والمساکینِ منھما وقال ابو یوسف یقومھا بما اشتراہُ بہ فان اشتری بغیرِ الثمنِ یقوّمُ بالنقدِ الغالبِ فی المصرِ وقال محمدٌ بغالبِ النقدِ فی المصرِ علی کلِّ[۳] حالٍ

ترجمہ: ـــــ تجارت کے اسباب میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ کسی قسم کا ہو جبکہ اس کی قیمت چاندی یا سونا کے نصاب کو پہونچ جائے ایسی چیز سے اس کی قیمت لگائے جو فقراء و مساکین کیلئے زیادہ نفع بخش ہو اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس چیز سے قیمت لگائے جس سے اس کو خریدا ہے پس اگر ثمن کے علاوہ سے خریدا ہو تو اس سے قیمت لگائے

جو شہر میں رائج ہو اور امام محمد نے فرمایا کہ ہر حال میں شہر کے نقد غالب سے قیمت لگائے ۔

تشریح: قولہ[۱] باب زکوٰۃ العروض ۔ چاندی و سونا دونوں چونکہ نقد ہیں اور سامان کی قیمت اسی نقد سے لگائی جاتی ہے اس لئے سامان کے بیان کو نقد ولکے بعد بیان کیا گیا ۔

قولہ[۲] الزکوٰۃ واجبۃ ۔ تجارت کے اسباب کہ جس کی قیمت سونا یا چاندی کے نصاب کو پہونچ جائے اسمیں زکوٰۃ واجب ہے اس لئے کہ حضرت سمرہ بن جندب نے فرمایا کہ سرکار مدینہ ہم لوگوں کو تجارتی سامان کی زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے

قولہ[۳] یقومھا بما ھو ۔ یعنی تجارت کے اسباب کی قیمت جو سونا یا چاندی کے نصاب کو پہونچ جائے وہ کسی چیز سے لگائی جائے اس امر میں احناف کے درمیان اختلاف ہے امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس کی قیمت اسی سے لگائے جس سے خریدا ہے اگر اس کو نقدین کے عوض خریدا ہو اور اگر ان کے علاوہ کے عوض خریدا ہو تو نقد غالب کا اعتبار کیا جائے گا اور امام محمد نے فرمایا کہ ہر حال میں نقد غالب کا اعتبار کیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ قیمت وہ لگائے جس میں فقیروں کیلئے زیادہ نفع بخش ہو ۔

وإذا[۱] كان النصابُ كاملاً في طرفي الحولِ فنقصانُهُ فيما بينَ ذلكَ لا يُسقطُ الزكوٰةَ ويُضمُّ قيمةُ العروضِ إلى الذهبِ والفضةِ وكذلكَ[۲] يُضمُّ الذهبُ إلى الفضةِ بالقيمةِ حتى يتمَّ النصابُ عند أبي حنيفة وقالا لا يُضمُّ الذهبُ إلى الفضةِ بالقيمةِ ويُضمُّ بالأجزاءِ

ترجمہ: اور جب نصاب سال کے دونوں طرفوں میں پورا ہو جائے تو اس کا سال کے درمیان کم ہو جانا زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرتا اور سامان کی قیمت سونا اور چاندی کی طرف ملائی جائے گی ۔ اور اسی طرح سونا کو چاندی کے ساتھ قیمت سے ملایا جائے گا یہانتک کہ نصاب امام ابو حنیفہ کے نزدیک پورا ہو جائے اور صاحبین نے فرمایا کہ سونا کو چاندی کے ساتھ قیمت سے نہ ملایا جائے بلکہ اجزاء سے ملایا جائے ۔

تشریح: قولہ[۱] واذا کان ۔ یعنی سال کے اول و آخر میں اگر نصاب کامل ہو اور درمیان میں کمی واقع ہو جائے تو یہ وجوب زکوٰۃ کیلئے مانع نہ ہوگا بلکہ پوری زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر تمام مال ضائع ہو جائے اور کچھ دنوں کے بعد پھر دستیاب ہو تو جس وقت سے مال دستیاب ہوا ہے سال کا حساب اسی وقت سے شروع ہوگا ۔

قولہ[۲] کذلک یضم ۔ یعنی کسی کے پاس اگر تھوڑا سونا ہو اور تھوڑی چاندی تو ان کی قیمت لگائی جائے پس اگر قیمت چاندی یا سونا کے نصاب کو پہونچ جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہو جائے گی

صاحبین نے فرمایا کہ اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا چنانچہ اگر ایک سو درہم چاندی ہو اور پانچ مثقال سونا کہ جس کی قیمت ایکسو درہم چاندی ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہو جائے گی صاحبین کے نزدیک نہیں۔ یہی قول امام شافعی کا ہے کہ سونا و چاندی میں مقدار کا اعتبار کیا جائے گا قیمت کا نہیں اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ دوسرے کیساتھ ملانا مجانست کی وجہ سے ہے جس کا تحقق قیمت ہی سے ہو سکتا ہے ۔

بابٌ زکوٰۃِ الزروعِ والثمارِ

ترجمہ : ـــــــ کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

قَالَ[۲] ابو حنیفۃَ رحمہُ اللہُ فی قلیلِ ما اخرجتہُ الارضُ وکثیرِہٖ العشرُ واجبٌ سواءٌ سُقِیَ سیحاً اَوْ سقتہُ السماءُ الا الحطبُ والقصبُ والحشیشُ وقَالَ[۳] ابو یوسفَ و محمدٌ رحمہما اللہُ لا یجبُ العشرُ اِلَّا فیما لہٗ ثمرۃٌ باقیۃٌ اذا بلغتْ خمسۃَ اَوسقٍ والوسقُ ستونَ صاعاً بصاعِ النبی علیہ السلامُ ولیسَ فی الخضرِ واتِ عندہما عشرٌ

ترجمہ : ـــــــ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار میں کم ہو یا زیادہ عشر واجب ہے کہ زمین جو جاری پانی سے سیراب کی گئی ہو یا بارش سے سوائے لکڑی اور بانس اور گھاس کے ۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ عشر واجب نہیں مگر ان میں جن کا پھل باقی رہتا ہو پس جب وہ پانچ وسق کو پہونچ جائے اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے نبی کریم کے صاع سے اور سبزیوں میں صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ۔

تشریح : ـــــــ قولہ[۱] بابٌ زکوٰۃ الزروع ۔ زروع جمع زرع بمعنی کھیتی اور ثمار جمع ثمر بمعنی پھل ہے اور زکوٰۃ سے یہاں مراد عشر ہے ۔ ہندوستان کی زمین عشری ہے خراجی نہیں کیونکہ خراجی ہونے کیلئے دلیل شرعی کا ہونا ضروری ہے جبکہ عشری ہونے کیلئے بہت سی صورتیں موجود ہیں مثلاً مسلمانوں نے فتح کیا اور زمین مجاہدین پر تقسیم ہو گئی یا عشری زمین کے قریب واقع تھی اسے کاشت میں لایا ۔

قولہ[۲] قال ابو حنیفۃ ۔ یعنی جس زمین کو بارش یا جاری پانی سے سیراب کیا جائے تو اس کی پیداوار میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشر واجب ہے پیداوار خواہ نصاب کی مقدار ہو یا نہ ہو اور وہ سال بھر تک دیرپا ہو

یانہ ہو چونکہ اللہ تعالیٰ کے قول وما اخرجنا لکم من الارض میں ما اپنے عموم کی وجہ سے قلیل وکثیر دونوں کو شامل ہے
اور حضرت جابر سے روایت ہے فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر الخ میں ما عام ہے کہ اس میں کم وزیادہ
کی کوئی تفصیل نہیں کہ سیرابی آسمان کے پانی سے ہو یا چشموں کے پانی سے یا عثری ہو اس میں دسواں حصہ ہے سوائے
لکڑی اور بانس اور گھانس کے کیونکہ یہ تینوں چیزیں عادۃً بوئی نہیں جاتیں جب کہ عشر اس اناج میں واجب ہوتا
ہے جو بویا جائے۔

قولہ[۳] وقالا لا ابو یوسف۔ صاحبین کے نزدیک عشر ان چیزوں میں واجب ہے جن کا پھل سال بھر تک
بلا تکلف باقی رہتا ہو۔ دھوپ وغیرہ کی ضرورت نہ ہو جیسے گیہوں۔ جوار، جو، باجرا۔ چاول۔ مسور۔ کھجور، کشمش
زعفران۔ رائی۔ دھنیا وغیرہ پس جب وہ پانچ وسق کو پہونچ جائے تو ان میں عشر واجب ہے چونکہ سرکار مدینہ
کا ارشاد ہے لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں اور شرط البقاء کی دلیل یہ حدیث
ہے لیس فیہا ای فی الخضراوات شئی یعنی سبزیوں میں کچھ واجب نہیں۔ امام ابو حنیفہ نے پہلی حدیث کا جواب
یہ دیا ہے کہ اس میں زکوٰۃ تجارت مراد ہے نہ کہ عشر اس لئے کہ اہل عرب وسق کے ذریعہ خرید وفروخت کرتے تھے
اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی پس پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوئے اور ظاہر ہے دو سو
درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور دوسری حدیث کے متعلق کہا گیا ہے وہ ضعیف ہے۔

وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ اَوْ دَالِيَةٍ اَوْ سَانِيَةٍ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ

ترجمہ: ــــ اور جس زمین کے کھیتوں کو ڈول یا رہٹ یا سانڈنی سے سینچا جائے تو اس کی پیداوار میں
دونوں قولوں پر نصف عشر ہے۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] وما سقی۔ جس زمین کو ڈول یا رہٹ یا سانڈنی سے سینچا جائے تو اس کی پیداوار میں
نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے امام ابو حنیفہ اور صاحبین دونوں کے قول پر۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نما
ومقادیر شرط ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک وہ شرط نہیں۔ واضح ہو کہ غرب بڑا ڈول اور دالیہ رہٹ اور سانیہ
اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس پر کنویں سے پانی لایا جائے۔

وَقَالَ[۱] اَبُوْ يُوْسُفَ فِيْمَا لَا يُوْسَقُ كَالزَّعْفَرَانِ وَالْقُطْنِ يَجِبُ فِيْهِ الْعُشْرُ اِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهٗ خَمْسَةَ اَوْسُقٍ

من اَدْنٰی مایدخل تحت الوسق وقال محمدٌ یجب العشرُ اذا بلغ الخارجُ خمسۃَ امثالٍ من اعلٰی مایقدّرُ بہٖ نوعُہٗ فاعتبر فی القطن خمسۃ احمالٍ و فی الزعفران خمسۃُ امنَاءٍ

ترجمہ: ــــــ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جو چیزیں وسق سے نہیں ناپی جاتیں جیسے زعفران اور روئی تو ان میں عشر واجب ہے جبکہ اس کی قیمت ایسے ادنیٰ درجہ کے غلہ پانچ وسق کو پہونچ جائے جو وسق سے ناپی جاتی ہوں اور امام محمد نے فرمایا کہ عشر واجب ہے جبکہ پیداوار پانچ امثال کو پہونچ جائے اس اعلیٰ میں سے جس سے اس کی نوع کا اندازہ کیا جاتا ہے پس روئی میں پانچ گونے کا اعتبار کیا گیا ہے اور زعفران میں پانچ سیر کا۔

تشریح: ــــــ قولہ وقال ابو یوسف۔ یعنی امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جو چیزیں وسق سے نہیں ناپی جائیں مثلاً زعفران و روئی وغیرہ ان کے اندر عشر یعنی دسواں حصہ اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ اسکی قیمت ایسے ادنیٰ درجہ تک غلہ پانچ وسق کو پہونچ جائے جو وسق سے ناپے جاتے ہیں۔ جیسے باجرہ وغیرہ اور امام محمد نے فرمایا کہ عشر یعنی دسواں حصہ اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ پانچ عدد اعلیٰ اس مقدار کو پہونچ جائے جس کے ساتھ اس قسم کی چیزوں کا اندازہ کیا جاتا ہے پس روئی میں پانچ گونے معتبر ہیں ایک گون کا وزن تین سو سیر ہوتا ہے اور زعفران میں پانچ سیر معتبر ہیں اور یہاں سیر سے مراد چھبیس اوقیہ کا وزن ہے۔

و فی العسلِ العشرُ اذا اُخذ من ارض العشر قلّ او کثُر وقال ابو یوسف فیہ حتی تبلغ عشرۃ ازقاقٍ وقال محمدٌ خمسۃ افراقٍ والفرقُ ستۃ وثلاثون رطلًا بالعراق ولیس فی الخارج من ارض الخراج عشرٌ

ترجمہ: ــــــ اور شہد میں عشر ہے جبکہ عشری زمین سے حاصل کیا جائے کم ہو یا زیادہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس میں عشر اس وقت ہے جبکہ وہ دس مشکیزہ کو پہونچے اور امام محمد نے فرمایا کہ جب پانچ فرق ہو اور فرق چھتیس رطل کا ہوتا ہے اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں۔

تشریح: ــــــ قولہ وفی العسل۔ شہد میں عشر یعنی دسواں حصہ ہے جبکہ وہ عشری زمین سے حاصل ہو یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک نے فرمایا کہ شہد میں عشر نہیں کیونکہ وہ شہد کی مکھی سے پیدا ہوتا ہے اور شہد کی مکھی حیوان ہے پس وہ ابریشم کے مشابہ ہوا کہ اس میں بھی عشر نہیں۔ دلیل احناف کی سرکار کا یہ قول

ہے کہ فی العسل العشر یعنی شہد میں عشر ہے نیز یہ مروی ہے کہ قوم بنی شبابہ سرکار مدینہ کو ہر دس مشک شہد سے ایک مشک عشر ادا کرتے اور سرکار ان کی وادی کی حفاظت و حمایت کرتے تھے اور اس لئے بھی کہ شہد کی مکھی پھلوں سے عصارہ کرتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ثم کلی من کل الثمرات اور پھل جب عشری زمین میں ہوں تو ان میں عشر واجب ہوتا ہے تو جو چیز پھلوں سے پیدا ہو اس میں بھی عشر واجب ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ شہد کو ابریشم پر قیاس کرنا درست نہیں اس لئے کہ ابریشم کا کیڑا پتے کھاتا ہے اور پتوں میں کچھ واجب نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک شہد میں کم و بیش کا کوئی اعتبار نہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک پانچ وسق کی قیمت کا اور ایک روایت کے اعتبار سے دس مشکیزہ کا اور امام محمد کے نزدیک پانچ افراق کا اعتبار ہے اور ایک فرق چھتیس ۳۶ رطل کا ہوتا ہے

قولہ ۱۲ لیس فی الخارج ۔ یعنی خراجی زمین کی پیداوار میں عشر واجب نہیں ۔ یہ احناف کے نزدیک ہے کیونکہ وجوب عشر کیلئے جہاں اور شرطیں ہیں وہیں شرط محلیت بھی ہے یعنی یہ کہ زمین غیر خراجی ہو ۔ نبی کریم کا ارشاد ہے لا یجمع عشر و خراج یعنی عشر و خراج دونوں جمع نہیں ہوتے ۔ امام شافعی کے نزدیک عشر واجب ہے اس پر حجت حدیث مذکور ہے ۔

بابُ من یجوزُ دفعُ الصدقۃِ الیہِ ومَنْ لا یجوزُ

ترجمہ: ــــ ان لوگوں کے مسائل کا بیان جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جنکو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ۔

قال اللہ تعالیٰ انما الصدقاتُ للفقراءِ والمساکینَ الآیۃ فھٰذہٖ ثمانیۃُ اصنافٍ لقد سقطَ منھا المؤلفۃُ قلوبھُم لِاَنَّ اللہَ تعالیٰ اَعزَّ الاسلامَ واغنیٰ عنھم والفقیرُ من لہٗ ادنیٰ شیٔ والمساکینُ مَنْ لا شیٔ لہٗ والعاملُ یُدفعُ الیہ الامامُ اِنْ یعملَ بقدرِ عملہٖ وفی الرقابِ ان یعانَ المکاتبونَ فی فکِّ رقابِھم والغارمُ مَن لزمہٗ دینٌ وفی سبیلِ اللہِ منقطعُ الغزاۃِ وابنُ السبیلِ مَنْ کانَ لہٗ مالٌ فی وطنہٖ وھو فی مکانٍ آخرَ لا شیٔ لہٗ قیلَ فھٰذہٖ جھاتُ الزکوٰۃِ ۔

ترجمہ: ــــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جز ایں نیست کہ زکوٰۃ فقراء اور مساکین کا حق ہے پس یہ آٹھ قسموں کے آدمی ہیں جن میں سے مؤلفۃ قلوب ساقط ہوگئے کیونکہ اللہ نے اسلام کو قوت دی ہے اور ان سے بے پرواہ کر دیا ہے ۔

فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ مال ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور عامل وہ ہے جس کی طرف حاکم دفع کرے اگر اس نے کام کیا ہو اس کے کام کی مقدار اور فی الرقاب سے مراد وہ ہے کہ مکاتبوں کی مدد کی جائے اس کے چھڑانے میں اور غارم وہ ہے جس کے ذمہ قرض ہو اور فی سبیل اللہ سے مراد وہ ہے جو غازیوں سے منقطع ہو اور ابن السبیل وہ ہے جس کا مال اس کے وطن میں ہو اور وہ دوسری جگہ ہو۔ جہاں اس کے پاس کچھ نہ ہو پس یہ مصارف زکوٰۃ ہیں۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] باب من یجوز۔ زکوٰۃ کے احکام اور اس کی انواع کے بعد اب اس کے مصارف کو بیان کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے مستحقین کون کون ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم یعنی صدقات فقراء و مساکین کیلئے ہیں اور ان کیلئے جو اس کام پر مقرر ہیں اور وہ جن کے دلوں کی تالیف مقصود ہے اور گردن چھڑانے میں اور تاوان والے کیلئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کیلئے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔

قولہ[۲] فہذہ ثمانیۃ۔ آیت مذکورہ میں آٹھ قسموں کا بیان ہے جن میں سے ایک قسم مؤلفۃ القلوب ہے یعنی وہ ہے جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کیلئے زکوٰۃ دیا جائے۔ وہ اب ساقط ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اب قوت دیدی ہے اس کو کسی کا محتاج نہیں بنایا۔ پس اب مصارف زکوٰۃ سات رہ گئے۔ اور وہ یہ ہیں (۱) فقیر (۲) مسکین (۳) عامل (۴) فک رقاب (۵) غارم (۶) فی سبیل اللہ (۷) ابن سبیل۔

قولہ[۳] الفقیر۔ فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر اتنا نہیں کہ نصاب کو پہونچ جائے۔ یا نصاب کی مقدار ہو تو اس کی حاجت اصلیہ میں مستغرق ہو مثلاً رہنے کا مکان۔ پہننے کے کپڑے۔ خدمت کیلئے لونڈی۔ غلام۔ علمی شغل رکھنے والے کو دینی کتابیں جو اس کی ضرورت سے زائد نہ ہوں اسی طرح اگر مدیون ہے اور دین نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے تو فقیر ہے اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یہانتک کہ کھانے اور بدن چھپانے کیلئے محتاج ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے او مسکینا ذا متربۃ یعنی یا مسکین وہ ہے جو فقر و فاقہ سے خاک آلود ہو۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اس کے برعکس کا قول کرتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اما السفینۃ فکانت لمساکین یعنی کشتی مساکین کیلئے تھی۔ اس میں کشتی کا مالک ہونے کے باوجود مساکین کہا گیا ہے۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان کو جو مساکین کہا گیا ہے ترحم کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ ان کے پاس کشتی بطور عاریت تھی یا وہ مزدوری پر کام کرتے تھے۔

قولہ[۴] والعامل یدفع۔ یعنی عامل وہ ہے جس کو بادشاہ اسلام نے زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے

کیلئے مقرر کیا ہو اور اس کو کام کے لحاظ سے اتنا دیا جائے کہ اس کو اور اس کے مددگاروں کو متوسط طور پر کافی ہو مگر اتنا نہیں کہ جو وصول کیا ہے اس کے نصف سے زیادہ ہو اور عامل اگرچہ غنی ہو مگر اپنے کام کی اجرت لے سکتا ہے اور ہاشمی ہو تو اس کو مال زکوٰۃ سے دینا جائز نہیں اور نہ لینا جائز ہے البتہ اگر کسی حیلہ سے دیا جائے تو حرج نہیں ۔

قولہ[3] وفی الرقاب ۔ اس سے مراد وہ مکاتب غلام ہے جس کو زکوٰۃ اس وجہ سے دیا جائے کہ جس سے وہ بدل کتابت ادا کر سکے اور غلامی کا طوق اپنی گردن سے ہٹا سکے اور مکاتب جس کو زکوٰۃ دی جاتی ہے اس کو اختیار ہے وہ دوسرے مصارف میں خرچ کر سکتا ہے ۔

قولہ[4] والغارم ۔ اس سے مراد وہ مدیون ہے جس پر اتنا دین ہو کہ اگر اس کو نکال دیا جائے تو نصاب باقی نہیں رہتا اسی طرح وہ بھی جس کی رقم دوسروں کے پاس ہو اور وہ لینے پر قادر نہ ہو یا قادر تو ہو لیکن وہ وصول نہیں ہو پاتی ۔

قولہ[5] فی سبیل اللہ ۔ راہِ خدا میں مثلاً وہ شخص ہے جو جہاد کا قصد رکھتا ہو مگر اس کے پاس سواری اور زادِ راہ نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے یا وہ طالب علم ہے جو علم دین کے حصول کی خواہش رکھتا ہے لیکن اس کے پاس کتاب وغیرہ اخراجات کا انتظام نہ ہو ۔

قولہ[6] ابن السبیل ۔ وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں مال نہ ہو اور اس کو مال کی سخت ضرورت در پیش ہو تو اس کو اتنی زکوٰۃ دینا جائز ہے جس سے اس کی ضرورت دور ہو سکے ۔ اس سے زائد نہیں ۔

وللمالكِ[1] اَنْ يدفعَ اِلٰى كلٍّ واحدٍ منهم ولهُ اَنْ يقتصرَ علٰى صنفٍ واحدٍ ولا يجوزُ[2] اَنْ يدفعَ الزكوٰةَ اِلٰى ذمّيٍ ولا يُبْنٰى بها مسجدٌ ولا يُكَفَّنُ بها ميتٌ ولا يُشترٰى بها رقبةٌ تُعتقُ ولا تُدفعُ الٰى غنيٍّ ولا يدفعُ المزكّي زكاتَهُ اِلٰى ابيهِ وجدّهٖ واِنْ علا ولا اِلٰى ولدهٖ وولدِ ولدهٖ واِنْ سفلَ ولا اِلٰى اُمّهٖ وجدّاتهٖ

ترجمہ :- ـــــ اور مالک کیلئے جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک قسم کو دے اور یہ بھی کہ ایک قسم کے لوگوں کو دے اور جائز نہیں کہ ذمی کو زکوٰۃ دے اور جائز نہیں کہ اس سے مسجد بنائی جائے اور نہ اس سے میت کو کفن دیا جائے اور نہ آزاد کرنے کیلئے اس سے غلام خریدا جائے اور نہ وہ مالدار کو دیا جائے ۔ اور زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ

کو نہ باپ کو دے اور نہ دادا کو اگرچہ سلسلہ اوپر کو جائے اور نہ اپنے بیٹا کو دے اور نہ اپنے پوتا کو اگرچہ سلسلہ نیچے کو جائے اور نہ اپنی ماں کو دے اور نہ دادی کو اگرچہ سلسلہ اوپر کو جائے۔

تشریح: — قولہ وللمالک ان یدفع۔ مالک یعنی زکوٰۃ دینے والا کیلئے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال کو مذکورہ ساتوں قسموں کو دے یا ان میں سے کسی ایک قسم کو۔ وہ بھی عام ہے کہ ایک قسم کے چند اشخاص کو دے یا ان میں سے کسی ایک کو اور زکوٰۃ کا مال اگر نصاب سے کم ہو تو ایک کو دینا افضل ہے اور اگر نصاب کے برابر ہو تو مکروہ ہے اور اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن وہ مکروہ اس وقت ہے جبکہ وہ مقروض نہ ہو ورنہ مکروہ نہیں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے فرمایا کہ اقسام مذکورہ میں سے ہر قسم کے کم سے کم تین افراد کو زکوٰۃ کا مال دینا ضروری ہے اور وہ اقسام مذکورہ چونکہ سات ہیں اس لئے اس اعتبار سے اکیس آدمیوں کو دینا ضروری ہے دلیل ان کی یہ کہ آیت کریمہ میں اضافت۔ لام تملیک، واؤ تشریک۔ ذکر اصناف بلفظ جمع ہے جس کا اقل درجہ تین افراد ہیں دلیل احناف کی یہ ہے کہ آیت کریمہ ان تبدوا الصدقات فنعما ھی کے بعد وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء ہے جس میں یہ مستفاد ہے کہ صرف فقراء ہی مصارف زکوٰۃ ہیں چنانچہ اگر کوئی قسم کھائے لا اشرب ماء دجلۃ پھر ایک گھونٹ پانی پی لے تو حانث ہو جائے گا کیونکہ دجلہ کا کل پانی پینا اس کے بس سے باہر ہے۔

قولہ لا یجوز ان یدفع۔ یعنی ذمی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ سرکار مدینہ نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا تھا کہ خذھا من اغنیائھم وردھا الی فقرائھم یعنی زکوٰۃ مسلمان دولت مندوں سے لے کر فقیروں کو دیدو؟ واضح ہو کہ ذمی اس کافر کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں سے امان لے کر دار الاسلام میں رہتا ہو۔

قولہ لا یبنی بھا۔ یعنی زکوٰۃ کے مال سے مسجد بنانا جائز نہیں اور نہ اس سے میت کو کفن دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں تملیک مفقود ہے جبکہ ادائیگی زکوٰۃ کیلئے تملیک لازم ہے اور زکوٰۃ کے مال سے یہ بھی جائز نہیں کہ اس سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے کیونکہ آزاد کرنا اسقاط ملک ہے تملیک نہیں اور زکوٰۃ کے مال کو دولت مندوں کو بھی دینا جائز نہیں کیونکہ اس میں تملیک مفقود ہونے کے علاوہ سرکار کا یہ قول ہے لا تحل الصدقۃ لغنی یعنی دولت مند کیلئے زکوٰۃ حلال نہیں اسی طرح پل۔ سرا۔ سقایہ سڑک بنوانا۔ نہر۔ کنواں کھدوانا یا کتاب وغیرہ خرید کر وقف کرنا جائز نہیں۔

قولہ لا یدفع المزکی۔ یعنی زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ ماں باپ کو نہ دے اور نہ دادا یا دادی کو اور نہ اُن سے اوپر والوں کو اسی طرح نہ وہ اپنی اولاد یعنی بیٹا بیٹی کو دے اور نہ نواسہ و نواسی کو دے اور نہ ان سے نیچے والوں کو کیونکہ ان میں بھی تملیک پورے طور پر نہیں اور اس لئے بھی کہ صلہ رحمی کے طور پر ان لوگوں کا

خرچ زکوٰۃ دہندہ پر لازم ہے اور اس لئے بھی کہ بیٹا کے مال کا مالک باپ ہوتا ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے انت ومالک لابیک اسی طرح صدقہ فطر و نذر و کفالت کے مال کو بھی انہیں دینا جائز نہیں البتہ صدقہ نافلہ انہیں دینا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔

ولا[۱] الی امرأتہ ولاتدفع المرأۃ الی زوجھا عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ وقالا تدفع الیہ ولا[۲] یدفع الی مکاتبہ ولا مملوکہ ولا مملوک غنی وولد غنی اذا کان صغیراً

ترجمہ: ــــ اور زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ کے مال کو اپنی بیوی کو نہ دے اور نہ بیوی اپنے شوہر کو دے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ بیوی اپنے شوہر کو دے سکتی ہے اور زکوٰۃ دہندہ زکوٰۃ کے مال کو اپنے مکاتب کو نہ دے اور نہ اپنے غلام کو اور نہ مالدار کے غلام کو اور نہ اس کی اولاد کو جب کہ وہ چھوٹی ہو۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] ولا الی امرأتہ۔ یعنی زکوٰۃ دہندہ زکوٰۃ کے مال کو اپنی بیوی کو نہ دے اور نہ بیوی اپنے شوہر کو دے یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین نے فرمایا کہ بیوی زکوٰۃ کا مال شوہر کو دے سکتی ہے چنانچہ سرکار مدینہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی سے فرمایا تھا کہ اگر تم اپنے شوہر کو دیدو تو تمہارے لئے دوگنا اجر ہے ایک اجر صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ امام ابو حنیفہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث نفلی صدقہ پر محمول ہے

قولہ[۲] ولا یدفع الی مکاتبہ۔ یعنی زکوٰۃ دہندہ زکوٰۃ کا مال اپنے مکاتب غلام کو نہ دے اور نہ اپنے غلام کو اور نہ کسی امیر کے غلام اور نہ امیر کی اولاد کو دے کیونکہ چھوٹی اولاد اپنے باپ کے مال کی وجہ سے امیر ہی شمار ہوتی ہے برخلاف بڑی اولاد کہ ان کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے باپ کے مال کی وجہ سے امیر شمار نہیں ہوتی۔

ولا[۱] یدفع الی بنی ھاشم وھم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل حارث بن عبد المطلب وموالیھم وقال ابو حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ اذا دفع الزکوٰۃ الی رجل یظنہ فقیراً ثم بان انہ غنی او ھاشمی او کافر او دفع فی ظلمۃ الی فقیر ثم بان انہ ابوہ او ابنہ فلا اعادۃ علیہ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ الاعادۃ

ترجمہ: ــــ اور زکوٰۃ کا مال بنو ہاشم کو نہ دے اور وہ لوگ وہ ہیں جو حضرت علی اور عباس اور جعفر اور

عقیل اور حارث بن عبد المطلب کی اولاد سے ہیں اور نہ اُن کے غلاموں کو دے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ جب کسی مرد کو فقیر سمجھ کر زکوٰۃ دیدی گئی پھر ظاہر ہوا کہ وہ مالدار یا ہاشمی یا کافر تھا یا اندھیرے میں کسی فقیر کو دیدی پھر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا باپ یا بیٹا تھا تو دوبارہ دینا لازم نہیں اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دوبارہ دینا ضروری ہے

تشریح: ـــــ قولہ[1] ولا یدفع۔ یعنی زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ کا مال بنو ہاشم کو نہ دے کیونکہ نبی کریم کا ارشاد ہے نحن اہل بیت لا تحل لنا الصدقۃ یعنی ہم اہل بیت ہیں ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں نیز ارشاد گرامی ہے یا بنی ہاشم ان اللہ حرم علیکم غسالۃ اموال الناس واوساخہم وعوضکم منہا خمس الخمس یعنی اے بنو ہاشم اللہ نے تم پر لوگوں کے مال کا میل کچیل حرام کر دیا ہے اور اس کا عوض خمس الخمس دیا ہے اور بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں سرکار کا ارشاد ہے مولی القوم من انفسہم یعنی غلام ان ہی لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن کا وہ غلام ہے۔

قولہ[2] قال ابو حنیفۃ۔ یعنی جب کسی شخص نے کسی کو فقیر سمجھ کر زکوٰۃ دیا کہ وہ اس کا مصرف ہے پھر معلوم ہوا کہ وہ امیر آدمی ہے یا ہاشمی ہے یا کافر ہے یا اندھیرے میں کسی فقیر کو زکوٰۃ دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا باپ یا بیٹا ہے تو دونوں صورتوں میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک دوبارہ زکوٰۃ دینا اس پر لازم نہیں کہ اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ رکن زکوٰۃ جو تملیک یعنی مالک بنانا ہے وہ یہاں موجود ہے کیونکہ فقیر سے یہ تحقیق کرنا کہ آپ کا نسب وحسب کیا ہے؟ آپ کے پاس مال کتنا ہے؟ وہ اس کا مکلف نہیں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں اعادہ ضروری ہے کیونکہ غلطی کا یقین بعد میں ہوا اگرچہ وہ پہلے نہ تھا لیکن فتویٰ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول پر ہے چنانچہ حضرت یزید بن معن کی روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے ان کے والد سے ایسے ہی معاملہ میں ارشاد فرمایا کہ یا یزید لک ما نویت یا معن لک ما اخذت یعنی اے یزید تیرے لئے وہ ہے جو تم نے ارادہ کیا اور اے معن تیرے لئے وہ ہے جو تم نے لیا۔

ولو دفع[1] الی شخص ثم علم انہ عبدہ او مکاتبہ لم یجز فی قولہم جمیعا ولا یجوز[2] دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصابا من ای مال کان ویجوز دفعہا الی من یملک اقل من ذلک وان کان صحیحا مکتسبا

ترجمہ: ـــــ اور اگر کسی کو زکوٰۃ دیا پھر جانا کہ وہ اس کا غلام یا مکاتب ہے تو سب کے قول میں جائز نہیں اور اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو نصاب کا مالک خواہ کسی مال سے ہو اور زکوٰۃ اس شخص کو دینا جائز ہے جو نصاب سے کم کا مالک ہو اگرچہ وہ تندرست کمانے والا ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ ولو دفع۔ یعنی جس شخص کو زکوٰۃ کا مال دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا غلام یا مکاتب تھا تو اس کی زکوٰۃ بالاجماع جائز نہیں کیونکہ جس کو زکوٰۃ دیا جائے اس کو اس کا مالک بنا دینا زکوٰۃ کا رکن ہے اور غلام اور مکاتب میں چونکہ مالک بننے کی صلاحیت نہیں لہٰذا وہ مالک نہ ہوں گے کہ ان کا مال حقیقۃً آقا کا مال ہوتا ہے غلام میں تو ظاہر ہے لیکن مکاتب میں اس لئے کہ مکاتب کی کمائی میں چونکہ مالک کا حق رہتا ہے اس لئے تملیک تام نہ ہوئی
قولہ ولا یجوز۔ یعنی اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو مقدار النصاب کا مالک ہو خواہ وہ مال جس قسم کا ہو یہاں تک کہ اگر اس کا کوئی گھر ہو جس میں وہ نہیں رہتا ہے پس اگر اس کی قیمت دوسو درہم کے برابر ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلدٍ الی بلدٍ آخر وانما یُفرّق صدقۃ کل قومٍ منھم الا ان یحتاج ان ینقلھا الانسان الی قرابتہ او الی قومٍ ھم احوج الیہ من اھل بلدہٖ ۔

ترجمہ: ـــــ اور مکروہ ہے زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا بلکہ ہر قوم کی زکوٰۃ ان ہی میں تقسیم کردی جائے مگر یہ کہ انسان اپنی قرابت کی طرف منتقل کرنے کا محتاج ہو یا اس قوم کی طرف جو اس کے شہر والوں سے زیادہ محتاج ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ یکرہ نقل۔ یعنی ایک شہر کی زکوٰۃ کو دوسرے شہر میں لے جانا مکروہ ہے بلکہ ہر قوم کی زکوٰۃ ان ہی لوگوں میں تقسیم کردی جائے البتہ اگر کوئی انسان اپنی زکوٰۃ کو اپنے قرابت داروں یا ایسے لوگوں میں لے جانے کا محتاج ہو جو اس شہر والوں سے زیادہ ضرورت مند ہے یا زیادہ پرہیزگار ہے یا مسلمانوں کے حق میں وہاں بھیجنا زیادہ نفع بخش ہے یا طالب علم کے لئے بھیجے یا زاہدوں کیلئے یا دار الحرب میں ہے اور زکوٰۃ دار الاسلام میں بھیجے یا سال تمام سے پہلے ہی بھیجدے ان سب صورتوں میں زکوٰۃ کو دوسرے شہر میں بھیجنا بلا کراہت جائز ہے واضح ہو کہ زکوٰۃ و فطرہ و نذور میں افضل یہ ہے کہ پہلے اپنے بھائیوں و بہنوں کو دے پھر ان کی اولادوں کو پھر چچا اور پھوپھیوں پھر ان کی اولادوں پھر ماموں اور خالہ پھر ان کی اولادوں کو پھر ذوی الارحام یعنی رشتہ داروں کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے پیشہ والوں کو پھر اپنے شہر یا گاؤں والوں کو۔

باب صدقۃ الفطر

ترجمہ : ـــــ صدقہ فطر کے مسائل کا بیان

صَدَقَۃُ الْفِطْرِ[۲] وَاجِبَۃٌ[۳] عَلَی الْحُرِّ الْمُسْلِمِ[۴] اِذَا کَانَ مَالِکًا لِّمِقْدَارِ النِّصَابِ فَاضِلًا عَنْ مَسْکَنِہٖ وَثِیَابِہٖ وَاَثَاثِہٖ وَفَرَسِہٖ وَسِلَاحِہٖ وَعَبِیْدِہٖ لِلْخِدْمَۃِ

ترجمہ : ـــــ صدقہ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جب کہ وہ مقدار نصاب کا مالک ہو اور وہ نصاب زائد ہو اس کے رہائشی مکان اور کپڑوں اور اسباب اور گھوڑے اور ہتھیار اور خدمتی غلاموں سے ۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] باب صدقۃ الفطر ۔ اس باب کو زکوٰۃ کے بعد اس لئے بیان کیا گیا کہ یہ بھی زکوٰۃ کی طرح وظیفہ مالیہ سے ہے اور روزہ سے پہلے اس لئے بیان کیا گیا کہ روزہ چونکہ عبادت بدنیہ ہے اس لئے اس سے پہلے صدقہ فطر کو بیان کیا گیا جو عبادت مالیہ ہے کیونکہ یہ بیان عبادت مالیہ کا جاری ہے ۔

صدقۃ الفطر میں اضافت از قبیل اضافۃ المشروط الی الشرط ہے جس طرح حجۃ الاسلام میں ہے یا از قبیل اضافۃ المسبب الی السبب ہے جس طرح حج البیت وصلوٰۃ الظہر میں اور صدقہ بمعنی عطیہ ہے اور اس سے چونکہ عند اللہ ثواب مقصود ہوتا ہے اس کی ادائیگی صاحب صدقہ کی رغبت کا اظہار کرتی ہے اس لئے اس کو صدقہ کہا جاتا ہے اور لفظ فطر حقیقت شرعیہ ہے جس کو فطر صائم کا اسم قرار دیا گیا ہے ۔

قولہ[۲] صدقۃ الفطر ۔ صدقہ فطر ہر مسلمان آزاد مالک نصاب پر جس کا نصاب حاجت اصلیہ سے فارغ ہو واجب ہے چنانچہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ سرکار مدینہ نے ایک شخص کو بھیجا کہ مکہ کی گلیوں میں اعلان کر دو کہ صدقہ فطر واجب ہے ۔ اور یہ نصاب رہنے کے گھر اور پہننے کے کپڑوں اور اسباب اور سواری کے گھوڑے اور ہتھیار اور خدمت کے غلاموں سے زیادہ ہو اور صدقہ فطر ادا کرنے کیلئے مال کا باقی رہنا کوئی ضروری نہیں ۔ مال ہلاک ہونے کے بعد بھی صدقہ فطر واجب ہوتا ہے ساقط نہیں ہوتا برخلاف زکوٰۃ وعشر دونوں ، مال ہلاک ہونے سے ساقط ہو جاتے ہیں ۔

قولہ[۳] واجبۃ ۔ واجب سے یہاں مراد وہ ہے جو فرض وسنت کے درمیان ہو ۔ امام محبوبی کا بیان ہے کہ اسلام کے واجبات سات ہیں (۱) صدقہ فطر (۲) نفقہ ذوی الارحام (۳) وتر (۴) قربانی (۵) عمرہ (۶) خدمت والدین (۷) بیوی کی خدمت اپنے شوہر کیلئے ۔

قولہ[۴] علی الحر المسلم ۔ حر کہنے سے غلام سے احتراز ہو گیا اور مسلم کہنے سے کافر سے احتراز ہو گیا لیکن غلام اس لئے کہ صدقہ فطر اس پر واجب نہیں بلکہ اس کے مالک پر اس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور لیکن کافر

اس لئے کہ وہ عبادت کا اہل نہیں۔ اس میں بالغ اور عاقل ہونے کی شرط نہیں کیونکہ ان دونوں کو شیخین شرط قرار نہیں دیتے برخلاف امام محمدؒ کے ان کے نزدیک وہ دونوں شرط ہیں لہٰذا بچہ اور مجنون اگر مالدار ہو تو شیخین کے نزدیک ان پر صدقۂ فطر واجب ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک نہیں۔

یخرج[1] ذلک عن نفسہٖ وعن اولادہ الصغار وعبیدہ[2] للخدمۃ ولا یؤدی[3] عن زوجتہٖ ولا عن اولادہ الکبار وان کانوا فی عیالہٖ ولا یخرج عن مکاتبہٖ ولا عن ممالیکہ للتجارۃ والعبد[4] بین شریکین ولا فطرۃ علی واحد منھما ویؤدی المسلم الفطرۃ عن عبدہ الکافر۔

ترجمہ: ــــ فطرہ نکالے اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد اور خدمت کے غلاموں کی طرف سے اور فطرہ ادا نہ کرے اپنی بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے اگرچہ وہ اس کی پرورش میں ہوں اور نہ نکالے اپنے مکاتب اور تجارت کے غلاموں کی طرف سے اور وہ غلام جو دو شریکوں کا ہو ان میں سے کسی پر اس کا فطرہ واجب نہیں اور مسلمان فطرہ ادا کرے اپنے کافر غلام کی طرف سے۔

تشریح: ــــ قولہ[1] یخرج ذلک۔ ہر مسلمان آزاد مالک نصاب پر واجب ہے کہ صدقۂ فطر اپنی طرف سے ادا کرے اور اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے جبکہ اولاد مالک نصاب نہ ہو ورنہ اس کا صدقۂ فطر اس کے مال سے ادا کیا جائے اور مجنون اولاد اگرچہ بالغ ہو اگر وہ مالک نصاب نہ ہو تو اس کا صدقہ اس کے باپ پر واجب ہے اور اگر مالک نصاب ہو تو اس کے مال سے ادا کیا جائے گا۔ مجنون عام ہے کہ اصلی ہو یعنی اسی حالت میں بالغ ہو یا بعد کو عارض ہو دونوں کا ایک حکم ہے۔

قولہ[2] عبیدہ للخدمۃ۔ یعنی خدمت کے غلام اسی طرح مدبر اور ام ولد کی طرف سے ان کے مالک پر صدقۂ فطر واجب ہے اگرچہ غلام مدیون ہو یا دین میں مستغرق ہو اور اگر غلام گروی ہو اور مالک کے پاس حاجت اصلیہ کے علاوہ اتنا مال ہو کہ دین ادا کرنے کے بعد بھی نصاب کا مالک رہے تو مالک پر اس کی طرف سے بھی صدقہ واجب ہے۔

قولہ[3] لا یؤدی عن زوجتہ۔ یعنی مالک نصاب اپنی بیوی کی طرف سے فطرہ ادا نہ کرے اور نہ اپنی بڑی اولاد کی طرف سے اگرچہ ان کے کھانے پینے کا خرچ اسی کے ذمہ ہو یا وہ اپاہج ہو اور نہ مکاتب کی طرف سے ادا کرے بلکہ مکاتب کا فطرہ نہ مکاتب پر ہے نہ اس کے مالک پر یہی حال مکاتب اور ماذون کے غلام کا ہے اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز رہے تو مالک پر گذشتہ سال کا فطرہ واجب نہیں اور تجارت کے غلاموں کی طرف سے بھی فطرہ ادا نہ کرے

اگرچہ اس کی قیمت بقدر نصاب نہ ہو۔

قولہ[۵] والعبد۔ غلام اگر دو آدمیوں کی شراکت میں ہو یعنی دو یا چند شخصوں میں مشترک ہو تو اس کا فطرہ کسی پر واجب نہیں کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی غلام کا کامل طور پر مالک نہیں۔ اور مسلمان اپنے کافر غلام کی طرف سے فطرہ ادا کرے گا کیونکہ سبب یہاں موجود ہے کہ وہ اس کی کفالت کرتا ہے اور مولیٰ فطرہ کا اہل ہے اور اگر برعکس ہو یعنی غلام مسلمان ہو اور مولیٰ کافر تو فطرہ واجب نہیں کیونکہ مولیٰ کافر ہے جو اس کا اہل نہیں۔

والفطرۃ[۱] نصفُ صاعٍ من[۲] برٍّ اَوْ صاعٍ من تمرٍ اَوْ زبیبٍ[۳] اوشعیرٍ والصاعُ[۴] عند ابی حنیفۃَ و محمدٍ ثمانیۃُ ارطالٍ بالعراقی وَقالَ ابو یوسفَ خمسۃُ اَرطالٍ و ثلث رطلٍ۔

ترجمہ: ـــــ اور فطرہ نصف صاع ہے گیہوں کا یا ایک صاع ہے کھجور یا جو کا اور صاع امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک آٹھ رطل عراقی ہے اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ پانچ اور تہائی رطل معتبر ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] والفطرۃ۔ صدقۂ فطر کی مقدار یہ ہے کہ گیہوں یا اس کا آٹا یا ستو نصف صاع ہے اور کھجور یا منقی یا جو یا اُس کا آٹا یا ستو ایک صاع ہے اور اگر گیہوں اور جَو جو کہ دونوں ملے ہوئے ہوں اور گیہوں زیادہ ہو تو نصف صاع دے ورنہ ایک صاع یہ قول احناف کا ہے اور یہی امام مالکؒ سے بھی مروی ہے لیکن امام شافعی نے ان تمام چیزوں میں ایک صاع ضروری قرار دیا ہے دلیل میں حضرت ابوسعید الخدری کے اس قول کو پیش کرتے ہیں کہ ہم لوگ سرکار مدینہ کے زمانہ میں صدقۂ فطر ایک صاع دیتے تھے۔ احناف کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ حدیث ہے کہ انہوں نے آخر رمضان میں فرمایا اپنے روزے کا صدقہ ادا کرے؛ اس صدقہ کو سرکار مدینہ نے مقرر فرمایا ایک صاع خرما یا جَو یا نصف صاع گیہوں اور امام شافعی کا استدلال مقدار تطوع و احسان پر مبنی ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ ایک صاع ہم دیتے تھے یہ نہیں کہ سرکار مدینہ نے ایک دینے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

قولہ[۲] من بر۔ مذکورہ چار چیزوں یعنی گیہوں اور جو اور چھوہارہ اور منقی کے علاوہ اگر کسی دوسری چیزوں سے فطرہ ادا کرنا چاہے مثلاً چاول۔ جوار، باجرا یا کوئی دوسری چیز دینا چاہے تو اس کی قیمت کا لحاظ کرنا ہوگا۔ یعنی وہ چیز آدھے صاع گیہوں یا ایک صاع جو کی قیمت کی ہو یہاں تک کہ روٹی دیا جائے تو اس میں بھی قیمت کا لحاظ کیا جائے گا اگرچہ روٹی گیہوں یا جَو کی ہو۔

قولہ[۳] او زبیب۔ کشمش سے متعلق احناف کے درمیان امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے کہ کشمش مقدار میں گیہوں کی طرح ہے یا کھجور کی طرح۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ وہ گیہوں کی طرح ہے لہٰذا اس میں بھی

نصف صاع واجب ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ کھجور کی طرح ہے لہٰذا اس میں ایک صاع واجب ہوگا دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ کشمش اور گیہوں معنوی لحاظ سے دونوں متقارب ہیں اس لئے کہ وہ دونوں بہ تمام اجزا و کھائے جاتے ہیں بر خلاف کھجور کہ اس کی گٹھلی نہیں کھائی جاتی ۔ دلیل صاحبین کی یہ ہے کہ مقصود تفکہ میں کشمش اور کھجور دونوں متقارب ہیں شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے ۔

قولہٗ والصاع ۔ صاع کی مقدار کیا ہے اس سلسلہ میں احناف کے درمیان اختلاف ہے ۔ امام ابو یوسف نے پانچ رطل اور ثلث رطل قرار دیا ہے لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ وہ آٹھ رطل عراقی ہے یعنی وہ پیمانہ ہے جس میں آٹھ رطل عراقی اناج آئے ۔ شرح وقایہ جلد اول ص۲۴۳ پر ہے صاع کیل یسع فیہ ثمانیہ ارطال اور ایک رطل نصف منّ ہے شامی جلد دوم ص۷۹ پر ہے والرطل نصف من تو صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں چار من اناج سمائے من کو مد بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ رد المحتار جلد دوم ص۷۹ پر ہے المد والمن سواء کل منہا ربع صاع اور من جس کو مُد بھی کہا جاتا ہے چالیس استار کا ہوتا ہے اور ہر استار ساڑھے چار مثقال (۴½) تو ہر من ایک سو اسی مثقال ہوا ۔ شرح وقایہ جلد اول ص۲۴۳ پر ہے ان المن اربعون استاراً والاستار اربعۃ مثاقیل نصف مثقال فالمن مائۃ وثمانون مثقالاً ۔ لہٰذا صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں (۴ من × ۱۸۰ مثقال = ۷۲۰ مثقال) سات سو بیس مثقال اناج سمائے ۔

مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں (۷۲۰ مثقال × ۴½ ماشہ = ۳۲۴۰ ماشے) سات سو بیس مثقال یعنی تین ہزار دو سو چالیس ماشے جو آئیں پھر چونکہ بارہ ماشے کا تولہ ہوتا ہے تو صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں (۳۲۴۰ ماشے ÷ ۱۲ = ۲۷۰ تولے) تین ہزار دو سو چالیس ماشے یعنی ۲۷۰ تولے جو آئیں اور چونکہ ایک روپیہ کا وزن سوا گیارہ ماشے ہوتا ہے اس لئے صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں (۳۲۴۰ ماشے ÷ ۱۱¼ ماشے = ۲۸۸ روپیہ بھر) تین سو چالیس ماشے یعنی دو سو اٹھاسی روپیہ بھر جو آئیں اور نصف صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں ایک سو چوالیس روپیہ بھر جو آئیں پھر چونکہ گیہوں جو سے بھاری ہوتا ہے تو جس پیمانہ میں ایک سو چوالیس روپیہ بھر جو آئے گا اس پیمانہ میں گیہوں ایک سو چوالیس بھر سے زیادہ آئے گا ۔ فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۱۲۵ پر ہے کہ فقیر نے ۲۰ رمضان المبارک ۹ ۲۷ رھ کو نیم صاع شعیری کا تجربہ کیا ہے جو ٹھیک چار رطل جو کا پیمانہ تھا اس میں گیہوں برابر ہموار مسطح بھر کر تولے تو ایک سو چوالیس روپیہ بھر جو کی جگہ ایک سو پچھتر روپیہ آٹھ آنہ بھر گیہوں آئے تو نصف صاع گیہوں صدقۂ فطر کا وزن ایک سو چوالیس روپیہ بھر آٹھ آنہ بھر ہوا جو انگریزی سیر سے دو سیر تین چھٹانک اور آٹھ آنے بھر ہے اس لئے کہ انگریزی سیر اسی روپیہ بھر ہے یعنی پچھتر تولے کا ہے ۔ اور نئے پیمانہ سے نصف صاع گیہوں کا وزن ۲ کلو گرام $\frac{۱۲۳}{۱۶۰}$ ۴۶ گرام یعنی ۲ کیلو اور تقریباً ۴۷ گرام ہوگا ۔ کیونکہ اسی روپیہ بھر کا سیر نو سو تینتیس گرام کا ہوتا ہے ۔

و وجوبُ الفطرۃِ ① یتعلقُ بطلوعِ الفجرِ الثانی من یومِ الفطرِ فمن ماتَ قبل ذلک لم تجب فطرتُہٗ ومن اسلمَ اَوْ وُلِدَ بعد طلوعِ الفجرِ لم تجبْ فطرتُہٗ والمستحبُّ ② ان یخرجَ الناسُ الفطرۃَ یومَ الفطرِ قبل الخروجِ الی المصلّٰی فان قدموھا قبل یومِ الفطرِ جاز وان أخروھا عن یومِ الفطرِ لم تسقطْ وکان علیھم اخراجُھا

ترجمہ: ـــــ اور صدقہ فطر کا وجوب عید کے روز فجر ثانی کے طلوع سے متعلق ہے جو شخص اس سے پہلے مر جائے اس کا فطرہ واجب نہیں اور جو شخص طلوع فجر کے بعد مسلمان ہوا یا پیدا ہوا تو اس کا فطرہ واجب نہیں اور مستحب یہ ہے کہ لوگ عیدگاہ جانے سے پہلے فطرہ نکال دیں پس اگر عید کے روز سے پہلے ہی ادا کر دیا تو بھی جائز ہے اور اگر اس کو عید کے روز سے مؤخر کر دیا تو ساقط نہ ہوگا اور ان لوگوں پر اس کا نکالنا لازم ہوگا۔

تشریح: ـــــ قولہ ① و وجوب الفطرۃ۔ یعنی فطرہ عید کے روز صبح صادق کے بعد واجب ہو جاتا ہے پس جو شخص اس سے پہلے مر جائے تو اس پر فطرہ واجب نہیں کیونکہ وقت وجوب اگرچہ پایا گیا لیکن اس کا اہل موجود نہیں اور اگر صبح صادق کے بعد مر جائے یا کافر تھا مسلمان ہو گیا یا فقیر تھا صاحب نصاب ہو گیا یا بچہ پیدا ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں فطرہ واجب ہے۔

قولہ ② والمستحب۔ یعنی مستحب وہ ہے کہ عید کی صبح صادق کے بعد اور عیدگاہ جانے سے پہلے فطرہ نکال دے اور اگر عید کے دن سے پہلے ہی نکال دے تو بھی جائز ہے اور اگر عید کے دن سے مؤخر کرے تو وہ ساقط نہ ہوگا بلکہ ان کے ذمہ لازم رہے گا۔

کتابُ الصومِ ①

ترجمہ: ـــــ روزہ کے مسائل کا بیان

الصومُ ضربانِ واجبٌ ونفلٌ فالواجبُ ضربانِ منہ ما یتعلقُ بزمانٍ بعینہٖ کصومِ رمضانَ والنذرِ المعیّنِ فیجوزُ ② صومُہٗ بنیۃٍ من اللیلِ فان لم ینوِ حتی اصبحَ اجزأتہٗ ما بینہٗ وبین الزوالِ والضربُ الثانی ما یثبتُ فی الذمۃِ کقضاءِ رمضانَ والنذرِ المطلقِ والکفاراتِ۔

ترجمہ: ـــــ روزہ کی دو قسمیں ہیں۔ واجب اور نفل پھر واجب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جو خاص زمانہ

سے تعلق رکھے جیسے ماہ رمضان اور نذر معین کے روزے پس اس کا روزہ جائز ہوگا رات سے نیت کرنے سے پس اگر صبح تک نیت نہیں کی تو اس کو زوال سے پہلے نیت کر لینا کافی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے قضاء رمضان اور نذر مطلق اور کفارے کے روزے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] کتاب الصوم۔ نماز کے بعد زکوٰۃ پھر اس کے بعد روزہ کو بیان کیا گیا جبکہ نماز کے بعد روزہ کو بیان کرنا چاہیے پھر زکوٰۃ کو کیونکہ روزہ نماز کی طرح عبادت بدنیہ ہے اور زکوٰۃ عبادت مالیہ اس کی وجہ یہ کہ رب تعالیٰ نے نماز کے بعد زکوٰۃ کو بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ اور اسی طرح حدیث شریف میں ہے بُنِیَ الاسلامُ علیٰ خمسٍ شہادۃُ ان لا الٰہ الا اللہ وانّ محمداً رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلاً ۔

قولہ[۲] الصوم ضربان ۔ روزہ کی دو قسمیں ہیں واجب اور نفل اور واجب سے یہاں مراد وہ ہے جس کا کرنا ضروری ہو لہٰذا اس میں فرض بھی داخل ہے جبکہ روزہ مکروہ تنزیہی و تحریمی بھی ہوتا ہے اسی طرح روزہ کی کل پانچ قسمیں ہو جائیں گی (۱) فرض (۲) واجب (۳) نفل (۴) مکروہ تنزیہی (۵) مکروہ تحریمی ۔ فرض و واجب میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں معین وغیر معین ۔ فرض معین وہ فرض روزہ ہے جو کسی خاص زمانہ سے تعلق رکھے جیسے اداء روزہ رمضان اور فرض غیر معین وہ فرض روزہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو لیکن کسی خاص زمانہ سے تعلق نہ ہو جیسے قضاء روزہ رمضان اور روزہ کفارہ واجب معین وہ واجب روزہ ہے جو کسی خاص زمانہ سے تعلق رکھے جیسے روزہ نذر معین اور واجب غیر معین وہ واجب روزہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو لیکن کسی خاص زمانہ سے تعلق نہ ہو جیسے روزہ نذر مطلق نفل کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) نفل مسنون مثلاً ظہر و عصر وغیرہ کی سنتیں (۲) نفل مستحب مثلاً عاشورہ یعنی دسویں محرم کا روزہ اور اس کے ساتھ نویں کا بھی اور ہر مہینے میں تیرہویں اور چودہویں اور پندرہویں اور عرفہ کا روزہ پیر اور جمعرات کا روزہ

مکروہ تنزیہی مثلاً ہفتہ کے دن روزہ رکھنا ۔ صوم دہر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنا اور صوم سکوت یعنی ایسا روزہ رکھنا جس میں بات کچھ بھی نہ کرے ۔ مکروہ تحریمی مثلاً عید اور ایام تشریق کے روزے ۔

قولہ[۳] فیجوز صومہ ۔ اداء روزہ رمضان اور نذر معین اور نفل کے تمام روزوں کیلئے نیت کا وقت نصف النہار یعنی ضحوۂ کبریٰ تک ہے یعنی یہ تینوں روزے غروب آفتاب سے ضحوۂ کبریٰ کے قبل تک نیت کرنے سے صحیح ہو جاتے ہیں ۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ رات سے نیت کرنا ضروری ہے چنانچہ نبی کریم کا ارشاد اس شخص کا روزہ نہیں جس نے روزہ کی نیت نہیں کی ۔ احناف کی دلیل سرکار مدینہ کا قول جو قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو حکم

نافذ فرمایا کہ لوگوں کو اطلاع کر دو کہ جس نے کھا لیا ہو وہ باقی دن رُکا رہے اور جس نے نہ کھایا ہو وہ روزہ رکھے اور حدیث مذکور میں جو نفی ہے وہ نفی کمال پر محمول ہے ۔

فلا یجوز[1] صومہ الا بنیۃ[2] من اللیل کذلک صوم الظہار والنفل[3] کلہ یجوز بنیۃ قبل الزوال

ترجمہ : ـــــــ پس اس قسم کا روزہ رات سے نیت کئے بغیر نہیں ہوتا اور اسی طرح ظہار کا روزہ ہے اور نفلی کل روزے زوال سے پہلے نیت کر لینے سے جائز ہو جاتے ہیں ۔

تشریح : ـــــــ قولہ[1] فلا یجوز ۔ مذکورہ روزے یعنی قضاء روزۂ رمضان اور نذر مطلق اور کفارات کے روزے صحیح ہونے کیلئے رات ہی سے اس کی نیت کرنا ضروری ہے ۔ کفارات میں شکار کی جزا اور حلق کا فدیہ اور متعہ اور قران کے روزے داخل ہیں ۔

قولہ[2] بنیۃ من اللیل ۔ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے ۔ زبان سے کہنا شرط نہیں البتہ زبان سے کہہ لینا مستحب ہے اور اگر رات میں نیت کرے تو یوں کہے نویت ان اصوم غداً للہ تعالیٰ من فرض رمضان فلاں یعنی میں نے نیت کی کہ اللہ عز و جل کیلئے فلاں رمضان کا فرض روزہ کل رکھوں گا اور دن میں نیت کرے تو یہ کہے نویت ان اصوم ہذا الیوم للہ تعالیٰ من فرض رمضان فلاں یعنی میں نے نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کیلئے فلاں رمضان کا فرض روزہ آج رکھوں گا ۔

قولہ[3] والنفل کلہ ۔ نفل کل سنت ہو یا مستحب یا مکروہ ان روزوں کیلئے نیت کا وقت غروب آفتاب سے ضحوۂ کبریٰ تک ہے پس اس درمیان نیت کرنے سے روزے ہو جائیں گے لہٰذا آفتاب ڈوبنے سے پہلے نیت کی کہ کل روزہ رکھوں گا پھر بے ہوش ہو گیا اور ضحوۂ کبریٰ کے بعد ہوش آیا تو روزہ نہ ہوا اور آفتاب ڈوبنے کے بعد نیت کیا تھا تو ہو گیا ضحوۂ کبریٰ نیت کا وقت نہیں بلکہ اس سے پہلے نیت ہو جانا ضروری ہے اور اگر خاص اسی وقت یعنی جس وقت آفتاب خط نصف النہار شرعی پر پہونچ گیا نیت کی تو روزہ نہ ہوا ۔

وینبغی[1] للناس ان یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان فان راوہ صاموا وان غم علیھم اکملوا عدۃ شعبان ثلاثین یوما ثم صاموا

ترجمہ : ـــــــ اور لوگوں کو چاہیئے کہ شعبان کی انتیسویں ۲۹ تاریخ میں چاند کو غور سے دیکھیں پس اگر چاند

دیکھ لیں تو روزہ رکھیں اور گھٹا ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کرلیں پھر روزہ رکھیں۔
تشریح:۔ قولہ[۱] ینبغی للناس۔ یعنی لوگوں کو چاہیئے کہ شعبان کی انتیسویں تاریخ کو خوب غور سے چاند دیکھ لیں اگر چاند نظر آجائے تو روزے رکھنا شروع کر دیں اور اگر ابر ہو تو شعبان کے پورے تیس[۳] روز پورا کرکے پھر روزے رکھیں چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھنا شروع کر دو؟ اور چاند دیکھ کر افطار کر دو؛ اور اگر ابر ہو تو شعبان کی گنتی تیس پوری کرلو۔ اور اس لئے بھی کہ ہر ثابت شدہ چیز میں اصل اس کی بقاء ہے جبتک کہ دلیل عدم قائم نہ ہو اور مہینہ چونکہ پہلے سے ثابت تھا اور اب اُس کے ختم ہونے میں شک ہے تو شک[۵] چاند دیکھنے یا تیس دن پورے ہونے سے ختم ہو جائے گا۔
پانچ مہینوں کا چاند دیکھنا چونکہ واجب کفایہ ہے جن میں سے رمضان کا چاند بھی ہے اس لئے یہاں ینبغی بمعنی یجب ہے بیناسب نہیں۔ وہ پانچ مہینے یہ ہیں (۱) شعبان (۲) رمضان (۳) شوال (۴) ذو قعدہ (۵) ذوالحجہ شعبان کا اس لئے کہ اگر رمضان کے چاند دیکھنے وقت ابر یا غبار ہو تو تیس[۳] پورے کرکے رمضان شروع کریں اور رمضان کا ! روزہ رکھنے کیلئے اور شوال کا روزہ ختم کرنے کیلئے اور ذو قعدہ کا ! ذوالحجہ کیلئے اور ذوالحجہ کا بقرعید کیلئے

ومَنْ رایٔ[۱] ہلالَ رمضانَ وحدَہٗ صامَ وانْ لم یقبلِ الامامُ شہادتَہٗ واذا کانَ[۲] فی السماءِ علۃٌ قبلَ الامامُ شہادۃَ الواحدِ العدلِ فی رویۃِ الہلالِ رجلاً کانَ اَوِ امرأۃً حراً کانَ اَو عبداً فانْ[۳] لم یکن فی السماءِ علۃٌ لم تقبل الشہادۃ حتی یراہُ جمعٌ کثیرٌ یقعُ العلمُ بخبرِہم

ترجمہ:۔ اور جس نے اکیلے رمضان کا چاند دیکھا تو وہ روزہ رکھے اگرچہ حاکم نے اس کی شہادت قبول نہ کی ہو اور جب آسمان میں کوئی علت ہو تو حاکم ایک عادل آدمی کی گواہی چاند دیکھنے کے بارے میں قبول کرلے وہ ایک مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام پس اگر آسمان میں کوئی علت نہ ہو تو گواہی قبول نہ کی جائے یہاں تک کہ کثیر جماعت چاند دیکھے کہ جن کے بیان سے یقین آجائے۔
تشریح:۔ قولہ[۱] ومن رایٔ۔ یعنی جس کسی نے تنہا رمضان کا چاند دیکھ کر گواہی دی اور اس کی گواہی کسی وجہ شرعی سے رد کر دی گئی تو اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے چونکہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ اس نے چونکہ چاند دیکھ لیا ہے اس لئے اس کو روزہ رکھنا لازم ہوگا اور اگر اس نے تنہا چاند دیکھ کر روزہ رکھا پھر روزہ توڑ دیا، یا قاضی کے پاس گواہی بھی دی تھی اور ابھی اس نے اس کی گواہی پر حکم نہیں دیا تھا کہ اس نے روزہ توڑ دیا تو کفارہ

لازم نہیں صرف اس روزہ کی قضا کرے اور اگر قاضی نے اس کی گواہی قبول کرلی اسکے بعد اس نے روزہ توڑ دیا تو کفارہ لازم ہے اگرچہ فاسق ہو۔

قولہ اذا کان فی السماء ۔ یعنی آسمان میں اگر ابر ہو یا گرد و غبار ہو تو رمضان کے چاند کیلئے ایک عاقل بالغ عادل مسلمان کی گواہی کافی ہے وہ عام ہے کہ مرد ہو یا عورت ۔ آزاد ہو یا باندی و غلام ۔ یا اس پر تہمت زنا کی حد ماری گئی ہو جبکہ توبہ کرچکا ہو چنانچہ عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے سرکار مدینہ نے رمضان کے چاند کے بارے ایک دیہاتی کی شہادت قبول فرمایا ہے ۔

عادل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ متقی ہو یعنی کبائر گناہ سے بچتا ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو اور ایسا کام نہ کرتا ہو جو مروت کے خلاف ہو مثلاً بازار میں کھانا وغیرہ ۔

قولہ فان لم یکن ۔ یعنی آسمان میں اگر ابر وغیرہ نہ ہو یعنی مطلع صاف ہو تو جبتک بہت سے لوگ شہادت نہ دیں چاند کا ثبوت نہیں ہوسکتا ۔ رہا یہ کہ اس کیلئے کتنے لوگ چاہئیے یہ قاضی کی رائے پر ہے ۔ جتنے گواہوں سے ان کو غالب گمان ہو جائے حکم دیدے گا مگر جب کہ بیرون شہر یا بلند جگہ سے چاند دیکھنا بیان کرے تو ایک مستور کا قول بھی رمضان کے چاند میں قبول کرلیا جائے گا ۔

جماعت کثیرہ کی شرط اس وقت ہے جبکہ روزہ رکھنے یا عید کرنے کیلئے شہادت گذرے اور اگر کسی دوسرے معاملہ میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں ثقہ کی شہادت گذری اور قاضی نے شہادت کی بناء پر حکم دے دیا تو اب یہ شہادت کافی ہے ،

ووقتُ الصومِ من حینِ طلوعِ الفجرِ الثانی الی غروبِ الشمسِ والصومُ هو الامساکُ عن الاکلِ والشربِ والجماعِ نهاراً مع النیةِ فانْ اکلَ الصائمُ اوْ شربَ او جامعَ ناسیاً لم یفطرْ فانْ نامَ فاحتلمَ اوْ نظرَ الی امرأتهِ فانزلَ او ادهنَ او احتجمَ او اکتحلَ او قبّلَ لم یفطرْ فانْ انزلَ بقبلةٍ او لمسٍ فعلیهِ القضاءُ ولا کفارةَ علیهِ ولا باسَ بالقُبلةِ اذا أمنَ علی نفسهِ ویکرهُ انْ لمْ یامنْ وانْ ذرعهُ القیءُ لم یفطرْ

ترجمہ: ــــــ اور روزہ کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے اور روزہ نام ہے رکے رہنے کا دن میں کھانے اور پینے صحبت کرنے سے نیت کیساتھ پس اگر روزہ دار کھالے یا پی لے یا بھول کر صحبت کرلے تو روزہ نہیں جاتا پس اگر سوتے ہوئے احتلام ہو گیا یا اپنی بیوی کی طرف نظر کرنے سے انزال ہو گیا یا تیل یا پچھنا یا سرمہ لگایا یا بوسہ لیا تو روزہ نہیں گیا پس اگر بوسہ یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں اور بوسہ میں کوئی حرج نہیں جب کہ اپنے اوپر

اطمینان ہو اور مکروہ ہے اگر اطمینان نہ ہو اور اگر کسی کو قے آگئی تو روزہ نہیں گیا۔

تشریح :— قولہ[1] وقت الصوم۔ روزہ کا وقت صبح صادق سے آفتاب غروب ہونے تک ہے اور روزہ کس کو کہا جاتا ہے؟ والصوم ہو الامساک الخ سے اس کے معنی کو بیان کیا جاتا ہے کہ صوم کے لغوی معنی مطلقاً کسی چیز سے رکنا اور باز رہنا ہے طعام ہو یا کلام۔ قرآن کریم میں ہے انی نذرت للرحمٰن صوماً فلن اکلم الیوم انسیا یعنی میں نے نذر مانا ہے رحمٰن کا روزہ پس بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے اور اصطلاح شرع میں صوم کہتے ہیں صبح صادق سے آفتاب کے غروب ہونے تک نیت کیساتھ کھانے اور پینے اور جماع سے ایسے شخص کا رکنا ہے جو نیت کا اہل ہو چنانچہ قرآن کریم میں ہے کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل یعنی کھاؤ اور پیو جبتک کہ صاف نظر نہ آجائے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک۔

قولہ[2] فان اکل۔ نسیان کا تعلق اکل و شرب اور جماع تینوں کیساتھ ہے اس لئے اس کا معنی یہ ہوا کہ روزہ دار اگر (۱) بھول کر کھائے (۲) یا بھول کر پیئے (۳) بھول کر جماع کرے تو اس سے روزہ نہیں جاتا اسی طرح (۴) روزہ دار کو اگر سوتے میں احتلام ہو گیا (۵) اپنی بیوی کو دیکھنے سے انزال ہو گیا (۶) تیل لگایا (۷) پچھنا لگایا (۸) سرمہ لگایا (۹) بوسہ لیا (۱۰) قے آگئی۔ ان دسوں صورتوں میں روزہ افطار نہ کرے کیونکہ ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ بھول کر کھانے یا پینے یا جماع کرنے سے امام مالکؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ کیونکہ مذکورہ تینوں، روزہ کی ضد ہیں پس یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے بھول کر نماز میں کلام کرنا کہ وہ احناف کے نزدیک بھی مفسد نماز ہے۔ دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا یہ قول ہے للذی اکل وشرب ناسیاً تم علی صومک فانما اطعمک اللہ وسقاک یعنی اس شخص کیلئے ارشاد ہے جس نے بھول کر کھا پی لیا کہ اپنے روزہ کو پورا کرو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے کھلایا اور پلایا ہے اور جماع وہ کھانے و پینے کی طرح ہے اس لئے کہ رکن ہونے میں تینوں برابر ہیں برخلاف نماز کے کہ اس کی حالت یاد دلانے والی ہوتی ہے اور احتلام و احتجام اور قے کے سے روزہ نہ جانے کی وجہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ تین چیزیں روزہ کو نہیں توڑتیں۔ قے اور حجامت اور احتلام اور تیل لگانے اور سرمہ لگانے اور بلا انزال بوسہ لینے سے روزہ اس لئے نہیں ٹوٹتا کہ یہ چیزیں روزہ کے منافی و مخالف نہیں۔

قولہ[3] فان انزال یعنی بوسہ لینے یا ہاتھ لگانے سے اگر انزال ہو گیا تو اس کے ذمہ اس روزہ کی قضا لازم ہے کفارہ نہیں قضا اس لئے لازم ہے کہ جماع کا معنی جو انزال شہوت سے ہے وہ موجود ہے اور کفارہ اس لئے لازم نہیں کہ وہ کمال جنابت کا محتاج ہے کیونکہ وہ سزا اس وقت لاحق ہوتی ہے جبکہ جنابت نہایت کو پہونچ جائے اور وہ نہایت شرمگاہ میں جماع سے ہوتی ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔

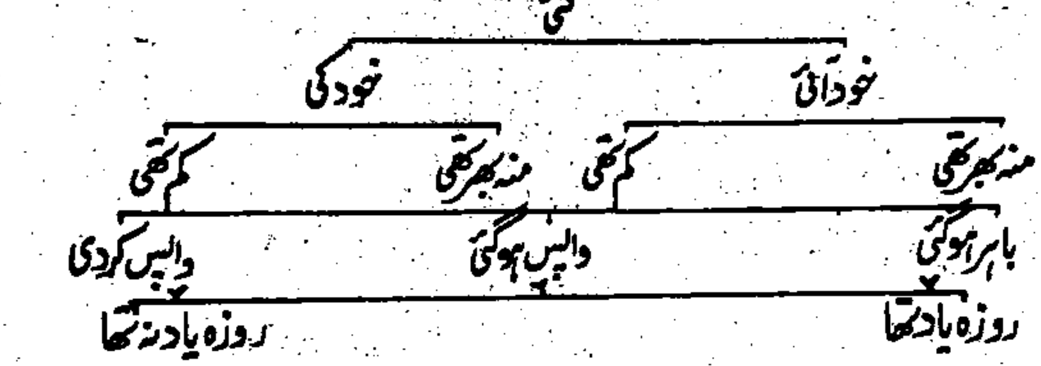
---

[1] وانّہ استقاء عامداً أملاء فمہ فعلیہ القضاء ومن ابتلع الحصاۃ او الحدید او النواۃ افطر وقضیٰ

ترجمہ: ــــــ اور اگر جان بوجھ کر منہ بھر کے قے کی تو اس پر قضا لازم ہے اور جو کنکری یا لوہا یا گٹھلی نگل گیا تو اس کا روزہ جاتا رہا اب اس کی قضا کرے۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] وان استقاء یعنی اگر کسی نے جان بوجھ کر منہ بھر کے قے کی یا کوئی کنکری یا لوہا یا گٹھلی وغیرہ نگل گیا تو ان دونوں پر صرف قضا لازم ہوگی۔ کفارہ نہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جس شخص کو قے آجائے تو اس پر قضا نہیں البتہ قضا اس پر ہے جو جان بوجھ کر قے کرے۔

قے کے سلسلے میں چوبیس صورتیں برآمد ہوتی ہیں اس لئے کہ قے یا تو خود آئے گی یا روزہ دار جان بوجھ کر کرے گا پھر منہ بھر ہوگی یا کم۔ بہر تقدیر باہر ہو جائے گی یا لوٹ جائے گی یا روزہ دار لوٹائے گا پھر بہر صورت روزہ یاد ہوگا یا یاد نہ ہوگا ان تمام صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا صرف اس صورت میں کہ قے منہ بھر ہوا در جان بوجھ کر لوٹائے اور روزہ یاد ہو۔ اس کو نقشہ ذیل میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔



ومن[۱] جامع عامدًا فی احد السبیلین او[۲] اکل او شرب ما یتغذی بہ او یتداوی بہ فعلیہ القضاء والکفارۃ والکفارۃ[۳] مثل کفارۃ الظہار

ترجمہ: ــــــ اور جس نے جان بوجھ کر قبل یا دبر میں سے کسی ایک میں جماع کی یا ایسی چیز کھا پی لی جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو یا دوا کی جاتی ہو تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں اور کفارۂ صوم کفارۂ ظہار کی مثل ہے

تشریح: ــــــ قولہ[۱] ومن جامع۔ یعنی جس نے جان بوجھ کر قبل یا دبر میں جماع کی خواہ اس سے انزال ہو یا نہ ہو تو اس پر قضا لازم ہے اور کفارہ بھی۔ قضا اس لئے کہ جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا یا جس سے فوت شدہ مصلحت جو قہر نفس ہے اس کا تدارک ہو جائے اور کفارہ اس لئے کہ پوری خطا و جنابت پائی گئی وہ ایک شرمگاہ کا دوسری شرمگاہ میں دخول ہے۔

قولہ او اکل او شرب ۔ ما یتغذی بہ او یتداوی ۔ یہ دونوں کا تعلق اکل وشرب کے ساتھ بطور بدلیت ہے خلاصہ یہ کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر کوئی ایسی چیز کھالی یا پی لی جو عادۃً بطور غذا یا دوا استعمال کی جاتی ہے تو اس پر قضا لازم ہے اور کفارہ بھی ۔ چونکہ سرکار مدینہ کے زمانہ میں ایک شخص نے روزہ توڑ دیا تھا جس پر آپ نے فرمایا کہ غلام آزاد کرو ۔ یا دو ماہ پے در پے روزہ رکھو ؛ یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ ۔ امام اوزاعی قضا کے اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کفارہ کے قائل نہیں اس لئے کہ جماع پر کفارہ کا لزوم خلاف قیاس ہے کیونکہ توبہ کے ذریعہ گناہ معاف ہو جاتا ہے لہذا غیر جماع کو اس پر قیاس نہیں کیا جاتا ۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کفارہ کا تعلق جنایت افطار سے ہے جو عمداً کھانے یا پینے کی صورت میں بطور کمال موجود ہے ۔ رہا توبہ کے ذریعہ گناہ کا معاف نہ ہونا وہ اس وجہ سے ہے کہ شریعت نے اس جنایت کا کفارہ غلام کو آزاد کرنا قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ گناہ صرف توبہ سے معاف نہ ہوگا جس طرح چوری اور زنا کا گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا ۔

قولہ والکفارۃ ۔ یعنی روزہ کا کفارہ ظہار کے کفارہ کی مثل ہے چونکہ حدیث شریف میں ہے ایک اعرابی سرکار مدینہ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ میں تو ہلاک ہوگیا آپ نے ارشاد فرمایا ۔ کیا ہوا ؟ اس نے کہا ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جان بوجھ کر جماع کر لی ۔ آپ نے ارشاد فرمایا ایک غلام آزاد کر دو ؛ اس نے کہا میں تو صرف اپنی گردن کا مالک ہوں ۔ آپ نے فرمایا دو مہینے لگاتار روزے رکھو ؛ اس نے کہا ۔ روزہ ہی کی وجہ سے تو اس ہلاکت میں مبتلا ہوا ہوں ۔ آپ نے ارشاد فرمایا ! ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ ؛ اس نے کہا میں تو ایک وقت کا بھی کھانا نہیں پاتا ساٹھ کو کہاں سے کھلاؤں ۔ آپ نے پندرہ صاع کھجوروں کی ایک زنبیل منگوائی اور فرمایا یہ مسکینوں پر تقسیم کر دے اس نے کہا بخدا مدینہ کے اس کونہ سے اُس کونہ تک مجھ سے اور میرے اہل وعیال سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ۔ یہ سنکر آپ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جا اچھا تو ہی کھالے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفارہ اس طریقہ پر واجب ہے جو ظہار کے کفارہ کی مثل ہے ۔

ومَنْ جامعَ فیما دُونَ الفرجِ فانزلَ فعلیہِ القضاءُ ولا کفارۃَ علیہِ ولیسَ فی اِفسادِ الصومِ فی غیرِ رمضانَ کفارۃٌ

ترجمہ : ـــــــ اور جس نے شرمگاہ کے علاوہ میں جماع کی اور انزال ہو گیا تو اس پر قضا لازم ہے کفارہ نہیں اور رمضان کے علاوہ میں روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں ۔

تشریح :۔ ـــــ قولہ[۱] ومن جامع فیما دون ۔ یعنی جس شخص نے فرج کے علاوہ دوسری جگہ مثلاً پیٹ ران وغیرہ میں جماع کیا اور انزال ہوگیا تو اس پر قضا لازم ہے کفارہ نہیں ۔ قضا اس لئے کہ جماع معنًی موجود ہے اور وہ انزال ہے اور کفارہ اس لئے نہیں کہ جماع صورۃً مفقود ہے اور وہ ایلاج و ادخال ہے ۔

قولہ[۲] ولیس فی افساد ۔ کفارہ صرف رمضان کے روزہ توڑنے سے ہی لازم ہوتا ہے اس کے علاوہ دوسرے روزوں میں نہیں کیونکہ رمضان کے روزہ توڑنے میں دو جنایت ہوتی ہیں ایک روزہ کی توہین اور دوسری ماہ رمضان کی توہین برخلاف دوسرے ماہ کہ اس میں صرف روزہ کی توہین ہوتی ہے اور بس ۔

وَمَنْ[۱] احْتَقَنَ اَوِ اسْتَعَطَ اَوْ اَقْطَرَ فِیْ اُذُنِہٖ اَوْ دَاوٰی جَائِفَۃً اَوْ اٰمَۃً بِدَوَاءٍ رَطْبٍ فَوَصَلَ اِلٰی جَوْفِہٖ اَوْ دِمَاغِہٖ اَفْطَرَ وَاِنْ[۲] اَقْطَرَ فِیْ اِحْلِیْلِہٖ لَمْ یُفْطِرْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ یُفْطِرُ وَمَنْ[۳] ذَاقَ شَیْئًا بِفَمِہٖ لَمْ یُفْطِرْ وَیُکْرَہُ لَہٗ ذٰلِکَ وَیُکْرَہُ لِلْمَرْاَۃِ اَنْ تَمْضَغَ لِصَبِیِّھَا الطَّعَامَ اِذَا کَانَ لَھَا مِنْہُ بُدٌّ وَمَضْغُ[۴] الْعِلْکِ لَا یُفْطِرُ الصَّائِمَ وَ یُکْرَہُ ۔

ترجمہ :۔ ـــــ اور جس نے حقنہ لیا یا ناک میں یا کان میں دوا ڈالی یا پیٹ یا سر کے زخم میں تر دوا لگائی جو پیٹ یا دماغ تک پہونچ گئی تو روزہ جاتا رہا اور اگر اپنے ذکر کے سوراخ میں دوا ٹپکائی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک روزہ نہیں گیا اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ روزہ جاتا رہا اور جس نے کوئی چیز اپنے منہ سے چکھی تو روزہ نہیں گیا لیکن وہ مکروہ ہے اور عورت کیلئے مکروہ ہے بچہ کیلئے کھانا چبانا جب کہ اس سے کوئی چارہ کار ہو اور گوند کے چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن وہ مکروہ ہے ۔

تشریح :۔ ـــــ قولہ[۱] ومن احتقن ۔ جس کسی نے (۱) حقنہ لیا یعنی پاخانہ کے مقام سے دوا چڑھائی ۔ (۲) یا ناک (۳) یا کان میں دوا ڈالی ۔ (۴) یا پیٹ (۵) یا سر کے زخم میں تر دوا لگائی جو پیٹ یا دماغ تک پہونچ گئی تو ان تمام صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت ہے سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انما الافطار مما دخل ولیس مما خرج ۔ اس سے صرف قضا واجب ہوگی ۔ کفارہ نہیں یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور صاحبین کے نزدیک چونکہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے قضا بھی لازم نہ ہوگی

قولہ[۲] وان اقطر ۔ یعنی اگر کوئی اپنے ذکر کے سوراخ میں دوا ڈالے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس سے روزہ نہیں جاتا ۔ فتویٰ اسی پر ہے اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ اس سے روزہ جاتا رہتا ہے اس

اختلاف کا دار و مدار اس پر ہے کہ مثانہ اور پیٹ کے درمیان کوئی منفذ ہے یا نہیں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ منفذ ہے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ منفذ نہیں کیونکہ مثانہ اس کے درمیان حائل ہے اور یہ خلاف اس صورت میں ہے کہ دوا مثانہ تک پہونچ جائے لیکن اگر دوا ذکر ہی میں رہے تو اس سے بالاجماع روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر عورت اپنی فرج میں دوا ڈالے تو اس سے بالاجماع روزہ جاتا رہتا ہے۔

قولہ[۳] من ذاق شیئا۔ یعنی اگر کسی شخص نے اپنی زبان سے کوئی چیز چکھی تو اس سے روزہ نہیں جاتا کیونکہ ناقض روزہ یعنی روزہ کو توڑنے والا صورۃً اور معنًی دونوں اعتبار سے یہاں مفقود ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں روزہ کے اندر فساد کا امکان ہے۔

قولہ[۴] یکرہ للمرأۃ۔ یعنی عورت کیلئے مکروہ ہے کہ وہ بلا ضرورت اپنے بچہ کو روٹی وغیرہ چبا کر دے بلا ضرورت سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی اور چھوٹا بچہ ہو جس کا روزہ نہ ہو اور اس کے بچہ کو کھلائے یا کوئی حائضہ عورت ہو یا کھانا ایسا ہو کہ اس کے چبانے کی ضرورت نہ ہو تو ان صورتوں میں اسے چبا کر دینا مکروہ ہے اور ضرورت کے وقت بلاشبہ جائز ہے۔

قولہ[۵] مضغ العلک۔ یعنی گوند کے چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ وہ مکروہ ہے۔ روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ گوند پیٹ تک نہیں پہونچتا بلکہ دانتوں میں چپک جاتا ہے اور یہ اس گوند کا حکم ہے جو سفید اور اچھا ہوا ہو۔ ریزہ ریزہ نہ ہو اور اگر سیاہ گوند ہے تو اس کے چبانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ وہ چبا ہوا ہو کیونکہ وہ باریک ہو کر پیٹ میں چلا جاتا ہے۔

ومَنْ کانَ[۱] مَرِیضًا فِی رمضانَ فخافَ[۲] اِنْ صَامَ اَزْدادَ مرضُہٗ افطرَ وقضیٰ واِنْ[۳] کانَ مسافرًا لَایتضرّر بالصومِ فصومُہٗ افضلُ واِنْ افطرَ وقضیٰ جازَ واِنْ[۴] ماتَ المریضُ اوالمسافرُ وھما علیٰ حالھما لمْ یلزمْھما القضاءُ واِنْ صحَّ المریضُ اَوْ اَقامَ المسافرُ ثمّ ماتا لزمھما القضاءُ بقدرِ الصحۃِ والاقامۃِ

ترجمہ: ـــــ اور جو شخص رمضان میں بیمار ہو اور ڈر ہو کر روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جائے گا تو روزہ نہ رکھے اور قضا کرے اور اگر کوئی مسافر ہے جس کو روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف نہیں تو اس کیلئے روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر روزہ نہ رکھے اور قضا کرے جب بھی جائز ہے اور اگر بیمار مر گیا یا مسافر اپنی اسی حالت میں رہے تو ان پر قضا لازم نہیں اور اگر بیمار تندرست ہو گیا یا مسافر مقیم ہو گیا پھر دونوں مر گئے تو ان دونوں پر بقدر صحت و اقامت لازم ہوگی

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ومن کان کسی شخص میں مذکورہ نو چیزوں میں سے اگر کوئی ایک چیز بھی ہو جس کی وجہ سے وہ روزہ نہ رکھ سکے تو وہ گناہ گار نہ ہوگا البتہ اس سے صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں اور وہ نو چیزیں یہ ہیں (۱) سفر (۲) حمل (۳) بچہ کو دودھ پلانا (۴) مرض (۵) بڑھاپا (۶) خوف ہلاک (۷) اکراہ (۸) نقصان عقل (۹) جہاد

قولہ[۲] فخاف ان صیام۔ یعنی جس شخص کو روزہ رکھنے سے بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو جائز ہے وہ روزہ نہ رکھے قال اللہ تعالیٰ فمن کان منکم مریضاً الخ اس میں ہر بیمار کیلئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور روزہ نہ رکھنے کا مشروع ہونا دفع حرج کیلئے ہے اور تحقق حرج کا مدار بیماری کی زیادتی پر ہے اور اس کی زیادتی کی معرفت صرف وہم سے نہیں بلکہ غلبہ ظن سے ضروری ہے جو علامتوں کے ذریعہ ہو یا تجربہ سے یا مسلمان ماہر طبیب کی اطلاع دینے سے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے فرمایا کہ بیماری کی زیادتی کافی نہیں بلکہ جان یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو جب بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے جواز تیمم میں بھی ان کے نزدیک یہی شرط ملحوظ ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ بیماری کی زیادتی اور اس کا امتداد بھی کبھی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے پس اس سے اجتناب بھی لازم ہے۔

قولہ[۳] وان کان مسافراً۔ یعنی مسافر کو سفر کی حالت میں اگر روزہ رکھنا دشوار ہو تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے قال اللہ تعالیٰ اَوْ علیٰ سفرٍ فعدۃٌ من ایامٍ اُخر اور اگر اس سفر میں مشقت و دشواری نہ ہو بلکہ آرام دہ سفر ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے قال اللہ تعالیٰ وان تصوموا خیر لکم چنانچہ حدیث شریف میں حضرت عامر سے مروی ہے کہ سرکار مدینہ دوران سفر میں تھے اس درمیان ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کے ارد گرد ازدحام کئے ہوئے ہیں اور اس کے چہرہ پر پانی چھڑک رہے ہیں۔ سرکار نے دریافت فرمایا کہ یہ ازدحام کیسا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص روزہ کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہے تو آپ نے فرمایا لیس من امبر امصیام فی امسفر ای لیس من البر الصیام فی السفر یعنی بھلائی میں سے سفر میں روزہ رکھنا نہیں۔

قولہ[۴] وان مات المریض۔ یعنی بیمار اگر بیماری کی حالت میں اور مسافر اپنے سفر کی حالت میں مر جائے تو ان پر قضا لازم نہیں اس لئے کہ وجوب قضا کیلئے اتنا وقت ضروری ہے جس میں قضا کیا جا سکے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فعدۃٌ من ایامٍ اُخر اور ان لوگوں کو اتنا وقت نہیں ملا پس قضا لازم نہ ہوگی البتہ بیمار اگر تندرست ہو گیا یا مسافر مقیم ہو گیا پھر دونوں مر گئے تو ان دونوں کے ذمہ تندرست اور مقیم ہونے کی مقدار روزوں کی قضا لازم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان پر واجب ہے اپنے روزوں کے عوض کھانا کھلانے کی وصیت کرے۔

وقضاءُ[۱] رمضانَ اِنْ شاءَ فرقہٗ وانْ شاءَ تابعہٗ[۲] وانْ اَخرہٗ[۳] حتی دخل رمضانُ آخرُ صامَ

رمضان الثانی وقضی الاول بعدہ ولا فدیۃ علیہ والحامل والمرضع اذا خافتا علی ولدیھما افطرتا وقضتا ولا فدیۃ علیھما والشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا کما یطعم فی الکفارات

ترجمہ: ـــــ اور رمضان کے روزہ کی قضا اگر چاہے تو متفرق طور پر کرلے اور اگر چاہے تو پے درپے کرلے اور اگر اس کو موخر کردیا کہ دوسرا رمضان آگیا تو دوسرے رمضان کے روزے رکھے۔ اس کے بعد پہلے رمضان کی قضا کرے اور اس پر فدیہ نہیں اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنے بچوں کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھیں قضا کرلیں اور ان پر فدیہ نہیں اور بہت بوڑھا آدمی جو روزہ نہ رکھ سکے تو نہ رکھے بلکہ ہر دن کے عوض ایک ایک مسکین کو کھانا کھلائے جس طرح کفاروں کے روزے میں کھلایا جاتا ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ قضاء رمضان۔ رمضان کی قضا روزے میں اختیار ہے کہ متفرق طور پر رکھے یا پے درپے چونکہ آیت کریمہ فعدۃ من ایام اخر میں قضا روزے سے متعلق مطلق مذکور ہے اور اگر دوسرا رمضان آگیا اور پہلے رمضان کے روزہ کی قضا نہیں کیا ہے تو ادا کو قضا پر مقدم کرے یعنی پہلے سامنے والا رمضان کا روزہ رکھے پھر گذشتہ رمضان کی قضا کرے اس لئے کہ قضا کی ادائیگی کا حکم فوری نہیں بلکہ تراخی کے ساتھ ہے پس احناف کے نزدیک اس صورت میں فدیہ واجب نہ ہوگا البتہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اگر بلا عذر تاخیر کی گئی تو اس پر فدیہ لازم ہے یعنی ہر روزہ کے عوض نصف صاع گیہوں ادا کرنے

قولہ۲ تابعہ۔ جس کفارہ میں غلام آزاد کرنا شروع ہے اس کے روزہ میں تتابع ضروری ہے اور جس میں غلام آزاد کرنا شروع نہیں اس کے روزے میں تتابع ضروری نہیں۔ پس اس اعتبار سے چار قسموں کے کفارے میں تتابع ضروری ہے اور وہ یہ ہیں (۱) کفارہ صوم (۲) کفارۂ قتل (۳) کفارۂ ظہار (۴) کفارۂ یمین اور جن میں تتابع ضروری نہیں وہ بھی چار ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) قضاء رمضان (۲) روزۂ متعہ (۳) کفارۂ حلق (۴) کفارۂ جزاء صید

قولہ۳ والحامل والمرضع۔ یعنی حمل والی اور دودھ پلانے والی عورتوں کو جب یہ اندیشہ ہو کہ روزہ نہ رکھنے سے ہمارے بچوں کو بھوک وغیرہ کی تکلیف ہوگی تو وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کرلیں چنانچہ نبی کریم کا ارشاد ہے ان اللہ وضع عن المسافر الصوم شطر الصلوٰۃ وعن الحامل والمرضع الصوم یعنی اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ اور جزء نماز کو وضع فرمادیا اور حمل والی اور دودھ پلانے والی عورتوں سے روزہ کو اور جب اس عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے تو اس پر فدیہ یا کفارہ واجب نہ ہوگا۔

قولہ۴ والشیخ الفانی۔ یعنی جو آدمی بہت بوڑھا ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس کے لئے اجازت ہے

کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کی طرف سے فدیہ دے یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے جس طرح کفاروں میں کھانا کھلایا جاتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک فدیہ بھی واجب نہیں۔ امام مالکؒ کا بھی یہی قول قدیم ہے۔

وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَاَوْصٰى بِهٖ اَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْصَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ وَمَنْ دَخَلَ فِيْ صَوْمِ التَّطَوُّعِ ثُمَّ اَفْسَدَهٗ قَضَاهُ

ترجمہ: ـــــ اور جو شخص مرگیا اور اس پر رمضان کی قضا ہے پس اس کے متعلق وہ وصیت کرگیا تو اس کی طرف سے اس کا ولی کھانا کھلائے ہر روزہ ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو اور جس نے نفلی روزہ شروع کرکے توڑ دیا تو اس کی قضا کرے۔

تشریح: ـــــ قولہ وَمَنْ مَاتَ۔ یعنی جو کوئی مرجائے اور اس کے ذمہ رمضان کی قضا ہو اور اس نے اپنے روزوں کیلئے وصیت کردی ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع چھوہارے یا جو دے۔ یہ مقدار وہی ہے جو صدقۂ فطر کی ہے لیکن اس فدیہ کی ادائیگی ولی پر اس وقت ہے جب کہ مرنے والا نے اس کی وصیت کی ہو۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے کہا کہ فدیہ کی ادائیگی ہر صورت میں ضروری ہے عام ہے کہ وصیت کرے یا نہ کرے۔ یہی قول امام احمد بن حنبل کا ہے اس اختلاف کی وجہ یہ کہ فدیہ ان کے نزدیک دیون عباد میں سے مانتے ہیں کہ جس طرح قرض کی ادائیگی ورثہ پر ضروری ہے۔ مرنے والا عام ہے وصیت کرے یا نہ کرے اسی طرح فدیہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ فدیہ عبادت ہے اور عبادت میں اختیار کا ہونا ضروری ہے اس لئے وصیت کا ہونا ضروری ہے اور یہ وصیت چونکہ بطور تبرع ہوتی ہے اس لئے اس کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جمیع مال سے۔

قولہ وَمَنْ دَخَلَ۔ یعنی کسی نے اگر نفلی روزہ شروع کرے پھر اُسے توڑ دیا تو وہ اس کی قضا کرے توڑنا عام ہے کہ قصداً ہو یا بلا قصد۔ قصداً تو ظاہر ہے لیکن بلا قصد یہ کہ مثلاً کوئی عورت نفلی روزہ رکھی ہوا ور اس درمیان اس کو حیض آگیا تو اصح روایت میں یہ ہے کہ اس کو اس روزہ کی قضا کرنی ہوگی۔

وَاِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ اَوْ اَسْلَمَ الْكَافِرُ فِيْ رَمَضَانَ اَمْسَكَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَصَامَا مَا بَعْدَهٗ وَلَمْ يَقْضِيَا مَا مَضٰى وَمَنْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ فِيْ رَمَضَانَ لَمْ يَقْضِ الْيَوْمَ الَّذِيْ حَدَثَ فِيْهِ الْاِغْمَاءُ وَقَضٰى مَا بَعْدَهٗ وَاِذَا اَفَاقَ

المجنون فی بعض رمضان قضی مامضیٰ منہ وصام ما بقی

ترجمہ:۔ اور جب رمضان میں کوئی بچہ بالغ ہو جائے یا کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو وہ دونوں باقی دن رکے رہیں اور اس دن کے بعد سے روزہ رکھیں اور گذشتہ دنوں کی قضا نہ کریں اور جو رمضان میں بے ہوش ہو گیا تو اس دن کے روزے کی قضا نہ کرے جس میں بے ہوشی طاری ہوئی اور اس کے بعد کے روزے کی قضا کرے اور جب کسی دیوانہ کو رمضان کے بعض حصہ میں افاقہ حاصل ہو تو گذشتہ دنوں کی قضا کرے اور باقی دنوں کے روزہ رکھے۔

تشریح:۔ قولہ[۱] واذا بلغ الصبی۔ لفظ فی رمضان متعلق ہے بلغ الصبی اور اسلم الکافر دونوں کے ساتھ پس معنی یہ ہوا کہ رمضان میں جب کوئی بچہ بالغ ہو جائے یا کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو وہ دونوں رمضان کا احترام رکھتے ہوئے بقیہ دن کھانے اور پینے اور جماع سے رکے رہیں۔ اور اس پر اس دن اور اس سے پہلے دنوں کی قضا لازم نہ ہوگی اس لئے کہ ان دنوں میں ان پر روزہ واجب نہیں کیونکہ وہ فروعی چیزوں کے مخاطب نہ تھے یہ مذہب امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا ہے لیکن امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ بچپن اور کفر اگر زوال سے پہلے زائل ہو جائے یعنی زوال سے پہلے بالغ یا مسلمان ہو جائے تو ان پر قضا لازم ہے اس لئے کہ اس تقدیر پر نیت کا وقت ان دونوں کو مل گیا جواب امام ابو حنیفہ اور امام کی طرف سے یہ ہے کہ روزہ میں تجزّی نہیں ہوتی نہ وجوباً اور نہ اداءً اور وجوب اہلیت چونکہ یہاں اول وقت میں مفقود ہے اس لئے ان دنوں کی قضا ان دونوں پر واجب نہیں۔

قولہ[۲] اذا افاق۔ یعنی جب رمضان کے بعض دنوں میں کسی دیوانے کو افاقہ ہو جائے تو وہ بقیہ دن کا روزہ رکھے اور گذشتہ دنوں کی قضا کرے کیونکہ سبب پایا گیا اور وہ مہینہ اور اہلیت پس اس کو اس کی قضا لازم ہوگی۔

و[۱]اذا حاضت المرأۃ اَو نُفست اَفطرتْ وقضتْ اذا طهرتْ واذا[۲] قدمَ المسافرُ اَو طهرتْ الحائضُ فی بعض النهارِ اَمسَکا عن الطعامِ والشرابِ بقیّۃَ یومهما ومن تسحّر وهو یظنُّ اَنّ الفجرَ لم یطلع اَو افطرَ وهو یُرٰی اَنّ الشمسَ قد غربتْ ثم تبیّن انّ الفجرَ کان قد طلعَ اَو انّ الشمسَ لم تغربْ قضی ذٰلک الیومَ ولا کفارۃَ علیهِ

ترجمہ:۔ اور جب عورت کو حیض یا نفاس آئے تو روزہ توڑ دے اور قضا کرے جب پاک ہو جائے اور جب مسافر واپس آجائے یا حائضہ دن کے بعض حصہ میں پاک ہو جائے تو باقی دن کھانے پینے سے رکے رہیں اور جس نے

سحری کھائی یہ سمجھتے ہوتے کہ فجر طلوع نہیں ہوا یا روزہ افطار کیا یہ خیال کرتے ہوتے کہ آفتاب غروب ہو گیا پھر معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکا تھا یا یہ کہ آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو اس دن کی قضا کرے اور اس پر کفارہ نہیں۔

تشریح:۔۔۔ قولہ واذا حاضت۔ یعنی رمضان میں عورت کو اگر حیض یا نفاس آئے تو وہ روزہ توڑ دے اور پاک ہونے کے بعد قضا روزہ رکھے یعنی حیض سے پورے دس دن ورات میں پاک ہوئی تو بہر حال کل روزہ رکھے اور کم میں پاک ہوئی تو اگر صبح ہونے کا اتنا عرصہ ہے کہ غسل کر کے خفیف سا وقت بچے گا تو بھی روزہ رکھے اور اگر غسل کر کے فارغ ہونے کے وقت صبح چمکی تو روزہ نہیں۔

حیض و نفاس والی عورت کو اختیار ہے کہ وہ چھپ کر کھائے یا ظاہراً۔ روزہ کی طرح رہنا اس پر ضروری نہیں مگر چھپ کر کھانا بہتر ہے خصوصاً حیض والی کو۔

قولہ اذا قدم المسافر۔ یعنی اگر کوئی مسافر رمضان کے دنوں میں سفر سے اپنا گھر آگیا یا عورت حائضہ تھی پاک ہو گئی تو وہ دونوں بقیہ دن کھانے پینے وغیرہ سے رکے رہیں کیونکہ یہ مسئلہ ہے کہ جس شخص کو رمضان کے شروع دن میں کوئی ایسا عذر در پیش ہو جو روزہ کے وجوب کیلئے مانع ہو یا اس کی وجہ سے افطار مباح ہے اور پھر وہ عذر زائل ہو جائے اور وہ شخص ایسی حالت میں ہو جائے کہ اگر وہ اس حالت میں شروع دن میں ہوتا تو اس پر روزہ واجب ہو جاتا تو ایسے شخص کیلئے بقیہ دن کھانے پینے و جماع سے رکے رہنا ضروری ہے۔

قولہ من تسحر۔ یعنی اگر کسی نے سحری کھائی اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی یا کسی نے اس خیال سے روزہ افطار کر لیا کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی ہے یا آفتاب غروب نہیں ہوا تو یہ شخص اس روزے کے عوض قضا روزہ رکھے اور اس پر کفارہ نہیں۔

سحری کھانے میں برکت ہے قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فان فی اکل السحور برکۃ۔ برکت سے مراد روزہ کے ادا ہونے میں قوت کا زیادہ ہونا یا اس سے مراد حصول ثواب ہے اور سحری کھانا اور اس میں تاخیر کرنا مستحب مگر اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ صبح ہونے کا شک ہو جائے۔

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے مگر افطار اس وقت کرے کہ غروب کا غالب گمان ہو جائے جبتک گمان غالب نہ ہو افطار نہ کرے اگرچہ موذن نے اذان کہہ دی ہے اور ابر کے دنوں میں افطار میں جلدی نہ کرے۔

ومن رای ہلال الفطر وحدہ لم یفطر واذا کانت بالسماء علۃ لم یقبل الامام فی ہلال الفطر الا شہادۃ رجلین او رجل وامرأتین وان لم تکن بالسماء علۃ لم یقبل الا شہادۃ جماعۃ یقع العلم بخبرہم

ترجمہ : ـــــ اور جس نے عید کا چاند اکیلے دیکھا تو وہ افطار نہ کرے اور جب آسمان میں کوئی علت ہو تو حاکم عید کے چاند کے معاملہ میں قبول نہ کرے مگر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت اور اگر آسمان میں کوئی علت نہ ہو تو قبول نہ کرے مگر ایک جماعت کی گواہی کہ جن کے بیان کرنے پر یقین آجائے ۔

تشریح : ـــــ قولہ[1] ومن رای ۔ یعنی اگر کسی نے عید کا چاند تنہا دیکھا تو وہ احتیاطاً روزہ رکھے افطار نہ کرے اور اگر امام یا قاضی نے عید کا چاند تنہا دیکھا تو انہیں عید کرنا یا عید کا حکم دینا جائز نہیں ۔

قولہ[2] واذا کانت ۔ یعنی جب آسمان میں کچھ ابر وغیرہ ہو تو عید کے چاند میں کم سے کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے اور سب عادل ہوں اور آزاد ہوں اور ان میں سے کسی پر زنا کی حد نہ قائم کی گئی ہو اگرچہ توبہ کر چکا ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ گواہ گواہی دیتے وقت یہ لفظ کہے "میں گواہی دیتا ہوں" ۔

قولہ[3] وان لم تکن ۔ آسمان میں اگر ابر وغیرہ نہ ہو بلکہ مطلع صاف ہو تو جب تک بہت سے لوگ شہادت نہ دیں چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا ۔ اب رہا یہ کہ اس کیلئے کتنے لوگ چاہیئے ؟ یہ قاضی کے اوپر ہے کہ جتنے لوگوں سے ان کو گمان غالب ہو جائے ۔

بابُ[1] الاعتکافِ

ترجمہ : ـــــ اعتکاف کے مسائل کا بیان

اَلاِعتِکافُ[2] مستحبٌّ وَھُوَ[3] اللبثُ فی المسجِد[4] مع الصَّومِ[5] و نیۃُ الاعتکافِ و یحرمُ[6] علی المعتکِفِ الوطیُ واللمسُ والقبلۃُ وان انزلَ بقبلۃٍ او لمسٍ فسد اعتکافہٗ و علیہ القضاءُ

ترجمہ : ـــــ اعتکاف مستحب ہے اور وہ مسجد میں ٹھہرنا ہے روزہ کے ساتھ بہ نیت اعتکاف اور اعتکاف کرنے والے پر حرام کر دیتا ہے وطی کرنا اور چھونا اور بوسہ لینا اور اگر بوسہ یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائیگا اور اس پر قضا لازم ہو گی ۔

تشریح : ـــــ قولہ[1] باب الاعتکاف ۔ اس باب کو صوم کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ روزہ اعتکاف کیلئے شرط ہے اور ظاہر ہے شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے اس وجہ سے اعتکاف کو صوم یعنی روزہ کے بعد بیان کیا گیا ۔ اعتکاف باب افتعال کا مصدر ہے جو ماخوذ ہے عکف بمعنی ٹھہرنے سے قال اللہ تعالیٰ والھدیَ معکوفاً

اسی وجہ سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔

قولہ الاعتکاف۔ اعتکاف کی مطلقاً تین قسمیں ہیں (۱) واجب (۲) سنت موکدہ (۳) مستحب واجب وہ ہے جو بطریق نذر لازم کر لیا جائے یعنی زبان سے کہا محض دل میں ارادہ سے واجب نہ ہوگا۔ سنت موکدہ وہ ہے جو رمضان کے پورے عشرہ اخیرہ یعنی آخری دس دن میں اعتکاف کیا جائے یعنی بیسویں رمضان کو سورج ڈوبتے وقت بہ نیت اعتکاف مسجد میں ہو اور تیسویں کے غروب کے بعد یا انتیس کو چاند ہونے کے بعد نکلے۔ یہ اعتکاف سنت کفایہ ہے کہ اگر سب ترک کر دیں تو سب سے مطالبہ کیا جائے گا اور شہر میں ایک نے کر لیا تو سب بری الذمہ ہو گئے۔ ان دو کے علاوہ جو اعتکاف بھی کیا جائے وہ مستحب و سنت غیر موکدہ ہے۔

اعتکاف کے مسنون ہونے کی وجہ مواظبت نبی کریم ہے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد ہے کہ آپ رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف فرماتے تھے یہانتک کہ دنیا سے تشریف لے گئے آپ کے بعد ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف کیا اگرچہ سرکار مدینہ سے ترک اعتکاف بھی ثابت ہے۔

قولہ وھو اللبث۔ یہ اعتکاف کا معنی ہے کہ مسجد میں اللہ تعالیٰ کیلئے روزہ اور نیت کیساتھ ٹھہرنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔ اس کیلئے مسلمان۔ عاقل ہونا ضروری ہے اور جنابت وحیض ونفاس سے پاک ہونا بھی البتہ بالغ ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ نابالغ جو تمیز رکھتا ہے اگر بہ نیت اعتکاف مسجد میں ٹھہرے تو اس کا اعتکاف درست ہے آزاد ہونا بھی ضروری نہیں کیونکہ غلام بھی اعتکاف کر سکتا ہے مگر اس کو مولیٰ سے اجازت لازمی ہے۔

قولہ فی المسجد۔ صحت اعتکاف کیلئے ایک شرط مسجد میں ہونا بھی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے حضرت حذیفہ نے فرمایا تھا۔ اما انا فقد علمت انہ لا اعتکاف الا فی مسجد جماعۃ۔

متن میں مسجد کو مطلق بیان کیا گیا ہے جس سے یہ مستفاد ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو صاحبین کا قول قرار دیا ہے اور یہی قول امام شافعی کا ہے قرآن کریم وانتم عاکفون فی المساجد میں مساجد مطلق ہے لیکن فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اعتکاف ہر اس مسجد میں صحیح ہے جس میں اذان واقامت ہو۔ ہدایہ میں ہے اعتکاف صحیح نہیں مگر مسجد جماعت میں اس کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ جس مسجد میں اذان واقامت ہو وہی مسجد جماعت ہے۔

قولہ مع الصوم۔ صحت اعتکاف کیلئے روزہ کا ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے لا اعتکاف الا بصوم یہی قول حضرت علی اور عبداللہ بن عباس اور ابوبکر وعمر وغیرہ کا ہے اور امام شافعی کے قول قدیم یہی ہے لیکن امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ روزہ شرط نہیں۔

احناف کے نزدیک جس اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے ۔ وہ اعتکاف صرف واجب کیلئے ہے یا نفل کیلئے بھی بتقدیر اول بالاتفاق روایات روزہ شرط ہے اور حسن کی روایت میں نفل کیلئے روزہ بھی شرط ہے لیکن روایت اصل کے اعتبار سے نفلی عبادت کیلئے روزہ شرط نہیں ۔

قولہ[۱] یحرم علی المعتکف ۔ معتکف کو وطی کرنا اور عورت کا بوسہ لینا یا چھونا یا گلے لگانا حرام ہے اور بوسہ لینے یا چھونے سے اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور قضا لازم ہوگی ۔ جماع سے بہر حال اعتکاف فاسد ہو جائے گا ۔ انزال ہو یا نہ ہو ۔ قصداً ہو یا بھولے سے مسجد میں ہو یا باہر ۔ رات میں ہو یا دن میں قال اللہ تعالیٰ ولا تباشروھن وانتم عاکفون ۔ جماع کے علاوہ اگر دوسروں میں انزال ہو تو فاسد ہے ورنہ نہیں ۔ احتلام ہو گیا یا خیال جمانے یا نظر کرنے سے انزال ہوا تو اعتکاف فاسد نہ ہوا ۔

ولا[۱] یخرجُ المعتکفُ من المسجدِ الا لحاجۃِ الانسانِ او للجمعۃِ ۔

ترجمہ: ــــــ اور معتکف مسجد سے نہ نکلے مگر حاجت انسانی یا جمعہ کیلئے ۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] ولا یخرج معتکف کو مسجد سے نکلنے کے دو عذر ہیں ایک حاجت طبعی کہ مسجد میں پوری نہ ہو سکے جیسے پاخانہ و پیشاب و استنجا و وضو اور غسل کی ضرورت ہو تو غسل مگر غسل و وضو میں یہ شرط ہے کہ مسجد میں نہ ہو سکیں یعنی کوئی ایسی چیز نہ ہو جس میں وضو و غسل کا پانی لے سکے اس طرح کہ مسجد میں پانی کی کوئی بوند نہ گرے کہ وضو و غسل کا پانی مسجد میں گرانا ممنوع ہے اور اگر لگن وغیرہ موجود ہو جس میں وضو اس طرح کرے کہ چھینٹے مسجد میں نہ گرے تو وضو کیلئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں ۔ نکلے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا ۔ دوسری حاجت شرعی مثلاً عید یا جمعہ کیلئے جانا یا اذان کہنے کیلئے منارہ پر جانا جب کہ منارہ پر جانے کیلئے باہر سے راستہ ہو ۔

ولا[۱] بأس بان یبیعَ و یبتاعَ فی المسجدِ من غیرِ ان یحضرِ السلعۃَ ولا[۲] یتکلم الا بخیرٍ و یکرہُ[۳] لہُ الصمتُ فان جامعَ المعتکفُ لیلاً او نہاراً ناسیاً او عامداً ابطلَ اعتکافہُ ۔

ترجمہ: ــــــ اور مسجد کے اندر خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں بغیر یہ کہ سامان مسجد میں لائے اور کلام صرف اچھا کرے اور چپ رہنا مکروہ ہے پس اگر معتکف نے رات یا دن میں بھول کر یا جان کر جماع کی تو اس کا اعتکاف

باطل ہو جائے گا ۔

تشریح :۔ ـــــ قولہ[۱] ولا باس ۔ معتکف کو مسجد کے اندر اپنی یا بال بچوں کی ضرورت کیلئے کوئی چیز خریدنا یا بیچنا جائز ہے بشرطیکہ وہ چیز مسجد میں نہ ہو یا ہو تو تھوڑی ہو کہ جگہ نہ گھیرے ورنہ مکروہ ہے کیونکہ مسجد خالص اللہ کی عبادت کیلئے ہے اور مال ومتاع حاضر کرنے میں مسجد کو حق العباد کیساتھ تو مشغول کرنا لازم آتا ہے اور خرید و فروخت اگر بقصد تجارت ہو تو ناجائز ہے اگرچہ وہ چیز مسجد میں نہ ہو ۔

قولہ[۲] ولا یتکلم ۔ مسجد میں بری باتیں بولنا ہر ایک کیلئے ممنوع ہے لیکن معتکف کیلئے خاص طور سے ممنوع ہے اس لئے کہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے فلیقل خیرًا اولیسکت یعنی جب بھی بات کرے تو اچھی بات یا خاموش رہے دوسری جگہ ارشاد ہے رحم اللہ امرأ تکلم فغنم او سکت فسلم یعنی خدا اس شخص پر رحم کرے جو بات کرے تو غنیمت پائے اور خاموش رہے تو سلامتی پائے ۔

اچھی بات مثلاً قرآن کریم کی تلاوت اور حدیث شریف کی قرأت اور درود شریف کی کثرت اور علم دین کا درس وتدریس اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام نے سیر واذکار اور اولیاء وصالحین کی حکایت اور امور دین کی کتابت وغیرہ وغیرہ ۔

قولہ[۳] یکرہ لہ ۔ معتکف کو بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے یعنی بہ نیت عبادت سکوت اختیار کرے یعنی چپ رہنے کو ثواب سمجھے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر چپ رہنا ثواب کی بات نہ سمجھے تو حرج نہیں اور بری بات سے چپ رہا تو وہ مکروہ نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس لئے کہ بری بات زبان سے نہ نکلنا ضروری ہے اور جس بات میں نہ ثواب ہو اور نہ گناہ یعنی مباح بات بھی معتکف کو مکروہ ہے مگر بوقت ضرورت اور اگر ضرورت کے بغیر مسجد میں مباح کلام نیکیوں کو ایسے کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو ۔

قولہ[۴] فان جامع ۔ معتکف نے اگر رات یا دن کسی وقت بھول کر یا جان کر جماع کر لی تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو خلاصہ یہ کہ جماع سے بہرحال اعتکاف باطل ہو جائے گا انزال ہو یا نہ ہو ۔ قصداً ہو یا نہ ہو ۔ بھولے سے ہو یا جان کر ۔ مسجد میں ہو یا اس سے باہر ۔ رات میں ہو یا دن میں ۔ جماع کے علاوہ اگر دوسری چیزوں میں انزال ہو تو فاسد ہے ورنہ نہیں ۔

ولو[۱] خرج من المسجد ساعۃً بغیر عذرٍ فسد اعتکافہ عند ابی حنیفۃ وقالا لا یفسد حتی یکون اکثر من نصف یومٍ ومن[۲] اوجب علی نفسہ اعتکاف ایامٍ لزمہ اعتکافہا بلیالیہا وکانت[۳] متتابعۃً

وان لم یشرط التتابع فیہا

ترجمہ: ـــــ اور معتکف اگر ایک گھنٹہ بھی مسجد سے بلا عذر نکلا تو اس کا اعتکاف امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسد ہو جائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ فاسد نہ ہوگا یہاں تک کہ نصف دن سے زیادہ باہر نہ رہے اور جس نے اپنے دنوں کا اعتکاف واجب کر لیا تو اس پر ان دنوں کا اعتکاف راتوں کے ساتھ لازم ہوگا اور اعتکاف کے دن پے درپے ہوں گے اگرچہ پے درپے ہونے کی شرط نہ کی ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] ولو خرج ۔ یعنی معتکف اگر بلا عذر ایک گھنٹہ مسجد سے باہر رہا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہ ہوگا اگر نصف دن تک بھی باہر رہا تو بھی نہیں البتہ نصف دن سے زیادہ باہر رہا تو فاسد ہو جائے گا۔

قولہ[2] ومن اوجب ۔ یعنی کسی نے اگر دنوں کا اعتکاف کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا چنانچہ یہ کہا للہ علیّ ان اعتکف ثلاثۃ ایام تو اس پر ان دنوں کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جائے گا اس لئے کہ ایام یعنی دنوں کو بطور جمع بیان کیا جائے تو اس کے مقابل راتیں بھی داخل ہو جاتیں گی چنانچہ کہا جائے گا ما رأیتک منذ ایام یعنی میں نے تم کو بہت دنوں سے نہیں دیکھا اس میں رات و دن دونوں میں دیکھنے کی نفی مقصود ہے البتہ اگر ایک دن کے اعتکاف کرنے کو اپنے اوپر لازم کیا تو اس میں رات داخل نہ ہوگی بلکہ طلوع فجر سے پہلے مسجد میں جائے اور غروب کے بعد چلا جائے۔

قولہ[3] کانت متتابعۃ ۔ اعتکاف کے دن پے درپے ہوں گے اگرچہ اس نے پے درپے کی نیت نہ کی ہو مثلاً کسی نے اگر مہینے کی اعتکاف کو اپنے اوپر لازم کر لیا تو یہ اس کے اختیار میں ہے کہ جس مہینے کا چاہے اعتکاف کرے مگر لگاتار اعتکاف میں بیٹھنا واجب ہے اور اگر یہ کہے میری مراد ایک مہینہ کے صرف دن تھے راتیں نہیں ۔ تو یہ قول نہیں مانا جائے گا دن اور رات دونوں کا اعتکاف ضروری ہے

کتاب[1] الحج

ترجمہ: ـــــ حج کے مسائل کا بیان

اَلحجُّ[2] واجبٌ علی الاحرارِ[3] المسلمینَ البالغینَ العقلاءِ الاَصحّاءِ[4] اذا قدرُوا علی الزّادِ والراحلۃِ

فاضلاً عن المسکن و مالا بد منہ و عن نفقۃ عیالہ الی حین عودہ و کان الطریق[لہ] آمناً

ترجمہ: ــــ حج واجب ہے آزاد، مسلمان بالغ، تندرست پر جب کہ وہ لوگ توشہ اور سواری پر قادر ہو جو لابد ہوں رہائشی گھر اور ضروریات اور بال بچوں کے گھر سے واپس آنے تک اور راستہ پُر امن ہو۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] کتاب الحج۔ عبادت چونکہ تین طرح کی ہوتی ہے (۱) بدنی محض جیسے نماز اور روزہ (۲) مالی محض جیسے زکوٰۃ (۳) مرکب ان دونوں سے۔ اس لئے نماز و روزہ اور زکوٰۃ کے بعد اخیر میں حج کو بیان کیا جاتا ہے کہ مرکب کا وجود طبعاً مفرد کے بعد ہوتا ہے۔ لغت میں حج بالفتح یا بالکسر بمعنی مطلق قصد و ارادہ کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں نام ہے احرام باندھ کر نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ٹھہرنے اور کعبہ معظمہ کے طواف کرنے کو۔

قولہ[۲] الحج واجب۔ وجوب حج کی شرائط متحقق ہو جانے کے بعد عمر میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ شریف کرنا فرض ہے اور متن میں واجب بمعنی فرض ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے لوگوں پر بیت اللہ شریف کا حج ہے جو شخص باعتبار راستہ کے اس کی طاقت رکھے اور حدیث شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یا ایہا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا یعنی رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا پس حج کرو۔ حضرت اقرع بن حابس نے عرض کیا یا رسول اللہ حج ہر سال فرض ہے یا صرف ایک مرتبہ۔ سرکار خاموش رہے پھر کچھ دیر بعد فرمایا کہ لو قلت نعم لوجبت یعنی میں اگر ہر سال کے بارے ہاں کہتا تو ہر سال واجب ہو جاتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ حج عمر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے۔

قولہ[۳] علی الاحرار۔ اس عبارت سے حج کے وجوب ادا کی شرائط بیان کی جاتی ہیں کہ (۱) آزاد ہو کیونکہ غلام پر حج فرض نہیں۔ غلام عام ہے کہ مدبر ہو یا مکاتب یا ماذون فی التجارۃ ہو یا ام ولد (۲) بالغ ہو۔ کیونکہ بچہ پر حج فرض نہیں چنانچہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ جس غلام نے حج ادا کیا پھر وہ آزاد کر دیا گیا اور جس بچہ نے حج کیا پھر وہ بالغ ہو گیا تو ان پر آزاد اور بالغ ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا فرض ہے (۳) مسلمان ہو۔ کافر پر حج فرض نہیں اسلئے کہ وہ فرعیات کا مکلف نہیں (۴) عاقل ہو اس لئے کہ عقل صحت و تکلیف کیلئے شرط ہے پس مجنون پر حج فرض نہیں (۵) تندرست ہو۔ پس بیمار، اپاہج، کوڑھی، مفلوج، اندھے پر حج فرض نہیں (۶) توشہ اور سواری پر قادر ہو جو مسکن اور لابدی ضروری چیزوں اور گھر والوں کے نان و نفقہ سے فاضل ہو اس لئے کہ صحابہ نے سرکار مدینہ سے استطاعت سبیل سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا الزاد والراحلۃ (۷) راستہ پُر امن ہو یعنی راستہ میں سلامتی غالب ہو۔

قولہ[۶] الاصحاء۔ تندرست ہو کہ حج کو جا سکے، اعضاء سلامت ہو، انکھیارا ہو۔ اپاہج اور فالج والا اور جس کے پاؤں کٹے ہوں اور بوڑھے پر کہ سواری پر خود نہ بیٹھ سکتا ہو۔ حج فرض نہیں اسی طرح اندھے پر بھی حج فرض نہیں اگرچہ ہاتھ پکڑ کر

نے چلنے والا اُسے ملے۔ اگر پہلے تندرست تھا اور دوسری شرائط بھی پائی جاتی تھیں اور حج نہ کیا پھر اپاہج ہو گیا کہ حج نہیں کر سکتا تو اس پر وہ حج فرض باقی نہیں خود نہ کر سکے تو حج بدل کرائے۔

قولہ[۵] اذا قدر وا۔ سفر خرچ اور سواری پر قادر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ چیزیں اس کی حاجت اصلیہ سے فاضل ہوں یعنی مکان و لباس و خادم اور سواری کا جانور اور پیشہ کے اوزار اور خانہ داری کے سامان اور دین سے اتنا زائد ہو کہ سواری پر مکہ معظمہ جائے اور وہاں سے سواری پر واپس آئے اور جانے سے واپسی تک عیال کا نفقہ اور مکان کی مرمت کے لئے کافی مال چھوڑ جائے اور جانے آنے میں اپنے نفقہ اور گھر کے اہل و عیال کے نفقہ میں قدر متوسط کا اعتبار ہے نہ کمی ہو نہ اسراف عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس پر واجب ہے یہ ضروری نہیں کہ آنے کے بعد بھی وہاں اور یہاں کے خرچ کے بعد کچھ باقی بچے۔ سواری سے مراد اس قسم کی سواری ہے جو عرفاً اور عادۃً اس شخص کے حال کے موافق ہو۔ اسی طرح توشہ میں اس کے مناسب غذائیں چاہیئے۔ معمولی کھانا میسر آنا فرض ہونے کیلئے کافی نہیں جبکہ وہ اچھی غذا کا عادی ہے۔

قولہ[۶] کان الطریق۔ راستہ میں امن ہو یعنی اگر غالب گمان سلامتی ہو تو جانا واجب اور غالب گمان یہ ہو کہ ڈاکہ وغیرہ سے جان ضائع ہو جائے گی تو جانا ضروری نہیں۔ جانے کے زمانہ میں امن ہونا ضروری ہے پہلے کی بدامنی، قابل لحاظ نہیں۔ بدامنی کے زمانہ میں اگر انتقال ہو گیا اور وجوب کی شرطیں پائی جاتی تھیں تو حج بدل کی وصیت ضروری ہے اور امن قائم ہونے کے بعد انتقال ہوا تو بطریق اولیٰ وصیت واجب ہے۔ راستہ میں چونگی وغیرہ لیتے ہوں تو یہ امن کے منافی نہیں اور جانے کیلئے عذر نہیں۔

ويعتبر[۱] في حق المرأة أن يكون لها محرم يحج بها أو زوج ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما اذا كان بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة ايام فصاعدا

ترجمہ: ــــــ اور عورت کے حق میں یہ معتبر ہے کہ اس کا کوئی محرم ہو جس کے ساتھ وہ حج کرے یا شوہر ہو اور اس کے لئے ان کے بغیر حج کرنا جائز نہیں جب کہ اس کے اور مکہ کے درمیان تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت ہو۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] یعتبر۔ عورت کو مکہ تک جانے میں تین دن یا اس سے زائد کا راستہ ہو تو اس کے ہمراہ شوہر یا محرم ہونا ضروری ہے خواہ وہ عورت جوان ہو یا بوڑھیا اور تین دن سے کم کی راہ ہو تو بغیر محرم اور شوہر کے بھی جا سکتی ہے۔ محرم سے مراد وہ مرد ہے جس سے ہمیشہ کیلئے اس عورت کا نکاح حرام ہو خواہ نسب کی وجہ سے نکاح حرام ہو جیسے، باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ یا دودھ کے رشتہ کی وجہ سے نکاح حرام ہو جیسے رضاعی بھائی۔ باپ۔ بیٹا وغیرہ یا سسرالی رشتہ سے حرمت آئے جیسے خسر۔ شوہر کا بیٹا وغیرہ۔ شوہر یا محرم جس کے ساتھ سفر کر سکتی ہے اس کا عاقل، بالغ غیر فاسق ہونا شرط ہے۔ مجنون یا نابالغ یا فاسق کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ آزاد یا مسلمان ہونا شرط نہیں۔ البتہ مجوسی جن کے

اعتقاد میں محارم سے نکاح جائز ہے اس کے ہمراہ سفر نہیں کر سکتی۔ اور مراہق اور مراہقہ یعنی لڑکا اور لڑکی جو بالغ ہونے کے قریب ہوں وہ بالغ کے حکم میں ہیں یعنی مراہق کے ساتھ جا سکتی ہے اور مراہقہ کو بھی بغیر محرم یا شوہر کے سفر کی ممانعت ہے۔
باندیوں کو بغیر محرم کے سفر جائز ہے اور عورت بغیر محرم یا شوہر کے حج کو گئی تو گنہ گار ہوگی مگر حج کریگی تو حج ہوجائے گا یعنی فرض ادا ہوجائے گا۔

والمواقیتُ التی لا یجوزُ أن یتجاوزَھا الانسانُ الّا محرماً لاھلِ المدینۃِ ذو الحلیفۃِ ولاھلِ العراقِ ذاتُ عرقٍ ولاھلِ الشامِ الجحفۃُ ولاھلِ النجدِ قرنٌ ولاھلِ الیمنِ یلملمُ فانْ قدّمَ الاحرامَ علی ھذہٖ المواقیتِ جازَ ومن کانَ بعدَ المواقیتِ فمیقاتُہ الحلُّ ومن کانَ بمکۃَ فمیقاتُہ فی الحجِ الحرمُ وفی العمرۃِ الحلُّ

ترجمہ: — اور وہ مواقیت کہ جن سے انسان کو احرام باندھے بغیر گذرنا جائز نہیں۔ مدینہ والوں کیلئے ذوالحلیفہ ہے اور عراق والوں کیلئے ذات عرق ہے اور شام والوں کیلئے جحفہ ہے اور نجد والوں کیلئے قرن ہے اور یمن والوں کیلئے یلملم ہے پس اگر ان مواقیت پر احرام کو مقدم کرے تو بھی جائز ہے اور جہاں مواقیت کے بعد رہتا ہے تو اسکی میقات حل ہے اور جو مکہ میں ہو تو اسکی میقات حج کیلئے حرم ہے اور عمرہ کیلئے حل ہے۔

تشریح: — قولہ والمواقیت۔ یعنی وہ مواقیت کہ جن سے آدمی کو احرام باندھے بغیر گذرنا جائز نہیں اگرچہ تجارت وغیرہ کسی دوسری غرض سے جاتا ہو۔ میقات کل پانچ ہیں (۱) مدینہ والوں کیلئے ذوالحلیفہ ہے۔ اس زمانہ میں اس کا نام ابیار علی ہے ہندوستانی یا دوسرے ملک والا حج سے پہلے اگر مدینہ طیبہ کو جائے اور وہاں سے پھر مکہ معظمہ کو! تو وہ بھی ذوالحلیفہ سے احرام باندھے (۲) عراق والوں کیلئے ذات عرق ہے (۳) شامیوں کیلئے جحفہ ہے مگر جحفہ اب بالکل معدوم ہے وہاں آبادی نہیں صرف بعض نشانات موجود ہیں اس کے جاننے والے اب کم ہوں گے لہذا اہل شام رابغ سے احرام باندھتے ہیں کہ جحفہ رابغ کے قریب ہے (۴) نجد والوں کیلئے قرن ہے یہ جگہ طائف سے قریب ہے (۵) یمن والوں کیلئے یلملم ہے اور یہی میقات اہل ہند کا بھی ہے۔

قولہ[۲] ذوالحلیفہ۔ وہ مکہ سے نو یا دس مراحل دور ایک جگہ ہے اس کے اور مدینہ کے درمیان بقول نووی چھ میل اور بقول قاضی عیاض سات میل کا فاصلہ ہے۔ ذات عرق مکہ سے دو مرحلہ کی مسافت پر مشرق و مغرب کے درمیان ایک جگہ ہے۔ جحفہ مکہ سے تبوک کے راستہ میں مغرب و شمال کے درمیان ایک بستی ہے جس کا نام مہیعہ تھا یہاں ایک سیلاب آیا تھا جس نے بستی والوں کو صفایا کر دیا تھا اس لئے اس کو جحفہ کہا جانے لگا۔ اس کے اور مکہ کے درمیان تین مراحل کا فاصلہ ہے قرن مکہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ یلملم مکہ سے دو مرحلہ پر تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے حل مکہ معظمہ کے ارد گرد حرم کے علاوہ وہ جگہ ہے۔

قولہ[۳] فان قدم۔ یعنی اگر کوئی شخص ان مواقیت سے پہلے ہی احرام باندھ لے تو بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے بشرطیکہ حج کے مہینوں میں ہو اور شوال سے پہلے ہو تو منع ہے اور جو میقات کے بعد ہو یعنی اس کے اندر کے رہنے والے ہیں مگر حرم

سے باہر ہیں ان کے احرام کی جگہ حل یعنی بیرون حرم ہے۔ حرم سے باہر جہاں چاہیں احرام باندھیں اور بہتر یہ کہ گھر سے احرام باندھیں اور اگر حج یا عمرہ کا ارادہ نہ ہو تو بغیر احرام مکہ معظمہ جاسکتے ہیں۔

قولہ ومن کان۔ جو شخص مکہ میں رہتا ہو اس کے احرام باندھنے کی جگہ حج کا حرم ہے اور عمرہ کا حل ہے اور مکہ والا اگر کسی کام سے بیرون حرم جائیں تو انہیں واپسی کیلئے احرام کی حاجت نہیں اور میقات سے باہر جائیں تو اب بغیر احرام انہیں واپس آنا جائز نہیں

واذا اراد الاحرام اغتسل او توضأ والغسل افضل ولبس ثوبین جدیدین او غسیلین ازارا ورداء ومس طیبا ان کان له وصلی رکعتین وقال اللهم انی ارید الحج فیسره لی وتقبله منی ثم یلبی عقیب صلاته۔

ترجمہ: ـــــ اور جب احرام باندھنے کا ارادہ ہو تو غسل کرے یا وضو اور غسل افضل ہے اور دو نئے کپڑے پہنے یا دھلے ہوئے یعنی تہبند اور چادر اور خوشبو لگائے اگر اس کے پاس ہو اور دو رکعت نماز پڑھے اور کہے اللهم الخ یعنی میں حج کرنا چاہتا ہوں پس اس کو میرے لئے آسان کر دے اور میری طرف سے قبول فرما پھر اس نماز کے بعد تلبیہ کہے۔

تشریح: ـــــ قولہ واذا اراد۔ یعنی جب کوئی احرام باندھنا چاہیے خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا یا دونوں کا تو اول غسل کرے یا وضو کرے اور غسل کرنا افضل ہے چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے سرکار مدینہ نے احرام کیلئے غسل فرمایا تھا اور یہ غسل چونکہ برائے نظافت ہے برائے طہارت نہیں اس لئے وہ حیض والی اور نفاس والی عورت اور بچہ کیلئے بھی مسنون ہے۔

قولہ ومس طیبا۔ احرام سے پہلے خوشبو لگائے اگر اس کے پاس ہو کہ وہ مسنون ہے اگرچہ اس کا اثر بعد تک باقی ہے چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ سرکار مدینہ کے جسم اقدس میں خوشبو لگایا کرتی تھی۔ پھر اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے چنانچہ حضرت جابر سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے احرام کے وقت ذو الحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں پھر وہ یہ دعا پڑھے اللهم انی ارید الحج الخ

فان کان مفردا بالحج نوی بتلبیته الحج والتلبیة ان یقول لبیک اللهم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک ولا ینبغی ان یخل بشیء من هذه الکلمات فان زاد فیها جاز۔

ترجمہ: ـــــ پس اگر مفرد بالحج ہو تو تلبیہ میں حج کی نیت کرے اور تلبیہ یہ کہے کہ میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں اطاعت کیلئے کوئی شریک نہیں آپ کا میں حاضر ہوں، بیشک حمد و نعمت آپ ہی کی ہے اور ملک کوئی شریک نہیں آپ کا ان کلمات سے کم کرنا مناسب نہیں پس اگر ان میں زیادہ کرے تو جائز ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ فان کان۔ حج تین طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ صرف حج کرے اسکو افراد کہا جاتا ہے اور حاجی کو مفرد اسمیں سلام کے بعد یہ کہے اللهم انی ارید الحج فیسره لی وتقبله منی نویت الحج واحرمت به مخلصا لله تعالی دوسرا یہ کہ صرف عمرہ کی نیت کرے اور مکہ شریف میں حج کا احرام باندھے۔ اسکو تمتع کہا جاتا ہے اور حاجی کو متمتع اس میں سلام کے بعد یہ کہے اللهم انی ارید العمرة فیسرها لی وتقبلها منی نویت العمرة واحرمت بها مخلصا لله تعالی اور تیسرا یہ کہ حج و عمرہ دونوں کی نیت کرے اور یہ سب سے افضل ہے اسکو قران کہا جاتا ہے اور حاجی کو قارن۔ اس میں سلام کے بعد یہ کہے اللهم انی ارید العمرة والحج فیسرهما لی وتقبلهما منی نویت العمرة والحج واحرمت بهما مخلصا لله تعالی۔

قولہ والتلبیة۔ حج افراد اور حج تمتع اور حج قران تینوں صورتوں میں اس نیت کے بعد تلبیہ باآواز بلند کہے۔ تلبیہ یہ ہے لبیک اللهم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک۔ ان الحمد والنعمة لک والملک، لا شریک لک یعنی میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں طاعت کیلئے کوئی شریک نہیں آپکا میں حاضر ہوں۔ بے شک حمد و نعمت آپ ہی کی ہے اور ملک! آپکا شریک نہیں۔ جہاں جہاں وقف کی علامتیں ہوں وہاں وقف کرے۔ لبیک تین بار کہے اور درود شریف پڑھے پھر یہ دعا مانگے جو منقول ہے اللهم انی اسألک رضاک والجنة واعوذ بک من غضبک والنار

قولہ ولا یلبغی ۔ یعنی تلبیہ کے الفاظ جو مذکور ہوئے ان میں کمی نہ کیا جائے بلکہ زیادتی بہتر ہے مگر زیادتی اخیر میں ہو درمیان میں نہیں ۔ اور جو شخص بلند آواز سے لبیک کہتا ہو اس کو اس حالت میں سلام نہ کیا جائے کہ وہ مکروہ ہے ۔ اور اگر کر لیا تو تلبیہ پورا کر کے جواب دے اور اگر پورا کرنے کے بعد جواب کا موقع نہ ملے تو اسی وقت اس کا جواب دے ۔

فاذا لبّیٰ فقد احرم فلیتق ما نھی اللہ عنہ من الرفث والفسوق والجدال ولا یقتل صیداً ولا یشیر الیہ ولا یدل علیہ

ترجمہ : ــــــ پس جب تلبیہ کہہ چکے تو محرم ہو گیا پس چاہیئے کہ اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچے یعنی جماع کرنے اور جھوٹ بولنے اور جھگڑا سے اور کسی شکار کو نہ مارے اور نہ اس کی طرف اشارہ کرے اور نہ شکار کو بتائے

تشریح: ــــــ قولہ فاذا لبّیٰ ۔ یعنی جب تلبیہ سے فارغ ہو چکے تو اب وہ محرم ہو گیا ۔ احرام کیلئے کم سے کم ایک مرتبہ زبان سے لبیک کہنا ضروری ہے اور اگر اس کی جگہ سبحان اللہ یا الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ یا کوئی دوسرا ذکر الٰہی کیا اور احرام کی نیت کی تو محرم ہو گیا مگر سنت لبیک کہنا ہے گونگا ہو تو اسے چاہیئے کہ ہونٹ کو جنبش دے ۔ احرام کیلئے نیت شرط ہے اگر نیت کے بغیر لبیک کہا احرام نہ ہوا اسی طرح تنہا نیت بھی کافی نہیں جبتک لبیک یا اس کے قائم مقام کوئی اور چیز نہ ہو ۔

قولہ فلیتق ما نھی ۔ یعنی جب محرم ہو گیا تو اسے چاہیئے کہ فحش گوئی وفسق وفجور اور جنگ وجدال سے پرہیز کرے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج یعنی حج میں نہ جماع کرنا ہے اور نہ جھوٹ بولنا اور نہ جنگ وجدال کرنا اور اب وہ شکار بھی نہ کرے یعنی زبان سے نہ کہے کہ شکار فلاں جگہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تقتلوا الصید وانتم حرم بلکہ اس کی طرف اشارہ اور اس پر رہنمائی بھی نہ کرے چنانچہ حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ انہوں نے گورخر کا شکار کیا ۔ حضرت ابو قتادہ غیر محرم تھے اور ان کے ساتھی محرم ۔ سرکار مدینہ نے محرمین سے دریافت فرمایا تم نے اس کی طرف اشارہ یا رہنمائی یا کسی قسم کی اعانت کی تھی انہوں نے کہا نہیں ۔ آپ نے فرمایا تب کھا سکتے ہو

ولا یلبس قمیصاً ولا سراویل ولا عمامۃ ولا قلنسوۃ ولا قباء ولا خفین الا ان لا یجد نعلین فیقطعھما من اسفل الکعبین ولا یغطی راسہ ولا وجھہ ولا یمس طیباً ولا یحلق راسہ ولا شعر بدنہ ولا یقص من لحیتہ ولا من ظفرہ ولا یلبس ثوباً مصبوغاً بورس ولا بزعفران ولا بعصفر الا ان یکون غسیلاً لا ینفض الصبغ

ترجمہ: ــــــ اور نہ قمیص پہنے اور نہ پائجامہ اور نہ پگڑی باندھے اور نہ ٹوپی اوڑھے اور نہ قبا پہنے اور نہ موزے مگر یہ کہ جوتے نہ پائے تو ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے اور نہ اپنا سر اور چہرہ کو چھپائے اور نہ خوشبو لگائے اور نہ اپنا سر مونڈے اور نہ بدن کے بال اور نہ اپنی داڑھی کو تراشے اور نہ ناخن کو اور نہ ورس اور زعفران اور کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہنے مگر یہ کہ دھلا ہوا ہو اور رنگ نہ جھڑتا ہو ۔

تشریح: ــــــ قولہ ولا یلبس ۔ یعنی سلا ہوا کپڑا نہ پہنے جیسے قمیص اور نہ پاجامہ پہنے اور نہ عمامہ باندھے اور نہ ٹوپی اوڑھے اور نہ قبا پہنے اور نہ موزے اس لئے کہ عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ سرکار مدینہ نے محرم کیلئے ان

تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے اور اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے کیونکہ حدیث شریف میں موزوں کا استثنا اسی شرط کے ساتھ ہے

قولہ ولا یغطی راسہ۔ یعنی اپنے سر اور منہ کو نہ ڈھانکے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک مرد کیلئے چہرہ ڈھانپنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم کا ارشاد ہے حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں۔ احرام الرجل فی راسہ واحرام المرأۃ فی وجہہا۔ احناف کی دلیل سرکار کا یہ قول ہے حضرت عبداللہ بن عباس راوی ہیں کہ ایک دیہاتی محرم کے انتقال پر ارشاد فرمایا کہ اس کے چہرہ اور سر کو مت ڈھانپو اس لئے کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔

قولہ ولا یمس طیباً۔ احرام پہننے کے بعد بدن اور کپڑا وغیرہ میں خوشبو استعمال نہ کرے اور نہ تیل لگائے کیونکہ سرکار مدینہ نے ایک ایسے شخص کے بارے فرمایا تھا جو احرام کی حالت میں مرگیا تھا کہ اس کے چہرہ اور سر کو خوشبو نہ لگانا کیونکہ قیامت کا دن وہ تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا اور سر اور بدن کے بال کو بھی نہ مونڈائے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تحلقوا رؤسکم یعنی اپنے سروں کو نہ مونڈا و۔ اسی طرح داڑھی بھی نہ کترے اور نہ ناخن تراشے۔

قولہ ولا یلبس ثوباً۔ یعنی گلاب اور زعفران اور کسم کا رنگا ہوا کپڑا بھی نہ پہنے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے سرکار مدینہ نے ایسے کپڑوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے البتہ اگر وہ دھلا ہوا کپڑا ہو اور رنگ نہ جھڑتا ہو تو مضائقہ نہیں کیونکہ حدیث شریف میں اس کی اجازت موجود ہے۔

ولا باس بان یغتسل ویدخل الحمام ویستظل بالبیت والمحمل ویشد فی وسطہ الھمیان ولا یغسل راسہ ولا لحیتہ بالخطمی

ترجمہ: ـــــ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ غسل کرے اور حمام میں داخل ہو اور مکان اور ہودہ کا سایہ لے اور ہمیانی کو کمر سے باندھ لے اور اپنے سر اور داڑھی کو خطمی سے نہ دھوئے۔

تشریح: ـــــ قولہ ولا باس۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ محرم غسل کرے یعنی محرم کو غسل کرنا جائز ہے کیونکہ سرکار مدینہ نے احرام کی حالت میں غسل فرمایا ہے۔ بقول امام طحاوی غسل تو جائز ہے لیکن بدن کا میل چھڑانا مکروہ ہے۔ امام مالک نے تو یہاں تک کہا ہے کہ میل چھڑانے کی غرض سے اگر گرم حمام میں داخل ہوا اور بدن کو ملا تو فدیہ دینا ہوگا۔ مکان اور ہودج کا سایہ بھی حاصل کرسکتا ہے اس لئے کہ حضرت اسامہ نے سرکار مدینہ پر کپڑے سے سایہ

کیا تھا۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ خیمہ وغیرہ سے حاصل نہ کرے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو لکڑی پر کپڑا تان کر سایہ لئے رہا تھا دیکھ کر فرمایا اضح لمن احرمت لہ مگر حدیث اسامہؓ ان پر حجت ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ درخت پر کپڑا ڈال کر سایہ حاصل کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ کیلئے خیمہ گاڑا جاتا تھا۔

ہمیانی کو کمر سے باندھے اور اپنے سر اور داڑھی کو خطمی سے نہ دھوئے اس کی وجہ یہ کہ خطمی میں ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ اس سے سر کو جوئیں مرجاتی اور احرام کی حالت میں جوؤں کا مارنا جائز نہیں۔

ویکثرمن التلبیۃ عقیب الصلوٰۃ وکلما علا شرفاً او ہبط وادیاً او لقی رکباناً وبالاسحار فاذا دخل بمکۃ ابتدأ بالمسجد الحرام فاذا عاین البیت کبر وہلل ثم ابتدأ بالحجر الاسود فاستقبلہ وکبر وہلل ورفع یدیہ مع التکبیر واستلمہ وقبلہ ان استطاع من غیر ان یوذی مسلماً

ترجمہ: ـــــــ اور نماز کے بعد تلبیہ کثرت سے کہے اور جب بلندی پر چڑھے یا نشیب میں اترے یا سواروں سے ملاقات کرے اور صبح کے وقت پس جب مکہ میں داخل ہو تو پہلے مسجد حرام میں جائے پس جب بیت اللہ شریف کو دیکھے تو تکبیر و تہلیل کہے پھر حجر اسود کی طرف منہ کرکے تکبیر و تہلیل کہے اور دونوں ہاتھوں کو تکبیر کیساتھ اٹھائے اور استلام کرے اور چومے اگر ہو سکے کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر۔

تشریح: ـــــــ قولہ یکثر۔ طواف قدوم کے علاوہ احرام کے وقت سے رمی جمرۃ تک اکثر اوقات تلبیہ بکثرت کہے۔ اٹھتے بیٹھتے۔ چلتے۔ پھرتے۔ وضو بے وضو ہر حال میں خصوصاً چڑھائی پر چڑھتے اترتے دو قافلوں سے ملاقات کے وقت۔ صبح و شام، پچھلی رات۔ پانچوں نمازوں کے بعد غرض کہ ہر حالت کے بدلنے پر مرد باواز بلند کہے مگر نہ اتنی بلند کہ اپنے آپ یا دوسروں کو تکلیف پہونچے اور عورتیں پست آواز سے کہیں مگر اتنی پست نہیں کہ خود بھی نہ سن سکیں۔

اور جب مکہ میں پہونچے تو پہلے مسجد حرام میں جائے پھر جب بھی بیت اللہ شریف کو دیکھے تو اس کی تعظیم کے لئے تکبیر و تہلیل یعنی تکبیر و تہلیل یعنی اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے پھر حجر اسود کی طرف منہ کرکے تکبیر و تہلیل کہے۔ اور تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھائے اور اسے استلام کرے استلام کی صورت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو حجر اسود پر رکھے اور اپنے منہ کو ہاتھوں کے درمیان رکھکر بوسہ دے یعنی منہ سے چومے اگر ہو سکے ورنہ اپنے ہاتھوں کو اس کی طرف منہ کرکے ہاتھوں کو چوم لے۔

طواف کیلئے حجر اسود کا استلام کرنا ایسا ہی ہے جیسے نماز کیلئے تکبیر کہنا یعنی نماز جس طرح تکبیر سے شروع ہوتی ہے اسی طرح طواف استلام سے شروع ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حجر اسود قیامت کے دن اس کیفیت سے اٹھایا جائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ ان لوگوں کی گواہی دے گا جنہوں نے اس کا استلام کیا ہے۔

ثم اخذ عن یمینہ مایلی الباب وقد اضطبع رداءہ قبل ذلک فیطوف بالبیت سبعۃ اشواط ویجعل طوافہ من وراء الحطیم ویرمل فی الاشواط الثلاث الاول ویمشی فی مابقی علی ھیئتہ ویستلم الحجر کلما مر بہ ان استطاع ویختم الطواف بالاستلام۔

ترجمہ: ـــــ پھر اپنی دائیں طرف سے جدھر بیت اللہ شریف کا دروازہ ہے اپنی چادر کا اضطباع کر کے بیت اللہ کا طواف سات چکر کرے اور اپنے طواف کو حطیم کے پیچھے سے کرے اور پہلے تین چکروں میں اکڑتا ہوا چلے اور باقی چکروں میں اپنی ہیئت پر چلے اور حجر اسود کا استلام کرے جب بھی اس کے پاس سے گذرے اگر ہو سکے اور طواف کو استلام پر ختم کرے۔

تشریح: ـــــ قولہ ثم اخذ عن۔ حجر اسود کے دائیں طرف سے یعنی جو جانب دروازہ کی طرف ہے طواف شروع کرے اور اگر کسی نے بائیں طرف سے شروع کیا تب بھی جائز ہے مگر اس پر دم لازم ہوگا یعنی اس کی سزا میں اللہ کے نام پر ایک جانور ذبح کرے اور اس طواف کو الٹا طواف کہا جاتا ہے اور طواف کرنے سے پہلے اپنی چادر کا اضطباع کرے یعنی دائیں بغل سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالے پھر بیت اللہ کے چاروں طرف سات مرتبہ پھیرا کرے اس کو طواف کہا جاتا ہے اور طواف میں حطیم کعبہ کو بھی شامل رکھے اور پہلے تین پھیروں میں رمل کرتا چلے اور باقی چار پھیروں میں اپنی چال سے چلے۔ رمل سے مراد یہ کہ جلد جلد چھوٹے قدم رکھنا شانے ہلانا جیسے قوی وبہادر لوگ چلتے ہیں نہ کودتا نہ دوڑتا۔ جہاں زیادہ ہجوم ہو اور رمل میں اپنی یا دوسرے کی ایذا ہو تو اتنی دیر رمل ترک کر دے مگر رمل کی وجہ سے نہ رکے بلکہ طواف میں مشغول رہے۔

رمل کی وجہ یہ کہ سرکار مدینہ جب اپنے اصحاب کیساتھ مکہ حج کیلئے تشریف لائے تو مشرکین مکہ نے طعنہ کے طور پر کہا کہ مدینہ کے بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے۔ اس وقت سرکار نے اصحاب کو حکم دیا کہ اکڑتے ہوئے چلو تاکہ تمہاری توانائی ان پر ظاہر ہو جائے اور انہیں صدمہ پہونچے پھر وہ وجہ زائل ہونے کے بعد حکم مذکور بطور

یادگار باقی رہا جس طرح قربانی اور صفا و مروہ کی سعی وغیرہ کا حکم بطور یادگار قائم ہے۔

قولہ یستلم الحجر۔ یعنی اگر ہو سکے تو جب بھی حجر اسود کے پاس سے گذرے تو اُسے استلام کرے استلام کہتے ہیں حجر اسود کو بوسہ دینے یا ہاتھ یا لکڑی سے چھو کر چوم لینے یا اشارہ کر کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کو اور طواف کے پھیرے چونکہ مثل نماز کے رکعتوں کے ہیں کہ جس طرح ہر رکعت تکبیر سے شروع کی جاتی ہے اسی طرح ہر پھیرا حجر اسود کے استلام سے شروع کیا جائے اور اسی پر ختم کیا جائے اور اگر ازدحام کی وجہ سے استلام نہ ہو سکے تو اس کی طرف منہ کر کے تکبیر اور تہلیل کہہ لے اور رکن یمانی کا استلام کرے ظاہر الروایت میں یہی مستحب ہے اور امام محمد نے اُسے مسنون فرمایا ہے اور دونوں رکنوں یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کے سوا اور کسی رکن کا استلام نہ کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی دونوں کا استلام کیا ہے اور رکن یمانی کو بوسہ دینا مسنون نہیں۔

ثم یاتی المقام فیصلی عندہ رکعتین او حیث ما تیسر من المسجد وھذا الطواف طواف القدوم وھو سنۃ لیس بواجب ولیس علی اھل مکۃ طواف القدوم

ترجمہ: ـــــ پھر مقام ابراہیم پر آئے پس اس کے پاس دو رکعت پڑھے یا جہاں مسجد میں آسان ہو اور یہ طواف طواف قدوم ہے جو سنت ہے۔ واجب نہیں اور اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ ثم یاتی۔ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آکر دو رکعت نماز پڑھے اور وہ نماز واجب ہے طواف خواہ فرض ہو یا واجب یا سنت یا نفل۔ دلیل نماز کے واجب ہونے کی یہ ہے کہ سرکار مدینہ جب مقام ابراہیم پر پہونچے تو آپ نے آیت کریمہ واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی۔ تلاوت کر کے یہ تنبیہ فرمایا کہ یہ دو رکعت نماز واتخذوا امر کی تعمیل ہے نیز حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ ایک مرتبہ طواف کی دو رکعت نماز بھول گئے تو آپ نے مقام ذی طویٰ میں ان کی قضا کی۔ ان دونوں رکعتوں کی پہلی رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور دوسری میں قل ہو اللہ احد پڑھے بشرطیکہ وقت کراہت مثلاً طلوع صبح سے بلندی آفتاب تک یا دوپہر یا نماز عصر کے بعد غروب تک نہ ہو ورنہ وقت کراہت نکل جانے پر پڑھے۔ بھیڑ کی وجہ سے مقام ابراہیم میں نماز نہ پڑھ سکے تو مسجد حرام میں کسی دوسری جگہ پڑھ لے بلکہ اس نماز کیلئے سب سے افضل کعبہ شریف کے اندر پڑھنا ہے پھر حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے اس کے بعد حطیم میں کسی اور جگہ پھر کعبہ سے قریب تر جگہ پھر مسجد حرام میں کسی جگہ پھر حرم مکہ کے اندر جہاں بھی ہو۔

قولہ المقام۔ مقام سے مراد مقام ابراہیم ہے یہ ایک پتھر ہے جو دروازہ کعبہ کے سامنے ایک قبہ میں ہے

جس پر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر فرماتے تھے اس پر قدم پاک کا نشان پڑا ہوا اب تک موجود ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے آیات بینات یعنی اللہ کی کھلی نشان فرمایا ہے

قولہ[۲] ھذا الطواف ۔ طواف مذکور طواف قدوم ہے وہ سنت ہے احناف کے نزدیک ۔ امام مالک اس کو واجب قرار دیتے ہیں چنانچہ نبی کریم کا ارشاد ہے من اتی البیت فلیحیہ بالطواف احناف کی دلیل آیت کریمہ ولیطوفوا بالبیت العتیق میں مطلق طواف کا حکم ہے اور مطلق امر کا مصداق طواف زیارت بالاجماع متعین ہو گیا پس طواف قدوم واجب نہیں ہوگا ۔

ثم یخرج[۱] الی الصفا فیصعد علیہ و یستقبل[۲] البیت و یکبر و یھلل و یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و یدعو اللہ تعالیٰ لحاجتہ ثم ینحط نحو المروۃ و یمشی علی ھیئتہ فاذا بلغ الی بطن الوادی فسعی بین المیلین[۳] الاخضرین سعیاً حتی یاتی المروۃ فیصعد علیہا و یفعل کما فعل علی الصفا وھذا شوط فیطوف سبعۃ اشواط یبتدی بالصفا و یختم بالمروۃ ثم یقیم بمکۃ فیطوف بالبیت کلما بدا لہ ۔

ترجمہ : ـــــــ پھر صفا کی طرف جائے اور اس پر چڑھ کر بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اپنی ضرورت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے پھر مروہ کی طرف جائے اور اپنی چال پر چلے اور جب بطن وادی میں پہونچے تو میلین اخضرین کے درمیان خوب دوڑے یہاں تک کہ مروہ تک آئے پس اس پر چڑھے اور کرے ویسا ہی جس طرح صفا پر کیا تھا اور یہ ایک پھیرا ہے پس طواف سات چکر کرے ۔ صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے پھر مکہ شریف میں احرام کی حالت میں مقیم رہے پس بیت اللہ شریف کا طواف کرتا رہے جب جب جی چاہے

تشریح : ـــــــ قولہ[۱] ثم یخرج ۔ طواف کے بعد اگر صفا و مروہ کے درمیان سعی کا ارادہ ہو تو پہلے حجر اسود کا استلام کرے پھر باب صفا سے صفا پہاڑ پر جائے اور اس پر اتنا چڑھے کہ کعبہ نظر آجائے اور اس کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اپنی ضرورت کیلئے دعا مانگے پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے ذکر و درود شریف برابر جاری رکھے پس جب میل اول کے پاس آئے تو سر دوڑنا شروع کر دے مگر نہ حد سے زائد کہ کسی کو ایذا پہونچے یہاں تک کہ میل ثانی سے نکل کر مروہ تک پہونچ جائے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے جس طرح صفا پر کیا تھا اسی طرح مروہ پر بھی تسبیح و تہلیل و حمد و ثنا و درود و دعا کرے اسی طرح سات بار کرے یعنی صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے پس صفا سے مروہ تک آنا ایک شوط یعنی چکر ہے اور مروہ سے صفا تک جانا دوسرا چکر ہے

اسی طرح ساتواں چکر مروہ پر ختم ہوگا۔

قولہ الصفا۔ صفا کعبہ شریف سے جنوب کو واقع ہے جو زمانہ قدیم میں ایک پہاڑی کا تھی جو اب زمین میں چھپ گئی ہے اور اس پر قبلہ کی جانب ایک دالان سا بنا ہوا ہے اور چڑھنے کی سیڑھیاں۔ مروہ بھی دوسری پہاڑی ہے جو صفا سے پورب جانب ہے قبلہ رُخ دالان سا بنا ہوا ہے اور سیڑھیاں۔ اور صفا سے مروہ تک جو فاصلہ ہے اب وہاں بازار ہے صفا و مروہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ صفا چونکہ حضرت آدم صفی اللہ کی نشست گاہ تھی اس لیئے اس کو صفا کہا جاتا ہے اور مروہ حضرت حوا کی نشست گاہ تھی اس لیئے اس کو باسم امرأۃ مروہ کہا جاتا ہے اس وجہ سے یہ لفظ مونث ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صفا ایک مرد کا نام ہے اور مروہ ایک عورت کا۔ جنہوں نے بیت اللہ شریف میں حرام کاری کی تھی اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا ڈالا۔ اور دونوں کو پہاڑیوں پر عبرت کے واسطے رکھدیئے گئے اور افعال مذکورہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت ہاجرہ کی یادگار رہے جس کو عبادت قرار دیا گیا ہے

قولہ یستقبل البیت۔ صفا کی سیڑھیوں پر اتنا چڑھے کہ کعبہ نظر آجائے اور یہ چیز پہلی سیڑھی پر بھی چڑھنے سے حاصل ہو جاتی ہے کہ درمیان میں اگر مکان اور دیواریں حائل نہ ہوتیں تو کعبہ پورے طور پر نظر آتا لیکن چونکہ وہ درمیان میں حائل ہیں اس لیئے نظر نہیں آتا۔ اسی وجہ سے متن میں استقبال کعبہ یعنی کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کو کہا جاتا ہے۔ دیکھنے کو نہیں اسی طرح مروہ میں پہلی سیڑھی پر چڑھنا کافی ہے۔

قولہ المیلین الاخضرین میلین اخضرین وہ دو سبز میل ہیں جو صفا سے مروہ کے وسط میں دیوار حرم شریف میں نصب ہیں۔ صفا سے چلتے ہوئے دائیں ہاتھ کو دکانیں اور بائیں ہاتھ کو احاطہ مسجد الحرام ہے۔

قولہ ثم یقیم بمکۃ۔ طواف و سعی کے بعد احرام کی حالت میں مکہ شریف میں ٹھہرا رہے جبکہ حج قران کا ارادہ کیا ہو اور زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف نماز کی طرح ہے سوائے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے طواف میں کلام کرنا حلال قرار دیا ہے پس جو شخص کلام کرے اس کو چاہیئے کہ خیر کے علاوہ کچھ نہ کرے۔ سرکار کا ارشاد ہے کہ جو بیت اللہ شریف کا طواف پچاس بار کرے وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسے اس دن بے گناہ تھا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

واذا کان قبل یوم الترویۃ بیوم خطب الامام خطبۃ یعلم الناس فیھا الخروج الی منیٰ والصلوٰۃ بعرفات والوقوف والافاضۃ

ترجمہ: ـــــ اور جب یوم ترویہ کے ایک روز قبل ہو تو امام خطبہ پڑھے جس میں لوگوں کو منیٰ میں جانا اور

عرفات میں نماز پڑھنا اور وقوف اور افاضہ کرنا بیان کرے۔

تشریح: ــــ قولہ[1] اذا کان۔ یوم ترویہ سے ایک دن پہلے یعنی ساتویں تاریخ کو دوپہر ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے جس میں حج کے احکام کی تعلیم دے یعنی لوگوں کو احرام باندھنے اور منیٰ اور عرفات جانے اور وہاں نماز پڑھنے اور عرفات میں ٹھہرنے اور وہاں سے واپس ہونے کے احکام بتلائے۔

واضح ہو کہ حج میں تین خطبے ہوتے ہیں ایک ساتویں تاریخ کو مکہ میں۔ وہ ایک ہی خطبہ ہوتا ہے اس کے درمیان بیٹھنا نہیں اور دوسرا خطبہ نویں تاریخ کو عرفات میں۔ اس میں دو خطبے ہوتے ہیں جن کے درمیان بیٹھا جاتا ہے۔ تیسرا خطبہ گیارہویں کو منیٰ میں۔ اس میں بیٹھنا نہیں۔ یہ تینوں خطبے ایک ایک دن کے فاصلہ پر دوپہر دن ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ سواء خطبہ عرفات کہ وہ زوال کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے ہوتا ہے امام زفر کے نزدیک یہ تینوں خطبے لگاتار یعنی ۸، ۹، ۱۰ کو ہیں

قولہ[2] یوم الترویۃ۔ یوم ترویہ ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ اور یوم عرفہ نویں تاریخ اور یوم نحر دسویں تاریخ اور گیارہویں کو یوم القر اور بارہویں کو یوم النفر الاول اور تیرہویں کو یوم النفر الثانی کہا جاتا ہے۔

قولہ[3] منیٰ۔ منیٰ حدود حرم میں ایک گاؤں ہے مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر اس میں تین محلے ہیں اور عرفات اس کے اور مکہ کے درمیان تین فرسخ کا فاصلہ ہے۔

فاذا[1] صلی الفجرَ یومَ الترویۃِ بمکۃَ خرجَ[2] الیٰ منیٰ واقامَ بہا حتی یصلی الفجرَ یومَ عرفۃَ ثم یتوجّہ الیٰ عرفاتٍ فیقیمُ بہا فاذا زالتِ الشمسُ من یومِ عرفۃَ صلی الامامُ بالناسِ الظہرَ والعصرَ فلیبتدأ بالخطبۃِ اولاً فیخطب خطبتینِ قبلَ الصلوٰۃِ یعلم الناسَ فیہما الصلوٰۃَ والوقوفَ بعرفۃَ والمزدلفۃِ ورمی الجمارِ والنحرَ والحلقَ وطوافَ الزیارۃِ۔

ترجمہ: ــــ پس جب یوم ترویہ کو فجر کی نماز مکہ میں پڑھ چکے تو منیٰ جائے اور وہیں ٹھہرا رہے یہاں تک کہ عرفہ کے دن فجر کی نماز پڑھے پھر عرفات کی طرف متوجہ ہو اور وہیں ٹھہرا رہے پس جب عرفہ کے دن آفتاب ڈھل جائے تو امام لوگوں کو ظہر و عصر کی نماز پڑھائے لیکن نماز سے پہلے اول امام دو خطبے پڑھے جن میں لوگوں کو نماز پڑھنے اور عرفہ اور مزدلفہ میں وقوف کرنا اور پتھر مارنا اور قربانی کرنا اور سر مونڈانا اور طواف زیارت کرنا سکھلائے۔

تشریح: ــــ قولہ[1] فاذا صلی الفجر۔ یوم ترویہ یعنی آٹھویں تاریخ کو مکہ میں جب نماز فجر سے فارغ

ہو جائے تو منیٰ کیلئے روانہ ہو جائے اور نویں کی فجر تک یہیں قیام پذیر رہے پھر یوم عرفہ یعنی نویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات آئے اور امام ظہر کی نماز سے پہلے خطبۂ جمعہ کی طرح دو خطبہ پڑھے جن میں وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ اور ان دونوں سے واپسی اور رمی جمار عقبہ اور قربانی کرنے کے احکام اور سر منڈوانا یا کتروانا اور طواف زیارت کرنا سکھلائے۔

قولہ خرج الیٰ منیٰ۔ آٹھویں تاریخ کو جب آفتاب نکل آئے تو منیٰ آجائیں اگر آفتاب نکلنے سے پہلے ہی آگئے جب بھی جائز ہے مگر بعد میں بہتر ہے اور زوال کے بعد بھی جا سکتا ہے مگر ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھے اور ہو سکے تو پیادہ جائے کہ جبتک مکہ معظمہ واپس آجائے ہر ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور منیٰ ہی میں ظہر سے نویں کی صبح تک پانچ نمازیں پڑھیں اور اس کے بعد عرفات جائے اور جبل رحمت کے قریب بڑے بڑے سیاہ پتھروں کے پاس قبلہ رُخ ہو کے ٹھہر جائے یہی سنت ہے۔

وقوف عرفہ ارکان حج میں سے عظیم ترین رکن ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حج وقوف عرفہ ہے اس کی صحت کیلئے دو شرطیں ہیں (۱) عرفات کی زمین میں ہو (۲) اس کے وقت میں ہو۔ وہاں کھڑا ہونا اور نیت کرنا نہ وقوف عرفہ کیلئے شرط ہے اور نہ واجب یہاں تک کہ کسی نے اگر بیٹھے یا راہ چلتے یا بھاگتے یا سوتے ہوئے وقوف کیا تو وقوف صحیح ہے۔

ويصلي بهم الظهر والعصر في وقت العصر باذان واقامتين ومن صلى الظهر في رحله وحده صلى كل واحد منهما في وقتيهما عند ابي حنيفة رحمة الله وقال ابو يوسف ومحمد يجمع بينهما المنفرد ثم يتوجه الى الموقف بقرب الجبل وعرفات كلها موقف الا بطن عرنة وينبغي للامام ان يقف بعرفة على راحلته ويدعو ويعلم الناس المناسك ويستحب ان يغتسل قبل الوقوف بعرفة ويجتهد في الدعاء

ترجمہ:۔ —— اور لوگوں کو ظہر کے وقت میں ظہر و عصر کی نماز ایک اذان اور دو اقامت کیساتھ پڑھائے اور جس نے ظہر کی نماز تنہا اپنے ٹھکانہ پر پڑھا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان دونوں نمازوں میں سے ایک کو اس کے وقت پر پڑھے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ اکیلا پڑھنے والا بھی دونوں کو جمع کر لے پھر موقف کی طرف جبل رحمت کے قریب جائے اور سارا عرفات موقف ہے سوائے بطن عرنہ کے اور امام کو چاہئیے کہ عرفہ میں اپنی

سواری پر سوار رہے اور دعا کرے اور لوگوں کو حج کے احکام سکھلائے اور مستحب ہے یہ کہ وقوف عرفہ سے پہلے غسل اور خوب دعا کرے۔

تشریح: ــــــ قولہ ویصلی بہم۔ یعنی ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامت سے لوگوں کو ظہر وعصر دونوں نمازیں پڑھائے کیونکہ حضرت جابر سے روایت ہے کہ وہ دونوں نمازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھائی تھی۔ یہ مذہب احناف کا ہے ان کے علاوہ دوسرے پانچ مذاہب ہیں۔ (۱) ظہر وعصر کی نماز ظہر کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھی جائیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا ایک قول ہے اور یہی امام زفر اور بن طحاوی کا مختار ہے (۲) دو اذان اور دو اقامت سے۔ یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور علی اور محمد بن باقر کا مذہب ہے (۳) صرف دو اقامتوں سے۔ یہ حضرت عمر اور حضرت علی اور سالم بن عبد اللہ کا مذہب ہے اور یہی ایک قول امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری کا ہے (۴) صرف ایک اقامت سے۔ یہ قول ابوبکر بن داؤد کا ہے (۵) نہ اذان اور نہ اقامت سے۔ یہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے۔

قولہ من صلی الظہر۔ یعنی جو شخص اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر اکیلا ظہر کی نماز پڑھے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے وقت پر پڑھے۔ اسی پر فتویٰ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ اکیلا پڑھنے والا بھی دونوں کو جمع کرلے۔ جمع بین الصلاتین کا جواز امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین شرطوں پر موقوف ہے (۱) بادشاہ یا اس کا نائب قاضی وغیرہ کا ہونا اگر یہ نہ ہوں تو لوگ علیحدہ علیحدہ پڑھیں (۲) ظہر وعصر دونوں میں حج کا احرام ہونا۔ اگر ظہر کی نماز عمرہ کے احرام سے اور عصر کی نماز حج کے احرام سے پڑھے یا بلا احرام نماز پڑھے تو جمع بین الصلاتین جائز نہیں (۳) جماعت کا ہونا پس اگر کسی نے ظہر کی نماز تنہا پڑھے تو اس کے لئے عصر کی نماز امام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں وہ عصر کی نماز اس کے وقت میں پڑھے گا لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین جواز کیلئے صرف احرام حج کا ہونا کافی ہے۔

قولہ ثم یتوجہ۔ یعنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد موقف کی طرف جائے اور جبل رحمت کے قریب کھڑا ہو۔ یہ پہاڑ عرفات کے میدان میں ہے اس پہاڑ کو جبل رحمت اور جبل دعا بھی کہا جاتا ہے اور عرفات سارا موقف ہے یعنی عرفات میں ہر جگہ قیام جائز ہے سوائے بطن عرنہ کے کہ یہ ایک جنگل ہے مسجد عرفہ کے مغرب کیطرف امام کو چاہئیے کہ عرفہ میں اپنی سواری پر سوار رہے اور دعا کرے یعنی دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے کیونکہ عرفہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی جیسے کوئی مسکین فقیر کھانا مانگا کرتا ہے اور امام لوگوں کو حج کے احکام سکھلائے اور مستحب ہے کہ عرفہ میں کھڑا ہونے سے پہلے امام غسل کرے۔ یہ

غسل سنت ہے ۔

قولہ یجتہد فی الدعاء ۔ یعنی خوب دعا کرے کیونکہ عرفہ کے دن رب کریم کا دریائے رحمت جوش میں آتا ہے اس لئے اس میں نہایت گریہ وزاری کیساتھ دعا کرنی چاہیئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کیلئے بہت کوشش سے دعاء فرمائی تھی اور ناحق خونریزی اور ظلم ہونے میں آپ کی دعا قبول بھی ہوگئی مکہ معظمہ کے متعدد مقامات ہیں جہاں دعا قبول ہوتی ہے دلائل الاسرار میں مقبول ساعتوں کا بھی ذکر ہے وہ دونوں یہ ہیں (۱) بیت اللہ شریف میں عصر کے بعد دونوں ستونوں کے سامنے (۲) ملتزم میں آدھی رات کو (۳) موقف عرفات میں بوقت غروب (۴) موقف مزدلفہ میں بوقت طلوع (۵) طواف میں ہر وقت (۶) سعی میں (۷) صفا (۸) مروہ پر بوقت عصر (۹) زمزم کے پاس بوقت غروب (۱۰) مقام ابراہیم میں (۱۱) میزاب رحمت کے نیچے سحر کے وقت (۱۲) جمار کے پاس بوقت طلوع آفتاب ۔

فاذا غربت الشمس افاض الامام والناس معہ علی ھینتھم حتی یاتوا المزدلفۃ فینزلون بھا والمستحب ان ینزلوا بقرب الجبل الذی علیہ المیقدۃ یقال لہ قزح ویصلی الامام بالناس المغرب والعشاء فی وقت العشاء باذان واقامۃ ومن صلی المغرب فی الطریق لم یجز عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ فاذا طلع الفجر صلی الامام بالناس الفجر بغلس وقف الامام ووقف الناس معہ فدعا والمزدلفۃ کلھا موقف الا بطن محسر

ترجمہ : ـــــ پس جب آفتاب غروب ہوجائے تو امام اور اس کے ساتھ سب لوگ میانہ چال چلے یہانتک کہ مزدلفہ آئیں اور وہیں اُتر جائیں اور مستحب یہ ہے کہ اس پہاڑ کے قریب اُتریں جس پر میقدہ ہے جس کو قزح کہا جاتا ہے اور امام لوگوں کو عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء کی نماز پڑھائے ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ اور جس نے مغرب کی نماز راستہ میں پڑھلی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہ ہوگی پس جب صبح صادق ہو جائے تو امام لوگوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائے پھر امام کھڑا ہوا اور لوگ اس کے ساتھ کھڑے ہوں پس امام دعا کرے اور سارا مزدلفہ موقف ہے سوائے بطن محسر کے ۔

تشریح :ـــــ قولہ فاذا غربت ۔ یعنی جب آفتاب غروب ہو جائے تو امام اور اس کے ساتھ سب لوگ ـــــ میانہ چال سے مزدلفہ آئیں اور جبل قزح کے قریب اُتریں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عمر

یہیں اُترتے تھے اور آیت کریمہ فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام میں مشعر حرام سے بھی یہی مراد ہے اور اگر غروب سے پہلے چلا گیا اور عرفات کے حدود سے آگے بڑھ گیا تو دم واجب ہو جائے گا کیونکہ عرفات سے چلنا بالاتفاق غروب کے بعد ہے۔

قولہ[۲] یصلی الامام۔ یعنی امام عشاء کے وقت ایک اذان اور ایک تکبیر سے لوگوں کو مغرب وعشاء دونوں کی نماز ایک ساتھ پڑھائے اور ان دونوں نمازوں کے درمیان نفلیں نہ پڑھے کیونکہ اس سے نمازوں کے جمع کرنے میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور اگر کسی نے نفلیں پڑھلیں یا اور کوئی کام کیا تو چاہئیے کہ تکبیر دوبارہ کہے۔

ایک اذان وایک اقامت سے اکٹھی نماز اس لئے پڑھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی طرح نماز پڑھی ہیں اور اس لئے بھی کہ عشاء اپنے اصلی وقت پر ہے اور لوگ سب جمع ہیں اس لئے دوبارہ اقامت کی ضرورت نہیں برخلاف عرفات کے کہ وہاں عصر کی نماز اپنے وقت پر نہیں۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ عرفات کی طرح یہاں بھی دو اقامتوں کے قائل ہیں کیونکہ حضرت جابر کی روایت جو صحیح مسلم میں ہے۔ اس میں دو اقامتیں مذکور ہیں۔ احناف نے جواب میں یہ کہا کہ حضرت جابر سے ایک اقامت بھی مروی ہے لہٰذا آپ کی دونوں روایتیں متعارض ہونے کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت "جو ایک اقامت والی ہے" پر عمل کی گئی۔

قولہ[۳] من صلی المغرب۔ یعنی اگر کوئی شخص مغرب کی نماز مزدلفہ کے راستہ میں پڑھے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور اگر کسی نے پڑھ لی تو اس پر لازم ہے کہ صبح صادق ہونے سے پہلے اس نماز کا اعادہ کرلے۔ اور امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ وہ نماز ہو جائے گی کیونکہ اس نے اس کے وقت پر پڑھی ہے اور یہی قول امام شافعی کا بھی ہے۔ دلیل طرفین کی یہ ہے کہ جب سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے روانہ ہوئے تو راستہ سے اتر کر یوں تشریف فرمایا اور ناتمام وضو کیے۔ حضرت اُسامہ نے عرض کیا سرکار! نماز پڑھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا نماز تیرے آگے ہے پس آپ مزدلفہ پہونچے اور وہاں پورا وضو کرکے مغرب وعشاء کی نماز پڑھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ نماز زمان ومکان اور وقت مخصوص یعنی یوم نحر کی رات کو مزدلفہ میں عشاء کے وقت کے ساتھ خاص ہے۔

قولہ[۴] فاذا طلع الفجر۔ جب صبح صادق ہو تو امام لوگوں کو اندھیرے یعنی اول وقت میں نماز پڑھائے چنانچہ عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے اس دن اندھیرے میں نماز پڑھائی تھی۔ پھر امام اور اس کے ساتھ لوگ بھی کھڑے ہو جائیں۔ یہ کھڑا ہونا احناف کے نزدیک واجب ہے رکن نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی بغیر عذر کے اس کو چھوڑ دے تو اس پر دم لازم آئے گا۔

قولہ[۵] فدعا۔ یعنی امام دعا کرے کیونکہ اس جگہ کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی دعا کی تھی اور سارا مزدلفہ موقف ہے۔ سوائے بطن محسر کے جب اس جگہ پہونچے تو پانچسو پینتالیس ہاتھ بہت جلد

تیزی کے ساتھ چل کر نکل جائیے مگر اتنی تیزی نہیں کہ جس سے کسی کو ایذا پہونچے۔ بطن محسر منیٰ و مزدلفہ کے درمیان ایک نالہ ہے۔ دونوں کے حدود سے خارج مزدلفہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہو کر پانچ سو پینتالیس ہاتھ تک ہے۔ یہاں پر چونکہ اصحاب فیل پر عذاب ابابیل اترا تھا اس وجہ سے وہاں سے جلد گذرنا اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگنا چاہیئے۔

ثُمَّ[1] اَفَاضَ الْاِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهٗ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ حَتّٰى يَاْتُوْا مِنٰى فَيَبْدَاُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيْهَا مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ مِثْلَ حَصَاةِ الْخَذْفِ وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ مَعَ اَوَّلِ حَصَاةٍ ثُمَّ[2] يَذْبَحُ اِنْ اَحَبَّ ثُمَّ يَحْلِقُ اَوْ يُقَصِّرُ وَالْحَلْقُ اَفْضَلُ وَقَدْ[3] حَلَّ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا النِّسَاءَ

ترجمہ: ــــــ پھر امام اور لوگ اس کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے واپس ہو یہاں تک کہ منیٰ آئیں اور جمرۂ عقبہ سے شروع کرے پس اس پر بطن وادی سے سات کنکریاں ٹھیکری جیسی مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتا رہے اور جمرہ کے پاس کھڑا نہ ہو اور تلبیہ پہلی کنکریوں کے ساتھ موقوف کر دے پھر قربانی کرے اگر چاہے پھر بال منڈوائے یا کترو ائے اور منڈوانا افضل ہے اب اس کیلئے ہر چیز حلال ہوگی سوائے عورت کے۔

تشریح: ــــــ قولہ[1] ثم افاض۔ یعنی آفتاب نکلنے سے پہلے امام اور اس کے ساتھ سب لوگ لوٹ آئیں جب منیٰ پہونچیں تو پہلے جمرۂ عقبہ سے شروع کریں جو ادھر سے پچھلا جمرہ ہے اور مکہ معظمہ سے پہلا۔ نالے کے وسط میں سواری پر جمرہ سے کم از کم پانچ ہاتھ ہٹے ہوئے اس طرح کھڑا ہو کہ منیٰ داہنے ہاتھ کو اور کعبہ بائیں ہاتھ کو اور جمرہ کی طرف مونہہ ہو۔ سات کنکریاں جدا جدا۔ انگلیوں کے سرے سے یا ابہام کے سر کو سبابہ کے سرے پر رکھکر سیدھا ہاتھ خوب اٹھا کر کہ بغل کی رنگت ظاہر ہو جائے۔ پہلی کنکری کے ساتھ ہی لبیک کہنا موقوف کر دے خواہ مفرد بالحج ہو یا متمتع یا قارن چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی رہا کہ لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ آپ جمرۂ عقبہ کے پاس تشریف لائے اور پہلی کنکری کے ساتھ لبیک کہنا بند کر دیئے البتہ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے۔

کنکریاں مزدلفہ یا اس پہاڑ سے لائے جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ہے بلکہ جہاں سے چاہے اٹھالے البتہ جو کنکریاں جمرات کے پاس پڑی رہتی ہیں وہ نہ اٹھائے کیونکہ وہ مقبول نہیں مردود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیر نے حضرت عبداللہ بن عباس سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے وقت سے اب تک

کنکریاں جمرات پر پھینکتے ہیں اور کنکریاں کا انبار نہیں ہوتا تو آپ نے جواب دیا کہ تجھے معلوم نہیں جس کا حج قبول ہوتا ہے اس کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں اور جس کا حج مقبول نہیں ہوتا اس کی کنکریاں وہیں پڑی رہ جاتی ہیں۔

قولہ ثم یذبح۔ یعنی رمی سے فارغ ہوکر اگر چاہے تو قربانی میں مشغول ہو۔ یہ قربانی وہ نہیں جو بقرعید میں ہوا کرتی ہے کہ وہ مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مالدار پر واجب ہے اگرچہ حج میں ہو بلکہ یہ حج کا شکرانہ ہے قارن اور متمتع پر واجب اگرچہ فقیر ہو اور مفرد کیلئے مستحب اگرچہ غنی ہو۔ جانور کی عمر واعضا میں وہی شرطیں ہیں جو عیداضحیٰ کی قربانی میں ہیں۔ قربانی کے بعد قبلہ منہ بیٹھ کر مرد حلق کرائیں یعنی تمام سر مونڈائیں کہ وہ افضل ہے یا بال کتروائیں کہ رخصت ہے۔ عورتوں کو بال مونڈوانا حرام ہے ایک پور برابر بال کتروادیں۔ مفرد اگر قربانی کرے تو اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ قربانی کے بعد حلق کرے اور اگر حلق کے بعد قربانی کی جب بھی حرج نہیں اور تمتع و قران والے پر قربانی کے بعد حلق کرنا واجب ہے یعنی اگر قربانی سے پہلے سر مونڈوائے گا تو دم واجب ہوگا۔

قولہ وقد حل لہ۔ یعنی عورت سے صحبت کرنے بہ شہوت اسے ہاتھ لگانے بوسہ لینے شرمگاہ دیکھنے کے علاوہ جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا۔

ثُمَّ یَأْتِی مَکَّۃَ مِنْ یَوْمِہٖ ذٰلِکَ اَوْ مِنَ الْغَدِ اَوْ مِنْ بَعْدِ الْغَدِ فَیَطُوْفُ بِالْبَیْتِ طَوَافَ الزِّیَارَۃِ سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ فَاِنْ کَانَ سَعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ عَقِیْبَ طَوَافِ الْقُدُوْمِ لَمْ یَرْمُلْ فِیْ ھٰذَا الطَّوَافِ وَلَا سَعْیَ عَلَیْہِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ قَدَّمَ السَّعْیَ رَمَلَ فِیْ ھٰذَا الطَّوَافِ وَیَسْعٰی بَعْدَہٗ عَلٰی مَا قَدَّمْنَاہُ وَقَدْ حَلَّ لَہُ النِّسَاءُ وَھٰذَا الطَّوَافُ ھُوَ الْمَفْرُوْضُ فِی الْحَجِّ وَیُکْرَہُ تَاْخِیْرُہٗ عَنْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ فَاِنْ اَخَّرَہٗ عَنْہَا لَزِمَہٗ دَمٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَقَالَا لَا شَیْءَ عَلَیْہِ

ترجمہ: ــــــ پھر مکہ میں اسی دن آئے یا دوسرے یا تیسرے دن پس بیت اللہ کا طواف سات چکر طواف زیارت کرے پس اگر وہ طواف قدوم میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرچکا تو اس طواف میں رمل نہ کرے اور اس پر سعی نہیں اور اگر اس سے پہلے سعی نہ کی ہو تو اسی طواف میں رمل کرے اور اس کے بعد سعی کرے جیسا کہ ہم بیان کرچکے اور اب اس کیلئے عورت بھی حلال ہوگئی اور حج میں یہی طواف فرض ہے اور اس کو ان دنوں سے مؤخر کرنا مکروہ ہے پس اگر اس کو مؤخر کردیا تو اس پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک خون لازم ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] ثم یاتی مکۃ۔ اسی روز یا دوسرے روز یا تیسرے روز یعنی دسویں تاریخ یا گیارہویں تاریخ یا بارہویں تاریخ کو مکہ آئے اور سات پھیروں سے بیت اللہ کا طواف کرے اس کو طواف زیارت کہا جاتا ہے اور یہ طواف حج میں فرض ہے اور طواف قدوم کے بعد اگر صفا و مروہ کے درمیان سعی کر چکا ہے تو وہ اس طواف میں رمل یعنی اکڑ کر پہلوانہ چلے اور نہ سعی کرے کیونکہ سعی کرنا ایک ہی دفعہ مشروع ہے پس اگر کوئی پہلے کر چکا ہے تو اب دوبارہ نہ کرے اور اگر نہیں کیا ہے تو اب کر لے۔ اس طواف میں حدث و نجس سے پاک ہونا ضروری ہے احناف کے درمیان اختلاف ہے کہ طواف میں پاک ہونا واجب ہے یا سنت؟ ابن شجاع سنت کے قائل ہیں اور ابوبکر رازی واجب کے۔

قولہ[۲] ھذا الطواف۔ یہ طواف جو مذکور ہوا طواف زیارت ہے جو حج میں فرض ہے اس کو طواف افاضہ اور طواف یوم النحر اور طواف رکن بھی کہا جاتا ہے فرض اس لئے کہ قول باری تعالیٰ ولیطوفوا بالبیت العتیق میں یہی طواف مامور بہ ہے۔ یہ طواف حج کا دوسرا رکن ہے اس کے سات پھیرے ہیں جن میں سے چار پھیرے فرض ہیں کہ بغیر ان کے طواف نہیں ہوگا اور نہ حج ہوگا اور پورے سات کرنا واجب تو اگر چار پھیروں کے بعد جماع کیا تو حج ہو گیا مگر دم واجب ہوگا کہ واجب ترک ہوا۔

قولہ[۳] یکرہ تاخیرہ۔ طواف زیارت کا وقت ایام نحر یعنی دسویں اور گیارہویں اور بارہویں تاریخ ہے ان دنوں سے مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے اس تقدیر پر امام ابوحنیفہ نے وجوب دم کا قول کیا ہے۔ کیونکہ اس سے ترک واجب لازم آتا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے صاحبین نے فرمایا کچھ بھی لازم نہ ہوگا دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ آیت کریمہ فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر میں ذبح اور اکل ذبیحہ پر طواف کو عطف قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ولیطوفوا بالبیت العتیق اور عطف جب واؤ کے ذریعہ ہو تو معطوف و معطوف علیہ کے درمیان حکم میں مشارکت ضروری ہے اور ذبح ایام نحر کے ساتھ موقت ہے تو طواف بھی ان ہی ایام نحر کے ساتھ موقت ہوگا البتہ حائضہ و نافسہ عورت حکم کراہت تاخیر طواف سے مستثنیٰ ہے کہ وہ مؤخر کر سکتی ہے۔

ثمَّ یعودُ[۱] اِلی مِنیً فیقیمُ بہا فاذا زالتِ الشمسُ من الیومِ الثانی من ایّامِ النحرِ رمی الجمارَ الثلثَ یبتدیُٔ بالتی تلی المسجدَ فیرمیہا بسبعِ حصیاتٍ یکبّرُ مع کلِّ حصاۃٍ ثمَّ یقفُ[۲] عندہا فیدعو ثمَّ یرمی التی تلیہا مثلَ ذلکَ ویقفُ عندہما ثمَّ یرمی جمرۃَ العقبۃِ کذلکَ ولا یقفُ عندہا فاذا کانَ من الغدِ رمی الجمارَ الثلثَ بعدَ زوالِ الشمسِ کذلکَ

ترجمہ :- پھر منیٰ کو لوٹ جائے اور وہیں رہے پس جب عید کے دوسرے روز آفتاب ڈھل جائے تو تینوں جمروں کی رمی کرے اس جمرہ سے شروع کرے جو مسجد خیف کے پاس ہے پس اس پر سات کنکریاں مارے ہر کنکری کیساتھ تکبیر کہے پھر اس جمرہ کے پاس ٹھہرے اور دعا کرے پھر اس کی رمی کرے جو اس کے پاس ہے اسی طرح اور اس کے پاس بھی ٹھہرے پھر جمرہ عقبہ کی اسی طرح رمی کرے اور اس کے پاس نہ ٹھہرے تو جب اگلا دن ہو تو آفتاب ڈھلنے کے بعد اسی طرح جمار ثلاثہ کی رمی کرے۔

تشریح :- قولہ ثم یعود۔ یعنی طواف زیارت کے بعد پھر منیٰ لوٹ آئے اور وہیں رہے اور عید کے دوسرے روز یعنی گیارہویں تاریخ کو جب آفتاب ڈھل جائے تو تینوں جمروں پر سات سات کنکریاں مارے اور اس جمرہ سے شروع کرے جو مسجد خیف کے پاس ہے اس پر سات کنکریاں مارے اور کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتا رہے اور اس جمرہ کے پاس کھڑا رہے اور دعا مانگے پھر اسی طرح اس جمرہ پر کنکریاں مارے جو اس کے پاس ہے اس کے پاس بھی تھوڑی دیر کھڑا رہے۔ ان دونوں کے درمیان ۳۵ ہاتھ کا فاصلہ ہے پھر اسی طرح جمرۂ عقبہ پر مارے اور اس کے پاس کھڑا نہ ہو۔ اس میں اور پہلے دو میں ۴۸ ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ تینوں جمروں کی مذکورہ بالا ترتیب مسنون ہے واجب نہیں۔ حضرت جابر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال حج کی جو تفصیل بیان کی وہ مذکورہ صورت میں ہے۔

قولہ ثم یقف عندها۔ وقوف و عدم وقوف کے سلسلہ میں یہ قانون بیان کیا جاتا ہے کہ ہر وہ رمی کہ جس کے بعد رمی ہو اس میں وقوف کیا جائے گا اور دعاء و استغفار بھی اور جس رمی کے بعد رمی نہ کیا جائے اس میں وقوف نہیں کیا جائے گا اور نہ دعاء و استغفار!

قولہ فاذا کان۔ جب اگلا روز یعنی بارہویں تاریخ ہو تو آفتاب ڈھلنے کے بعد اسی طرح تینوں جمروں پر کنکریاں مارے اور بارہویں تاریخ کی رمی کر کے غروب آفتاب سے پہلے مکہ کیلئے روانہ ہو جائے۔

واذا اراد ان یتعجل النفر نفر الی مکة وان اراد ان یقیم رمی الجمار الثلاث فی الیوم الرابع بعد زوال الشمس کذلک فان قدم الرمی فی هذا الیوم قبل الزوال بعد طلوع الفجر جاز عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا لا یجوز ویکره ان یقدم الانسان ثقله الی مکة ویقیم بها حتی یرمی

ترجمہ :- اور جو شخص جلد جانا چاہے تو وہ مکہ چلا جائے اور اگر رہنا چاہے تو تینوں جمروں کی رمی کرے چوتھے روز ڈھلنے کے بعد اسی طرح پس اگر کسی نے کنکریاں مار دیں اس دن آفتاب ڈھلنے سے پہلے اور

طلوع فجر کے بعد تو جائز ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز نہیں ۔ اور مکروہ ہے یہ کہ پہلے ہی اپنے اسباب کو مکہ روانہ کر دے اور خود وہیں کنکریاں مارنے تک رہے

تشریح: ـــــ قولہ[۱] واذا اراد ۔ جو مکہ جلد جانا چاہیے یعنی عید کے تیسرے روز جو چاند کی بارہویں تاریخ ہے ۔ اسی دن مکہ جانا چاہیے تو غروب آفتاب سے قبل چلا جائے ورنہ چوتھا دن یعنی تیرہویں تاریخ کے زوال کے بعد تینوں جمروں کی کنکری مارنے کے بعد مکہ جائے ۔ پس اگر اسی دن صبح صادق کے بعد آفتاب ڈھلنے سے پہلے کنکریاں مار دے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ ۔ یہی حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں باقی دنوں کا اعتبار کرتے ہوئے ۔

قولہ[۲] کذلک ۔ اس کے ذریعہ ماقبل کی طرف اشارہ ہے جس طرح اس سے قبل دو کذلک مذکور ہے ای کذلک یفعل کما فعل بالامس یعنی اسی طرح کیا جائے جس طرح گذشتہ کل کیا گیا پس پہلے دونوں جمروں کے پاس وقوف کرے اور جمرۂ عقبہ کے پاس وقوف نہ کرے ۔

قولہ[۳] ویکرہ ۔ مکروہ ہے کہ اپنے اسباب وغیرہ کو مکہ پہلے ہی روانہ کر دے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس لئے بھی کہ اس سے اس کا دل بٹ جائے گا جس سے سنت رمی کے تمام میں خلل واقع ہو جائے گا

فاذا[۱] نفرَ الیٰ مکۃَ نزل بالمحصبِ ثم[۲] طافَ بالبیتِ سبعۃَ اشواطٍ لا یرمل فیھا وھذا طوافُ الصدرِ وھو واجبٌ الا علیٰ اھلِ مکۃَ ثم یعودُ الیٰ اھلہٖ فان[۳] لم یدخلِ المحرمُ مکۃَ وتوجّہ الیٰ عرفاتٍ ووقف بھا علیٰ ما قدمناہُ سقط عنہ طوافُ القدومِ ولا شیئَ علیہِ للترکِ

ترجمہ: ـــــ پس جب مکہ آئے تو محصب میں اُترے پھر بیت اللہ کا سات چکر طواف کرے اور ان میں رمل نہ کرے اور یہ طواف صدر ہے جو واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں پھر اپنے گھر کو آ جائے پس اگر محرم مکہ میں داخل نہ ہو بلکہ عرفات چلا گیا اور وہاں وقوف کر لیا اس طور پر جو ہم نے پہلے بیان کیا تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو جائے گا اور اس کے ترک کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] فاذا نفر ۔ یعنی منیٰ سے جب مکہ واپس ہونے لگے تو راستہ میں پہلے محصب میں آئے اور کچھ دیر وہیں قیام کرے کہ وہ سنت ہے بلکہ بہتر ہے ظہر و عصر و مغرب و عشاء وہیں پڑھے اور محصب میں ایک نیند سونے کے بعد مکہ آئے ۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے کہا کہ وہاں ٹھہرنا سنت نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کا محصب میں اترنا اتفاقیہ تھا۔ احناف کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے منیٰ ہی میں ارشاد فرمایا تھا کہ ہم کل خیف بنی کنانہ یعنی محصب میں اتریں گے

قولہ ثم طاف۔ یعنی جب مکہ پہونچے تو بیت اللہ شریف کا طواف سات پھیرے کرے ان پھیروں میں رمل نہ کرے کیونکہ اس کے بعد سعی نہیں اور یہ طواف صدر ہے اس کو طواف وداع بھی کہا جاتا ہے۔ یہ طواف واجب ہے باہر والوں کیلئے۔ مکہ والوں کیلئے نہیں۔ حیض ونفاس والی عورت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ واجب احناف کے نزدیک ہے۔ لیکن امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو سنت قرار دیتے ہیں۔ دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا یہ قول ہے لاینفر احدٌ حتی یکون آخر عہدہ بالبیت الطواف۔ یعنی کوئی بھی اپنا گھر نہ آئے تا وقتیکہ بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرے۔

قولہ فان لم یدخل۔ یعنی جو کوئی میقات سے احرام باندھا اور مکہ جانے کے بجائے سیدھے عرفات چلا گیا اور وقوف کیا تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو جائے گا اور اس کے اس ترک پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی کیونکہ طواف قدوم مکہ میں داخل ہونے سے لازم ہوتا ہے اور وہ مکہ داخل ہی نہیں ہوا۔

ومَن ادرکَ الوقوفَ بعرفةَ ما بین زوالِ الشمسِ من یومِ عرفةَ الی طلوعِ الفجرِ من یومِ النحرِ فقد ادرکَ الحجَّ ومَن اجتازَ بعرفةَ وهو نائمٌ او مغمیٌ علیه او لم یعلم انها عرفاتٌ اجزاءه ذلک عن الوقوفِ والمرأةُ فی جمیعِ ذلک کالرجلِ غیر انها لا تکشفُ راسها وتکشفُ وجهها ولا ترفعُ صوتها بالتلبیةِ ولا ترملُ فی الطوافِ ولا تسعیٰ بین المیلینِ الاخضرینِ ولا تحلقُ ولکن تقصرُ

ترجمہ:۔ ـــــ اور جس نے عرفہ کے دن آفتاب ڈھلنے سے یوم نحر کے طلوع فجر تک وقوف عرفہ پالیا تو اس نے حج پالیا اور جو شخص عرفات سے گذر جائے سوتا ہوا بے ہوشی میں یا نہ جانتا ہو کہ یہ عرفات ہے تو اس کو یہ وقوف عرفات کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور عورت تمام احکام میں مرد کی طرح ہے سوائے اس امر میں کہ وہ اپنا سر نہ کھولے اور چہرہ کھولے رکھے اور تلبیہ بلند آواز سے نہ کہے اور نہ طواف میں رمل کرے اور نہ میلین اخضرین کے درمیان سعی کرے اور نہ سر مونڈوائے بلکہ بال کترواے۔

تشریح:۔ قولہ ومن ادرک۔ اگر کوئی شخص عرفہ کے دن آفتاب ڈھلنے کے بعد سے عید کے دن طلوع صبح صادق تک وقوف عرفہ پالیا یعنی نویں تاریخ کے زوال سے دسویں تاریخ کے فجر تک عرفات میں تھوڑے وقت کے لئے ٹھہر گیا تو اس کا حج پورا ہو گیا عام ہے کہ وہ اس کو جانتا ہو یا نہیں اور اگر سوتا ہوا بے ہوشی میں عرفات سے گذر جائے

یا اُسے معلوم نہ ہو کہ یہ عرفات ہے تو اس کا یہ گذر جانا وقوف عرفہ میں محسوب ہوگا کیونکہ حدیث شریف میں حج صراحۃً وقوف عرفہ ہے۔ جس کیلئے وہاں صرف ٹھہرنا کافی ہے۔ نیت وقوف اور علم عرفات وغیرہ ضروری نہیں۔

قولہ[۲] والمرأۃ۔ عورت اسی طرح خنثیٰ مشکل مذکورہ تمام احکام میں مثل مرد کے ہیں لیکن وہ اپنے سر کو نہ کھولے کہ وہ عورت ہے اور اپنے چہرہ کو کھولے رکھے لقولہ علیہ السلام احرام المرأۃ فی وجہہا اور لبیک اونچی آواز سے نہ کہے کیونکہ اس کی آواز کا بھی پردہ ہے اور نہ طواف میں رمل کرے اور نہ میلین اخضرین کے درمیان دوڑے کیونکہ اس سے بے پردگی کا اندیشہ ہے۔ اور نہ سر منڈوائے بلکہ بال کتروائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بال منڈوانے سے منع فرمایا تھا اور بال کتروانے کا حکم دیا تھا اور اسی لئے بھی کہ عورتوں میں سر منڈوانا مثلہ ہوتا ہے جس طرح مردوں میں داڑھی منڈوانا مثلہ ہوتا ہے۔

بابُ[۱] القِرانِ

ترجمہ: ــــ حج قران کے مسائل کا بیان

اَلقِرانُ[۲] اَفضَلُ عِندَنا مِنَ التَّمتُّعِ وَالاِفرادِ۔

ترجمہ: ــــ حج قران ہمارے نزدیک حج تمتع و حج افراد سے افضل ہے۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] باب القران۔ حج افراد چونکہ اس میں صرف حج کا احرام ہوتا ہے اس لئے وہ بمنزلہ مفرد ہے اور حج قران میں حج و عمرہ دونوں کا احرام ہوتا ہے اس لئے وہ بمنزلہ مرکب ہے اسی بناء پر حج افراد کے بعد حج قران کو بیان کیا گیا کہ مرکب طبعاً مفرد کے بعد ہوتا ہے۔

قران مصدر ہے قرن یقرن باب نصر ینصر کا جو بمعنی ملانا و جمع کرنا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے قرنت البعیرین یعنی میں نے دونوں اونٹوں کو ایک رسی میں باندھ دیا اور حج قران میں چونکہ عمرہ و حج کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے اس لئے اس کو قران کہا جاتا ہے۔

قولہ[۲] القران افضل۔ حج کی تین قسمیں ہیں (۱) افراد (۲) قران (۳) تمتع۔ ان میں سے ہر ایک اگرچہ نص قرآن سے ثابت ہے چنانچہ حج افراد آیت کریمہ وللہ علی الناس الخ سے ثابت ہے اور حج قران آیت کریمہ واتموا الحج

والعمرۃ للّٰہ سے اور حج تمتع آیت کریمہ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج سے ثابت ہے لیکن ان میں سے کون افضل ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک سب سے زیادہ افضل حج قران ہے پھر تمتع اور پھر حج افراد ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے آل محمد تم حج و عمرہ کا احرام ایک ہی ساتھ باندھو اور اس لئے بھی کہ اس میں ایک ہی احرام سے دو عبادتیں ادا ہوتی ہیں اور احرام بھی بہت دنوں تک رہتا ہے جس میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اور امام شافعی نے حج افراد کو اور امام مالک و امام احمد بن حنبل نے حج تمتع کو افضل کہا ہے۔ منشاء اس اختلاف کا در اصل نبی کریم کے حج میں روایتوں کا اختلاف ہے چنانچہ متعدد روایتوں میں ہے کہ آپ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپکا حج تمتع تھا لیکن صحیحین وغیرہ کی بیس سے زائد احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے حج قران کیا تھا ان حدیثوں میں تطبیق اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے حج کا احرام باندھا تھا اس کے بعد عمرہ کو حج میں داخل فرمالیا تھا اس وجہ سے کہ اہل عرب موسم حج میں عمرہ کرنے کو گناہ عظیم سمجھتے تھے۔

وصفۃُ القرانِ اَنْ یُہلَّ بالعمرۃِ والحجِ معاً من المیقاتِ ویقولُ عقیبَ الصلوٰۃِ اللّٰھُمَّ انّی اُریدُ الحجَّ والعمرۃَ فیسّرھما وتقبّلھما منّی فاذا دخلَ مکۃَ ابتدأَ بالطوافِ فطافَ بالبیتِ سبعۃَ اشواطٍ یرملُ فی الثلاثۃِ الاُوَلِ منہا ویمشی فی ما بقی علیٰ ہیئتِہٖ وسعیٰ بعدہا بین الصفا والمروۃِ وہٰذہٖ افعالُ العُمرۃِ

ترجمہ: ــــــ اور قران کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے حج و عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھے اور نماز کے بعد کہے اللھم انی الخ اے اللہ میں حج اور عمرہ کرنا چاہتا ہوں پس ان دونوں کو میرے لئے آسان فرما اور ان کو میری طرف سے قبول فرما۔ پس جب مکہ میں داخل ہو تو طواف سے شروع کرے پس بیت اللہ شریف کا سات چکر طواف کرے پہلے تین چکروں میں رمل کرے اور باقی چکروں میں اپنی ہیئت پر چلے اور اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور یہ عمرہ کے افعال ہیں۔

تشریح: ــــــ قولہ صفۃ القران۔ قران کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے اور نماز یعنی احرام کی دو رکعتوں کے بعد یہ دعا کہے اللھم انی ارید الحج الخ یعنی اے اللہ میں حج و عمرہ کرنا چاہتا ہوں تو ان دونوں کو میرے لئے آسان کر دے اور ان کو میری طرف سے قبول فرما پھر جب مکہ میں داخل ہو تو طواف سے شروع کرے یعنی بیت اللہ کا طواف سات پھیروں سے کرے پہلے تین پھیروں میں رمل کرے اور باقی پھیروں میں اپنی چال سے چلے اور اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے یہ عمرہ کے افعال ہیں۔

قولہ[۲] ابتداء بالطواف ۔ قارن یعنی حج قران کرنے والا کو پہلے عمرہ کا افعال کرنا لازم ہے پس اگر کوئی پہلے حج کی نیت سے طواف کرے تو وہ عمرہ ہی کا کہلائے گا اور نیت لغو ہو جائے گی چونکہ آیت کریمہ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج میں جو کلمہ الیٰ ہے وہ انتہاء غایت کیلئے ہے پہلے عمرہ کو پہلے کرنا ضروری کہ انتہاء حج پر ہو سکے اور یہ آیت کریمہ اگرچہ تمتع سے متعلق ہے لیکن قران چونکہ تمتع ہی کے معنی میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ذریعہ ایک سفر میں دو عبادتیں ادا کی جاتی ہیں اس لئے قران کا ماخذ بھی آیت مذکورہ کو قرار دیا گیا ۔

ثُمَّ[۱] یطوفُ بعد السعی طوافَ القدومِ ویسعی بین الصفا والمروۃ للحج کما بیّنّاہُ فی حق المفرد فاذا رمی الجمرۃ یومَ النحر ذبح[۲] شاۃً او بقرۃً او بدنۃً او سُبُعَ بدنۃٍ او سُبُعَ بقرۃٍ فھذا دمُ القِران فان لم یکن لہ ما یذبح صام ثلاثۃ ایامٍ فی الحج آخرھا یوم عرفۃ فان فاتہ الصوم حتی دخل یوم النحر لم یجزہ الا الدمُ ثم یصوم سبعۃ ایامٍ اذا رجع الی اھلہ فان صامھا بمکۃ بعد فراغہ من الحج جاز فان لم یدخل القارنُ مکۃ وتوجہ الی عرفاتٍ فقد صار رافضاً لعمرۃ بالوقوف وسقط عنہ دمُ القِران وعلیہ دمٌ لرفض العمرۃ وعلیہ قضاؤھا

ترجمہ : ـــــ پھر سعی کے بعد طواف قدوم کرے اور صفا و مروہ کے درمیان حج کیلئے سعی کرے جیسا کہ حج مفرد کے حق میں ہم نے بیان کیا پس جب یوم نحر میں جمرہ کی رمی کر چکے تو بکری یا گائے یا اونٹ یا گائے میں ساتواں حصہ لے پس یہ دم قران ہے اگر اس کے پاس کوئی ایسا جانور نہ ہو جس کو ذبح کیا جائے تو ایام حج میں تین روزے رکھے اور آخری روزہ عرفہ کے دن ہو پس اگر روزے بھی فوت ہو جائے یہاں تک کہ قربانی کا دن آگیا تو اس کو سوائے دم کے کافی نہ ہوگا ۔ پھر جب اپنا گھر واپس آئے تو سات روزے رکھے پس اگر وہ روزے مکہ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھ لئے تب بھی جائز ہے پس اگر قارن مکہ میں داخل نہ ہو بلکہ عرفات چلا گیا تو وہ وقوف کی وجہ سے عمرہ کا تارک ہو گیا اور اس سے دم قران ساقط ہو گیا اور اس پر ایک خون ترک عمرہ کی وجہ سے لازم ہوگا اور اس پر عمرہ کی قضا بھی لازم ہوگی ۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] ثم یطوف ۔ یعنی سعی کے بعد طواف قدوم کرے پس اس صورت میں طواف دو ہوئے اور دو سعی ۔ اس کے قائل احناف ہیں لیکن امام شافعی اور امام مالکؒ اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل دونوں کیلئے ایک طواف اور ایک سعی قرار دیتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہو گیا یعنی

روایتوں میں تصریح ہے کہ قران میں حج و عمرہ دونوں کیلئے ایک ہی طواف کافی ہے۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ علیسی بن معبد نے جب دو طواف کئے اور دو سعی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ھدیت لسنۃ نبیک اور اس لئے بھی کہ قران کا معنی ہے ایک عبادت کو جو عمرہ ہے دوسری عبادت جو حج ہے اس کے ساتھ ضم کرنے کو پس لازم ہوا کہ ہر ایک کے افعال کو پورے طور پر ادا کیا جائے ورنہ تداخل لازم آئے گا جو عبادات مقصودہ میں ممنوع ہے۔

قولہ ذبح شاۃ۔ حج قران کے شکریہ میں یوم نحر میں جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد بکری یا گائے یا اونٹ کی قربانی کرے اور اگر کسی وجہ سے قربانی نہ کر سکے تو دس روزے رکھے ان میں تین تو وہیں یعنی یکم شوال سے ذوالحج کی نویں تاریخ تک احرام باندھنے کے بعد رکھے خواہ سات۔ آٹھ۔ نو۔ (۷۔۸۔۹) کو رکھے یا اس کے پہلے۔ بہتر ہے نویں سے پہلے ختم کر دے۔ اور یہ بھی اختیار ہے متفرق طور پر رکھے۔ تینوں کا پے در پے رکھنا کوئی ضروری نہیں اور سات روزے حج کا زمانہ گذرنے کے بعد یعنی تیرھویں کے بعد رکھے تیرھویں یا اس کے پہلے نہیں۔ ان سات روزوں میں اختیار ہے کہ وہیں رکھے یا مکان واپس آنے کے بعد۔ بلکہ بہتر مکان واپس آنے کے بعد ہے ان دسوں روزوں میں رات سے نیت ضروری ہے قارن کو قدرت ہونے پر قربانی اور بصورت عدم قدرت دس روزوں کے وجوب کا ثبوت اس آیت کریمہ سے ہے فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی الخ۔

قولہ فان لم یدخل القارن۔ قارن اگر مکہ میں داخل نہ ہو بلکہ سیدھے عرفات چلا جائے تو وقوف عرفہ کی وجہ سے وہ عمرہ کا تارک ہو گیا اور دم قران اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا کیونکہ جب اس نے عمرہ کو چھوڑ دیا تو یہ مثل مفرد کے یعنی فقط حج کرنے والا کے ہو گیا اور ظاہر ہے مفرد پر دم نہیں اور عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے ایک دوسرا دم اس پر لازم ہو گیا اور اس عمرہ کی قضا بھی اس پر لازم ہو گی جو ایام تشریق کے بعد پورا کیا جائے گا

بابُ التمتع

ترجمہ: ـــــــ تمتع کے مسائل کا بیان۔

التمتعُ افضلُ من الافرادِ عندنا والتمتعُ علیٰ وجھینِ متمتعٌ یسوق الھدی ومتمتعٌ لا یسوق الھدی

ترجمہ: ـــــــ حج تمتع ہمارے نزدیک حج افراد سے افضل ہے اور متمتع کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ہدی لئے

جائے اور دوسرا وہ جو ہدی نہ لے جائے۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] باب التمتع۔ حج قران کو تمتع پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ حج تمتع سے افضل ہے جیسا کہ گذرا تمتع ماخوذ ہے متاع یا متعہ سے جو لغت میں معنیٰ نفع حاصل کرنا یا نفع پہونچانا ہے اور اصطلاح میں تمتع کہتے ہیں میقات سے عمرہ کے احرام باندھنے کو اور عمرہ کیلئے طواف وسعی کرے پھر حلق یا قصر کرا کے احرام سے حلال ہو جائے

قولہ[۲] التمتع۔ تمتع احناف کے نزدیک حج افراد سے افضل ہے جب کہ امام شافعی حج افراد کو حج تمتع سے افضل قرار دیتے ہیں۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ تمتع کرنے والا میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آتا ہے اور پہلے عمرہ کے افعال ادا کرتا ہے پھر حج کا پس اس کا سفر عمرہ کیلئے ہوا اور افعال عمرہ کے بعد وہ حکماً مقیم ہو جاتا ہے اس لئے اس سے طواف قدوم ساقط ہو جاتا ہے برخلاف حج افراد کرنے والا کہ اس کا سفر حج کیلئے ہوتا ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ تمتع میں جمع بین العبادتین ہوتا ہے پس وہ قران کے مشابہ ہوا اور اس کا سفر حقیقۃً حج ہی کیلئے ہوتا ہے کہ عمرہ حج ہی کے تابع ہو تا ہے

قولہ[۳] المتمتع۔ یعنی متمتع کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جو ہدی یعنی جانور لے جائے دوسرا وہ کہ جو جانور نہ لے جائے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر جانور نہ لائے اور عمرہ کے بعد احرام کھول ڈالے تو حج کا احرام باندھے اور اس سے کوئی جنابت واقع ہو تو جرمانہ مثل مفرد کے لازم ہوگا اور اگر احرام باقی تھا تو جرمانہ قارن کی مثل ہوگا اور اگر جانور لائے تو بہرحال قارن کی مثل ہوگا۔

وصفۃُ التمتعِ اَن یبدأ من المیقاتِ فیحرم بالعمرۃِ ویدخلُ مکۃَ فیطوفُ لھا ویسعی ویحلقُ او یقصرُ وقد حلَّ من عمرتہٖ ویقطعُ التلبیۃَ اذا ابتداءَ بالطوافِ ویقیمُ بمکۃَ حلالاً فاذا[۱] کان یومُ الترویۃِ احرمَ بالحجِ من المسجدِ الحرامِ وفعل مایفعلہُ الحاجُ المفردُ وعلیہِ دمُ المتمتعِ فان لم یجدْ مایذبحُ صامَ ثلاثۃَ ایامٍ فی الحجِ وسبعۃً اذا رجعَ الی اھلہٖ

ترجمہ: ــــــ اور تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے شروع کرے پس عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ میں داخل ہو پس اس کا طواف کرے اور سعی کرے اور سر مونڈوائے یا کتروائے اور عمرہ سے حلال ہو جائے اور تلبیہ کو موقوف کر دے جب کہ طواف کو شروع کرے اور مکہ میں حلال ہو کر ٹھہرا رہے پس جب یوم ترویہ ہو تو حج کا احرام مسجد حرام سے باندھے اور کرے وہ کام جو صرف حج کرنے والا کرتا ہے اور اس پر دم تمتع لازم ہے پس اگر ذبح کیلئے کوئی جانور نہ پائے تو تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات اس وقت رکھے جب کہ اپنا گھر لوٹے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] صفۃ التمتع۔ تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ حاجی میقات سے احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہو اور عمرہ کیلئے طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور اس کے بعد سر مونڈوا کر یا بال کتروا کر اپنے عمرہ سے حلال ہوجائے اور جب طواف شروع کرے تو تلبیہ کہنا چھوڑ دے یعنی حجر اسود کو استلام کرنے کے بعد لبیک کہنا چھوڑ دے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالک نے کہا کہ بیت اللہ پر جوں ہی نظر پڑے تلبیہ ختم کردے کیونکہ عمرہ زیارت بیت اللہ کا نام ہے جس کا تحقق صرف دیکھنے سے ہوجاتا ہے۔ احناف کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے عمرۃ القضا میں استلام حجر کے وقت تلبیہ ختم کیا تھا اور اس لئے بھی کہ عمرہ سے مقصود طواف ہے یعنی طواف شروع کرنے کے وقت لبیک کہنا چھوڑ دے اور حلال ہوکر مکہ میں ٹھہرا رہے۔

قولہ[۲] فاذا کان یوم الترویۃ۔ جب ترویہ یعنی آٹھویں تاریخ ہو تو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے اگرچہ اس سے قبل بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے کیونکہ اس سے عبادت میں رغبت اور دلچسپی ظاہر ہوتی ہے اور مسجد حرام سے احرام باندھنا افضل ہے کیونکہ پورا حرم میقات ہے جہاں سے بھی احرام باندھا جائے۔

یہی کام صرف حج کرنے والا بھی کرے اور تمتع کرنے والا پر دم لازم ہوگا پس اگر دم میسر نہ ہو تو حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور جب گھر واپس ہو تو آتے وقت سات روزے رکھے۔

وانْ ارادَ المتمتع اَنْ یسوقَ الھدیَ احرمَ وساقَ ھدیَہ فاِنْ کانتْ بدنۃً قلّدھا بمزادۃٍ اَوْ نعلٍ و اَشعرَ[۲] البدنۃَ عند ابی یوسفَ ومحمدٍ رحمھما اللّٰہ وھو ان یشق سنامھا من الجانبِ الایمنِ ولا یُشعرُ عند ابی حنیفۃَ رحمہ اللّٰہ فاذا[۳] دخلَ مکۃَ طاف وسعیٰ ولم یحلّ حتی یحرمَ بالحج یومَ الترویۃِ فان قدّمَ[۴] الاحرامَ قبلہ جازَ وعلیہ دمُ التمتعِ فاذا حلقَ یومَ النحرِ فقد حلّ[۵] من الاحرامَیْنِ ولیسَ لاھلِ مکۃَ تمتعٌ ولا قِرانٌ وانما لھم الافرادُ خاصۃً

ترجمہ: ـــــ اور اگر متمتع ہدی لے جانا چاہئے تو احرام باندھ کر اپنی ہدی لے جائے پس اگر وہ اونٹ ہو تو اس کے گلے میں چمڑا یا جوتا ڈالدے اور اونٹ کو اشعار کرے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اور وہ یہ ہے کہ اس کے کوہان میں دائیں جانب سے زخم لگائے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اشعار نہ کرے پس جب مکہ میں داخل ہو تو طواف و سعی کرے اور حلال نہ ہو یہاں تک کہ ترویہ کے دن حج کا احرام باندھے پس اگر اس سے پہلے ہی احرام باندھ لیا تو بھی جائز ہے اور اس پر دم تمتع لازم ہے پس جب قربانی کے دن سر مونڈوالے تو دونوں احراموں سے حلال ہوجائے گا اور اہل مکہ کیلئے

نہ تمتع ہے اور نہ قران بلکہ ان کیلئے صرف حج افراد ہے۔

تشریح:۔ قولہ[۱] وان اراد۔ متمتع یعنی تمتع کرنے والا اگر ہدی لے جانا چاہے تو وہ عمرہ کا احرام باندھ کر اپنی ہدی کو لے جائے یہ اُس متمتع سے بہتر ہے جو اپنے ساتھ ہدی نہ لے جائے سرکار مدینہ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ذو الحلیفہ سے اپنے ساتھ ہدی لایا تھا پس اگر ہدی اونٹ ہے تو اس کی گردن میں پُرانا مشکیزہ یا پرانا جوتا ڈال دے اور یہ مشکیزہ وغیرہ جو ہدی کی گردن میں ڈالا جاتا ہے اہل عرب اس کو قلادہ کہتے ہیں اس سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ یہ ہدی ہے جو قربانی کیلئے بھیجی گئی ہے کیونکہ وہ لوگ جس جانور کو ہدی سمجھ لیتے ہیں تو اس کو پانی و گھاس وغیرہ سے نہیں روکتے۔

قولہ[۲] اشعر البدنۃ۔ اشعار صرف اونٹ میں مسنون ہے دوسرے جانوروں میں نہیں اور وہ بھی صاحبین کے نزدیک لیکن امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اشعار نہ کرے بلکہ بہتر ہے لوگوں کو اس کا ہدی ہونا ظاہر کرنے کیلئے اس کے کوہان پر خون چھینک دے۔

قولہ[۳] فاذا دخل۔ یعنی جب مکہ میں داخل ہو تو پہلے طواف کرے اور سعی کرے اور حلال نہ ہو یہاں تک کہ ترویہ کے دن دوسرا احرام باندھے اور اگر اس سے پہلے احرام باندھ لیا تو بھی جائز ہے اور اس پر دم تمتع لازم ہوگا۔ یہ دم شکرانہ کے طور پر ہے اور احرام باندھنے میں جس قدر جلدی ہو اتنا ہی افضل ہے پس جب قربانی کے دن سر مونڈوالے تو دونوں احرام سے حلال ہو جائے گا اور اہل مکہ کیلئے نہ تمتع ہے اور نہ قران ہے بلکہ ان کیلئے صرف حج افراد ہے اور اگر کسی مکہ والا نے ایسا کر لیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس گناہ کی وجہ سے اس پر دم لازم ہوگا۔

وإذا عاد المتمتع إلى بلده بعد فراغه من العمرة ولم يكن ساق الهدي بطل تمتعه[۱] ومن أحرم بالعمرة قبل أشهر الحج فطاف لها أقل[۲] من أربعة أشواط ثم دخلت أشهر الحج فتممها وأحرم بالحج كان متمتعاً فإن طاف لعمرته قبل أشهر الحج أربعة أشواط فصاعداً ثم حج من عامه ذلك لم يكن متمتعاً وأشهر[۳] الحج شوال وذو القعدة وعشر من ذي الحجة فإن قدم الإحرام بالحج عليها جاز إحرامه وانعقد حجه.

ترجمہ:۔ اور جب متمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے شہر کو لوٹ آیا اور وہ ہدی کو نہیں لے گیا تھا تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا کیونکہ اس نے دو عبادتوں کے درمیان اپنے اہل و عیال میں آکر اقامت پذیر ہوا جس نے کم طواف کیا پھر حج کے مہینے شروع ہو گئے اور اس نے طواف کے چکروں کو پورا کر کے حج کا احرام باندھ لیا

تو وہ متمتع ہو جائے گا اور اگر اشہر حج سے پہلے طواف عمرہ کے چار یا اس سے زائد پھیرے کر چکا پھر اسی سال حج کیا تو متمتع نہ ہوگا اور اشہر حج یہ ہیں۔ شوال۔ ذو قعدہ۔ اور ذو الحجہ کے دس دن پس اگر کسی نے ان سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا تو اس کا احرام جائز ہے اور حج درست ہو جائے گا۔

تشریح:۔ قولہ اذا عاد۔ یعنی متمتع اگر اپنے عمرہ سے فارغ ہو کر اپنے شہر کو چلا آئے اور وہ ہدی نہیں لے گیا تھا تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا کیونکہ اس نے دو عبادتوں کے درمیان اپنے اہل وعیال میں آکر اقامت پذیر ہوا جس سے تمتع باطل ہو جاتا ہے اور اگر وہ ہدی ساتھ لے گیا تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک تمتع باطل نہ ہوگا بلکہ اسے چاہئے کہ حج کے افعال ادا کرے اور اس کے بعد حلال ہو جائے اور امام محمد نے فرمایا کہ اس صورت میں بھی تمتع باطل ہے اس لئے کہ اس نے حج وعمرہ کو دو سفروں میں ادا کیا ہے شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ہدی لیجانا چونکہ تحلل سے مانع ہے اس لئے جب تک وہ تمتع کی نیت پر ہے اس کیلئے واپس ہونا ضروری ہے۔

قولہ ومن احرم۔ یعنی اگر کسی نے حج کے مہینوں سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا اور اس کے طواف کے چار پھیروں سے بھی کم کئے پھر حج کے مہینے شروع ہو گئے اور اس نے ان پھیروں کو پورا کر کے حج کا احرام باندھ لیا تو وہ شخص متمتع ہو جائے گا کیونکہ اکثر طواف اشہر حج میں ہوا ہے۔ اور اگر کسی نے حج کے مہینوں سے پہلے اپنے طواف کے چار پھیرے یا اس سے زیادہ کر لئے تھے اور پھر اسی سال اس نے حج کیا تو وہ متمتع نہ ہوگا کیونکہ اشہر حج میں اقل طواف پایا گیا اور مناسک میں اقل کیلئے معدوم کا حکم ہوتا ہے گویا اشہر حج میں طواف ہوا ہی نہیں۔

قولہ اشہر الحج۔ حج کے مہینے شوال۔ ذو قعدہ۔ ذی الحجہ کے دس دن ہیں امام ابو یوسف ذو الحجہ کی دسویں تاریخ کو اس میں داخل نہیں مانتے اس لئے کہ ذو الحجہ کی دسویں تاریخ کے طلوع فجر سے حج فوت ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وقت باقی رہتے ہوئے عبادت فوت نہیں ہوتی۔ دلیل امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی یہ ہے کہ طواف زیارت کا وقت ذو الحجہ کی دسویں تاریخ کے بعد سے ہی ہوتا ہے اور یہی روایت حضرت عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن مسعود وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

واذا حاضت المرأة عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت كما يصنع الحاج غير انها لا تطوف بالبيت حتى تطهر واذا حاضت بعد الوقوف بعرفة وبعد طواف الزيارة انصرفت من مكة ولا شئ عليها لترك طواف الصدر۔

ترجمہ: ـــــ اور جب عورت کو احرام کے وقت حیض آجائے تو وہ غسل کرکے احرام باندھ لے اور جس طرح حاجی کرتے ہیں اسی طرح کرے سوائے اس کے بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرے یہاں تک کہ پاک ہو جائے اور اگر وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد حیض آجائے تو وہ مکہ سے لوٹ جائے اور طواف صدر کو چھوڑنے کی وجہ سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔

قولہ[۱] واذا حاضت۔ یعنی احرام کے وقت اگر کسی عورت کو حیض آجائے تو وہ غسل کرکے احرام باندھے اور جس طرح حاجی کرتے ہیں اسی طرح کرے اور بیت اللہ شریف کے طواف کے علاوہ باقی افعال ادا کرے چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ جب مقام سرف میں پہونچی تو ان کو حیض شروع ہوگیا اور سرکار مدینہ کو جب یہ اطلاع پہونچی تو آپ نے ان کو یہی حکم مذکور صادر فرمایا اور اگر حیض وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد آئے تو وہ مکہ سے واپس اپنا مکان آجائے اور طواف صدر کو چھوڑ دے اور اس چھوڑنے کی وجہ سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔

بابُ[۱] الجنایاتِ

ترجمہ ـــــ قصوروں کا بیان

اذا[۲] تطیّبَ المحرمُ فعلیہ الکفّارۃُ[۳] فان تطیّبَ عضواً کاملاً فما زاد فعلیہ دمٌ وان تطیّبَ اقلّ من عضوٍ فعلیہ[۴] صدقۃٌ

ترجمہ: ـــــ جب کوئی محرم خوشبو لگائے تو اس پر کفارہ لازم ہے پس اگر پورے عضو یا اس سے زائد کو خوشبو لگائے تو اس پر دم لازم ہے اور اگر عضو سے کم میں خوشبو لگائے تو اس پر صدقہ لازم ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] باب الجنایات۔ محرموں کے احکام سے فارغ ہونے کے بعد اب ان عوارض وقصوروں کو بیان کیا جاتا ہے جو محرموں کو پیش آتے ہیں اور جنایات جمع جنایت لغت میں اس فعل کو کہا جاتا ہے جو شرعاً حرام ہو خواہ مال میں ہو یا نفس میں لیکن اصطلاح شرع میں جنایت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نفوس واعضاء میں ہو یعنی ایسے متعلق ہیں ہو یا نفس میں لیکن اصطلاح شرع میں جنایت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نفوس واعضاء میں ہو یعنی انکے متعلق احرام میں کوئی ممنوع فعل کرے

قولہ[۲] اذا تطیب المحرم۔ یعنی کوئی محرم اگر خوشبو لگائے تو اس پر کفارہ دینا واجب ہوگا پس اگر پورے

عضو یا اس سے زائد کو خوشبو لگائے تو اس پر دم واجب ہوگا اور اگر ایک عضو سے کم میں لگائے تو اس پر صدقہ واجب ہوگا دم سے مراد بھیڑ یا بکری ہے اور بدنہ سے اونٹ یا گائے۔ یہ تمام جانور ان ہی شرائط کیساتھ ہوں جو شرائط قربان میں ہیں۔

قولہ[۲] فعلیہ الکفارۃ۔ محرم اگر بلا عذر قصداً جرم کرے تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور گنہ گار بھی ہوگا پس اس صورت میں توبہ لازم آئے گا کیونکہ محض کفارہ سے پاک نہیں ہوگا جبتک کہ توبہ نہ کرے اور اگر نادانستہ یا عذر سے ہو تو صرف کفارہ لازم ہوگا۔ جرم سے کفارہ بہرحال لازم ہوگا یاد سے ہو یا بھول سے۔ اس کا جرم ہونا جانتا ہو یا نہیں۔ خوشی سے ہو یا مجبوری میں۔ سوتے میں ہو یا بیداری میں۔ نشہ میں ہو یا بے ہوشی یا ہوش میں۔ اس نے اپنے آپ کیا ہو یا دوسرے نے اس کے حکم سے کیا ہو۔

قولہ[۳] فعلیہ صدقۃ۔ خوشبو لگانا جب جرم قرار دیا یا تو بدن یا کپڑے سے دور کرنا ضروری ہے اور کفارہ دینے کے بعد زائل نہ کیا تو پھر دم وغیرہ لازم ہوگا۔

وَاِنْ[۱] لَبِسَ ثَوْباً مَخِیْطاً اَوْغَطّٰی رَاْسَہٗ یَوْماً کَامِلاً فَعَلَیْہِ دَمٌ وَاِنْ کَانَ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِکَ فَعَلَیْہِ صَدَقَۃٌ وَاِنْ[۲] حَلَقَ رُبُعَ رَاْسِہٖ فَصَاعِدًا فَعَلَیْہِ دَمٌ وَاِنْ حَلَقَ اَقَلَّ مِنَ الرُّبُعِ فَعَلَیْہِ صَدَقَۃٌ وَاِنْ حَلَقَ[۳] مَوْضِعَ الْمَحَاجِمِ مِنَ الرَّقَبَۃِ فَعَلَیْہِ دَمٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ صَدَقَۃٌ

ترجمہ: ــــــ اور اگر سلا ہوا کپڑا پہنا یا اپنا سر پورے دن ڈھانک کر رکھا تو اس پر دم لازم ہے اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر صدقہ لازم ہے اور اگر چوتھائی سر یا اس سے زائد مونڈوایا ہو تو اس پر دم لازم ہے اور اگر چوتھائی سر سے کم مونڈوایا ہو تو اس پر صدقہ لازم ہے اور اگر گدی پر پچھنے لگوانے کی جگہ مونڈوایا تو اس پر دم لازم ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اس پر صدقہ لازم ہے۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] وان لبس ثوباً۔ یعنی محرم نے سلا ہوا کپڑا دن بھر اسی طرح پہنا جس طرح عادۃً پہنا جاتا ہے یا معمولی لباس یعنی ٹوپی یا پگڑی سے دن بھر اپنا سر چھپائے رکھا تو دونوں صورتوں میں ایک دم واجب ہوگا اور دن بھر سے کم کی صورت میں صرف صدقہ واجب ہوگا اور اگر سلا ہوا کپڑا خلاف عادت پہنا مثلاً قمیص یا قبا کو بطور تہبند پہنا یا گٹھری وغیرہ اٹھانے کی صورت میں سر چھپائے رکھا تو اس صورت میں نہ دم واجب ہوگا اور نہ صدقہ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر کوئی نصف دن سے زیادہ سلا ہوا کپڑا پہنا رہا تو اس پر دم واجب ہوگا اور امام محمد

کا قول یہ ہے کہ جتنی دیر پہنے گا اتنا ہی دم واجب ہوگا مثلاً اگر کسی نے نصف دن پہنا ہے تو اس پر نصف بکری واجب ہوگی اور اگر نصف سے زیادہ یا کم پہنا ہے تو اس کی مقدار یہ بھی واجب ہوگی۔ اور اگر لگاتار کئی دن پہنا رہا۔ جب بھی ایک ہی دم واجب ہوگا جب کہ یہ لگاتار پہننا ایک طرح کا ہو یعنی عذر سے یا بلا عذر اور اگر مثلاً ایک دن بلا عذر تھا اور دوسرے دن عذر کیساتھ یا اس کا برعکس تو دو کفارے واجب ہوں گے۔

قولہ[۲] وان حلق ربع راسہ۔ محرم نے اگر چوتھائی سر کے بال مونڈ والئے تو اس پر دم واجب ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر پورے سر کے بال مونڈ وائے تو دم واجب ہے ورنہ نہیں گویا لاتحلقوا روسکم کے ظاہر پر عمل کیا گیا اس لئے کہ راس پورے سر کو کہا جاتا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ دم بہر صورت واجب ہے کم ہو یا زیادہ وہ قیاس کرتے ہیں بالوں کو حرم کی گھاس پر کہ اس میں قلیل و کثیر برابر ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ سر کے بعض حصہ کو مونڈنے میں کامل استفاع ہے اس لئے کہ یہ امر معتاد ہے چنانچہ بعض ترک بیچ سر کو اور بعض علوی پیشانی کے بالوں کو مونڈتے ہیں لہذا چوتھائی سر کے حلق میں کامل جنایت ہے پس دم واجب ہوگا۔

قولہ[۳] ان حلق موضع المحاجم۔ یعنی اگر کسی نے گدھی پر پچھنے لگوانے کی جگہ کے بال مونڈ وائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہے اور امام یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ صدقہ واجب ہے اور اگر پوری گردن کا بال مونڈ وایا تو اس پر بالاجماع دم واجب ہے کیونکہ وہ عضو کامل ہے۔

وَاِنْ قَصَّ اَظَافِيْرَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ قَصَّ يَدًا اَوْ رِجْلًا فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ قَصَّ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ اَظَافِيْرَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَاِنْ قَصَّ مِنْ خَمْسَةِ اَظَافِيْرَ مُتَفَرِّقَةٍ مِّنْ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ صَدَقَةٌ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ تَطَيَّبَ اَوْ حَلَقَ اَوْ لَبِسَ مِنْ عُذْرٍ فَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ ذَبَحَ شَاةً وَاِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ بِثَلَاثَةِ اَصْوُعٍ مِّنَ الطَّعَامِ وَاِنْ شَاءَ صَامَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ

ترجمہ: —— اور اگر اپنے دونوں ہاتھ اور پاؤں کے ناخن تراشے تو اس پر دم واجب ہے اور اگر ایک یا ایک پیر کے تراشے تو بھی اس پر دم واجب ہے اور اگر پانچ ناخنوں سے تراشے تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر پانچ ناخنوں سے کم متفرق طور پر تراشے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں سے تو اس پر صدقہ واجب ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پر دم واجب ہے اور اگر خوشبو لگایا یا بال مونڈ وایا یا سلا ہوا کپڑا پہنا عذر کی وجہ سے تو اس کو اختیار ہے۔ اگر چاہے بکری ذبح کرے اور اگر چاہے تو چھ مسکینوں پر تین صاع

گیہوں صدقہ کرے اور اگر چاہے تین روزے رکھے۔

تشریح: ـــــ قولہ وان قص اظافیرہ یعنی اگر کسی نے اپنے دونوں ہاتھ اور دونوں پیروں کے ناخن کو ایک ساتھ تراشے تو اس پر دم واجب ہے اور اگر ایک ہاتھ یا ایک پیر کے تراشے تب بھی واجب ہے اور اگر کسی ہاتھ یا پاؤں کے پورے پانچ ناخن نہ تراشے یعنی پانچ سے کم تراشے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ واجب ہے اور صدقہ سے مراد یہ ہے کہ ہر ناخن کے بدلے گیہوں کا نصف صاع صدقہ کر دینا واجب ہے اور اگر کسی نے پانچ ناخن اپنے دونوں ہاتھ اور دونوں پیروں سے مختلف طور پر تراشے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر صدقہ واجب ہے اسی پر فتوی ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ دم واجب

وَاِنْ قَبَّلَ اَوْلَمَسَ بِشَهْوَةٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ اَنْزَلَ اَوْلَمْ يُنْزِلْ وَمَنْ جَامَعَ فِىْ اَحَدِ السَّبِيْلَيْنِ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَسَدَ حَجُّهٗ وَعَلَيْهِ شَاةٌ وَيَمْضِىْ فِى الْحَجِّ كَمَا يَمْضِىْ مَنْ لَمْ يُفْسِدْ حَجَّهٗ وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُفَارِقَ امْرَاَتَهٗ اِذَا حَجَّ بِهَا فِى الْقَضَاءِ عِنْدَنَا وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ لَمْ يَفْسُدْ وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَمَنْ جَامَعَ فِى الْعُمْرَةِ قَبْلَ اَنْ يَطُوْفَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ اَفْسَدَهَا وَمَضٰى فِيْهَا وَقَضَاهَا وَعَلَيْهِ شَاةٌ وَاِنْ وَطِئَ بَعْدَ مَا طَافَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَلَا تَفْسُدُ عُمْرَتُهٗ وَلَا يَلْزَمُهٗ قَضَاؤُهَا وَمَنْ جَامَعَ نَاسِيًا كَمَنْ جَامَعَ عَامِدًا فِى الْحُكْمِ

ترجمہ: ـــــ اور اگر شہوت سے بوسہ لیا یا چھو لیا تو اس پر دم واجب ہے انزال ہو یا انزال نہ ہوا اور جس نے وقوف عرفہ سے پہلے فرج یا دبر میں جماع کیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر بکری واجب ہے اور یہ حج کے سب افعال کو اسی طرح کرے جیسے کوئی فاسد نہ کرنے والا کر رہا ہے اور اس پر اس کی قضا واجب ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ بیوی سے جدا ہو جائے جب اس کے ساتھ حج قضا کرے ہمارے نزدیک اور جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کی تو حج فاسد نہ ہوگا اور اس پر ایک بدنہ لازم ہوگا اور جس نے سر کو مونڈوانے کے بعد جماع کی تو اس پر بکری واجب ہے اور جس نے عمرہ میں چار چکر طواف سے پہلے جماع کی تو اس کو فاسد کر دیا اب اس کے افعال کر گذرے اور اس کی قضا کرے اور اس پر بکری واجب ہے اور اگر چار چکر طواف کے بعد وطی کی تو اس پر بکری واجب ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہ ہوگا اور نہ اس کی قضا لازم ہوگی اور جس نے بھول کر جماع کی تو وہ حکم میں اس کی مثل ہے جو جان کر جماع کرے۔

تشریح: ـــــ قولہ وان قبل۔ مباشرت فاحشہ اور شہوت کیساتھ بوس و کنار اور بدن مس کرنے پر دم واجب ہے اگرچہ انزال نہ ہوا اور بلا شہوت ہو تو کچھ نہیں۔ یا نحال عورت کیساتھ ہوں یا امرد کے ساتھ دونوں کا حکم ایک

ہے مرد کے ان افعال سے عورت کو لذت آتے تو عورت پر دم واجب ہے ۔
قولہ۲؎ و من جامع فی احدی ۔ یعنی اگر کسی نے وقوف عرفہ سے پہلے جماع کرلی خواہ فرج میں یا دُبر میں تو اس کا حج فاسد ہوگیا اور اس پر ایک بکری واجب ہے اور یہ حج کے تمام افعال کو اسی طرح کہے جس طرح کوئی فاسد نہ کرنے والا کرتا ہے عورت بھی اگر احرام حج میں تھی تو اس پر بھی یہی واجب ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ سے کسی نے ایسے شخص کے بارے دریافت کیا کہ جس نے اپنی بیوی سے جماع کرلی تھی اور دونوں حج کا احرام باندھے ہوئے تھے تو سرکار مدینہ نے فرمایا کہ دونوں قربانی کریں اور حج کے افعال کو دونوں پورے کریں اور آئندہ سال پھر دونوں پر حج واجب ہے
قولہ۳؎ لیس علیہ ۔ یعنی اس مرد پر احناف کے نزدیک یہ واجب نہیں کہ اگر اس کی بیوی بھی کہ جس کے ساتھ گذشتہ سال جماع کیا تھا، اس کے ساتھ حج کی قضا کرنا چاہے تو یہ اُس کو علیٰحدہ کردے ۔ اس کی وجہ یہ کہ میاں بیوی کے اکٹھے رہنے کا سبب نکاح ہے جو اب تک دونوں میں قائم ہے لہذا اس کے جدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں نہ احرام سے پہلے اور نہ اُس کے بعد بتقدیر اول اس لئے کہ اس وقت صحبت بھی درست تھی بتقدیر دوم اس لئے کہ اگر دونوں ہوں گے تو انہیں یہ بات ضرور یاد آجائے گی کہ ہم نے تھوڑی سی لذت کی وجہ سے اتنی بڑی مشقت اپنے ذمہ لے لی ہے ۔ اس سے ان کو ادر ندامت ہوگی اور پہلے سے بھی زیادہ پرہیز کریں گے لہذا علیحدہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ۔
قولہ۴؎ و من جامع بعد الوقوف ۔ یعنی اگر کسی نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کی تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ من وقف بعرفۃ فقد تم حجہ یعنی جس نے وقوف عرفہ کرلیا تو اس کا حج پورا ہوگیا ۔ البتہ حلق و طواف سے پہلے کیا تو بدنہ دے اور حلق کے بعد تو بکری ۔ اور بہتر اب بھی بدنہ ہے اور حلق و طواف کے بعد کیا تو کچھ نہیں ۔ طواف سے مراد اکثر طواف یعنی چار پھیرے ۔
قولہ۵؎ من جامع فی العمرۃ ۔ یعنی عمرہ میں چار پھیرے سے پہلے اگر جماع کیا تو عمرہ جاتا رہا ۔ بکری دے اور عمرہ کی قضا کرے اور اگر چار پھیروں کے بعد کیا تو بکری دے ۔ عمرہ صحیح ہے ۔
قولہ۶؎ من جامع ناسیاً ۔ جماع عام ہے کہ قصداً ہو یا بھولے سے یا سوتے میں یا اکراہ کے ساتھ ۔ سب کا ایک حکم ہے اور اگر جانور یا مردہ یا بہت چھوٹی لڑکی سے جماع کیا تو حج فاسد نہ ہوگا خواہ انزال ہو یا انزال نہ ہو مگر انزال ہو تو دم لازم ہوگا ۔ عورت نے جانور سے وطی کرائی یا کسی آدمی یا جانور کا کٹا ہوا آلہ اندر کرلیا ۔ حج فاسد ہوگیا ۔

و۱؎ من طاف طواف القدوم محدثاً فعلیہ صدقۃ۲؎ وان کان جنباً فعلیہ شاۃ۳؎ وان طاف طواف الزیارۃ محدثاً فعلیہ شاۃ وان کان جنباً فعلیہ بدنۃ والافضل۴؎ ان یعید الطواف مادام بمکۃ و ذبح

علیہ ومن طاف طواف الصدر محدثاً فعلیہ صدقۃ وان کان جنباً فعلیہ شاۃ ۔

ترجمہ: ــــ اور جس نے طواف قدوم بے وضو ہو کر کیا تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر جنبی تھا تو اس پر بکری واجب ہے اور اگر طواف زیارت بے وضو ہو کر کیا تو اس پر بکری واجب ہے اور اگر جنبی تھا تو اس پر بدنہ واجب ہے اور افضل یہ ہے کہ طواف واجب ہے اور اگر جنبی تھا تو اس پر بکری واجب ہے ۔

تشریح: ــــ قولہ[1] ومن طاف ۔ یعنی اگر کوئی شخص بے وضو طواف قدوم کرلے تو اس پر صدقہ واجب ہے کیونکہ احناف کے نزدیک طواف کیلئے طہارت شرط نہیں ۔ امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں ۔ وہ طہارت کو شرط قرار دیتے ہیں ۔ دلیل احناف کی یہ آیت کریمہ ہے ۔ ولیطوفوا بالبیت العتیق میں طواف کا حکم ہے لیکن اس میں طہارت کی کوئی قید نہیں اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں اور طواف قدوم اگر جنابت کی حالت میں کیا تو بکری واجب ہوگی اس لئے کہ طواف میں نقص پیدا ہو گیا اور طواف قدوم چونکہ طواف رکن سے کم درجہ کا ہے اس لئے صرف بکری کافی ہوگی ۔

قولہ[2] فعلیہ صدقۃ ۔ جہاں بھی صدقہ مذکور ہے اس سے مراد نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور ہے البتہ ٹڈی اور جوں کے مارنے یا چند بالوں کے اکھاڑنے میں جو صدقہ مذکور ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی مقدار متعین نہیں جتنا چاہے دے ۔

قولہ[3] وان طاف طواف الزیارۃ ۔ یعنی اگر کوئی شخص بے وضو طواف زیارت کیا تو اس پر بکری واجب ہے کیونکہ اس نے ایک رکن میں نقص پیدا کر دیا پس یہ جنایت بہ نسبت طواف قدوم کے زیادہ اہم ہوئی اور اگر طواف زیارت ناپاکی کی حالت میں کیا تو بدنہ واجب ہے کیونکہ ناپاکی بہ نسبت بے وضو ہونے کے اغلظ ہے اور اس لئے بھی کہ ناپاکی کی تقدیر پر دو طریقے سے قصور وارد ہے ایک ناپاکی کی حالت میں طواف کرنا اور دوسرا مسجد میں داخل ہونا اور بے وضو ہونے سے صرف ایک طریقہ سے تصور وارد ہے ۔ وہ بے وضو طواف کرنا ۔

قولہ[4] والافضل ان یعید ۔ اگر ناپاکی کی حالت میں طواف کیا تو اعادہ واجب ہے اور اگر حدث کی حالت یعنی بے وضو طواف کیا تو اعادہ مستحب ہے پھر اگر اس نے بے وضو طواف کرنے کے بعد اعادہ کر لیا یا جنابت کی حالت میں طواف کیا تھا پھر غسل کرنے کے بعد ایام نحر میں اعادہ کر لیا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں نہ ذبح اور نہ صدقہ اور اگر ایام نحر کے بعد اعادہ کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا اور بدنہ ساقط

ہوجائے گا۔

قولہ[۵] من طاف طواف الصدر۔ یعنی اگر کوئی شخص بے وضو طواف صدر کیا تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر جنابت کی حالت میں طواف صدر کیا تو اس پر بکری واجب ہے چونکہ جرم اس صورت میں زیادہ ہے اس لئے سزا بھی بڑھا دی گئی۔

وان[۱] ترک طواف الزیارۃ ثلاثۃ اشواطٍ فما دونہا فعلیہ شاۃٌ وان ترک اربعۃ اشواطٍ بقی محرماً ابداً حتی یطوفہا ومن ترک ثلاثۃ اشواطٍ من طوافِ الصدر فعلیہ صدقۃٌ وان ترک طواف الصدر او اربعۃ اشواطٍ منہ فعلیہ شاۃٌ ومن[۲] ترک السعی بین الصفا والمروۃ فعلیہ شاۃٌ وحجہ تامٌ ومن افاض[۳] من عرفاتٍ قبل الامام فعلیہ دمٌ ومن[۴] ترک الوقوف بمزدلفۃ فعلیہ دمٌ ومن ترک[۵] رمی الجمار فی الایام کلہا فعلیہ دمٌ وان ترک رمی احدی الجمار الثلاث فعلیہ صدقۃٌ وان ترک رمی جمرۃ العقبۃ فی یوم النحر فعلیہ دمٌ ومن[۶] اخر الحلق حتی مضت ایام النحر فعلیہ دمٌ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ و کذلک ان اخر طواف الزیارۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ

ترجمہ: ـــــ اور اگر طواف زیارت کے تین یا اس سے کم چکر چھوڑ دیا تو اس پر بکری واجب ہے اور اگر چار چکر چھوڑ دیا تو وہ محرم ہی رہے گا یہاں تک کہ وہ طواف کرے اور جس نے طواف صدر کے تین چکر چھوڑا تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر پورا طواف صدر یا اس کے چار چکر چھوڑا تو اس پر ایک بکری واجب ہے اور جس نے صفا و مروہ کے درمیان سعی چھوڑ دی تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔ اور اس کا حج پورا ہو گیا۔ اور جو شخص امام سے پہلے عرفات سے چلا آیا تو اس پر دم واجب ہے اور جس نے وقوف مزدلفہ چھوڑ دیا تو اس پر دم واجب ہے اور جس نے سب دنوں کی رمی جمار چھوڑ دی تو اس پر دم واجب ہے۔ اور اگر تینوں جمروں میں سے کسی ایک کی رمی چھوڑ دی تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو اس پر دم واجب ہے اور جس نے سر مونڈوانے کو موخر کر دیا یہاں تک کہ قربانی کے دن گذر گئے تو اس پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم واجب ہے اور اسی طرح طواف زیارت کو امام ابوحنیفہ کے نزدیک موخر کر دیا۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وان ترک طواف الزیارۃ۔ یعنی اگر کسی نے طواف زیارت کے تین پھیرے یا اس سے کم چھوڑ دیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے اور اگر چار پھیرے چھوڑ دیا تو وہ جب تک اس طواف کو نہ کرے گا حالت

احرام ہی میں رہے گا کیونکہ متروک نصف سے زیادہ ہے پس یہ ایسا ہی ہوگیا گویا ابھی اس نے بالکل طواف ہی نہیں کیا۔ اسی طرح اگر کسی نے طواف صدر کے تین پھیرے چھوڑ دیا تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر طواف صدر کو بالکل چھوڑ دیا یا اس کے چار پھیرے چھوڑ دیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔

قولہ ۲ ومن ترک السعی ۔ یعنی اگر کسی نے بلا عذر صفا و مروہ کے درمیان مطلقاً سعی کو چھوڑ دیا یا اس کے چار پھیرے یا اس سے زیادہ چھوڑ دیا یا سواری پر سعی کیا تو اس پر بکری واجب ہے اور حج پورا ہوگیا اور چار سے کم ہر پھیرے کا بدلہ صدقہ ہے کیونکہ سعی احناف کے نزدیک واجب ہے پس اس کے ترک سے دم واجب ہوگا برخلاف امام شافعی کہ ان کے نزدیک طواف زیارت کی طرح سعی بھی فرض ہے۔ اور اگر اعادہ کر لیا تو بکری و صدقہ ساقط ہے اور اگر عذر کے سبب ایسا ہوا تو معاف ہے یہی ہر واجب کا حکم ہے کہ عذر صحیح سے ترک کر سکتا ہے۔

قولہ ۳ ومن افاض ۔ یعنی محرم اگر امام سے پہلے اور غروب آفتاب سے قبل عرفات سے چلا آیا تو اس پر دم واجب ہے اور آنا عام ہے کہ اختیار سے ہو یا بلا اختیار۔ البتہ غروب آفتاب کے بعد اگر آیا تو کچھ واجب نہیں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے کہا کہ غروب آفتاب سے پہلے آنے میں بھی کوئی چیز واجب نہیں کیونکہ رکن تو صرف وقوف ہے نہ کہ دوامیت اور نفس وقوف ادا ہو چکا پس ترک دوامیت سے کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔ دلیل احناف کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول فادفعوا بعد غروب الشمس میں ادفعوا امر ہے جو وجوب پر دال ہے اور ترک واجب سے دم لازم آتا ہے۔

قولہ ۴ ومن ترک الوقوف ۔ جس کسی نے مزدلفہ کا وقوف چھوڑ دیا یعنی دسویں تاریخ کی صبح کو مزدلفہ میں بلا عذر وقوف نہ کیا تو اس پر دم واجب ہے البتہ کمزور آدمی یا عورت بخوف ازدحام وقوف ترک کر دے تو جرمانہ نہیں۔

قولہ ۵ ومن ترک رمی الجمار ۔ کسی نے اگر سب دنوں میں جمروں کی رمی یعنی ان پر کنکریاں مارنی چھوڑ دی یعنی کسی دن بھی رمی نہیں کی یا ایک دن کی رمی بالکل یا اکثر چھوڑ دی مثلاً دسویں تاریخ کو تین کنکریاں تک ماریں یا گیارہویں یا بارہویں کو دس کنکریاں تک یا کسی دن کی بالکل یا اکثر رمی دوسرے دن کی تو ان سب صورتوں میں دم واجب ہے اور اگر کسی دن کی نصف سے کم چھوڑی مثلاً دسویں کو چار کنکریاں ماریں تین چھوڑ دیں یا اور دنوں کی گیارہ ماریں دس چھوڑ دیں یا دوسرے دن کی تو ہر کنکری پر ایک صدقہ دے اور اگر صدقوں کی قیمت دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کر دے۔

قولہ ۶ ومن اخر الحلق ۔ یوم نحر یعنی قربانی کے دن ترتیب وار چار چیزیں واجب ہیں اور وہ یہ ہیں

(۱) جمرہ عقبہ کی رمی (۲) ذبح کرنا قارن ومتمتع کیلئے (۳) سر مونڈوانا (۴) طواف زیارت کرنا پس ان امور کی تقدیم و تاخیر امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک کچھ بھی واجب نہیں ۔ دلیل ان کی یہ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مختلف افعال کی تقدیم و تاخیر سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا افعل ولا حرج ۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جو ایک نسک کو دوسرے نسک پر مقدم کرے اس پر دم واجب ہے اور حدیث مذکور میں جو نفی حرج ہے اس سے مراد گناہ وفساد حج کی نفی ہے ۔ جزاء و فدیہ کی نفی نہیں ۔

وَاِذَا قَتَلَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا اَوْ دَلَّ عَلَيْهِ مَنْ قَتَلَهٗ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ سَوَاءٌ فِىْ ذٰلِكَ الْعَامِدُ وَالنَّاسِىْ وَالْمُبْتَدِىْ وَالْعَائِدُ وَالْجَزَاءُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اَنْ يُقَوَّمَ الصَّيْدُ فِى الْمَكَانِ الَّذِىْ قَتَلَهٗ فِيْهِ اَوْ فِىْ اَقْرَبِ الْمَوَاضِعِ مِنْهُ اِنْ كَانَ فِىْ بَرِّيَّةٍ يُقَوِّمُهٗ ذَوَا عَدْلٍ ثُمَّ هُوَ مُخَيَّرٌ فِى الْقِيْمَةِ اِنْ شَاءَ ابْتَاعَ بِهَا هَدْيًا فَذَبَحَهٗ اِنْ بَلَغَتْ قِيْمَتُهٗ هَدْيًا وَاِنْ شَاءَ اشْتَرٰى بِهَا طَعَامًا فَتَصَدَّقَ بِهٖ عَلٰى كُلِّ مِسْكِيْنٍ وَعَنْ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ وَاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْ كُلِّ نِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ يَوْمًا وَعَنْ كُلِّ صَاعٍ مِنْ شَعِيْرٍ يَوْمًا فَاِنْ فَضَلَ مِنَ الطَّعَامِ اَقَلُّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ فَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ بِهٖ وَاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْهُ يَوْمًا كَامِلًا ۔

ترجمہ : ـــــــ اور جب محرم نے شکار کیا یا شکار کرنے والے کو بتایا تو اس پر جزا واجب ہے عام ہے کہ اس میں جان کر ہو یا بھول کر اور پہلی بار ہو یا دوسری بار بتلانے والا اور جزا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ شکار کی قیمت لگائی جائے اس جگہ کی جہاں شکار کیا ہے یا اس سے قریب کی جگہ ۔ اگر جنگل میں دو منصف آدمی ہوں تو اس کی قیمت ٹھہرائیں پھر اُسے اختیار ہے چاہے اس سے ہدی خرید کر ذبح کرے اگر اس کی قیمت ہدی کو پہونچ جائے اور چاہے اس سے غلہ خرید کر ہر مسکین کو صدقہ کر دے نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو اور چاہے ہر نصف صاع گیہوں کی طرف سے روزہ رکھ لے اور ہر صاع گیہوں کی طرف سے ایک روزہ رکھے پس اگر غلہ بچ جائے نصف صاع سے کم تو اس کو اختیار ہے چاہے صدقہ کرے اور چاہے اس کی طرف سے ایک کامل روزہ رکھ لے ۔

تشریح : ـــــــ قولہ اذا قتل ۔ یعنی اگر کسی محرم نے خود شکار کیا یا کسی شکار کو شکاری کی اطلاع دی تو اس پر اس شکاری کی جزا واجب ہے اور جزا واجب ہونے پر جان کر اطلاع دینے والا اور بھول کر اطلاع دینے والا اور پہلی دفعہ اطلاع دینے والا اور دوسری دفعہ اطلاع دینے والا ۔ سب برابر ہیں ۔ شکار خواہ حل کا ہو یا حرم کا ۔ بتقدیر اول یعنی خود سے شکار کرنے پر وجوب جزا اس لئے ہے کہ آیت کریمہ ومن قتلہ منکم متعمدا فجزاء میں وجوب جزا کی تصریح ہے بتقدیر دوم یعنی

دوسرے کو اطلاع دینے پر وجوب جزا اس لئے ہے کہ حدیث شریف ھل اشرتم ھل دللتم میں شکار کی اطلاع دینے والے کو بھی محظورات میں شمار کیا گیا ہے۔

قولہ[۲] والجزاء۔ یعنی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جزا یہ ہے کہ جس مقام پر اس کو شکار کیا گیا ہے اس مقام کے اعتبار سے اس کی قیمت ٹھہرائی جائے اور اگر جنگل میں ہے تو جو آبادی اس کے قریب ہو وہاں دو منصف آدمی قیمت ٹھہرائیں۔ قیمت ٹھہرانے میں ایک آدمی بھی کافی ہے اور اگر دو آدمی ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ قیمت میں اختیار ہے کہ اس سے ایک ہدی خرید کر اس کی قربانی کر دے اگر اس کی قیمت میں ہدی آسکے اور اگر چاہے تو اس قیمت کا غلہ خرید کر دو مسکینوں کو خیرات کر دے اور اگر گیہوں ہو تو ہر مسکین کو نصف صاع دے اور اگر چھوہارہ یا جَو ہے تو ہر مسکین کو ایک ایک صاع دے اور اگر چاہے تو اس حساب سے روزے رکھ لے یعنی گیہوں کے نصف صاع کے عوض ایک روزہ اور جَو وغیرہ کے پورے صاع کے عوض ایک روزہ پھر اگر نصف صاع سے کم غلہ بچ جائے تو اس میں بھی اس کو اختیار ہے۔ چاہے اس کو خیرات کر دے اور چاہے اس کے عوض سارے دن کا روزہ رکھ لے۔ سارے دن کی قید اس لئے ہے کہ نصف صاع سے کم غلہ ہونے کی وجہ سے کوئی یہ نہ کرے کہ روزہ کمی کر دے کیونکہ دن سے کم کا روزہ رکھنا جائز نہیں۔

وقال محمدٌ رحمہ اللہ[۱] یجبُ فی الصیدِ النظیرُ فیمالہٗ نظیرٌ ففی الظبی شاۃٌ وفی الضبع شاۃٌ وفی الارنبِ عناقٌ وفی النعامۃِ بدنۃٌ وفی الیربوعِ جفرۃٌ ومَنْ جرحَ صیداً اَوْ نتفَ شعرہٗ اَوْ قطعَ عضواً منہ ضمنَ مانقص من قیمتہٖ وانْ نتفَ ریشَ طائرٍ اَوْ قطعَ قوائمَ صیدٍ فخرجَ بہ من حیزِ الامتناعِ فعلیہِ قیمتہٗ کاملۃً ومَنْ کسرَ بیضَ صیدٍ فعلیہِ قیمتہٗ فانْ خرجَ من البیضۃِ فرخٌ میتٌ فعلیہِ قیمتہٗ حیاً

ترجمہ: ـــــ اور امام محمد نے فرمایا کہ شکار میں نظیر واجب ہے اس میں جس کی نظیر ممکن ہو پس ہرن میں بکری اور بجو میں بکری اور خرگوش میں عناق ہے اور شتر مرغ میں بدنہ ہے اور جنگلی چوہے میں جفرہ ہے اور جس نے شکار کو زخمی کیا یا اس کے بال کو اکھیڑ دیا یا اس کا عضو کاٹ دیا تو اس کی قیمت کے نقصان کا ضامن ہوگا اور اگر پرندے کے پر کو نوچ دیا یا شکار کے پاؤں کاٹ دیا پس وہ اپنے تحفظ سے نکل گیا تو اس پر پوری قیمت ہے اور اگر شکار کے انڈے پھوڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت ہے پس اگر انڈے سے مردہ بچہ نکلا تو اس پر زندہ کی قیمت ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وقال محمد۔ یعنی مثلی شکار میں اس کی مثل ہی واجب ہوگی مثلاً ہرن اور بجو کے شکار کرنے میں بکری ہے اور خرگوش میں عناق یعنی بکری کا چھ ماہی بچہ ہے اور شتر مرغ میں بدنہ ہے اور لومڑی میں جفرہ یعنی بکری کے چار ماہ

کا بچہ ہے۔ اس سلسلہ میں امام محمد اور امام شافعی کا اصول یہ ہے کہ جزا میں مماثلت ظاہری یعنی ہم شکل ہونا ضروری ہے اسی بنا پر ہرن میں بکری واجب ہے کیونکہ آیت کریمہ فجزاء مثل ما قتل من النعم کی تقدیر فعلیہ جزاء من النعم مثل المقتول ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ آیت کریمہ میں مثل مطلق ہے اور مماثلت مطلقہ وہ ہے جو صورۃً اور معنیً دونوں اعتبار سے مماثل ہو اور مماثلت مطلقہ بالاتفاق مراد نہیں پس مماثلت معنویہ متعین ہو گئی اس لئے کہ شرع میں یہی معہود ہے چنانچہ حقوق العباد میں مماثلت معنویہ کا اعتبار ہوتا ہے اسی طرح دوسری آیت فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم میں مثل سے مراد بالاجماع قیمت ہے۔

قولہ[۲] ومن جرح۔ یعنی اگر کسی نے کسی شکار کو زخمی کر دیا یا اس کے بال اکھیڑ لئے یا اس کا کوئی عضو کاٹ ڈالا تو جتنا نقصان اس کی قیمت میں آئے گا اس کا دینا واجب ہے اور اگر پرندوں کے پر اکھیڑ لئے یا کسی شکار کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے کہ اب وہ پرندہ اڑ نہیں سکتا یا وہ شکار دوڑ نہیں سکتا تو اس صورت میں اس پر اس کی پوری قیمت واجب ہے اور اگر کسی پرندہ کا انڈا توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے اور اگر انڈے میں سے مرا ہوا بچہ نکلا تو اس جیسے زندہ بچہ کی قیمت اس پر واجب ہے۔

ولیس فی قتل الغُراب والحدأۃ والذئب والحیّۃ والعقرب والفارۃ والکلب العقور جزاءٌ ولیس فی قتل البعوض والبراغیث والقراد شیٌ ومن قتل قملۃً تصدق بما شاء ومن قتل جرادۃً تصدق بما شاء وتمرۃٌ خیرٌ من جرادۃٍ ومن قتل ما لا یؤکل لحمہ من السباع ونحوھا فعلیہ الجزاء ولا یتجاوز بقیمتہا شاۃً[۲] وان صال السبع علی محرمٍ فقتلہ فلا شیٔ علیہ وان اضطر المحرم الی اکل لحم صیدٍ فقتلہ فعلیہ الجزاءُ

ترجمہ: ـــــ اور کوے اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور چوہے اور کٹکھنے کتا کے مارنے میں جزا نہیں اور مچھر اور پسو اور چیچڑی کے مارنے میں کچھ نہیں اور جس نے جوں ماردی تو جتنا چاہے صدقہ کرے اور جس نے ٹڈی ماردی تو جتنا چاہے صدقہ کرے اور ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے اور کسی نے غیر ماکول اللحم درندے وغیرہ کو مار ڈالا تو اس پر جزا ہے جس کی قیمت ایک بکری سے نہ بڑھے اور اگر درندہ نے محرم پر حملہ کیا پس محرم نے اس کو مار ڈالا تو اس پر کچھ نہیں اور اگر محرم شکار کھانے پر مجبور ہو جائے پس وہ شکار کرلے تو اس پر جزا ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ولیس فی قتل الغراب۔ یعنی محرم اگر کوے یا چیل وغیرہ کو مار ڈالے تو اس پر کوئی چیز

واجب نہیں چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت ہے سرکار مدینہ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ جانور ایسے ہیں کہ ان کو مارنے سے محرم پر کوئی گناہ نہیں (۱) بچھو (۲) چوہا (۳) کاٹ کھانے والا کتا (۴) کوا (۵) چیل۔ مسلم اور ابو داؤد کی روایت میں سانپ اور حملہ آور جانور اور بھیڑیے کا بھی ذکر ہے۔ اور مچھر اور پسو اور چیچڑی کے مارنے میں کچھ واجب نہ ہونے کی وجہ یہ کہ وہ شکار نہیں اور نہ بدن کے میل وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں اس کے علاوہ وہ بالذات موذی نہیں اس لئے ان کے مارنے میں جزا واجب نہیں۔

قولہ[۲] من قتل جرادۃ۔ یعنی محرم نے اگر کسی ٹڈی کو مار دیا تو وہ جو کچھ چاہے صدقہ دے اور ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے۔ اور اگر محرم نے درندوں وغیرہ یعنی ایسے جانوروں کو مار دیا جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اس پر جزا واجب ہے اور جزا ایسی ہو کہ اس کی قیمت بکری کی قیمت سے زیادہ نہ ہو۔ درندوں سے مراد مثلاً شیر۔ چیتا۔ بگھیرا۔ کفتار اور وغیرہ سے مراد پرندہ شکار ہے جیسے باز و شکرا وغیرہ۔

قولہ[۳] وان صال۔ یعنی کسی درندہ نے اگر محرم پر حملہ کیا اور اس محرم نے اس کو مار دیا تو اس پر کچھ واجب نہیں اور اگر کسی محرم کو بھوک کی شدت اتنی ہو کہ وہ شکار کھانے پر مجبور ہو تو اگر وہ شکار کرلے تو جزا واجب ہے اس لئے کہ وجوب کفارہ نص قرآنی فمن کان منکم مریضاً او اذیً من راسہ ففدیۃٌ سے ثابت ہے پس اضطرار کی وجہ سے جزاء صید ساقط نہ ہوگی جس طرح قصاص ساقط نہیں ہوتا۔

ولا[۱] باس بان یذبح المحرمُ الشاۃَ والبقرۃَ والبعیرَ والدجاجَ والبطَّ الکسکریَ وان قتل حماماً مسرولاً او ظبیاً مستانساً فعلیہ الجزاءُ وان[۲] ذبح المحرمُ فذبیحتہٗ میتۃٌ لا یحل[۳] اکلہا ولا باس بان یاکل المحرمُ لحمَ صیدٍ اصطادہٗ[۴] حلالٌ وذبحہٗ اذا لم یدلہٗ المحرمُ علیہ ولا امرہٗ بصیدہٖ وفی صید الحرم اذا ذبحہٗ الحلال[۵] الجزاءُ

ترجمہ: ——— اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم بکری یا گائے یا اونٹ یا مرغی یا بط کسکری ذبح کرے اور اگر پاموز کبوتر یا مانوس ہرن مار دیا تو اس پر جزا ہے اور اگر محرم نے شکار کو ذبح کیا تو اس کا ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا درست نہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم اس شکار کا گوشت کھائے جس کو کسی حلال آدمی نے شکار کیا ہو اور اس نے ذبح کیا ہو جب کہ محرم نے وہ شکار نہ بتایا ہو اور نہ شکار کرنے کا حکم کیا ہو اور حرم کے شکار میں جب کہ اس کو حلال آدمی ذبح کرے جزا ہے۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] ولا باس۔ یعنی اس میں کوئی حرج نہیں کہ بکری اور گائے اور اونٹ اور مرغی اور گھر کی پلی ہوئی بطخ کو محرم ذبح کرے اور اگر وہ پا موز کبوترا و پلے ہوئے ہرن کو ذبح کرے تو اس پر جزا واجب ہے کیونکہ وہ دونوں جانور اصل میں وحشی اور جنگلی ہیں اور ان کا پلا ہوا ہونا عارضی امر ہے اس لئے اس کا اعتبار نہ ہوگا

قولہ[۲] وان ذبح المحرم۔ محرم اگر کسی شکار کو ذبح کرے تو اس کا ذبح کیا ہوا مردار ہے اس کا کھانا نہ محرم کیلئے حلال ہے اور نہ اس کے علاوہ کیلئے۔ امام شافعی نے کہا کہ دوسرے کیلئے حلال ہے اور احرام سے حلال ہو جانے کے بعد خود اس کیلئے بھی حلال ہے چنانچہ ان کا قول یہ ہے کہ جب زکوٰۃ حقیقۃً موجود ہو تو وہ لامحالہ اپنا عمل کرے گی البتہ محرم نے چونکہ منہی عنہ فعل کا ارتکاب کیا ہے اس لئے عقوبۃً اس کیلئے حرام ہے پس دوسرے کیلئے اصل حلت برقرار ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ محرم کے احرام نے شکار کو حلت سے اور ذبح کو حلال کرنے کی اہلیت سے نکال دیا ہے پس اس کا فعل زکوٰۃ نہیں ہو سکتا۔ انعدام حلیت صید تو اس لئے ہے کہ آیت کریمہ حرم علیکم صید البر میں عین صید کو حرام قرار دیا گیا ہے اور انعدام اہلیت ذبح اس لئے ہے کہ آیت کریمہ لاتقتلوا الصید وانتم حرم میں قتل سے تعبیر کیا گیا ہے نہ کہ ذبح سے۔

قولہ[۳] اصطادہ حلال۔ یعنی محرم کیلئے اس جانور کا گوشت حلال ہے جس کو کسی حلال آدمی نے شکار کیا ہو بشرطیکہ محرم نے شکار کی طرف اشارہ نہ کیا ہو اور نہ کسی طرح کی معاونت کی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک نے کہا کہ محرم کیلئے وہ شکار جائز نہیں جو غیر محرم نے محرم کے واسطے کیا ہو چنانچہ نبی کریم کا ارشاد ہے کہ تمہارے لئے شکار حلال ہے جب تک تم شکار نہ کرو؟ یا تمہارے واسطے نہ کیا جائے۔ احناف کی دلیل حدیث مذکور ہل اشرتم ہل دللتم الخ ہے۔

وَاِنْ قَطَعَ حَشِيْشَ الْحَرَمِ اَوْ شَجَرَهُ الَّذِىْ لَيْسَ بِمَمْلُوْكٍ وَلَا هُوَ مِمَّا يُنْبِتُهُ النَّاسُ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ[۱] وَكُلُّ شَيْئٍ[۲] فَعَلَهُ الْقَارِنُ مِمَّا ذَكَرْنَا اَنَّ فِيْهِ عَلَى الْمُفْرِدِ دَمًا فَعَلَيْهِ دَمَانِ دَمٌ لِحَجَّتِهِ وَدَمٌ لِعُمْرَتِهِ اِلَّا اَنْ يَتَجَاوَزَ الْمِيْقَاتَ مِنْ غَيْرِ اِحْرَامٍ ثُمَّ يُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ فَيَلْزَمُهُ دَمٌ وَاحِدٌ وَاِذَا اشْتَرَكَ[۳] مُحْرِمَانِ فِىْ قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْجَزَاءُ كَامِلًا وَاِذَا اشْتَرَكَ حَلَالَانِ فِىْ قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِمَا جَزَاءٌ وَاحِدٌ وَاِذَا بَاعَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا اَوِ ابْتَاعَهُ فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ۔

ترجمہ: ــــــ اور اگر کسی نے حرم کی گھاس یا اس کا وہ درخت کاٹا جو نہ کسی کا مملوک ہے اور نہ ان درختوں میں

سے ہے جس کو لوگ بوتے ہیں تو اس پر اس کی قیمت ہے اور جو احکام ہم نے بیان کیا ہے ان کے اندر مفرد پر ایک دم واجب ہوتا ہے اگر ان کو قارن کرے گا تو اس پر دو دم واجب ہوں گے ایک اس کے حج کی وجہ سے اور دوسرا اس کے عمرہ کی وجہ سے مگر یہ کہ میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھ جائے پھر عمرہ اور حج کا احرام باندھے تو اس پر ایک دم واجب ہے اور جب دو محرم حرم کے شکار کرنے میں شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر پوری جزا ہے اور جب دو حلال آدمی حرم کے شکار کرنے میں شریک ہوں تو ان دونوں پر ایک جزا ہے اور اگر محرم شکار بیچے یا خریدے تو وہ خرید و فروخت باطل ہے۔

تشریح: قولہ[۱] وان قطع حشیش۔ یعنی کسی محرم نے اگر حرم کی گھاس اکھیڑ لیا یا وہاں کا ایسا درخت کاٹ دیا جو کسی کی ملکیت نہ تھا اور نہ ایسا تھا کہ لوگ عادۃً بوتے ہوں تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ قیامت تک اس کا درخت نہ کاٹا جائے اور نہ یہاں کے شکار کو ستایا جائے اور نہ گیلی گھاس کاٹی جائے۔

قولہ[۲] کل شئی فعلہ۔ یعنی جن امور میں مفرد پر ایک دم واجب ہوتا ہے ان ہی امور میں قارن پر دو دم واجب ہوں گے ایک اس کے حج کی وجہ سے اور دوسرا اس کے عمرہ کی وجہ سے اس لئے کہ قارن احناف کے نزدیک دو احراموں کا محرم ہوتا ہے البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قارن صرف ایک احرام کا محرم ہوتا ہے بس ان کے نزدیک قارن پر صرف ایک دم واجب ہوگا البتہ قارن اگر بغیر احرام باندھے میقات سے گذر جائے پھر حج و عمرہ کا احرام باندھے تو اس پر ایک دم لازم ہوگا اس لئے کہ جب اس نے احرام نہیں باندھا تو ابھی وہ قارن ہی نہ ہوا۔

قولہ[۳] اذا اشترک محرمان۔ یعنی حرم کے شکار کرنے میں اگر دو محرم شریک ہو جائیں تو دونوں پر پوری پوری جزا واجب ہوگی اور اگر حرم کے شکار میں دو حلال شریک ہوں تو دونوں پر ایک ہی جزا واجب ہوگی یعنی دونوں نصف نصف جزا دیں گے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں امر محرم احرام ہے جو متعدد ہے اور دوسرے مسئلہ میں امر محرم حرم ہے جو شئی واحد ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی دونوں مسئلوں میں جزاء واحد کے قائل ہیں کیونکہ وہ واجب کو بدل محض قرار دیتے ہیں اور احناف کے نزدیک وہ کفارہ ہے بدل محض نہیں۔

باب الاحصار

ترجمہ: حج سے رک جانے کے مسائل کا بیان

اذا اُحصِرَ المحرمُ بعدوٍّ اَوْ اَصابهٗ مرضٌ یمنعهٗ من المضیّ جازلہٗ التحلل وقیل لہٗ ابعث شاۃً تُذبح فی الحرم وواعِدْ مَنْ یحملها یوماً بعینہٖ یذبحها فیہ ثم تحلّلْ فان کان قارناً بعث دمین

ترجمہ: — محرم جب دشمن یا ایسی بیماری کی وجہ سے رُک جائے جو اس کے جانے سے مانع ہو تو اُسے حلال ہو جانا جائز ہے اور اس سے کہا جائے گا کہ ایک بکری بھیج دے جو حرم میں ذبح کی جائے اور لے جانے والا سے خاص دن کا وعدہ کرے جس میں وہ ذبح کرے گا پھر حلال ہو جائے پس اگر وہ قارن ہو تو دو بکریاں بھیجے۔

تشریح: — قولہ باب الاحصار۔ لغت میں احصار کا معنی رک جانا ہے اور اصطلاح شرع میں وہ ہے کہ محرم کسی امر شرعی کی وجہ سے وقوف عرفہ اور طواف سے رُک جائے۔ اس کیلئے حتی الامکان قضا شرط ہونے پر ایک دم دیکر حلال ہو جانا جائز ہے پھر اگر وہ وقوف اور طواف میں سے کسی ایک پر قادر ہو جائے تو محصر نہیں۔

جن وجوہ سے حج وعمرہ نہ کر سکے وہ کل نو ہیں۔ (۱) دشمن (۲) درندہ (۳) مرض کہ سفر کرنے اور سوار ہونے میں اس کے زیادہ ہونے کا گمان غالب ہو۔ (۴) ہاتھ پاؤں ٹوٹ جانا (۵) قید (۶) عورت کے محرم یا شوہر جس کے ساتھ جا رہی تھی اس کا وفات کرنا (۷) عدت (۸) مصارف یا سواری کا ہلاک ہو جانا (۹) شوہر حج نفل میں عورت کو اور مولی لونڈی وغلام کو منع کر دے۔

قولہ اذا اُحصِرَ۔ یعنی محرم جب دشمن یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے حج یا عمرہ کیلئے جانے سے رُک جائے تو اُسے حلال ہونا جائز ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ مفرد بالحج ہے تو ایک بکری یا اس کی قیمت اور قارن ہے تو دو بکریاں یا ان کی قیمت حرم شریف میں بھیج دے جو اس کی طرف سے ذبح کیا جائے اور جو شخص اس بکری یا اس کی قیمت کو لے جائے تو اس سے کہدے کہ فلاں روز ذبح کرنا ہے۔ محرم اسی روز حلال ہو جائے اس سے پہلے حلال ہونا جائز نہیں۔ مفرد بالحج کو ایک بکری اس لئے واجب ہے کہ اس کو ایک احرام ہے اور قارن کو دو بکریاں واجب اس لئے کہ اس کو دو احراموں سے حلال ہونے کی ضرورت ہے۔

ولا یجوز ذبح دم الاحصار الا فی الحرم ویجوز ذبحہٗ قبل یوم النحر عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا لا یجوز الذبح للمحصر بالحج الا فی یوم النحر ویجوز للمحصر بالعمرۃ ان یذبح متی شاء والمحصر اذا تحلل فعلیہ حجۃ وعمرۃ وعلی المحصر بالعمرۃ القضاء وعلی القارن

حجۃ وعمرتان

ترجمہ: ـــ اور دم احصار کو ذبح کرنا جائز نہیں مگر حرم شریف میں اور اس کو یوم نحر سے پہلے ذبح کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ محصر بالحج کیلئے ذبح کرنا جائز نہیں مگر یوم نحر میں اور محصر بالعمرہ کیلئے یہ جائز ہے کہ جب چاہے ذبح کرے اور محصر جب حلال ہو جائے تو اس پر حج وعمرہ لازم ہیں اور محصر بالعمرہ پر صرف عمرہ کی قضا ہے اور قارن پر ایک حج اور دو عمرے ہیں۔

تشریح: ـــ قولہ ولا یجوز ذبح۔ احصار کے دم کو حرم شریف ہی میں ذبح کرنا ہوگا چونکہ آیت کریمہ ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ، میں ھدی اپنے محل کے ساتھ مقید ہے اور ھدی کا محل حرم شریف ہے لیکن اس میں وقت کا تعین نہیں اس لئے کہ آیت کریمہ میں ہدی محل کے ساتھ مقید ہے زمان کے ساتھ نہیں پس اگر اس کو یوم نحر سے پہلے ذبح کیا جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے لیکن صاحبین نے دم احصار کیلئے یوم نحر متعین کیا ہے وہ قیاس کرتے ہیں ہدی متعہ اور ہدی قران پر۔

قولہ والمحصر اذا تحلل۔ محصر یعنی حج سے رک جانے والا جب حلال ہو جائے تو دوسرے سال ایک حج اور ایک عمرہ کرنا واجب ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔ حج کو شروع کرنے کی وجہ سے اور عمرہ حلال ہونے کی وجہ سے امام شافعی کے نزدیک حج فرض کی صورت میں صرف حج لازم ہے اور حج نفل کی صورت میں کچھ نہیں اور اگر عمرہ کے احرام سے حلال ہوا تو ایک ہی عمرہ کی قضا واجب ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک نے فرمایا کہ عمرہ میں احصار نہیں اس لئے کہ اس کیلئے کوئی وقت متعین نہیں۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ سرکار مدینہ اور ان کے اصحاب صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کیلئے نکلے تھے اور کفار قریش نے آپ کو روک دیا تھا تو آپ نے سال آئندہ عمرہ کی قضا فرمائی۔

واذا بعث المحصرُ ھدیاً وواعدَھم ان یذبحوہُ فی یومٍ بعینہٖ ثم زال الاحصارُ فان قدرَ علی ادراکِ الھدیِ والحجِ لم یجزلہ التحلّلُ ولزمہ المضیُ وان قدرَ علی ادراکِ الھدیِ دون الحجِ تحلّلَ وان قدرَ علی ادراکِ الحجِ دون الھدیِ جازلہ التحلّلُ استحساناً ومن اُحصرَ بمکۃَ وھو ممنوعٌ عن الوقوفِ والطوافِ کان محصراً وان قدرَ علی ادراکِ احدِھما فلیس بمحصرٍ

ترجمہ: ــــ اور جب محصر نے ہدی بھیج دی اور اس کا وعدہ لے لیا کہ فلاں دن ذبح کریں گے پھر احصار جاتا رہا پس اگر وہ ہدی اور حج دونوں پانے پر قادر ہو تو اس کیلئے حلال ہونا جائز نہیں بلکہ جانا ہی لازم ہے اور اگر صرف ہدی پا سکتا ہو نہ کہ حج تو حلال ہو جائے اور اگر صرف حج پا سکتا ہو کہ ہدی تو حلال ہو جانا استحساناً جائز ہے اور جو شخص مکہ میں محصر ہو اس حال میں کہ وہ وقوف اور طواف سے روک دیا گیا تو وہ محصر ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک کے کرنے پر قادر ہو تو وہ محصر نہیں۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] و اذا بعث۔ یعنی جب محصر نے ہدی بھیج دی اور لے جانے والا سے کہہ دیا کہ اس کو فلاں روز ذبح کرنا پھر اس کے بعد اس کا احصار زائل ہو گیا تو اس کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) حج و ہدی دونوں پانے پر قادر ہو (۲) دونوں پر قادر نہ ہو (۳) صرف ہدی پر قادر ہو (۴) صرف حج پر قادر ہو۔ پہلی صورت میں حج کیلئے جانا ضروری ہے احرام سے حلال ہونا جائز نہیں کیونکہ ہدی بھیجنا حج کا بدل تھا اور اب وہ اصل کی ادائیگی پر قادر ہو گیا پس بدل کا اعتبار نہ ہوگا اور دوسری و تیسری صورتوں میں جانا بے سود ہے اور چوتھی صورت میں حلال ہو جانا استحساناً جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یوم نحر سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے پس ادراک حج بلا ادراک ہدی ممکن ہے صاحبین نے فرمایا کہ یوم نحر سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک حج کو پانے کیلئے ہدی کو پانا ضروری ہے۔

قولہ[۲] استحساناً۔ استحسان خلاف قیاس کو کہا جاتا ہے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ حلال نہ ہو کیونکہ وہ اصل یعنی حج پر قادر ہے مگر حلال چونکہ ہدی کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس سے ملاقات مشکل ہے اس لئے خلاف قیاس اس کا حلال ہونا جائز ہوا۔

قولہ[۳] من اُحصِر۔ یعنی جو مکہ میں روک دیا گیا ہو حالانکہ اس نے ابھی وقوف عرفہ اور طواف زیارت نہ کیا تھا تو وہ محصر ہے اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو کر سکتا ہے تو وہ محصر نہیں۔ عورت نے احرام باندھا اس کے بعد شوہر طلاق دیدی تو محصر ہے اگرچہ محرم بھی ہمراہ موجود ہو۔

بَابُ الفَوَاتِ

ترجمہ: ــــ حج کے فوت ہونے کا بیان۔

وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ فَفَاتَهُ الْوُقُوْفُ بِعَرَفَةَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ وَعَلَيْهِ

اَنْ یَّطُوفَ وَیَسْعیٰ وَیَحِلَّ وَیَقْضِی الْحَجَّ مِنْ قَابِلٍ وَلَا دَمَ عَلَیْہِ ۔

ترجمہ: ـــــ اور جس نے حج کا احرام باندھا اور اس سے وقوف عرفہ ہوگیا یہاں تک کہ یوم نحر کی فجر طلوع ہوگئی تو اس کا حج فوت ہوگیا اور اس پر لازم ہے کہ طواف و سعی کرے اور حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کی قضا کرے اور اس پر دم لازم نہیں ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] باب الفوات ۔ اس باب کو باب احصار کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ احصار میں صرف احرام ہوتا ہے اور فوات میں احرام و اداد دونوں ہوا اور ظاہر ہے مرکب کا وجود مفرد کے بعد ہی ہوتا ہے ۔

قولہ[۲] من احرم ۔ یعنی اگر کسی نے حج کا احرام باندھا اور وقوف عرفہ نہ کر سکا یہاں تک کہ یوم نحر کی فجر طلوع ہوگئی تو اس کا حج فوت ہوگیا چونکہ حج وقوف عرفہ ہے اب اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ طواف و سعی کر کے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کرے اور اس پر دم واجب نہیں چنانچہ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول گرامی نے ارشاد فرمایا جس کا وقوف عرفات تک فوت ہوگیا اس کا حج بھی فوت ہوگیا تو اب اس کو چاہیئے کہ وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور سال آئندہ حج کرے ۔

وَالْعُمْرَۃُ[۱] لَا تَفُوْتُ وَھِیَ جَائِزَۃٌ فِیْ جَمِیْعِ السَّنَۃِ اِلَّا خَمْسَۃَ اَیَّامٍ یُکْرَہُ فِعْلُھَا فِیْھَا یَوْمَ عَرَفَۃَ وَیَوْمَ النَّحْرِ وَاَیَّامَ التَّشْرِیْقِ وَالْعُمْرَۃُ[۲] سُنَّۃٌ وَھِیَ الْاِحْرَامُ وَالطَّوَافُ وَالسَّعْیُ ۔

ترجمہ: ـــــ اور عمرہ فوت نہیں ہوتا اور وہ پورا سال جائز ہے سوائے پانچ دنوں کے کہ ان دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے یعنی یوم عرفہ اور یوم نحر اور ایام تشریق میں اور عمرہ سنت ہے جو احرام اور طواف اور سعی کا نام ہے

تشریح: ـــــ قولہ[۱] والعمرۃ لا تفوت ۔ عمرہ فوت نہیں ہوتا ۔ کیونکہ اس کا وقت سال بھر ہے جب چاہے اور جس وقت چاہے ادا کر سکتا ہے ۔ لیکن بہتر اس کا وقت رمضان المبارک ہے صرف پانچ دن مکروہ ہے عرفہ کا دن اور عید کا دن اور تشریق کے تین دن اور وہ مکروہ اس وقت ہے جبکہ ان دنوں میں ابتداءً احرام کے ساتھ ادا کیا جائے اور اگر احرام سابق سے ادا کیا جائے تو مکروہ نہیں چنانچہ اگر کوئی قارن ہو اور اس کا حج فوت ہو جائے اور اس نے ان ہی دنوں میں عمرہ کیا تو مکروہ نہیں ۔

قولہ[۲] والعمرۃ سنۃ ۔ عمرہ سنت مؤکدہ ہے احناف و امام مالکؒ کے نزدیک لیکن بعض فقہاء کے

نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک فرض کفایہ۔ امام شافعی اپنے قول قدیم میں نفل کے قائل ہیں اور قول جدید میں فرض اور یہی قول امام احمد بن حنبل کا بھی ہے چنانچہ زید بن ثابت سے روایت ہے سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ عمرہ فریضۂ حج کی طرح فرض ہے۔ دلیل احناف کی حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ حج فرض ہے اور عمرہ نفل ہے اور اس لئے بھی کہ نفل جس طرح غیر موقت ہوتا ہے اسی طرح عمرہ بھی کہ اس کا کوئی وقت متعین نہیں۔ یہ اس کے نفل ہونے کی دلیل ہے۔

بابُ الهدي

ترجمہ: ـــــ ہدی کے مسائل کا بیان

الهَدْيُ ادناهُ شاةٌ وهو من ثلاثة انواعٍ من الابلِ والبقرِ والغنمِ يجزئ في ذلك كلِّه الثنيُّ فصاعداً الّا من الضانِ فانّ الجذعَ منهُ يجزئ فيه

ترجمہ: ـــــ ہدی کا ادنیٰ درجہ بکری ہے اور وہ تین قسم کا جانور ہے اونٹ اور گائے اور بکری۔ ان سب میں ثنی یا اس سے زیادہ عمر کا کافی ہے مگر دنبہ کہ اس کا جذع بھی کافی ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ باب الهدي۔ ہدی کا ذکر چونکہ ما قبل میں متعدد مقامات پر آیا ہے اور اس لئے بھی کہ جنایات اور جزاء صید واحصار وغیرہ اسباب ہیں اور ہدی ان کا مسبب اور ظاہر ہے مسبب کا وجود سبب کے بعد ہوتا ہے اس لئے ان کے بعد ہدی کو بیان کیا گیا۔ ھدی لغت میں ہدیہ وتحفہ پیش کرنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح شرع میں اس جانور کو کہا جاتا ہے جو قربانی کیلئے حرم کو لے جایا جائے۔

قولہ الهدي ادناہ۔ ھدی تین قسم کا جانور ہے (۱) بکری جس میں بھیڑ دنبہ بھی داخل ہے (۲) گائے جس میں بھینس بھی داخل ہے (۳) اونٹ۔ ہدی کا ادنیٰ درجہ بکری ہے تو اگر کسی نے حرم کو قربانی بھیجنے کی منت مانی اور معین نہیں کی تو اس کے لئے بکری کافی ہے

ولا يجوز في الهدي مقطوعُ الاذنين ولا اكثرِهما ولا مقطوعُ الذنبِ ولا مقطوعُ اليدِ ولا الرجلِ ولا

ولا ذاهبة العين ولا الجفاء ولا العرجاء التى لا تمشى الى المنسك[۱] والشاة[۲] جائزة فى كل شئ الا فى موضعين ومن طاف طواف الزيارة جنبا ومن جامع بعد الوقوف بعرفة فانه لا يجوز فيهما الا البدنة

ترجمہ : ـــــ اور ھدی میں وہ جانور جائز نہیں جس کا پورا یا اکثر کان کٹا ہوا ہو اور نہ وہ جس کا دم کٹا ہوا ہو اور نہ ہاتھ اور نہ پاؤں کٹا ہو اور نہ آنکھ پھوٹا ہو اور نہ ایسا دبلا ہو کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو اور نہ ایسا لنگڑا جو مذبح تک نہ جاسکے اور سب جنایتوں میں بکری جائز ہے مگر دو موقعوں پر ایک یہ کہ طواف زیارت بحالت جنابت کرے اور دوسرا یہ کہ وقوف عرفہ کے بعد جماع کرے کیونکہ مذکورہ دونوں صورتوں میں سوائے اونٹ یا گائے کے کچھ جائز نہیں ۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] ولا یجوز ۔ جو شرائط قربانی کے جانوروں میں ہیں وہی ہدی کے جانوروں میں بھی ہیں کہ ھدی ایسا جانور نہ ہو کہ جس کے کان بالکل کٹے ہوئے ہوں یا آدھے سے زائد کٹے ہوں اور نہ پیر کٹا ہوا ور نہ ہاتھ کٹا ہو! اور نہ اندھا اور نہ ایسا دبلا کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو اور نہ ایسا لنگڑا جو مذبح تک نہ جاسکے اور اسی طرح ضروری ہے اونٹ پانچ سال کا اور گائے دو سال کی اور بکری ایک سال کی مگر بھیڑ و دنبہ چھ مہینے کا اگر سال بھر والی کی مثل ہو تو ہو سکتا ہے ۔

قولہ[۲] والشاة جائزة ۔ سب جنایتوں میں بکری جائز ہے مگر دو جنایتوں میں ایک جب کہ طواف زیارت جنابت کی حالت میں کرے اور دوسرا جبکہ وقوف عرفہ کے بعد جماع کرے کیونکہ ان دونوں میں صرف اونٹ یا گائے واجب ہے چونکہ جنایت ان میں عظیم ہے جس کیلئے ضروری ہے سزا بھی عظیم ہو ۔

والبدنة[۱] والبقرة يجزئ كل واحد منهما عن سبعة انفس اذا كان كل واحد من الشركاء يريد القربة فاذا اراد بنصيبه اللحم لم يجز للباقين عن القربة ويجوز[۲] الاكل من هدى التطوع والمتعة والقران ولا يجوز من بقية الهدايا ولا يجوز[۳] ذبح هدى التطوع والمتعة والقران الا فى يوم النحر ويجوز ذبح بقية الهدايا فى اى وقت شاء ولا يجوز ذبح الهدايا الا فى الحرم ويجوز ان يتصدق بها على مساكين الحرم وغيرهم ولا يجب[۴] التعريف بالهدايا والافضل بالبدن النحر وفى البقر والغنم الذبح

ترجمہ: ـــــ اور اونٹ اور گائے میں سے ہر ایک سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے جبکہ ان ساتوں شریکوں کی نیت قربانی کی ہو پس اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے حصہ سے گوشت کا ارادہ کرے تو دوسروں کی بھی قربانی نہ ہوگی اور نفلی اور تمتع اور قران کی ھدی سے کھانا جائز ہے اور باقی ہدیوں سے جائز نہیں اور نفلی اور تمتع اور قران کی ھدی کو ذبح کرنا جائز نہیں مگر یوم نحر میں اور باقی ہدیوں کو ذبح کرنا جائز ہے جس وقت چاہے اور ہدیوں کو صرف حرم میں ذبح کرنا جائز ہے اور ان کا گوشت حرم کے مساکین وغیرہ پر صدقہ کرنا جائز ہے اور ھدیوں کی تعریف ضروری نہیں اور افضل اونٹوں میں نحر ہے اور گائے اور بکری میں ذبح!

تشریح: ـــــ قولہ[1] والبدنۃ والبقر۔ یعنی اونٹ و گائے میں سے ہر ایک سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے جبکہ ان ساتوں کی نیت قربانی کی ہو اور اگر ان میں سے ایک آدمی بھی اپنے حصہ کے گوشت کا ارادہ کر لے تو دوسروں کیلئے اس کی قربانی جائز نہ ہوگی کیونکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس میں گوشت کا کھانا خلوص میں فرق پیدا کر دیتا ہے۔

قولہ[2] یجوز الاکل۔ یعنی نفلی اور تمتع اور قران کی ہدی کے گوشت کا کھانا جائز بلکہ مستحب ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ سرکار مدینہ نے ہدی کا گوشت تناول فرمایا۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ اور اگر کھائے گا تو کھانے کے بعد اس کی قیمت لازم ہوگی کیونکہ احادیث میں ممنوع ہے اور اگر نفلی ہدی کو حرم شریف بھیجنے سے پہلے ذبح کیا تو اس کا گوشت بھی کھانا جائز نہیں اس لئے کہ وہ صدقہ ہے ہدی نہیں

قولہ[3] ولا یجوز ذبح۔ یعنی نفلی اور تمتع اور قران کی ہدی کا ذبح صرف دسویں تاریخ کو کیا جاسکتا ہے نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد! دسویں کے بعد ذبح تو ہو جائے گا مگر اس پر دم لازم ہوگا کہ تاخیر جائز نہیں اور باقی ہدیوں کو جس وقت چاہے ذبح کر سکتا ہے اور بہتر دسویں تاریخ ہے اور ہدیوں کو صرف حرم شریف میں ذبح کرنا جائز ہے

قولہ[4] لا یجب التعریف۔ یعنی ہدیوں کو شہرت دینا واجب نہیں اور اونٹوں میں افضل نحر کرنا ہے اور بکری کو ذبح کرنا افضل ہے نحر اور ذبح کا معنی ماقبل میں گذرا۔ نحر کھڑا اور لٹا کر دونوں طرح کیا جاسکتا ہے لیکن افضل کھڑا کر کے کرنے میں ہے کہ بایاں والا پیر بندھا ہوا اور گائے اور بکری اور بھیڑ کو لٹا کر ذبح کیا جائے کہ اس میں آسانی ہوتی ہے۔

والاولیٰ ان یتولی الانسان ذبحہا بنفسہ اذا کان یحسن ذلک ویتصدق بجلالہا وخطامہا ولا یعطی اجرۃ الجزار منہا ومن ساق بدنۃ فاضطر[1] الی رکوبہا رکبہا وان استغنی عن

ذلک ثم یرکبہا وان[۳] کان لہا اللبن لم یحلبہا ولکن ینضح ضرعہا بالماءِ البارِدِ حتیٰ ینقطع اللبنُ
ومَن[۴] ساقَ بدنۃً فعطبت فان کانَ تطوّعاً فلیس علیہِ غیرُہٗ وان کانَ عن واجبٍ فعلیہِ اَن یُقیمَ
غیرہٗ مقامَہٗ وان اصابہٗ عیبٌ کثیرٌ اقامَ غیرَہٗ مقامَہٗ وصنعَ بالمعیبِ ماشاءَ واذا عطبتُ البدنۃُ
فی الطریقِ فان کانَ تطوعاً نحرہا وصبغَ نعلَہا بدمِہا وضربَ بہا صفحتَہا ولم یاکلْ منہا ہو و
لاغیرُہٗ من الاغنیاءِ وان کانت واجبۃً اقامَ غیرَہا مقامہا وصنع بہا ماشاء ویقلّد ھدی
التطوعِ والمتعۃِ والقرانِ ولا یقلّدُ دمُ الاحصارِ

ترجمہ: ـــــ اور بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنی قربانیوں کو خود ذبح کرے جبکہ وہ اچھی طرح کر سکتا ہو اور ان کی جھولیں اور نکیلیں خیرات کر دے اور قصاب کی مزدوری اس سے نہ دے اور جو شخص بدنہ لے جائے پھر اس کو سواری کی ضرورت ہو تو اس پر سوار ہو جائے اور اگر اس سے مستغنی ہو تو اس پر سوار نہ ہو اور اگر اس کے دودھ ہو تو نہ دوہے بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے تاکہ دودھ خشک ہو جائے اور کسی نے ہدی روانہ کی اور وہ ہدی ہلاک ہو گئی پس اگر وہ نفلی تھی تو اس پر دوسری واجب نہیں اور اگر واجب تھی تو اس کی جگہ دوسری واجب ہے اور اگر اس میں غیر معمولی عیب آگیا تو دوسری کو اس کے قائم مقام کرے اور عیب دار کا جو چاہے کرے اور جب بدنہ راستہ میں ہلاک ہو جائے اور وہ نفلی ہو تو اسے نحر کر دے۔ اور اس کے کھروں کو اس کے خون میں رنگ دے اور اس کے شانہ پر مار دے اور اس کا گوشت نہ خود کھائے اور نہ کوئی دوسرا مالدار اور اگر وہ واجبی ہو تو اس کے قائمقام دوسرا بدنہ کرے اور پہلے بدنہ کا جو چاہے کرے اور نفلی و تمتع و قران کی ہدی کو قلادہ ڈالا جائے اور دم احصار میں نہ ڈالا جائے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] والاولیٰ۔ یعنی اولیٰ یہ ہے کہ آدمی اپنی قربانیوں کو خود ذبح کرے جبکہ وہ اچھی طرح کر سکتا ہے اس لئے کہ تولیت بنفسہٖ افضل ہے تولیت بغیرہٖ سے اور ان جھولوں اور نکیلوں کو خیرات کر دے اور قصاب کی مزدوری اس میں سے کچھ نہ دے البتہ اگر اس کو بطور تصدق دیں تو مضائقہ نہیں۔

قولہ[۲] فاضطرالی رکوبہا۔ یعنی کوئی شخص اگر اونٹ یا گائے کو ہدی کر کے لے جائے پھر بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کو سواری کی سخت ضرورت درپیش ہو تو وہ ہدی پر سوار ہو جائے اور اگر ضرورت درپیش نہ ہو تو سوار نہ ہو کیونکہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے سرکار کا ارشاد ہے کہ ہدی پر سوار ہو دستور کے مطابق جب تک کہ تجھ کو ضرورت ہو۔

قولہ[۳] وان کان لها لبنٌ۔ یعنی اگر دودھ والا جانور ہو تو دودھ نہ دوہے اور تھن پر ٹھنڈا پانی چھڑک دیا کرے کہ دودھ خشک ہو جائے اور اگر ذبح میں وقفہ ہو اور نہ دوہنے سے ضرر ہو تو دودھ دو کر خیرات کرے اور اگر خود استعمال کر لیا یا غنی کو دیدیا یا ضائع کر دیا تو اتنا ہی دودھ یا اس کی قیمت مساکین پر تصدق کرے۔

قولہ[۴] من ساق هدیا۔ یعنی کسی جانور کو حرم شریف لے جارہا تھا راستہ میں دم مرنے لگا تو اس کو وہیں ذبح کر دے اور خون سے اس کا ہار رنگ دے اور کوہان پر چھاپا لگا دے تاکہ اس کو مالدار لوگ نہ کھائیں صرف فقراء ہی کھائیں اور اگر وہ نفل تھا تو اس کے بدلے دوسرا جانور لے جانا ضروری نہیں اور اگر واجب تھا تو اس کے بدلے کا دوسرا جانور واجب ہے اور اگر اس میں ایسا عیب آگیا کہ قربانی کے قابل نہ رہا تو اس کو جو چاہے کرے اور اس کے بدلے دوسرا لے جائے جبکہ واجب ہو۔ جانور حرم شریف پہونچ گیا اور وہاں مرنے لگا تو اس کو ذبح کر کے مساکین پر تصدق کرے اور خود نہ کھائے اگرچہ نفل ہو۔

کتاب[۱] البیوع

ترجمہ: ــــــ خرید وفروخت کے مسائل کا بیان

البیعُ[۱] ینعقدُ[۲] بالایجابِ والقبولِ اذا کانا بلفظ الماضی واذا اَوجبَ احدُ المتعاقدَینِ البیعَ فالآخرُ بالخیارِ[۳] اِن شاءَ قبل فی المجلسِ وانْ شاءَ ردَّ[۴] فایُهما قامَ من المجلسِ قبلَ القبولِ بطلَ الایجابُ

ترجمہ: ــــــ بیع ایجاب وقبول سے منعقد ہوتی ہے جبکہ دونوں ماضی کے لفظ سے ہوں اور جب دو متعاقدین میں سے ایک نے بیع کا ایجاب کر دیا ہے تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے اس مجلس میں قبول کرے اور چاہے لوٹا دے پس قبول کرنے سے پہلے اگر کوئی ان دونوں میں سے اس مجلس سے کھڑا ہو جائے تو وہ ایجاب باطل ہو جائے گا۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] کتاب البیوع۔ اس سے قبل یہ پانچ کتابیں مذکور ہوئیں۔ کتاب الطہارۃ اور

۱۹ - فروری ۲۰۰۹ء

کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصوم اور کتاب الحج اور وہ عبادات سے متعلق تھیں اور اب معاملات سے متعلق بیان کی جاتی ہیں جن میں کتاب البیوع ہے اور اس کو پہلے اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ اس کی ضرورت سب کو پیش آتی ہے۔ بچہ ہو یا بڑا۔ مرد ہو یا عورت برخلاف نکاح وغیرہ کہ وہ مخصوص آدمیوں کیساتھ خاص ہے بیوع جمع ہے بیع کی جو مصدر ہے باع یبیع کا لغت میں بمعنی خرید و فروخت کرنا ہے اور اصطلاح شرع میں بیع کہتے ہیں دو شخصوں کا باہم مال کو ایک مخصوص صورت کیساتھ تبادلہ کرنے کو۔

قولہ[۲] البیع۔ بیع کبھی قول سے ہوتی ہے اور کبھی فعل سے اور اگر قول سے ہو تو اس کے ارکان ایجاب وقبول ہیں یعنی مثلاً ایک نے کہا میں نے بیچا دوسرے نے کہا میں نے خریدا اور فعل سے ہو تو چیز کا لے لینا اور دے دینا اس کے ارکان ہیں اور یہ فعل ایجاب وقبول کے قائمقام ہوتا ہے مثلاً سبزی وغیرہ کی گڈیا بنا کر اکثر بیچنے والا رکھ دیتا ہے اور ظاہر کر دیتا ہے کہ پیسہ، پیسہ کی گڈی ہے خریدار آتا ہے ایک پیسہ ڈال دیتا ہے اور ایک گڈی اٹھا لیتا ہے۔ آپس میں کوئی بات نہیں ہوتی مگر دونوں کے فعل ایجاب وقبول کے قائمقام شمار کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی بیع کو بیع تعاطی کہا جاتا ہے طرفین میں سے ایک کو بائع اور دوسرے کو مشتری کہا جاتا ہے۔

قولہ[۳] ینعقد بالایجاب۔ متعاقدین کی جانب سے ایجاب وقبول متحقق ہونے کے بعد بیع منعقد ہو جاتی ہے متعاقدین میں سے جس کا کلام پہلے مذکور ہو اس کو ایجاب کہا جاتا ہے اور جس کا اس کے بعد مذکور ہو اس کو قبول کہا جاتا ہے پھر جو لفظ بعت واشتریت کے معنی پر دال ہو، وہ ایجاب وقبول ہے خواہ وہ دونوں بلفظ ماضی ہوں۔ جیسے بائع نے کہا بعت اور مشتری نے کہا اشتریت وغیرہ یا دونوں بلفظ حال ہوں جیسے ابیعک واشتریک یا ایک بلفظ ماضی ہو اور دوسرا بلفظ حال اور اگر دونوں بلفظ مستقبل ہوں یا ایک تو بیع نہیں ہوگی مثلاً خریدوں گا یا بیچوں گا کہ مستقبل آئندہ عقد صادر کرنے کے ارادہ پر دلالت کرتا ہے فی الحال عقد کا اثبات نہیں کرتا۔

قولہ[۴] ان شاء۔ یعنی متعاقدین میں سے کسی ایک نے بیع کا ایجاب کیا یعنی یہ کہا کہ میں بیچ چکا تو دوسرے کو اختیار ہے اگر چاہے اسی مجلس میں وہیں بیٹھا ہوا اسے قبول کرے اور چاہے لوٹا دے۔ پس قبول کرنے سے پہلے اگر کوئی ان دونوں میں سے مجلس سے کھڑا ہو جائے تو ایجاب باطل ہو جائے گا اور قبول کرنے کا اختیار باقی نہ رہے گا اس لئے کہ تملیکات میں مجلس بدل جانے سے اختیار قبول ختم ہو جاتا ہے اور اختلاف مجلس اس عمل سے ثابت ہوتا ہے جو اعراض پر دال ہے جیسے اٹھ کھڑا ہونا۔ کھانا پینا۔ کلام کرنا وغیرہ۔

فَاِذَا حَصَلَ الْاِیْجَابُ وَالْقَبُوْلُ لَزِمَ الْبَیْعُ وَلَا خِیَارَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا اِلَّا مِنْ عَیْبٍ اَوْ عَدَمِ رُؤْیَةٍ

ترجمہ: —— پس جب ایجاب وقبول حاصل ہو جائے تو بیع لازم ہو جائے گی اور ان میں سے کسی کو اختیار حاصل نہ ہوگا مگر عیب یا نہ دیکھنے کی وجہ سے۔

تشریح: —— قولہ فاذا حصل۔ یعنی ایجاب وقبول متحقق ہو جانے کے بعد بیع لازم ہو جاتی ہے متعاقدین میں سے کسی کو خیار عیب وخیار رویت کے علاوہ کسی طرح بھی بیع کے نقض کا اختیار نہیں رہتا البتہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہر ایک کو بقاء مجلس تک اختیار باقی رہتا ہے۔ بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری مبیع کا مالک ہو جائے اور بائع ثمن کا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بائع پر واجب ہے کہ مبیع کو مشتری کے حوالہ کرے اور مشتری پر واجب ہے کہ بائع کو ثمن دیدے یہ اس وقت ہے جبکہ بیع قطعی ہو اور اگر بیع موقوف ہے دوسرے کی اجازت پر تو ثبوت ملک اس وقت ہوگا جبکہ اجازت ہو جائے۔

وَالْاَعْوَاضُ الْمُشَارُ اِلَيْهَا لَا يُحْتَاجُ اِلٰى مَعْرِفَةِ مِقْدَارِهَا فِىْ جَوَازِ الْبَيْعِ وَالْاَثْمَانُ الْمُطْلَقَةُ لَا تَصِحُّ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَعْرِفَةُ الْقَدْرِ وَالصِّفَةِ

ترجمہ: —— اور جن عوضوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہو بیع کے جائز ہونے میں ان کی مقدار معلوم کرانے کی ضرورت نہیں اور اثمان مطلقہ کیساتھ بیع اس وقت درست ہوتی ہے جبکہ مقدار اور وصف معلوم ہو

تشریح: —— قولہ والاعواض۔ مبیع اور ثمن اگر مشار الیہ ہو تو ان کا معلوم ہونا کوئی ضروری نہیں اس لئے کہ اس صورت میں نزاع کا اندیشہ نہیں پس اگر بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے گیہوں کے اس ڈھیر کو ان درہموں کے عوض فروخت کر دیا جو تیرے ہاتھ میں ہے اور مشتری نے قبول کر لی تو بیع درست ہو جائے گی اور اگر مبیع وثمن مشار الیہ نہ ہوں تو مبیع کی مقدار اور وصف اور اسی طرح ثمن کے وصف کا معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ بیع درست نہ ہوں گی اس لئے کہ بیع میں تسلیم وتسلم ضروری ہے۔ اور مقدار ووصف کا معلوم نہ ہونا باعث نزاع ہے۔

وَيَجُوْزُ الْبَيْعُ بِثَمَنٍ حَالٍّ وَمُؤَجَّلٍ اِذَا كَانَ الْاَجَلُ مَعْلُوْمًا وَمَنْ اَطْلَقَ الثَّمَنَ فِى الْبَيْعِ كَانَ عَلٰى غَالِبِ نَقْدِ الْبَلَدِ فَاِنْ كَانَتِ النُّقُوْدُ مُخْتَلِفَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ اِلَّا اَنْ يُبَيِّنَ اَحَدَهَا وَيَجُوْزُ بَيْعُ الطَّعَامِ وَالْحُبُوْبِ كُلِّهَا مُكَايَلَةً وَمُجَازَفَةً وَبِاِنَاءٍ بِعَيْنِهٖ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهٗ وَبِوَزْنِ

حجی بعینہٖ لا یعرف مقدارہٗ

ترجمہ : ـــــ اور بیع نقد اور ادھار ثمن کے ساتھ جائز ہے جبکہ مدت معین ہو اور جس نے بیع میں ثمن کو مطلق چھوڑ دیا تو شہر میں رائج والا اسکے پر محمول ہوگا پس اگر سکے مختلف رائج ہوں تو بیع فاسد ہوگی مگر یہ کہ کسی ایک کو بیان کردے اور ہر قسم کے اناج کی بیع پیمانے اور انکل سے بیچنا جائز ہے اور ایسے برتن سے اور ایسے وزن دار معین پتھر سے بھی کہ جن کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] یجوز البیع۔ یعنی بیع نقد اور ادھار ثمن کے ساتھ جائز ہے جبکہ مدت معین ہو اول اس لئے کہ عقد کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ثمن کی ادائیگی فی الفور ہو اور دوم اس لئے کہ آیت کریمہ احل اللہ البیع میں بیع کی حلت مطلق ہے خواہ نقد ہو یا ادھار اور اس لئے بھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت جابر سے مروی ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کچھ مدت کیلئے ابوالشحم یہودی سے غلہ خریدا اور اپنی زرہ کو اس کے پاس رہن رکھدی مگر ادھار اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس کی مدت معلوم ہو تاکہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو۔

قولہ[۲] من اطلق الثمن۔ یعنی ثمن کی مقدار اگر مذکور ہو اور اس کے وصف کا بیان نہ ہو تو جس شہر میں بیع ہوئی ہے وہاں جو سکہ زیادہ رائج ہو اسی کا اعتبار ہوگا۔ اس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ کسی بائع نے کہا کہ میں اپنی یہ چیز دس روپے میں فروخت کر چکا اور اس نے کوئی سکہ مقرر نہیں کی تو یہ بیع جائز ہے لیکن اسی روپیہ کے ساتھ جو اس شہر میں چلتا ہو وہی روپیہ اس بائع کو دیا جائے گا اور اگر اس شہر میں مختلف سکے رائج ہوں اور مالیت بھی مختلف جیسے بندقی۔ غوری وغیرہ اور ان میں سے اگر کسی ایک کو بیان کر دیا جائے تو بیع درست ہے اور اگر بیان نہ کیا جائے تو بیع فاسد ہے اس لئے کہ اس سے نزاع کا اندیشہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ نقود و سکے کی چار صورتیں ہیں (۱) رواج و مالیت دونوں میں برابر ہوں (۲) دونوں میں مختلف ہوں (۳) صرف رواج میں برابر ہوں (۴) صرف مالیت میں برابر ہوں۔ ان میں سے سوم میں بیع فاسد اور باقی میں درست۔ اور دوم و چہارم میں جو زیادہ رائج ہو اس کا اعتبار ہوگا اور اول میں مشتری کو اختیار ہوگا جو سکہ چاہے دیدے۔

قولہ[۳] یجوز بیع الطعام۔ طعام بمعنی کھانا اور حبوب جمع حب بمعنی دانہ دونوں سے یہاں مراد ہر قسم کا غلہ و اناج ہے۔ خلاصہ یہ کہ جائز ہے غلہ کو اگر اس کے مخالف جنس کے عوض فروخت کیا جائے مثلاً گیہوں کو جو کے عوض یا چاول کو گیہوں کے عوض بیچا جائے خواہ پیمانہ سے ناپ کر ہو یا اندازہ سے یا کسی

ایسے برتن میں بھر کر ہو جس کی مقدار معلوم نہ ہو یا کسی ایسے پتھر سے تول کر جس کا وزن معلوم نہ ہو چنانچہ حضرت بلال اور حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کا ارشاد ہے کہ جب دو جنس آپس میں مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو؟ اور معین برتن اور ایسے وزن دار معین پتھر سے بھی کہ جن کی مقدار معلوم نہ ہو اس صورت میں جائز ہے کہ وہ پتھر اور برتن اسی طرح محفوظ رہیں اور اگر اس بیع کے سونپ دینے سے پہلے وہ تلف ہو گئے تو بیع باطل ہو جائے گی کیونکہ جس سے بیچا ہے اس کی مقدار جب معلوم نہ ہوگی تو نزاع پیدا ہو جائے گا۔

ومن باعَ صبرةَ طعامٍ كل قفيزٍ بدرهمٍ جازَ البيعُ في قفيزٍ واحدٍ عند ابي حنيفةَ رحمه الله بطل في الباقي الّا أن يسمّيَ جملةَ قفزانها وقال ابو يوسفَ ومحمدٌ يصحُّ في الوجهين ومن باعَ قطيعَ غنمٍ كلَّ شاةٍ بدرهمٍ فالبيعُ فاسدٌ في جميعها وكذلك من باعَ ثوباً مذارعةً كلَّ ذراعٍ بدرهمٍ ولم يسمِّ جملةَ الذراعان ومن ابتاعَ صبرةَ طعامٍ على انها مائةُ قفيزٍ بمائةِ درهمٍ فوجدها اقلَّ من ذلك المشتري بالخيارِ ان شاءَ اخذ الموجودَ بحصتهِ من الثمنِ وان شاءَ فسخَ البيعَ وانْ وجدها اكثرَ من ذلك فالزيادةُ للبائعِ ومن اشترى ثوباً على انه عشرةُ اذرعٍ بعشرةِ دراهمَ او ارضاً على انها مائةُ ذراعٍ بمائةِ درهمٍ فوجدها اقلَّ من ذلك المشتري بالخيارِ ان شاءَ اخذها بجملةِ الثمنِ وان شاءَ تركها وان وجدها اكثرَ من الذراعِ الذي بالخيارِ ان شاءَ اخذها بجملةِ الثمنِ وانْ شاءَ تركها وانْ وجدها اكثرَ من الذراعِ الذي سمّاهُ فهي للمشتري ولا خيارَ للبائعِ

ترجمہ: ـــــ اور جس نے غلہ کا ڈھیر بیچا۔ ہر قفیز ایک درہم کے عوض تو بیع صرف ایک قفیز میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہوگی اور باقی میں باطل ہوگی مگر یہ کہ اس کے تمام قفیز بیان کر دیا جائے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں صحیح ہے اور جس نے بکریوں کا ریوڑ بیچا ہر بکری ایک درہم میں تو بیع تمام بکریوں میں فاسد ہے اور اسی طرح جس نے کپڑا گزوں کے حساب سے بیچا ہر گز ایک درہم میں اور پورے گز کو بیان نہیں کیا گیا او جس نے غلہ کا ڈھیر خریدا اس شرط پر کہ وہ سو قفیز ہے سو درہم میں تو اس کو اس سے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے موجودہ غلہ کو اس کے حصہ کی قیمت دیکر لے اور اگر چاہے تو بیع کو فسخ کر دے اور اگر اس کو سو قفیز سے زیادہ پایا تو زائد مقدار بائع کی ہے اور جس نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ وہ دس گز ہے دس درہم میں

یا زمین اس شرط پر کہ سو گز ہے سو درہم میں پھر اس کو اس سے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے پورے ثمن سے لے چاہے چھوڑ دے اور اگر بیان کردہ گزوں سے زیادہ پایا تو زائد مقدار مشتری کی ہے اور بائع کو کوئی اختیار نہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] من باع صبرۃ۔ کسی نے اگر اناج کا ڈھیر اس طرح بیچا کہ ایک قفیز یعنی ایک پیمانہ ایک درہم کے عوض ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ بیع صرف ایک پیمانہ میں جائز ہوگی اسی پر فتویٰ ہے اور باقی میں باطل ہو جائے گی کیونکہ مبیع اور ثمن کی اتنی مقدار معلوم ہے اور باقی مجہول ہے۔ البتہ اگر سب پیمانوں کا نام لے یعنی یہ کہہ سکے دس پیمانہ دس درہم کے عوض ہیں تو ان میں جائز نہ ہوگی اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں بیع جائز ہے خواہ سب پیمانوں کا نام لے یا نہ لے کیونکہ باقی مقدار میں جو جہالت ہے اس کو دور کرنا اس کے بس میں ہے۔

قولہ[۲] ومن باع قطیعا۔ یعنی اگر کوئی بکریوں کا ریوڑ اس حساب سے بیچے کہ ایک بکری ایک درہم کے عوض ہے اور اسی طرح اگر کسی نے کپڑا کا تھان اس طرح بیچا کہ فی گز ایک درہم کے عوض ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک سب بکریوں اور سب کپڑوں میں بیع درست نہ ہوگی یعنی ایک بکری اور ایک گز میں بھی بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ مبیع کے افراد میں اختلاف ہے تو سب پر قیمت برابر منقسم نہیں ہو سکتی پس نزاع پیدا ہو جائے گا برخلاف مسئلہ اول کہ اس میں گیہوں کے افراد یعنی اس کے دانوں میں کوئی تفاوت نہیں اس وجہ سے وہاں ایک پیمانہ میں بیع جائز ہے البتہ بوقت بیع تمام ریوڑ اور تھان کی مقدار بیان کر دی جائے تو تمام کی بیع بالاتفاق صحیح ہو جائے گی۔

قولہ[۳] من ابتاع صبرۃ۔ یعنی اگر کسی نے اناج کا ڈھیر اس شرط پر خریدا کہ سو گز پیمانے سو درہم کے عوض پھر اناج کو ناپا گیا تو اس سے کم نکلا تو خریدنے والے کو اختیار ہے چاہے اس موجود اناج کو اس کے حصہ کی مقدار قیمت دیکر لے لے اور چاہے بیع کو فسخ کر دے مثلاً سو پیمانے اناج ٹھہرا تھا اور اسی پیمانے نکلا تو اب خریدنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے اسی درہم دیکر اسی پیمانوں کو لے لے اور چاہے پھیر دے اور اگر بیان کردہ پیمانہ سے زیادہ نکلا تو وہ زیادہ مقدار بائع کی ہے کیونکہ بیع ایک خاص مقدار یعنی سو پیمانے پر واقع ہوئی ہے تو زیادہ مقدار بیع میں داخل نہ ہوگی لہذا وہ بائع کی ہوگی۔

و[۴]ان قال بعتک ہذا علی انہا مائۃ ذراع بمائۃ درہم کل ذراع بدرہم فوجدہا ناقصۃ فالمشتری بالخیار ان شاء اخذہا بحصتہا من الثمن وان شاء ترکہا وان وجدہا زائدۃ[۵] کان المشتری بالخیار ان شاء اخذ الجمیع کل ذراع بدرہم وان شاء فسخ البیع ولو قال[۶] بعت منک ہذہ الرزمۃ علی

انها عشرۃ اثواب بمائۃ درھم کل ثوب بعشرۃ فان وجدھا ناقصۃ جاز البیع بحصتہ وان وجدھا زائدۃ فالبیع فاسد"

ترجمہ : ـــــ اور اگر کسی نے کہا کہ میں تیرے اس زمین کو اس شرط پر بیچتا ہوں کہ یہ سو گز سو روپئے کے ہیں۔ فی گز ایک درہم کا وہ کپڑا اس سے کم نکلا تو خریدنے والے کو اختیار ہے اس کے حصہ کی مقدار قیمت دیکر لے چاہے چھوڑ دے اور اگر اس سے زائد پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے سب کو فی گز ایک درہم کے حساب سے لے اور اگر چاہے بیع کو فسخ کر دے اور اگر کسی نے کہا کہ میں نے اس گٹھری کو تیرے ہاتھ اس شرط پر بیچ دی کہ اس میں دس کپڑے ہیں سو درہم میں ہر کپڑا دس درہم میں پس اگر اس کو کم پائے تو اس کے حصہ کے مطابق بیع جائز ہوگی اور اگر اس کو زائد پائے تو بیع فاسد ہوگی۔

تشریح : ـــــ قولہ[1] وان قال بعتکہا۔ یعنی بیچنے والا نے یہ کہا کہ میں تیرے ہاتھ اس کپڑا یا زمین کو اس شرط پر بیچتا ہوں کہ یہ سو گز سو درہم کا ہے اور فی گز ایک درہم کا تو اس میں مقدار مذروع کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا کہ ہر گز ایک درہم کے عوض ہے پھر اس سے کپڑا کم نکلا تو خریدنے والے کو اختیار حاصل ہے کم کو اس کے حصہ کے مطابق لے ورنہ اس کو چاہے چھوڑ دے اور اگر زائد نکلا تو چاہے فی گز ایک درہم کے اعتبار سے کل کپڑا لے اور اگر چاہے بیع کو فسخ کر دے اس لئے کہ ذراع اگرچہ وصف ہے لیکن یہاں ہر ذراع کی قیمت معین کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ اصل ہو گیا

قولہ[2] ولو قال بعت منک۔ یعنی بیچنے والے نے اگر یہ کہا کہ یہ گٹھری تیرے ہاتھ اس شرط پر بیچتا ہوں کہ اس میں دس کپڑے سو درہم کے ہیں اور ہر کپڑا دس درہم کا ہے پس اگر خریدنے والا نے اس سے کم پایا تو اسی حصہ کے مطابق بیع ہو جائے گی اور اس کو اختیار حاصل ہوگا کہ لے یا نہ لے اور اگر دس کپڑوں سے زیادہ پائے تو بیع فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اس صورت میں مبیع مجہول ہے۔

[1] ومن باع دارًا دخل بناؤھا فی البیع وان لم یسمہ ومن باع ارضًا دخل ما فیہا من النخل والشجر فی البیع وان لم یسمہ ولا یدخل الزرع فی بیع الارض الا بالتسمیۃ ومن باع نخلًا او شجرًا فیہ ثمرۃ فثمرتہ للبائع الا ان یشترطہا المبتاع ویقال للبائع اقطعہا وسلم المبیع ومن باع ثمرۃ لم یبد صلاحہا او بدا جاز البیع ووجب علی المشتری قطعہا فی الحال فان شرط ترکہا علی النخل فسد البیع

ترجمہ : ـــــ اور جس نے مکان بیچا تو اس کی عمارت بیع میں داخل ہوگئی اگرچہ اس کا نام نہ لے اور جو زمین بیچا تو بیع میں کھجور وغیرہ کے وہ درخت داخل ہوگئے جو اس میں ہیں اگرچہ اس کا نام نہ لے اور کھیتی زمین کی بیع میں داخل نہ ہوگی مگر تصریح کرنے سے اور جس نے کھجور وغیرہ کا درخت بیچا جس میں پھل ہے تو پھل بائع کا ہے مگر یہ کہ اس کا خریدار شرط کرلے اور بائع سے کہا جائے گا کہ ان کو کاٹ لے اور مبیع کو اس کے حوالہ کردے اور جس نے وہ پھل بیچا جو کام آمد نہیں ہوا یا ہوگیا تو بیع جائز ہے اور مشتری کیلئے ضروری ہے اسی وقت توڑ لینا اور اگر درختوں پر رہنے کی شرط کرلی تو بیع فاسد ہو جائے گی ۔

تشریح : ـــــ قولہ[۱] ومن باع داراً ۔ یعنی اگر کوئی شخص مکان بیچا تو اس کی دیواریں اور چھت بیع میں داخل ہوں گی اسی طرح اگر کسی نے زمین فروخت کی تو جس قدر کھجور وغیرہ کے درخت اس میں ہوں گے وہ سب بیع میں داخل ہوں گے اگرچہ مکان اور زمین کے علاوہ کسی دوسری چیز کو صراحۃً ذکر نہیں کیا گیا پس عرف میں مکان اور زمین جن چیزوں کو شامل ہیں وہ سب بیع میں داخل ہو جائیں گی مثلاً مکان میں اس کی عمارت اور کلیدانہ اور زینہ اور مطبخ و بیت الخلاء وغیرہ اور زمین میں درخت وغیرہ اس لئے کہ وہ مکان اور زمین کے ساتھ متصل بالاتصال قرار ہوتے ہیں ۔

قولہ[۲] لا یدخل الزرع ۔ یعنی زمین کی بیع میں کھیتی داخل نہ ہوگی ہاں اگر اس کا نام لے لیا جائے تو داخل ہو جائے گی اور وہ داخل اس لئے نہ ہوگی کہ وہ متصل بالاتصال قرار نہیں ہوتی بلکہ کاٹنے کیلئے بوئی جاتی ہے اور اگر کسی نے کھجور کے درخت یا پھلدار درخت فروخت کی تو وہ پھل بیچنے والے کا ہوگا کیونکہ درخت کیساتھ پھل کا اتصال اگرچہ خلقی ہے مگر ہمیشگی کیلئے نہیں بلکہ کٹنے ہی کیلئے ہے ۔

قولہ[۳] یقال للبائع ۔ پھل چونکہ بائع کی ملک ہے اس لئے اس سے کہا جائے گا کہ پھل کو درخت سے توڑے تاکہ خالی درخت مشتری کے حوالہ ہو جائے ۔ کیونکہ مشتری کی ملک کے ساتھ بائع کی ملک مشغول ہے تو اس کو خالی کرنا بائع پر لازم ہے ۔ ائمہ ثلاثہ نے یہ کہا کہ پھل کو اتنی مدت تک درخت پر رہنے دیا جائے گا جتنی مدت میں وہ انتفاع کے قابل ہو سکے ۔

قولہ[۴] من باع ثمرۃ ۔ یعنی درخت میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع جائز ہے خواہ وہ کھانے کے قابل ہوں یا نہ ہوں اس لئے کہ وہ مال قیمتی ہے ۔ جس سے فی الحال یا فی المآل نفع حاصل کیا جا سکے ۔ ائمہ ثلاثہ نے کہا کہ وہ پھل اگر کھانے کے قابل نہ ہوں تو اس کی بیع جائز نہیں ۔ خریدنے والا پر لازم ہے کہ اس پھل کو اسی وقت توڑے اور اگر درخت میں رہنے دینے کی شرط قرار دی تو وہ بیع فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ وہ شرط مقتضائے بیع کے خلاف ہے اور امام محمد اور ائمہ ثلاثہ

نے کہا کہ تعامل ناس کی وجہ سے بیع فاسد نہیں بلکہ جائز ہے یہی امام طحاوی کا پسندیدہ قول ہے۔

وَلَا یَجُوزُ اَنْ یَبِیعَ ثَمْرَۃً وَیَسْتَثْنِیَ مِنْھَا اَرْطَالًا مَعْلُوْمَۃً وَیَجُوزُ بَیْعُ الْحِنْطَۃِ فِیْ سُنْبُلِھَا وَالْبَاقِلٰی فِیْ قِشْرِھَا وَمَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ فِی الْبَیْعِ مَفَاتِیْحُ اَغْلَاقِھَا وَاُجْرَۃُ الْکَیَّالِ وَنَاقِدُ الثَّمَنِ عَلَی الْبَائِعِ وَاُجْرَۃُ وَازِنِ الثَّمَنِ عَلَی الْمُشْتَرِیْ وَمَنْ بَاعَ سِلْعَۃً بِثَمَنٍ قِیْلَ لِلْمُشْتَرِیْ اِدْفَعِ الثَّمَنَ اَوَّلًا فَاِذَا دَفَعَ قِیْلَ لِلْبَائِعِ سَلِّمِ الْمَبِیْعَ وَمَنْ بَاعَ سِلْعَۃً بِسِلْعَۃٍ اَوْ ثَمَنًا بِثَمَنٍ قِیْلَ لَھُمَا سَلِّمَا مَعًا

ترجمہ: ـــــ اور جائز نہیں کہ پھل بیچے اور ان میں سے معین ارطال کو مستثنیٰ کرے اور جائز ہے گیہوں کی بیع اس کے خوشوں میں اور لوبیئے کی اس کی پھلیوں میں اور جس نے مکان بیچا تو بیع میں اس کے تالوں کی کنجیاں داخل ہوں گی اور ناپنے والا اور روپیہ پرکھنے والا کی مزدوری بائع کے ذمہ ہے اور قیمت جانچنے والا کی مزدوری مشتری پر ہے اور جس نے سامان بعوض ثمن بیچا تو مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے تو ثمن دے لیں جب وہ دیدے تو بائع سے کہا جائے گا کہ مبیع اس کے حوالہ کردے اور جس نے سامان بیچا۔ سامان کے عوض یا ثمن بیچا۔ ثمن کے عوض تو دونوں سے کہا جائے گا کہ ساتھ ساتھ حوالہ کردے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ولا یجوز ان یبیع۔ پھل کو اس طور پر بیچنا جائز نہیں کہ چند سیر پھل اپنے لئے مستثنیٰ کرے یعنی یہ کہدے کہ ان درختوں میں جو پانچ من یا جس قدر پھل ہے اس میں سے چار سیر میرا ہے اور وہ میں نہیں بیچتا تو یہ بیع جائز نہ ہوگی اور گیہوں کو اس کے خوشوں میں اور لوبیے کو اس کی پھلیوں میں بیچنا جائز ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی جنس کے خلاف ہو اور اگر بجنسہ ہو تو جائز نہیں کیونکہ اس میں ربٰو کا احتمال ہے چونکہ اس میں یہ معلوم نہیں کہ کتنی مقدار خوشوں میں ہے۔

قولہ[۲] من باع داراً۔ جس نے مکان بیچا تو بیع میں اس کے تالوں کی کنجیاں بھی داخل ہو جائیں گی یعنی اس تالے کی کنجیاں جو دروازے پر لگے ہوتے ہوں کیونکہ تالے مکان کی بیع میں داخل ہیں کہ مکان اس سے بھی مرکب ہوتا ہے اور کنجیاں ظاہر ہے مکان کی بیع میں بغیر اس کے ذکر کے داخل ہیں اس لئے کہ تالہ بغیر کنجی کے کوئی کارگر نہیں

قولہ[۳] اجرۃ الکیال۔ ناپنے والا اور روپیہ پرکھنے والا کی مزدوری بائع کے ذمہ ہے اور قیمت جانچنے والا کی مزدوری مشتری کے ذمہ ہے ناپنے والا کی مزدوری بائع کے ذمہ ہے اس لئے کہ مبیع کو مشتری کے سپرد کرنا بائع کے ذمہ ہے جبکہ بیع ناپ کر ہو اور اگر انکل ہو تو بائع پر ناپنے کی مزدوری نہیں کہ اس پر ناپنا ضروری نہیں

اسی طرح وزن کرنے والا اور گز سے ناپنے والا اور گنتی کرنے والا کی مزدوری بائع پر ہے جب کہ مبیع مزروعی یا موزونی یا معدودی ہو لیکن قیمت جانچنے والے کی مزدوری مشتری کے ذمہ اس لئے ہے کہ قیمت کا تعین اور اس کو بائع کے حوالہ کرنا مشتری پر لازم ہے اور وہ صرف وزن ہی سے ہو سکتا ہے۔

قولہ من باع سلعۃً بثمنٍ۔ یعنی کسی نے قیمت پر کچھ اسباب بیچا تو مشتری سے پہلے کہا جائے گا کہ قیمت ادا کر دے کیونکہ حق مشتری مبیع میں متعین ہے لہٰذا قیمت کو ادا کر دے تا کہ بائع کا حق قبضہ سے متعین ہو جائے پھر بائع سے کہا جائیگا کہ مبیع مشتری کے حوالہ کر دے کیونکہ بائع ثمن پر قبضہ کر دیا تو اب ضروری ہے مبیع اسکے حوالہ کرے

قولہ من باع سلعۃً بسلعۃ۔ کسی نے اگر اسباب کو اسباب کے عوض بیچا یا قیمت کو قیمت کے عوض یعنی چاندی کو سونے کے عوض یا سونے کو چاندی کے عوض تو دونوں سے کہا جائے گا کہ وہ ساتھ ساتھ ادا کر دیں یعنی ہاتھوں ہاتھ لے لیں کیونکہ تعین میں دونوں برابر ہیں۔

بابُ خیارِ الشرطِ۔

ترجمہ: ـــــ خیار شرط کے مسائل کا بیان۔

خیارُ الشرطِ جائزٌ فی البیعِ للبائعِ والمشتری ولہما الخیارُ ثلاثۃُ ایامٍ فمادونہا ولا یجوز اکثرُ من ذلک عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ یجوز اذا سمّی مدۃً معلومۃً

ترجمہ: ـــــ خیار شرط بیع میں بائع اور مشتری دونوں کیلئے جائز ہے اور ان کو تین دن یا اس سے کم کا اختیار ہے اور اس سے زائد امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ مدت معلوم جب کہ مقرر لیں تو جائز ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ باب خیار الشرط۔ خیار بمعنی اختیار ہے وہ حکم ہے جو مضاف ہے سبب کی طرف پس وہ از قبیل اضافت حکم بسوئے سبب ہے یعنی وہ اختیار جو بائع و مشتری کو شرط کر لینے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے بائع و مشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعی طور پر بیع نہ کریں جبکہ عقد میں یہ شرط کر دیں کہ اگر منظور نہ ہوا تو بیع باقی

نہ رہے گی اس کو خیار شرط کہا جاتا ہے اور اس کی ضرورت طرفین کو ہوا کرتی ہے کیونکہ بائع کبھی اپنی ناواقفی سے کم داموں پر چیز بیچ دیتا ہے یا مشتری اپنی نادانی سے زیادہ داموں سے خرید لیتا ہے یا چیز کی اس کو شناخت نہیں ہوتی اس وجہ سے ضرورت ہے کہ دوسرے سے مشورہ کر کے صحیح رائے قائم کرے اور اگر اس وقت نہ خریدے تو چیز جاتی رہے گی یا بائع کو اندیشہ ہے کہ گاہک ہاتھ سے نکل جائے گا ایسی صورت میں شرع مطہر نے دونوں کو یہ موقع دیا ہے کہ غور کریں اگر منظور نہ ہو تو خیار کی بنا پر بیع کو منظور نہ کریں۔

قولہ خیار الشرط جائز۔ یعنی خیار شرط اگرچہ قیاس کے خلاف ہے مگر چونکہ احادیث سے ثابت ہے اس لئے اس کو جائز کہا جاتا ہے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضرت حبان بن منقذ انصاری چونکہ عموماً خرید و فروخت میں دھوکہ کھایا کرتے تھے اس لئے سرکار مدینہ نے تین دن کا اختیار دیا اور فرمایا کہ کہہ دیا کرو لاخلابہ یعنی مجھکو فریب نہ دینا پس وہ ایسا ہی کرتے اور جب وہ خرید کر مکان لاتے تو اگر مکان والا یہ کہتا کہ یہ تو گراں قیمت ہے تو وہ جواب دیتے کہ سرکار مدینہ نے مجھے اختیار دیا ہے۔

قولہ لا یجوز اکثر۔ یعنی بائع و مشتری دونوں کو تین دن یا اس سے کم کا اختیار باقی رہتا ہے اور اس سے زیادہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جب کوئی مدت مقرر کر لے تو اس سے زیادہ بھی جائز ہے کیونکہ خیار شرط کی مشروعیت غور و فکر کرنے کیلئے ہوتی ہے جس میں کبھی تین دن سے زائد کی بھی ضرورت پیش آتی ہے پس یہ ایسا ہی ہو گیا جس طرح تاجیل ثمن کہ وہ مقتضائے بیع کے خلاف ہونے کے باوجود جائز ہے۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ خیار شرط مقتضائے بیع کے خلاف ہے کیونکہ اس کا مقتضا لزوم بیع ہے جس کا جواز مورد نص تک ہی محدود رہے گا اور وہ نص سے صرف تین دن کی اجازت ہے چنانچہ حضرت انس اور حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت ہے کہ ایک شخص نے اونٹ خریدا اور چار دن تک کیلئے خیار شرط کر لیا تو آپ نے اس بیع کو باطل کر دیا اور فرمایا کہ خیار شرط تین ہی دن ہے۔

وخیارُ الشرطِ یمنع خروجَ المبیعِ من ملکہ فان قبضہُ المشتری فھلک بیدہٖ فی مدۃ الخیارِ ضمنہٗ وخیارُ المشتری لایمنعُ خروجَ المبیعِ من ملکِ البائعِ الّا ان المشتریَ لایملکہٗ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو یوسف ومحمد یملکہٗ فانْ ھلکَ بیدہٖ ھلکَ بالثمنِ وکذلکَ اِنْ دخلہٗ عیبٌ

ترجمہ: ـــــ اور بائع کا خیار مبیع کے نکلنے کو اس کی ملک سے روک دیتا ہے پس اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ

کر لیا تھا پس وہ اس کے ہاتھ سے مدت خیار میں ہلاک ہوگئی تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور مشتری کا خیار مبیع کے نکلنے کو بائع کی ملک سے نہیں روکتا مگر مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ مشتری اس کا مالک ہوجاتا ہے پس اگر مبیع ہلاک ہوگئی تو بعوض ثمن ہوگئی اور اسی طرح اگر اس میں کوئی عیب آگیا۔

تشریح:۔۔۔۔۔ قولہ[1] خیار البائع۔ بائع کا خیار مبیع کو اس کی ملک سے نکلنے کو روک دیتا ہے یعنی اگر صرف بائع کو خیار ہے تو بیع کے بعد مبیع اس کی ملک سے نہیں نکلتی کیونکہ مبیع ملک سے اس وقت نکلتی ہے جبکہ بیع تام ہو اور بیع تام دونوں جانب کی رضا سے ہوتی ہے پس جب خیار ہے تو بیع تام نہ ہوگی اسی وجہ سے مشتری کو مبیع میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہوتا پس اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لیا اور مدت خیار میں وہ ہلاک ہوگئی تو مشتری پر مبیع کا بدل لازم ہوگا یعنی مبیع قیمتی ہو تو قیمت اور مثلی ہو تو مثل لازم ہوگی۔

قولہ[2] خیار المشتری۔ مشتری کا خیار مبیع کو بائع کی ملک سے نہیں روکتا یعنی مشتری کو ہو تو مبیع بائع کی ملک سے نکل جائے گی اب اگر وہ مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو بعوض ثمن ہلاک ہوگی اس لئے کہ مبیع کا ہلاک ہونا مقدمہ عیب سے خالی نہیں اور عیب کے ہوتے ہوئے واپسی ناممکن ہے پس مبیع لازم عقد کی تقدیر پر ہلاک ہوئی اور عقد لازم ہونے کے بعد مبیع کا ہلاک ہونا ثمن کو واجب کرتا ہے نہ کہ قیمت کو، ثمن اس دام کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کو آپس میں ٹھہرایا جائے خواہ وہ چیز اتنی کی ہو یا نہ ہو۔ اور قیمت اس کو کہا جاتا ہے جو بازار کے نرخ وغیرہ سے دام لگایا جائے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مشتری اُس کا مالک نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مالک ہوجائے گا کیونکہ مبیع خیار مشتری کی وجہ سے بائع کی ملک سے نکل گئی تو اب اگر مشتری بھی اس کا مالک نہ ہو تو ملک کا زوال غیر مالک کی طرف لازم آئے گا جس کی کوئی نظیر نہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ مشتری کو اگر مالک بنایا جائے تو اس کی ملک میں دو بدل یعنی مبیع اور ثمن کا اجتماع لازم آئے گا جو ممنوع ہے اس لئے کہ ثمن ابھی مشتری کی ملک سے نہیں نکلا اور ایک شخص کی ملک میں دو بدل کے اجتماع کی کوئی نظیر نہیں۔ برخلاف زوال ملک مذکور کہ اس کی نظیر موجود ہے چنانچہ ترکہ کا مال اگر مستغرق بالدین ہو تو میت کی ملک سے نکل جاتا ہے اور ورثہ و قرضخواہوں کی ملک میں داخل نہیں ہوتا۔

ومن شرط لہ الخیار فلہ ان یفسخ فی مدۃ الخیار ولہ ان یجیزہ فان اجازہ بغیر حضرۃ صاحبہ جاز وان فسخ لم یجز الا ان یکون الآخر حاضرا واذا مات من لہ الخیار بطل خیارہ ولم ینتقل الی ورثتہ ومن باع عبدا علی انہ خباز او کاتب فوجدہ بخلاف ذلک فالمشتری بالخیار ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ترکہ

ترجمہ: ـــــ اور جس کو خیار شرط ہو اس کیلئے جائز ہے مدت خیار میں مبیع کو فسخ کردے اور اس کو یہ بھی جائز ہے کہ بیع کو نافذ کر دے پس اگر مبیع کو بائع کی غیر موجودگی میں نافذ کیا تو جائز ہے اور اگر فسخ کیا تو جائز نہیں مگر یہ کہ بائع موجود ہو اور جس کیلئے خیار تھا وہ جب مر جائے تو خیار باطل ہو جائے گا اور اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہ ہوگا اور جس نے غلام خریدا اس شرط پر کہ وہ نانبائی یا کاتب ہے پھر اس کے خلاف پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے پورے ثمن کے عوض میں لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح: ـــــ قولہ ومن شرط لہ۔ یعنی متعاقدین میں سے جس کو بھی خیار حاصل ہو کا اس کو جائز ہے کہ خیار کی مدت میں بیع کو فسخ کردے۔ یا نافذ کر دے لیکن کرنے کی صورت میں ایک دوسرے کو واقف کرانا ضروری نہیں البتہ فسخ کی صورت میں واقف کرانا ضروری ہے۔ طرفین نے کہا کہ عدم موجودگی میں بیع فسخ نہ ہوگی جب تک خیار میں دوسرے عاقد کو اس کا علم نہ ہو جائے۔ فتویٰ اسی پر ہے اور امام ابو یوسف اور امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فسخ ہو جائے گی اس لئے کہ جس کو خیار ہے وہ دوسرے عاقد کی جانب سے فسخ بیع پر مسلط ہو لہذا جس طرح بیع کو نافذ کرنا دوسرے عاقد کے علم پر موقوف نہیں اسی طرح فسخ کرنا بھی اس کے علم پر موقوف نہیں۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ فسخ بیع حق غیر میں ایک ایسا تصرف ہے جو اس کیلئے نقصان دہ ہے لہذا وہ اس کے علم پر موقوف ہوگا برخلاف نفاذ کہ اسمیں دوسرے کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

قولہ اذا مات۔ یعنی جس کو خیار حاصل تھا وہ مر گیا تو خیار باطل ہو گیا وہ وارثوں کی طرف منتقل نہ ہوگا یعنی وارثوں کے فسخ کرنے سے بیع فسخ نہ ہوگی۔ امام شافعی اور امام مالک نے کہا کہ خیار شرط میں بھی وراثت جاری ہوگی اسلئے کہ خیار شرط حق لازم ہے جو وارثین کی طرف بھی منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح خیار عیب اور خیار تعین ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ وراثت ان امور میں جاری ہوتی ہے جن میں منتقل ہونے کی صلاحیت ہو جیسے اعیان وذوات اور خیار ارادہ ومشیت کو کہا جاتا ہے جسمیں منتقل ہونے کی صلاحیت نہیں۔ اس لئے کہ مورث کا ارادہ موت سے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ برخلاف خیار عیب کہ مورث چونکہ اس مبیع کا مستحق ہے جو عیب سے سالم ہو اس لئے اس کا وارث بھی صحیح وسالم مبیع کا مستحق ہوگا کیونکہ وہ اس کا خلیفہ ہے پس وارث کو ثبوت خیار بطور خلافت ہے بطور وراثت نہیں اسی طرح خیار تعین کہ اس کی ملک دوسرے کی ملک سے مخلوط ہے پس وہ اس سے علیحدگی چاہتا ہے۔

قولہ من باع عبداً۔ یعنی کسی نے غلام کو اس شرط پر خریدا کہ وہ روٹی پکانا جانتا ہے یا کاتب ہے پھر وہ اس کے خلاف نکلا تو مشتری کو اختیار ہے چاہیے پوری قیمت دیکر لیلے اور چاہے چھوڑ دے لینے کی صورت

میں پوری قیمت اس لئے لازم ہے کہ اوصاف کے مقابلہ میں قیمت نہیں ہوتی اور چونکہ روٹی پکانا اور کتابت مرغوب فیہ اوصاف ہیں اس لئے ان کے نہ ہونے کی صورت میں بیع کو مسترد کرنے کا اختیار حاصل ہے ۔

بابُ خیارِ الرویۃ

ترجمہ: ـــــ خیار رویت کے مسائل کا بیان

ومَن اشتریٰ مالَم یرہٗ فالبیعُ جائزٌ ولہُ الخیارُ اذا راٰہُ ان شاءَ اَخذہٗ وان شاءَ ردّہٗ ومَن باعَ مالَم یرہٗ فلاخیارَ لہٗ وان نظرَ الی وجہِ الصبرۃِ اَو الی ظاھرِ الثوبِ مطویاً اَو الی وجہِ الجاریۃِ اَو الی وجہِ الدابۃِ وکفلِھا فلاخیارَ لہٗ ۔

ترجمہ ـــــ اور جس نے بغیر دیکھے کوئی چیز خریدا تو بیع جائز ہے اور اس کو اختیار ہے جس وقت دیکھے اگر چاہے لے اور اگر چاہے رد کر دے اور جس نے اپنی کوئی چیز بغیر دیکھے فروخت کر دی تو اُسے اختیار نہیں رہتا اور اگر کسی نے اناج کے ڈھیر کے ظاہر کو دیکھ لیا یا لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہر کو یا باندی کے چہرہ کو یا چوپایہ کی اگاڑی اور پچھاڑی کو دیکھا تو اُسے اختیار نہ ہوگا ۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] باب خیار الرؤیۃ ۔ خیار رویت کو خیار عیب پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ خیار عیب لزوم حکم سے مانع ہوتی ہے اور خیار رویت تمامیت حکم سے ۔ اور ظاہر ہے لزوم حکم تمامیت حکم کے بعد ہوتا ہے اس لئے پہلے خیار رویت کو بیان کیا گیا خیار رویت میں، خیار، حکم ہے اور رویت اس کا سبب لہٰذا یہ از قبیل اضافۃ حکم بسوئے سبب ہے یعنی وہ اختیار جو مشتری کو مبیع دیکھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے ۔

قولہ[2] ومن اشتریٰ ۔ یعنی کسی نے کوئی چیز بغیر دیکھے خرید لی تو وہ بیع جائز ہے اور دیکھنے کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے پوری قیمت میں رکھ لے اور چاہے پھیر دے ۔ یہ احناف کے نزدیک ہے اور یہی امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے لیکن امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ بغیر دیکھے کسی چیز کو خریدنے سے عقد باطل ہو جاتا ہے اس لئے کہ مبیع مجہول ہے ۔ دلیل احناف کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی ایسی چیز کو خریدے جس کو اس نے نہ دیکھا ہو تو دیکھنے کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے رکھ لے یا چھوڑ دے ۔

قولہ من باع مالم یرہ ۔ یعنی کسی نے اگر اناج کے ڈھیر کو اوپر سے دیکھ لیا تھا۔ اندر ہاتھ ڈال کر نہیں یا لپٹے ہوئے کپڑے کو اوپر سے دیکھ لیا تھا یا لونڈی کے منہ کو دیکھ لیا تھا یا چوپایہ کی اگاڑی اور پچھاڑی کو دیکھ لیا تھا پھر خرید لیا تو اب اسے اختیار نہ رہے گا اس لئے کہ بیع میں ساری مبیع کو دیکھنا ضروری نہیں کیونکہ وہ امر دشوار ہے اس وجہ سے صرف اتنا دیکھ لینا کافی ہے جو مقصود کا علم حاصل ہونے پر دلالت کرے ۔

وان رای صحن الدار فلا خیار لہ وان لم یشاھد بیوتھا وبیع الاعمی وشراؤہ جائز ولہ الخیار اذا اشتری ویسقط خیارہ بان یجس المبیع اذا کان یعرف بالجس او یشمہ اذا کان یعرف بالشم او یذوقہ اذا کان یعرف بالذوق ولا یسقط خیارہ فی العقار حتی یوصف لہ

ترجمہ :۔ —— اور اگر کسی نے گھر کا صحن دیکھ لیا تو اُسے اختیار نہیں اگرچہ اس کے کمرے نہ دیکھے ہوں اور نابینا کی خرید وفروخت جائز ہے اور ان کو اختیار ہوگا جبکہ وہ خریدے اور اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا۔ مبیع کو ٹٹولنے سے جبکہ وہ ٹٹولنے سے معلوم ہو جائے یا سونگھ لے جبکہ سونگھنے سے معلوم ہو جائے یا چکھ لے جبکہ چکھنے سے معلوم ہو جائے اور اس کا خیار زمین میں ساقط نہ ہوگا یہاں تک کہ اس کی حالت بیان کر دی جائے ۔

تشریح :۔ —— قولہ صحن الدار ۔ یعنی اگر کسی نے مکان کا صحن دیکھ کر اس کو خرید لیا تھا تو اس کو بھی اختیار نہیں رہتا اگرچہ اُس کے کمرے وغیرہ کو نہ دیکھے ہوں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام زفر نے فرمایا کہ گھر کی کوٹھریوں اور اس کے دالان وغیرہ کو دیکھنا بھی ضروری ہے ۔ فتویٰ اسی پر ہے ۔ اختلاف اصل میں اختلاف عادات پر مبنی ہے کہ کوفہ اور بغداد کے مکانات میں چھوٹے بڑے اور نئے ویرانے ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا فرق نہ ہوتا تھا۔ اس لئے احناف نے ظاہر کو دیکھ لینا ہی کافی سمجھا اور آج کل مکانات میں چونکہ غیر معمولی قسم فرق پیدا ہوتا ہے چنانچہ گرمی سردی کے کمرے اور بالائی وزیریں مکانات میں چونکہ باورچی خانے اور غسل خانے وغیرہ میں تفاوت ہوتا ہے اس لئے ان سب کو دیکھنا ضروری ہے ۔

قولہ بیع الاعمی ۔ یعنی اندھے کی خرید وفروخت اگرچہ مادر زاد ہو ، جائز ہے اور وہ جب خریدے گا تو اس کو اختیار ہوگا کیونکہ بیناؤں کی طرح وہ بھی مکلف اور خرید وفروخت کا محتاج ہوتا ہے پس مبیع کو چھو کر دیکھنے سے اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا جس وقت کہ وہ ایسی چیز ہو جو چھونے سے معلوم ہو جاتی ہو اور جو سونگھنے سے معلوم ہوگی اس میں اختیار سونگھنے سے ساقط ہو جائے گا ۔ اور جو چکھنے کی ہوگی اس میں چکھنے سے ساقط ہو جائے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے فرمایا کہ مادر زاد اندھا کی خرید وفروخت اصلاً جائز نہیں ۔

قولہ لا یسقط خیارہ ۔ یعنی اندھا نے اگر زمین خریدا تو جبتک زمین کی حالت اس سے بیان نہ کیجائے اختیار ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ زمین کا علم چھونے یا چکھنے یا سونگھنے سے نہیں ہوتا۔ نابینا تمام مسائل میں بیناؤں کیطرح ہے مگر انیس بارہ مسائل میں (۱) نابینا پر جہاد (۲) جمعہ (۳) جماعت (۴) حج نہیں اگرچہ اس کا کوئی رہبر مل جائے (۵) شہادت (۶) قضاء (۷) امامت عظمیٰ یعنی بادشاہت کی صلاحیت نہیں (۸) اس کی آنکھ میں دیت نہیں (۹) اس کی اذان (۱۰) امامت مکروہ ہیں مگر یہ کہ وہ سب سے زیادہ عالم ہو (۱۱) نابینا غلام کو کفارہ میں آزاد نہیں کیا جاسکتا (۱۲) نابینا کا ذبیحہ مکروہ ہے

وَمَنْ بَاعَ مِلْكَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَجَازَ الْبَيْعَ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ وَلَهُ الْإِجَازَةُ إِذَا كَانَ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ بَاقِيًا وَالْمُتَعَاقِدَانِ بِحَالِهِمَا وَمَنْ رَأَى أَحَدَ الثَّوْبَيْنِ فَاشْتَرَاهُمَا ثُمَّ رَأَى الْآخَرَ جَازَ لَهُ أَنْ يَرُدَّهُمَا وَمَنْ مَاتَ وَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ بَطَلَ خِيَارُهُ وَمَنْ رَأَى شَيْئًا ثُمَّ اشْتَرَاهُ بَعْدَ مُدَّةٍ فَإِنْ كَانَ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي رَآهُ فَلَا خِيَارَ لَهُ وَإِنْ وَجَدَهُ مُتَغَيِّرًا فَلَهُ الْخِيَارُ

ترجمہ: ــــــ اور جس نے کسی دوسرے کی چیز کو بلا اجازت بیچا تو مالک کو اختیار ہے چاہے بیع کو نافذ کرے چاہے فسخ کرے اور نافذ اس وقت کرے گا جب کہ معقود علیہ اور متعاقدین علیٰ حالہ باقی ہوں اور جس نے دو کپڑوں میں سے ایک کو دیکھا اور دونوں خرید لئے پھر دوسرا کپڑا خریدا تو وہ دونوں کو لوٹا سکتا ہے۔ اور اگر وہ مرگیا جس کے دیکھنے کا اختیار تھا تو اس کا خیار باطل ہوگیا اور جس نے کوئی چیز دیکھا پھر اس کو ایک مدت کے بعد خریدا پس اگر وہ اسی حالت پر ہو جس پر دیکھا تھا تو اس کو اختیار نہ ہوگا اور اگر اس کو متغیر پایا تو اختیار ہوگا۔

تشریح: ــــــ قولہ من باع ملک غیرہ ۔ یعنی اگر کوئی کسی کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر بیع کر دے تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے بیع کو نافذ کرے اور چاہے فسخ کرے اور مالک کو نافذ کرنے سے پہلے مشتری کو مبیع میں تصرف کا حق حاصل نہیں خواہ وہ قبضہ کر چکا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو اور اگر مالک نے اس کی قیمت پر قبضہ کر لیا تو وہ اجازت بیع کی دلیل ہے لیکن مالک کو نافذ کرنے کا اختیار اس وقت حاصل ہوگا جب کہ مبیع اور لینے اور دینے والے تینوں موجود ہوں۔

قولہ من رأیٰ ۔ یعنی اگر دو کپڑے ہوں اور کسی نے ان دو میں سے ایک کو دیکھ کر دونوں خرید لیا پھر دوسرے کو دیکھا تو اسے دونوں کو لوٹا دینا جائز ہے اور اگر کسی کو دیکھنے کا اختیار حاصل تھا اور وہ مرگیا تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا یعنی اختیار باطل ہو کر بیع تام ہو جائے گی اور خیار شرط کی طرح یہ بھی ورثہ کی طرف منتقل نہ ہوگا

قولہ[۲] من رای ۔ یعنی اگر دو کپڑے ہوں اور کسی نے ان دو میں سے ایک کو دیکھ کر دونوں خرید لیا تو اگر وہ اسی حالت قائم ہے جس حالت پر اس کو دیکھا تھا تو اس کو کچھ اختیار نہیں اور اگر اس میں کچھ فرق آگیا تو اس کو اختیار ہے چاہے رکھے اور چاہے نہ رکھے

بابُ خیارِ العیب

ترجمہ : ـــــــ خیار عیب کے مسائل کا بیان ۔

[۱] اِذَا اطَّلَعَ المُشتَرِیُ عَلیٰ عَیبٍ فِی المَبیعِ فَھُوَ بِالخِیَارِ اِن شَاءَ اَخَذَہٗ بِجَمِیعِ الثَّمَنِ وَاِن شَاءَ رَدَّہٗ وَلَیسَ لَہٗ اَن یُمسِکَہٗ وَیَاخُذَ النُّقصَانَ وَکُلُّ مَا اَوجَبَ نُقصَانَ الثَّمَنِ فِی عَادَۃِ التُّجَّارِ فَھُوَ عَیبٌ وَالاِبَاقُ وَالبَولُ فِی الفِرَاشِ وَالسَّرِقَۃُ عَیبٌ فِی الصَّغِیرِ مَا لَم یَبلُغ فَاِذَا بَلَغَ فَلَیسَ ذٰلِکَ بِعَیبٍ حَتّٰی یُعَاوِدَہٗ بَعدَ البُلُوغِ

ترجمہ : ـــــــ مشتری جب مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہو تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے پورے ثمن کے عوض لیلے اور اگر چاہے واپس کر دے اور اس کیلئے یہ جائز نہیں کہ مبیع رکھے اور نقصان لے اور ہر وہ چیز جو سوداگروں کے نزدیک قیمت میں کمی لائے تو وہ عیب ہے اور بھاگنا اور بستر پر پیشاب کرنا اور چوری کرنا عیب ہے بچہ میں جبتک بالغ نہ ہو پس جب بالغ ہو جائے تو عیب نہیں یہانتک کہ وہ بالغ ہونے کے بعد دوبارہ کرے ۔

تشریح :- قولہ باب خیار العیب ۔ عیب عرب میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے فطرت سلیمہ دور ہو یعنی جو اصل حقیقت میں داخل ہو اور اصطلاح شرع میں عیب وہ ہے جس کی وجہ سوداگروں کے نزدیک اس چیز کی قیمت گھٹ جائے مثلاً غلام میں بھگوڑا پن اور عورتوں میں حیض کا نہ آنا وغیرہ وغیرہ

قولہ اذا اطلع ۔ بیع ہو جانے کے بعد مشتری کو مبیع میں اگر کوئی عیب معلوم ہو تو اس کو اختیار ہے چاہے پوری قیمت کے عوض لے یا وہ پھیر دے اس لئے کہ مطلق بیع کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مبیع عیب سے خالی ہو اور یہ مشتری کیلئے جائز نہیں کہ مبیع کو رکھ لے اور عیب کے نقصان طالب ہو ۔

قولہ فھو عیب ۔ بھگوڑا پن ہونا اور بچپن میں بچھونے پر پیشاب کرنا اور چوری کرنا وغیرہ عیب ہے

جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو یعنی بالغ ہونیکے بعد بائع کے یہاں وہ چیزیں عود نہ کریں یعنی اگر کسی غلام میں بچپن میں وہ چیزیں موجود تھیں اور بالغ ہونے کے بعد وہ چیزیں نہیں پائی جائیں پس اگر بیع ہونے کے بعد مشتری کے ہاں وہ چیزیں پھر ہوئیں تو انہیں حادث عیب شمار کیا جائے گا گویا وہ چیزیں مشتری کے ہاں پیدا ہوئیں ہیں۔ قدیمی نہیں۔ لہذا مشتری کو ایسے غلام کے پھیرنے کا اختیار حاصل نہ ہوگا اور اگر بالغ ہونے کے بعد بھی بائع کے یہاں ان چیزوں کا ظہور ہوا تو ان کو قدیمی شمار کیا جائے گا۔

والبخر والدفر عیب فی الجاریۃ ولیس بعیب فی الغلام الا ان یکون من داء والزنا وولد الزنا عیب فی الجاریۃ دون الغلام واذا حدث عند المشتری عیب ثم اطلع علی عیب کان عند البائع فلہ ان یرجع بنقصان العیب ولا یرد المبیع الا ان یرضی البائع ان یاخذہ بعینہ وان قطع المشتری الثوب وخاطہ او صبغہ او لت السویق بسمن ثم اطلع علی عیب رجع بنقصانہ
ولیس للبائع ان یاخذہ بعینہ

ترجمہ: ـــــ اور گندہ دہن اور گندہ بغل ہونا باندی میں عیب ہے اور غلام میں عیب نہیں مگر یہ کہ بیماری کی وجہ سے ہو اور زناکار ہونا اور حرامی ہونا باندی میں عیب ہے۔ نہ کہ غلام میں اور جب مشتری کے پاس کوئی عیب پیدا ہو جائے پھر وہ اس عیب پر مطلع ہو جو بائع کے نزدیک تھا تو وہ عیب کی کمی کو لے سکتا ہے۔ اور مبیع کو واپس نہیں کر سکتا مگر یہ کہ بائع معیوب کے لینے پر راضی ہو اور اگر مشتری نے کپڑا کتر کر سی لیا یا رنگ لیا یا ستو میں گھی ملا لیا۔ پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان عیب لے سکتا ہے بائع بعینہ اس چیز کو نہیں لے سکتا۔

تشریح: ـــــ قولہ والبخر والدفر۔ یعنی گندہ دہن اور گندہ بغل لونڈی میں ہونا عیب ہے اور غلام میں عیب نہیں مگر یہ کہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو وہ غلام میں بھی عیب شمار ہوگا اور زناکار ہونا لونڈی میں عیب ہے اور غلام میں عیب نہیں مگر یہ کہ غلام کی عادت ہی زنا کی ہو جائے اور عادت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عورتوں کے پیچھے پیچھے گھومے اور ظاہر ہے اس سے خدمت گذاری میں ضرور فرق آ جائے گا اسلئے وہ عیب شمار ہوگا۔

قولہ اذا حدث عند المشتری۔ مشتری کے پاس کوئی عیب پیدا ہو پھر اس میں ایک ایسا عیب معلوم ہوا جو بائع کے پاس بھی تھا۔ تو مشتری کو اختیار ہے کہ عیب کی کمی کو اس سے واپس لے لے اور مبیع کو نہ پھیرے اور چاہے مبیع کو واپس کر دے بشرطیکہ بائع لینے پر راضی ہو۔ راضی ہونا اس لئے ضروری ہے کہ مبیع جس وقت

اس کی ملک سے نکلی تھی اس وقت عیب حادث سے پاک تھی۔ پھر نقصان کے ساتھ رجوع کی صورت یہ ہے کہ عیب کے بغیر مبیع کی قیمت لگائی جائے پھر عیب قدیم کے ساتھ قیمت لگائی جائے اور دونوں قیمتوں میں جو فرق ہو اس کے مطابق قیمت واپس لیلے مثلاً سو روپے کی چیز دس روپے میں خریدی گئی اور عیب نے دسواں حصہ کم کر دیا تو قیمت کا دسواں حصہ یعنی ایک روپیہ اس سے واپس لیلے۔

قولہ وان قطع المشتری۔ یعنی مشتری نے اگر کپڑا کاٹ کر سی لیا یا رنگ لیا یا ستو تھا اور اس میں گھی وغیرہ ملا لیا اور اس کے بعد اس میں عیب معلوم ہوا تو مشتری اس عیب کا نقصان بائع سے واپس لے سکتا ہے۔ مبیع واپس نہیں کر سکتا۔ اگرچہ بائع اور مشتری دونوں مبیع کے لوٹانے پر راضی ہوں کیونکہ اب مشتری کی طرف سے اصل مبیع میں زیادتی ہو گئی ہے پس اگر اس زیادتی کے ساتھ واپسی ہو تو شبہ ربو لازم آئے گا اور بلا زیادتی واپسی ممکن نہیں اس لئے کہ اس زیادتی کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔

ومن اشتری عبداً فاعتقہ او مات عندہ ثم اطلع علی عیب رجع بنقصانہ فان قتل المشتری العبد او کان طعاماً فاکلہ ثم اطلع علی عیبہ لم یرجع علیہ بشیٔ فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا یرجع بنقصان العیب ومن باع عبداً فباعہ المشتری ثم رد علیہ بعیب فان قبلہ بقضاء القاضی فلہ ان یردہ علی بائعہ الاول وان قبلہ بغیر قضاء القاضی فلیس لہ ان یردہ علی بائعہ الاول ومن اشتری عبداً او شرط البائع البراءۃ من کل عیب فلیس لہ ان یردہ بعیب وان لم یسم جملۃ العیوب ولم یعدھا

ترجمہ: اور جس نے غلام خرید کر آزاد کر دیا وہ اس کے پاس مر گیا پھر کسی عیب پر مطلع ہوا تو عیب کا نقصان لے سکتا ہے پس اگر مشتری نے غلام کو قتل کر دیا یا مبیع کھانا تھا اس کو کھا گیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو کچھ واپس نہیں لے سکتا امام ابو حنیفہ کے قول میں اور صاحبین نے فرمایا کہ عیب کا نقصان لے سکتا ہے اور جس نے غلام بیچا پس مشتری نے اس کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا پھر اس کو عیب کی وجہ سے واپس کر دیا تو اگر مشتری نے قاضی کے حکم سے قبول کیا تو وہ بائع اول کو واپس کر دے اور اگر قضاء قاضی کے بغیر قبول کیا تو وہ بائع اول پر لوٹا نہیں سکتا اور جس کسی نے غلام خریدا اور بائع نے ہر عیب سے بری ہونے کی شرط کر لی تو مشتری اس کو عیب کی وجہ سے نہیں لوٹا سکتا اگرچہ تمام عیبوں کا نام لے لے کر شمار نہ کرایا ہو۔

تشریح : ـــــ قولہ۱ ومن اشتری یعنی کسی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا یا وہ اس کے پاس آکر مر گیا پھر مشتری کو اس کا کوئی عیب معلوم ہوا تو مشتری اس عیب کا نقصان بائع سے واپس لے گا۔ موت کی صورت میں اس لئے کہ آدمی میں ملک کا ثبوت اس کی مالیت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور موت کی وجہ سے مالیت منتہی ہو چکی تو ملک بھی منتہی ہو گی لہذا واپسی دشوار ہو گئی پس اگر نقصان کی وجہ سے رجوع جائز نہ ہو تو مشتری کا نقصان لازم آئے گا اور آزاد کرنے کی صورت میں اس لئے کہ قیاس کا مقتضی یہی ہے کہ رجوع جائز نہ ہو اس لئے کہ سبب امتناع رد مبیع خود اسی کا فعل ہے پس وہ قتل کر دینے کی مثل ہوا کہ اس تقدیر پر رجوع نہیں کیا جا سکتا ہے مگر چونکہ آزاد کرنے سے بھی ملک منتہی ہو جاتی ہے استحساناً نقصان کی وجہ سے رجوع جائز ہے ۔

قولہ۲ فان قتل المشتری ۔ یعنی مشتری نے غلام کو خرید کر اس کو قتل کر دیا یا مبیع کھانا تھا اس کو کھا لیا پھر اس میں کوئی عیب معلوم ہوا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مشتری کچھ واپس نہیں لے سکتا اور صاحبین نے فرمایا کہ اس عیب کا نقصان بائع سے واپس لے گا۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور اگر کسی نے کوئی کھانے کی چیز خریدی اور اس میں بھی کچھ کھا لیا اور کچھ رکھ لیا پھر اس میں کوئی عیب معلوم ہوا جو بائع کے گھر کا تھا تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک بقیہ کو نہیں پھیر سکتا اور نہ اس عیب کا نقصان لے سکتا ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ جو بقیہ ہے واپس کر دے اور یا عیب کا نقصان اس سے لے لے ۔

قولہ۳ من باع عبداً ۔ یعنی اگر کسی نے ایک غلام خریدا اور خریدنے والے نے پھر دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا یا وہ پھر کسی عیب کی وجہ سے اس کے پاس واپس آیا تو اگر اس سے پہلے خریدنے والے نے اس غلام کو قاضی کے حکم سے قبول کیا تھا تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنے بائع کو پھیر دے اور اگر بدون حکم قاضی کے لے لیا تھا تو اب اپنے پہلے بائع کو نہیں پھیر سکتا اور اگر کسی نے غلام وغیرہ خریدا اور بائع نے ہر عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط کر لی تھی یعنی یہ کہہ دیا تھا کہ اب اس میں خواہ کوئی عیب ہو واپس نہیں کروں گا تو اب کسی عیب کی وجہ سے مشتری کو اس کے واپس کرنے کا اختیار نہیں اگرچہ سب عیبوں کا نام نہ لیا ہو اور نہ انہیں شمار کر کے کیا ہو ۔

بابُ البیعِ الفاسدِ

ترجمہ : ـــــ بیع فاسد کے مسائل کا بیان

متن۱ اِذا کانَ احدُ العوضینِ اوکلاھما محرماً فالبیعُ فاسدٌ کالبیعِ بالمیتۃِ اوبالدمِ اوبالخمرِ اوبالخنزیرِ وکذلک

اذا کان المبیعُ غیرَ مملوکٍ کالحرِّ وبیعِ امّ الولدِ والمدبرِ والمکاتبِ فاسدٌ

ترجمہ: ـــــ دو عوض میں سے ایک یا دونوں حرام چیزیں ہوں تو بیع فاسد ہوگی جیسے مردار اور خون اور شراب اور خنزیر کی بیع اور اسی طرح مبیع جبکہ غیر مملوک ہو جیسے آزاد آدمی اور ام ولد اور مدبر اور مکاتب کی بیع فاسد ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ باب البیع الفاسد۔ اس سے قبل ان بیعوں کا ذکر تھا جو صحیح ہیں اور اب ان بیعوں کو بیان کیا جاتا ہے جو فاسد ہیں۔ مطلق بیع کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جائز (۲) منہی عنہ۔ پھر منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں (۱) فاسد (۲) باطل (۳) مکروہ تحریمی اس طرح بیع کی کل چار قسمیں جائیں گی آگے ہر ایک کی تعریف موجود ہے۔

فاسد مشتق ہے فساد سے جو لغت میں فسد صلاح کو کہا جاتا ہے یعنی وصف کا متغیر ہو جانا بگڑ جانا اور اصطلاح میں فاسد وہ بیع ہے جو باعتبار اصل مشروع ہو اور باعتبار وصف غیر مشروع۔ باعتبار اصل سے مراد یہ کہ وہ مال متقوم ہو۔ خلاصہ یہ کہ بیع فاسد وہ ہے جو باعتبار وصف مشروع نہ ہو خواہ وہ باعتبار اصل مشروع ہو یا مشروع نہ ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ محض عقد مفید حکم یعنی مفید ملک نہیں ہوتا بلکہ قبضہ کی وجہ سے مفید ملک ہوتا ہے۔ بیع باطل وہ ہے جو نہ باعتبار اصل مشروع ہو اور نہ باعتبار وصف۔ بیع کی یہ قسم کسی طرح بھی مفید ملک نہیں ہوتی خواہ قبضہ ہو یا نہ ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ بیع فاسد عام ہے اور بیع باطل خاص۔ اس وجہ سے عنوان باب فاسد کو قرار دیا گیا کہ وہ باطل کو بھی شامل ہو جائے مکروہ وہ ہے جو دو لحاظ سے مشروع ہو مگر کسی دوسری شئی کی مجاورت کی وجہ سے ممنوع عنہ ہے جیسا اذان جمعہ کے وقت بیع کرنا۔

قولہ اذا کان۔ یعنی مبیع اور قیمت میں سے ایک یا دونوں جبکہ حرام چیزوں سے ہوں اور ان کی حرمت خواہ نص سے ہو یا اجماع سے تو وہ بیع فاسد یعنی باطل ہے جیسے مردار یا خون یا شراب یا سور کی بیع کہ اس میں رکن بیع جو مبادلۃ المال بالمال ہے وہ مفقود ہے کیونکہ وہ کسی کے نزدیک بھی مال نہیں۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ مبیع ملکیت میں نہ ہو جیسے آزاد آدمی کی بیع کہ وہ کسی طرح سے بھی محل بیع نہیں اور ام ولد اور مدبر اور مکاتب کی بیع بقاءً باطل ہے اس لئے کہ ام ولد کے لئے استحقاق عتق حدیث شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ اس کو اس کے بچہ نے آزاد کر دیا۔ اور مدبر میں آزادی کا سبب فی الحال موجود ہے اور مکاتب اپنی ذاتی تصرفات کا مستحق ہو جاتا ہے اگر بیع کے ذریعہ ان میں مشتری کیلئے ملک ثابت ہو تو یہ تمام حقوق باطل ہو جائیں گی۔

واضح ہو کہ ام ولد اس لونڈی کو کہا جاتا ہے جس کی اولاد اپنے آقا سے پیدا ہوئی ہے۔ اور مدبر وہ غلام ہے جس سے آقا کہدے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ اور مکاتب وہ غلام ہے جس سے آقا کہدے کہ میرے مرنے کے بعد

تو آزاد ہے اور مکاتب وہ غلام ہے جو آقا سے اپنی قیمت اپنے ذمہ لیلے۔

ولا[۱] یجوز بیع السمک فی الماء قبل أن یصطادہ ولا بیع الطائر فی الھواء ولا یجوز[۲] بیع الحمل فی البطن ولا النتاج ولا الصوف علی ظھر الغنم ولا بیع اللبن فی الضرع ولا[۳] یجوز بیع ذراع من ثوب ولا بیع جذع من سقف وضربۃ القانص ولا[۴] بیع المزابنۃ وھو بیع الثمر علی النخل بخرصہ تمرًا

ترجمہ:۔۔۔۔ اور مچھلی کی بیع پانی میں شکار کرنے سے پہلے جائز نہیں اور نہ پرندہ کی بیع فضاء میں اور نہ حمل کی بیع پیٹ میں جائز ہے اور نہ حمل کے حمل کی اور نہ اون کی بیع بکری کی پیٹھ پر اور نہ دودھ کی بیع تھن میں اور نہ ایک گز کی بیع تھان سے جائز ہے اور نہ کڑی کی بیع چھت سے اور نہ جال کا کڑی پھینکنے کی بیع اور نہ مزابنہ کی بیع اور وہ بیع ہے کھجور کو درخت پر لگے ہوئے ٹوٹی ہوئی کھجور سے اندازہ کر کے۔

تشریح:۔۔۔۔ قولہ[۱] ولا یجوز بیع السمک۔ مچھلی کو شکار کرنے سے پہلے دریا میں بیچ دینا جائز نہیں اس لئے کہ وہ اس کا مالک نہیں اور اس لئے بھی کہ امام احمد بن حنبل سے مرفوعاً روایت ہے لا تشتروا السمک فی الماء فانہ غرور یعنی پانی میں مچھلی کو مت خریدو کیونکہ وہ دھوکہ ہے اسی طرح پرندہ کی بیع فضا میں جائز نہیں کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں اور اگر ہاتھ سے چھوڑ دینے کے بعد فروخت کیا جائے تو بیع فاسد ہے اس لئے کہ وہ مقدور التسلیم نہیں۔

قولہ[۲] لا یجوز بیع الحمل۔ یعنی حمل کی بیع پیٹ میں جائز نہیں اور نہ نتاج یعنی حمل کے بچہ کی بیع جائز ہے کیونکہ حضرت ابو سعید الخدری اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس وغیرہ راوی ہیں کہ سرکار مدینہ نے ان دونوں کی بیع سے منع فرمایا ہے اور بھیڑ کی پشت پر اون کی بیع جائز نہیں یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور فتویٰ اسی پر ہے لیکن صاحبین نے اس کو جائز کہا ہے اور تھن کے اندر دودھ کی بیع بھی جائز نہیں چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مرفوعاً دونوں کی بیع سے ممانعت وارد ہے۔

قولہ[۳] لا یجوز بیع ذراع۔ یعنی تھان جو بناوٹ میں مختلف ہو اس میں سے ایک گز کی بیع جائز نہیں اور اسی طرح چھت میں سے ایک کڑی کی بیع بھی جائز نہیں کیونکہ بائع کو نقصان لازم ہوئے بغیر تسلیم دشوار ہے البتہ اگر بائع نے تھان سے ایک گز کاٹ دیا یا چھت سے کڑی نکال دیا تو بیع جائز ہو جائے گی اس لئے کہ اب مفسد زائل ہو گیا اور ضربۃ القانص یعنی جال پھینکنے کی بیع بھی جائز نہیں۔ ضربۃ القانص کہا جاتا ہے ایک دفعہ دریا میں جال ڈالنے سے کچھ مچھلی وغیرہ آ جائے اور چونکہ وہ بیع مجہول ہے یعنی یہ معلوم نہیں کہ اب جال میں کیا آئے گا اس لئے وہ جائز نہیں

کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہ آئے ۔
قولہ ولا بیع المزابنۃ ۔ بیع مزابنہ یعنی ٹوٹے ہوئے پھل سے اندازہ کرکے درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع جائز نہیں کیونکہ حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے سرکار مدینہ نے مزابنہ کی بیع سے منع فرمایا اور عرایا کی اجازت دی ہے اور عرایا جمع عریۃ اور عریۃ وہ ہے جو پانچ وسق سے کم ہو ۔

ولا یجوز البیع بالقاء الحجر والملامسۃ ولا یجوز بیع ثوب من ثوبین ومن باع عبداً علی ان یعتقہ المشتری او یدبرہ او یکاتبہ او باع امۃ علی ان یستولدھا فالبیع فاسد وکذلک لو باع عبداً علی ان یستخدمہ البائع شہراً او داراً علی ان یسکنہا البائع مدۃ معلومۃ او علی ان یقرضہ المشتری درھماً او علی ان یھدی لہ ومن باع عیناً علی ان لا یسلمہا الا الی راس الشہر فالبیع فاسد

ترجمہ: ــــ اور بیع بالقاء حجر اور بیع ملامسہ جائز نہیں اور دو کپڑوں میں سے ایک کی بیع جائز نہیں اور جس نے غلام بیچا اس شرط پر کہ اس کو مشتری آزاد کر دے یا مدبر یا مکاتب بنائے گا یا باندی بیچیگا اس شرط پر کہ اس کو ام ولد بنائے گا تو بیع فاسد ہے اور اسی طرح اگر غلام بیچا اس شرط پر کہ اس سے بائع ایک ماہ تک خدمت لے گا یا مکان بیچا اس شرط پر کہ اس میں بائع اتنی مدت تک رہے گا یا اس شرط پر کہ مشتری اس کو کچھ درہم قرض دے گا یا اس شرط پر کہ کچھ اس کو ہدیہ دے گا اور جس نے کسی چیز کو اس شرط پر بیچا کہ اس کو ایک ماہ تک حوالہ نہ کرے گا تو بیع فاسد ہے ۔

تشریح: ــــ قولہ لا یجوز البیع ۔ بیع بالقاء حجر اس کو کہا جاتا ہے کہ بائع و مشتری نے ایک چیز کا نرخ ٹھہرالیا پھر مشتری نے مبیع پر کچھ پتھر وغیرہ ڈال دیا تو یہ بیع مشتری کی ہوگئی اور اس کے ڈالنے سے بائع راضی ہو یا نہ ہو اور اگر مشتری مبیع کو ہاتھ لگادیا تو اسے بیع ملامسہ کہا جاتا ہے اس قسم کی بیع زمانہ جاہلیت کے لوگ کرتے تھے ۔ سرکار مدینہ نے اس سے منع فرمادیا ہے ۔ اور دو کپڑوں میں سے ایک غیر معین کپڑے کی بیع بھی ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں مبیع مجہول ہے مثلاً بائع کے پاس دو کپڑے ہیں اور وہ کہے میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا تو یہ بیع جائز نہیں جب تک کہ اس کو معین نہ کر دے چونکہ کپڑے مختلف ہوتے ہیں پس اس قسم کی بیع سے جھگڑا کا اندیشہ ہے ۔
قولہ ومن باع عبداً ۔ یعنی جس کسی نے ایک غلام کو اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری اس کو خرید کر آزاد کر دے گا یا مدبر یا مکاتب کر دے گا یا لونڈی کو اس شرط پر بیچا کہ اس کو ام ولد کر دے گا تو وہ بیع فاسد ہے کیونکہ وہ بیع مع شرط ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیع مع شرط سے منع فرمایا ہے ۔

قولہ[۳] کذلک لو باع ۔ یعنی حکم مذکور کی طرح اگر کسی نے ایک غلام کو اس شرط پر فروخت کیا کہ ابھی ایک مہینہ اس سے خدمت لے گا یا مکان فروخت کیا اس شرط پر کہ اتنی مدت تک اس میں بائع رہے گا یا اس شرط پر کہ مشتری بائع کو ایک درہم قرض دے گا یا اس شرط پر کہ مشتری کچھ تحفہ دے گا اسی طرح اگر کسی نے کوئی چیز اس شرط پر فروخت کیا کہ اس کو ایک ماہ تک حوالہ نہ کرے گا تو بیع فاسد ہے کیونکہ یہ تمام بیع مع شرط ہے جو ممنوع ہے ۔

وَ[۱] مَنْ بَاعَ جَارِيَةً أَوْدَابَّةً اِلاَّ حَمْلَهَا فَسَدَ الْبَيْعُ وَمَنْ[۲] اشْتَرٰى ثَوْبًا عَلٰى اَنْ يَقْطَعَهَا الْبَائِعُ وَيَخِيْطَهٗ قَمِيْصًا أَوْقَبَاءً اَوْنَعْلاً عَلٰى اَنْ يَحْذُوْهَا اَوْ يُشْرِكَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَالْبَيْعُ[۳] اِلَى النَّيْرُوْزِ وَالْمَهْرَجَانِ وَصَوْمِ النَّصَارٰى وَفِطْرِ الْيَهُوْدِ اِذَا لَمْ يَعْرِفِ الْمُتَبَايِعَانِ ذٰلِكَ فَاسِدٌ وَلاَ يَجُوْزُ[۴] الْبَيْعُ اِلَى الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَالْقِطَافِ وَقُدُوْمِ الْحَاجِّ فَاِنْ تَرَاضَيَا بِاِسْقَاطِ الْاَجَلِ قَبْلَ اَنْ يَاْخُذَ النَّاسُ فِي الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَقَبْلَ قُدُوْمِ الْحَاجِّ جَازَ الْبَيْعُ

ترجمہ: ــــــ اور جس نے باندی بیچا یا چوپایہ مگر اس کے حمل کا استثنا کیا تو بیع فاسد ہے اور جس نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ بائع اس کو کاٹ دے اور اس کا کرتا یا قباسی دے یا جوتا خریدا اس شرط پر کہ اس کو برابر کردے یا اس میں تسمہ لگادے تو وہ بیع فاسد ہے اور بیچنا نوروز اور مہرجان اور یوم نصاریٰ اور عید یہود تک جبکہ بائع و مشتری دونوں اس کو نہ جانتے ہوں تو وہ فاسد ہے ۔ اور بیع جائز نہیں کھیتی کٹنے یا اس کے گہے جانے یا انگور اترنے اور حاجیوں کے آنے تک پس اگر بائع و مشتری دونوں اس مدت کے ساقط کرنے پر راضی ہوگئے قبل اس کے کہ لوگ کھیتی کاٹیں یا گاہیں اور حاجیوں کے آنے سے پہلے بائع و مشتری دونوں اس مدت کے ساقط کرنے پر راضی ہوگئے تو وہ بیع جائز ہو جائے گی ۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] ومن باع جاریۃ ۔ یعنی اگر کسی نے ایک باندی یا چوپایہ فروخت کیا اور ان دونوں کا حمل ان سے مستثنیٰ کرلیا تو وہ بیع فاسد ہے کیونکہ حمل کی وجہ سے بیع کی تسلیم مشتری کی طرف دشوار ہے کیونکہ مبیع کا ملک غیر سے مفروغ عنہ ہونا ضروری ہے ۔

قولہ[۲] من اشتری ۔ یعنی کسی نے ایک کپڑا اس شرط پر خریدا کہ بائع اس کو کاٹ دے اور وہی اس کا کرتا یا قباسی دے یا جوتا کا چمڑہ خریدا اس شرط پر کہ بائع اس کو سی دے یا اس میں تسمہ لگادے تو وہ بیع فاسد ہے اس لئے کہ وہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے کہ اس میں بائع و مشتری میں سے صرف ایک کی منفعت حاصل ہے ۔ کنز وغیرہ میں اس کے خلاف تصریح ہے کہ وہ بیع استحساناً صحیح ہے اس لئے کہ اس کا رواج عام ہے ۔

قولہ والبیع الی النیروز۔ یعنی اگر کسی سے کوئی چیز اس شرط پر خریدا کہ اس کی قیمت نوروز کے دن ملے گی یا مہرجان میں ملے گی یا نصاریٰ کے روزے کے دن ملے گی یا یہودی کے عید کے دن تو اگر بائع و مشتری ان نوروز وغیرہ دنوں کو جانتے ہوں تو وہ بیع جائز ہے اور اگر نہ جانتے ہوں تو وہ فاسد ہے وجہ اس کی وقت کا مجہول ہونا ہے۔ واضح ہو کہ نیروز شمسی سال کے پہلا دن کو کہا جاتا ہے اور مہرجان پارسیوں کے عید کے دن کو کہا جاتا ہے۔ صوم کو نصاریٰ کے ساتھ اور فطر کو یہودیوں کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ صوم نصاریٰ معلوم نہیں البتہ ان کا فطر معلوم ہے اور یہودیوں کا اس کا برعکس ہے

قولہ ولا یجوز البیع۔ یعنی مشتری نے کسی چیز کو اگر اس شرط پر خریدا کہ وہ کٹنے یا گیہوں جانے یا انگور اترنے یا حاجیوں کے آنے کے وقت روپیہ ادا کر دوں گا تو وہ بیع بھی جائز نہیں کیونکہ ان امور میں وقت کا کوئی تعین نہیں بلکہ تقدم و تاخر ہوتے رہتا ہے البتہ لوگوں کے گیہوں کاٹنے اور گابھنا اور حاجیوں کے آنے سے پہلے بائع و مشتری دونوں اس مدت کے ساقط کرنے پر راضی ہو گئے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

وَاِذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِیُ الْمَبِیْعَ فِی الْبَیْعِ الْفَاسِدِ بِاَمْرِ الْبَائِعِ وَفِی الْعَقْدِ عِوَضَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالٌ مَلَکَ الْمَبِیْعَ وَلَزِمَتْهُ قِیْمَتُهٗ وَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَاقِدَیْنِ فَسْخُهٗ فَاِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِیْ نَفَذَ بَیْعُهٗ وَمَنْ جَمَعَ بَیْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ اَوْ شَاةٍ ذَکِیَّةٍ وَمَیْتَةٍ بَطَلَ الْبَیْعُ فِیْهِمَا وَمَنْ جَمَعَ بَیْنَ عَبْدٍ اَوْ مُدَبَّرٍ اَوْ بَیْنَ عَبْدِهٖ وَعَبْدِ غَیْرِهٖ صَحَّ الْبَیْعُ فِی الْعَبْدِ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ

ترجمہ:۔ اور بیع فاسد میں جب مشتری نے بائع کے حکم سے قبضہ کر لیا دراں حالیکہ عقد کے دونوں عوضوں میں سے ہر ایک مال ہے تو وہ مبیع کا مالک ہو جائے گا اور اس کو اس کی قیمت لازم ہوگی اور متعاقدین میں سے ہر ایک کو فسخ بیع کا حق حاصل ہوگا پس اگر مشتری نے اس کو بیچ دیا تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی اور جس نے آزاد اور غلام کو جمع کیا یا بکری مذبوحہ و مردار کو جمع کیا تو بیع ان دونوں میں باطل ہو جائے گی اور جس نے غلام اور مدبر کو جمع کیا یا اپنے اور غیر کے غلام کو جمع کیا تو غلام میں بیع اس کے حصہ کی قیمت سے صحیح ہو جائے گی۔

تشریح:۔ قولہ واذا قبض۔ یعنی بیع فاسد میں جب مشتری نے مبیع پر بائع کے حکم سے قبضہ کر لیا اور عقد کے دونوں عوض یعنی ثمن و مبیع مال ہوں تو احناف کے نزدیک مشتری مبیع کا مالک ہو جائے گا پس اگر مبیع مثلیات سے ہو تو مثل دینا ہوگا اور ذوات قیم سے ہو تو قیمت دینی ہوگی جبکہ مبیع ہلاک ہو جائے یا کسی وجہ سے واپسی دشوار ہو ورنہ عین ہی کو واپس کرنا واجب ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کا کہنا ہے کہ مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا اس لئے کہ

ملک ایک نعمت ہے اور بیع فاسد ممنوع ہے اور ممنوع کی وجہ سے نعمت حاصل نہیں ہوتی۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ متعاقدین عاقل و بالغ ہوتے ہیں اور مبیع محل عقد پس بیع منعقد ہو جائے گی اور اس کا ممنوع ہونا تو امر خارج کی مجاورت کی وجہ سے ہے اصل عقد کی وجہ سے نہیں۔

قولہ ومن جمع۔ یعنی اگر کسی نے آزاد اور غلام کو یا ذبح کی ہوئی اور مری ہوئی بکری کو ایک ساتھ بیچ دیا اگر ہر ایک کا ثمن جدا جدا بیان کیا گیا تو صاحبین کے نزدیک دونوں بیع درست ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں بیع باطل ہیں۔ اور اگر غلام و مدبر یا اپنے غلام اور دوسرے غلام کو جمع کیا تو خالص غلام اور اپنے غلام میں بالاتفاق ان کے ثمن کے مطابق بیع جائز ہے اس لئے کہ فساد بقدر مفسد ہوتا ہے اور مفسد کا تحقق آزاد و مردار وغیرہ میں ہے کہ وہ مال نہ ہونے کی وجہ سے محل بیع نہیں۔ امام ابو حنیفہ نے بیع و مردار تحت بیع ہی نہیں اس لئے کہ ان کی مالیت مفقود ہے اور بیع واحد ہے اور بیع نے غلام کی بیع میں بیع آزاد کی قبولیت کی شرط لگادی جو مقتضائے عقد کے بالکل خلاف ہے بخلاف مدبر اور دوسرے غلام کہ وہ فی الجملہ مال ہونے کی وجہ سے تحت بیع داخل ہے۔

ونهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النجش وعن السوم على سوم غيره وعن تلقي الجلب وعن بيع الحاضر للبادي والبيع عند اذان الجمعة وكل ذلك يكره ولا يفسد به البيع ومن ملك مملوكين صغيرين احدهما ذو رحم محرم من الآخر لم يفرق بينهما وكذلك اذا كان احدهما كبيرا والآخر صغيرا فان فرق بينهما كره وجاز البيع وان كان كبيرين فلا باس بالتفريق بينهما

ترجمہ: ــــ اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بے ارادہ خرید بھاؤ بڑھانے اور دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ لگانے سے اور سوداگروں سے مل جانے سے اور دہقانی کا مال شہری کے فروخت کرنے سے اور جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت سے اور وہ تمام مکروہ ہے اور اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی اور جو دو چھوٹے غلاموں کا مالک ہو۔ ان دونوں میں سے ایک ذو رحم محرم ہو دوسرے کا تو ان میں جدائی نہ کرے اور اسی طرح جب ان دونوں میں سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو پس اگر ان دونوں میں جدائی کر دی گئی وہ مکروہ ہے اور بیع جائز ہو جائے گی اور اگر دونوں بڑے ہوں تو ان کی جدائی میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح: ــــ قولہ نہی رسول اللہ۔ پانچ بیعوں سے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے

وہ یہ ہیں (۱) نجش یعنی بلاارادۂ خرید کے کسی چیز کی قیمت کو بڑھانے کیلئے منع کرے جب کہ اس کی پوری قیمت لگ چکی ہو (۲) اور دوسرے کو بھاؤ کرتے ہوئے بھاؤ کرنے سے جبکہ عاقدین مقدار ثمن پر متفق ہوچکے ہوں۔ (۳) تلقی جلب یعنی ارزاں خریدنے کیلئے باہر جاکر سوداگروں سے مل جانے سے جب کہ سوداگروں کو شہر کا نرخ معلوم نہ ہو (۴) دہقانی کا مال شہری کے فروخت کرنے سے مثلاً قحط سالی میں دیہاتی آدمی اناج فروخت کرنے کے لئے شہر میں آئے اور شہری اس سے کہے کہ جلدی نہ کرو میں اس کو گراں بیچ دوں گا پس اس میں شہر والوں کا نقصان ہے (۵) جمعہ کی اذان کے وقت بیع کرنے سے چنانچہ ارشاد ربانی ہے اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ وذروا البیع یعنی جب نماز جمعہ کیلئے اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑ پڑو اور بیع کو چھوڑ دو۔ یہ تمام صورتیں مکروہ ہیں ان سے بیع فاسد نہیں ہوتی پس ان کی اصل قیمت یعنی جو بازار میں عام طور پر اٹھتی ہو مشتری کے ذمہ لازم ہو جاتی ہے اور قبضہ کرنے سے پہلے وہ اس چیز کا مالک ہو جاتا ہے

قولہ من ملک یعنی اگر کوئی شخص چھوٹے چھوٹے دو غلاموں کا مالک ہو گیا خواہ خریدنے سے یا ورثہ وغیرہ سے اور وہ دونوں آپس میں بہت ہی قریب کے رشتہ دار ہوں تو ان کے درمیان جدائی نہ کریں یعنی اس طرح کہ ایک کو خود رکھ لے اور دوسرے کو بیچ دے یا دونوں کو دو آدمیوں کے ہاتھ بیچ دے اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ ایک بڑا ہو اور دوسرا چھوٹا پس اگر ان میں جدائی کر دے تو مکروہ ہے اور بیع ہو جائے گی اور اگر دونوں بڑے ہوں تو جدائی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

بابُ الاقالۃ

ترجمہ : ــــــ بیع توڑنے کے مسائل کا بیان

اَلْاِقَالَۃُ جَائِزَۃٌ فِی الْبَیْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِیْ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ فَاِنْ شَرَطَا اَکْثَرَ مِنْہُ اَوْ اَقَلَّ مِنْہُ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَیُرَدُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ وَھِیَ فَسْخٌ فِیْ حَقِّ الْمُتَعَاقِدَیْنِ بَیْعٌ جَدِیْدٌ فِیْ حَقِّ غَیْرِھِمَا فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ

ترجمہ : ــــــ اقالہ بیع میں جائز ہے۔ بائع اور مشتری کیلئے پہلی قیمت کے ساتھ پس اگر اس سے زائد یا کم کی شرط کر لی تو شرط باطل ہوگی اور مبیع کو پہلی قیمت کے ساتھ واپس کی جائے گی اور اقالہ متعاقدین کے حق میں فسخ ہوتا ہے اور ان کے غیر کے حق میں بیع جدید ہوتی ہے امام ابو حنیفہ کے قول میں۔

تشریح : ــــــ قولہ باب الاقالۃ۔ اقالہ لغت میں بمعنی قول اول کو غلط کر دینا ہے اور اصطلاح شرع

میں دو شخصوں کے مابین جو عقد ہوا ہے اس کے اٹھا دینے یعنی مبیع اور قیمت کے واپس کر دینے کو اقالہ کہا جاتا ہے۔ اس کو بیع فاسد کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ اس میں بھی بیع فاسد کی طرح فسخ عقد کے ذریعہ مبیع بائع کی طرف واپس کی جاتی ہے۔ نکاح وطلاق وعتاق وابراء کا اقالہ نہیں ہوتا۔ اقالہ میں دوسرے کا قبول کر لینا ضروری ہے یعنی تنہا ایک شخص اقالہ نہیں کر سکتا اور یہ بھی ضروری ہے کہ قبول اسی مجلس میں ہو۔

قولہ[۲] الاقالۃ جائزۃ۔ یعنی بیع میں بائع ومشتری دونوں کو پہلی قیمت کے ساتھ اقالہ کرنا جائز ہے اور اگر کسی نے پہلی قیمت سے زیادتی یا کمی کی شرط کی مثلاً ثمن اول آٹھ سو روپے تھا اقالہ میں ایک ہزار یا چھ سو کی شرط لگائی گئی اور مبیع اسی حال پر باقی ہے اس میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوا یا اقالہ میں جنس آخر کی شرط لگائی گئی مثلاً چیز دراہم کے عوض خریدی تھی اقالہ میں دنانیر کی شرط کر لی تو ان صورتوں میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اقالہ ثمن اول کے ساتھ ہوگا اور شرط باطل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک پہلی اور تیسری صورت میں شرط کے مطابق ہوگا بشرطیکہ اقالہ قبضہ کے بعد ہوا ور اقالہ بیع جدید کے حکم میں ہوگا اور دوسری صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اقالہ ثمن اول کے ساتھ ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک شرط کے مطابق ہوگا۔

قولہ[۳] وھی فسخ فی حق۔ یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اقالہ بائع ومشتری کے حق میں بیع کو توڑنا ہے اور ان کے علاوہ تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے۔ بیع جدید ہونے کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب کہ ایک شخص نے اپنی کوئی چیز دوسرے کو ہبہ کر دی اور جس کو ہبہ کی تھی پھر اس نے وہ فروخت کر دی تو ہبہ کرنے والے کو جو اپنی چیز پھیر لینے کا حق حاصل تھا وہ اس بیع سے جاتا رہے گا اگرچہ بائع ومشتری اقالہ کر لیں تو ہبہ کرنے والا اپنی دی ہوئی چیز کو نہیں پھیر سکتا۔ کیونکہ اقالہ تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے۔

وھلاکُ[۱] الثمنِ لا یمنعُ صحۃَ الاقالۃِ وھلاکُ المبیعِ یمنعُ صحتَہا وان ھلکَ بعضُ المبیعِ جازت الاقالۃُ فی باقیہِ

ترجمہ: ـــــ اور ثمن کا ہلاک ہونا اقالہ کے صحیح ہونے کو نہیں روکتا اور مبیع کا ہلاک ہونا اس کی صحت کو روکتا ہے اور اگر مبیع کا کچھ حصہ ہلاک ہو گیا تو باقی میں اقالہ جائز ہوگا۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ھلاک الثمن۔ یعنی ثمن کا تلف ہو جانا اقالہ کے صحیح ہونے کو نہیں روکتا البتہ مبیع کا تلف ہو جانا اس کی قیمت کو روک دیتا ہے یعنی اب اقالہ نہیں ہو سکتا اور اگر مبیع کا کچھ حصہ تلف ہو گیا اور کچھ باقی ہے

اس میں اقالہ ہوسکتا ہے اور اگر مبیع مقایضہ ہو یعنی دونوں طرف غیر نقود ہوں اور ایک ہلاک ہوگئی تو اقالہ ہوسکتا ہے دونوں باقی رہیں تو نہیں۔ مبیع میں اگر زیادت متصلہ غیر منقولہ ہو جیسے کپڑے میں رنگ اور مکان میں جدید تعمیر تو اقالہ نہیں ہوسکتا۔

بابُ المرابحۃ والتولیۃ

ترجمہ: ـــــ مرابحہ اور تولیہ کے مسائل کا بیان

المرابحۃ نقلُ ما ملکہٗ بالعقدِ الاوّلِ بالثمنِ الاوّلِ مع زیادۃِ ربحٍ والتولیۃُ نقلُ ما ملکہٗ بالعقدِ الاوّلِ بالثمنِ الاوّلِ من غیرِ زیادۃِ ربحٍ ولا تصحُّ المرابحۃُ والتولیۃُ حتی یکونَ العوضُ مما لہٗ مثلٌ

ترجمہ: ـــــ مرابحہ نقل کرنا ہے اس کو جس کا مالک ہوا تھا عقد اول سے ثمن اول پر کچھ نفع زیادہ کرکے اور تولیہ نقل کرنا ہے اس کو جس کا مالک ہوا تھا عقد اول ثمن اول پر نفع زیادہ کئے بغیر اور مرابحہ و تولیہ صحیح نہیں ہوتا یہاں تک کہ ان کا عوض مثلی چیزوں سے ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ باب المرابحۃ۔ اس سے قبل ان بیعوں سے متعلق کلام تھا جن میں جانب مبیع ملحوظ ہوتی ہے اور اب ان بیعوں سے متعلق کلام ہے جن میں جانب ثمن ملحوظ ہوتی ہے اور وہ چار ہیں (۱) مرابحہ (۲) تولیہ (۳) مساومہ جس میں ثمن اول کی طرف التفات نہیں ہوتی بلکہ جس مقدار پر بھی متعاقدین کا اتفاق ہوجائے۔ وہ قسم زیادہ رائج ہے (۴) وضیعہ یعنی ثمن اول سے کم کے ساتھ۔ اس کا رواج بہت کم ہے۔

قولہ المرابحۃ نقل۔ یعنی مرابحہ وہ بیع ہے جو ثمن اول سے زائد کے ساتھ ہوا اور تولیہ وہ بیع ہے جو صرف ثمن اول کے ساتھ ہو۔ خلاصہ یہ کہ نفع سے بیچنے کو مرابحہ کہا جاتا ہے اور بے نفع بیچنے کو تولیہ۔ ان دونوں کی صحت کے لئے ثمن کا مثلی ہونا۔ یعنی دراہم و دنانیر یا کیلی یا وزنی یا عددی متقارب ہونا ضروری ہے یعنی اس چیز کا ہونا کہ اس کے تلف ہوجانے سے ویسے ہی چیز دینی پڑے جیسے روپیہ وغیرہ اور وہ چیزیں جو ناپ، تول سے فروخت ہوتی ہے اس لئے کہ مثلی نہ ہونے کی صورت میں مرابحہ و تولیہ قیمت پر ہوگا اور قیمت مجہول ہے۔

ویجوزُ اَنْ یُضیفَ الی راسِ المالِ اُجرۃَ القصّارِ والصباغِ والطرازِ والفتلِ واُجرۃَ حملِ الطعامِ

ویقول قام علیّ بکذا ولا یقول اشتریتہ بکذا فان اطلع[2] المشتری علی خیانۃ فی المرابحۃ فھو بالخیار عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ وان اطلع علی خیانۃ فی التولیۃ اسقطھا من الثمن وقال ابو یوسف رحمہ اللہ یحط فیھما وقال محمد لا یحط فیھما لکن یخیر فیھما ومن[3] اشتری شیئاً مما ینقل ویحول لم یجز لہ بیعہ حتی یقبضہ ویجوز بیع العقار قبل القبض عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ وقال محمد رحمہ اللہ لا یجوز۔

ترجمہ: ــــــ اور جائز ہے راس المال کے ساتھ اضافہ کرے دھوبی اور رنگریز اور کناری لگانے والا اور غلہ اٹھوانے کی اجرت اور کہے کہ یہ مجھے اتنے میں پڑی ہے یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے پس اگر مشتری مرابحہ میں خیانت پر مطلع ہو تو اس کو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اختیار ہے اگر چاہے اس کو پورے ثمن کے ساتھ لے اور اگر چاہے تو واپس کر دے اور اگر تولیہ میں خیانت پر مطلع ہو تو ثمن بقدر خیانت کم کر دے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دونوں میں کم کر دے اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں میں کم نہ کرے لیکن اس کو ان دونوں میں اختیار ہے اور جس نے منقولی چیز خریدی تو اس کو بیچنا جائز نہیں یہاں تک کہ اُس پر قبضہ کرے اور زمین کو قبضہ سے پہلے بیچنا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں۔

تشریح: ــــ قولہ[1] ویجوز ان یضیف۔ یعنی دھوبی اور رنگریز و بیل بوٹا کاڑھنے والا اور غلہ اٹھوانے کی مزدوری کو اصل قیمت کے ساتھ ملانا جائز ہے اور وہ کہے کہ مجھے یہ چیز اتنے میں پڑی ہے اور یہ نہ کہے کہ اتنے میں میں نے خریدی ہے کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے مثلاً کسی نے ایک تھان کپڑے کا پانچ روپیہ میں خریدا اور ایک روپیہ اس کی دھلائی یا رنگوائی وغیرہ میں دیا تو جب وہ اُسے مرابحہ یا تولیہ کے طور پر فروخت کرے تو کہے کہ یہ تھان مجھے چھ روپیہ میں پڑا ہے یہ نہ کہے کہ میں نے چھ روپیہ میں خریدا ہے

قولہ[2] فان اطلع۔ یعنی مرابحہ میں بائع کی خیانت اگر ظاہر ہو جائے مثلاً کسی نے دس روپے میں کسی چیز کو خرید کر یہ بتایا کہ گیارہ روپیہ میں خریدی ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے چاہے کل ثمن کے عوض لے اور اگر چاہے تو واپس کر دے۔ اور اگر تولیہ میں خیانت معلوم ہو تو خیانت کی مقدار ثمن کم کر دے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مرابحہ و تولیہ دونوں میں بقدر خیانت کم کر دے۔ امام محمد نے فرمایا کہ ثمن کسی میں کم نہ کرے لیکن اس کو اختیار دونوں میں ہے چاہے کل ثمن کے عوض لیلے اور اگر چاہے تو واپس کر دے اس لئے کہ عقد میں تسمیہ کا اعتبار ہے اور مرابحہ و تولیہ کا نام صرف ترغیب کے واسطے لیا گیا ہے پس مرابحہ و تولیہ کا نام وصف مرغوب ہوا جس کے فوت

ہونے پر اختیار حاصل ہے۔

قولہ من اشتری شیئاً۔ یعنی اگر کسی نے کوئی منقولی چیز خریدی تو اس پر اُسے اپنا قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔ چونکہ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس سے روایت ہے سرکار مدینہ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے اور شیخین نے فرمایا کہ زمین کو قبضہ کرنے سے پہلے بیع کرنا جائز ہے چونکہ حدیث شریف میں نہی کی علت یہ ہے کہ ہلاکت مبیع کی صورت میں فسخ بیع کا احتمال ہے اور زمین کی ہلاکت نادر الوجود ہے۔ امام محمد عدم جواز کے قائل ہیں کیونکہ حدیث شریف میں مطلق نہی مروی ہے۔

وَمَنِ اشْتَرٰی مَكِيلًا مُكَايَلَةً أَوْ مَوْزُونًا مُوَازَنَةً فَاكْتَالَهُ أَوِ اتَّزَنَهُ ثُمَّ بَاعَهُ مُكَايَلَةً أَوْ مُوَازَنَةً لَمْ يَجُزْ لِلْمُشْتَرِيْ مِنْهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَلَا أَنْ يَأْكُلَهُ حَتّٰى يُعِيدَ الْكَيْلَ وَالْوَزْنَ وَالتَّصَرُّفُ فِي الثَّمَنِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ وَيَجُوزُ لِلْمُشْتَرِيْ أَنْ يَزِيدَ لِلْبَائِعِ فِي الثَّمَنِ وَيَجُوزُ لِلْبَائِعِ أَنْ يَزِيدَ فِي الْمَبِيعِ وَيَجُوزُ أَنْ يَحُطَّ مِنَ الثَّمَنِ وَيَتَعَلَّقُ الْاِسْتِحْقَاقُ بِجَمِيعِ ذٰلِكَ وَمَنْ بَاعَ بِثَمَنٍ حَالٍّ ثُمَّ أَجَّلَهُ أَجَلًا مَعْلُومًا صَارَ مُؤَجَّلًا وَكُلُّ دَيْنٍ حَالٍّ إِذَا أَجَّلَهُ صَاحِبُهُ صَارَ مُؤَجَّلًا إِلَّا الْقَرْضَ فَإِنَّ تَأْجِيلَهُ لَا يَصِحُّ

ترجمہ: ــــ اور جس نے کیلی چیز پیمانہ کے لحاظ سے یا وزنی چیز وزن کے لحاظ سے خریدی پھر اس کو ناپ لیا یا تول لیا پھر اس کو پیمانہ یا وزن کے لحاظ سے بیچ دیا تو مشتری کیلئے جائز نہ ہوگا کہ اس کو بیچے یا کھائے یہاں تک کہ دوبارہ ناپ تول لے اور ثمن میں تصرف کرنا قبضہ سے پہلے جائز ہے اور مشتری کیلئے یہ جائز ہے کہ بائع کو ثمن زیادہ دیدے اور بائع کیلئے جائز ہے کہ مبیع زیادہ دیدے اور جائز ہے یہ کہ ثمن کم کر دے اور استحقاق ان سب کے ساتھ متعلق ہوگا اور جس نے کوئی چیز نقد بیچی پھر اس کو میعاد معین کر کے مہلت دیدی تو وہ میعادی ہو جائے گی اور ہر دین حال جس کو اس کا مالک میعادی کر دے تو وہ میعادی ہو جاتا ہے مگر قرض کہ اس کی تاجیل صحیح نہیں۔

تشریح: ــــ قولہ ومن اشتری۔ یعنی اگر کسی نے کوئی کیلی چیز کو کیل کے طور پر اور وزن سے بکنے والی چیز کو وزن کرا کے خریدی تو جب تک اس کو کیل یا وزن سے دوبارہ ناپ نہ لے اس وقت تک اس کو فروخت کرنا اور کھانا ممنوع یعنی مکروہ تحریمی ہے چنانچہ سرکار مدینہ نے بیع طعام سے منع فرمایا ہے جب تک کہ اس میں دو صاع جاری نہ ہوں ایک بائع کا اور دوسرا مشتری کا۔

قولہ والتصرف۔ قبضہ کرنے سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے یعنی اس طرح کہ اگر مشتری کو ثمن میں درہم دینا

تھا اور بائع نے ابھی ان پر قبضہ نہیں کیا تھا تو بائع کو اختیار ہے کہ ان درہموں کی جگہ کوئی کپڑا وغیرہ لے لے اور مشتری کیلئے جائز ہے کہ بائع کے واسطے کچھ قیمت بڑھادے مثلاً کوئی چیز دو روپیہ میں ٹھہر گئی تھی تو مشتری کے ذمہ تو اصل میں دو ہی روپیہ ہیں لیکن اگر مشتری بائع کی رعایت سے دو کی جگہ تین دیدے تو وہ بھی جائز ہے

قولہ[۱] یجوز للبائع ۔ بائع کو مبیع میں مشتری کیلئے کچھ بڑھادینا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ بائع قیمت میں کچھ کمی کردے اور سب کے ساتھ استحقاق متعین ہوجاتا ہے یعنی جو اصلی چیز تھی اس کے ساتھ اور جو بڑھائی گئی اس کیساتھ بھی مثلاً بائع کو اختیار ہے کہ جب تک مبیع کی اصلی قیمت اور جو مشتری نے اپنی طرف سے بڑھادی تھی، وصول نہ ہوجائے مبیع کو نہ دے اور مشتری کو یہ اختیار نہیں کہ زبان دینے کے بعد اب زیادہ رقم نہ دے کیونکہ اب اس رقم میں بھی بائع کا حق اصل بیع کی وجہ سے ثابت ہوگیا ہے اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ مشتری کیلئے مبیع میں کچھ بائع نے بڑھادیا ہے اُسے بھی اُس کا نہ دینا ممنوع ہے اور اگر ایسی بیع میں اقالہ ہو تو بائع کو مشتری نے جس قدر دیا ہے سب پھیرنا پڑے گا ۔

قولہ[۲] من باع بثمن ۔ یعنی اگر کسی نے کوئی چیز نقد فروخت کی اور پھر کچھ میعاد معین کرکے مشتری کو مہلت دے دی تو وہ مہلت جائز ہوجائے گی اور ہر مہلت میں جب اُس کا مالک مہلت دیدیا تو وہ مہلت ہوجاتی ہے مگر قرض میں مہلت کرنا درست نہیں اور درست ہونے اور نہ ہونے سے مراد یہاں یہ ہے کہ مثلاً اگر روپیہ قرض دیا ہے اور قرض لینے والا کچھ دنوں کی مہلت معین کرتا ہے تو وہ مہلت معین کرنا درست نہیں بلکہ قرض خواہ مہلت کے اندر جب چاہے مانگ سکتا ہے اور اگر کوئی چیز بیچا تھا تو اس کی قیمت مشتری کے ذمہ دین ہے اگرچہ بیع کے وقت نقدی سودا ہوا ہو لیکن اگر بائع نے پھر اُسے مہلت دیدی ہے تو یہ مہلت درست ہوگئی یعنی اب مہلت کے اندر اس سے قیمت طلب نہیں کرسکتا ۔

بابُ[۱] الربوا

ترجمہ : ـــــــ سود کے مسائل کا بیان

الربوا[۲] محرمٌ[۳] فی کلّ مکیلٍ اَو موزونٍ اذا بیعَ بجنسہٖ متفاضلاً

ترجمہ : ـــــــ سود حرام ہے ہر کیلی اور وزنی چیز میں جب کہ اس کی جنس کے عوض زیادتی کرکے بیچا جائے ۔

تشریح : ـــــــ قولہ[۱] باب الربوا ۔ اس سے قبل ان بیعوں سے متعلق کلام تھا جن کے بارے رب تعالیٰ کا ارشاد

ہے وابتغوا من فضل اللہ یعنی فضل الٰہی کو تلاش کرو، اور اب ان بیعوں کو بیان کیا جاتا ہے کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور وہ ربٰو ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اور ربٰو کو مرابحہ کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ دونوں میں زیادتی ہوتی ہے البتہ مرابحہ میں زیادتی حلال ہوتی ہے اور ربوا میں حرام اور چیزوں میں اصل حلت ہوتی ہے

قولہ الربوا۔ ربوا لغت میں زیادتی کو کہا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ربی الشئی یربو یعنی بڑھ گئی اور زیادہ ہو گئی اور اصطلاح شرع میں ربوا مال کی اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جو معاوضہ مال میں بلا عوض ہو یعنی متجانسین میں سے ایک کا دوسرے پر معیار شرعی زائد ہونا ربٰو کہلاتا ہے۔ معیار شرعی سے مراد کیل اور وزن ہے پس جو کے دو قفیز گیہوں کے ایک قفیز کے عوض اور دس گز ہروی کپڑے کو پانچ گز ہروی کپڑے کے عوض اور ایک انڈے کو دو انڈوں کے عوض دست بدست فروخت کرنا ربٰو نہیں۔ کیونکہ معیار شرعی مفقود ہے۔ بلا عوض کی قید سے پیمانہ بھر گیہوں اور پیمانہ بھر جو کا اس کے دو چند گیہوں اور جو کے عوض فروخت کرنا خارج ہو گیا کیونکہ گیہوں کو جو کے عوض اور جو کو گیہوں کے مقابلہ میں کیا جا سکتا ہے پس زیادتی بلا عوض نہیں بلکہ بالعوض ہے۔

قولہ محرم۔ ربٰو کی حرمت کتاب و سنت و اجماع ہر ایک سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے احل اللہ البیع وحرم الربوٰا اور حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود کھانے والا اور کھلانے والا دونوں پر لعنت ہے اور اجماع اس بات پر ہے کہ سود کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

متن القدوری - ۱۶

فالعلۃ فیہ الکیلُ مع الجنسِ اَوِالوزنِ مع الجنسِ فاذا بیعَ المکیلُ بجنسہٖ اَوِالموزونُ بجنسہٖ مثلاً بمثلٍ جازَ البیعُ وَاِنْ تفاضلا لَمْ یجُز ولا یجوزُ بیعُ الجیدِ بالردیِّ مِمَّا فیہ الربوٰا الا مثلاً بمثلٍ

ترجمہ: ــــ پس علت اس میں کیل ہے جنس کے ساتھ یا وزن ہے جنس کیساتھ پس جب کیلی چیز اس کی جنس کے عوض بیچی جائے یا وزنی چیز اس کی جنس کے عوض برابر برابر کر کے تو بیع جائز ہے اور اگر دونوں زیادتی ہوں تو جائز نہیں اور عمدہ کو ردی کے عوض بیچنا جائز نہیں ان چیزوں میں جس میں ربٰو ہے مگر برابر برابر کر کے۔

تشریح: ــــ قولہ فالعلۃ۔ نفس ربٰو کی حرمت قول باری تعالیٰ حرم الربوا اور لا تاکلوا الربوا سے ثابت ہے چونکہ اس میں اجمال ہے اس لئے سیدنا عمر فاروق نے اللھم بین لنا بیانات شافیا سے عریضہ پیش کیا تو سرکار مدینہ نے اس کے جواب میں فرمایا الحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح والذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ مثلاً بمثلٍ یداً بیدٍ والفضل ربوا یعنی گیہوں کو گیہوں کے عوض اور جو کو جو کے عوض اور کھجور کو کھجور کے عوض اور

نمک کو نمک کے عوض اور سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض برابر سرابر دست بہ دست فروخت کرو؟ اور ان میں زیادتی ربوا ہے ۔ ربوا اگرچہ بظاہر ان ہی چھ چیزوں کے ساتھ خاص ہے لیکن مجتہدین نے کہا کہ ان چھ کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ ان چھ ہوں پر قیاس کر کے اور قیاس کیلئے ضروری ہے ایک وصف مشترک کا ہونا جس کو اصول میں علت کہا جاتا ہے اور وہ علت یہاں کیل ہے ؛ اس سلسلہ میں امام شافعی کے دو قول ہیں ۔ قول قدیم میں کیل یا وزن کے ساتھ طعم یعنی کھانے میں آنا اور قول جدید میں پہلی چار چیزوں سے طعم اور سونا و چاندی سے ثمنیت اور دوسرا وصف جنس کا متحد ہونا ہے پس اگر چونا وغیرہ میں وہ دونوں علتیں موجود نہیں اس لئے اس میں کمی بیشی جائز ہے اسی طرح وہ چیزیں بھی سونا چاندی کے علاوہ عوض میں دی جائیں جیسے لوہا ۔ تانبا ۔ پیتل ۔ کپڑا وغیرہ کہ ان کی کمی بیشی ربوا نہیں کہلائے گی ۔ امام ابو حنیفہ نے حرمت ربوا کی علت ان چیزوں کے مقابلہ میں اتحاد جنس اور مماثلت سے قدر معہود یعنی کیلی یا وزنی ہونا بیان کیا ہے کہ حدیث مذکور میں چھ چیزوں کو بطور مثال ذکر کر کے اس قاعدہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ سونا چاندی موزونی ہیں اور گیہوں اور جو ۔ چھوہارہ اور نمک مکیلی ہیں گویا یوں ارشاد ہے کہ ہر کیلی و وزنی چیزوں میں مماثلت ضروری ہے اور دو چیزوں میں مماثلت پورے طور پر دو اعتبار سے ہوتی ہے ایک باعتبار صورت اور دوسرا باعتبار معنی ۔ مماثلت صوری تو کیل و وزن سے حاصل ہو جاتی ہے اور مماثلت معنوی متحد الجنس سے اس وجہ سے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ حرمت ربوا کی علت اتحاد جنس کے ساتھ کیلی یا وزنی کا ہونا ہے پس ان کے نزدیک پھلوں اور ان چیزوں میں جو وزن و پیمانہ سے فروخت نہ ہوں ربوا نہ ہوگا ۔

قولہ ۲ و لا یجوز بیع الجید ۔ یعنی ان میں سے عمدہ کو ردی کے عوض بیچنا جائز نہیں مگر اس وقت کہ دونوں برابر ہوں حاصل یہ کہ ربوا کے مالوں میں عمدہ و گھٹیا میں کوئی امتیاز نہیں بلکہ دونوں برابر ہوں پس عمدہ کو گھٹیا کے عوض کمی و بیشی کے ساتھ فروخت نہیں کر سکتے چونکہ حدیث شریف میں ربوا سے متعلق کوئی تفصیل نہیں بلکہ اس کو مطلق بیان کیا ہے ۔

وَاِذَا عُدِمَ الْوَصْفَانِ الْجِنْسُ وَالْمَعْنَى الْمَضْمُوْمُ اِلَيْهِ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَاءُ وَاِذَا وُجِدَا حَرُمَ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَاءُ وَاِذَا وُجِدَ اَحَدُهُمَا وَعُدِمَ الْاٰخَرُ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَحَرُمَ النَّسَاءُ

ترجمہ : ـــــ اور جب دونوں وصف یعنی جنس اور وہ چیز جو اس کے ساتھ ضم کی ہوئی ہے تو زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں اور جب دونوں ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور جب ایک ہو اور دوسرا

نہ ہو تو زیادتی جائز ہے اور ادھار حرام!

تشریح: ___ قولہ واذا عدم۔ جب وہ دونوں وصف یعنی جنس اور قدر ایک نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔ قدر ایک نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ دونوں کیلی نہ ہوں یا دونوں وزنی نہ ہوں بلکہ ایک کیلی ہو اور دوسرا وزنی۔ پس اس صورت میں ان کے اندر سود کا حکم نہیں رہتا اور جب وہ دونوں وصف ہوں گے تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہوں گے اور اگر ان میں سے ایک ہوگا اور دوسرا نہ ہوگا تو زیادتی جائز ہو جائے گی اور ادھار حرام رہے گا مثلاً کسی نے گیہوں کو جَو کے ساتھ بیچا کہ اس صورت میں یہ دونوں ہم وصف نہیں بلکہ صرف ایک وصف ہے جو دونوں پیمانہ سے بکتے ہیں اور دوسرا وصف یعنی جنس دونوں کی ایک نہیں مثلاً اگر کسی نے سونے کو چاندی سے بیچا تو ان دونوں صورتوں میں کمی زیادتی سے دینا جائز ہے کہ بیس تولہ چاندی کا ایک تولہ سونا دے یا پندرہ سیر جَو کے دس سیر گیہوں دے مگر اس میں ادھار جائز نہ ہوگا۔

وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ كَيْلًا فَهُوَ مَكِيْلٌ اَبَدًا وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ فِيْهِ الْكَيْلَ مِثْلُ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ وَزْنًا فَهُوَ مَوْزُوْنٌ اَبَدًا وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْوَزْنَ فِيْهِ مِثْلُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمَا لَمْ يَنُصَّ عَلَيْهِ فَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى عَادَاتِ النَّاسِ

ترجمہ: ___ اور ہر وہ چیز کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں زیادتی کے حرام ہونے کی تصریح کیل کے لحاظ سے فرمائی پس وہ ہمیشہ کیلی رہے گی اگرچہ لوگ اس میں کیل کو چھوڑ دیں جیسے گیہوں۔ جَو کھجور۔ نمک اور ہر وہ چیز کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں زیادتی کے حرام ہونے کی تصریح وزن کے لحاظ سے فرمائی تو وہ ہمیشہ وزنی رہے گی اگرچہ لوگ اس میں وزن کو چھوڑ دیں جیسے سونا اور چاندی اور جس کے متعلق کوئی تصریح نہیں فرمائی اور وہ لوگوں کی عادتوں پر محمول ہوگی۔

تشریح: ___ قولہ وکل شیء۔ یعنی جس غلہ وغیرہ کے بارے میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ اس میں بطور کیل زیادتی حرام ہے تو وہ غلہ ہمیشہ کیلئے کیلی ہے اگرچہ لوگوں نے اس میں کیل کرنا چھوڑ دیا ہو جیسے گیہوں اور جَو اور چھوہارے اور نمک اور جس چیز کے بارے آپ نے فرمادیا کہ اس میں بطور وزن کے زیادتی حرام ہے تو وہ ہمیشہ کیلئے وزنی ہے اگرچہ لوگوں نے اس میں وزن کرنا چھوڑ دیا ہو جیسے چاندی و سونا کہ وہ ہمیشہ وزنی ہی رہیں گے

اگر چہ لوگ ان کے اندر وزن کو ترک کر دے کیونکہ نص بمقابلہ عرف اقوی ہوتا ہے اور اقوی کو ادنی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا اور جس چیز پر کوئی نص نہ ہو تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہوگی چنانچہ ارشاد گرامی ہے مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ عادت پر محمول ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر اسے لوگ ناپ کر فروخت کرتے ہوں تو اُسے کیلی شمار کریں گے۔ اور اگر وزن سے فروخت کرتے ہیں تو اُسے وزنی شمار کریں گے

وعَقْدُ الصرفِ ماوقعَ عَلیٰ جنسِ الاثمانِ یعتبرُ فیهِ قبضُ عوضَیہِ فی المجلسِ وما سواہُ مِمّا فیہ الربوا ویعتبرُ فیہ التعیینُ ولا یعتبرُ فیہ التقابضُ

ترجمہ: ——— اور عقد صرف جو جنس اثمان پر واقع ہو اس میں اس کے دونوں عوضوں پر مجلس میں قبضہ ہونا معتبر ہے اور اس کے علاوہ جن چیزوں میں ربوا ہوتا ہے ان چیزوں میں تعیین معتبر ہے اور جانبین سے قبضہ ہونا معتبر نہیں۔

تشریح: ——— قولہ عقد الصرف۔ عقد صرف وہ بیع ہے جو قیمت کی جنس یعنی چاندی و سونے پر واقع ہو اس میں دونوں عوضوں پر اسی مجلس میں قبضہ ہونا معتبر ہے اور عقد صرف کے علاوہ جن چیزوں میں ربوا جاری ہوتا ہے جیسے کیلی اور وزنی چیزیں ان میں معین کر دینا اسی مجلس میں معتبر ہے۔ جانبین سے قبضہ ہونا معتبر نہیں پس اگر گیہوں کو گیہوں کے عوض معین کر کے فروخت کیا اور بائع و مشتری قبضہ سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع جائز ہے امام شافعی اور امام مالک کھانے کی بیع کھانے سے، کی صورت میں اس کے خلاف ہیں۔

ولا یجوزُ بیعُ الحنطۃِ بالدقیقِ ولا بالسویقِ وکذلک الدقیقُ بالسویقِ ویجوزُ بیعُ اللحمِ بالحیوانِ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ وقال محمدٌ رحمہُ اللہ لا یجوزُ حتی یکونَ اللحمُ اکثرَ مما فی الحیوانِ فیکونُ اللحمُ بمثلہِ والزیادۃُ بالسقطِ ویجوزُ بیعُ الرطبِ بالتمرِ بمثلٍ عند ابی حنیفۃ رحمہُ اللہ وکذلک العنبُ بالزبیبِ

ترجمہ: ——— اور گیہوں کی بیع آٹے اور ستو کے عوض جائز نہیں اور اسی طرح آٹے کی بیع ستو کے عوض اور گوشت کی بیع حیوان کے عوض امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں یہاں تک کہ گوشت زیادہ ہو اس سے جو حیوان میں ہے پس گوشت ہو جائے گا گوشت کے مقابلہ میں اور زائد گوشت ہڈی کھال

وغیرہ کے مقابلہ میں اور پختہ خرما کی بیع چھوہارہ کے عوض امام ابوحنیفہ کے نزدیک برابر سرابر جائز ہے اور اسی طرح انگور کی بیع کشمش کے عوض ۔

تشریح: ـــــ قولہ لا یجوز بیع الحنطۃ گیہوں کو آٹے اور ستو کے عوض بیع کرنا جائز نہیں اور نہ آٹے کو ستو کے عوض بیع کرنا جائز ہے یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ اس طرح کی بیع جائز ہے ۔ دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ ان میں ایک قسم کی مجانست باقی ہے یعنی یہ قریب قریب ایک ہی جنس کے ہیں کیونکہ وہ دونوں گیہوں یا ستو برابر نہیں آتے بلکہ گیہوں کے دانوں میں تخلخل رہتا ہے اور آٹا وغیرہ خوب بھر جاتا ہے اس لئے ایک کیل کو اگرچہ ایک ہی کیل کے عوض بیچے مگر باوجود دونوں کی ایک جنس ہونے کے بعد پھر برابر سرابر نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح بیچنا جائز نہیں ۔

قولہ یجوز بیع اللحم ۔ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک گوشت کو حیوان کے عوض بیع کرنا جائز ہے اسی پر فتویٰ ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں جب تک کہ اس سے زیادہ گوشت نہ ہو جتنا کہ اس حیوان میں ہے تاکہ گوشت ، گوشت کے مقابلہ میں ہو جائے اور باقی گوشت کھال وغیرہ کے عوض ہو جائے ۔

قولہ یجوز بیع الرطب ۔ یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک تر چھوہاروں کو سوکھے چھوہاروں سے برابر سرابر بیع کرنا جائز ہے اور اسی طرح انگوروں کی بیع منقی کے عوض جائز ہے لیکن صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک فی الحال مساوات ہونا ضروری نہیں بلکہ باعتبار انجام ضروری ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے جب کہ تر کھجور کی بیع کے بارے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ خشک ہو جانے کے بعد کیا کم ہو جاتی ہے جواب دیا گیا کہ ہاں یا رسول اللہ کم ہو جاتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ بیع جائز نہیں ۔ دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ کہ مساوات بوقت عقد ہونا ضروری ہے مساوات خواہ انجام کے لحاظ سے ہو یا نہ ہو ۔ کیونکہ تر کھجور دو حال سے خالی نہیں آیا وہ تمر ہے یا نہیں اگر تمر ہے تو شروع حدیث التمر بالتمر کے اعتبار سے بیع جائز اور اگر تمر نہیں تو آخر حدیث اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم کے اعتبار سے بیع درست ہے ۔

ولا[۱] یجوز بیع الزیتون بالزیت والسمسم بالشیرج حتی یکون الزیت والشیرج اکثر مما فی الزیتون والسمسم فیکون الدھن بمثلہ والزیادۃ بالثجیرۃ و یجوز[۲] بیع اللحمان المختلفۃ بعضہا ببعض متفاضلا وکذلک[۳] البان الابل والبقر والغنم بعضہا ببعض متفاضلا وخل[۴] الدقل بخل العنب متفاضلا و یجوز بیع الخبز بالحنطۃ والدقیق متفاضلا ولا[۵] ربوا بین المولی وعبدہ ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب

ترجمہ : ـــــ اور زیتون کی بیع روغن زیتون کے عوض جائز نہیں اور نہ تل کی بیع روغن تل کے عوض یہاں تک کہ روغن زیتون اور روغن تل زیادہ ہو اس سے جو زیتون اور تل میں ہے پس تیل، تیل کے مقابلہ میں ہوگا اور زائد تیل کھلی کے بدلہ میں اور مختلف گوشتوں کی بیع بعض کی بعض کے عوض کمی و بیشی سے جائز ہے اور اسی طرح اونٹ اور گائے اور بکری کے دودھوں کی بیع بعض کی بعض کے عوض کمی و بیشی سے اور کھجور کے سرکہ کی بیع انگور کے سرکہ کے عوض کمی و بیشی سے جائز ہے اور روٹی کی بیع گیہوں اور آٹے کے عوض جائز ہے کمی و بیشی کر کے اور آقا اور اسکے غلام کے درمیان ربوا نہیں اور نہ مسلم اور حربی کے درمیان دارالحرب میں ۔

تشریح : ـــــ قولہ ولا یجوز ـ یعنی زیتون کی بیع روغن زیتون کے عوض اور تلوں کی بیع روغن تل کے عوض جائز نہیں جب تک کہ روغن زیتون اور تل کا تیل اس سے زیادہ نہ ہو کہ جتنا اُس موجودہ زیتون اور تلوں میں ہے تاکہ تیل، تیل کے برابر ہو جائے اور زائد تیل کھلی کے عوض ہو جائے ۔

قولہ یجوز بیع اللحمان ـ مختلف گوشتوں کی بیع بعض کو بعض کے ساتھ کمی و زیادتی کے ساتھ جائز ہے مختلف گوشتوں سے مراد یہ ہے کہ اونٹ، گائے، بکری یعنی ان کے گوشت ہو۔ تو ان کو کمی بیشی کے ساتھ بیچنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً بکری کے سیر بھر گوشت کو اونٹ کے چار سیر گوشت کے عوض بیچنا جائز ہے ۔

قولہ کذٰلک البان الابل ـ یعنی اسی طرح اونٹ، گائے، بکری کے دودھوں میں بعض کو بعض کیساتھ کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور اسی طرح چھوہارے اور انگور کے سرکہ کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے اور روٹی کو گیہوں اور آٹے کے ساتھ کمی بیشی سے بیع کرنا جائز ہے ۔

قولہ ولا ربوا بین المولی ـ یعنی آقا اور غلام کے درمیان اگر کسی خرید و فروخت میں زیادتی ہو تو ان میں ربوا نہیں کیونکہ غلام کے پاس جو مال ہے وہ تو اس کے آقا ہی کا ہے جس طرح چاہے لے مگر یہ اس وقت ہے جب کہ غلام ماذون لہ ہو اور اس پر دین مستغرق نہ ہو ورنہ اُن کے درمیان بالاتفاق ربوا ہوگا لیکن تحقیق یہ ہے کہ دین مستغرق ہو یا مستغرق نہ ہو کسی طرح بھی ربوا نہیں کذا فی البحر ۔

قولہ ولا بین المسلم والحربی ـ یعنی جس مسلمان کو اہل حرب کی طرف سے امان حاصل ہو اس کے درمیان اور کافر حربی کے درمیان دارالحرب میں رہتے ہوئے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ربوا نہیں اور امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ اس کے خلاف ہیں کیونکہ حرمت ربوا کے نصوص مطلق ہیں دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں ـ بہر صورت ربوا حرام ہے ـ دلیل امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی یہ ہے کہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے لا ربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب ـ

باب السلم

ترجمہ: ـــــــ بیع سلم کے مسائل کا بیان ۔

السلم جائز فی المکیلات والموزونات والمعدودات التی لا تتفاوت کالجوز والبیض والمذروعات ولا یجوز السلم فی الحیوان ولا فی اطرافہ ولا فی الجلود عددا ولا فی الحطب حزما ولا فی الرطب جرزا

ترجمہ: ـــــــ بیع سلم جائز ہے کیلی اور وزنی اور ایسی عددی چیزوں میں جو متفاوت ہوں جیسا اخروٹ اور انڈے اور ان چیزوں میں بھی جائز ہے جو گزوں سے ناپ کر بکتی ہیں اور بیع سلم نہ حیوان میں جائز ہے اور نہ اس کے اطراف میں اور نہ کھالوں میں گنتی کے لحاظ سے اور نہ لکڑیوں میں گٹھوں کے لحاظ سے اور سبزیوں میں گڈیوں کے لحاظ سے ۔

تشریح: ـــــــ قولہ باب السلم ۔ اس سے قبل ان بیعوں کا ذکر تھا جن میں عوضوں پر قبضہ ضروری نہیں اور اب ان بیعوں کو بیان کیا جاتا ہے جن میں قبضہ ضروری ہے خواہ ایک عوض میں ہو یا دونوں عوضوں میں ۔ ایک عوض پر قبضہ بیع سلم میں ضروری ہے اور دو عوضوں پر قبضہ بیع صرف میں ضروری ہے ۔

سلم لغت میں بمعنی سلف ہے چنانچہ ثمن جب پہلے دیا جائے تو اہل عرب یہ کہتے ہیں سلف فی کذا اور شرع میں سلم بیع آجل بعاجل کو کہا جاتا ہے ۔ آجل سے مراد مسلم فیہ ہے اور عاجل سے مراد راس المال اور صاحب مال کو رب السلم و مسلم اور عاقد آخر کو مسلم الیہ اور مبیع کو مسلم فیہ اور ثمن کو راس المال کہا جاتا ہے ۔

قولہ السلم جائز ۔ یعنی بیع سلم ان چیزوں میں جائز ہے جو ناپ کر یا تول کر یا گنتی کے ساتھ فروخت کیا جائے جن میں کچھ ایسا زیادہ تفاوت نہیں ہوتا جیسے اخروٹ اور انڈے اور ان چیزوں میں بھی جائز ہے جو گزوں سے ناپ کر بکتی ہوں جیسے کپڑا وغیرہ ۔

قولہ ولا یجوز السلم ۔ کسی بھی حیوان یعنی جانداروں میں بیع سلم جائز نہیں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے کہ وہ جائز ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عمر کو ایک لشکر روانہ کرنے کا حکم صادر فرمایا سواریاں ختم ہوگئیں تو آپ نے فرمایا کہ صدقہ کی اونٹنیاں لے لو فکان یاخذ البعیر بالبعیرین الی ابل الصدقۃ دلیل احناف کی یہ کہ سرکار مدینہ نے جانداروں میں بیع سلم سے منع فرمایا لیکن حدیث مذکورہ کہ اس کے راوی میں کلام ہے ۔

قولہ ولا فی اطرافہ ۔ حیوان کے اطراف یعنی سر گردن و پاؤں وغیرہ اور اس کی کھالوں میں بھی بیع سلم جائز

نہیں اور نہ لکڑیوں میں گٹھوں کے لحاظ سے اور نہ سبزیوں میں گڈیوں کے لحاظ سے سلم جائز ہے کیونکہ وہ سب عددی ہیں جن میں غیر معمولی تفاوت ہوتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک سرو کھال میں عدد کے لحاظ سے سلم جائز ہے ۔

ولا[1] یجوز السلم حتی یکون المسلم فیہ موجودا من حین العقد الی حین المحل ولا[2] یصح السلم الا موجلا ولا یجوز الا باجل معلوم ولا یجوز السلم بمکیال[3] رجل بعینہ ولا بذراع رجل بعینہ ولا فی طعام قریۃ بعینھا ولا فی ثمرۃ نخلۃ بعینھا

ترجمہ: ـــــ اور بیع سلم جائز نہیں یہاں تک کہ مسلم فیہ موجود ہو عقد کے وقت سے مدت کے وقت تک اور سلم جائز نہیں مگر مہلت دیکر اور وہ جائز نہیں مگر مدت معلوم کے ساتھ اور سلم جائز نہیں خاص آدمی کے پیمانہ اور خاص آدمی کے گز سے اور نہ کسی خاص گاؤں کے غلہ میں اور نہ کسی خاص کھجور کے پھل میں ۔

تشریح: ـــ قولہ[1] ولا یجوز السلم حتی یکون ۔ یعنی بیع سلم صرف ایسی چیز میں جائز ہے جو بیع سلم کرنے کے وقت سے سلم کی مدت گذر جانے تک موجود رہے ۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اگر وہ چیز بیع سلم کرنے کے وقت موجود ہو اور مدت گذر جانے کے وقت موجود ہو تو بیع سلم جائز ہے ۔ احناف کی دلیل سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ پھلوں میں بیع سلم مت کرو؟ یہاں تک کہ وہ لائق انتفاع ہو جائیں ۔

قولہ[2] لا یصح السلم الا موجلا ۔ یعنی بیع سلم مہلت کے بغیر جائز نہیں اور نہ بغیر مہلت معلوم کے درست ہے مہلت معلوم سے مراد یہ ہے کہ اس مہلت کی مدت کے مہینے اور دن خوب معین ہونے چاہئیں بغیر ان کے معین کئے سلم درست نہیں ۔ فتویٰ اسی پر ہے

قولہ[3] بمکیال رجل ۔ یعنی بیع سلم کسی خاص آدمی کے پیمانہ سے کرنی جائز نہیں اور نہ کسی خاص آدمی کے گز سے اور نہ کسی خاص گاؤں کے غلہ میں اور نہ کسی خاص کھجور کے پھل میں ۔ خاص آدمی کے پیمانہ سے سلم جائز نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ پیمانہ اور گز وغیرہ ایسے ہوں جن کی مقدار معلوم نہ ہو کیونکہ بعض لوگ ان چیزوں کو کم و زیادہ بھی رکھا کرتے ہیں اور چونکہ سلم کے اندر مبیع کے گزرنے میں ایک عرصہ لگ جاتا ہے اس لئے شاید وہ خاص پیمانہ وغیرہ تلف ہو پھر جھگڑے کی نوبت آئے اور ان کا انسداد ضروری ہے اس کے علاوہ پیمانہ ایسا ہونا چاہئے جو خشک وغیرہ کی وجہ سے خود بخود چھوٹا بڑا نہ ہوتا ہو

ولا یصح[1] السلم عند ابی حنیفۃ الا بسبع شرائط تذکر فی العقد جنس معلوم ونوع معلوم وصفۃ

معلومۃٌ ومقدارٌ معلومٌ واجلٌ[2] معلومٌ ومعرفۃ مقدارِ راسِ المالِ اذا کان مما یتعلق العقدُ علی مقدارہ[3] کالمکیلِ والموزونِ والمعدودِ وتسمیۃِ المکانِ الذی یوفیہ فیہ اذا کان لہٗ حملٌ ومؤنۃٌ۔

ترجمہ: ـــــ اور بیع سلم امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح نہیں مگر سات شرطوں کے ساتھ جو عقد میں ذکر کردی جائیں۔ جنس کا معلوم ہونا اور نوع کا معلوم ہونا اور صفت کا معلوم ہونا اور مقدار کا معلوم ہونا اور راس المال کی مقدار کا معلوم ہونا جب عقد اس کی مقدار سے متعلق ہو جیسے کیلی اور وزنی اور عددی چیزیں اور اس جگہ کا معلوم ہونا جہاں اُسے ادا کرے گا جب اس میں باربرداری اور مشقت ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] ولا یصح السلم۔ یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع سلم بغیر سات شرطوں کے جائز نہیں جو سلم کرتے وقت ذکر کردی جائیں۔ اول جنس معلوم ہو یعنی یہ بیان کردیا جائے کہ گیہوں ہیں یا چنا وغیرہ دوم یہ کہ قسم معلوم ہو یعنی یہ بیان کردیا جائے کہ گیہوں وغیرہ نہری زمین کے ہوں گے یا بارانی کے سوم یہ کہ صفت معلوم ہو یعنی یہ بیان کردیا جائے کہ لال گیہوں ہوں گے یا سفید یا نئے یا پُرانے چہارم یہ کہ مقدار معلوم ہو یعنی یہ بیان کردیا جائے کہ اتنے پیمانے ہوں گے یا اتنے من ہوں گے پنجم یہ کہ مدت معین ہو یعنی یہ بیان کردیا جائے کہ چار ماہ میں یا اتنے دنوں میں ششم یہ کہ اس مال کی مقدار معلوم ہو۔ یہ شرط اس صورت میں ہے کہ اصل مال اس قسم کا ہو کہ اس کی مقدار سے بیع وغیرہ کو تعلق ہو جیسے کیلی اور وزنی چیزیں۔ ہفتم یہ کہ سلم ادا کرنے کی جگہ مقرر کردی جائے۔ یہ شرط اہل سلم کی چیز میں ہے جس کی باربرداری میں کچھ مشقت اٹھانی پڑتی ہو۔

قولہ[2] اجل معلوم۔ مدت معین ہو یعنی یہ بیان کردیا جائے کہ چار مہینے میں یا اتنے دنوں میں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے فرمایا کہ بلا مدت بھی صحیح ہے۔ اقل مدت کے سلسلہ میں احناف کے نزدیک چند قول ہیں (۱) نصف یوم سے اکثر اقل مدت ہے یہ ابوبکر رازی کا قول ہے (۲) تین دن ہیں۔ یہ احمد بن ابی عمران بغدادی کا قول ہے (۳) اقل مدت وہ ہے جس میں مسلم فیہ کی تحصیل ممکن ہو۔ اس کو امام کرخی نے نقل کیا ہے (۴) دس دن ہیں (۵) ایک ماہ ہے یہ امام محمد سے مروی ہے۔

وقال[1] ابو یوسفَ ومحمدٌ رحمہما اللہ لا یحتاجُ الی تسمیۃِ راسِ المالِ اذا کان معیناً ولا الی مکانِ التسلیمِ ویسلمہٗ فی موضعِ العقدِ ولا یصحُّ السلمُ حتی یقبضَ راسَ المالِ قبلَ ان یفارقہٗ

ترجمہ: ـــــ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ راس المال کے نام لینے کی ضرورت نہیں جبکہ

وہ معین ہو اور نہ ادا کرنے کی جگہ کا نام لینا بلکہ عقد کی جگہ حوالہ کردے گا اور بیع سلم صحیح نہیں یہاں تک کہ جدا ہونے سے پہلے راس المال پر قبضہ کرلے۔

تشریح: ـــــ قولہ وقال ابو یوسف۔ اس سے قبل امام ابو حنیفہ کا قول تھا اور اب امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کو بیان کیا جاتا ہے کہ جب اصل مال معین ہو تو اس کے نام لینے کی ضرورت نہیں اور نہ سلم کے ادا کرنے کی جگہ کے نام لینے کی ضرورت ہے بلکہ جہاں سرمایہ ہے وہیں اُسے ادا کردے اور بیع سلم اس وقت تک درست نہیں جب کہ سلم کرنے والا دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے اصل مال پر قبضہ نہ کرنے۔

ولا یجوز التصرف فی راس المال ولا فی المسلم فیہ قبل القبض ولا یجوز الشرکۃ ولا التولیۃ فی المسلم فیہ قبل قبضہ ویصح السلم فی الثیاب اذا سمی طولاً وعرضاً ورقۃ ولا یجوز السلم فی الجواہر ولا فی الخرز ولا باس بالسلم فی اللبن والآجر اذا سمی ملبناً معلوماً

ترجمہ: ـــــ اور راس المال میں تصرف جائز نہیں اور نہ مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے نہ شرکت جائز ہے اور نہ تولیہ اور بیع سلم کپڑوں میں صحیح ہے جب کہ لمبائی اور چوڑائی اور موٹائی بیان کردی جائے اور بیع سلم جواہر و نگ اور موتیوں میں جائز نہیں اور کچی اور پکی اینٹوں میں بیع سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ اُس کا سانچا مقرر کردیا جائے۔

تشریح: ولا یجوز التصرف۔ یعنی قبضہ سے پہلے راس المال یعنی اصل مال میں تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں قبضہ کا فوت کرنا لازم آتا ہے جو نفس عقد کی وجہ سے ضروری ہے اور مسلم فیہ میں بھی قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں اس لئے کہ مسلم فیہ مبیع ہے اور مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف ممنوع ہے۔ اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے نہ شرکت جائز ہے اور نہ تولیہ کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا تصرف ہے۔

قولہ ویصح الثیاب۔ یعنی کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے جب کہ ان کی لمبائی اور چوڑائی اور دبیز یا ہلکا پن بیان کردیا جائے اور جواہرات و موتیوں میں بیع سلم جائز نہیں اور کچی و پکی اینٹوں میں بیع سلم کرنے میں کچھ حرج نہیں جب کہ اس کا سانچا مقرر کردیا جائے۔

وکل ما امکن ضبط صفتہ ومعرفۃ مقدارہ جاز السلم فیہ وما لا یمکن ضبط صفتہ ومعرفۃ مقدارہ

لایجوز السلم فیہ[1] ویجوز بیع الکلب والفہد والسباع[2] ولا یجوز بیع الخمر والخنزیر[3] ولا یجوز بیع دود القز الا ان یکون مع القز[4] ولا النحل الا مع الکورات[5] واہل الذمۃ فی البیاعات کالمسلمین[6] الا فی الخمر والخنزیر خاصۃ فان عقدہم علی الخمر کعقد المسلم علی العصیر وعقدہم علی الخنزیر کعقد المسلم علی الشاۃ

ترجمہ: ـــــ اور جن چیزوں کی ضبط صفت اور معرفت مقدار ممکن ہو ان میں بیع سلم جائز ہے اور جن کی ضبط صفت و معرفت مقدار ممکن نہ ہو ان میں بیع سلم جائز نہیں اور کتے اور چیتے اور درندوں کی بیع جائز ہے اور شراب اور خنزیر کی بیع جائز نہیں ۔ اور ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں مگر یہ کہ ریشم کے ساتھ ہوں اور نہ شہد کی مکھی کی بیع جائز ہے مگر یہ کہ چھتوں کے ساتھ ہوں اور ذمی لوگ خرید و فروخت میں مسلمانوں کی طرح ہیں مگر شراب اور خنزیر کے بارے میں خاص کر کہ ان کا عقد شراب پر مسلمان کے عقد کی طرح ہے شربت پر اور ان کا عقد خنزیر پر مسلمان کے عقد کی طرح ہے بکری پر۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] کل ما امکن ۔ بیع سلم کیلئے یہ ضابطہ بیان کیا جاتا ہے کہ جن چیزوں میں دو امر موجود ہوں ان میں بیع سلم جائز ہے اور جن میں وہ نہ ہوں ان میں بیع سلم جائز نہیں اور وہ دو امر میں سے ایک یہ کہ ان کی صفت ضبط کرنا ممکن ہو مثلاً ان کا عمدہ یا ناقص ہونا دوسرا یہ کہ ان کی مقدار معلوم کرنا ممکن ہو جیسے کیلی و وزنی و عددی یا متقارب المقدار ہو مثلاً اخروٹ ، انڈے ، معین سانچے کی کچی یا پکی اینٹیں وغیرہ ۔

قولہ[2] یجوز بیع الکلب ۔ یعنی کتے اور چیتے اور درندے کی بیع جائز ہے خواہ وہ سیکھے ہوئے ہوں یا نہ ہوں اور ان میں چنگل و دندان ہوں یا نہ ہوں ۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے کتے کی بیع سے منع فرمایا ہے اور اس سے شکاری کتے کا استثناء فرمایا ہے ۔ اور شکاری کتے کے علاوہ دوسرے کتے دلالۃً اسی کے ساتھ ملحق ہیں والجامع کونہ منتفعاً بہ حراسۃً و اصطیاداً ۔ درندوں کی بیع اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ بھی قابل انتفاع جانور ہیں فیکون مالاً متقوماً دھل محل البیع ۔

قولہ[3] لا یجوز بیع الخمر ۔ یعنی شراب اور سور کی بیع جائز نہیں اور نہ ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز ہے اور امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ریشم کے کیڑے کی بیع اور اس کے انڈے کی بیع جس کو اہل عرب بذر العلیق کہتے ہیں وہ مطلقاً جائز ہے اس لئے کہ وہ بھی قابل انتفاع ہے ۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اگر اس پر ریشم ظاہر ہو چکی ہو تو ریشم کے تابع ہو کر اس کی بیع جائز ہے اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اس کی بیع جائز نہیں کیونکہ وہ حشرات الارض سے ہے ۔ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے ۔

قولہ[4] ولا النحل ۔ یعنی شہد کی مکھی کی بیع بھی جائز نہیں اس کے قائل امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف

ہیں دلیل ان کی یہ ہے کہ وہ از قبیل حشرات الارض مثلاً بھیڑ و سانپ وغیرہ ہے اور ظاہر ہے اس کی بیع جائز نہیں اور امام محمد اور ائمہ ثلاثہ شہد کی مکھی کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں جب کہ وہ محرز یعنی بایں طور ہو کہ شہد اور چھتے کے ساتھ بیع ہو اس لئے کہ شہد کی مکھی حقیقۃً اور شرعاً دونوں اعتبار سے قابل انتفاع ہے اگرچہ ماکول اللحم نہیں جس طرح گدھے و خچر کی بیع جائز ہے وہ بھی ماکول اللحم نہیں۔

قولہ[۴] اہل الذمۃ۔ ذمی لوگ خرید و فروخت بلکہ تمام معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہیں۔ کیونکہ وہ بھی معاملات کے مکلف اور مباشرت اسباب کے محتاج ہیں۔ پس جو معاملات مسلمانوں کیلئے جائز یا ممنوع ہیں وہ ان کیلئے بھی جائز یا ممنوع ہیں مگر شراب اور سور کہ وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کی خرید و فروخت ذمیوں کیلئے جائز ہے اور مسلمانوں کیلئے ممنوع! اس لئے کہ وہ ان کے نزدیک مال ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک نہیں۔

بابُ[۱] الصرفِ

ترجمہ : ـــــــ بیع صرف کے مسائل کا بیان

الصرفُ[۲] هو البیعُ اذا کانَ کلُّ واحدٍ من عِوَضیه من[۳] جنسِ الاثمانِ فانْ باعَ فضةً بفضةٍ اَوْ ذھباً بذھبٍ لم یجزْ الّا مثلاً بمثلٍ وانْ[۴] اختلفا فی الجودۃِ والصیاغۃِ

ترجمہ : ـــــــ صرف وہ بیع ہے کہ اس کے عوضوں میں سے ہر ایک اثمان کی جنس سے ہو پس اگر فروخت کر دے چاندی کو چاندی کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض تو وہ جائز نہیں مگر برابر سرابر اگرچہ دونوں کھرا و کھوٹے میں مختلف ہوں

تشریح : ـــــــ قولہ[۱] باب الصرف۔ بیع کی باعتبار مبیع کے چار قسمیں ہیں (۱) بیع العین بالعین (۲) بیع العین بالدین (۳) بیع الدین بالعین (۴) بیع الدین بالدین۔ اس سے قبل بیع کی پہلی تینوں قسموں کا بیان چونکہ ماقبل میں گذر چکا اس لئے اب آخری اور چوتھی قسم کو بیان کیا جاتا ہے اور اس کو سب سے اخیر میں اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ وہ تمام بیعوں میں ضعیف تر ہے کہ اس کے اندر مجلس عقد میں دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہوتا ہے۔

قولہ[۲] الصرف هو البیع۔ اس عبارت سے بیع صرف کے لغوی و اصطلاحی معنی کو بیان کیا جاتا ہے کہ صرف لغت میں نقل و رد یعنی پھیرنے اور واپس کرنے کو کہا جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ثم انصرفوا صرف اللّٰہ

قلو بھم اور اس عقد میں چونکہ دونوں عوضوں کو ہاتھ بہاتھ منتقل کرنا لازم وضروری ہے اس لئے اس کو بیع صرف کہا جاتا ہے

قولہ ۲۳ من جنس الاثمان ۔ یعنی بیع صرف میں دونوں عوض ہم جنس ہوں یعنی سونے کی بیع سونے کے عوض اور چاندی کی بیع چاندی کے عوض میں اس میں برابری ضروری ہے اور مجلس سے جدا ہونے سے پہلے قبضہ بھی ضروری ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سونے کی بیع اگر سونے سے ہو تو برابر اور ہاتھوں ہاتھ کیا کرو۔ اثمان جمع ثمن اس سے مراد وہ ہے جس میں خلقۃً ثمنیت ہو جیسے چاندی و سونا وقال الفراء الثمن عند العرب ما کان دیناً فی الذمۃ ۔

واضح ہو کہ مال کی چار قسمیں ہیں اول وہ ہے جو ہر حال میں ثمن ہو خواہ اپنی جنس کے مقابل میں ہو یا غیر جنس کے مقابل جیسے سونا چاندی ۔ دوم وہ ہے جو ہر حال میں مبیع ہو جیسے غیر ذوات الامثال مثلاً کپڑے و چوپایہ وغیرہ سوم وہ ہے جو من وجہٍ ثمن ہو اور من وجہٍ مبیع ہو جیسے مکیل وموزوں کہ اگر وہ چیزیں عقد میں معین ہوں تو مبیع ہوتی ہیں اور معین نہ ہوں اور لفظ باء کے ساتھ ہوں اور ان کے مقابل میں کوئی مبیع ہو تو ثمن ہوتی ہیں چہارم وہ ہے جو باعتبار اصل سامان ہو اور لوگوں کی اصطلاح میں ثمن ہو جیسے اسباب ۔

قولہ ۲۴ وان اختلفا ۔ یعنی دونوں عوض اگر عمدگی اور صنعت کاری میں مختلف ہوں تو بھی کمی بیشی جائز نہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جیدھا ورد یھا سواء لہٰذا وہ رواج مطلقاً حرام ہے کہ عمدہ چاندی ۔ بنارسی وغیرہ روپے دیکر خریدا جائے ۔ یا چھلا آرسی سادہ صنعت کاری کی وجہ سے بڑھ کر لیا جائے کہ یہ بعینہٖ ربوا ہے البتہ اگر خریدنا مقصود ہے تو جنس بدل کر یعنی چاندی کو اشرفیوں یا پیسوں سے خریدا جائے ۔

ولابدؐ من قبضِ العوضینِ قبلَ الافتراقِ واذا باع الذھبَ بالفضۃِ جاز التفاضلُ ووجبَ التقابضُ وان افترقا فی الصرفِ قبلَ قبضِ العوضینِ او احدِھما بطلَ العقدُ

ترجمہ: ـــــــ اور دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا جدائی سے پہلے ضروری ہے اور جب سونا کی بیع چاندی کے عوض کرے تو زیادتی جائز ہے اور جانبین سے قبضہ کا ہونا ضروری ہے اور اگر دونوں جدا ہوگئے بیع صرف میں دونوں عوض یا ایک عوض پر قبضہ سے پہلے تو بیع باطل ہو جائیگا۔

تشریح: ـــــــ قولہ ولابد ۔ یعنی بائع ومشتری کے جدا ہونے سے پہلے دونوں عوضوں پر مجلس سے علٰحدگی سے پہلے قبضہ ہونا بھی ضروری ہے اور اگر جنس مختلف ہو یعنی سونے کو چاندی سے یا برعکس ہو تو کمی بیشی جائز ہے کیونکہ یہاں

دونوں عوضوں کی جنس ایک نہیں اور جانبین سے قبضہ ہونا ضروری ہے چنانچہ ارشاد گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے فاذا اختلف ہذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید۔

قولہ۲ وان افترقا۔ یعنی بیع صرف میں دونوں عوضوں پر یا ایک پر قبضہ کرنے سے پہلے بائع و مشتری دونوں علیحدہ ہو گئے تو وہ عقد باطل ہو جائے گا پس بطل العقد سے یہ مستفاد ہے کہ بیع صرف میں قبضہ کرنا عقد کی بقاء کیلئے شرط ہے انعقاد یا صحت عقد کیلئے نہیں اس لئے کہ بطلان کا تحقق صحت کے بعد ہی ہوتا ہے اسی وجہ سے جدائی کے بعد اگر قبضہ پایا گیا تو پھر وہ جائز ہو جائے گا۔

ولا۱ یجوز التصرف فی ثمن الصرف قبل قبضہ ویجوز۲ بیع الذہب بالفضۃ مجازفۃً

ترجمہ: ـــــ اور بیع صرف کے ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں اور سونے کی بیع چاندی کے عوض اندازہ سے جائز ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ۱ ولا یجوز التصرف۔ یعنی قبضہ سے پہلے بیع صرف کی قیمت میں تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ قبضہ کا وجوب بجہت حق اللہ ہے پس اگر کسی نے دینار کو درہم کے عوض فروخت کیا اور ابھی ان پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ان سے کپڑا خرید لیا تو کپڑے کی بیع فاسد ہو جائے گی کیونکہ بیع میں مبیع کا ہونا ضروری ہے اور بیع صرف میں دونوں عوضوں میں سے کسی ایک کو اولیت نہ ہونے کی وجہ سے مبیع متعین نہیں کیا جا سکتا اس لئے لامحالہ ہر ایک کو من وجہ ثمن اور من وجہ مبیع قرار دیا جائے گا۔

قولہ۲ یجوز بیع۔ سونے کو چاندی کے عوض اندازہ سے بیچنا جائز ہے کیونکہ دونوں کی ایک جنس نہ ہونے کی وجہ سے ان میں برابر ایک شرط نہیں لیکن اسی مجلس میں قبضہ ہونا ضروری ہے۔

ومن۱ باع سیفاً محلًّی بمائۃِ درہمٍ وحلیتُہ خمسون درہماً فدفع من ثمنہ خمسین درہماً جاز البیع وکان المقبوض من حصۃ الفضۃ وان لم یبیّن ذلک وکذلک ان قال خذ ہذہ الخمسین من ثمنہما فان لم یتقابضا حتی افترقا بطل العقد فی الحلیۃ وان کان یتخلص بغیر ضرر جاز البیع فی السیف وبطل فی الحلیۃ

ترجمہ: ـــــ اور جس نے ایک زیور دار تلوار سو درہم میں بیچا جس کا زیور پچاس درہم کا ہے پس اس کی قیمت سے پچاس

درہم دے تو بیع جائز ہوگی اور مقبوضہ درہم چاندی کے حصہ سے ہوں گے اگرچہ اس نے یہ بیان نہ کیا ہو اور اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ دونوں کی قیمت سے یہ پچاس لیلے پس اگر دونوں نے قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ جدا ہو گئے تو زیور میں عقد باطل ہو جائے گا اور اگر زیور بلا نقصان علاحدہ ہو سکتا ہو تو تلوار میں بیع جائز ہوگی۔ اور زیور میں باطل۔

تشریح: ـــــ قولہ ومن باع سیفاً۔ یعنی اگر کسی نے زیوردار تلوار سو درہم میں بیچا اور اس کے اوپر کا زیور پچاس درہم کا ہے اور مشتری نے اس کی قیمت میں سے پچاس درہم نقد بائع کو دیدیے تو وہ بیع جائز ہے اور یہ مقبوضہ درہم چاندی کے حصہ میں یعنی اس زیور کے عوض شمار ہوں گی خواہ مشتری نے اس کو بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو بلکہ اگر وہ اس کو صراحۃً بیان کردے کہ یہ پچاس درہم دونوں کی قیمت کی طرف سے تو بھی زیور ہی کا بدل ہوگا اس لئے کہ زیور میں عقد صرف ہے جبکہ عقد صرف میں مجلس کے اندر قبضہ ضروری ہے اسی وجہ سے جہاں تک ممکن ہو اس عقد کو درست کیا جائے اور اس کی یہی صورت ممکن ہے کہ نقد کو زیور کا بدل قرار دیا جائے اور اگر بائع و مشتری قبضہ سے پہلے ہی جدا ہو گئے تو تلوار کی بیع اسی صورت میں درست ہوگی جب کہ اس کا زیور بلا نقصان چھڑایا جا سکے اور زیور کی بیع باطل ہو جائے گی اس لئے کہ زیور کا حصہ جدائی سے پہلے قبضہ ضروری ہے اور قبضہ یہاں مفقود ہے تو زیور کی بیع باطل ہو جائے گی اور اگر زیور بلا نقصان چھڑانا ممکن نہ ہو تو تلوار اور زیور دونوں کی بیع باطل ہو جائے گی چونکہ اس تقدیر پر تسلیم دشوار ہے۔

وَمَنْ بَاعَ إِنَاءَ فِضَّةٍ ثُمَّ افْتَرَقَا وَقَدْ قَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِهٖ بَطَلَ الْعَقْدُ فِيْمَا لَمْ يُقْبَضْ وَصَحَّ فِيْمَا قُبِضَ وَكَانَ الْإِنَاءُ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا وَإِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الْإِنَاءِ كَانَ الْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَ الْبَاقِيَ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهٗ وَمَنْ بَاعَ قِطْعَةَ نُقْرَةٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُهَا أَخَذَ مَا بَقِيَ بِحِصَّتِهٖ وَلَا خِيَارَ لَهٗ

ترجمہ۔ ـــــ اور جس نے چاندی کا برتن بیچا پھر دونوں جدا ہو گئے اور بعض قیمت لیلی تو غیر مقبوض میں عقد باطل ہوگا اور مقبوض میں صحیح ہوگا اور برتن دونوں میں مشترک ہوگا اور اگر برتن کے جزوی حصہ کا مستحق نکل آیا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو باقی کو لے اور اگر چاہے تو واپس کردے اور اگر چاندی کی ایک ڈلی بیچا پھر اس کے بعض حصہ کا کوئی مستحق نکل آیا تو باقی کو اس کے حصہ سے لیلے اور اس کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔

تشریح: ـــــ قولہ ومن باع اناء فضۃ۔ یعنی اگر کسی نے چاندی کا برتن چاندی یا سونے کے عوض فروخت کیا

اور کچھ قیمت لیلی اور کچھ نہیں پھر دونوں علیحدہ ہوگئے جس قدر قیمت بائع نے لیکر اپنے قبضہ میں کرلی ہے اس میں بیع صحیح ہوجائے اور باقی میں نہیں اور برتن بائع ومشتری دونوں میں مشترک رہے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ پورا عقد صرف ہے پس جتنے حصہ میں شرط پائی گئی اتنے ہی میں درست ہوگی اور چونکہ یہ فساد اصلی نہیں اس لئے پورے میں شائع نہ ہوگا اور اگر خریدے ہوئے برتن میں جزوی حصہ کا کوئی مستحق نکل آیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے اس کے حصہ کی قیمت دیکر وہ حصہ لیلے اور چاہے وہ سارا ہی واپس کردے اس لئے کہ برتن میں شرکت عیب ہے ۔

قولہ[۲] من باع قطعۃ نقرۃ ۔ یعنی اگر کسی نے چاندی کی ایک ڈلی بیچا پھر اس میں کوئی حصہ دار نکل آیا تو مشتری اس کو لیلے جو اس کے حصہ سے بچے اور مشتری کو کچھ اختیار نہیں ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس ڈلی کے ٹکڑے کو لینے میں کوئی حرج نہیں لہذا یہ شرکت عیب شمار نہ ہوگی برخلاف برتن کے کہ اس کے ٹکڑے کرنے میں سخت نقصان واقع ہوتا ہے ۔

وَمَنْ[۱] بَاعَ دِرْهَمَيْنِ وَدِيْنَارًا بِدِيْنَارَيْنِ وَدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ وَجُعِلَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْجِنْسَيْنِ بَدَلًا مِنْ جِنْسِ الْآخَرِ وَمَنْ[۲] بَاعَ أَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَدِيْنَارٍ جَازَ الْبَيْعُ وَكَانَتِ الْعَشَرَةُ بِمِثْلِهَا وَالدِّيْنَارُ بِدِرْهَمٍ وَيَجُوْزُ بَيْعُ دِرْهَمَيْنِ صَحِيْحَيْنِ وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ بِدِرْهَمٍ صَحِيْحٍ وَدِرْهَمَيْنِ غَلَّةٍ

ترجمہ: ـــــ ۱ اور جس نے دو درہم اور ایک دینار دو دینار اور ایک درہم کے عوض بیچا تو بیع جائز ہے اور دونوں جنسوں میں سے ہر ایک کو دوسری جنس کا بدل کرلیا جائے گا اور جس نے گیارہ درہم ، دس درہم اور ایک دینار کے عوض بیچا تو بیع جائز ہے اور دس درہم دس کے مقابلہ میں ہوں گے اور دینار درہم کے مقابلہ میں اور دو کھرے اور ایک کھوٹے کی بیع جائز ہے ایک کھرے اور دو کھوٹے درہموں کے عوض ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ومن باع درہمین ۔ یعنی اگر کسی نے دو درہم اور ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کے عوض بیچ دیا تو بیع درست ہے ۔ اس لئے کہ اصول یہ ہے کہ مختلف اجناس ربوا والا مال ہو تو ایک جنس کو اسی جنس کے عوض ٹھہرانے میں عقد فاسد ہو تو خلاف جنس کو عوض ٹھہرالیا جائے گا ۔ تاکہ عقد فساد سے محفوظ ہوجائے پس درہم یہاں بمقابلہ دینار اور دینار بمقابلہ دینار قرار پائے گا اور بیع درست ہوجائے گی اس لئے کہ اجناس کے اختلاف کی صورت میں دونوں بدل میں تساوی ضروری نہیں ۔

قولہ[۲] من باع احد عشر ۔ یعنی اگر کوئی گیارہ درہم کو دس درہم اور ایک دینار سے فروخت کرے تو وہ بیع بھی جائز ہے کہ دس درہم دس دینار کے عوض ہوں گے اور ایک درہم ایک دینار کے عوض اور دو کھرے درہم

اور ایک کھوٹے درہم ایک کھرے درہم اور دو کھوٹے درہموں سے فروخت کرنا جائز ہے اور یہی حکم روپیوں کا ہے

وان[۱] كان الغالب على الدراهم الفضة فهي في حكم الفضة وان كان الغالب على الدنانير الذهب فهي في حكم الذهب فيعتبر فيهما من تحريم التفاضل ما يعتبر في الجياد وان كان الغالب عليهما الغش فليسا في حكم الدراهم والدنانير فهما في حكم العروض فاذا بيعت بجنسها متفاضلا جاز البيع ۔

ترجمہ: ـــــ اور اگر دراہم پر چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہیں اور اگر دنانیر پر سونا غالب ہو تو وہ سونے کے حکم میں ہیں پس ان دونوں میں کمی بیشی کی حرمت وہی معتبر ہوگی جو عمدہ میں معتبر ہوتی ہے اور اگر ان پر کھوٹ غالب ہو تو وہ دراہم ودنانیر کے حکم میں نہیں بلکہ وہ سامان کے حکم میں ہیں کہ جب ان کو ان ہی کی جنس کے عوض میں زیادہ سے بیچا جائے تو بیع جائز ہوگی۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وان كان الغالب ۔ درہموں میں اگر چاندی زیادہ ہو یعنی چاندی کو غلبہ ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہیں اور اگر دیناروں میں سونا غالب ہو تو وہ سونے کے حکم میں ہیں لہذا ان دونوں میں کمی بیشی کی حرمت وہی معتبر ہوگی جو عمدہ میں معتبر ہوتی ہے یعنی ان کو کمی بیشی سے بیچنا جائز نہ ہوگا اور اگر ان میں کھوٹ غالب ہو تو وہ درہم ودینار کے حکم میں نہیں بلکہ اسباب کے حکم میں ہیں پس جس وقت ان کو ان کی جنس سے زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جائے تو وہ بیع جائز ہوگی مگر ادھار بیع جائز نہ ہوگی ۔

وان[۱] اشترى بها سلعة ثم كسدت فترك الناس المعاملة بها قبل القبض بطل البيع عند ابي حنيفة رحمه الله وقال ابو يوسف عليه قيمتها يوم البيع وقال محمد عليه قيمتها آخر ما يتعامل الناس ويجوز[۲] البيع بالفلوس النافقة وان لم يتعين وان كان كاسدة لم يجز البيع بها حتى يعينها واذا[۳] باع بالفلوس النافقة ثم كسدت قبل القبض بطل البيع عند ابي حنيفة

ترجمہ: ـــــ اور اگر ان سے سامان خریدا پھر ان کا رواج نہ رہا پس لوگوں نے قبضہ سے پہلے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو بیع امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باطل ہوگی اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس پر قیمت بیع کے دن کی ہوگی اور امام محمد نے فرمایا کہ اس پر قیمت لوگوں کے معاملہ کے آخری دن کی ہوگی اور بیع جائز ہے رائج پیسوں سے اگرچہ معین

نہ کرے اور اگر کھوٹے ہوں تو جائز نہیں یہاں تک کہ ان کو معین کر دے اور جب رائج پیسوں سے کوئی چیز بیچے پھر وہ قبضہ سے پہلے بند ہوگئے تو بیع باطل ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک ۔

تشریح: ــــــ قولہ[1] وان اشتری ۔ یعنی کسی نے اگر ان کھوٹے درہموں سے کچھ اسباب خریدا اور خریدتے وقت وہ رائج تھے مگر بائع کو حوالہ کرنے سے پہلے ان کا بھاؤ گھٹ گیا یعنی لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا بالکل چھوڑ دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ بیع باطل ہو جائے گی اور مشتری پر مبیع واپس کرنا لازم ہوگا اگر وہ موجود ہو ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی ۔ صاحبین نے فرمایا کہ بیع صحیح ہو جائے گی اور ان کی قیمت واجب ہو جائے گی اور وجوب قیمت میں امام ابو یوسف کے نزدیک بیع کے دن کا اعتبار ہوگا ۔ اور امام محمد کے نزدیک اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن ان کا رواج ختم ہوا ہے ۔ صاحبین دلیل میں یہ بیان کرتے ہیں کہ رواج ختم ہونے کی وجہ سے تسلیم ثمن چونکہ متعذر ہے اور تسلیم کا متعذر ہونا موجب فساد نہیں ہوتا اس لئے بیع صحیح ہو جائے گی ۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رواج ختم ہو جانے سے ان کی ثمنیت ختم ہو جاتی ہے اس لئے کہ ان کا ثمن کا ہونا لوگوں کی اصطلاح کی وجہ سے تھا پس بیع بلا ثمن رہ گئی اور ظاہر ہے بیع بلا ثمن باطل ہو جاتی ہے ۔

قولہ[2] یجوز البیع ۔ یعنی رائج پیسوں سے بیع کرنا جائز ہے اگرچہ معین نہ کرے کیونکہ ان کے تعین کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ ان کا ثمن ہونا لوگوں کی اصطلاح سے ہے تو جب تک اصطلاح قائم ہے اس وقت تک ان کا ثمن ہونا باطل نہ ہوگا پس متعین کرنے میں کوئی فائدہ نہیں البتہ اگر رواج نہ رہے تو معین کرنا ضروری ہوگا ورنہ بیع درست نہ ہوگی ۔

قولہ[3] اذا باع بالفلوس ۔ یعنی اگر کسی نے رائج پیسوں سے کوئی چیز بیع کی اور قبضہ ہونے سے پہلے ان کا رواج ختم ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ بیع باطل ہو جائے گی اور فتویٰ امام ابو حنیفہ کے قول پر ہے اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے ۔

---

[1] ومَنْ اشترىٰ شيئاً بنصفِ درهمٍ فلوسٍ جازَ البيعُ وعليهِ ما يباعُ بنصفِ درهمٍ من فلوسٍ
[2] ومَنْ أعطىٰ صيرفياً درهماً فقالَ اعطني بنصفهِ فلوساً وبنصفهِ نصفاً الّا حبةً فسدَ البيعُ في الجميع عند ابي حنيفة رحمه الله وقالا جازَ البيعُ في الفلوسِ وبطلَ فيما بقيَ ولو قالَ اعطني نصفَ درهمٍ فلوساً ونصفاً الّا حبةً جازَ البيعُ ولو قالَ اعطِني درهماً صغيراً وزنهُ نصفُ درهمٍ الّا حبةً والباقي فلوساً وكانَ النصفُ الّا حبةً بازاءِ الدرهمِ الصغيرِ والباقي بازاءِ الفلوسِ

ترجمہ: ـــــــ اور جس نے کوئی چیز نصف درہم کے پیسوں سے خریدا تو بیع جائز ہے اور اس پر وہ لازم ہوگا جو نصف درہم کے پیسوں سے بیچا جاتا ہے اور جس نے صرّاف کو ایک درہم دیا اور کہا کہ اس کے نصف میں پیسے دیدے اور نصف میں اٹھنی رتی بھر کم تو بیع سب میں فاسد ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ بیع پیسوں میں جائز ہے اور باقی میں باطل ہے اور اگر کہا کہ نصف درہم پیسے دیدے اور رتی بھر کم اٹھنی تو بیع جائز ہوگی اور کہا کہ چھوٹا درہم دیدے جس کا وزن نصف درہم سے رتی بھر کم ہو اور باقی پیسے دیدے تو بیع جائز ہوگی اور رتی بھر کم ہوگا نصف چھوٹے درہم کے مقابلہ میں اور باقی پیسوں کے مقابلہ میں۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] ومن اشتری۔ یعنی اگر کسی نے نصف درہم کے پیسوں سے کوئی چیز خریدی تو وہ بیع جائز ہے اور مشتری کو اتنے ہی پیسے دینے ہوں گے جتنے نصف درہم میں فروخت ہوتے ہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن امام زفر نے کہا کہ خریداری صحیح نہیں اس لئے کہ پیسے عددی ہیں پس بیان عدد کے بغیر ثمن مجہول ہے۔ جواب امام ابو حنیفہ کی جانب سے یہ ہے کہ ثمن مجہول نہیں کیونکہ نصف درہم کو بیان کرنے کے بعد پھر نصف کو پیسوں سے موصوف کرنے سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس نے قول مذکور سے اتنی ہی کا ارادہ کیا ہے جتنے نصف درہم سے فروخت ہوتے ہیں اس وجہ سے پیسوں کے عدد کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

قولہ[۲] ومن اعطی صیرفیا۔ یعنی کسی نے اگر صراف کو ایک روپیہ دیا اور یہ کہا کہ نصف کے بدلہ میں پیسے دے دے اور نصف کے بدلے میں رتی بھر کم کی ایک اٹھنی دیدے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ بیع تمام میں ناجائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ پیسوں میں جائز ہے اور باقی اٹھنی میں ناجائز ہے اور اگر مشتری نے روپیہ دیتے وقت یوں کہا کہ نصف کے پیسے دیدے اور ایک رتی بھر کم کی اٹھنی دیدے تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ اس میں بدلہ کا لفظ نہیں اور اگر مشتری نے کوئی بڑا روپیہ دیتے وقت یہ کہا کہ ایک چھوٹا روپیہ دیدے جس کا وزن نصف روپیہ سے بھی ایک رتی بھر کم ہو اور باقی کے پیسے دیدے تو یہ بیع جائز ہے۔ اور یہ رتی بھر کم نصف چھوٹے کے روپیہ کے مقابلہ میں ہوگا اور باقی پیسوں کے مقابلہ میں۔

کتاب[۱] الرھن

ترجمہ: ـــــــ رہن کے مسائل کا بیان

اَلرَّهْنُ يَنْعَقِدُ[۲] بِالْاِيْجَابِ[۳] وَالْقَبُوْلِ وَيَتِمُّ بِالْقَبْضِ فَاِذَا قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ مَحُوْزًا[۴] مُفْرَغًا مُمَيَّزًا

تَمَّ العقدُ فیهِ ومالم یقبضهُ فالراهنُ بالخیارِ ان شاءَ سلّمهُ الیهِ وان شاءَ رجعَ عن الرهنِ فاذا سلّمهُ الیهِ فقبضهُ دخلَ فی ضمانهِ

ترجمہ:۔ رھن ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے اور قبضہ سے تام ہوتا ہے پس جب مرتہن رھن پر محوز مفرغ ممیز ہونے کی حالت میں قبضہ کر لیا تو عقد تام ہو گیا اور جبتک قبضہ نہ کرے راہن کو اختیار ہے چاہے اس کے حوالہ کرے اور چاہے رھن سے پھر جائے پس جب اُس کے حوالہ کر چکا اور اس نے قبضہ کر لیا تو وہ اُس کے ضمان میں داخل ہو گئی۔

تشریح:۔ قولہ[1] کتاب الرھن۔ رھن کو کتاب البیوع کے بعد اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ عقد بیع کے بعد اس کی ضرورت اہم پیش آتی ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے کہ سرکار مدینہ نے ابوالشحم یہودی سے تین صاع جَو خریدا اور اس کے عوض اپنی ایک زرہ رھن رکھدی اور اس لئے بھی کہ عقد بیع جس طرح ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے اسی طرح رھن بھی ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے۔ رھن کی مشروعیت قرآن کریم سے ثابت ہے چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے وان کنتم علی سفرولم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ۔

قولہ[2] الرھن۔ رھن لغت میں حبس شئی یعنی کسی چیز کے روک لینے کو کہا جاتا ہے خواہ مال ہو یا مال نہ ہو اور اصطلاح شرع میں رھن ایسی چیز کو کسی حق کے عوض روک لینے کو کہا جاتا ہے جس سے پورا حق یا بعض حق وصول کر لینا ممکن ہو مثلاً مرہون سے دین کا وصول کر لینا خواہ دین حقیقی ہو یا حکمی۔ دین حقیقی وہ ہے جو ظاہر و باطن ہر دو اعتبار سے یا صرف ظاہر کے اعتبار سے ذمہ پر واجب ہو جیسے اس غلام کا ثمن جو آزاد نکل آئے یا وہ سرکہ جو خمر ثابت ہوا اور دین حکمی جیسے وہ اعیان جن کا ضمان مثل یا قیمت سے ہوتا ہے۔

قولہ[3] ینعقد۔ یعنی رھن ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے اور قبضہ کے بعد تام یعنی لازم ہو جاتا ہے مثلاً راھن نے کہا رھنتک ہذا المال بدین لک علی یعنی میں نے تجھ کو یہ مال اس دین کے عوض رہن میں دیا جو میرے اوپر ہے اور مرتہن نے کہا قبلت یعنی میں نے قبول کی تو عقد رھن منعقد ہو گیا اور جب راھن نے مرہون شئی مرتہن کے حوالہ کر دی اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا اس شرط کے ساتھ کہ محوز و مفرغ و ممیز تھی تو اب عقد لازم ہو گیا۔

واضح ہو کہ راھن اس شخص کو کہا جاتا ہے جو یہ کہے کہ میں نے اس چیز کو اس قدر روپیہ کے عوض گروی دیا اور مرتہن اس شخص کو کہا جاتا ہے جو یہ کہے کہ میں نے اس چیز کو اس قدر روپیہ کے عوض گروی دیا اور رھن و مرہون اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو گروی دی جائے۔

قولہ[4] محوزاً مفرغاً ممیزاً۔ یہ تینوں قیدیں احترازی ہیں۔ محوز سے مراد یہ ہے کہ شئی مرہون محوز یعنی

مقسوم ہو اس میں کسی کی شرکت نہ ہو۔ مقسوم ہونا رھن میں شرط اس لئے ہے کہ مشترک چیز کو رھن رکھنا ممنوع ہے مفرغ سے مراد یہ ہے کہ شئی مرہون راھن کی ملکیت سے مفرغ یعنی خالی ہو اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے مکان کو رھن میں رکھنا جائز نہیں جس میں راھن کا کچھ اسباب ہو کیونکہ اس میں اسباب ہونے کی وجہ سے وہ راھن کی ملک سے خالی نہیں۔ اور ممیز سے مراد یہ ہے کہ اس مرہون کو کسی دوسرے کے ساتھ خلقی اتصال نہ ہو مثلاً کوئی درخت پر لگے ہوئے پھل کو رھن رکھنے لگے اور درخت کو رھن نہ رکھے تو وہ رھن جائز نہیں کیونکہ مرہون یعنی پھل کو دوسری چیز یعنی درخت کے ساتھ خلقی اتصال ہے۔

قولہ ثم تم العقد۔ یعنی مرتہن جبتک مرہون پر قبضہ نہ کرے تو راہن کو اختیار ہے چاہے وہ رھن رکھے اور مرہون کو اس کے حوالہ کر دے اور چاہے رھن سے پھر جائے پھر اگر اس کے حوالہ کر چکا اور اس نے اپنا قبضہ کر لیا تو وہ چیز اس کے ضمان میں داخل ہو جائے گی اب راہن کو رھن کا روپیہ ادا کرنے تک اس کا کچھ اختیار نہ ہوگا۔

وَلَا یَصِحُّ الرَّھْنُ اِلَّا بِدَیْنٍ مَضْمُوْنٍ وَھُوَ مَضْمُوْنٌ بِالْاَقَلِّ مِنْ قِیْمَتِہٖ وَمِنَ الدَّیْنِ فَاِذَا ھَلَکَ الرَّھْنُ فِیْ یَدِ الْمُرْتَھِنِ وَقِیْمَتُہٗ وَالدَّیْنُ سَوَاءٌ صَارَ الْمُرْتَھِنُ مُسْتَوْفِیًا لِدَیْنِہٖ حُکْمًا وَاِنْ کَانَتْ قِیْمَۃُ الرَّھْنِ اَکْثَرَ مِنَ الدَّیْنِ فَالْفَضْلُ اَمَانَۃٌ وَاِنْ کَانَتْ قِیْمَۃُ الرَّھْنِ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِکَ سَقَطَ مِنَ الدَّیْنِ بِقَدْرِھَا وَرَجَعَ الْمُرْتَھِنُ بِالْفَضْلِ

ترجمہ: ـــــ اور رہن صحیح نہیں مگر دین مضمون کے ساتھ اور وہ مضمون ہوگا اپنی قیمت اور دین سے کم کے عوض پس جب شئی مرہون راہن کے پاس ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت اور دین برابر ہو تو مرتہن اپنا دین حکماً وصول کر چکا اور اگر مرہون کی قیمت دین سے زائد ہو تو زائد مقدار امانت ہے اور اگر مرہون کی قیمت اس سے کم ہو تو دین اس کی مقدار کے مطابق ساقط ہو جائے گا اور مرتہن باقی دین کو وصول کرے گا۔

تشریح: ـــــ قولہ ولا یصح الرھن۔ یعنی رھن بغیر دین مضمون کے درست نہیں اور وہ رھن چیز اپنی قیمت سے کم یعنی اس قرض کے عوض مضمون ہوگی پس اگر رھن چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت اور قرض دونوں برابر تھے تو مرتہن اپنے قرض کو حکماً گویا وصول کر چکا یعنی راہن کی وہ چیز گئی اور مرتہن کا قرض گیا اب دوسرے سے کچھ نہیں لے سکتا اور اگر رھن کی قیمت قرض سے زیادہ تھی تو یہ زیادتی مرتہن کے پاس امانت ہے یعنی اس صورت میں بھی اگر رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو مرتہن کا قرض جاتا رہے اور قرض سے زیادہ قیمت کا مال

جو رہن کا بطور امانت کے ہلاک ہو اور امانت کے ہلاک ہونے میں تاوان لازم نہیں آتا اس لئے اب بھی راہن مرتہن سے کچھ نہ لے سکے گا اور اگر رہن کی قیمت قرض سے کم تھی اور رہن چیز ہلاک ہو گئی تو اس کی قیمت کی مقدار قرض ساقط ہو جائے گا۔ اور باقی قرض کو مرتہن راہن سے وصول کرلے۔

قولہ[۲] بدین مضمون۔ دین کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جو بغیر ادا کئے یا مالک دین کے بغیر معاف کئے ذمہ سے ساقط نہ ہو اس کو دین مضمون کہا جاتا ہے دوسرا وہ کہ جو بغیر ان دونوں صورتوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے اس کو دین غیر مضمون کہا جاتا ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک دین مضمون سے مراد وہ ہے جو فی الحال ذمہ میں واجب ہو نہ کہ ایسا دین جو کہ آئندہ کو واجب ہو۔

ولا[۱] یجوز رھن المشاع ولا رھن ثمرۃ علی رؤس النخل دون النخل ولا زرع فی الارض دون الارض ولا یجوز رھن النخل والارض دونھما ولا[۲] یصح الرھن بالامانات کالودائع والعواری والمضاربات ومال الشرکۃ

ترجمہ: —— اور رھن رکھنا جائز نہیں مشترک چیز کو اور نہ پھلوں کو درخت پر لگے ہوئے درخت کے بغیر اور نہ زمین پر کھڑی ہوئی کھیتی کو زمین کے اوپر اور نہ درخت اور زمین کو پھل اور کھیتی کے بغیر رہن رکھنا جائز ہے اور امانتوں کو رھن رکھنا صحیح نہیں جیسے ودیعتیں اور مانگی ہوئی چیزیں اور مال مضاربت اور مال شرکت۔

تشریح: —— قولہ[۱] ولا یجوز یعنی شرکت داری چیز کو رھن رکھنا نہیں اور نہ درختوں پر لگے ہوئے پھل کو درختوں کے بغیر رھن رکھنا جائز ہے اور نہ زمین پر کھڑی ہوئی کھیتی کو زمین کے بغیر رھن رکھنا جائز ہے اور جس وقت زمین پر کھیتی کھڑی ہو اور درخت پر پھل لگا ہوا ہو تو درخت اور زمین کو کھیتی اور پھل کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں۔

قولہ[۲] لا یصح الرھن۔ امانتوں مثلاً ودیعتوں اور مانگی ہوئی چیزوں اور مضاربت اور شرکت کے مالوں کو رہن رکھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ رہن کا سبب مرتہن کیلئے ید استیفاء کا حاصل ہونا ہے۔ پس رہن کا قبضہ ضمان کو مستلزم ہے لہذا ضمان ثابت کا ہونا ضروری ہے جس سے قبضہ مضمون واقع ہو اور دین کا استیفاء ہو سکے اور ظاہر ہے امانتوں کے قبضہ سے ضمان نہیں ہوتا پس ان کو رھن رکھنا درست نہیں۔
واضح ہو کہ رہن کی تین صورتیں ہیں (۱) رہن صحیح۔ (۲) رھن فاسد (۳) رھن باطل رہن صحیح

وہ مثلاً دین کو رہن میں رکھنا اور اعیان مضمونہ بانفسہا کو اور رہن فاسد وہ مثلاً شراب اور خنزیر کو رہن میں رکھنا اور رہن باطل وہ مثلاً امانتوں اور اعیان مضمون بغیرہا کو رہن میں رکھنا۔

ویصح الرھن برأس مال السلم وثمن الصرف والمسلم فیہ فان ھلک فی مجلس العقد تم الصرف والسلم وصار المرتھن مستوفیا لحقہ حکماً واذا اتفقا علی وضع الرھن علی یدی عدل جاز ولیس للمرتھن ولا للراھن اخذہ من یدہ فان ھلک فی ھدہ ھلک من ضمان المرتھن ویجوز رھن الدراھم والدنانیر والمکیل والموزون فان رھنت بجنسھا وھلکت ھلکت بمثلھا من الدین وان اختلفا فی الجودۃ والصیاغۃ۔

ترجمہ: ـــــ اور بیع سلم کے راس المال اور بیع صرف کی قیمت اور مسلم فیہ کو رہن رکھنا صحیح ہے پس اگر مجلس عقد میں ہلاک ہو جائے تو بیع صرف اور بیع سلم تام ہو جائے گی اور مرتہن اپنے حق کو حکماً وصول کرنے والا ہوگا اور جب کسی سچے آدمی کے پاس رہن رکھنے پر متفق ہو جائیں تو یہ جائز ہے اور نہ مرتہن اور نہ راہن کو اس سے لینے کا حق ہوگا پس اگر اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے ضمان سے ہلاک ہوگی اور دراہم اور دنانیر اور کیلی اور وزنی چیزوں کو رہن رکھنا جائز ہے پس اگر کسی چیز کو اپنی جنس کے عوض رکھی گئی اور وہ ہلاک ہو گئی تو اتنا ہی دین ہلاک ہو جائے گا اگرچہ گھٹیا اور بڑھیا ہونے میں مختلف ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ یصح الرھن۔ یعنی بیع سلم کے اصل مال اور بیع صرف کی قیمت اور مسلم فیہ کو رہن میں رکھنا درست ہے پس اگر رہن ہوتے ہی صرف کی قیمت اور بیع سلم کا اصل مال مرتہن کے قبضہ میں آکر ہلاک ہو گیا تو بیع صرف اور بیع سلم پوری ہو جائیں گی اور مرتہن حکماً اپنے حق یعنی قرض کو لے چکا۔ غرضکہ مرتہن کا قبضہ ہونے کی وجہ سے اُسی کا مال تلف ہوا اور راہن کے ذمہ اس کا قرض نہیں رہا۔

قولہ اذا اتفقا۔ یعنی راہن اور مرتہن دونوں کا اگر کسی تیسرے سچے آدمی کے پاس رہن کے رکھ دینے پر اتفاق ہو جائے تو جائز ہے اور اس سے لینے کا نہ پھر مرتہن کو اختیار ہے اور نہ راہن کو پس اُس کے پاس اگر یہ رہن ہلاک ہو جائے تو مرتہن کا ہلاک ہوگا یعنی اب راہن کے ذمہ قرض نہ رہے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام زفر اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ رہن ہی صحیح نہیں اس لئے کہ سچے آدمی کا قبضہ گویا مالک ہی کا قبضہ ہے اسی وجہ سے وہ ہلاک ہونے کے بعد بوقت استحقاق مالک پر رجوع کرتا ہے پس قبضہ معدوم ہو تو

رہن صحیح نہ ہوگا دلیل احناف کی یہ ہے کہ حفاظت کے حق میں سچے آدمی کا قبضہ مالک ہی کا قبضہ ہوتا ہے لیکن لیت کے حق میں اس کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہوتا ہے۔

قولہ۲ یجوز رھن۔ یعنی درہم اور دینار اور کیلی اور وزنی چیزوں کو رہن رکھنا جائز ہے پس اگر کوئی چیز اپنی جنس کے عوض رہن رکھی گئی اور مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو اسی کے برابر قرض ہلاک ہو جائے گا یعنی راہن کے ذمہ سے اتنا ہی قرض کم ہو جائے گا اگرچہ دونوں گھٹیا و بڑھیا ہونے میں مختلف ہوں مثلاً جو رہن کی تھی وہ گھٹیا تھی اور جو راہن نے مرتہن سے لی تھی وہ بڑھیا تھی اور ان میں فرق نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک جنس سے مقابلہ ہونے کے وقت بڑھیا ہونے کا اعتبار نہیں۔

ومن۱ کان لہ دین علی غیرہ فاخذ منہ مثل دینہ فانفقہ ثم علم انہ کان زیوفا فلا شیٔ لہ عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف و محمد رحمھما اللہ یرد مثل الزیوف ویرجع مثل الجیاد ومن۲ رھن عبدین بالف فقضی حصۃ احدھما لم یکن لہ ان یقبضہ حتی یؤدی باقی الدین

ترجمہ: ـــــ اور جس کسی کا دوسرے پر دین تھا اس نے اپنے دین کے برابر لے کر خرچ کر لیا پھر معلوم ہوا کہ وہ روپیہ کھوٹا تھا تو اس کیلئے کچھ نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ کھوٹا کی مثل لوٹا دے اور کھرے کی مثل واپس لیلے اور جس کسی نے دو غلاموں کو ایک ہزار میں رہن رکھا پھر ہر ایک کا حصہ ادا کر دیا تو وہ اس غلام پر قبضہ نہیں کر سکتا یہانتک کہ باقی دین کو ادا کر دے۔

تشریح: ـــــ قولہ۱ من کان لہ۔ ایک شخص کا روپیہ کسی کے ذمہ قرض تھا وہ اپنے قرض کی برابر اس سے روپیہ وصول کر کے خرچ کر ڈالا پھر معلوم ہوا کہ وہ روپیہ کھوٹا تھا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اب اس کا کچھ حق نہیں رہا اور صاحبین نے فرمایا کہ ویسا ہی روپیہ اس کو واپس کر دے اور کھرا روپیہ لیلے اور اگر قبضہ کے وقت معلوم ہو جانے کے بعد اس نے نہیں لوٹایا تو اب بالاتفاق نہیں لوٹایا جائے گا۔

قولہ۲ من رھن۔ یعنی اگر کسی نے ایک ہزار روپیہ کے عوض دو غلاموں کو رہن رکھا پھر ایک کے حصہ کا روپیہ ادا کر دیا تو اسے ابھی اختیار نہیں کہ جس کے حصہ کا روپیہ ادا کیا ہے۔ اس پر اپنا قبضہ کر لے جب کہ سارا قرض ادا نہ کر دے اس لئے کہ وہ دونوں غلام کل روپیہ کے عوض محبوس ہیں اور اگر ہر ایک کا حصہ پانچ پانچ سو متعین کر دے تب بھی یہی حکم ہے کذا فی المبسوط۔

فاذا وکل الراھنُ المرتھنَ اَو العدلَ اَوْ غیرھما فی بیعِ الرھنِ عند حلولِ الدینِ فالوکالۃُ جائزۃٌ فان شُرِطتْ الوکالۃُ فی عقدِ الرھنِ فلیس للراھنِ عزلہٗ عنھا فان عزلہٗ لَمْ ینعزلْ اَنْ مات الراھنُ لم ینعزلْ ایضاً وللمرتھنِ اَنْ یطالب الراھنَ بدینِہٖ ویحبسہٗ وان کان الرھنُ فی یدِہٖ فلیس علیہِ اَن یمکنہٗ من بیعِہٖ حتی یقبض الدینَ بثمنِہٖ فاذا قضاہُ الدینَ قیل لہٗ سلّم الرھنَ الیہِ

ترجمہ: ـــــ پس اگر راہن شئ مرہون کو بیچنے کیلئے مرتہن یا کسی عادل یا ان دونوں کے علاوہ کو دین کی مدت گذرنے پر وکیل کر دے تو وکالت جائز ہے پس اگر عقد رہن میں وکالت شرط کر لی گئی تھی تو راہن وکیل کو وکالت ـــ سے معزول نہیں کر سکتا پس اگر معزول کیا تو معزول نہ ہوگا اور اگر راہن مرگیا تو بھی معزول نہ ہوگا اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اس کو قید کر سکتا ہے اور اگر راہن اس کے قبضہ میں ہو تو اس کو بیچنے نہ دے یہانتک کہ دین اس کی قیمت سے وصول کر لے پس جب وہ دین ادا کر دے تو اس سے کہا جائے گا مرہون اس کے حوالہ کر دے۔

تشریح: ـــــ قولہ فاذا وکل۔ یعنی راہن قرض کی مدت گذرنے کے وقت رہن کو بیچنے کیلئے مرتہن کو یا کسی عادل شخص یا ان دونوں کے علاوہ کو وکیل بنا سکتا ہے چونکہ راہن شئی مرہون کا مالک ہے۔ اس لئے وہ جس کو چاہے وکیل بنا سکتا ہے اور اس کی یہ وکالت جائز ہے اور اگر عقد رہن میں وکالت شرط تھی تو اب راہن کو اس وکالت سے وکیل کو معزول کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ شرط کی بناء پر وکالت اوصاف عقد میں سے ہوگئی پس اگر راہن نے وکیل کو معزول کر دیا تب بھی وہ معزول نہیں ہوگا پس اگر راہن مرگیا تب بھی معزول نہ ہوگا اور مرتہن کو اختیار ہے کہ راہن سے اپنا قرض طلب کرے اور اگر وہ نہ دے تو اس میں اس کو قید کرا دے اور اگر رہن اس کے قبضہ میں ہے تو اس کے ذمہ یہ نہیں کہ وہ رہن کو بیچنے دے یہاں تک کہ اس کی قیمت سے اپنا قرض وصول کرلے پس اگر راہن نے اس کا قرض ادا کر دیا تو اب مرتہن سے کہا جائے گا کہ رہن اس کے حوالہ کر دے۔

واذا باع الراھنُ الرھنَ بغیرِ اذنِ المرتھنِ فالبیعُ موقوفٌ فان اجازہُ المرتھنُ جاز وان قضاہُ الراھنُ دینہٗ جاز وان اعتقَ الراھنُ عبدَ الرھنِ بغیرِ اذنِ المرتھنِ نفذ عتقہٗ فان کان الراھنُ موسراً والدینُ حالاً طولِبَ باداءِ الدینِ وان کان موجلاً اُخِذَ منہٗ قیمۃُ العبدِ فجعلتْ رھناً مکانہٗ حتی یحلّ الدینُ وان کان معسراً استسعی العبدُ فی قیمتِہٖ فقضی

بہ الدین ثم یرجع العبد علی المولیٰ وکذلک لو ان استہلک الراھن الرھن وان استھلکہ اجنبی فالمرتھن ھو الخصم فی تضمینہ فیاخذ القیمۃ فیکون القیمۃ رھنا فی یدہ

ترجمہ : ــــــ اور راہن نے جب مرتہن کی اجازت کے بغیر شئی مرہون کو بیچ دیا تو بیع موقوف ہو گی پس اگر مرتہن اس کو نافذ کر دے تو نافذ ہو جائے گی یا راہن اس کا دین چکا دے تب بھی وہ نافذ ہو جائے گی پس اگر راہن مالدار ہو اور دین فوری ہو تو ادائیگی دین کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر دین موجل ہو تو اس سے غلام کی قیمت لے لی جائیگی اور اس غلام کی جگہ رہن کر دی جائے گی یہاں تک کہ دین کی مدت آجائے اور اگر وہ تنگدست ہو تو غلام اپنی قیمت کمائیگا اور اس سے دین چکائے گا پھر غلام، آقا پر رجوع کرے گا اور اسی طرح راہن اگر شئی مرہون کو ہلاک کر دے اور اگر اس کو کوئی اجنبی آدمی ہلاک کر دے تو مرتہن ہی اس کے ضمان لینے میں مدمقابل ہو گا پس وہ قیمت لے گا پس وہ قیمت اس کے پاس رہن رہے گی۔

تشریح : ــــــ قولہ[۱] اذا باع ۔ راہن نے اگر مرتہن سے اجازت لئے بغیر بیع کر دیا تو وہ بیع موقوف ہو گی پس اگر مرتہن نے اس بیع کی اجازت دیدی یا راہن نے مرتہن کا دین ادا کر دیا تو نافذ ہو جائے گی ورنہ مشتری کو اختیار ہو گا کہ رہن چھوٹنے تک صبر کرے یا قاضی کے پاس اس امر کا مرافعہ کرے تاکہ وہ بیع فسخ کر دے۔

قولہ[۲] وان اعتق ۔ یعنی راہن نے اگر رہن مثلاً غلام کو مرتہن کی اجازت کے بغیر آزاد کر دیا تو اس کی آزادی احناف کے نزدیک نافذ ہو جائے گی لیکن امام شافعی کے تین قول ہیں اول مطلق نفاذ دوم مطلق عدم نفاذ سوم نفاذ اگر راہن مالدار ہو اور عدم نفاذ اگر تنگدست ہو ۔ یہی قول امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ عقد رہن چونکہ ملک رقبہ کو زائل نہیں کرتا اس لئے وہ نفاذ عتق سے مانع نہیں پس اگر راہن مالدار ہو اور دین فوری ہو تو اس سے دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر دین موجل ہو تو اس سے عبد مرہون کی قیمت لے کر غلام کی جگہ رہن رکھدی گئی اور اگر وہ تنگدست ہو تو غلام اقل قیمت و اقل دین میں سعی کرے گا اور اس کمائی سے دین چکا دے ۔ اس لئے کہ دین اُس کی گردن سے متعلق ہے جس کی آزادی کی وجہ سے رہن سے استیفاء ضمان متعذر ہو گیا اس لئے غلام پر سعی لازم ہو گی ۔ پھر وہ چونکہ قضاء دین میں پریشان ہے اس لئے وہ ادا کرنے والی مقدار آقا سے حاصل کرلے گا۔

[۱] وجنایۃ الراھن علی الرھن مضمونۃ وجنایۃ المرتھن علیہ تسقط من الدین بقدرھا

وجنایۃ الرہن علی الراہن وعلی المرتہن وعلی مالہما ھدرٌ واجرۃ البیت الذی یحفظ فیہ الرہن علی المرتہن واجرۃ الراعی علی الراہن ونفقۃ الرہن علی الراہن ونماؤہ للراہن فیکون النماء رہنا مع الاصل

ترجمہ: ـــــ اور راہن کی جنایت رہن پر موجب ضمان ہے اور مرتہن کی جنایت رہن پر دین کو بقدر جنایت ساقط کر دیتی ہے اور رہن کی جنایت راہن پر اور مرتہن پر اور ان دونوں کے مال پر ساقط ہے اور اس مکان کا کرایہ جس میں رہن کی حفاظت کی جائے مرتہن کے ذمہ ہے اور چرواہے کی تنخواہ اور رہن کا نان و نفقہ راہن کے ذمہ ہے اور رہن کی بڑھوتری راہن کی ہے جو اصل کے ساتھ رہن رہے گی۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] جنایۃ الراہن۔ راہن نے اگر رہن پر جنایت کی تو اس سے اس کا تاوان لیا جائیگا جنایت کی صورت مثلاً یہ کہ ایک شخص نے ایک غلام کو رہن رکھا پھر خود ہی اس نے اس غلام کی آنکھ پھوڑ ڈالی یا ہاتھ کاٹ ڈالا تو راہن کو اس کا تاوان دینا پڑے گا اور مرتہن کے رہن پر جنایت کرنے سے اس کی مقدار یعنی جتنا رہن میں نقصان آیا ہے قرض ساقط ہو جائے گا اور رہن کی جنایت راہن اور مرتہن اور ان کے مالوں پر تاوان کو لازم نہیں کرتی مثلاً ایک شخص نے ایک غلام کو رہن میں رکھا اور اس غلام نے راہن یا مرتہن کی آنکھ پھوڑ ڈالی یا کوئی مال تلف کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس غلام پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ صاحبین کا قول یہ ہے کہ مرتہن پر تاوان واجب ہوگا۔

قولہ[۲] اجرۃ البیت۔ یعنی جس مکان میں رہن کو حفاظت کے طور پر رکھا جائے اس کا کرایہ مرتہن کے ذمہ ہے اور اگر بکریاں وغیرہ رہن میں ہوں تو چرواہے کی تنخواہ راہن کے ذمہ ہے اور رہن کا نان و نفقہ یعنی خرچہ راہن کے ذمہ ہے اور رہن کی بڑھوتری بھی راہن کی ہے۔ بڑھوتری سے مراد یہ ہے مثلاً بھیڑ، بکریاں رہن ہیں تو ان کے بچے اور دودھ اور اون وغیرہ پس یہ بڑھوتری اصل کے ساتھ لاحق ہو کر رہن میں شمار ہوگی۔

فان[۱] ہلک النماء ہلک بغیر شیء وان ہلک الاصل وبقی النماء افتکہ الراہن بحصتہ ویقسم الدین علی قیمۃ الرہن یوم القبض وعلی قیمۃ النماء یوم الفکاک فما اصاب الاصل سقط من الدین بقدرہ وما اصاب النماء افتکہ الراہن بہ و[۲] یجوز الزیادۃ فی الرہن ولا یجوز الزیادۃ فی الدین عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ ولا یصیر الرہن رہنا بہما وقال ابو یوسف ہو جائز

ترجمہ: ـــــ پس اگر بڑھوتری ہلاک ہوجائے تو بلا شئی ہلاک ہوگی اور اگر اصل ہلاک ہوگئی اور بڑھوتری باقی رہی تو اس کو راہن اس کا حصہ دیکر چھڑالے اور رہن کو دین کو اس کی قیمت پر پھیلایا جائے گا جو قبضہ کے دن تھی اور بڑھوتری کی اس قیمت پر جو چھڑانیکے دن ہے پس جو اصل کے مقابلہ میں آئے وہ مقدار دین کی ساقط ہوجائے گی اور جو بڑھوتری کے مقابلہ میں پڑے وہ ادا کرکے راہن اس کو چھڑالے گا اور رہن میں اضافہ کرنا جائز ہے اور اضافہ کرنا دین میں جائز نہیں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور رہن ان دونوں کے عوض میں نہ ہوگا، اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے۔

تشریح: قولہ[1] فان ھلکت ـــــ یعنی اصل مال اگر تلف ہوجائے اور بڑھوتری مثلاً پھل دودھ اون وغیرہ رہ جائے تو اس حصہ کا قرض ادا کرکے راہن چھڑالے اور قرضہ کو رہن اور بڑھوتری دونوں کی قیمت پر بانٹا جائے۔ رہن کی وہ قیمت رکھی جائے جو رہن رکھنے کے دن تھی اور بڑھوتری کی قیمت وہ ہے کہ جو چھڑانیکے دن ہے پس جسقدر اصل کی قیمت کے مقابلہ میں پڑے وہ ساقط ہوجائے گا کیونکہ اصل مال تلف ہوچکا ہے۔ اور جو بڑھوتری قیمت کے مقابلہ میں پڑے۔ اس کو راہن ادا کرکے بڑھوتری کو چھڑالے۔ مثلاً ایک شخص نے ایک بکری چار روپیہ میں رہن رکھا اور وہ قیمت میں دو ہی روپیہ کی تھی پھر اس بکری کا بچہ ہوا اور بچہ ہونے کے بعد بکری مرگئی اور بچہ رہ گیا تو اب راہن اس کو چھڑانا چاہتا ہے۔ اور اس وقت اس کی قیمت دو روپیہ ہے تو راہن دو ہی روپیہ دیکر اس بچہ کو لیلے اور باقی بچہ جو دو روپیہ مرتہن کے رہ گئے وہ اصل کے مقابلہ میں آکر ساقط ہوجائیں گے۔ گویا راہن کی اصل بکری گئی اور مرتہن کے دو روپیہ گئے لہذا دونوں برابر ہیں اور ایک دوسرے سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

قولہ[2] یجوز الزیادۃ ـ یعنی رہن میں اضافہ کرنا جائز ہے مثلاً اگر کسی نے ایک کپڑا کو دس روپیہ میں رہن میں رکھا پھر اس کے بعد ایک اور کپڑا رہن میں رکھا تو یہ اضافہ کرنا درست ہے اب دونوں کپڑے دس روپیے میں رہن رہیں گے۔ اور اگر کپڑا دس روپے میں رہن تھا مرتہن سے پانچ روپیہ لے کر وہی کپڑا پندرہ روپیہ میں رہن رکھدے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک درست نہیں البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک درست ہے۔ اس لئے کہ باب رہن میں دین ایسا ہی ہے جیسے باب بیع میں ثمن اور رہن بیع کی طرح ہوتا ہے تو جس طرح باب بیع میں ثمن اور مبیع ہر دونوں میں اضافہ کرنا درست ہے اسی طرح رہن میں بھی درست ہے۔

وَإِذَا[1] رَهَنَ عَيْناً وَاحِدَةً عِنْدَ رَجُلَيْنِ بِدَيْنٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا جَازَ وَجَمِيعُهَا رَهْنٌ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَالْمَضْمُونُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حِصَّتُهُ دَيْنِهِ مِنْهَا فَإِنْ قَضَى أَحَدَهُمَا دَيْنَهُ كَانَ كُلُّهَا رَهْناً فِي يَدِ الْآخَرِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ دَيْنَهُ وَمَنْ[2] بَاعَ عَبْداً عَلَى أَنْ يَرْهَنَهُ الْمُشْتَرِي

بالثمنِ شیئاً بعینہٖ فامتنعَ المشتری من تسلیمِ الرھنِ لم یجبرْ علیہِ وکان البائعُ بالخیارِ اِنْ شاءَ رضِیَ بترکِ الرھنِ واِنْ شاءَ فسخَ البیعَ اِلاَّ اَنْ یدفعَ المشتری الثمنَ حالاً اَوْ یدفعَ قیمۃَ الرھنِ فیکون رھناً

ترجمہ: ـــــ اور اگر کسی نے ایک ہی چیز کو دو آدمیوں کے پاس رکھا ان میں سے ہر ایک کے دین کے عوض تو وہ جائز ہے اور وہ پوری چیز ان میں سے ہر ایک کے پاس رہن رہے گی اور ضمان ان میں سے ہر ایک پر دین کے حصہ کے مطابق ہوگا پس اگر ان میں سے ایک کا دین چکا دے تو پوری شئی دوسرے کے پاس رہن ہوگی یہاں تک کہ وہ اپنا دین وصول کرلے اور جس نے کسی غلام کو اس شرط پر بیع کی کہ اس کے پاس مشتری کوئی خاص چیز قیمت کے عوض رہن رکھے گا پس مشتری رہن رکھنے سے باز رہا تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ بائع کو اختیار ہوگا چاہے ترک رہن سے راضی ہوجائے چاہے فسخ کردے مگر یہ کہ مشتری قیمت فی الفور دیدے یا رہن کی قیمت دیدے پس وہ قیمت رہن ہوجائے گی

تشریح: ـــــ قولہ[۱] اذا رھن ـ یعنی اگر کسی نے ایک ہی چیز کو دو شخصوں کے پاس ایسے قرض کے عوض رہن رکھ دیا جو دونوں کا مشترک تھا تو یہ رہن جائز ہے اور یہ چیز ہر ایک کے پاس پوری رہن سمجھی جائے گی اس لئے کہ رہن بصفقہ واحدہ پورے عین کی طرف مضاف ہے اور رہن کا سبب چونکہ حبس بالدین ہے جس میں تجزی نہیں ہوتی اسلئے وہ دونوں کے پاس محبوس کہلائے گی پس اس کے تلف ہوجانے کے صورت میں ان دونوں میں سے ہر ایک پر اس کے قرض کے حصہ کے مطابق اس کا تاوان لازم ہوگا پس اگر راہن نے ان میں سے ایک کا قرض ادا کردیا تو اب یہ ساری چیز دوسرے کے قبضہ میں رہن رہے گی یہاں تک کہ وہ بھی اپنا قرض وصول کرلے ـ

قولہ[۲] ومن باع ـ یعنی کسی نے اگر ایک غلام کو اس شرط پر بیع کیا کہ مشتری قیمت کے عوض کوئی خاص چیز بائع کے پاس رہن رکھدے ـ اور بیع ہونے کے بعد مشتری نے رہن رکھنے سے انکار کردیا تو اب اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا یعنی قاضی اس پر جبر نہیں کرے گا کیونکہ رہن رکھنا راہن کی طرف سے عقد تبرع ہوتا ہے اور تبرعات پر جبر نہیں ہوتا اور بائع کو اختیار ہے چاہے اس کے رہن نہ رکھنے پر رضامند ہوجائے اور بیع رہنے دے اور چاہے بیع کو فسخ کردے البتہ مشتری نے اگر اسی وقت قیمت دیدی ہو تو بائع کو اختیار نہ رہے گا یا رہن کی قیمت دیدی ہو پس وہی قیمت رہن ہوجائے گی ـ

وللمرتھنِ اَنْ یحفظَ الرھنَ بنفسہٖ وزوجتہٖ وولدہٖ وخادمہٖ الذی فی عیالہٖ واِنْ حفظَہٗ بغیرِ

مَنْ ھُوَ فِیْ عِیَالِہٖ اَوْ اَوْدَعَہٗ ضَمِنَ وَاِذَا تَعَدَّی الْمُرْتَھِنُ فِی الرَّھْنِ ضَمِنَہٗ ضَمَانَ الْغَصْبِ بِجَمِیْعِ قِیْمَتِہٖ وَاِذَا اَعَارَ الْمُرْتَھِنُ الرَّھْنَ لِلرَّاھِنِ فَقَبَضَہٗ خَرَجَ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَھِنِ فَاِنْ ھَلَکَ فِیْ یَدِ الرَّاھِنِ ھَلَکَ بِغَیْرِ شَیْءٍ وَلِلْمُرْتَھِنِ اَنْ یَّسْتَرْجِعَہٗ اِلٰی یَدِہٖ فَاِذَا اَخَذَہٗ عَادَ الضَّمَانُ عَلَیْہِ وَاِذَا مَاتَ الرَّاھِنُ بَاعَ وَصِیُّہٗ الرَّھْنَ وَقَضَی الدَّیْنَ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَصِیٌّ نَصَبَ الْقَاضِیْ لَہٗ وَصِیًّا وَاَمَرَہٗ بِبَیْعِہٖ

ترجمہ :۔ اور مرتہن کیلئے یہ ہے کہ وہ رہن کی حفاظت خود کرے یا اپنی بیوی یا اولاد یا اس ملازم سے کرائے جو اس کی عیال داری میں ہے اور اگر اس سے حفاظت کرائی جو اس کی عیال داری میں نہیں یا کسی کے پاس ودیعت رکھدی تو ضامن ہوگا اور جب مرتہن راہن پر تعدی کرے تو ضمان دے گا غصب کے ضمان کی طرح یعنی پوری قیمت اور جب مرتہن نے شئی مرہون راہن کو عاریت پر دیدی اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ مرتہن کے ضمان سے نکل گئی پس اگر وہ راہن کے پاس ہلاک ہوجائے تو بلا شئی ہلاک ہوگی اور مرتہن کو حق ہے وہ اس کو بلا شئی واپس لے پس جب اس نے واپس لی تو ضمان اس پر لوٹ آئے گا اور جب راہن مرجائے تو اس کا وصی رہن کو بیچ دے اور دین کو چکا دے پس اگر اس کا کوئی وصی نہ ہو تو قاضی کوئی وصی مقرر کر دے اور اس کو بیچنے کا حکم دیدے ۔

تشریح :۔ قولہ[۱] وللمرتھن ان یحفظ ۔ مرتہن کو اختیار ہے وہ رہن کی حفاظت خود کرے یا اپنی بیوی یا اپنی اولاد یا ایسے ملازم سے کرائے جو عیال داری میں ہو اور اگر وہ ایسے شخص سے حفاظت کرائے جو اس کے عیال داری میں نہیں یا کسی کے پاس امانت رکھدے گا تو ضامن ہوگا یعنی اگر وہ رہن تلف ہوگیا تو اس مرتہن کو تاوان دینا پڑے گا کیونکہ حفاظت وامانت میں لوگوں کا رویہ مختلف ہوتا ہے اور مالک کی طرف سے اس کو اس کی اجازت نہیں تو مذکورہ بالا اشخاص کے علاوہ کسی دوسرے کے حوالہ کرنا ایک طرح کی تعدی ہے لہذا مرتہن اس کا ضامن ہوگا ۔

قولہ[۲] اذا تعدی ۔ مرتہن نے اگر رہن میں تعدی و زیادتی کی تو وہ رہن کی ساری قیمت کا ضامن ہوگا غصب کے ضمان کی طرح مثلاً اگر کسی نے کپڑا رہن میں رکھا تھا اور مرتہن نے اس کو پہن لی یا گھوڑا رہن میں رکھا تھا اور اس پر سوار ہونے لگا اتفاق یہ کہ وہ کپڑا پھٹ گیا یا گھوڑا مرگیا تو مرتہن سے دونوں کی قیمت پوری وصول کی جائے گی جس طرح کوئی اگر غصب کرلے اور وہ اس سے تلف ہوجائے تو اس کی قیمت لازم ہوگی ۔

قولہ[۳] اذا اعار :۔ یعنی مرتہن نے شئی مرہون راہن کو بطور عاریت دیدی تو وہ مرتہن کے ضمان سے خارج ہوگئی اس لئے کہ رہن کا ہاتھ موجب ضمان ہے اور عاریت کا ہاتھ غیر موجب ضمان پس اگر عاریت کے بعد مرتہن پر ضمان

لازم کیا جائے تو عاریت کا ہاتھ اور رہن کا ہاتھ دونوں میں اجتماع لازم آئے گا جب کہ دونوں میں تفاوت ہے پس وہ شئی اگر راہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو مرتہن کا کچھ دین ساقط نہ ہوگا اس لئے کہ ضمان کا سبب قبضہ مرتفع ہو گیا اور اگر مرتہن پھر مرہون چیز واپس لے کر اپنے قبضہ میں کرلے تو مرتہن پر ضمان عائد ہو جائے گا اس لئے کہ ہنوز عقد رہن برقرار ہے

قولہ ادا مات ۔ یعنی راہن اگر مرجائے تو اس کا وصی رہن کو بیچ کر قرض ادا کر دے اور اگر اس کا کوئی وصی نہیں تو قاضی اس کیلئے ایک وصی مقرر کر دے اور رہن کو بیچنے کا حکم دیدے ۔

کتاب الحجر

ترجمہ : ـــــــــ تصرف سے روک دینے کے مسائل کا بیان

الاسبابُ الموجبۃُ للحجرِ ثلاثۃٌ الصغرُ والرقُّ والجنونُ ولا یجوز تصرفُ الصغیرِ الّا باذنِ ولیّہٖ ولا یجوز تصرفُ العبدِ الّا باذنِ سیّدہٖ ولا یجوزُ تصرفُ المجنونِ المغلوبِ علی عقلِہٖ بحالٍ

ترجمہ : ـــــــ حجر کو واجب کرنے والے اسباب تین ہیں ۔ صغر سنی ۔ اور غلام ہونا اور دیوانہ ہونا اور بچہ کا تصرف جائز نہیں مگر اس کے ولی کی اجازت سے اور غلام کا تصرف جائز نہیں مگر اس کے آقا کی اجازت سے اور مغلوب العقل دیوانے کا تصرف کسی حالت میں جائز نہیں ۔

تشریح : ـــــــ قولہ کتاب الحجر ۔ حجر لغت میں بمعنی روکنا ہے اسی سے حجر عقل آیا ہے چونکہ عقل انسان کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے روکتی ہے اور اصطلاح میں حجر کہا جاتا ہے کسی کو تصرف قولی سے روک دینے کو نہ کہ تصرف فعلی سے ۔ تصرف قولی وہ ہے جو زبان سے متعلق ہو جیسے بیع و شراء وہبہ وغیرہ اور تصرف فعلی وہ ہے جو افعال جوارح سے ہو جیسے قتل و اتلاف مال وغیرہ ۔

قولہ الاسباب الموجبۃ ۔ حجر کے اسباب تین ہیں ۔ (۱) صغر سنی (۲) غلام ہونا (۳) دیوانہ ہونا ۔ وہ اسباب اس لئے ہیں کہ بچہ چونکہ ناقص العقل ہوتا ہے اور دیوانہ عدیم العقل ۔ وہ اپنے نفع و نقصان کو نہیں پہچانتے اس لئے شریعت میں ان کے قولی تصرفات کا اعتبار نہیں کیا اور غلام اگرچہ عاقل ہوتا ہے لیکن اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے آقا کا ہوتا ہے تو آقا کے حق کی رعایت کی وجہ سے اس کا تصرف بھی معتبر نہیں ۔

وَمَنْ[1] بَاعَ مِنْ هٰؤُلَاءِ شَيْئًا أَوِ اشْتَرَاهُ وَهُوَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَيَقْصِدُهُ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَجَازَهُ إِذَا كَانَ فِيهِ مَصْلَحَةٌ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَهُ

ترجمہ: ـــــ اور جس نے ان میں سے کسی چیز کو خریدا یا اس کو خریدا اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا قصد کرتا ہو تو اس کے ولی کو اختیار ہے چاہے اس کو نافذ کر دے جبکہ اس میں کوئی مصلحت ہو اور چاہے تو فسخ کر دے۔

تشریح: ـــــ قولہ من باع یعنی اگر ان تینوں میں سے کوئی کسی چیز کو بیچ دے یا خرید لے اور وہ بیع کو سمجھتا اور اس کا قصد کرتا ہو تو اس کے ولی کو اختیار ہے اگر اس بیع میں کچھ مصلحت سمجھے تو اس کو رکھے ورنہ توڑ دے۔

فَهٰذِهِ[1] الْمَعَانِي الثَّلَاثَةُ تُوجِبُ الْحَجْرَ فِي الْأَقْوَالِ دُونَ الْأَفْعَالِ وَأَمَّا[2] الصَّبِيُّ وَالْمَجْنُونُ لَا تَصِحُّ عُقُودُهُمَا وَلَا إِقْرَارُهُمَا وَلَا يَقَعُ طَلَاقُهُمَا وَلَا إِعْتَاقُهُمَا فَإِنْ أَتْلَفَا شَيْئًا لَزِمَهُمَا ضَمَانُهُ وَأَمَّا[3] الْعَبْدُ فَأَقْوَالُهُ نَافِذَةٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ غَيْرُ نَافِذَةٍ فِي حَقِّ مَوْلَاهُ فَإِنْ أَقَرَّ بِمَالٍ لَزِمَهُ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ وَلَمْ يَلْزَمْهُ فِي الْحَالِ وَإِنْ أَقَرَّ بِحَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ لَزِمَهُ فِي الْحَالِ وَنَفَذَ طَلَاقُهُ وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلَى امْرَأَتِهِ

ترجمہ ـــــ پس یہ تینوں اسباب حجر کو اقوال میں واجب کرتی ہیں نہ کہ افعال میں اور لیکن بچہ اور دیوانہ کہ ان دونوں کا نہ کوئی عقد صحیح ہوتا ہے اور نہ اقرار اور ان دونوں کی طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ ان کا آزاد کرنا پس اگر وہ دونوں کسی چیز کو تلف کر دیں تو ان دونوں کو ضمان لازم ہوگا اور لیکن غلام تو اس کے اقوال اس کے حق میں نافذ ہیں اس کے آقا کے حق میں نافذ نہیں پس اگر وہ مال کا اقرار کرے تو اس کو آزادی کے بعد لازم ہوگا نہ کہ فی الحال اور اگر حد یا قصاص کا اقرار کرے تو وہ فی الحال لازم ہوگا اور اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اس کے آقا کی طلاق اس کی بیوی پر واقع نہ ہوگی۔

تشریح: ـــــ قولہ فہذہ المعانی۔ مذکورہ تینوں اسباب یعنی صغر سنی۔ غلام ہونا۔ دیوانہ ہونا اقوال میں حجر کو واجب کرتے ہیں افعال میں نہیں یعنی ان اقوال میں کہ جن میں نفع و نقصان کا احتمال ہو کہ وہ ولی کی اجازت پر موقوف رہتے ہیں یعنی ولی کو اختیار ہے کہ عقد کو نافذ کر دے یا فسخ کر دے۔ ولی سے مراد قاضی۔ باپ دادا۔ وصی اور آقا ہے اور لیکن وہ اقوال کہ جن میں صرف ضرر ہی ضرر ہو جیسے صغیر اور مجنون کے حق میں طلاق

دیدینا اور آزاد کر دینا کہ وہ سرے ہی سے باطل ہیں ان میں ولی کی اجازت دینے اور نہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں اور جن اقوال میں صرف نفع ہی نفع ہو مثلاً ہبہ قبول کر لینا تو ان میں حجر نہیں۔

واضح ہو کہ اقوال تین طرح کے ہوتے ہیں اول وہ جو نفع و ضرر کے درمیان دائر ہوں جیسے خرید و فروخت دوم وہ جو ضرر محض ہوں جیسے طلاق و عتاق صغیر و مجنون کے حق میں نہ کہ غلام کے حق میں۔ سوم وہ جو نفع محض ہوں جیسے قبول ہبہ و ہدیہ۔

قولہ[۲] اما الصبی۔ یعنی لڑکے اور دیوانے کا خرید و فروخت کرنا اور اقرار کر لینا اور طلاق دینا اور آزاد کر دینا درست نہیں کیونکہ وہ سب اقوال ہیں اور اگر وہ دونوں کسی کی کوئی چیز نقصان کر دے تو اس کا تاوان ان پر لازم ہوگا اس لئے کہ وہ فعل میں ہے اور فعل میں حجر نہیں ہوتا۔

قولہ[۳] اما العبد۔ غلام کے اقوال اس کے حق میں نافذ ہو جاتے ہیں اس کے آقا کے حق میں نہیں پس اگر غلام نے کسی کا مال اپنے ذمہ ہونے کا اقرار کر لیا تو آزاد ہونے کے بعد اس پر اس کا ادا کرنا لازم ہوگا اور فی الحال لازم نہ ہوگا کیونکہ اس وقت ایک مانع ہے اور وہ آقا کا حق ہے اور اگر اس نے کسی حد یا قصاص کا اقرار کر لیا تو وہ اس پر فی الحال ہی لازم ہو جائے گا اور اس کا اپنی بیوی کو طلاق دینے پر طلاق واقع ہوتی ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یملک العبد شیئاً الا الطلاق یعنی غلام سوائے طلاق دینے کے اور کسی چیز کا مالک نہیں اور اس کے آقا کی طلاق اس کی بیوی پر واقع نہ ہوگی۔

---

[۱] وَقَالَ ابو حنیفۃَ لاَ یُحجرُ علی السفیہِ اذا کانَ عاقلاً بالغاً حراً وتصرفہُ[۲] فِی مَالہٖ جائزٌ وان کان مبذراً مفسداً یتلفُ مَالہٗ فِی مالاغرضَ لہٗ فیہِ وَلامصلحۃَ مثل اَنْ یلقیہٖ فی البحرِ او یحرقہٗ فی النارِ اِلاَّ انہٗ[۳] قال اذا بلغ الغلامُ غیرَ رشیدٍ لم یسلّمُ الیہِ مَالہُ حتی یبلغ خمساً وعشرینَ سنۃً وان تصرف فیہِ قبل ذٰلکَ نفذ تصرفہٗ فاذا بلغ خمساً وعشرینَ سنۃً سُلِّمَ الیہ مَالُہٗ وان لم یونسُ منہ الرشدُ وقال ابو یوسفَ ومحمدٌ رحمہما اللّٰہُ یحجرُ علی سفیہٍ ویمنعُ من التصرفِ فی مالہٖ فان باع لم ینفذ بیعُہٗ فی مالہٖ وان[۴] کان فیہ مصلحۃٌ اجازہُ الحاکمُ وان اعتق عبداً نفذ عتقہٗ وکانَ علی العبدِ اَن یسعیٰ فی قیمتہٖ وَان تزوجَ امرأۃً جاز نکاحہٗ فان سمّی لہا مہراً جاز منہ مقدارُ مہرِ مثلِہا وبطلَ الفضلُ وقالا رحمہما اللّٰہ فیمن بلغ غیر رشیدٍ لا یدفع الیہِ مالہٗ ابداً حتی یونسَ منہ الرشدُ ولا یجوز تصرفہٗ فیہ

ترجمہ: ــــ اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ بیوقوف پر حجر نہیں کیا جائے گا۔ جب کہ وہ عاقل بالغ آزاد ہو اور

اس کے مال میں اس کا تصرف جائز ہے اگرچہ وہ فضول خرچ اور مفسد ہو ۔ مال برباد کرتا ہو ان چیزوں میں جن میں نہ کوئی اس کی غرض ہے نہ مصلحت مثلاً مال دریا میں ڈبو دیا ہو یا آگ میں جلاتا ہو مگر امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب کوئی لڑکا بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہو تو مال اُس کے حوالہ نہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ پچیس برس کا ہو جائے اور اگر اس نے اس سے پہلے مال میں کوئی تصرف کر لیا تو وہ نافذ ہو گا پس جب وہ پچیس برس کا ہو جائے تو مال اُس کے حوالہ کر دیا جائے گا اگرچہ اس سے سمجھداری کے آثار ظاہر نہ ہوں اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ بیوقوف پر حجر کیا جائے گا اور اس کو مال میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا اور اگر اس نے کوئی چیز فروخت کی تو اس کے مال میں بیع نافذ نہ ہو گی ۔ ہاں اگر اس میں کوئی مصلحت ہو تو حکم نافذ کر دے اور اگر اس نے غلام آزاد کیا تو آزاد کرنا نافذ ہو گا اور غلام پر لازم ہو گا کہ وہ اپنی قیمت کما کر دے اور اگر اس نے کسی عورت سے شادی کی تو نکاح جائز ہو گا اور جو مہر وہ مقرر کرے تو مہر مثل کی مقدار جائز ہو گا اور باقی باطل اور صاحبین رحمہما اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہوا کہ اس کو مال نہیں دیا جائے گا یہانتک کہ اس سے آثار رشد ظاہر ہوں اور اس کا تصرف جائز نہ ہو گا ۔

تشریح: ــــــ قولہٗ وقال ابوحنیفۃ ۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ بیوقوف پر حجر نہیں جبکہ وہ عاقل بالغ آزاد ہو صاحبین کے نزدیک حجر کیا جائے گا دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ سرکار مدینہ کے سامنے حضرت حبان بن منقذ کا ذکر ہوا کہ وہ اکثر اوقات میں خرید و فروخت میں دھوکا کھایا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم خریدنے کے بعد یہ کہدیا کرو لا خلابہ یعنی اس میں دھوکہ نہیں ۔ دلیل صاحبین کی رب تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ فان کان الذی علیہ الحق سفیھا او ضعیفا او لا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل ۔ اس سے ظاہر ہے کہ سفیہ پر اس کے ولی کو ولایت حاصل ہے ۔

قولہٗ تصرفہٗ ۔ یعنی اس کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے اگرچہ وہ کیسا ہی فضول خرچ اور چاہے وہ اپنے مال کو ایسی چیز میں برباد کر دے کہ نہ اس میں اس کی کوئی غرض ہو اور نہ کوئی مصلحت ہو مثلاً وہ مال کو دریا میں ڈبو دے یا آگ میں جلا دے لیکن امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب کوئی لڑکا بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہو جائے اور اُسے عقل نہ آئے تو اس کا مال اُس کے سپرد نہ کرنا چاہیئے یہانتک کہ وہ پچیس برس کا ہو جائے ۔ فتویٰ اسی پر ہے ۔ اور اگر وہ اتنی عمر ہونے سے پہلے اس میں تصرف کرے گا تو اس کا تصرف نافذ ہو گا اور جب وہ پچیس برس کا ہو جائے تو اس کا مال اس کو دیدیا جائے اگرچہ سمجھداری ظاہر نہ ہو ۔

قولہٗ الا انہ قال ۔ وہ شخص بالغ ہونے کے بعد بھی اگر اتنا ہوشیار نہ ہو کہ اپنا نفع و نقصان پہچان سکے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو اس کا مال نہ دیا جائے یہانتک کہ وہ پچیس برس کا ہو جائے اسی پر فتویٰ ہے اس کے بعد اس کو مال دیدیا جائے گا ۔ خواہ وہ مصلح ہو یا مفسد اور صاحبین نے فرمایا کہ مال نہیں دیا جائے گا جب تک کہ آثار

رشد ظاہر نہ ہوں اگرچہ پوری عمر گذر جائے اس لئے کہ آیت کریمہ فان انستم منہم رشداً فادفعوا الیہم اموالہم میں مال حوالہ کرنا وجود رشد پر موقوف ہے تو اس سے قبل مال دینا جائز نہ ہوگا۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ آیت کریمہ و اٰتوا الیتامیٰ اموالہم میں مال کا دینا بلوغ کے بعد مراد ہے پس بالغ ہونے کے بعد مال اُس کے حوالہ کر دیا جائیگا لیکن پچیس سال کی عمر میں تو وہ اس لئے کہ سیدنا عمر فاروق سے روایت ہے کہ جب آدمی پچیس برس کا ہو جائے تو اس کی عقل انتہا کو پہونچ جاتی ہے۔

قولہ ان کان فیہ مصلحۃ۔ یعنی اگر اس میں کوئی مصلحت ہو تو حاکم اُسے جائز کر دے اور اگر اس نے کوئی غلام آزاد کر دیا تو اُس کا آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا کیونکہ آزادی متحقق ہونے کے بعد اس میں فسخ نہیں ہو سکتا اور غلام پر واجب ہوگا اپنی قیمت ادا کرنے میں کوشش کرے۔ اور اگر اس نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح درست ہو جائے گا پھر اگر اس عورت کی مہر مقرر کر لیا ہے تو اس میں سے اس کی مہر مثل کی مقدار جائز ہوگی اور باقی ساقط ہو جائیگی کیونکہ مہر مثل ہونا نکاح کی ضروریات میں سے ہے اور نفس نکاح میں زیادہ کی ضرورت نہیں۔

وتخرج الزکوٰۃ من مال السفیہ وینفق علی اولادہ وزوجتہ ومن یجب نفقتہ علیہ من ذوی الارحام فان اراد حجۃ الاسلام لم یمنع منہا ولا یسلم القاضی النفقۃ الیہ ولکن یسلمہا الی ثقۃ من الحاج ینفقہا علیہ فی طریق الحج فان مرض فاوصٰی بوصایا فی القرب وابواب الخیر جاز ذلک من ثلث مالہ

ترجمہ: ــــ اور زکوٰۃ بیوقوف کے مال سے نکالی جائے اور اس کی اولاد اور بیوی اور ان لوگوں پر خرچ کیا جائے جن کا نفقہ اس پر واجب ہے ذوی الارحام میں سے پس اگر وہ حج کرنا چاہے تو اس سے نہ روکا جائے اور قاضی نفقہ اُس کے حوالہ نہ کرے بلکہ کسی ثقہ حاجی کو دے جو حج کے راستہ میں اس پر خرچ کرتا رہے پس اگر وہ بیمار ہوا اور اس نے کچھ وصیتیں افعال خیر اور نیک موقعوں پر خرچ کرنے کی کیں تو وہ اُس کے تہائی مال سے جائز ہوگی۔

تشریح: ــــ قولہ تخرج الزکوٰۃ۔ یعنی بیوقوف کے مال سے زکوٰۃ نکالی جائے اور اس کی بیوی بچوں کو خرچ دیا جائے کیونکہ بیوی بچوں کا زندہ رکھنا اس کی ضروریات میں داخل ہے۔ اور اس کو بھی خرچ دیا جائے جس کا خرچہ اس کے قرابت داروں میں سے اس پر واجب ہے کیونکہ قرابت داروں کا خرچ حق قرابتداری کی وجہ سے واجب ہے اور بیوقوف ہونا لوگوں کے حق کو باطل نہیں کرتا۔

قولہ فان اراد۔ پس اگر وہ حج کرنا چاہے تو اس کو منع نہ کیا جائے اور نہ حاکم اس کا خرچ اس کے سپرد

کرے بلکہ حاجیوں میں سے ایک معتبر آدمی کے سپرد کر دے کہ وہ حج کے راستہ میں اُس کا خرچ اُٹھاتا رہے اور اگر وہ بیمار ہوگیا اور اپنے مال میں سے مسجد وغیرہ بنوانے اور نیک موقعوں پر صرف کرنے کی وصیت کر دے تو وہ وصیت اس کے تہائی مال میں جاری ہوگی ۔

وبلوغ الغلامِ بالاحتلامِ والانزالِ والاحبالِ اذا وطیٔ فان لم یوجد ذلک فحتی یتم لہ ثمانی عشرۃ سنۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ وبلوغ الجاریۃ بالحیض والاحتلام والحبل فان لم یوجد فحتی یتم لہا سبعۃ عشر سنۃ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللّٰہ اذا تم للغلام والجاریۃ خمسۃ عشر سنۃ فقد بلغا واذا راھق الغلام والجاریۃ فاشکل امرھما فی البلوغ فقالا قد بلغنا فالقول قولھما واحکامھما احکام البالغین

ترجمہ: ــــــ اور لڑکے کا بالغ ہونا احتلام اور انزال اور حاملہ کر دینے سے ہے جب وہ وطی کرے پس اگر ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے یہانتک کہ اٹھارہ برس کا ہو جائے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اور لڑکی کا بالغ ہونا حیض اور احتلام اور حاملہ ہونے سے ہے اگر ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے یہانتک کہ جب سترہ برس کی ہو جائے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ جب لڑکا اور لڑکی پندرہ برس کی ہو جائیں تو وہ بالغ ہو گئے پس جب لڑکا لڑکی قریب البلوغ ہوں اور بالغ و نابالغ ہونا دشوار ہو پس دونوں کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے تو ان کا قول معتبر ہوگا اور ان کے احکام بالغوں جیسے ہوں گے ۔

تشریح: ــــــ قولہ[1] بلوغ الغلام ۔ لڑکا کے بالغ ہونے کی تین علامتیں ہیں (۱) احتلام یعنی خواب میں منی کا نکلنا (۲) انزال یعنی صحبت کرنے سے منی کا نکلنا (۳) احبال یعنی جب صحبت کرے تو عورت حاملہ ہو جائے اور اگر ان میں کوئی علامت نہ پائی جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ بالغ نہیں یہاں کہ اس کی عمر پورے اٹھارہ برس ہو جائے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت حیض اور احتلام اور حمل ہے اور اگر ان میں سے کوئی علامت معلوم نہ ہو تو وہ بالغ نہیں یہاں تک کہ لڑکا پورے اٹھارہ برس کا ہو جائے اور لڑکی سترہ برس کی ہو جائے تو بالغ ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ میں اشد سے مراد بعض کے نزدیک بائیس[22] برس کی عمر ہے اور بعض کے نزدیک تیئس[23] برس کی اور بعض کے نزدیک ۲۵ پچیس برس اور سیدنا عبد اللہ بن عباس کے نزدیک اٹھارہ برس کی عمر ہے اور امام ابو حنیفہ نے اسی قول کو اختیار فرمایا اسلئے

کہ وہ تمام قولوں میں اقل ہے پس احتیاط اسی میں ہے البتہ لڑکی چونکہ عموماً جلد بالغ ہو جاتی ہے اسلئے اس کے حق میں ایک برس کم کر دیا گیا۔

قولہ اذا راھق۔ لڑکا کے حق میں کم سے کم مدت جسمیں وہ بالغ قرار دیا جائے بارہ برس ہیں اور لڑکی کے حق میں نو برس چنانچہ اتنی مدت میں اور اگر وہ بالغ ہونے کا دعوی کرے تو ان کے قول کو معتبر سمجھا جائے گا اور ان کے احکام بالغوں کے احکام کی طرح ہوں گے۔ فقہاء کا اس امر میں اتفاق ہے کہ اگر کوئی لڑکی پانچ برس یا اس سے کم کی خون دیکھے تو وہ حیض نہیں اور نو برس یا اس سے زیادہ کی لڑکی خون دیکھے تو وہ حیض شمار کیا جائیگا۔

وقال ابو حنیفة رحمه الله لا احجر فی الدین علی المفلس واذا وجبت الدیون علی رجل مفلس وطلب غرماؤه حبسه والحجر علیه لم احجر علیه وان کان له مال لم یتصرف فیه الحاکم ولکن یحبسه ابداً حتی یبیعه فی دینه وان کان له دراهم ودینه دراهم قضاها القاضی بغیر امره وان کان دینه دراهم وله دنانیر او علی ضد ذلک باعها القاضی فی دینه

ترجمہ: ــــــ اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں دین میں مفلس پر حجر نہیں کروں گا اور جب مفلس آدمی پر بہت سا قرض ہو جائے اور اس کے قرض خواہ قید اور حجر کرانا طلب کریں تو میں اس پر حجر نہ کروں گا اور اگر اس کے پاس کچھ مال ہو تو اس میں حاکم تصرف نہ کرے اور لیکن اس کو ہمیشہ قید رکھے یہاں تک کہ وہ ادائیگی دین میں بیچ دے اور اگر اس کے پاس دراہم ہوں اور دین بھی دراہم ہوں تو قاضی اس کی اجازت کے بغیر ادا کر دے اور اگر دین دراہم ہوں اور اس کا مال دنانیر یا اس کا برعکس تو قاضی اس کو اس کے دین میں بیچ دے۔

تشریح: ــــــ قولہ وقال ابو حنیفة۔ یعنی امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ مفلس مقروض پر حجر نہیں کیا جائیگا اگرچہ قرضخواہ اس پر حجر کرانا اور اس کو قید کرانا چاہیئے کیونکہ اس پر حجر کرنا اس کی اہلیت کو بالکلیہ ختم کر دیتا ہے البتہ قاضی اس کو قید کرے تاکہ وہ ادائیگی قرض کے بارے میں اپنا مال فروخت کر دے اس لئے کہ مدیون پر دین کی ادائیگی لازم ہے اور بہانہ بازی زیادتی ہے تو ظلم کے دفعیہ کی خاطر قاضی اس کو قید کر سکتا ہے پس اگر مدیون کا مال اور اس کا دین دراہم یا دنانیر ہوں تو قاضی بلا امر مقروض دراہم و دنانیر سے قرض ادا کر دے اور اگر مال دراہم ہوں اور دین دنانیر یا اس کا برعکس ہو تو ان کو فروخت کر کے قرض ادا کر دے اور اگر مال اسباب و جائیداد ہو تو اس کو فروخت کرنے کی ضرورت نہیں۔

وقالَ[1] ابو یوسف و محمدٌ رحمہما اللّٰہ اذا طلبَ غرماءُ المفلسِ الحجرَ علیہ حجرَ القاضی علیہِ ومنعہٗ من البیعِ والتصرفِ والاقرارِ حتی لا یضرَّ بالغرماءِ وباعَ مالہٗ اِن امتنعَ المفلسُ من بیعِہٖ وقسَّمہٗ بین غرمائہٖ بالحصصِ فان اقرَّ فی حالِ الحجرِ باقرارٍ مالٍ لزمہٗ ذلکَ بعدَ قضاءِ الدیونِ و ینفقُ علی المفلسِ من مالہٖ وعلی زوجتہٖ واولادہٖ الصغارِ وذوی الارحامِ ۔

ترجمہ: ـــــ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ جب مفلس کے قرضخواہ اس پر حجر کریں تو قاضی حجر کردے اور اس کو بیع و تصرف و اقرار سے روک دے تاکہ قرضخواہوں کا نقصان نہ ہو اور اس کا مال بیچ دے اگر وہ خود نہ بیچے اور قرضخواہوں کو حصہ رسد تقسیم کردے پس اگر وہ بحالت حجر کسی مال کا اقرار کرے تو اس کو ادائیگی دیون کے بعد یہ لازم ہوگا اور خرچ کیا جائے گا اس کے مال سے مفلس اور اس کی بیوی اور چھوٹے بچے اور ذوی الارحام پر۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] وقال ابو یوسف ۔ یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ قرضخواہ لوگ اگر تنگدست مقروض پر حجر کرانا چاہیں تو قاضی اس پر حجر کردے اور بیع و تصرف و اقرار وغیرہ سے روک دے اور اگر اس کا مال اسباب و جائداد ہو تو قاضی اس کو بھی فروخت کردے تاکہ قرضخواہوں کا نقصان نہ ہو اور اگر وہ اپنے مال کو بیچنے سے انکار کرے تو قاضی اس کو بیع کردے اور اس کی قیمت کو حصہ رسد سب قرض خواہوں کو تقسیم کردے پھر اگر وہ حجر کی حالت میں کسی کا مال اپنے ذمہ ہونے کا اقرار کرے تو وہ مال اس کے ذمہ ان قرضوں کے ادا ہو جانے کے بعد لازم ہوگا اور مفلس کے مال سے خود مفلس کو اور اس کی بیوی اور چھوٹے اور چھوٹے بچوں اور ذی رحم محرم کو خرچ دیا جائے ۔

وانْ[1] لم یعرفِ للمفلسِ مالٌ وطلبَ غرماءُہٗ حبسہٗ وھو یقولُ لا مالَ لی حبسہُ الحاکمُ وفی کل دینٍ لزمہٗ بدلاً عن مالٍ حصلَ فی یدہٖ کثمنِ المبیعِ وبدلِ القرضِ وفی کلِّ دینٍ التزمہٗ بعقدٍ کالمھرِ والکفالۃِ ولم یحبسہٗ فیما سوی ذلکَ کعوضِ المغصوبِ وارشِ الجنایاتِ الّا انْ تقومَ البینۃُ بانَّ لہٗ مالٌ ویحبسہُ الحاکمُ شہرینِ[1] اوثلاثۃَ اشہرٍ سألَ عن حالہٖ فان لم ینکشف لہٗ مالٌ خلّیٰ سبیلہٗ وکذلکَ اذا قالَ البینۃُ علی انہٗ لا مالَ لہٗ ولا یحولُ بینہٗ وبینَ غرمائہٖ بعد خروجہٖ من الحبسِ ویلازمونہٗ ولا یمنعونہٗ من التصرفِ والسفرِ ویاخذونَ فضلَ کسبہٖ ویقسم بینھم بالحصصِ

ترجمہ: ـــــ اور اگر مفلس کے پاس مال معلوم نہ ہوتا ہو اور قرضخواہ لوگ اس کو قید کرنا چاہیں اور وہ یہی کہے کہ میرے پاس مال نہیں تو حاکم اس کو ہر ایسے دین کے عوض قید کرے جو اس کو ایسے مال کے بدلے لازم ہوا ہے جو اس کے پاس ہے جیسے قیمت مبیع اور بدل قرض اور ہر ایسے دین میں جو اس نے لازم کیا ہے کسی عقد سے جیسے مہر اور کفالت اور اس کے علاوہ میں قید نہ کرے جیسے عوض مغصوب اور رجنایتوں کا تاوان مگر یہ کہ دلیل قائم ہو جائے کہ اس کے پاس مال ہے اور حاکم اس کو دو ماہ یا تین ماہ قید رکھے اور اس کے متعلق تحقیق کرتا ہے پس اگر مال ظاہر نہ ہو تو اُسے رہا کر دے اور اسی طرح جب دلیل اس امر پر قائم ہو جائے کہ اُس کے پاس مال نہیں اور حائل نہ ہو اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان اس کے قید خانہ سے نکلنے کے بعد اور وہ اس کے پیچھے لگے رہیں اور تصرف اور سفر سے نہ روکیں اور جو اس کی کمائی سے بچے وہ آپس میں حصہ رسد تقسیم کرتے رہیں ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وان لم یعرف ۔ یعنی مفلس کے پاس اگر مال نہ معلوم ہوتا ہو اور اس کے قرض خواہ اُسے قید کرانا چاہیں اور وہ کہے کہ میرے پاس نہیں تو حاکم اس کو ایسے قرض میں قید کر دے جو اس کے ذمہ مقبوضہ مال کے بدلے لازم ہوا ہے جیسے مبیع کی قیمت اور قرض کا بدلہ یا ایسے قرض میں جو کسی عقد میں اس کے ذمہ لازم ہوا ہے جیسے مہر و کفالت اور ان کے سوا اور کسی قرض میں قید نہ کرے جیسے غصب کی ہوئی چیز کا بدلہ اور جنایتوں کا تاوان البتہ اگر گواہوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ مال اس کے پاس ہے اور حاکم اُسے دو یا تین ماہ قید میں رکھے اور اس کے مال کی خوب تحقیق کرے اگر اس کے پاس مال ہونا ظاہر نہ ہو تو اُسے رہا کر دے اور اسی طرح اس صورت میں بھی رہا کر دے جب گواہوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ اُس کے پاس واقعی مال نہیں ۔

قولہ[۲] شہرین ۔ تنگدست مقروض کو کتنی مدت تک قید میں رکھا جائے اس کے متعلق اقوال مختلف ہیں کسی نے دو ماہ کا قول کیا ہے اور کسی نے تین ماہ اور کسی نے چار ماہ سے چھ ماہ تک کا قول کیا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں بلکہ محبوس کے حال پر مبنی ہیں کیونکہ بعض لوگ معمولی تنبیہ سے گھبرا جاتے ہیں اور بعض لوگ نڈر ہوتے ہیں کہ عرصہ دراز تک قید خانہ میں رہنے کے باوجود صحیح بات نہیں بتاتے ۔ اس وجہ سے حاکم کی رائے پر محمول ہوگا وہ جتنی مدت تک مناسب سمجھے قید میں رکھے پھر محبوس شرعی یا غیر شرعی کسی ضرورت میں بھی باہر نہیں آسکتا بلکہ فقہاء نے یہاں تک تصریح کیا ہے کہ ماہ رمضان ۔ عیدین ۔ جمعہ بلکہ کسی کے جنازہ کی نماز کیلئے بھی باہر نہیں آسکتا البتہ بعض فقہاء نے کہا کہ والدین واجداد و جدات و اولاد کے جنازہ کیلئے نکل سکتا ہے ۔ بشرطیکہ اپنا کوئی کفیل پیش کر دے

قولہ[۳] لا یحول بلینہ ۔ یعنی قید خانہ سے نکلنے کے بعد اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان کوئی حائل نہ ہو اور قرضخواہ ہر وقت اُس کے پیچھے پڑا رہے اور نہ اُس کو تصرف و سفر سے روکیں البتہ جو کچھ اس کی کمائی سے

بیچے اس کو لے اور حصہ رسد آپس میں تقسیم کرلے۔

وقال[1] ابو یوسف ومحمد رحمهما الله اذا فلسه الحاكم بينه وبين غرمائه الا ان يقيموا البينة انه قد حصل له مال ولا يحجر على الفاسق اذا كان مصلحا لماله والفسق الاصلي والطاري سواء ومن[2] افلس وعنده متاع لرجل بعينه ابتاعه منه فصاحب المتاع اسوة للغرماء فيه

ترجمہ: ــــ اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ جب حاکم نے مفلسی کا حکم لگادیا تو اس کے اور قرضخواہوں کے درمیان حائل ہو جائے مگر یہ کہ وہ دلیل قائم کردے اس امر پر کہ اس کو مال حاصل ہو گیا اور فاسق پر حجر نہیں کیا جائے گا جب کہ وہ مصلح مال ہو اور فسق اصلی اور فسق طاری برابر ہیں اور جو مفلس ہو گیا اور اس کے پاس کسی کا کوئی سامان موجود ہو جو اس نے اس شخص سے خریدا تھا تو اسباب کا مالک دوسرے قرضخواہوں کی مثل ہے۔

تشریح: ــــ قولہ[1] وقال ابو یوسف۔ یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ حاکم نے جب کسی پر مفلسی کا حکم لگادیا تو اب حاکم اس کے اور قرضخواہوں کے بیچ میں حائل ہو جائے یعنی قرضخواہوں کو اس سے تقاضہ کرنے نہ دے البتہ اگر وہ گواہوں سے ثابت کردیں کہ اس کے پاس مال آگیا ہے تو تقاضہ کرسکتے ہیں اور فاسق جب اپنے مال کو خود ہوشیاری سے برتنے والا ہو تو اس پر حجر نہ کیا جائے اور فاسق اصلی اور فاسق طاری دونوں یکساں ہیں، فاسق اصلی اس کو کہا جاتا ہے جو بالغ ہونے سے پہلے سے بھی ہو اور آخر تک ایسا ہی رہے اور فاسق طاری وہ ہے جو پہلے اچھا تھا اور اب فاسق ہو گیا۔ حکم دونوں کا ایک ہے۔

قولہ[2] ومن افلس۔ یعنی اگر کوئی مفلس ہو گیا اور کچھ اسباب کسی خاص آدمی سے خریدا ہوا بعینہ اس کے پاس موجود ہے تو اسباب کا مالک دوسرے قرضخواہوں کی مثل ہے یعنی وہ اسباب بیچ کر اس کی قیمت اس اسباب والے کو اور دوسرے قرضخواہوں کو حصہ رسد ملے گا اور فتویٰ اسی پر ہے چنانچہ نبی کریم کا ارشاد ہے ایما رجل باع سلعة فادركها عند رجل قد افلس فهو ماله بين غرمائه۔

کتاب[1] الاقرار

ترجمہ:- ــــ اقرار کرنے کے مسائل کا بیان

۲ اذا اقرّ الحرّ البالغ العاقل بحقٍ لزمہ اقرارہ مجھولاً کان ما اقرّ بہ او معلوماً ویقال لہ بیّن المجھول فان لم یبیّن اجبرہ الحاکم علی البیان فان قال لفلان علیّ شیءٌ لزمہ ان یبیّن مالہ قیمۃ والقول فیہ قولہ مع یمینہ ان ادعی المقرّ لہ اکثر منہ ۔

ترجمہ: ـــــ آزاد عاقل بالغ نے جب کسی حق کا اقرار کیا تو وہ اقرار اس کو لازم ہوگا مجہول ہو وہ چیز جس کا اقرار کیا ہے یا معلوم! اس سے کہا جائے گا کہ مجہول کو بیان کر اگر وہ بیان نہ کرے تو حاکم بیان کرنے پر مجبور کرے پس اگر کہا کہ فلاں کی مجھ پر ایک چیز ہے تو ایسی چیز بیان کرنا ضروری ہوگا جو قیمتی ہو اور اسی کا قول معتبر ہوگا اگر مقر لہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے ۔

تشریح: ـــــ قولہ کتاب الاقرار ۔ اقرار لغت میں اثبات کے معنیٰ میں ہے چنانچہ کہا جاتا ہے قرالشئی اذا ثبت اور اصطلاح شرع میں اقرار کیا جاتا ہے اخبارٌ عن ثبوتِ حق الغیر علی نفسہ کو یعنی غیر شخص کے اس حق کی خبر دینے کو کہا جاتا ہے جو مقر پر لازم ہو ۔ تعریف میں علی نفسہ میں علی چونکہ ضرر کیلئے آیا ہے ۔ اس لئے اخبار حق اگر اپنی ذات کے نفع کیلئے ہو تو وہ اقرار نہ ہوگا بلکہ دعویٰ کہلائے گا اور نفسہ کی قید سے یہ ظاہر ہے اخبار حق غیر اگر کسی دوسرے شخص پر ہو تو وہ بھی اقرار نہ ہوگا بلکہ شہادت کہا جائے گا ۔ واضح ہو کہ جو اقرار کرے اس کو مقر اور جس کا حق اپنے اوپر ثابت کرے اس کو مقر لہ اور جس چیز کا اقرار کرے اس کو مقر بہ کہا جاتا ہے ۔

قولہ ۲ اذا اقرّ ۔ یعنی اگر کوئی آزاد عاقل بالغ شخص بیداری میں بخوشی کسی حق کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح ہے اور وہ چیز جس کا اقرار کیا ہے خواہ وہ معلوم ہو یا مجہول اس لئے کہ اقرار کیلئے مقر بہ کا مجہول ہونا کوئی ضرر نہیں دیتا اور اس تقدیر پر اس سے کہا جائے گا کہ اس مجہول کو بیان کر دے کیونکہ وہ جہالت اس کی طرف سے ہے پس اگر وہ بیان نہ کرے تو حاکم اس سے زبردستی بیان کرائے اور اگر کسی نے یہ کہا کہ فلاں نے کا میرے ذمہ کچھ ہے ۔ تو ایسی چیز بیان کرنا ضروری ہوگا جو قیمتی ہو اگرچہ کم تر ہو اور اگر ایسی چیز بیان کرے جس کی کوئی قیمت نہ ہو جیسے گیہوں کا ایک دانہ یا مردار کی کھال تو صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ یہ اقرار سے رجوع کرنا ہے اور مقر نے جس قدر بیان کیا ہے ۔ مقر لہ اگر اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے تو اس میں مع قسم کے مقر ہی کے قول کا اعتبار کیا جائے گا ۔

۱ واذا قال لہ علیّ مالٌ فالمرجع فی بیانہ الیہ ویقبل قولہ فی القلیل والکثیر فان قال لہ علیّ مالٌ عظیمٌ لم یصدق فی اقل من مائتی دراھم وان قال لہ علیّ دراھم کثیرۃٌ لم یصدق

فی اقلّ من عشرة دراهم فان قال له علیّ دراھم فھی ثلاثة الّا ان یبیّن اکثر منھا وان[۳] قال له
علیّ کذا کذا درھمًا لم یصدق فی اقلّ من احد عشر درھمًا وان قال کذا وکذا درھمًا لم یصدق
فی اقلّ احد وعشرین درھمًا

ترجمہ: —— اور اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر مال ہے تو اس کے بیان میں اس کی طرف رجوع ہوگا اور کم و بیش میں اس کا قول مقبول ہوگا۔ پس اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر مال عظیم ہے تو دو سو درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی اور کہا کہ فلاں کے مجھ پر بہت سے دراہم ہیں تو دس درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی پس اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر دراہم ہیں تو یہ تین ہوں گے مگر یہ کہ اس سے زیادہ بیان کر دے اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اتنے درہم ہیں تو گیارہ درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اور اتنے درہم ہیں تو اکیس درہموں سے کم میں تصدیق نہ ہوگی۔

تشریح: —— قولہ[۱] واذا قال له۔ یعنی اگر کسی نے یہ کہا کہ فلاں شخص کا میرے ذمہ مال ہے تو اس میں اسی کے بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا اور تھوڑے بہت میں اسی کا قول قبول کیا جائے گا اور اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص کا میرے ذمہ مال عظیم ہے تو نصاب زکوٰۃ یعنی دو سو درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ اس نے مال کو صفت عظیم کے ساتھ مقید کیا ہے تو اس وصف کو لغو نہیں کیا جا سکتا۔ اور ظاہر ہے شریعت میں نصاب زکوٰۃ مال عظیم ہے کہ شرع نے صاحب نصاب کو غنی قرار دیا ہے اور وہ عرف عام میں بھی غنی سمجھا جاتا ہے۔

قولہ[۲] ان قال له علیّ دراھم کثیرة۔ یعنی اگر کسی نے کہا کہ میرے ذمہ فلاں شخص کے بہت سے دراہم ہیں تو دس درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین نے کہا کہ نصاب زکوٰۃ سے کم میں تصدیق نہ کی جائے گی اس لئے کہ شریعت میں مکثر یعنی مالدار صاحب نصاب کو کہا جاتا ہے دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ اس کا عدد جمع کثرت کے مصداق کا ادنیٰ مرتبہ ہے اور جمع قلت کا منتہی ہے پس لفظ کے اعتبار سے یہی اکثر ٹھہرا اور اگر کسی نے کہا کہ میرے ذمہ فلاں شخص کے دراہم ہیں تو اس سے تین درہم مراد لئے جائیں گے البتہ اگر وہ خود تین درہم سے زیادہ بیان کرے تو اسی کا قول معتبر ہوگا۔

قولہ[۳] ان قال له علیّ کذا کذا درھمًا۔ یعنی اگر کسی نے کہا کہ میرے ذمہ فلاں شخص کے اتنے درہم ہے تو ایک درہم لازم ہوگا کیونکہ لفظ درہم عدد مبہم کی تفسیر ہے اور اگر درہم کو لفظ کذا کے بعد مکسور بیان کیا جائے تو سو درہم لازم ہوں گے اور اگر کہا کہ میرے ذمہ اتنے اتنے درہم ہیں تو اس صورت میں گیارہ درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ اس نے دو عدد مبہم کو بیان کیا ہے جن کے درمیان حرف عطف نہیں اور اس کی تفسیر کم از کم گیارہ سے

ہوتی ہے اور اگر کہا کہ میرے ذمہ اتنے اور اتنے درہم ہیں تو اب اکیس درہموں سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ یہاں اُس نے دو عدد مبہم ایسا بیان کیا ہے جن کے درمیان حرف عطف ہے اور اس کی تفسیر کم از کم اکیس سے ہوتی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اس پر صرف دو درہم لازم ہوں گے اور اگر لفظ کذا تین بار بلا حرف عطف یعنی اتنے اتنے اتنے کہا تو وہی گیارہ درہم لازم ہوں گے اس لئے کہ اس عدد مبہم کی مانند کوئی تفسیر نہیں تو تیسرا لفظ اتنے تکرار پر محمول ہوگا اور اگر حرف عطف کے ساتھ تین بار ذکر کیا تو ایک سو اکیس درہم لازم ہوں گے اس لئے کہ واؤ کے ساتھ تین عدد کی کم از کم مقدار مائۃ واحد وعشرون یعنی ایک سو اکیس ہے اور اگر چار بار ذکر کیا تو گیارہ سو اکیس اور پانچ بار میں گیارہ ہزار ایک سو اکیس اور چھ بار میں ایک لاکھ گیارہ ہزار ایک سو اکیس اور سات بار میں گیارہ لاکھ ایک سو اکیس لازم ہونگے۔

وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ اَوْ قِبَلِیْ فَقَدْ اَقَرَّ بِدَیْنٍ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عِنْدِیْ اَوْ مَعِیْ فَهُوَ اِقْرَارٌ بِاَمَانَةٍ فِیْ یَدِهٖ وَاِنْ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ لِیْ عَلَیْکَ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ اِتَّزِنْهَا اَوْ اِنْتَقِدْهَا اَوْ اَجِّلْنِیْ بِهَا اَوْ قَدْ قَضَیْتُکَهَا فَهُوَ اِقْرَارٌ وَمَنْ اَقَرَّ بِدَیْنٍ مُؤَجَّلٍ فَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهٗ فِی الدَّیْنِ وَكَذَّبَهٗ فِی التَّاجِیْلِ لَزِمَهُ الدَّیْنُ حَالًّا وَیُسْتَحْلَفُ الْمُقَرُّ لَهٗ فِی الْاَجَلِ

ترجمہ: ـــــــ اور کہا کہ فلاں کے مجھ پر یا میری طرف ہیں تو اس نے دین کا اقرار کیا اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو یہ امانت کا اقرار ہے اور اگر کسی نے کہا کہ میرے تجھ پر ہزار درہم ہیں تو اس نے جواب میں کہا کہ ان کو تول لے یا پرکھ لے یا مجھے ان کی مہلت دے یا میں تجھ کو دے چکا ہوں تو یہ اقرار ہے اور جس نے دین مؤجل کا اقرار کیا اور مقرلہ نے دین میں اس کی تصدیق کر دی اور مؤجل ہونے میں تکذیب کر دی تو اس کو دین فی الحال لازم ہوگا اور مدت میں مقرلہ سے قسم لی جائے گی۔

تشریح: ـــــــ قولہ وان قال لہ علیّ۔ یعنی اگر کوئی کہے فلاں شخص کا میرے ذمہ ہے تو اس طرح کہنا قرض کا اقرار ہے اور اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص کا میرے پاس ہے تو یہ کہنا اُس کے پاس امانت ہونے کا اقرار ہے اور اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ تیرے ذمہ میرے ہزار درہم ہیں اور اس کو جواب دیا کہ ان کو تول لے یا کہا پرکھ لے یا کہا کہ مجھے مہلت دے یا کہا وہ میں تجھ کو ادا کر چکا ہوں تو یہ اقرار ہوگا کیونکہ ان سب جملوں میں ھا ضمیر مونث ان ہی ہزار کی طرف راجع ہے پس یہ اس کے کلام کا جواب یعنی اثبات ہوا نہ کہ انکار یا کوئی الگ جملہ البتہ اگر زید نے ضمیر کے بغیر یوں بیان کیا اتزن وانتقد تو کچھ بھی لازم نہ ہوگا اس لئے کہ یہ الگ جملہ ہے نہ کہ ایسے کلام کا جواب اور قانون ہے کہ جو کلام

جواب ہونے کی صلاحیت رکھے اور ابتدا ء کلام ہونے کی صلاحیت نہ رکھے یا دونوں کی صلاحیت نہ رکھے تو اس کو الگ جملہ قرار دیا جائے گا۔

قولہ ومن اقر بدین۔ یعنی اگر کسی نے میعادی قرض کا اقرار کیا اور مقر لہ نے یعنی جس کے قرض کا اس نے اقرار کیا ہے قرض کے متعلق اس کی تصدیق کی یعنی کہا کہ واقعی میرا قرض اتنا ہی ہے اور میعاد میں تکذیب کی کہ میعاد اور مہلت کچھ نہیں تو اس مقر کو فوری قرض ادا کرنا لازم ہوگا اور میعاد میں مقر لہ سے قسم لی جائیگی کہ قرض کی کوئی مدت نہ تھی کیونکہ مقر نے حق غیر کے اقرار کے ساتھ اپنے لئے حق تاجیل کا دعوی کیا ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کہ کوئی دوسرے کیلئے غلام کا اقرار کرے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دعوی کرے کہ میں نے اس سے یہ غلام بطریق اجارہ لیا ہے کہ اس تقدیر پر مقر کی تصدیق نہیں ہوتی تو یہاں بھی اس کی تصدیق نہ ہوگی۔

ومن اقر بدین واستثنی شیئاً متصلاً باقرارہ صح الاستثناء ولزمہ الباقی سواء استثنی الاقل او الاکثر فان استثنی الجمیع لزمہ الاقرار وبطل الاستثناء وان قال لہ علی مائۃ درھم الا دینارا او الا قفیز حنطۃ لزمہ مائۃ درھم الا قیمۃ الدینار او القفیز وان قال لہ علی مائۃ ودرھم فالمائۃ کلھا دراھم وان قال لہ علی مائۃ وثوب لزمہ ثوب واحد والمرجع فی تفسیر المائۃ الیہ

ترجمہ: ــــ اور جس نے دین کا اقرار کیا اور اقرار کے ساتھ ہی کسی شئی کا استثنا کر لیا تو استثنا صحیح ہو جائے گا اور باقی اس کو لازم ہو جائے گا خواہ کم کا استثنا کرے یا زیادہ کا اور اگر کل کا استثنا کر لیا تو اقرار لازم ہوگا اور استثناء باطل اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا مگر گیہوں کا ایک قفیز تو اس کو سو درہم لازم ہوں گے مگر دینار یا قفیز کی قیمت لازم نہ ہوگی اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہے تو سب درہم شمار ہوں گے اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور ایک کپڑا ہے تو اس پر ایک کپڑا لازم ہوگا اور سو کی تفسیر میں اس کی طرف رجوع ہوگا۔

تشریح: ــــ قولہ ومن اقر بدین۔ یعنی کسی نے اگر کسی کے قرض کا اقرار کیا اور اپنے اقرار کے ساتھ ہی کچھ استثنا کر لیا تو وہ استثنا معتبر ہوگا بشرطیکہ متصلاً ہو کیونکہ صحت استثناء کیلئے مستثنی کا مستثنی منہ کے بعد متصلاً مذکور ہونا ضروری ہے پس اگر کچھ وقفہ کے بعد بیان کیا جائے تو درست نہ ہوگا اور وہ استثناء عام ہے کہ تھوڑا ہو یا زیادہ اور باقی اس کو ادا کرنا لازم ہوگا۔ تھوڑے استثنا کی مثال یہ ہے کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ

بیس[۲] روپیہ ہیں مگر دو روپیہ تو اس پر اٹھارہ روپیہ لازم ہوں گے اور زیادہ کی مثال یہ ہے مثلاً کوئی کہے کہ میرے ذمہ فلاں شخص کے چالیس[۴۰] روپیہ ہیں مگر تیس[۳۰] روپیہ تو اس کے ذمہ میں دس روپیہ لازم ہوں گے۔

قولہ[۲] فان استثنی الجمیع ۔ کوئی اگر اقرار کرنے کے بعد کل کا استثنا کرے تو یہ اقرار اس پر لازم ہوگا یعنی اقرار کے موافق کل روپیہ دینا پڑے گا اور یہ استثنا باطل ہو جائے گا اور اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا کہا مگر ایک قفیز گیہوں تو اس پر سو درہم لازم ہوں گے مگر ایک[۱] دینار یا گیہوں کا ایک قفیز لازم نہ ہوگا اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ سو درہم ہیں سو کے سو[۱۰۰] درہم ہی مراد ہوں گے اور اگر کہا کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ سو[۱۰۰] اور ایک کپڑا ہے تو ایک کپڑا لازم ہوگا اور سو کی تفسیر بھی اس سے کرائی جائے گی یعنی اس سے پوچھا جائے گا کہ سو کیا ہیں، سو کپڑے ہیں یا سو روپیہ ہیں۔ یا اشرفیاں ہیں پھر وہ جو کچھ بیان کرے گا وہی اس کے ذمہ لازم ہوں گے خواہ کچھ بھی بیان کرے۔

ومن[۱] اقر بحق وقال ان شاء اللہ تعالیٰ متصلاً باقرارہٖ لم یلزمہ الاقرار ومن اقر[۲] وشرط الخیار لنفسہٖ لزمہ الاقرار وبطل الخیار ومن اقر بدارٍ واستثنیٰ بناءَ ہا لنفسہٖ فللمقر لہ الدار والبناء جمیعاً وان قال بناء ھٰذہ الدار لی والعرصۃ لفلانٍ فھو کما قال۔

ترجمہ: ــــ اور جس نے کسی حق کا اقرار کیا اور اقرار کے ساتھ ہی ان شاء اللہ کہدیا تو اقرار لازم نہ ہوگا اور جس نے اقرار کیا اور اپنے لئے شرط خیار ظاہر کیا تو اقرار لازم نہ ہوگا اور خیار باطل ہوگا اور جس نے مکان کا اقرار کیا اور اپنے لئے اس کی بناء کا استثنا کیا تو مکان اور عمارت سب مقرلہٗ کا ہوگا اور اگر کہا کہ اس مکان کی عمارت میری ہے اور صحن فلاں کا تو یہ اس کے قول کے مطابق ہے۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] ومن اقر بحق ۔ یعنی اگر کسی نے کسی حق کا اقرار کر کے اس کے ساتھ ہی انشاء اللہ کہدیا تو یہ اقرار اس پر لازم نہ ہوگا اس لئے کہ مشیت ایزدی کا استثناء یا تو حکم کو اس کے منعقد ہونے سے پہلے ہی باطل کرنے کیلئے ہے یا معلق کرنے کیلئے اگر حکم کو باطل کرنے کیلئے ہے تو کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود باطل کر چکا اور اگر معلق کرنے کے لئے ہو تو یہ بھی باطل ہے اس لئے کہ اقرار جواز قبیل اخبار ہے وہ تعلیق کا متحمل نہیں ہوتا۔

قولہ[۲] من اقر وشرط الخیار ۔ یعنی اگر کسی نے کسی چیز کا اقرار کیا اور اس میں اپنے لئے شرط خیار کی یعنی یہ کہا کہ تین دن کا مجھے اس میں اختیار ہے تو یہ اقرار اس پر واجب ہوگا اور خیار باطل ہو جائے گا اور اگر کسی نے اس طرح اقرار

کیا کہ یہ گھر زید کا ہے لیکن اس کی بناء میری ہے تو یہ گھر اور بناء دونوں زید کے ہوں گے کیونکہ بناء گھر میں داخل ہے گھر بغیر عمارت کے نہیں ہوتا البتہ اگر اس کے صحن کا استثنا کرے تو یہ صحیح ہے اس لئے کہ صحن اس خالی جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں عمارت نہ ہو پس وہ گھر میں داخل نہیں ۔

له ومن اقر بتمر فی قوصرة لزمه التمر والقوصرة ومن اقر بدابة فی اصطبل لزمه الدابة خاصة ك وان قال غصبت ثوبا فی منديل لزماه جميعا وان قال له علىّ ثوب فی ثوب لزماه جميعا وان قال له علىّ ثوب فی عشرة اثواب لم يلزمه عند ابی يوسف رحمه الله الا ثوب واحد وقال محمد رحمه الله يلزمه احد عشر ثوبا ومن اقر بغصب ثوب وجاء بثوب معيب فالقول قوله فيه مع يمينه وكذلك لو اقر بدراهم وقال هی زيوف وان قال له علىّ خمسة فی خمسة يريد به الضرب والحساب لزمه خمسة واحدة وان قال اردت خمسة مع خمسة لزمه عشرة

ترجمہ: ــــ اور جس نے اقرار کیا چھوہارے کا ٹوکری میں تو اس کی ٹوکری اور چھوہارے دونوں لازم ہوں گے اور جس نے اقرار کیا کہ میرے ذمہ طویلہ میں ایک گھوڑا ہے تو اس پر صرف گھوڑا ہی لازم ہوگا اور اگر کہا کہ میں نے کپڑا رومال میں غصب کیا ہے تو دونوں لازم ہوں گے اور اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر کپڑے میں کپڑا ہے تو دونوں لازم ہوں گے اور اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو اس پر امام ابو یوسف کے نزدیک لازم نہ ہوگا مگر ایک کپڑا اور امام محمد نے فرمایا کہ گیارہ کپڑے لازم ہوں گے اور اگر کسی نے ایک کپڑا کے غصب کرنے کا اقرار کیا پھر وہ معیوب کپڑا لایا تو اس کا قول قسم کیساتھ معتبر ہوگا اور اسی طرح اگر دراہم کا اقرار کیا کہ وہ کھوٹے ہیں اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر پانچ میں پانچ ہیں اس سے اس کی مراد ضرب و حساب ہے تو اس کو ایک پانچ لازم ہوں گے اور اگر اس نے کہا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ پانچ کے ساتھ پانچ ہیں ـــ تو دس لازم ہوں گے ۔

تشریح: ــــ قوله له من اقر بتمر ۔ یعنی اگر کسی نے اس طرح کہا کہ فلاں شخص کے میرے اوپر ٹوکری میں چھوہارے ہیں تو اس پر ٹوکری اور چھوہارے دونوں لازم ہوں گے اور اگر کسی نے یہ اقرار کیا کہ زید کا میرے ذمہ طویلہ میں ایک گھوڑا ہے تو اس پر صرف گھوڑا ہی لازم ہوگا لیکن امام محمد نے فرمایا کہ یہاں دونوں لازم ہوں گے کیونکہ اصل یہ ہے کہ جو چیز ظرف ہونے کی صلاحیت رکھے اور اس کو منتقل کرنا ممکن ہو تو اس صورت میں ظرف و مظروف دونوں لازم ہوں گے جیسے کھجور کا اقرار ٹوکری میں اور کپڑے کا اقرار رومال میں وغیرہ وغیرہ اور اگر منتقل کرنا ممکن نہ ہو جیسے اصطبل وغیرہ تو

دونوں لازم ہو تو دونوں لازم ہوں گے اور اگر وہ چیز ظرف ہونے کی صلاحیت نہ رکھے تو صرف پہلی چیز لازم ہوگی مثلاً یوں کہا جائے کہ مجھ پر ایک درہم ہے درہم میں تو صرف پہلا درہم لازم ہوگا۔

قولہ[۲] وان قال غصبت۔ یعنی اگر کسی نے کہا کہ میں نے کپڑا کو رومال میں غصب کیا ہے تو اس کے ذمہ دونوں چیزیں لازم ہوں گی اور اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص کا میرے ذمہ کپڑے میں کپڑا ہے تو اس کو دو کپڑے دینے لازم ہوں گے اور اگر یہ کہا کہ فلاں شخص کا میرے ذمہ دس کپڑوں میں ایک کپڑا ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر ایک ہی کپڑا لازم ہوگا اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عادت کے مطابق ایک کپڑا دس کپڑوں میں نہیں رکھا جاتا اس لئے اس کا یہ کہنا لغو سمجھا جائے گا اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کو گیارہ کپڑے دینے لازم ہوں گے کیونکہ بعض عمدہ اور بیش بہا کپڑوں کو متعدد کپڑوں میں لپیٹے جاتے ہیں۔

قولہ[۳] من اقر بغصب۔ یعنی اگر کسی نے ایک کپڑے کے غصب کرنے کا اقرار کیا تھا کہ میں نے واقعی غصب کیا ہے پھر وہ پھٹا ہوا کپڑا لایا تو اس بارے میں اسی کا قول معتبر ہوگا لیکن قسم کے ساتھ یعنی مقر اگر کہے کہ یہ وہی کپڑا ہے جو میں نے غصب کیا تھا اور کپڑا والا دوسرے کپڑا کا دعویٰ کرے تو اس بارے میں غاصب کے ہی قول کا اعتبار ہوگا اور اس سے قسم لی جائے گی۔ اعتبار کی وجہ یہ کہ غصب سالم کپڑا کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ کوئی بھی کپڑا ہو سکتا ہے۔

قولہ[۴] کذلک لو اقر۔ یعنی اسی طرح اگر کسی نے اپنے ذمہ دراہم ہونے کا اقرار کیا اور کہا کہ وہ کھوٹے ہیں تو اس صورت میں بھی قسم کے ساتھ اسی کا قول معتبر ہوگا اور اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ پانچ میں پانچ ہیں اور اس سے مراد ضرب و حساب لیا گیا ہے تو صرف پانچ ہی لازم ہوں گے اور وہ اگر کہے کہ میری مراد پانچ کے ساتھ پانچ ہے تو اس پر دس لازم ہوں گے۔ حسن بن زیادہ نے پچیس کا قول کیا ہے۔

وَاِذَا[۱] قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مِنْ دِرْهَمٍ اِلٰى عَشَرَةٍ لَزِمَهٗ تِسْعَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَلْزَمُهُ[۲] الْاِبْتِدَاءُ وَمَا بَعْدَهٗ وَيَسْقُطُ الْغَايَةُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَلْزَمُهُ الْعَشَرَةُ كُلُّهَا وَاِنْ[۳] قَالَ لَهٗ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ اِشْتَرَيْتُهٗ مِنْهُ وَلَمْ اَقْبِضْهُ فَاِنْ ذَكَرَ عَبْدًا بِعَيْنِهٖ قِيْلَ لِلْمُقَرِّ لَهٗ اِنْ شِئْتَ فَسَلِّمِ الْعَبْدَ وَخُذِ الْاَلْفَ وَاِلَّا فَلَا شَيْءَ لَكَ عَلَيْهِ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ وَلَمْ يُعَيِّنْهُ لَزِمَهُ الْاَلْفُ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

ترجمہ: ـــــ اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہیں تو اس پر نو لازم ہوں گے امام ابو حنیفہ کے

نزدیک یعنی ابتداء اور اس کا مابعد لازم ہوں گے اور غایت ساقط ہوگی اور صاحبین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ پورے دس لازم ہوں گے اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اس غلام کی قیمت کے جو میں نے اس سے خریدا تھا لیکن قبضہ نہیں کیا تھا پس اگر وہ معین غلام ذکر کرے تو مقر لہ سے کہا جائے گا کہ اگر چاہے تو غلام دیکر ہزار لیلے ورنہ تیرے لئے اس پر کچھ نہیں اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر غلام کی قیمت کے ہزار ہیں اور غلام معین نہیں کیا تو امام ابو حنیفہ کے قول میں ہزار لازم ہوں گے۔

تشریح: — قولہ واذا قال لہ۔ یعنی اگر کسی نے کہا کہ میرے ذمہ فلاں شخص کے ایک درہم سے لیکر دس تک ہیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر نو درہم لازم ہوں گے کیونکہ امام ابو حنیفہ ابتداء کو اور اس کے بعد کو لازم کرتے ہیں اور انتہا کو ساقط مانتے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ اس پر پورے دس لازم ہوں گے کیونکہ دونوں حدوں کا موجود ہونا ضروری ہے اس لئے کہ امر وجودی کیلئے شئی معدوم حد نہیں اور امام زفر کے نزدیک حدود دیں داخل نہ ہوں گے دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ حد یں محدود میں داخل نہیں ہوتیں۔

کیونکہ ان میں مغایرت ہوتی ہے لیکن یہاں حد یعنی ابتداء کو اس لئے داخل مانا جائے گا کہ مافوق الواحد یعنی دوسرے اور تیسرے کا وجود اول کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

قولہ وان قال لہ علی۔ یعنی اگر کوئی کہا کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک غلام کی قیمت کے ایک ہزار درہم ہیں جو میں نے اس سے خریدا تھا اور میں نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا تھا پس اگر اس نے کوئی خاص معین غلام کے متعلق کہا ہے تو اس مقر لہ سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو یہ غلام اس کے حوالہ کر دو اور ہزار درہم اس سے لیلو اور اگر غلام کو معین کیا تو امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے نزدیک مقر پر ہزار درہم لازم ہوں گے اور قبضہ کا نہ ہونا مسموع نہ ہو گا خواہ متصلاً کہے یا منفصلاً اس لئے کہ یہ اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ صاحبین کے نزدیک متصلاً کہنے کی صورت میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور مال لازم نہ ہوگا۔

ولو قال لہٗ علیّ الفُ درھمٍ من ثمنِ خمرٍ اَوْ خنزیرٍ لزمہُ الالفُ ولم یقبل تفسیرہٗ وان قال لہٗ علیّ الفٌ من ثمنِ متاعٍ وھی زیوفٌ فقال المقرّ لہٗ جیادٌ لزمہُ الجیادُ فی قولِ ابی حنیفۃَ وقالَ ابو یوسفَ ومحمدٌ رحمہما اللہ اِنْ قالَ ذلکَ موصولاً صدق وان قال لہٗ مفصولاً لا یصدق ومن اَقرّ لغیرہٖ بخاتمٍ فلہٗ الحلقۃُ والفصُّ وان اقرّ لہ بسیفٍ فلہٗ النصلُ والجفنُ والحمائلُ وان اقرّ لہٗ بحجلۃٍ فلہٗ العیدانُ والکسوۃُ وان قالَ لحملِ فلانۃٍ علیّ الفُ درھمٍ فان

قال اَو صیٰ لہٗ فلانٌ اومات ابوہٗ فورثہٗ فالاقرارُ صحیحٌ وان ابہمہ الاقرار لم یصح عند ابی یوسف وقال محمدٌ یصحّ وان اقرّ بحمل جاریۃٍ اَو حمل شاۃٍ لرجل صحّ الاقرارُ ولزمہٗ ۔

ترجمہ : ـــــ اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر شراب یا خنزیر کی قیمت کے ہزار درہم ہیں تو اس پر ہزار لازم ہوں گے اور اس کی تفسیر مقبول نہ ہوگی اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر سامان کی قیمت کے ہزار ہیں اور وہ کھوٹے ہیں پس مقرلہٗ نے کہا کہ کھرے ہیں تو کھرے ہی لازم ہوں گے امام ابو حنیفہ کے قول میں اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر اس نے یہ متصلاً کہا تو تصدیق کی جائے گی اور اگر منفصلاً کہا تو تصدیق نہ کی جائے گی اور جس نے کسی کیلئے انگوٹھی کا اقرار کیا تو اس کیلئے حلقہ اور نگینہ ہوگا اور اگر کسی کیلئے تلوار کا اقرار کیا تو اس کیلئے تلوار اور پرتلہ اور میان تینوں ہوں گے اور اگر کسی کیلئے ڈولہ کا اقرار کیا تو اس کیلئے لکڑیاں اور پردہ ہوگا اور اگر کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم ہیں پس اگر وہ یہ کہے فلاں نے اس کیلئے وصیت کی تھی یا اس کا باپ مرگیا جس کا وہ وارث ہے تو اقرار صحیح ہے اور اگر اقرار کو صحیح رکھا تو امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح نہیں اور امام محمد نے فرمایا کہ صحیح ہے اور اگر کسی کیلئے باندی یا بکری کے حمل کا اقرار کیا تو اقرار صحیح ہے اور وہ لازم ہے

تشریح : ـــــ قولہ[۱] ولو قال لہٗ علیّ ۔ یعنی اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ ہزار دراہم ہیں شراب کی قیمت کے یا سور کی قیمت کے تو ہزار درہم اس پر واجب ہوں گے اور اس کی یہ تفسیر تسلیم نہیں کی جائے گی کیونکہ صدر کلام یعنی لفظ علیٰ وجوب پر دلالت کرتا ہے اور شراب وسور کی قیمت واجب نہیں تو یہ اقرار سے رجوع کرنا ہوا جو جائز نہیں ۔ صاحبین نے کہا کہ اگر من ثمن خمر او خنزیر اگر متصلاً کہا جائے تو مال لازم نہ ہوگا اس لئے کہ اس نے آخر کلام سے یہ بیان کر دیا کہ میرا مقصد ایجاب نہیں تو یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے وہ لہٗ علیّ الفٌ کے بعد ان شاء اللہ کہہ دے ظاہر ہے اس سے اقرار لازم نہیں ہوتا جیسا کہ گذرا ۔

قولہ[۲] وان قال لہٗ علیّ ۔ یعنی اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ اسباب کی قیمت کے ایک ہزار درہم ہیں اور وہ کھوٹے ہیں یعنی کھوٹے ہی ٹھہرے تھے اور مقرلہٗ کہتا ہے کہ کھرے ٹھہرے تھے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر کھرے ہی واجب ہوں گے ۔ اسی پر فتویٰ ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے متصلاً کہا ہے تو اس کی تصدیق کرلی جائے گی کیونکہ لفظ دراہم میں دونوں کا احتمال ہے اور جب اس نے زیوف یعنی کھوٹے کو واضح کردی تو یہ بیان بدل گیا ۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ مطلق عقد صحیح سالم بدل کا مقتضی ہے اور کھوٹا ہونا عیب ہے اور عیب کا دعویٰ گویا اقرار کے بعد رجوع کرنا ہے ۔

24 - مسئلہ الفروری

قولہ ۳ مَن اقر بخاتم ۔ یعنی اگر کسی نے یہ کہا کہ فلاں شخص کی میرے پاس ایک انگوٹھی ہے تو اس کو انگوٹھی اور نگینہ دونوں لازم ہوں گے کیونکہ لفظ انگوٹھی دونوں کو شامل ہے لہذا یہ اقرار دونوں کو شامل ہوگا اور اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص کی میرے پاس تلوار ہے تو اس پر تلوار اور پر تلہ اور میان تینوں چیزیں واجب ہوں گی ۔ اور اگر کوئی کہے کہ میرے پاس فلاں شخص کا ڈولہ ہے تو اس کے ذمہ ڈولے کی لکڑیاں اور پردہ واجب ہوں گے ۔

قولہ ۴ وان اقر بحمل جاریۃ ۔ یعنی اگر کوئی کہے کہ فلاں عورت کے حمل کے میرے پاس ہزار درہم ہیں پس اگر اس کے ساتھ یہ کہے کہ فلاں شخص نے اس کیلئے وصیت کر دی تھی یا اس کا باپ مر گیا ہے اور یہ اس کا وارث ہے تو یہ اقرار درست ہوگا اور اگر اس نے اس اقرار کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ اقرار درست نہیں اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ وہ اقرار درست ہے کیونکہ اس میں زیادہ جہالت نہیں اور مجہول چیز کا اقرار درست ہے اور یہ اس تقدیر پر ہے کہ بچہ کا پیٹ میں ہونا معلوم ہو جائے اور معلوم ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس وارث کے ہونے سے یہ چھ مہینے سے کم میں پیدا ہو جائے ۔ اور اگر چھ مہینے یا اس سے زائد دنوں میں پیدا ہو تو یہ وصیت درست نہ ہوگی اور اگر کسی نے کسی لونڈی کے حمل یا بکری کے حمل کا اقرار کیا تو یہ اقرار درست ہے اور اس کے پیدا ہونے کے بعد اس کو دینا لازم ہوگا ۔

واذا اقر الرجل فی مرض موتہ بدیون وعلیہ دیون فی صحتہ ودیون لزمتہ فی مرضہ باسباب معلومۃ فدین الصحۃ والدین المعروف بالاسباب مقدم فاذا قضیت وفضل شیئ منھا کان فیما اقر بہ فی حال المرض وان لم یکن علیہ دیون لزمتہ فی صحتہ جاز اقرارہ وکان المقر لہ اولی من الورثۃ واقرار المریض لوارثہ باطل الا ان یصدقہ فیہ بقیۃ الورثۃ

ترجمہ: ـــــ اور جب کسی نے مرض موت میں دیون کا اقرار کیا اور اس کے ذمہ تندرستی کے کچھ دیون ہیں اور کچھ دیون ہیں جو مرض موت میں اسباب معلومہ سے لازم ہوتے ہیں تو تندرستی والے دیون اور اسباب معلوم والے دیون مقدم ہوں گے پس جب وہ ادا کر دیئے جائیں اور کچھ مال بچ جائے تو وہ اس میں صرف ہوگا جس کا اس نے مرض موت میں اقرار کیا ہے اور اگر تندرستی میں لازم ہونے والے دیون نہ ہوں تو اس کا اقرار صحیح ہوگا اور مقر لہ ورثہ سے اولیٰ ہوگا اور وارث کیلئے مریض کا اقرار باطل ہے مگر یہ کہ باقی ورثہ اس کی تصدیق کر دیں ۔

تشریح: ـــــ قولہ ۱ واذا اقر الرجل ۔ یعنی اگر کسی نے اپنے مرض موت میں چند قرضوں کا اقرار کیا کہ وہ میرے ذمہ ہیں وہاں کے اسباب معلوم نہیں اور اس کے ذمہ صحت کے دنوں کے بھی قرض ہیں اور کچھ قرض اس مرض میں بھی ہو گئے ہیں

جن کے اسباب معلوم ہیں تو صحت کا قرض اور جس قرض کے اسباب معلوم ہیں وہ مقدم ہیں جس وقت وہ ادا ہو جائیں اور ان میں سے کچھ بچے تو اس قرض میں دیا جائے جس کا اس نے مرض کی حالت میں اقرار کیا ہے اور اگر اس کے ذمہ ایسے قرض نہیں جو صحت کی حالت کے ہوں تو اسی کا یہ اقرار درست ہوگا اور جس کیلئے اقرار کیا ہے وہ وارثوں سے اولیٰ ہے۔

قولہ[۲] بالاسباب مقدم۔ یعنی تندرستی کی حالت کا قرض اور وہ قرض جو مرض موت میں اسباب معلومہ کے ساتھ لازم ہوا، دونوں احناف کے نزدیک اسی دین پر مقدم ہوں گے جس کا مریض نے مرض موت میں اقرار کیا ہے پس اگر اس کا انتقال ہو جائے تو پہلے اس کے ترکہ سے مذکورہ بالا قرض ادا کیا جائے گا اس کے بعد جو کچھ مال بچے اس سے وہ قرض ادا کیا جائے گا جس کا اس نے مرض موت میں اقرار کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحت و مرض کا قرض دونوں برابر ہیں اس لئے کہ دونوں کا سبب جو اقرار ہے وہ برابر ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ اقرار بلاشبہ دلیل ہے لیکن یہ معتبر اس وقت ہے جب کہ دوسرے کا حق باطل نہ ہو اور ظاہر ہے مریض کے اقرار سے دوسرے کا حق باطل ہو جاتا ہے اس لئے کہ صحت کے قرض خواہوں کا حق اس کے مال کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے پس ان کا حق مقدم ہوگا۔

قولہ[۳] اقرار المریض۔ مریض کا اپنے وارث کیلئے اقرار کرنا باطل ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا اصح قول یہ ہے کہ وہ اقرار درست ہے اس لئے کہ اقرار حق ثابت کا اظہار ہے تو جس طرح اجنبی کیلئے درست ہے اسی طرح وارث کیلئے بھی درست ہے دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا یہ ارشاد ہے کہ یہ وارث کیلئے وصیت ہے اور نہ دَین کا اقرار ہے اور اس لئے بھی کہ اس کے مال سے تمام ورثہ کا حق وابستہ ہے اور کسی ایک کیلئے اقرار کرنے میں باقی ورثہ کے حق کو پامال کرنا ہے اس لئے جائز نہ ہوگا البتہ اگر باقی ورثہ اس کی تصدیق کریں تو بلاشبہ درست ہے اس لئے کہ اقرار کا معتبر نہ ہونا تو ان ہی کے حق کی وجہ سے تھا اور جب انہوں نے اس کی تصدیق کر دی تو اقرار ثابت ہو گیا لیکن اجنبی کیلئے اقرار تو وہ اس لئے درست ہے کہ اس کو معاملات کی ضرورت ہے اور ورثہ کے ساتھ معاملات کا وقوع بہت کم ہوتا ہے۔ زیادہ اجنبیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

ومن[۱] اقرّ لاجنبیٍ فی مرضِ موتہٖ ثم قال ھو ابنی ثبتَ نسبہٗ منہ وَبطل اقرارُہٗ لہٗ ولو اقرّ لاجنبیۃٍ ثم تزوجھا لم یبطل اقرارُہٗ لھا ومن[۲] طلق امراتہٗ فی مرضِ موتہٖ ثلاثاً ثم اقرلھا بدینٍ ومات فلھا الاقلُ من الدینِ ومن میراثِھا منہ ومن[۳] اقر بغلامٍ یولدُ مثلہٗ لمثلہٖ ولیس لہٗ نسبٌ معروفٌ انہٗ ابنہٗ وصدقہٗ الغلامُ ثبتَ نسبہٗ منہ وان کانَ مریضاً ویشارکُ الورثۃَ فی المیراثِ

ترجمہ: ——— اور جس نے اجنبی کیلئے مرض موت میں اقرار کیا پھر کہا کہ وہ میرا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت

ہو جائے گا اور اقرار باطل ۔ اور اگر اجنبی عورت کیلئے اقرار کیا پھر اس سے نکاح کر لیا تو اقرار باطل نہ ہوگا اور جس نے اپنی بیوی کو مرض موت میں تین طلاق دی پھر اس کیلئے قرض کا اقرار کیا اور مر گیا تو عورت کیلئے قرض اور اس کے میراث سے کم تر ہوگا اور جس نے کسی ایسے لڑکے کے متعلق اقرار کیا کہ اس جیسا اس کے یہاں پیدا ہو سکتا ہے اور اس کا کوئی نسب معلوم نہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکا نے اس کی تصدیق کر دی تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اگرچہ وہ بیمار ہو اور ورثہ کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ومن اقر لاجنبی ۔ یعنی اگر کسی نے اپنے مرض موت میں کسی لڑکا کیلئے کچھ روپیہ وغیرہ کا اقرار کیا پھر کہا کہ وہ میرا بیٹا ہے تو یہ اسکا بیٹا ہو جائے گا اور اس کے حق میں اس کا اقرار کافی ہو جائیگا ۔ جبکہ وہ اجنبی مجہول النسب ہو اور مقر کی تصدیق کرے لیکن امام زفر نے فرمایا کہ صحیح نہیں احناف اسمیں یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ دعویٰ نسب ابتداء پیدائش کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس کا اقرار اپنے بیٹے کے لئے ہوا جو ممنوع ہے برخلاف زوجیت کے کہ وہ وقت تزوج کیطرف منسوب ہوتی ہے تو اس کا اقرار اجنبیہ کیلئے ہوا جو درست ہے ۔

قولہ[۲] من طلق امرأتہ ۔ یعنی اگر کسی نے اپنے مرض موت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی پھر وہ اپنے ذمہ اس کا کچھ قرض ہونے کا اقرار کیا تو اس کو وہ دیا جائے گا جو اس کی میراث اور قرض میں کم ہوگا یعنی اگر میراث قرض سے کم پہونچتی ہے تو میراث دیدی جائے گی اور اگر قرض میراث سے کم ہے تو قرض ادا کر دیا جائے گا ۔

قولہ[۳] من اقر بغلام ۔ یعنی اگر کوئی کسی بچہ کا اقرار کرے کہ وہ میرا بیٹا ہے اور اس جیسا لڑکا اس مقر جیسے شخص کیلئے پیدا ہو سکتا ہے اور اس لڑکے کا نسب معروف نہ ہو یعنی کوئی یہ نہیں جانتا کہ یہ کس کا لڑکا ہے؟ اور وہ لڑکا اس کی تصدیق کرتا ہے کہ بے شک میں اس کا بیٹا ہوں تو اس لڑکے کا نسب اس سے ثابت ہو جائیگا اگرچہ اقرار کرنے والا بیمار ہو اور اس کے فوت ہونے کے بعد یہ لڑکا بھی میراث میں دوسرے وارثوں کے ساتھ شریک ہوگا ۔ ثبوت نسب کیلئے تین شرطیں ہیں (۱) اس جیسا بچہ اس کا پیدا ہو سکتا ہے تاکہ وہ ظاہر کے اعتبار سے جھوٹا قرار نہ پائے (۲) وہ بچہ مجہول النسب ہو کیونکہ اگر وہ معروف النسب ہو تو کسی دوسرے سے اس کے نسب کا ثبوت نہ ہوگا (۳) بچہ اس کی تصدیق بھی کرے کہ میں اس کا بیٹا ہوں ۔

---

[۱] ویجوز اقرار الرجل بالوالدین والزوجۃ والولد والمولیٰ و[۲] یقبل اقرار المرأۃ بالوالدین والزوج والمولیٰ ولا یقبل اقرارھا بالولد الا ان یصدقھا الزوج فی ذلک وتشھد بولادتھا قابلۃ و[۳] من اقر بنسب من غیر الوالدین والولد مثل الاخ والعم لم یقبل اقرارہ بالنسب فان کان لہ وارث معروف قریبا او بعید

فهو اولیٰ بالمیراثِ مِنَ المقرِ لهٗ فان لم یکن لهٗ وارثٌ استحق المقر لهٗ میراثهٗ ومن مات ابوهُ فاقر باخٍ لم یثبت نسبُ اخیه منه ویشارکهٗ فی المیراثِ

ترجمہ: ــــــ اور مرد کا اقرار اپنے والدین اور بیوی اور بچہ اور مولیٰ کیلئے جائز ہے اور عورت کا اقرار اس کے والدین شوہر اور مولیٰ کے حق میں قبول کیا جائے گا۔ اور بیٹا کے حق میں قبول نہ کیا جائے گا مگر یہ کہ شوہر اس بارے میں تصدیق کرے اور دایہ اس کی پیدائش کی گواہی دے اور جو والدین اور اولاد کے علاوہ کے نسب کا اقرار کرے جیسے بھائی اور چچا کا تو اقرار قبول نہیں کیا جائے گا پس اگر اس کو کوئی وارث معلوم قریبی یا بعیدی ہو تو وہ مقر لہ سے میراث کا زیادہ مستحق ہوگا پس اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کے میراث کا مقر لہ مستحق ہوگا اور جس کا باپ مر گیا اور اس نے بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس سے بھائی کا نسب ثابت نہ ہوگا اور میراث میں وہ اس کا شریک ہو جائے گا۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] یجوز اقرار الرجل۔ مرد کا اقرار اپنے والدین اور بیوی اور لڑکا اور مولیٰ کیلئے جائز ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا والد یا والدہ یا بیٹا یا بیوی یا آزاد کرنے والا بتائے تو وہ جائز ہے کیونکہ اس میں ایک ایسے امر کا اقرار ہے جو خود اسی کو لازم ہونے والا ہے اور اس میں نسب کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا بھی نہیں۔

قولہ[۲] یقبل اقرار المرأۃ۔ یعنی عورت کا اقرار اس کے والدین اور شوہر اور مولیٰ کے حق میں قبول کیا جائے گا اور بیٹا کے حق میں اس کا اقرار قبول نہ کیا جائے گا البتہ شوہر اگر اس بارے میں اس کی تصدیق کرے یا دائی اس کی پیدائش کی گواہی دے یعنی یہ کہے کہ یہ لڑکا بے شک اس عورت کا ہے چونکہ دائیوں کو اس کی شناخت ہوتی ہے اس لئے دائی کا قول اس بارے میں معتبر ہے۔

قولہ[۳] من اقر بنسب غیر الوالدین۔ یعنی اگر کسی نے والدین اور بیٹا ہونے کے علاوہ کسی کے بھائی یا چچا ہونے کا اقرار کرے یعنی یہ کہے کہ یہ شخص میرا بھائی ہے یا میرا چچا تو اس کا اقرار نسب کے بارے مقبول نہ ہوگا پس اگر اس اقرار کرنے والے کا کوئی دوسرا وارث معلوم ہے خواہ قریب کا ہو یا بعید کا تو وہ اس مقر لہ سے یعنی جس کیلئے یہ اقرار کرتا ہے اولیٰ ہوگا اس وارث کے ہوتے ہوئے۔ اس مقر لہ کو میراث نہ ملے گی اور اگر اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں تو اس کے میراث کا یہی مقر لہ وارث ہوگا۔

قولہ[۴] من مات ابوہ۔ یعنی اگر کسی کا باپ مر گیا اور اس نے کسی شخص کے متعلق اپنے بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس کے بھائی کا اس سے نسب ثابت نہ ہوگا اور میراث میں وہ اس کا شریک ہو جائے گا۔ واضح ہو کہ یہ مسئلہ بظاہر بعینہ مسئلہ اول کی طرح معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ مسئلہ اول میں مقر موروث ہے اور اس مسئلہ میں مقر وارث ہے اس اعتبار

سے دونوں مسئلے جدا جدا ہیں اگرچہ عدم ثبوت نسب میں دونوں برابر ہیں ۔

کتاب الاجارۃ[1]

ترجمہ :۔ ـــــ کرایہ کے مسائل کا بیان

اَلْاِجَارَۃُ[2] عَقْدٌ عَلَی الْمَنَافِعِ بِعِوَضٍ وَلَا تَصِحُّ حَتّٰی تَکُوْنَ الْمَنَافِعُ مَعْلُوْمَۃً وَالْاُجْرَۃُ مَعْلُوْمَۃً وَمَا جَازَ اَنْ یَکُوْنَ ثَمَنًا فِی الْبَیْعِ جَازَ اَنْ یَکُوْنَ اُجْرَۃً فِی الْاِجَارَۃِ وَالْمَنَافِعُ[3] تَارَۃً تَصِیْرُ مَعْلُوْمَۃً بِالْمُدَّۃِ کَاسْتِیْجَارِ الدُّوْرِ لِلسُّکْنٰی وَالْاَرْضِیْنَ لِلزِّرَاعَۃِ فَیَصِحُّ الْعَقْدُ عَلٰی مُدَّۃٍ مَعْلُوْمَۃٍ اَیَّ مُدَّۃٍ کَانَتْ وَتَارَۃً تَصِیْرُ مَعْلُوْمَۃً بِالْعَمَلِ وَالتَّسْمِیَۃِ کَمَنْ اسْتَاجَرَ رَجُلًا عَلٰی صَبْغِ ثَوْبٍ اَوْ خِیَاطَۃِ ثَوْبٍ اَوِ اسْتَاجَرَ دَابَّۃً یَحْمِلُ عَلَیْہَا مِقْدَارًا مَعْلُوْمًا اِلٰی مَوْضِعٍ مَعْلُوْمٍ اَوْ یَرْکَبُہَا مَسَافَۃً مَعْلُوْمَۃً وَتَارَۃً تَصِیْرُ مَعْلُوْمَۃً بِالتَّعْیِیْنِ وَالْاِشَارَۃِ کَمَنْ اسْتَاجَرَ رَجُلًا لِیَنْقُلَ ہٰذَا الطَّعَامَ اِلٰی مَوْضِعٍ مَعْلُوْمٍ

ترجمہ : ـــــ اجارہ عقد ہے منافع پر عوض کے ساتھ اور وہ صحیح نہیں یہانتک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت بھی معلوم ہو اور جو چیز بیع میں ثمن ہو سکتی ہے وہ اجارہ میں اجرت ہو سکتی ہے اور منافع کبھی مدت کے ذریعہ معلوم ہوجاتے ہیں جیسے مکانوں کو رہائش کیلئے اجرت پر لینا اور زمینوں کو کاشت کیلئے پس عقد مدت معلومہ پر صحیح ہوگا جو بھی مدت ہو اور کبھی عمل و تسمیہ کے ذریعہ معلوم ہوجاتے ہیں جیسے کسی نے ایک شخص کو کپڑا رنگنے کیلئے اجرت پر لیا یا کپڑا سینے کیلئے یا اجرت پر چوپایہ کو کچھ بوجھ لادنے کیلئے لایا ایک معلوم جگہ تک یا سوار ہونے کے لئے مسافت معلومہ تک اور کبھی تعین و اشارہ کرنے سے معلوم ہوجاتے ہیں جیسے کسی نے ایک مزدور کو اجرت پر لیا تاکہ وہ وہ غلہ فلاں جگہ تک منتقل کرے ۔

تشریح : ـــــ قولہ[1] کتاب الاجارۃ ۔ اجارہ لغت میں اجرت کا اسم ہے اجرت اس مزدوری کو کہا جاتا ہے جس کا استحقاق عمل خیر پر ہو اس وجہ سے اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اعظم اللہ اجرک اور اصطلاح میں اجارہ اس عقد کو کہا جاتا ہے جو بعوض معلوم منافع معلوم پر واقع ہو عوض خواہ مالی ہو یا غیر مالی جیسے منافع مثلاً مکان کی رہائش کو رکوب دابہ کے عوض دینا نیز عوض دین ہو جیسے مکیل و موزون اور عددی متقارب

یا عین ہو جیسے دواب و ثیاب وغیرہ پس نکاح وغیرہ اس سے خارج ہو گئے کہ ان کے اندر عوض کے ساتھ منافع کی استباحت ہوتی ہے ان کی تملیک نہیں ۔

قولہ[۱] الاجارۃ عقد ۔ یعنی اجارہ وہ عقد ہے جو کسی چیز کے عوض منافع پر واقع ہو اور جب تک منافع واجرت معلوم نہ ہو اجارہ درست نہیں اور جس چیز کا بیع میں قیمت ہونا جائز ہو اس کا اجارہ میں اجرت ہونا جائز ہے

قولہ[۲] والمنافع تارۃ ۔ صحت اجارہ کیلئے مزدوری اور منفعت دونوں کا معلوم ہونا ضروری ہے مزدوری کے معلوم ہونے میں چونکہ کوئی خفا نہیں البتہ منفعت کے معلوم ہونے میں خفا ہے اس لئے اس کو بیان کیا جاتا ہے کہ منفعت معلوم ہونے کے تین طریقے ہیں اول اس کی مدت بیان کر دی جائے کہ بیان مدت سے مقدار منفعت کا معلوم ہو جانا ایک لازمی امر ہے بشرطیکہ منفعت متفاوت نہ ہو چنانچہ گھر اور زمین کی اجرت میں یہ بیان کر دینا کہ اتنی مدت تک رہائش یا کاشت کی جائے گی پس مدت کم ہو یا زیادہ جو بھی بیان کی جائے اجارہ درست ہو جائے گا لیکن اوقات میں تین سال سے زیادہ درست نہیں دوم اس عمل کو بیان کر دیا جائے جس کیلئے اجارہ مطلوب ہے جیسے کپڑے کی رنگائی ۔ سلائی ۔ جانور کی سواری یا باربرداری وغیرہ بشرطیکہ یہ امور اس طرح بیان کر دیئے جائیں کہ بعد میں جھگڑا در پیش نہ ہو ۔ مثلاً رنگائی میں کپڑے اور اس کے رنگ کو بیان کر دینا کہ سرخ مطلوب ہے ۔ یا زرد اسی طرح سلائی میں سینے کی قسم بیان کر دی جائے سوم اس امر کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ یہ چیز فلاں جگہ لیجانی ہے اس لئے کہ جب اجیر نے اس چیز کو دیکھ لیا اور جگہ بھی سمجھ لیا تو منفعت معلوم ہو جائے گی پس بیع درست ہو جائے گی ۔ مثلاً ایک شخص نے قلی کیا کہ وہ غلہ وغیرہ فلاں معلوم جگہ تک لے جائے اور وہ جگہ اس قلی کو بھی معلوم ہے ۔

وَیَجُوْزُ[۱] اِسْتِیْجَارُ الدُّوْرِ وَالْحَوَانِیْتِ لِلسُّکْنٰی وَاِنْ لَّمْ یُبَیِّنْ مَا یَعْمَلُ فِیْهِمَا وَلَهٗ اَنْ یَّعْمَلَ کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا الْحِدَادَةَ وَالْقِصَارَةَ وَالطَّحْنَ وَیَجُوْزُ اِسْتِیْجَارُ[۲] الْاَرْضِ لِلْمُزَارَعَةِ وَلِلْمُسْتَاجِرِ الشُّرْبُ وَالطَّرِیْقُ وَاِنْ لَّمْ یَشْتَرِطْ وَلَا یَصِحُّ الْعَقْدُ حَتّٰی یُسَمِّیَ مَا یَزْرَعُ فِیْهَا اَنْ یَّقُوْلَ عَلٰی اَنْ یَّزْرَعَ فِیْهَا مَا شَاءَ وَیَجُوْزُ[۳] اَنْ یَّسْتَاجِرَ السَّاحَةَ لِیَبْنِیَ فِیْهَا اَوْ یَغْرِسَ فِیْهَا نَخْلًا اَوْ شَجَرًا فَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْاِجَارَةِ لَزِمَهٗ اَنْ یَّقْلَعَ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ وَیُسَلِّمَهَا فَارِغَةً اِلَّا اَنْ یَّخْتَارَ صَاحِبُ الْاَرْضِ اَنْ یَّغْرَمَ لَهٗ قِیْمَتَهٗ ذٰلِکَ مَقْلُوْعًا وَیَتَمَلَّکَهٗ اَوْ یَرْضٰی بِتَرْکِهٖ عَلٰی حَالِهٖ فَیَکُوْنُ الْبِنَاءُ لِهٰذَا وَالْاَرْضُ لِهٰذَا

ترجمہ: ــــ اور مکانوں اور دکانوں کو رہائش کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے اگرچہ وہ کام بیان نہ کیا جائے

جو اس میں کرے گا اور ہر وہ کام کر سکتا ہے مگر لوہار اور دھوبی اور پیسائی کا کام نہیں کر سکتا اور زمینوں کا کاشت کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے اور مستاجر کیلئے پانی کی باری ہوگی اور راستہ اگرچہ اس کی شرط نہ ہوا اور عقد صحیح نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ بیان کردے جس کی کاشت کرے گا یا کہہ دے کہ اس شرط پر کہ بوئے گا اس میں جو چاہے اور خالی زمین کو کرایہ پر لینا جائز ہے تاکہ اس میں عمارت بنائے یا درخت لگائے پس جب اجارہ کی مدت گذر جائے تو اس کیلئے ضروری ہوگا کہ عمارت اور درخت کو اکھاڑے اور خالی زمین حوالہ کردے مگر یہ کہ زمین والا اختیار کرے اکھڑے ہوئے کی قیمت دیکر مالک ہو جانا یا اس کو اسی حال پر چھوڑنے پر راضی ہو جائے پس عمارت اُس کی ہوگی اور زمین اس کی ۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] ویجوز استیجار الدور ۔ یعنی مکانوں اور دکانوں کو رہنے کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے اگرچہ یہ بیان نہ کرے کہ ان میں کیا کام کرے گا؟ اور اس کو اختیار ہے کہ کرایہ پر لے کر جو کام چاہے کرے مگر تین کام بغیر مکان والے کی اجازت کے نہ کرے (۱) لوہار کا کام (۲) دھوبی کا کام (۳) پیسائی کا کام (لوہار کا کام اس لئے کہ اس میں مکان کا نقصان ظاہر ہے کیونکہ مکان میں اس طرح کے کام سے دیواریں کمزور ہو جاتی ہیں لہذا صرف کرایہ پر لینے سے اس کام کی اجازت نہیں ہوگی یہی حال بعد کی دونوں صورتوں میں کہ ان میں بھی مکان کا نقصان ہوتا ہے ۔

قولہ[۲] استیجار الاراضی ۔ یعنی زمینوں کو کاشت کیلئے کرایہ پر دینا جائز ہے اور کاشتکار کو اس میں پانی دینے اور راستہ بنانے کا اختیار ہے اگرچہ لیتے وقت یہ شرط نہ کی ہو اور وہ عقد درست نہیں ہوتا جبتک کہ اُس چیز کا نام نہ لیوے جو اس زمین میں کاشت کرے یا یہ کہدے کہ میں جو چاہوں گا کاشت کروں گا ۔

قولہ[۳] یجوز ان یستاجر الساحۃ ۔ یعنی کسی خالی زمین کو مکان بنانے یا کھجور وغیرہ کے درخت لگانے کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے اور جب کرایہ کی مدت ختم ہو جائے تو اس مستاجر یعنی کرایہ پر لینے والے پر لازم ہوگا کہ اس عمارت اور درختوں کو اکھاڑے اور زمین کو خالی کر کے زمیندار کے حوالہ کردے البتہ اگر وہ زمیندار چاہے کہ اس شخص کو جس نے یہ مکان بنایا یا درخت لگایا ہے وہ قیمت دیدے گا جو ان کے اکھڑ جانے کے بعد ان کی قیمت ہوگی اور ان درختوں اور مکانوں کا مالک ہو جائے گا زمیندار اس پر راضی ہو جائے کہ وہ اس طرح رہے تو اس دوسری صورت میں مکان و درخت وغیرہ اس مستاجر کا اور زمین زمیندار کی ہو جائے گی ۔

---

[۱] ویجوز استیجار الدواب للرکوب والحمل فان اطلق الرکوب جاز لہ ان یرکبہا من شاء وکذلک ان استاجر ثوبا للبس واطلق فان قال لہ علی ان یرکبہا فلان او یلبس الثوب فلان فارکبہا غیرہ او البسہ غیرہ کان ضامنا ان عطبت الدابۃ او تلف الثوب وکذلک کل ما یختلف باختلاف

المستعمل فأما العقار وما لا يختلف باختلاف المستعمل فان شرط سكنى واحد بعينه فله أن يسكن غيره

ترجمہ:۔۔۔ اور چوپایوں کو سوار ہونے یا بوجھ لادنے کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے پس اگر سوار ہونے کو مطلق رکھا تو جو چاہے سوار ہو سکتا ہے اور اگر اسی طرح کپڑا پہننے کیلئے اجرت پر لیا اور پہننے کو مطلق رکھا پس اگر کہا اس شرط پر کہ فلاں سوار ہو گا یا فلاں پہنے گا پھر کسی دوسرے کو سوار کیا یا پہنایا تو وہ ضامن ہو گا پس اگر چوپایہ یا کپڑا ہلاک ہو جائے اور اسی طرح ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والا کے بدلنے سے مختلف ہو جاتی ہے۔ لیکن زمین اور وہ چیز جو استعمال کرنے والا کے بدلنے سے مختلف نہیں ہوتی تو اگر کسی خاص آدمی کی رہائش کی شرط کی ہو تب بھی دوسرے کو بسا سکتا ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ یجوز استیجار۔ یعنی چوپایوں کو سواری اور بوجھ لیجانے کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے لیکن اگر مطلق سوار ہونا ذکر کیا یہ تعیین نہیں کی کہ بس خود ہی سوار ہوں گا تو مستاجر کو اختیار ہے کہ جسے چاہے اس پر سوار کر دے اور اسی طرح اگر کسی نے کپڑا پہننے کیلئے کرایہ پر لیا اور مطلق پہننا ذکر کیا اور اگر مالک سے یہ کہہ دیا تھا کہ مثلاً اس گھوڑے پر فلاں شخص سوار ہو گا یا یہ کپڑا فلاں شخص پہنے گا اور پھر اس پر سوار کسی دوسرے کو کر دیا یا وہ کپڑا دوسرے کو پہنا دیا تو اگر وہ گھوڑا مر گیا یا کپڑا نقصان ہو گیا تو وہ شخص اس کا دیندار ہو گا اور یہی حکم ان سب چیزوں کا ہے جو استعمال کرنے والوں کے مختلف ہونے سے بدل جائیں کیونکہ ہر ایک کے استعمال کرنے میں فرق ہے لیکن زمین اور وہ چیزیں جو استعمال کرنے والوں کے مختلف ہونے سے نہیں بدلتیں تو ان کو کرایہ پر لینے میں اگر کسی نے یہ شرط کر لی کہ اس میں میں ہی رہوں گا یا فلاں شخص ہی رہے گا تب بھی اس کو اختیار ہے کہ اس میں کسی دوسرے کو بسا دے۔

وان سمّى نوعاً وقدراً يحمله على الدابة مثل أن يقول خمسة اقفزة حنطة فله أن يحمل ما هو مثل الحنطة فى الضرر او اقل كالشعير والسمسم وليس له أن يحمل ما هو اضرّ من الحنطة كالملح والحديد والرصاص فان استاجرها يحمل عليها قطنا سماه فليس له أن يحمل مثل وزنه حديدا۔ وان استاجرها ليركبها فاردف معه رجلا آخر فعطبت ضمن نصف قيمتها ان كانت الدابة تطيقها ولا يعتبر بالثقل وان استاجرها يحمل عليها مقدارا من الحنطة فحمل عليها اكثر منه فعطبت ضمن ما زاد من الثقل وان كبح الدابة بلجامها أو ضربها فعطبت ضمن عند ابى حنيفة رحمه الله وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله لا يضمن

ترجمہ:۔۔۔ اور اگر نوع اور مقدار کو متعین کر دی جو جانور پر لادے گا مثلاً یہ کہا کہ گیہوں کے پانچ قفیز تو وہ ایسی چیز

لاد سکتا ہے جو مشقت میں گیہوں جیسی ہو یا اس سے کم ہو جیسے جو اور تل اور ایسی چیز نہیں لاد سکتا جو گیہوں سے زیادہ تکلیف دہ ہو جیسے نمک اور لوہا اور شیشہ اور اگر معین روئی لادنے کیلئے کرایہ پر لیا تو اس پر روئی کے ہم وزن لوہا نہیں لاد سکتا اور اگر چوپایہ سواری کیلئے کرایہ پر لیا اور اپنے پیچھے دوسرے کو سوار کر لیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو نصف قیمت کا ضامن ہوگا اگر چوپایہ دونوں کی طاقت رکھتا ہو اور بوجھ کا اعتبار نہ ہوگا اگر گیہوں کی ایک مقدار لادنے کیلئے کرایہ پر لیا پھر اس سے زیادہ لادا پس وہ ہلاک ہو گیا تو زائد بوجھ کا ضامن ہوگا اور اگر چوپایہ لگام سے کھینچا یا اس کو مارا اور وہ ہلاک ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضامن ہوگا اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:- قولہ[۱] وان سمی نوعاً - یعنی متاجر نے اگر بوجھ کی قسم اور مقدار کا نام لیا تھا کہ گھوڑے پر فلاں چیز لادوں گا مثلاً یہ کہہ دیا کہ گیہوں کے پانچ قفیز لاد کر لے جاؤں گا تو اس متاجر کو اختیار ہے کہ جو چیز بوجھ میں گیہوں جیسی ہو یا اس سے کم ہو وہ لادے جیسے جو اور تل اور گیہوں سے زیادہ بوجھ کی چیز کو اسی پر لادنے کا اس کو اختیار نہیں جیسے نمک اور لوہا اور تانبا وغیرہ پس اگر کسی نے ایک گھوڑا کرایہ پر لیا تاکہ اس پر روئی لے جائے۔ روئی کا نام لے دیا اور اب روئی کے وزن کے برابر اس پر لوہا لے جاتا ہے جو جائز نہیں کیونکہ اس سے جانور کو بہت تکلیف ہوتی ہے

قولہ[۲] وان استاجرها - یعنی اگر کسی نے ایک گھوڑا کرایہ پر لیا کہ اس پر میں سوار ہوں گا پھر اس نے اپنے پیچھے ایک اور کو بیٹھا لیا - جس سے گھوڑا مر گیا اور بوجھ کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا اور اگر لے جا سکتا تھا تو یہ شخص اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور بوجھ کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا اور اگر کسی جانور کو کرایہ پر لیا تاکہ اس پر دو من گیہوں لے جائے - اور دو من کے بجائے ڈھائی من گیہوں لے گیا اور وہ جانور مر گیا تو یہ اسی سے زیادہ بوجھ کا ضامن ہوگا مثلاً چار من گیہوں لادنے کی اجازت تھی اور پانچ من لاد دیا گیا تو پانچویں حصہ قیمت کا تاوان واجب ہوگا کیونکہ وہ جانور دو چیزوں سے مرا ہے ایک وہ جس کی اجازت تھی دوسری وہ جس کی اس کو اجازت نہ تھی اور کرایہ دینے کا سبب بوجھ ہے اس لئے تاوان بھی ان ہی دونوں پر منقسم ہوگا البتہ اگر اتنا بوجھ ہو کہ عادۃً ایسے جانوروں سے نہ اٹھتا ہو تو اس صورت میں یہ کرایہ پر لینے والا اس کی ساری قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ اس کی اجازت بالکل نہ تھی۔

قولہ[۳] وان کبح - یعنی اگر کسی نے گھوڑا کرایہ پر لیا کہ لگام کھینچ کر گھوڑے کو زخمی کر دیا - یا اس کو عادت سے زیادہ مارا اور وہ مر گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ شخص ضامن ہوگا کیونکہ اس بارے میں مالک کی طرف سے اجازت ہونا اس شرط سے ہوتا ہے کہ میرے جانور کو تکلیف نہ دینا اچھی طرح رکھنا اور یہاں اس کے خلاف پایا گیا۔ اس لئے اس کے ذمہ تاوان لازم ہوگا - فتوی اسی پر ہے صاحبین نے فرمایا کہ وہ ضامن نہ ہوگا۔

وَالْاُجَرَاءُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ اَجِیْرٌ مُشْتَرَکٌ وَاَجِیْرٌ خَاصٌّ فَالْمُشْتَرَکُ مَنْ لَا یَسْتَحِقُّ الْاُجْرَۃَ حَتّٰی یَعْمَلَ کَالصَّبَّاغِ

والقصّار والمتاع امانۃٌ فی یدہٖ اِن ھلک لم یضمن شیئاً عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللّٰہ وقالا رحمھما اللّٰہ یضمنہ وما تلف بعملہٖ کتخریق الثوب من دقہٖ وزلق الحمّال وانقطاع الحبل الذی یشدّ بہ المکاری الحمل وغرق السفینۃ من مدّھا مضمونٌ اِلّا انہ لا یضمن بہ بنی آدم فمن غرق فی السفینۃ او سقط من الدابۃ لم یضمنہ واذا فصد الفصّاد او بزغ البزاغ ولم یتجاوز الموضع المعتاد فلا ضمان علیھما فیما عطب من ذلک وان تجاوزہٗ ضمن۔

ترجمہ: ـــــــ اور اجیروں کی دو قسمیں ہیں اجیر مشترک اور اجیر خاص اور اجیر مشترک وہ ہے جو اجرت کا مستحق نہیں ہوتا یہاں تک کہ کام کر دے جیسے رنگریز اور دھوبی اور جس کے پاس سامان امانت ہو اگر وہ ہلاک ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضامن نہ ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ ضامن ہوگا اور اس کے عمل سے تلف ہو جائے جیسے کپڑے کو پھاڑ دینا اور مزدور کا پھسل جانا اور رسّی کا ٹوٹ جانا جس سے کرایہ پر دینے والا بوجھ باندھتا ہے اور کشتی کا ڈوب جانا اس کے کھینچنے سے کہ یہ سب مضمون ہے مگر آدمی کا ضامن نہ ہوگا پس جو کشتی ڈوبنے سے غرق ہو گیا یا سواری سے گر گیا تو اس کا ضامن نہ ہوگا اور جب فصاد نے فصد کھولی یا داغ لگانے والا نے داغ لگایا اور معتاد جگہ سے نہیں بڑھا تو ان پر ضمان نہیں ان کا جو اس سے ہلاک ہو جائے اور اگر اس سے بڑھ گیا تو ضامن ہوگا۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] والاجراء۔ اجراء جمع ہے اجیر کی۔ اجیر کی دو قسمیں ہیں اجیر مشترک اور اجیر خاص اجیر مشترک وہ ہے جو عمل کے بعد مستحق اجرت ہو خواہ چند شخصوں کا کام کرتا ہو جیسے رنگریز اور دھوبی وغیرہ یا کسی ایک ہی کا کام کرتا ہو۔ عام ہے تعین وقت کے ساتھ ہو یا بلا تعین وقت اور وہ چونکہ عام لوگوں کا کام کر سکتا ہے اس لئے اس کو اجیر مشترک کہا جاتا ہے۔

قولہ[۲] المتاع امانۃ۔ یعنی اجیر مشترک کے پاس جو مال و متاع ہے وہ امانت کے طور پر ہوتا ہے پس اگر وہ بلا التعدی کے ہلاک ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر کچھ تاوان نہیں یہی قول امام زفر اور حسن بن زیاد کا ہے اور صاحبین کے نزدیک اس پر تاوان واجب ہے یہی قول امام مالک اور ایک قول امام شافعی کا ہے۔

قولہ[۳] وما تلف بعملہٖ۔ یعنی جو چیز ایسے مزدور کے کچھ کرنے سے تلف ہو جائے مثلاً دھوبی کوٹتے ہوئے کپڑے کو پھاڑ دے یا مزدور کا پیر پھسل جائے یا وہ رسّی ٹوٹ جائے جس سے کرایہ دینے والا بوجھ کو باندھتا ہے یا ملاح کی کشتی کو کھینچنے سے کشتی غرق ہو جائے ان سب صورتوں میں اگر اسباب کا نقصان ہو تو

سب ہی ضامن ہوں گے ان سے تاوان لیا جائے گا۔ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کا عمل مالک کی مطلق اجازت سے واقع ہوا ہے پس عیب دار و سلامت والا دونوں کو شامل ہوگا۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ اذن کے تحت وہی عمل داخل ہے جو عقد کے تحت ہو اور وہ عمل صالح ہے نہ کہ عمل مفسد اگر ملاح اپنے اس کام کی وجہ سے آدمیوں کے تلف ہوجانے کا ضامن نہ ہو یعنی اگر کوئی آدمی کشتی کے غرق ہونے سے غرق ہوگیا یا کوئی جانور دریا میں گر گیا تو ملاح پر اس کا ضمان نہیں کیونکہ اس میں آدمی کا ضمان ہے اور آدمی کا ضمان عقد سے واجب نہیں ہوتا بلکہ جنایت کرنے سے واجب ہوتا ہے۔

قولہ[۲] اذا فصد الفصّادُ یعنی فصّاد نے اگر فصد کھولی یا چوپایوں کے داغ دینے والوں نے داغ دیا اور وہ فصد یا داغ اپنی معتاد جگہ سے نہیں بڑھا تو اگر آدمی یا چوپایہ اس سے تلف ہوجائے۔ تو ان دونوں پر ضمان نہیں اور اگر فصد وغیرہ اپنی معتاد جگہ سے تجاوز کر گئی تو اس پر ضمان ہوگا۔

وَالْاَجِیْرُ[۱] الْخَاصُّ ھُوَ الَّذِیْ یَسْتَحِقُّ الْاُجْرَۃَ بِتَسْلِیْمِ نَفْسِہٖ فِی الْمُدَّۃِ وَاِنْ لَمْ یَعْمَلْ کَمَنْ اسْتَاجَرَ رَجُلًا شَھْرًا لِلْخِدْمَۃِ اَوْ لِرَعْیِ الْغَنَمِ وَلَا ضَمَانَ عَلَی الْاَجِیْرِ الْخَاصِّ فِیْمَا تَلِفَ فِیْ یَدِہٖ وَلَا فِیْمَا تَلِفَ مِنْ عَمَلِہٖ اِلَّا اَنْ یَتَعَدّٰی فَیَضْمَنُ وَالْاِجَارَۃُ[۲] تُفْسِدُھَا الشُّرُوْطُ کَمَا تُفْسِدُ الْبَیْعَ وَمَنْ[۳] اسْتَاجَرَ عَبْدًا لِلْخِدْمَۃِ فَلَیْسَ لَہٗ اَنْ یُّسَافِرَ بِہٖ اِلَّا اَنْ یَّشْتَرِطَ فِیْہِ ذٰلِکَ فِی الْعَقْدِ وَمَنْ[۴] اسْتَاجَرَ جَمَلًا یَحْمِلُ عَلَیْہِ مَحْمِلًا وَرَاکِبَیْنِ اِلٰی مَکَّۃَ جَازَ وَلَہُ الْمَحْمِلُ الْمُعْتَادُ وَاِنْ شَاھَدَ الْجَمَّالُ الْمَحْمِلَ فَھُوَ اَجْوَدُ وَاِنْ اسْتَاجَرَ بَعِیْرًا لِیَحْمِلَ عَلَیْہِ مِقْدَارًا مِّنَ الزَّادِ فَاَکَلَ مِنْہُ فِی الطَّرِیْقِ جَازَ لَہٗ اَنْ یَّرُدَّ عِوَضَ مَا اَکَلَ۔

ترجمہ: — اور اجیر خاص وہ ہے جو خود کو مدت میں حاضر کر دینے سے اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ ابھی کام نہ کیا ہو جیسے کسی کو ایک ماہ خدمت کیلئے یا بکریاں چرانے کیلئے مزدوری پر لیا اور اجیر خاص پر ضمان نہیں ہوتا اس کا جو اس کے پاس تلف ہو جائے اس کے عمل سے مگر یہ کہ زیادتی کرے تو ضامن ہو جائے گا اور شرطیں اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں جیسے وہ مبیع کو فاسد کر دیتی ہیں اور جس نے غلام کو خدمت کیلئے لیا تو اس کو سفر میں نہیں لے جا سکتا مگر یہ کہ اس کے عقد میں شرط کر لے اور جس نے اونٹ کو اجرت پر لیا تاکہ اس پر کجاوہ رکھ کر مکہ تک دو آدمی کو سوار کرے تو جائز ہے اور وہ معتاد کجاوہ رکھ سکتا ہے اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو اور اچھا ہے اور اگر اونٹ کو توشہ کی ایک مقدار اٹھانے کیلئے اجرت پر لیا پھر کچھ توشہ راستہ میں کھا لیا تو

اس کیلئے جائز ہے کہ وہ اتنا اور رکھ لے جتنا کھایا ہے ۔

تشریح: قولہ[۱] والاجیر الخاص ۔ یعنی مزدور خاص وہ ہے جو اپنی جان کو مستاجر کے سپرد کرنے ہی سے مزدوری کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے ابھی کچھ کام نہ کیا ہو مثلاً کوئی شخص اپنی خدمت کرانے یا بکری چرانے کے واسطے ایک مہینہ کیلئے کسی کو نوکر رکھا اس کا حکم یہ ہے کہ اس مزدور خاص پر ان چیزوں کا تاوان نہیں جو اس کے قبضہ میں ہو کر ہلاک ہو جائے یا اس کے کچھ کرنے سے ہلاک ہو جائیں البتہ اگر کچھ زیادتی کرے تو ضامن ہوگا مثلاً بکریوں کے چرانے میں کسی بکری کی آنکھ پھوڑ دے یا ٹانگ توڑ دے تو اس کا اس کو تاوان دینا پڑے گا لیکن اگر کوئی بکری چوری چلی جائے یا زبردستی سے پکڑ لے تو اس کا اس پر تاوان نہیں ۔

قولہ[۲] والاجارۃ تفسدھا ۔ اجارہ چونکہ بیع کی طرح ہے اس لئے جن چیزوں سے بیع فاسد ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل بیع کے بیان میں گذر چکی ان ہی شرطوں سے اجارہ بھی فاسد ہو جاتا ہے ۔ جیسے یہ شرط لگانا کہ اگر مکان منہدم ہو جائے یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تب بھی اجرت لازم ہوگی ۔ اسی طرح شئی ماجور یا اجرت یا موت وغیرہ کا مجہول ہونا وغیرہ وغیرہ ۔

قولہ[۳] من استاجر عبداً ۔ یعنی اگر کسی نے خدمت کیلئے ایک غلام یا آزاد آدمی کو نوکر رکھا تو اس کو سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں اس لئے کہ حضر کے لحاظ سے سفر میں مشقت زیادہ ہوتی ہے پس مطلق عقد اس کو شامل نہ ہوا البتہ نوکر رکھتے وقت اگر یہ شرط ہو تو دوسری بات ہے یعنی یہ ٹھہرالیا ہو کہ خواہ میں اپنے مکان پر رہوں یا کہیں سفر پر جاؤں، تمہیں میرے ساتھ رہنا پڑے گا ۔

قولہ[۴] ومن استاجر جملاً ۔ یعنی اگر کسی نے ایک اونٹ کرایہ پر لیا تاکہ وہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمیوں کو سوار کر کے مثلاً مکہ تک لے جائے تو وہ جائز ہے اگرچہ قیاس کے اعتبار سے ممنوع ہے اسی کے قائل امام شافعی ہیں کیونکہ کجاوہ کے طول وعرض وثقل وخفت ہر اعتبار سے مجہول ہیں لیکن جائز بطور استحسان ہے کیونکہ وہ جہالت محمل معتاد پر محمول کرنے سے زائل ہو سکتی ہے اور اگر اونٹ والا کجاوہ کو دیکھ لے تو بہتر ہے ۔

والاُجرۃُ[۱] لاتجبُ بالعقدِ وتستحقُ باحدِ ثلاثۃٍ، حَاِنۡ اِمَّا بشرطِ التعجیلِ اَوْ بالتعجیلِ من غیرِ شرطٍ اَوْ باستیفاءِ المعقودِ علیہِ ومَنِ[۲] استاجرَ دارًا فللموجرِ اَنۡ یطالبہٗ باجرۃِ کلِ یومٍ اِلّا اَنۡ یُبیّنَ وقتَ الاستحقاقِ فی العقدِ ومَنِ[۳] استاجرَ بعیرًا اِلٰی مکۃَ فللجمّالِ اَنۡ یطالبہٗ باجرۃِ کلِ مرحلۃٍ ولیسَ للقصّارِ والخیّاطِ اَنۡ یطالبَ بالاجرۃِ حتی یفرغَ من العملِ اِلّا اَنۡ یشترطَ التعجیلَ ومَنِ[۴] استاجرَ

خبازاً لیخبز لہ فی بیتہٖ قفیزاً دقیق بدرہم لم یستحق الاجرۃ حتی یخرج الخبز من التنور، ومن استاجر طباخاً لیطبخ لہ طعاماً للولیمۃ فالغرف علیہ ومن استاجر رجلاً لیضرب لہ لبناً استحق الاجرۃ اذا اقامہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ لا یستحقہا حتی یشرجہ۔

ترجمہ: ــــ اور اجرت عقد سے واجب نہیں ہوتی بلکہ تین امور میں سے کسی ایک سے مستحق ہوتی ہے آیا پیشگی کی شرط سے یا بلاشرط پیشگی دینے سے یا معقود علیہ کے حاصل کرنے سے اور جس نے کرایہ پر مکان لیا تو موجر کو ہر روز کی اجرت طلب کرنے کا حق ہے مگر یہ کہ استحقاق کا وقت عقد میں بیان کر دے اور جس نے اونٹ کو مکہ تک کیلئے کرایہ پہ لے گیا تو اونٹ والا ہر منزل کا کرایہ طلب کر سکتا ہے۔ دھوبی اور درزی کیلئے اجرت کے مطالبہ کا حق نہیں جب تک کہ وہ کام سے فارغ نہ ہو جائے مگر یہ کہ پیشگی کی شرط کرلے اور جس نے نانبائی کو اپنے گھر ایک قفیز آٹے کی روٹی پکانے کیلئے ایک درہم میں اجرت پر لیا تو اجرت کا مستحق نہ ہوگا جب تک کہ روٹی تنور سے نکال دے اور جس نے باورچی کو ولیمہ کا کھانا پکانے کیلئے اجرت پر لیا تو برتن میں اتارنا اسی کے ذمہ ہے اور جس نے اینٹیں بنانے کیلئے کسی کو اجرت پر لیا تو اجرت کا مستحق جب کہ ان کو کھڑی کر دے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صاحبین نے فرمایا کہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا جب تک کہ ان کا چٹا لگا دے۔

تشریح: ــــ قولہ[1] والاجرۃ لا تجب۔ اجرت کرایہ نفس عقد اجارہ سے ہی واجب نہیں ہوتی اس لئے کہ حکم عقد وجود منفعت کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور اجارہ میں منفعت بوقت عقد موجود نہیں ہوتی بلکہ اجرت کا استحقاق تین امور میں سے کسی ایک سے ہوتا ہے آیا جلدی لینے کی شرط کرلی ہو یا مستاجر نے بغیر کسی شرط کے جلدی دیدی یا وہ مزدور اس کام کو کر دے جس پر عقد ہوا تھا۔

قولہ[2] من استاجر داراً۔ یعنی اگر کسی نے ایک مکان کرایہ پر لیا تو مکان والا کو اختیار ہے کہ ہر روز کا کرایہ روزانہ لے لیا کرے کیونکہ ہر روز کی گنجائش اور ہر منزل کی مسافت طے کرنا داخل مقصود ہے اور مستاجر اتنی منفعت حاصل کر چکا ہے

قولہ[3] من استاجر بعیراً۔ یعنی اگر کسی نے ایک اونٹ کو مثلاً مکہ تک جانے کیلئے کرایہ پر لیا تو اونٹ والے کو جائز ہے کہ ہر منزل پر کرایہ طلب کرے لیکن دھوبی اور درزی کو اجرت مانگنے کا اختیار نہیں جبتک کہ اس کام کو پورا نہ کر دیں البتہ اگر جلدی لینے یعنی کام ہونے سے پہلے لینے کی شرط کرلی ہو تو اختیار ہے۔

قولہ[4] من استاجر خبازاً۔ یعنی کسی نے نانبائی کو اس لئے نوکر رکھا تا کہ ایک درہم میں ایک قفیز آٹے کی روٹی اس

کے گھر پکا دے تو وہ جب تک روٹی کو تنور سے نہ نکال دے مزدوری کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ وہ کام روٹی کا تنور سے باہر نکالنے کے بعد ہی مکمل ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ روٹی تنور سے نکالے بغیر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا پس اگر روٹی تنور میں جل گئی تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔

قولہ ۵ من استاجر طباخاً۔ یعنی اگر کسی نے باورچی کو نوکر رکھا تاکہ اس کے ولیمہ کا کھانا پکا دے تو کھانے کے لئے برتن میں اتار دینا اس کا ذمہ ہے یعنی اجرت کا اس وقت مستحق ہوگا جب کہ کھانا برتنوں میں اتار دے۔

قولہ ۶ ومن استاجر رجلاً۔ یعنی کسی نے اگر اینٹیں بنوانے کیلئے کسی آدمی کو اجرت پر لیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ اجرت کا مستحق اس وقت ہوگا جب کہ اینٹوں کو کھڑی کر دے اسی پر فتویٰ ہے صاحبین کا قول یہ ہے کہ وہ اینٹوں کو خشک ہونے کے بعد جب تک ایک جگہ نہ کر دے وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

وَاِذَا قَالَ لِلْخَيَّاطِ اِنْ خِطْتَ هٰذَا الثَّوْبَ فَارِسِيًّا فَبِدِرْهَمٍ وَاِنْ خِطْتَهٗ رُوْمِيًّا فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَاَيَّ الْعَمَلَيْنِ عَمِلَ اسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ وَاِنْ قَالَ اِنْ خِطْتَهُ الْيَوْمَ فَبِدِرْهَمٍ وَاِنْ خِطْتَهٗ غَدًا فَبِنِصْفِ دِرْهَمٍ فَاِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهٗ دِرْهَمٌ وَاِنْ خَاطَهٗ غَدًا فَلَهٗ اَجْرُ مِثْلِهٖ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَلَا يَتَجَاوَزُ بِهٖ نِصْفَ دِرْهَمٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الشَّرْطَانِ جَائِزَانِ وَاَيَّهُمَا عَمِلَ اسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ وَاِنْ قَالَ اِنْ سَكَنْتَ فِيْ هٰذَا الدُّكَّانِ عَطَّارًا فَبِدِرْهَمٍ فِي الشَّهْرِ وَاِنْ سَكَنْتَهٗ حَدَّادًا فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَاَيَّ الْاَمْرَيْنِ فَعَلَ اسْتَحَقَّ الْمُسَمّٰى فِيْهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الْاِجَارَةُ فَاسِدَةٌ

ترجمہ:۔ اور جب کسی نے درزی سے کہا کہ آپ نے یہ کپڑا فارسی طریقے پر سی دیا تو ایک درہم میں ہوگا اور اگر رومی طریقے پر سی دیا تو دو درہم میں ہوگا تو یہ جائز ہے اب جونسا کام کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر کہا کہ اگر آپ نے آج سی دیا تو ایک درہم میں ہوگا اور اگر آپ نے کل سی دیا تو نصف درہم میں پس اگر آج ہی سی دیا تو اس کیلئے ایک درہم ہوگا اور اگر اس کو کل سی دیا تو اجرت اس کی مثل ہوگی جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نصف درہم سے تجاوز نہ کرے گی اور امام ابویوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور جونسا کام کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر کہا کہ اس دکان میں عطار کو ٹھہرایا تو ماہانہ ایک درہم ہوگا اور اگر لوہار کو ٹھہرایا تو دو درہم ہونگے تو یہ جائز ہے ان میں سے جو کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ اجارہ فاسد ہے

تشریح: ــــــ قولہ اذا قال للخیاط ۔ یعنی اگر کسی نے درزی سے کہا کہ اگر تو اس کپڑے شلاً قبا کو فارسی سلائی کرے گا تو ایک روپیہ دوں گا اور اگر رومی سلائی کرے گا تو دو روپیہ دوں گا تو یہ شرط جائز ہے اور ان کاموں میں سے وہ جونسا کام کرے گا ۔ اسی کی اجرت کا مستحق ہو جائے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام زفر و ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح نہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک معقود الیہ فی الحال مجہول ہے ۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ اس نے دو مختلف اور صحیح عقدوں کے درمیان اختیار دیا ہے اور ظاہر ہے اجرت عمل سے واجب ہوتی ہے تو عمل کے وقت اجرت متعین ہو جائے گی پس وہ جیسا سئے گا ویسا ہی اجرت کا مستحق ہوگا ۔

قولہ وان قال ان خطتہ ۔ یعنی اگر کسی نے درزی سے یہ کہا کہ اگر تو آج سی دے تو ایک درہم دوں گا اور اگر کل سی دے گا تو نصف درہم دوں گا پس اگر اس نے اسی روز سی دیا تو اس کا ایک درہم ہوگا اور اگر اگلے روز سی دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اجرت مثل ہو گی یعنی وہ اجرت واجب ہوگی جو ویسے کپڑے کی سلائی کا دستور تھا اور وہ سلائی نصف درہم سے نہیں بڑھے یعنی اگر ایسے کپڑے کی سلائی کا دستور نصف درہم سے زیادہ ہو تو اسے نصف درہم سے زیادہ نہ دئے جائیں گے کیونکہ یہ اس سے پہلے ہی ٹھہر چکے ہیں ۔

قولہ وقال ابو یوسف و محمد ۔ یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ یہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور ان میں سے وہ جونسا کام کرے گا اس کی اجرت کا مستحق ہوگا ۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں اس لئے کپڑے کی سلائی ایک ہے جس کے مقابلہ میں دو بدل بطور بدلیت ذکر کئے گئے ہیں پس بدل مجہول ہوا وجہ یہ ہے کہ آج کا ذکر برائے تعجیل ہے اور کل کا ذکر برائے توسیع ہے تو ہر دن میں دو تسمیہ جمع ہو گئے پس عقد باطل ہو گیا ۔ صاحبین نے فرمایا کہ آج کا ذکر برائے توقیت ہے اور کل کا ذکر برائے تعلیق ہے تو ہر دن میں دو تسمیہ جمع نہ ہوئے پس عقد جائز ہو گیا ۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ کل کا ذکر حقیقۃً تعلیق کیلئے ہے اور آج کے ذکر کو توقیت پر محمول نہیں کیا جا سکتا ورنہ وقت اور عمل کے اجتماع کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے گا پس کل کے دن میں دو تسمیہ جمع ہوئے نہ کہ آج کے دن میں تو شرط اول درست ہوئی اور اجر مسمیٰ واجب اور شرط ثانی فاسد اور اجرت مثل واجب ہوگی ۔

قولہ ان قال ان سکنت ۔ یعنی اگر کسی نے ایک دکان کرایہ پر لیا اور کہا کہ میں اس دکان میں عطاری کروں گا تو ایک درہم ماہواری دوں گا اور اگر لوہار کا کام کروں گا ۔ تو دو درہم دوں گا تو یہ شرط جائز ہے تو ان دونوں کاموں سے یہ جونسا کام کرے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مالک دکان اسی کرایہ کا مستحق ہوگا جو اس صورت میں تعین کیا گیا ہے صاحبین کے نزدیک وہ اجارہ فاسد ہے اس لئے کہ مقصود الیہ ایک ہے اور اجرت دو اور مختلف ہیں ۔

ومَنْ استاجر دارًا کلّ شہرٍ بدرہمٍ فالعقدُ صحیحٌ فی شہرٍ واحدٍ وفاسدٌ فی بقیۃ الشہور الّا اَنْ یُسمّی جملۃَ الشہور معلومۃً فان سکنَ ساعۃً من الشہر الثانی صحّ العقدُ فیہ ولم یکن للموجر اَنْ یخرجہ الی اَن ینقضی الشہرُ وکذلک حکمُ کلِّ شہرٍ یسکنُ فی اولہ یوماً او ساعۃً واذا استاجر دارًا شہرًا بدرہمٍ فسکنَ شہرین فعلیہ اُجرۃُ الشہرِ الاوّل ولاشیٔ علیہ من الشہر الثانی واذا استاجر دارًا سنۃً بعشرۃ دراہمَ جازَ وانْ لم یُسمّ قسطُ کلِّ شہرٍ من الاجرۃِ

ترجمہ:- اور جس نے مکان کو ماہانہ ایک درہم میں کرایہ پر لیا تو عقد صرف ایک ماہ میں صحیح ہوگا اور باقی مہینوں میں فاسد ہوگا مگر یہ کہ مہینے معین کرکے بتادے پس اگر متاجر دوسرے مہینہ میں ایک ساعت ٹھہر گیا تو اس میں بھی عقد صحیح ہوجائے گا اور موجر اس کو نکال نہیں سکتا یہانتک کہ مہینہ گذر جائے اور یہی حکم ہر اس مہینہ کا ہے جس کے شروع میں ایک دن یا ایک ساعت ہوجائے اور جب مکان ایک درہم میں ایک ماہ کیلئے کرایہ پر لیا پس دو ماہ ٹھہر گیا تو اس پر پہلے مہینہ کا کرایہ ہوگا دوسرے مہینہ کا کچھ کرایہ نہ ہوگا اور جب مکان دس درہم میں سال بھر کیلئے لیا تو یہ جائز ہے اگرچہ ماہانہ اجرت کی قسط بیان نہ کرے۔

تشریح:- قولہ[۱] ومن استاجر دارًا۔ یعنی اگر کسی نے مکان کرایہ پر لیا کہ ایک درہم ماہوار دوں گا تو یہ عقد صرف ایک مہینہ کیلئے درست ہے اور باقی مہینوں میں فاسد ہے اس لئے کہ لفظ کل جب ایسی چیزوں پر داخل ہو جن کی کوئی انتہا نہ ہو تو اس کے عموم پر عمل متعذر ہونے کی وجہ سے فرد واحد کی طرف رجوع کرتا ہے اور ایک مہینہ معلوم ہے تو اجارہ ایک ہی مہینہ میں درست ہوگا اور باقی مہینوں میں فاسد! پھر جس مہینہ کے شروع میں متاجر تھوڑی دیر ٹھہرے گا اس میں بھی اجارہ درست ہوجائے گا اس لئے کہ ٹھہرنے کی وجہ سے دونوں کی رضامندی پائی گئی البتہ اگر مہینوں کو معین کرکے ظاہر کردے پھر اگر دوسرے مہینہ میں ایک گھڑی بھی ٹھہر گیا تو اس میں بھی عقد درست ہوجائے گا کیونکہ کل مدت معلوم ہوگئی۔

قولہ[۲] ولم یکن للموجر۔ یعنی کرایہ پر دینے والا کو یہ مجاز نہیں کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے اُسے نکالدے اور یہی حکم ان سب مہینوں کا ہے جن کے شروع میں ایک دن یا ایک ساعت ٹھہر جائے اور اگر کسی نے ایک مکان ایک مہینہ کیلئے ایک درہم کرایہ پر لیا اور دو مہینے رہ گئے تو اس پر پہلے مہینہ کا کرایہ واجب ہے اور دوسرے مہینہ کا کچھ بھی نہیں اور اگر کوئی سال بھر کے لئے دس روپیہ پر ایک مکان کرایہ پر لیلے تو جائز ہے اگرچہ ہر مہینہ کے کرایہ کا نام نہ لے۔

ويجوز[1] اخذ اجرة الحمام والحجام[2] ولا يجوز اخذ اجرة عسب التيس ولا يجوز[3] الاستيجار على الاذان والاقامة وتعليم القرآن والحج ولا يجوز[4] الاستيجار على الغناء والنوح ولا يجوز اجارة المشاع عند ابي حنيفة وقالا رحمهما الله اجارة المشاع جائزة ويجوز[5] استيجار الظئر باجرة معلومة ويجوز بطعامها وكسوتها عند ابي حنيفة رحمه الله وليس[6] للمستاجر ان يمنع زوجها من وطئها فان حبلت كان لهم ان يفسخوا الاجارة اذا خافوا على الصبي من لبنها وعليها ان تصلح طعام الصبي وان ارضعته في المدة بلبن شاة فلا اجرة لها ـ

ترجمہ: ــــ اور حمام اور پچھنے لگانے کی اجرت لینا جائز ہے اور نر کو مادہ پر کودانے کی اجرت لینا جائز نہیں اور اذان اور اقامت اور تعلیم قرآن اور حج پر اجرت لینا جائز نہیں اور گانے اور نوحہ کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں اور مشترک چیز کا اجارہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں اور صاحبین نے فرمایا کہ مشترک چیز کا اجارہ جائز ہے اور دائی کو اجرت پر لینا اجرت معلومہ اور اس کی خوراک اور پوشاک کے عوض تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور مستاجر کو یہ حق نہیں کہ اس کے شوہر کو صحبت کرنے سے روکے پس اگر وہ حاملہ ہو جائے تو انہیں اجارہ فسخ کرنے کا حق ہے جب کہ ان کو اس کے دودھ سے بچہ کے متعلق اندیشہ ہو اور دائی پر بچہ کی غذا کا درست کرنا لازم ہے اور اگر اس نے مدت اجارہ میں بکری کا دودھ پلایا تو اسے اجرت نہیں ملے گی ـ

تشریح: ــــ قولہ[1] یجوز اخذ اجرۃ الحمام ـ حمام کی اجرت تعامل ناس کی وجہ سے جائز ہے اور مدت کا نامعلوم ہونا اس کو ساقط نہیں کرتا اس لئے کہ اس پر اجماع مسلمین ہے اور اسی طرح پچھنا لگانے کی اجرت کو اکثر علماء نے جائز لکھا ہے جبکہ امام احمد بن حنبل اس کے عدم جواز کے قائل ہیں چونکہ سرکار مدینہ نے حجام کی اجرت کو خبیث قرار دیا ہے دلیل احناف کی حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن پچھنا لگوایا اس کے بعد آپ نے اسکی اجرت دی کما فی البخاری والنسائی وغیرہ ـ

قولہ[2] لا یجوز اخذ اجرۃ عسب ـ یعنی گابھن کرنے کیلئے نر کو مادہ پر کودانے کی اجرت لینا جائز نہیں چونکہ بخاری و ابو داؤد و ترمذی وغیرہ میں سیدنا ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ سرکار مدینہ نے نر کو مادہ پر کودانے کی اجرت کو منع فرمایا ہے ـ

قولہ[3] لا یجوز الاستیجار ـ یعنی اذان دینے اور تکبیر کہنے اور قرآن شریف پڑھانے اور حج کرنے بلکہ ہر وہ بندگی جو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالک کے نزدیک امامت پر اجرت لینا جائز ہے جب کہ اس کے ساتھ اذان بھی ہو اور امام شافعی اور ایک روایت امام احمد کے نزدیک ہر اس طاعت پر اجرت لینا جائز ہے جو اجیر پر متعین یعنی واجب عین نہ ہو چونکہ سرکار مدینہ نے ایک شخص کا نکاح تعلیم قرآن کے عوض

کیا تھا پس جب نکاح میں تعلیم قرآن عوض ہو سکتی ہے تو باب اجارہ میں بدرجۂ اولیٰ عوض ہوگی۔ احناف کی دلیل سیدنا عثمان بن ابی العاص کی روایت ہے کہ انہوں نے سرکار مدینہ سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے آپ نے فرمایا کہ تو ان کا امام ہے لیکن موذن اس شخص کو بنانا جو اذان پر اجرت نہ لے نیز سرکار کا ارشاد ہے کہ قرآن پڑھاؤ اور اس کی روٹی نہ کھاؤ۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن سے ثابت ہے کہ عادت وطاعت پر اجرت لینا جائز نہیں رہا سرکار کا تعلیم قرآن پر نکاح کرنا سو اس میں اس کی تصریح نہیں کہ تعلیم قرآن کو مہر بنایا گیا تھا۔ ممکن ہے اس کے اکرام کی وجہ سے بلا مہر نکاح کیا ہو جیسا کہ آپ نے سیدنا ابوطلحہ کا نکاح سیدہ ام سلیم کے ساتھ ان کے اسلام پر کی تھی۔ اسانید واصول کے اعتبار سے اگرچہ طاعتوں پر اجرت لینا جائز نہیں لیکن آج کل فتویٰ اسی پر ہے کہ اذان وامامت وتعلیم قرآن وفقہ وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے کیونکہ اس سے اذان وامامت وغیرہ میں دلچسپی پیدا ہوگی اور ذوق وشوق مائل ہوں گے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری ونہایہ وغیرہ میں ہے۔

قولہ ولا یجوز الاستیجار علی الغناء۔ یعنی گانے اور نوحہ کرنے پر بھی اجرت لینا جائز نہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مشترک مکان کو کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں مثلاً ایک مکان دو آدمیوں کی شراکت کا ہو تو ان میں سے ایک شریک کو اپنے حصہ کا مکان کرایہ پر دینا جائز نہیں البتہ اگر دوسرے شریک کو دیدے تو جائز ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک مشترک چیز کو کرایہ پر دینا مطلقاً جائز ہے یہی قول امام شافعی کا بھی ہے اس لئے کہ اجارہ کا دار ومدار منفعت پر ہے اور مشترک میں منفعت ہوتی ہے۔ دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ اجارہ کا مقصد عین شئی سے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور یہ مشترک میں غیر متصور ہے کیونکہ تسلیم ممکن نہیں۔

قولہ استیجار الظئر۔ دائی یعنی دودھ پلانے والی کی تنخواہ ٹھہرا کر اسے نوکر رکھنا جائز ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے فان ارضعن لکم فاٰتوھن اجورھن یعنی اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرت دو؟ اس طرح خوراک وپوشاک کے عوض اجرت پر لینا بھی جائز ہے۔ صاحبین نے فرمایا کہ وہ بمقتضائے قیاس جائز نہیں کیونکہ اجرت مجہول ہے یہی قول امام شافعی کا ہے دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ جہالت موجب نزاع نہیں اس لئے کہ بچہ کی محبت کی وجہ سے دائی پر خوراک و پوشاک میں کشائش کی عام عادت ہے۔

قولہ ولیس للمستاجر۔ یعنی اس کے نوکر رکھنے والے کو یہ اختیار نہیں کہ اس کے شوہر کو اس سے صحبت کرنے سے روک دے کیونکہ وطی اس کے شوہر کا حق ہے اب اگر دائی حاملہ ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو سکتا ہے اس لئے کہ حاملہ کا دودھ بچہ کیلئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ دائی کو بچہ کی غذا کا درست کرنا لازم ہے اور اگر اس نے اس اجارہ کی مدت میں بچہ کو بکری کا دودھ پلائی تو اس کو تنخواہ نہ ملے گی۔

وکل صانع یعمل اثر فی العین کالقصار والصباغ فلہ ان یحبس العین بعد الفراغ من عملہ حتی یستوفی الاجرۃ ومن

لیس[1] لعملہٖ اثرٌ فی العینِ فلیسَ لہٗ اَنْ یحبسَ العینَ للاجرۃِ کالحمّالِ والملّاحِ واذا اشترطَ علی الصانعِ ان یعملَ بنفسہٖ فلیسَ لہٗ اَن یستعملَ غیرہٗ وانْ اطلقَ لہٗ العملَ فلہٗ اَنْ یستاجرَ من یعملہٗ واذا[3] اختلفَ الخیّاطُ والصّباغُ وصاحبُ الثوبِ فقالَ صاحبُ الثوبِ للخیّاطِ امرتکَ اَنْ تعملہٗ قباءً وقالَ الخیّاطُ قمیصًا اوقالَ صاحبُ الثوبِ للصبّاغِ امرتکَ اَنْ تصبغہٗ احمرَ بصبغتہٖ اصفرَ فالقولُ قولُ صاحبِ الثوبِ مع یمینہٖ فانْ حلفَ فالخیّاطُ ضامنٌ

ترجمہ: ــــ ہروہ کاریگر کہ جس کے فعل کا اثر عین شیٔ میں ظاہر ہو جیسے دھوبی اور رنگریز شیٔ کو اپنے کام سے فارغ ہو کر روک سکتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی اجرت لے لے اور جن کے فعل کا اثر شیٔ میں ظاہر نہ ہو تو وہ شیٔ کو اجرت کی وجہ سے نہیں روک سکتا جیسے باربردار اور ملاح اور جب کاریگر سے کام خود کرنے کی شرط کرلی ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے سے کرائے اور اگر عمل کو مطلق رکھا تو وہ اس کو نوکر رکھ سکتا ہے جو اس کام کو کرے اور جب درزی اور رنگریز اور کپڑے کے مالک میں اختلاف ہو جائے تو کپڑے کا مالک درزی سے کہے کہ میں نے قباء بنانے کیلئے کہا تھا درزی کہے کہ قمیص کیلئے کہا تھا یا کپڑے کا مالک رنگریز سے کہے کہ میں نے سرخ رنگنے کیلئے کہا تھا تو نے زرد رنگ دیا تو قول کپڑے مالک کا اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا پس اگر وہ قسم کھالے تو درزی ضامن ہوگا۔

تشریح: ــــ قولہ[1] کل صانع۔ جس مزدور کے فعل کا اثر اس چیز میں ظاہر ہو جیسے دھوبی اور رنگریز کہ دھوبی کے دھونے اور رنگریز کے رنگنے کا اثر کپڑے میں ظاہر ہوتا ہے تو اُسے جائز ہے کہ اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد جبتک اپنی اجرت نہ لے لیں اس کپڑے وغیرہ کو نہ دیں کیونکہ معقود علیہ وہ وصف ہے جو کپڑے کے ساتھ قائم ہے تو مزدور استیفاء بدل کیلئے روکنے کا حقدار ہوگا اور روکنے کے بعد وہ چیز اگر ہلاک ہو جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مزدور پر تاوان لازم نہ ہوگا اس لئے کہ اس کی طرف سے کوئی تعدی نہیں تو جس طرح وہ چیز پہلے امانت کے طور پر تھی اسی طرح باقی رہ گئی لیکن مزدور کو اجرت نہ ملے گی کیونکہ معقود علیہ تسلیم سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا۔ صاحبین کے نزدیک روکنے سے پہلے شیٔ چونکہ مضمون تھی اس لئے روکنے کے بعد بھی وہ مضمون ہوگی البتہ مالک کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ شیٔ کی اس قیمت کا تاوان لے جو عمل سے پہلے تھی اور اجرت نہ دے اور چاہے تو اس قیمت کا تاوان لے جو عمل کے بعد ہے اور مزدوری دے۔

قولہ[2] من لیس لعملہ اثر۔ یعنی جس مزدور کے فعل کا اثر اس چیز میں ظاہر نہ ہو جیسے ساربان و ملاح وغیرہ اُسے اجرت لینے کے لئے اُس چیز کو روک لینا جائز نہیں کیونکہ معقود علیہ یہاں نفس عمل ہے جو عین شیٔ کے ساتھ قائم نہیں اور اس کو روکنا بھی درست نہیں۔ امام زفرؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مزدور کو روکنے کا حق نہیں اور اگر کسی پیشہ ور سے یہ شرط کرلی گئی تو یہ کام وہ خود کرے تو اس کو جائز نہیں کہ دوسرے سے کرائے اور اگر کوئی

شرط قرار نہ دیں تو اس کو اختیار ہے کہ ایسے آدمی کو نوکر رکھ لے جو اس کام کو کر دے۔

قولہ[۳] واذا اختلف الخیاط۔ یعنی جب درزی اور رنگریز اور مالک کا کپڑے میں اختلاف ہو جائے مثلاً کپڑا والا درزی سے کہے کہ میں نے تجھے قباء بنانے کو کہا تھا اور درزی کہے کہ میں نے کرتا کو کہا تھا یا کپڑا والا رنگریز سے کہے کہ میں نے تجھے سرخ رنگنے کو کہا تھا اور تو نے زرد رنگ دی تو ان صورتوں میں کپڑے والے کا قول قسم کے ساتھ معتبر سمجھا جائے گا اور درزی یا رنگریز اس کا ضامن ہوگا کیونکہ مزدور کو عمل کی اجازت مالک کی جانب سے ہوتی ہے اور مالک اُس کی کیفیت سے زیادہ واقف ہے۔

وَاِنْ[۱] قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ عَمِلْتَهٗ لِیْ بِغَیْرِ اُجْرَۃٍ وَقَالَ الصَّانِعُ بِاُجْرَۃٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ یَمِیْنِهٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ کَانَ حَرِیْفًا لَّهٗ فَلَهُ الْاُجْرَۃُ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ حَرِیْفًا لَّهٗ فَلَا اُجْرَۃَ لَهٗ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ کَانَ الصَّانِعُ مُبْتَذِلًا لِّهٰذِهِ الصَّنْعَۃِ بِالْاُجْرَۃِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ مَعَ یَمِیْنِهٖ اَنَّهٗ عَمِلَهٗ بِاُجْرَۃٍ وَالْوَاجِبُ[۲] فِی الْاِجَارَۃِ الْفَاسِدَۃِ اُجْرَۃُ الْمِثْلِ لَا یُتَجَاوَزُ بِهَا الْمُسَمّٰی وَاِذَا قَبَضَ[۳] الْمُسْتَاجِرُ الدَّارَ فَعَلَیْهِ الْاُجْرَۃُ وَاِنْ لَّمْ یَسْکُنْهَا فَاِنْ غَصَبَهَا غَاصِبٌ مِّنْ یَّدِهٖ سَقَطَتِ الْاُجْرَۃُ وَاِنْ وَجَدَ بِهَا عَیْبًا یَّضُرُّ بِالسُّکْنٰی فَلَهُ الْفَسْخُ

ترجمہ: ـــــــ اور اگر کپڑا کے مالک نے کہا کہ تو نے میرے لئے بلا اجرت کام کیا ہے۔ کاریگر نے کہا کہ اجرت سے کیا ہے تو کپڑا کے مالک کا قول معتبر ہوگا۔ اس کی قسم کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ اگر اس کا پیشہ ہی یہ ہے تو اس کیلئے اجرت ہوگی اور اگر اس کا یہ پیشہ نہیں تو اجرت نہ ہوگی اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر وہ کاریگر اس کام کو اجرت سے کرنے میں مشہور ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ کہ اس نے کام اجرت پر کیا ہے اور اجارہ فاسدہ میں اجرت مثل واجب ہوتی ہے جو ٹھہرائی ہوئی سے نہیں بڑھے گی۔ اور جب مستاجر نے مکان پر قبضہ کر لیا تو اس پر کرایہ واجب ہے اگرچہ اس میں نہ رہے پس اگر اس سے کسی غاصب نے مکان غصب کر لیا تو کرایہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اس میں ایسا عیب پائے جو رہائش کیلئے نقصان دہ ہو تو اس کو فسخ کا اختیار ہے

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] وان قال صاحب الثوب۔ یعنی کپڑا والا نے کہا کہ تو نے یہ کام مفت میں کر دیا ہے اور وہ کہے میں نے اجرت سے کیا ہے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک کپڑا والے کا قول قسم کے ساتھ معتبر سمجھا جائے گا اور امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ اگر اس کا پیشہ یہی ہے تو اس کو اجرت دی جائے گی اور اگر وہ اس کا پیشہ نہیں تو

اس کو اجرت نہ دی جائیگی اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر وہ کاریگر اس کام کو اجرت سے کرنے میں مشہور ہے تو قسم کے ساتھ اسی کا قول مانا جائے گا۔ وہ اس طرح قسم کھائے کہ میں نے یہ کام اجرت سے کیا ہے۔ در مختار میں فتوی امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے اور تنویر و زیلعی وغیرہ میں امام محمد کے قول پر!

قولہ[۵] والواجب فی الاجارۃ الفاسدۃ۔ یعنی اجارہ فاسدہ میں مثلی مزدوری واجب ہوتی ہے کہ جو ٹھہرائی ہے اس سے نہ بڑھے۔ امام شافعی کے نزدیک اجرت مثل دی جائے گی اگرچہ مسمی سے زیادہ ہو یہی قول امام زفر کا ہے وہ قیاس کرتے ہیں بیع فاسد پر کہ اس میں بیع کی قیمت واجب ہوتی ہے خواہ قیمت کتنی ہو۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ منافع فی نفسہا متقوم نہیں بلکہ عقد کی وجہ سے متقوم ہوتے ہیں اور عقد میں متعاقدین نے خود اجر مسمی پر اتفاق کر کے زیادتی کو ساقط کر دیا ہے اسی وجہ سے زائد مقدار ساقط ہو جائے گی۔

قولہ[۶] اذا قبض المستاجر۔ یعنی کرایہ دار نے جب مکان یا دکان وغیرہ پر اپنا قبضہ کر لیا تو کرایہ اس کے ذمہ واجب ہو گیا اگرچہ وہ اس مکان میں نہ رہے اور اگر کسی غاصب نے یہ مکان اس سے غصب کر لیا تو کرایہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اس میں کوئی ایسا عیب پائے جس سے رہنے میں تکلیف ہو تو کرایہ دار اس اجارہ کو فسخ کر سکتا ہے۔

وَاِذَا خَرِبَتِ الدَّارُ[۱] اَوِ انْقَطَعَ شِرْبُ الضَّیْعَۃِ اَوِ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنِ الرَّحٰی انْفَسَخَتِ الْاِجَارَۃُ وَاِذَا مَاتَ[۲] اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ وَقَدْ عَقَدَ الْاِجَارَۃَ لِنَفْسِہٖ انْفَسَخَتِ الْاِجَارَۃُ وَاِنْ کَانَ عَقَدَہَا لِغَیْرِہٖ لَمْ تَنْفَسِخْ وَیَصِحُّ[۳] شَرْطُ الْخِیَارِ فِی الْاِجَارَۃِ کَمَا فِی الْبَیْعِ

ترجمہ: ــــ اور جب گھر ویران ہو جائے یا آب پاشی کی زمین یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائیگا اور متعاقدین میں سے جب کوئی مر گیا در انحالیکہ اجارہ اس نے اپنے ہی لئے کیا تھا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا اور اگر کسی اور کیلئے کیا ہے تو فسخ نہ ہو گا اور اجارہ میں شرط خیار صحیح ہے جس طرح بیع میں صحیح ہے۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] اذا خربت الدار۔ یعنی جب مکان ویران ہو جائے یا آب پاشی کی زمین کا پانی بند ہو جائے یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تو وہ اجارہ ٹوٹ جائے گا۔ واضح ہو کہ اجارہ چند امور سے ٹوٹ جاتا ہے ایک تو وہی ہے جو گذرا کہ اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو جائے جس سے منفعت فوت ہو جائے پس یہ اسی طرح ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع فوت ہو جائے کہ اس سے بیع ٹوٹ جاتی ہے لیکن اگر مستاجر نے عیب دار ہی سے پورا فائدہ حاصل کر لیا تو کل بدل لازم ہو گا اور مالک نے اگر اس عیب کا ازالہ کر دیا تو اب مستاجر کو فسخ اجارہ کا حق حاصل نہ ہو گا اور

دوسرا اذا مات الخ سے اور تیسرا یصح شرط الخیار الخ سے اور چوتھا تنفسخ الاجارۃ بالاعذار الخ سے آگے بیان مذکور ہے

قولہ[۲] اذا مات ۔ ان دونوں معاملہ کنندہ یعنی مکان دار یا کرایہ دار میں سے اگر کوئی ایک مرگیا تو اجارہ ٹوٹ جائے گا جبکہ انہوں نے اجارہ اپنے لئے کیا ہو ۔ مرنے والا اگر موجر ہے تو وہ اس لئے ٹوٹے گا کہ مرنے کے بعد شئی اس کے ورثہ کی ہوگی اب اگر مستاجر اس سے نفع حاصل کرتا ہے تو ملک غیر سے نفع حاصل کرنا لازم آیا جو ممنوع ہے اور اگر مستاجر مرجائے تو وہ اس لئے ٹوٹے گا کہ اس صورت میں ملک غیر سے اجرت کی ادائیگی لازم آتی ہے جو کہ یہ بھی ممنوع ہے البتہ اجارہ اگر غیر کیلئے ہو چنانچہ وکیل نے موکل کیلئے یا عاقد متولی وقف تھا تو دو معاملہ کنندہ میں سے ایک کے مرنے سے اجارہ نہ ٹوٹے گا چونکہ اس صورت میں ملک غیر سے نفع حاصل کرنا یا اجرت ادا کرنا لازم نہ آیا ۔

قولہ[۳] یصح شرط الخیار ۔ یعنی اجارہ میں موجر یا مستاجر کیلئے خیار شرط ہو تو جائز ہے اجارہ اس وجہ سے بھی ٹوٹ سکتا ہے ۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اجارہ میں خیار شرط کو جائز قرار نہیں دیتے دلیل احناف کی یہ ہے کہ اجارہ ایک عقد معاوضہ ہے جس کیلئے مجلس میں قبضہ ہونا ضروری نہیں تو بیع کی طرح اس میں بھی خیار شرط درست ہے ۔

وتنفسخ[۱] الاجارۃُ بالاعذارِ کمَنْ استاجرَ دکاناً فی السوقِ لیتجر فیہ فذھبَ مالُہٗ وکمَنْ اجر داراً او دکاناً ثم افلسَ فلزمتہٗ دیونٌ لایقدر علیٰ قضاءِ ھا الا من ثمن ما اجر فسخَ القاضی العقدَ وباعھا فی الدَّیْنِ ومَنْ[۲] استاجرَ دابۃً لیسافرَ علیھا ثم بدا لہٗ من السفرِ فھو عذرٌ وان بدا للمکاری من السفرِ فلیس ذلک بعذرٍ

ترجمہ: ــــــ اور اجارہ عذروں سے ٹوٹ جاتا ہے مثلاً کسی نے بازار میں دکان کو تجارت کیلئے کرایہ پر لیا پھر اس کا مال جاتا رہا یا کسی نے مکان یا دکان کرایہ پر دیا پھر وہ مفلس ہوگیا اور اس کے ذمہ اتنا قرضہ ہوگیا جس کو ادا نہیں کرسکتا مگر کرایہ پر دی ہوئی چیز کی قیمت سے تو قاضی عقد کو فسخ کردے اور اس کو قرض میں بیچ دے اور کسی نے سفر کیلئے گھوڑا کرایہ پر لیا پھر ارادہ ملتوی ہوگیا تو وہ بھی عذر ہے اور اگر کرایہ دینے والے کی رائے سفر میں جانے سے بدل جائے تو وہ عذر نہیں

تشریح: ــــــ قولہ[۱] تنفسخ الاجارہ ۔ اجارہ کے بعد اگر کوئی عذر پیدا ہوجائے تو اجارہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً کسی نے بازار میں دوکان کرایہ پر لیا تاکہ اس میں تجارت کرے پھر اس کا مال جاتا رہا یا کسی شخص نے ایک مکان یا دکان کرایہ پر دی پھر وہ مفلس ہوگیا اور اس کے ذمہ اس قدر قرض ہوگیا کہ جو کچھ اس نے مکان وغیرہ کرایہ پر دے رکھا

تھا اس کی قیمت کے بغیر وہ اپنے قرضہ کو ادا نہیں کر پاتا تو حاکم اس اجارہ کے عقد کو فسخ کر دے اور اس کو قرض میں بیچ دے۔

قولہ ۲۷: من استاجر: یعنی کسی نے اگر سفر میں جانے کے لئے گھوڑا کرایہ پر لیا پھر اس کے سفر کا ارادہ ملتوی ہو گیا تو یہ بھی عذر ہے اور اگر کرایہ دینے والے کی راہ سفر میں جانے سے بدل جائے تو اس کا یہ عذر نہ ہو گا۔ بتقدیر اول عذر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ اس اجارہ کے موافق ہو گیا تو اس کا زیادہ نقصان ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حج کے لئے جاتا ہے اور اس کے حج کا وقت نکل جاتا ہے یا اپنے قرض دار کو ڈھونڈھنے جانا چاہتا ہے اور وہ اس کے گھر آجاتا ہے۔ اس کے جانے کی ضرورت نہیں اور بتقدیر دوم عذر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا کر سکتا ہے کہ وہ خود اپنے گھر میں رہے اور گھوڑا وغیرہ کے ساتھ کسی دوسرے مزدور یا اپنے غلام کو بھیج دے۔

هذا ما تيسر لهذا العبد المذنب المحتاج الى ربه الهادى محمد المدعو به محمد شبير الفورنوى الرشيدى الاشرفى قد كان شرعه فى اربع من محرم الحرام من سنة عشرين بعد الالف واربع مائته ٤/ محرم الحرام ١٤٢٠ھ) وقد فرغ عنه فى سابع و عشرين من رمضان المبارك من سنته عشرين واربع مائته (٢٧/رمضان المبارك ١٤٢٠ھ) من هجرة النبى الكريم عليه الصلوٰة والتسليم.

اللهم اجعله ، بين الشروح كالشمس بين النجوم . والحمدلله اولاً واخراً و والصلوٰة والسلام على نبيه المصطفىٰ وعلى آله وصحبه البرزالتقى .

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

ایضاح الشکوری
فی شرح
مختصر القدوری

جلد 2

مصنف ...... الامام العلامہ ابی الحسین محمد بن احمد القدوری رحمۃ اللہ علیہ

شارح ...... حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شبیر پورنوی مدظلہ العالی

باھتمام ...... محمد قاسم جلالی

(بانی و چیئر مین ویلکم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، کراچی، پاکستان)

ناشر

قاسم پبلیکیشنز

اردو بازار کراچی

092-0300-2196801☆0300-2134630

الابتدائیہ

نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل
علیہ والصلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ واٰلہ واصحابہ وائمتہ
وعلماء ائمتہ اجمعین۔

"ایضاح الشکوری فی شرح مختصر القدوری" جلد اوّل جو شروع کتاب یعنی کتاب الصلوٰۃ سے کتاب الاجارۃ تک ہے۔ سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کا اصرار ہوا کہ اس کی جلد ثانی جو کتاب الشفعۃ سے اخیر کتاب یعنی باب حساب الفرائض تک ہو لکھا جائے۔ تاکہ اس کے طالبان کیلئے معلومات حاصل ہو جائے۔ پس اس کی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے جلد ثانی بھی لکھی گئی، جو جلد اوّل کی طرح آسان، واضح، شرح اور سلیس و عام فہم ترجمہ کیا گیا ہے اور ہر عبارت کو اعراب سے مزین و آراستہ کیا گیا ہے تاکہ مبتدی طلبہ کو بھی سمجھنے میں دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ربّ کریم سے استدعا ہے کہ اس جلد ثانی کو بھی جلد اوّل و متن کی طرح قبولیت عامہ عطا فرمائے اور میرے و میرے والدین و اساتذہ کے لیے معافی سیئات و حسن خاتمہ کا موجب بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والثناء

احقر
محمد شبیر نورانی

فہرست ایضاح الشکوری فی شرح مختصر القدوری جلد دوم

کتاب[1] الشفعۃ

ترجمہ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شفعہ کا بیان

تشریح:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اللہ ربُّ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلما ۔ نحنُ عبادُ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلما

قولہ[1] کتاب الشفعۃ ۔ شفعہ کا معنی لغت میں جفت کرنا اور ملانا ہے پس شفعہ ضد ہے وتر کا اور اصطلاح میں شفعہ کہتے ہیں مشتری پر زبردستی کرکے اس مال کے عوض بقعہ کے مالک ہو جانے کو جس کے عوض وہ بقعہ مشتری کو اس کی خرید میں پڑا ہو ۔ اس میں زبردستی کی قید سے بیع خارج ہو گئی کیونکہ وہ رضا کے ساتھ ہوتی ہے اور مشتری کی قید سے ملک بلا عوض سے احتراز ہو گیا جیسے ھبہ بلا عوض اور میراث وغیرہ اور اس ملک[1] سے بھی احتراز ہو گیا جو بعوض عین ہو جیسے مہر واجارہ و خلع وغیرہ کہ ان میں شفعہ نہیں ۔

الشفعۃ[1] واجبۃٌ للخلیطِ فی نفسِ المبیعِ ثم للخلیطِ فی حقِ المبیعِ کالشربِ[2] والطریقِ ثم للجارِ[3]

ترجمہ: ۔۔۔ شفعہ اس کیلئے ثابت ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو پھر اس کیلئے جو حق مبیع میں شریک ہو جیسے دونوں مکانوں کے پانی نکلنے کی موری اور دونوں کا راستہ ایک ہو ۔ پھر شفعہ پڑوسی کیلئے ہے ۔

تشریح: ۔۔۔۔ قولہ[1] الشفعۃ واجبۃ :۔ وجوب سے یہاں مراد ثبوت ہے کیونکہ شفعہ نہ کرنے سے آدمی گنہ گار نہیں ہوتا خلاصہ یہ کہ حق شفعہ بدلیت کے طور پر تین شخصوں کے لئے ثابت ہے اول اس کے لئے جو نفس مبیع میں شریک ہو اور اگر وہ طلب نہ کرے تو اس کے بعد اس کے لئے جو حق مبیع میں شریک ہو اور اگر وہ بھی طلب نہ کرے تو اس کے بعد اس پڑوسی کیلئے جو مشفوعہ جگہ سے متصل ہو مثلاً ایک جگہ اگر دو شریکوں میں مشترک ہو اور ایک شریک نے اس کو کسی غیر کے ہاتھ فروخت کر دی تو حق شفعہ پہلے شریک کے لئے ثابت ہوگا اور اگر وہ طلب نہ کرے تو اس کا حق زائل ہو جائیگا اور اگر اس جگہ کے حقوق میں کچھ لوگ شریک ہوں یعنی اس جگہ میں کبھی بٹوارا ہو چکا تھا اور ہر ایک نے اپنا حصہ لے لیا ہے مگر راستہ میں ہر ایک کی شرکت ہنوز باقی ہے اور نفس مبیع کے شریک نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو حق شفعہ شریک حق مبیع کے لئے ہوگا اور اگر وہ بھی چھوڑ دے تو پڑوسی کے لئے ہوگا ۔

قولہ[2] کالشرب والطریق :۔ شُرب دو طرح کے ہیں ایک شرب خاص اور دوسرا شرب عام ۔ شرب خاص وہ ہے جس میں کشتیاں وغیرہ نہیں چلتیں بلکہ وہ مخصوص زمینوں میں پانی دینے کے لئے ہے پس جن لوگوں کی زمین اس نہر سے سیراب ہوتی ہیں اور اس شرب میں شریک ہیں ۔ اور شرب عام وہ ہے جس میں کشتیاں وغیرہ چلتی ہوں اور شریک حق مبیع کے لئے جو شفعہ حاصل ہے وہ اس وقت جب کہ شرب خاص ہو اور اگر شرب عام ہو تو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اسی طرح طریق بھی دو طرح کے ہیں طریق عام اور طریق خاص اور یہاں طریقوں سے مراد طریق خاص ہے طریق عام نہیں ۔

قولہ ثم للجار۔ یعنی حق شفعہ جار ملاصق کو بھی حاصل ہے کیونکہ پڑوسی سے جب ملک متصل ہوگی تو اس کو ضرور ضرر پہونچے گا اور ضرر کو دور کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ مشتری نے جس طرح وہ مکان خریدا ہے اسی طرح وہ پڑوسی کا مکان بھی خریدے دوسرا یہ کہ پڑوسی کو حق حاصل ہو کہ وہ خریدے ہوئے حصہ کو لیلے لیکن چونکہ پڑوسی اصیل ہے اور مشتری دخیل اور شرع نے اصیل کو ترجیح دی ہے لہذا اصیل ہی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے گا کیونکہ اگر مشتری پڑوسی کا مکان خریدنے کا مختار ہو تو پڑوسی کے حق میں یہ مزید ضرر ہوگا کہ وہ اپنے باپ دادا کی جائداد اور جائے سکونت سے نکالا جائے جو سراسر ظلم ہے اس کے علاوہ سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ الجار احق بسقبہ وغیرہ۔

ولیس للشریک فی الطریق والشرب والجار شفعۃ مع الخلیط فان سلم الخلیط فالشفعۃ للشریک فی الطریق فان سلم اخذھا الجار والشفعۃ تجب[٢] بعقد البیع وتستقر[٣] بالاشھاد وتملک[٤] بالاخذ اذا اسلمھا المشتری او حکم بھا حاکم

ترجمہ: ـــــ اور راستہ اور پانی کے حق میں شریک کیلئے اور پڑوسی کیلئے شریک کے ساتھ مبیع میں شفعہ نہیں پس اگر شریک چھوڑ دے تو شفعہ اس کے لئے ہوگا جو راستہ میں شریک ہے پس اگر وہ بھی چھوڑ دے تو پڑوسی کے لئے اور شفعہ عقد بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے اور گواہ بنانے سے پختہ ہو جاتا ہے اور لے لینے سے مالک ہو جاتا ہے جب اس کو مشتری دیدے یا حاکم اس کا حکم کردے،

تشریح: ـــــ قولہ[١] ولیس للشریک۔ یعنی جو نفس مبیع میں شریک ہو اس کے ہوتے راستہ اور موری میں شریک کو اور پڑوسی کو حق شفعہ نہیں پہونچتا پس اگر وہ شریک شفعہ سے دست کشی کرلے تو حق شفعہ اس کو پہونچے گا جو راستہ میں شریک ہو پس اگر وہ بھی دست کشی کرلے تو پھر پڑوسی اس کو لیلے۔ پڑوسی سے مراد وہ ہے جس کا مکان اس کے مکان کے برابر ہو اور دیواریں دونوں مکانوں کی متصل ہوں،

قولہ[٢] تجب بعقد البیع۔ یعنی شفعہ کا ثبوت عقد بیع کے بعد ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت بیع کے سبب سے نہیں ہوتا چونکہ حق شفعہ کا سبب اتصال ملک ہے عقد بیع نہیں کیونکہ عقد بیع سبب ہے اس حق کے لینے کا جس طرح زکوٰۃ کہ اس کا سبب وجوب امر باری تعالیٰ ہے۔ لیکن وجوب ادا کا سبب حولان حول ہے۔

قولہ[٣] تستقر بالاشھاد۔ شفعہ اگرچہ بیع کے بعد ہی ثابت ہو جاتا ہے لیکن اس میں استقرار و استحکام اس وقت ہوتا ہے جب کہ بیع کی خبر ملنے پر شفیع اسی مجلس میں فوری یہ کہدے کہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے اس زمین یا مکان میں شفعہ طلب کیا ہے اور اگر اس مجلس میں نہ کہا تو شفعہ باطل ہو جائے گا اس لئے کہ بیع کی خبر ہونے پر اس کو اپنی رغبت کا اظہار گواہ بنانے

ہی سے ہوتا ہے ۔

قولہ تملک بالاخذ۔ یعنی شفعہ کا مالک شفعہ دار مکان کو لینے سے ہوتا ہے جبکہ مشتری اس کو شفیع کے حوالہ کر دے یا حاکم اس کو دینے کا حکم صادر کر دے کیونکہ خریدنے سے مشتری کا ملک تام ہو گیا ہے اور وہ شفیع کی طرف اسی وقت منتقل ہو گیا جبکہ جانبین کی رضا ہو یا حاکم کا حکم ہو ۔

واذا علم الشفيع بالبيع اشهد في مجلسه ذلك على المطالبة ثم ينهض منه فيشهد على البائع ان كان المبيع في يده او على المبتاع او عند العقار فاذا فعل ذلك استقرت شفعته ولم تسقط بالتاخير عند ابي حنيفة رحمه الله وقال محمد ان تركها من غير عذر شهرا بعد الاشهاد بطلت شفعته۔

ترجمہ:۔ اور جب شفیع کو بیع کا علم ہو جائے تو وہ اسی مجلس میں مطالبہ پر گواہ بنا لے پھر وہاں سے اٹھکر بائع پر گواہ بنا دے اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری یعنی خریدی ہوئی چیز پر گواہ کر دے یا جائداد پر پس جب وہ کر چکا تو اس کا حق شفعہ پختہ ہو گیا اور تاخیر سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک حق شفعہ ساقط نہ ہوگا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گواہ کرنے کے بعد بغیر عذر کے ایک ماہ تک اگر شفعہ چھوڑ دیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا ۔

تشریح:۔ قولہ واذا علم۔ بیان شفعہ میں چونکہ شفیع کے لئے تین طرح کی طلب ضروری ہوتی ہے ۔ اس لئے یہاں ان تینوں کو بیان کیا جاتا ہے اول بیع کا علم ہوتے ہی اپنا شفعہ طلب کرے اس کو طلب مواثبہ کہا جاتا ہے دوم اس کے بعد بائع پر گواہ قائم کرے اگر زمین اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری پر یا زمین کے پاس گواہ قائم کرے اس طلب کو طلب اشہاد و استحقاق کہا جاتا ہے وہ مثلاً شفیع یہ کہے کہ یہ مکان فلاں نے خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور مجلس علم میں شفعہ کر چکا ہوں اور اب میں اس کو طلب کرتا ہوں آپ لوگ اس پر گواہ رہیں سوم ان دونوں طلبوں کے بعد قاضی کے پاس مطالبہ کرے اس طلب کو طلب تملیک و طلب خصومت کہا جاتا ہے وہ مثلاً شفیع اس طرح کہے کہ فلاں شخص نے فلاں مکان خریدا ہے اور میں اس کا فلاں وجہ سے شفیع ہوں پس آپ اس کو دلا دینے کا حکم صادر کر دیں ۔

قولہ ولم تسقط۔ تیسری طلب میں تاخیر کرنے سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک شفعہ ساقط نہیں ہوتا یعنی اگر کسی نے یہ گواہ وغیرہ کا بندوبست کر کے شفعہ کا دعوی کرنے کیلئے عدالت میں جانے میں تاخیر کر دی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس تاخیر سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا یہی ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر گواہ کرنے کے بعد بغیر کسی عذر کے اس نے ایک ماہ تک شفعہ چھوڑ رکھا تو اس کا شفعہ جاتا رہے گا کیونکہ تاخیر کی صورت میں مشتری کا نقصان لازم آتا ہے اس لئے کہ وہ اس خوف سے کہیں شفیع شفعہ کا دعوی نہ کر بیٹھے کوئی تصرف نہ کر سکے گا اسی وجہ سے طلب شفعہ کو ایک ماہ سے کم تک محدود کہا جائے گا کہ ایک ماہ سے کم کو مدت قلیلہ اور ایک ماہ سے زائد کو مدت

بعیدہ شمار کیا جاتا ہے دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ شفیع کا حق چونکہ طلب مواثبہ اور طلب اشہاد کے بعد پورے طور پر ثابت ہو گیا پس اب وہ حق اس کے ساقط کئے بغیر ساقط نہیں ہوگا پس اس کو جب شفیع ساقط نہ کرے ساقط نہ ہوگا۔ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

والشفعۃ[1] واجبۃٌ فی العقارِ وان کان مما لایقسم کالحمامِ والرحی والبئر والدورِ الصغارِ ولاشفعۃ[2] فی البناءِ والنخلِ اذا بیع بدون العرصۃِ ولاشفعۃ[3] فی العروضِ والسفنِ والمسلم[4] والذمی فی الشفعۃِ سواءٌ واذا ملک العقار بعوضٍ ھو مالٌ وجبت فیہ الشفعۃُ۔

ترجمہ: —— اور شفعہ جائداد میں ثابت ہوتا ہے اگرچہ وہ قابل تقسیم نہ ہو جیسے حمام اور پن چکی اور چھوٹا مکان اور عمارت اور باغ میں نہیں جب کہ وہ بلا صحن فروخت ہوں اور اسباب وکشتیوں میں بھی شفعہ نہیں اور مسلمان و ذمی شفعہ میں برابر ہیں اور جب جائداد کا ایسی چیز کے عوض مالک ہو جو مال ہے تو اس میں شفعہ واجب ہے۔

تشریح: —— قولہ[1] والشفعۃ واجبۃ۔ شفعہ اس مکان یا زمین میں بھی ثابت ہوتا ہے جو بعوض مال مملوک ہو اگرچہ وہ ایسے ہوں جو تقسیم کو قبول نہ کرے جیسے حمام اور کنواں اور چھوٹا مکان کہ وہ تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہیں رہے چونکہ شفعہ سے متعلق نصوص مطلق ہیں اور اس لئے بھی کہ مروی ہے۔ قضی رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالشفعۃ فی کل شیء۔

قولہ[2] ولاشفعۃ فی البناء۔ یعنی اس مکان اور باغ میں بھی شفعہ نہیں جو مکان بدون صحن کے یا باغ بدون میدان کے بیع کیا جائے اس لئے کہ صرف مکان اور باغ کیلئے دوام وقرار نہیں کہ منقولات میں سے ہیں۔

قولہ[3] ولاشفعۃ فی العروض۔ یعنی اسباب وکشتیوں میں بھی شفعہ نہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لاشفعۃ الا فی ربع او حائط۔ ربع سے مراد مکان وصحن ومنزل ہے اور حائط سے مراد باغ اور اس لئے بھی کہ کشتی اسباب کی طرح منقول ہیں اور ظاہر ہے منقول میں شفعہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ زوال پذیر ہے وہ ایک جگہ قائم نہیں ہوتا۔

قولہ[4] والمسلم والذمی: یعنی استحقاق شفعہ میں مسلمان اور ذمی دونوں برابر ہیں چونکہ شفعہ میں جو حکمت ہے وہ رفع ضرر! دونوں میں برابر ہے اسی طرح مکاتب وماذون اور باغی اور عادل اور مرد وعورت اور چھوٹا اور بڑا ہر ایک استحقاق شفعہ میں برابر ہیں اور اگر کوئی کسی زمین یا مکان کا مال کے عوض مالک ہو تو اس میں شفعہ ثابت ہے۔ مالک ہو، کہا گیا خریدار ہو اس لئے نہیں کہ شفعہ اس ھبہ میں بھی ہوتا ہے جو بہ شرط عوض ہو

ولاشفعۃَ[1] فی الدارِ التی یتزوج الرجل علیھا او یخالع المرأۃ بھا او یستاجر بھا دارا او یصالح من دم عمدٍ او یعتق علیھا

عبدٍ اَوْ یُصَالِحُ عنها بانکارٍ اوسکوتٍ فان صَالَحَ عنها باقرارٍ وجبت فیہ الشفعۃُ ۔

ترجمہ:۔۔۔۔ اور شفعہ اس مکان میں جائز نہیں جس کے عوض کوئی شادی کرے یا اس کے عوض عورت سے خلع کرے یا اس کے عوض کوئی مکان کرایہ پر لے یا دم عمد کے صلح نامہ میں دے یا اس کے عوض غلام آزاد کرے یا صلح کرلی جائے اس پر انکار یا سکوت کے بعد پس اگر اقرار کے ساتھ اس پر صلح کی تو اس میں شفعہ ثابت ہے ۔

تشریح:۔۔۔۔ قولہ[۱] ولا شفعۃ فی الدار:۔ یعنی ایسے مکان میں شفعہ نہیں ہوتا جس کو شوہر نے اپنی بیوی کو مہر میں دیا ہو یا بیوی نے اپنے شوہر کو خلع کے عوض دیا ہو یا اس کے عوض کوئی دوسرا مکان کرایہ پر لیا ہو یا قتل عمد کے صلح کرنے میں دیا ہو یا غلام کے آزاد کرنے میں ملا ہو مثلاً مالک نے غلام سے کہا کہ میں تجھے فلاں شخص کے مکان کے عوض آزاد کرتا ہوں اور اس شخص نے وہ مکان غلام کو ھبہ کردیا پس اگر وہ مکان غلام اپنے آقا کو دے تو اس میں شفعہ نہیں اس لئے کہ شفعہ کہتے ہیں مال کو مال کے عوض مبادلہ کرنے کو اور مذکورہ صورتوں میں عوض جو مہر واجرت وبدل خلع وغیرہ ہیں مال نہیں ۔

قولہ[۲] او یصالح عنہا ۔ یعنی کسی نے انکار یا سکوت کے ساتھ اس مکان پر صلح کرلی ہو پس اگر اس پر اقرار کے ساتھ صلح کی ہے تو اس میں شفعہ ثابت ہے ۔ اقرار کے ساتھ صلح کرنے کی صورت یہ ہے مثلاً کسی شخص نے دوسرے پر بیس روپے کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اقرار کیا کہ بے شک یہ روپیہ مجھے دینے ہیں لیکن اس کے پاس روپیہ بالکل نہیں البتہ مکان یا زمین ہے تو اگر چند آدمی پنچ بنکر ایک مکان یا زمین پر ان کی آپس میں صلح کرادیں تو اس مکان یا زمین میں حق شفعہ جاری نہ ہوگا کیونکہ یہ صلح اقرار کے ساتھ ہوتی ہے مدعی علیہ نے اقرار کرلیا تھا ۔

واذا تقدم[۱] الشفیعُ الی القاضی فادعی الشراء وطلب الشفعۃ سأل القاضی المدعیٰ علیہ عنہا فان اعترف بملکہ الذی یشفع والا کلفہٗ باقامۃ البینۃِ فان عجز عن البینۃ استحلف المشتری باللہ ما یعلم انہٗ مالک الذی ذکرہٗ مما یشفع بہ فان نکل عن الیمین او قامت للشفیع بینۃٌ سأل القاضی هل ابتاع اُمْ لا فان انکر الابتیاع قیل للشفیع اقم البینۃَ فان عجز عنہا استحلف المشتری باللہِ ما ابتاع او باللہ ما یستحق علیّ فی ھذہ الدار شفعۃ من الوجہ الذی ذکرہٗ ۔

ترجمہ:۔۔۔ اور جب شفیع قاضی کے پاس جائے اور خریدنے کا دعویٰ کرے اور شفعہ طلب کرے تو قاضی مدعی علیہ سے اس کے بارے دریافت کرے پس اگر وہ اس مکان کی ملکیت کا اقرار کرے جس سے وہ شفعہ کرتا ہے تو بہتر ہے ورنہ مدعی سے ثبوت مانگے پس اگر وہ ثبوت سے عاجز ہو تو مشتری سے قسم لے کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں اس مکان کا مالک ہوں جس کے

شفعہ کا یہ دعوی کرتا ہے پس اگر وہ قسم سے انکار کرے یا شفیع کو بینہ حاصل ہو جاتے تو قاضی مدعیٰ علیہ سے دریافت کرے کہ آپ نے خریدا ہے یا نہیں پس اگر وہ خریدنے کا انکار کرے تو شفیع سے کہا جائے گا کہ بینہ قائم کریں پس اگر وہ اس سے عاجز ہو تو مشتری سے قسم لے کہ خدا کی قسم میں نے نہیں خریدا یا خدا کی قسم وہ اس مکان پر اس طرح شفعہ کا مستحق نہیں جس طرح اس نے ذکر کیا ہے ۔

تشریح :۔ قولہ[۱] واذا تقدم الشفیع ۔ یعنی شفیع جب قاضی کے پاس شفعہ کا دعوی کرے اور اس کے خریدنے کا دعویٰ اور شفعہ طلب کرے تو قاضی مدعیٰ علیہ سے شفعہ سے متعلق دریافت کرے کہ اس کے شفعہ والا مکان کا تو مالک ہے یا نہیں پس اگر وہ اس مکان کی ملکیت کا اقرار کرے جس سے وہ شفعہ کرتا ہے تو بہتر ہے ورنہ قاضی مدعی سے ثبوت مانگے ۔ اگر وہ پورا ثبوت نہ دے تو پھر مشتری یعنی اس مدعیٰ علیہ سے قاضی قسم لے اس طرح کہ خدا کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس مکان کا مالک ہوں پس اگر وہ قسم سے انکار کرے یا شفیع یعنی مدعی کسی طرح ثبوت دیدے تو اس مکان میں جس کے شفعہ کا نزاع ہے مدعی علیہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور اس کے بعد قاضی مدعیٰ علیہ سے پوچھے کہ آپ نے یہ مکان خریدا ہے ؟ یا نہیں اگر وہ خریدنے کا انکار کرے تو پھر شفیع سے کہا جائے کہ ثبوت پیش کریں کہ یہ مکان اس نے خریدا ہے ، اگر شفیع ثبوت نہ دے سکے تو قاضی اس مشتری سے دوسری قسم لے اس طرح کہ قسم ہے اللہ کی میں نے یہ مکان نہیں خریدا یا یوں کہے کہ قسم ہے اللہ کی اس مکان پر شفعہ کے دعوی کرنے کا یہ شفیع مستحق نہیں اس صورت سے جو یہ بیان کرتا ہے ۔

وتجوز المنازعۃ[۱] فی الشفعۃ وان لم یحضر الشفیع الثمن الی مجلس القاضی واذا قضی القاضی لہ بالشفعۃ لزمہ احضار الثمن وللشفیع[۲] ان یرد الدار بخیار العیب والرویۃ وان احضر الشفیع البائع والمبیع فی یدہ فلہ ان یخاصمہ فی الشفعۃ ولا یسمع القاضی البینۃ حتی یحضر المشتری فیفسخ البیع بمشہد منہ ویقضی بالشفعۃ علی البائع ویجعل العہدۃ علیہ ۔

ترجمہ :۔ اور شفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے اگرچہ شفیع قاضی کے پاس ثمن لے کر نہ آیا ہو اور جب قاضی اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ کر دے تو اس پر ثمن پیش کرنا لازم ہے اور شفیع مکان کو خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے اور اگر شفیع بائع کو واپس کر دے اور مبیع اسی کے قبضہ میں ہو تو شفیع اس سے شفعہ سے متعلق جھگڑ سکتا ہے اور قاضی بینہ نہ سنے یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے پس بیع کو اس کی موجودگی میں فسخ کر دے اور بائع پر شفعہ کا حکم لگا دے اور بائع پر ذمہ داری ڈال دے ۔

تشریح :۔ قولہ[۱] تجوز المنازعۃ ۔ یعنی شفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے اور دعوی شفعہ کے ساتھ روپیہ پیش کرنا کوئی ضروری نہیں جب کہ قضاء قاضی کے بعد پیش کرنا ضروری ہے یہ طرفین کے نزدیک ہے لیکن امام محمد نے فرمایا کہ شفیع جب تک روپیہ پیش نہ کرے قاضی حکم شفعہ نہیں دے گا اس لئے کہ ممکن ہے شفیع مفلس ہو ۔ دلیل طرفین کی یہ ہے کہ حکم قاضی سے پہلے شفیع

پر کوئی چیز ضروری نہیں جس طرح روپیہ کی ادائیگی ضروری نہیں اسی طرح قاضی کے دربار میں روپیہ لانا بھی ضروری نہیں۔

قولہ وللشفیع ان یرد۔ یعنی شفیع کے لئے جائز ہے کہ خیار عیب یا خیار رؤیت کی وجہ سے اس شفعہ والے مکان کو واپس کر دے کیونکہ شفیع مشتری کی منزل میں ہوتا ہے اور جب شفیع نے بائع کو قاضی کے پاس حاضر کر دیا اور مبیع بائع ہی کے قبضہ میں ہے تو شفعہ سے متعلق شفیع سے جھگڑا جائز ہے لیکن قاضی گواہی وغیرہ اس وقت نہ سنے جب تک مشتری حاضر نہ ہو جائے پھر اس کے حاضر ہونے کے بعد اس کی موجودگی میں بیع کو فسخ کر دے اور بائع پر شفیع کا حکم لگا دے اور اس کا خرچہ بائع پر ڈالے۔

واذا ترک الشفیع الاشہاد حین علم بالبیع وھو یقدر علیٰ ذٰلک بطلت شفعتہ وکذٰلک ان اشھد فی المجلس ولم یشھد علیٰ احد المتعاقدین ولا عند العقار وان صالح من شفعتہ علیٰ عوض اخذ لا بطلت الشفعۃ ویرد العوض واذا مات الشفیع بطلت شفعتہ واذا مات المشتری لم تسقط الشفعۃ وان باع الشفیع ما یشفع بہ قبل ان یقضیٰ لہ بالشفعۃ بطلت شفعتہ ووکیل البائع اذا باع وھو الشفیع فلا شفعۃ لہ وکذٰلک ان ضمن الشفیع الدرک عن البائع۔

ترجمہ: ــــ اور جب شفیع گواہ بنانا چھوڑ دے جس وقت مکان کی فروختگی جان جائے حالانکہ وہ اس پر قادر تھا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور اسی طرح اگر وہ مجلس میں گواہ بنالے اور بائع یا مشتری کے پاس گواہ نہ بنائے اور نہ جائیداد کے پاس اور اگر اپنے شفعہ سے کسی عوض پر صلح کر لی تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور وہ عوض لوٹا دے گا اور جب شفیع مر جائے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جب مشتری مر جائے تو شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ اور اگر شفیع وہ مکان فروخت کر دے جس کی وجہ سے شفعہ کا حکم ہونے سے پہلے ہی شفعہ کا دعویدار ہے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور بائع کا وکیل اگر مکان فروخت کر دے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ نہیں اور اسی طرح شفیع اگر بائع کی طرف سے عوارض کا ضامن ہو جائے۔

تشریح: ــــ قولہ واذا ترک الشفیع۔ یعنی کسی شفیع کو اگر اس کے شفعہ کا مکان فروخت ہونا معلوم ہو جائے اور اس نے اس وقت کسی کو گواہ قرار نہیں دیا حالانکہ گواہ کر سکتا تھا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا خلاصہ یہ کہ شفیع نے اگر طلب مواثبہ اور طلب تقریر کو چھوڑ دیا تو حق شفعہ زائل ہو جائے گا اس لئے کہ یہ دلیل اعراض ہے اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے وہیں بیٹھے کسی کو گواہ کر لیا اور بائع یا مشتری یا اس مکان وغیرہ کے پاس کسی کو گواہ نہیں کیا تو اس صورت میں بھی حق شفعہ زائل ہو جائے گا

قولہ وان صالح۔ یعنی اگر کسی نے کچھ روپیہ کے عوض شفعہ سے صلح کر لی اور وہ روپیہ بھی وصول کر لیا تو شفعہ جاتا رہے گا اور وہ روپیہ واپس دینا پڑے گا کیونکہ شفعہ کا معاوضہ اس کے قبول کر لینے سے معلوم ہوا کہ اسے شفعہ لینا منظور نہیں

قولہ ٣ واذا مات الشفیع : یعنی جب شفعہ طلب کرنے اور دونوں جگہ اس کے گواہ گذار دینے کے بعد اور شفعہ لینے سے پہلے شفیع مرجائے تو شفعہ باطل ہوجائیگا اور ورثہ کو شفعہ لینے کا اختیار نہیں کیونکہ شفعہ محض حق تملک کو کہتے ہیں جو حق والا کے مرجانے کے بعد باقی نہیں رہتا پس اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی البتہ مشتری کے مرنے سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا کیونکہ شفعہ کا مستحق شفیع ہے لہذا سقوط و بقاء کے لئے شفیع کا اعتبار کیا جائے گا۔

قولہ ٤ وان باع الشفیع ۔ یعنی جس مکان وغیرہ کی وجہ سے شفیع اپنے شفعہ کا دعوی کرتا تھا اگر اس کو اس سے پہلے ہی فروخت کر دیا کہ قاضی اس کے لئے شفعہ کا حکم دے تو اس کا شفعہ زائل ہوجائے گا کیونکہ تملک سے پہلے ہی سبب استحقاق یعنی اتصال بالملک زائل ہو گیا۔

قولہ ٥ وکیل البائع : یعنی بائع کے وکیل نے جب کسی ایسے مکان کو فروخت کر دیا جو مثلاً تین آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک نے دوسرے کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا وکیل بنایا۔ وکیل نے اس کو فروخت کر دیا تو نفس مبیع میں شرکت کا حق شفعہ نہ وکیل کیلئے ہوگا اور نہ موکل کے لئے بلکہ تیسرے شریک کے لئے ہوگا کیونکہ پہلا شخص بائع ہے اور دوسرا مبیع اور بائع شفعہ کے ذریعہ مکان لے کر اس عقد بیع کو توڑنا چاہتا ہے جو اس کی جانب سے تام ہو گیا اس لئے کہ وہ شفعہ کے ذریعہ لے لینے کے بعد مشتری کہلائے گا بائع نہیں جبکہ وہ بائع تھا اور اسی طرح شفیع بائع کی طرف سے اگر خود عوارض کا ضامن ہو گیا تو اس کیلئے بھی حق شفعہ نہ ہوگا۔

وَوَکِیْلُ ١ المشتری اذا ابتاع وهو الشفیع فله الشفعة ومن ٢ باع بشرط الخیار فلا شفعة للشفیع فان اسقط البائع الخیار وجبت الشفعة وان ٣ اشتری بشرط الخیار وجبت الشفعة ومن ابتاع دارا شراءً فاسدا فلا شفعة فیها ولکل ٤ واحد من المتعاقدین الفسخ فان سقط الفسخ وجبت الشفعة واذا ٥ اشتری الذمی دارا بخمر او خنزیر وشفیعها ذمی اخذها بمثل الخمر وقیمة الخنزیر وان کان شفیعها مسلما اخذها بقیمة الخمر والخنزیر ولا شفعة ٦ فی الهبة الا ان تکون بعوض مشروط ۔

ترجمہ : ______ اور مشتری کا وکیل جب کوئی مکان خریدے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ ہے اور جس نے بشرط خیار بیع کی تو اس میں شفیع کیلئے شفعہ نہیں پس اگر بائع خیار کو ساقط کر دے تو شفعہ واجب ہو جائیگا اور اگر کوئی بشرط خیار خریدے تو شفعہ واجب ہے اور جو شخص مکان خریدے شراء فاسد کے ساتھ تو اس میں شفعہ نہیں اور متعاقدین میں سے ہر ایک کیلئے فسخ کرنے کی گنجائش ہے پس اگر فسخ ہونا ساقط ہو گیا تو شفعہ واجب ہو جائے گا اور اگر ذمی نے شراب یا خنزیر کے عوض مکان خریدا اور اس کا شفیع بھی کوئی ذمی ہے تو وہ اتنی ہی شراب اور سور کی قیمت دیکر لیلے اور اگر شفیع مسلمان ہو تو شراب اور

سور دونوں کی قیمت دیکر لے اور ھبہ میں شفعہ نہیں مگر یہ کہ وہ عوض کے سبب مشروط ہو۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] وکیل المشتری: یعنی مشتری کے وکیل نے جب کوئی مکان وغیرہ خریدا حالانکہ وہ خود اس کا شفیع بھی ہے مثلاً ایک مکان تین آدمیوں میں مشترک ہو ان میں سے ایک نے دوسرے کو تیسرے کا حصہ خریدنے کیلئے وکیل بنایا تو وکیل اور موکل دونوں کیلئے حق شفعہ ہوگا کیونکہ شراء کی صورت میں اظہار رغبت ہے نہ کہ اظہار اعراض جب کہ شفعہ اظہار اعراض سے باطل ہوجاتا ہے اظہار رغبت سے نہیں۔

قولہ[۲] ومن باع بشرط الخیار: یعنی اگر کسی نے خیار شرط سے کوئی مکان فروخت کیا تو اس میں خیار ساقط ہونے تک شفعہ نہ ہوگا اس لئے کہ بائع کا خیار زوال ملک سے مانع ہوتا ہے اور اگر بائع نے خیار کو ساقط کر دیا تو اس وقت اس میں شفعہ واجب ہوجائے گا اس میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ چیز جس میں شفعہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے بائع کے ملک سے اگر نکل چکی ہے کسی طرح کے شرط وغیرہ نہ ہو تو اس میں ضرور شفعہ ہوگا اور اگر شرط وغیرہ کی وجہ سے ابھی بائع کے ملک میں ہے تو اس میں شفعہ نہ ہوگا۔

قولہ[۳] وان اشتری بشرط: یعنی مشتری نے کوئی مکان اگر خیار شرط سے خریدا تو اس میں شفعہ واجب ہے اور اگر کسی نے شراء فاسد کے ساتھ کوئی مکان خریدا تو اس میں شفعہ نہیں کیونکہ شراء فاسد میں مبیع پر مشتری کا قبضہ ہونے سے پہلے تو وہ بائع کی ملک میں رہتی ہے اس لئے شفعہ نہیں ہوسکتا اور قبضہ ہونے کے بعد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں فسخ ہونے کا احتمال ہے۔

قولہ[۴] لکل واحد من: متعاقدین یعنی بائع و مشتری میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ بیع کو فسخ کر دے اور اگر فسخ ہونا ساقط ہوجاتے تو شفعہ واجب ہوجائے گا فسخ کے ساقط ہونے کی صورت مثلاً یہ ہے کہ مشتری نے مکان وغیرہ کو اگر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس میں شفعہ واجب ہوجائے گا اس لئے کہ حق شفعہ سے رکا رہنا محض حق فسخ باقی رہنے کی وجہ سے تھا اور جب حق فسخ ساقط ہوگیا تو شفعہ واجب ہوجائے گا۔

قولہ[۵] اذا اشتری الذمی: یعنی کسی ذمی نے اگر شراب یا سور کے عوض ایک مکان خریدا اور اس مکان کا شفیع بھی ذمی ہے تو وہ اتنی ہی شراب اور سور کی قیمت دیکر مکان کو لیلے اس لئے کہ شراب مثلی ہے اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہے اور اگر شفیع مسلمان ہے تو وہ شراب اور سور دونوں کی قیمت دیکر لیلے کیونکہ مسلمان کے لئے شراب کی تملیک اور تملک دونوں ممنوع ہیں۔

قولہ[۶] ولا شفعۃ فی الھبۃ: یعنی ھبہ میں شفعہ نہیں البتہ اگر ھبہ کسی مشروط عوض کے ساتھ ہو تو شفعہ ہوسکتا ہے مثلاً اگر کسی نے کوئی مکان وغیرہ کسی کو ھبہ کر دیا ہے تو اس مکان وغیرہ میں شفعہ نہیں چل سکتا البتہ ھبہ اگر کسی مشروط عوض کے ساتھ ہو مثلاً واھب کہے کہ میں آپکے لئے یہ مکان اس شرط پر ھبہ کرتا ہوں کہ آپ اتنے روپیے مجھے دیدیں اور یہ معاوضہ ہونے کے بعد دونوں کا اپنی اپنی چیز پر قبضہ بھی ہوجائے اس لئے کہ اگر دونوں کا قبضہ نہ ہو یا ایک کا ہوا ور دوسرے کا نہیں تو پھر بھی شفعہ نہ ہوگا کیونکہ ھبہ میں قبضہ ہونا ضروری ہے اور جب قبضہ نہیں تو ھبہ بھی پورا نہ ہوگا اور وہ پہلے ہی مالک کے ملک میں رہ جائیگا

واذا اختلف الشفیع والمشتری فی الثمن فالقول قول المشتری فان اقاما البینة فالبینة بینة الشفیع عند
ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله وقال ابو یوسف رحمه الله البینة بینة المشتری واذا ادعی المشتری ثمنا
اکثر وادعی البائع اقل منه ولم یقبض الثمن اخذها الشفیع بما قال البائع وکان ذلک حطا
عن المشتری وان کان قبض الثمن اخذ بما قال المشتری ولم یلتفت الی قول البائع واذا حط البائع عن
المشتری بعض الثمن یسقط ذلک عن الشفیع وان حط عنه جمیع الثمن لم یسقط عن الشفیع واذا زاد
المشتری للبائع فی الثمن لم تلزم الزیادة للشفیع

ترجمہ:۔ — اور جب شفیع و مشتری ثمن میں اختلاف کریں تو قول مشتری کا معتبر ہوگا پس اگر دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو شفیع کا بینہ معتبر ہوگا امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مشتری کا بینہ معتبر ہوگا اور جب مشتری زیادہ قیمت کا دعوی کرے اور بائع اس سے کم کا اور ابھی اس نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو اس کو شفیع بائع کی کہی ہوئی قیمت میں لیلے اور یہ مشتری کے ذمے سے قیمت کم کرنا ہوگا ۔ اور اگر بائع ثمن لے چکا تو اس کو شفیع مشتری کے کہنے کے مطابق لے اور بائع کے کہنے پر دھیان نہ دے اور جب بائع مشتری سے کچھ قیمت کم کر دے تو اتنی ہی شفیع سے ساقط ہو جائے گی اور اگر پوری قیمت معاف کر دی تو شفیع کے ذمہ سے پوری قیمت ساقط نہ ہوگی اور اگر مشتری نے بائع کو زیادہ قیمت دیدی تو یہ زیادتی شفیع کے ذمہ لازم نہ ہوگی

تشریح:۔ — قولہ۱ واذا اختلف الشفیع ۔ یعنی شفیع اور مشتری کا جب قیمت میں اختلاف ہو جائے تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا اور شفیع کو اختیار ہوگا کہ چاہے وہ اس قیمت سے لیلے جو مشتری کہے اور چاہے نہ لے اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ شفیع گواہ نہ لا سکے اور اگر گواہ لے آئے تو اس کے مواقف حکم دیا جائے گا ۔ شفیع کو اختیار اس وجہ سے ہوگا کہ وہ مشتری پر کم قیمت کے عوض لینے کے استحقاق کا دعویدار ہے اور مشتری اس کا منکر ہے اور ظاہر ہے قسم کے ساتھ منکر کا قول معتبر مانا جائیگا

قولہ۲ فان اقاما البینة ۔ یعنی شفیع اور مشتری دونوں نے اگر گواہ پیش کرائے تو طرفین کے نزدیک شفیع کا قول معتبر ہوگا اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اس کا بینہ مثبت امر زائد ہے اور مثبت امر زائد اولی ہوتا ہے دلیل طرفین کی یہ ہے کہ مشتری کا بینہ اگر مثبت امر زائد ہے لیکن حقیقۃً شفیع کا بینہ اکثر الاثبات ہے یعنی بینہ کسی امر زائد کے الزام کیلئے ہوتا ہے اور یہاں شفیع کا بینہ ملزم ہے مشتری کا نہیں کیونکہ شفیع کا بینہ اگر قبول کر لیا جائے تو مشتری پر لازم ہوگا کہ مکان کو شفیع کے حوالہ کر دے اور مشتری کا بینہ قبول کیا جائے تو شفیع پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا چونکہ اس کو لینے اور نہ لینے دونوں کا اختیار ہے

قولہ۳ اذا ادعی المشتری ۔ یعنی مشتری اگر کچھ زیادہ قیمت کا دعوی کرے اور بائع اس سے کم کا اور بائع نے ابھی قیمت پر قبضہ نہ کیا ہو تو شفیع کے حق میں بائع کا قول معتبر سمجھا جائے گا اور مشتری کے زیادہ کہنے کا کچھ اعتبار نہ ہوگا ۔ مثلاً مشتری نے کہا کہ میں نے یہ مکان چار سو روپیہ میں خریدا ہے اور بائع نے کہا کہ میں نے دو سو روپیہ میں فروخت کیا تو شفیع دو سو روپیہ دیکر مکان کو لیلے گا

خواہ وہ مکان ابھی بائع کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے قبضہ میں آچکا ہو۔ بائع کا قول اس لئے معتبر ہوگا کہ بائع کا قول اگر واقعۃً درست ہے تو ظاہر ہے اس میں منعقد ہو جائے گی اور اگر مشتری کا قول درست ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ بائع نے اپنی جانب سے قیمت کم کر دی اور یہ کمی کا حق اصل میں بائع کا ہے مگر مشتری چونکہ اس مکان کا مستحق ہو چکا ہے اس لئے یہ حق شفیع کو بھی حاصل ہوگا پس حکم کا مدار بائع ہی کے قول پر ہوگا۔

قولہ[۷] وان کان قبض الثمن۔ یعنی بائع اگر قیمت پر قبضہ کر چکا ہے تو شفیع اس مکان کو اسی قیمت سے لیلے جو مشتری کہتا ہے اور بائع کے کہنے پر نہ جائے خواہ وہ قیمت کم بتائے یا زیادہ کیونکہ جب بائع قیمت وصول کر چکا تو بیع تام ہو گئی اور مشتری مبیع کا مالک ہو گیا اور بائع اجنبی محض ہو گیا اور اختلاف صرف شفیع اور مشتری کے درمیان رہ گیا۔

قولہ[۸] واذا حط البائع۔ یعنی بائع اگر مشتری کو قیمت کا کچھ حصہ معاف کر دے تو اتنی ہی قیمت شفیع سے بھی ساقط ہو جائے گی اور اگر بائع نے ساری قیمت معاف کر دی تو شفیع کے ذمہ سے ساری قیمت ساقط نہ ہوگی کیونکہ ساری قیمت ساقط کرنا اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہو سکتا ورنہ شفعہ ہی باطل ہو جائے گا کیونکہ کل قیمت ساقط کرنا دو حال سے خالی نہیں آیا عقد بیع عقد ہبہ ہو جائیگا یا عقد بلا ثمن ہوگا جو فاسد ہے اور ظاہر ہے حق شفعہ نہ ہبہ میں ہوتا ہے اور نہ بیع فاسد میں۔

قولہ[۹] واذا زاد المشتری۔ یعنی مشتری نے بائع کو قیمت سے کچھ روپیہ زیادہ دیدیا تو یہ زیادہ روپیہ دینا شفیع کے ذمہ لازم نہ ہوگا کیونکہ شفیع کو اسی پہلی قیمت پر لینے کا حق حاصل ہو چکا جس پر عقد اول واقع ہو چکا ہے پس بعد میں مشتری کے فعل سے قیمت پر اضافہ نہ ہوگا۔

واذا[۱] اجتمع الشفعاء فالشفعۃ بینہم علی عدد رؤسہم ولا یعتبر باختلاف الاملاک[۲] ومن اشتری دارا بعوض اخذھا الشفیع بقیمتہ وان اشتراھا بمکیل او موزون اخذھا بمثلہ وان[۳] باع عقارا بعقار اخذ الشفیع کل واحد منہما بقیمۃ الآخر

ترجمہ: ——— اور جب چند شفیع جمع ہو جائیں تو شفعہ ان کے درمیان شمار کے مطابق ہوگا اور ملکوں کے اختلاف کا اعتبار نہ ہوگا اور جس نے مکان کو اسباب کے عوض خریدا تو اس کو شفیع قیمت کے عوض لے اور اگر اس کو کیلی یا وزنی چیز کے عوض خریدا تو اس کو اسی کی مثل کے عوض لے اور اگر زمین کو زمین کے عوض فروخت کیا تو شفیع ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی قیمت سے لے

تشریح: ——— قولہ[۱] واذا اجتمع: یعنی ایک مکان کے اگر متعدد شفیع ہوں تو شفعہ ان سب کو برابر ملے گا اور ملکوں کے اختلاف کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ ایک مکان کے تین آدمی مالک تھے لیکن ان میں سے ایک کا نصف مکان تھا اور دوسرے کا تہائی اور تیسرے کا چھٹا حصہ پھر نصف والے نے اپنا سارا حصہ فروخت

کر دیا اور دونوں شفیعوں نے شفعہ کا دعویٰ کیا تو احناف کے نزدیک ان دونوں کو قاضی نصف مکان دلادے گا ان کے املاک کے کم و بیش ہونے کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا اور امام شافعی کے نزدیک شفعہ بھی ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائیگا ۔

قولہ ومن اشتری دارا بعوض ۔ یعنی کسی نے اگر مشفوعہ مکان کو اسباب کے عوض خریدا تو شفیع اس مکان کو اس چیز کی قیمت دیکر لیلے اس لئے کہ اسباب ذوات القیم میں سے ہے اور اگر کسی نے کیلی یا وزنی چیز کے عوض خریدا تو شفیع بھی اس کی مثل کیلی یا وزنی چیز دیکر لیلے کیونکہ وہ اس کا بدل ہے مثلاً کسی نے ایک مکان دس من گیہوں یا اور کسی ایسی ہی چیز کے عوض خریدا تھا تو شفیع بھی دس من گیہوں ہی دیکر لیلے ۔

قولہ وان باع عقارا ۔ یعنی اگر کسی نے ایک زمین کو دوسری زمین کے عوض فروخت کیا ہے تو شفیع ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی قیمت سے لیلے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہ شخص ان دونوں زمینوں کا شفیع ہو لیکن اگر ان میں سے ایک ہی کا شفیع ہو تو بس اسی کو دوسری زمین یعنی جو مشتری نے عوض میں دیا ہے قیمت دیکر لیلے ۔

وَاِذَا بَلَغَ الشَّفِيعَ اَنَّهَا بِيعَتْ بِاَلْفٍ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا بِيعَتْ بِاَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ بِحِنْطَةٍ اَوْ شَعِيرٍ قِيمَتُهَا اَلْفٌ اَوْ اَكْثَرُ فَتَسْلِيمُهُ بَاطِلٌ وَلَهُ الشُّفْعَةُ وَاِنْ بَانَ اَنَّهَا بِيعَتْ بِدَنَانِيرَ قِيمَتُهَا اَلْفٌ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ وَاِذَا قِيلَ لَهُ اِنَّ الْمُشْتَرِيَ فُلَانٌ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهُ غَيْرُهُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ ۔

ترجمہ: ـــــ اور جب شفیع کو یہ خبر پہونچی کہ زمین ایک ہزار میں فروخت ہوئی ہے اس لئے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ اس سے کم میں یا اتنے گیہوں یا جو میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ ہے تو اس کی دست کشی باطل ہے اور اس کے لئے شفعہ ہے اور اگر معلوم ہوا کہ اتنی اشرفیوں میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار ہے تو شفعہ نہیں اور شفیع سے کہا جائے کہ خریدار فلاں ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا ہے پھر معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ ہے تو اس کے لئے شفعہ ہے

تشریح: ـــــ قولہ واذا بلغ الشفیع ۔ یعنی شفیع سے کسی نے اگر یہ بیان کیا کہ آپکے پڑوس میں فلاں مکان ایک ہزار روپیہ میں فروخت ہو گیا ہے ۔ یہ سن کر اس نے شفعہ سے دست کشی کر لی ہو پھر اس کو معلوم ہوا کہ وہ مکان اس سے کم میں فروخت ہوا یا گیہوں یا جو سے فروخت ہوا جن کی قیمت ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ ہے تو اس کا دست کشی کرنا باطل ہے اور وہ شفعہ لے سکتا ہے وجہ یہ کہ اس نے شفعہ سے دست کشی محض قیمت زیادہ سمجھنے کی وجہ سے کی تھی ۔ اور جب قیمت کا کم ہونا معلوم ہو گیا تو اب اس کی دست کشی باطل ہو گئی اور اگر بعد میں یہ معلوم ہوا کہ وہ مکان اشرفیوں سے فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے تو اب اس شفیع کو شفعہ نہ ملیگا کیونکہ روپیہ اور اشرفی ذوات القیم ہونے کی وجہ سے دونوں ایک ہی چیز ہیں پس شفیع نے انکار کر دیا تو اس صورت میں اس کا انکار معتبر ہوگا اور اگر شفیع سے کسی نے یہ کہا کہ آپکے پڑوس کے

مکان کا مشتری فلاں شخص ہے تو اس نے شفعہ سے دست کشی کرلی پھر اس کو معلوم ہوا کہ مشتری کوئی دوسرا ہے تو اس کو شفعہ ملے گا

ومن[1] اشترى دارا لغيره فهو الخصم فى الشفعة الا ان يسلمها الى الموكل واذا باع دارا الا مقدار ذراع فى طول الحد الذى يلى الشفيع فلا شفعة له وان[2] باع منها سهما بثمن ثم ابتاع بقيتها فالشفعة للجار فى السهم الاول دون الثانى واذا ابتاعها بثمن ثم دفع اليه ثوبا عوضا عنه فالشفعة بالثمن دون الثوب

ترجمہ: ـــــ اور جس نے مکان دوسرے کیلئے خریدا تو مدعی علیہ یہ خریدار ہی ہوگا مگر یہ کہ وہ مکان موکل کے حوالہ کردے اور اگر ایک ہاتھ چھوڑ کر مکان فروخت کیا اس کی طرف لمبائی سے جو شفیع سے متصل ہے تو اب شفعہ نہیں اور اگر مکان کا کچھ حصہ قیمۃً خریدا پھر باقی بھی خرید لیا تو پڑوسی کیلئے شفعہ پہلے حصہ میں ہوگا دوسرے حصہ میں نہیں اور اگر مکان قیمۃً خریدا پھر اس کے عوض کپڑا دیدیا تو شفعہ قیمت سے ہوگا کپڑا سے نہیں

تشریح: ـــــ قولہ[1] "ومن اشترى دارا" یعنی اگر کسی نے دوسرے شخص کی طرف سے وکیل بن کر ایک مکان خریدا تو شفعہ میں مدعی علیہ یہی شخص یعنی وکیل ہی ہوگا البتہ اگر اس نے وہ مکان موکل کے حوالہ کردیا ہو تو مدعی علیہ موکل ہوگا اور اگر کسی نے شفیع کی طرف سے لمبائی میں ایک ہاتھ چھوڑ کر باقی سارا مکان کو فروخت کردیا تو اس شفیع کے لئے اب شفعہ نہیں کیونکہ شفعہ کا استحقاق پڑوسی ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس صورت میں جب ایک ہاتھ بھر زمین درمیان میں چھوڑ کر دی تو اب مبیع کے ساتھ تو اتصال اور شفیع کا پڑوسی نہ رہا کیونکہ پڑوس اسی ہاتھ بھر زمین سے ہوتا ہے جو شفیع سے متصل ہے پس جب بائع نے اس کو استثنا کرلیا تو بیع دو چیزوں میں ہوگی جس میں پڑوسی شمار نہیں ہوتا اور یہ شفعہ ساقط کرنے کا ایک[1] حیلہ ہے۔

قولہ[2] "وان باع منها سهما" یعنی اگر کسی نے ایک مکان کا ایک[1] حصہ پہلے خرید لیا تھا اور بعد میں باقی مکان بھی خرید لیا تو ہمسایہ پہلے حصہ میں شفعہ کرسکتا ہے دوسرے میں نہیں۔ شفعہ ساقط کرنے کا یہ دوسرا حیلہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک مکان ایک ہزار روپیہ کی قیمت کا تھا اور اس نے اس کو اس طرح فروخت کرنا چاہا کہ شفیع نہ لے سکے تو وہ اس مکان کے دسویں حصہ کو نو سو روپیہ میں پہلے فروخت کردے اور باقی اس مشتری کے ہاتھ نو حصوں کو سو روپیہ میں فروخت کردے پس شفعہ کا دعویٰ خاص اس دسویں حصہ میں اس قیمت کے ہوسکے گا اور باقی ان نو حصوں میں شفعہ نہ ہوسکے گا کیونکہ جس وقت اس مکان میں ان نو حصوں کو خریدا تو اس دسویں حصہ سے اس مکان میں شریک ہوچکا ہے لہٰذا اب اس سے یہ نو حصے لے سکتا اور اگر کسی نے نقد روپیہ سے کوئی مکان خریدا پھر مشتری نے روپیہ کے عوض بائع کو کپڑا دیدیا تو شفعہ میں روپیہ ہی دیا جائے گا کپڑا نہیں۔

ولا[1] تكره الحيلة فى اسقاط الشفعة عند ابى يوسف رحمه الله وقال محمد رحمه الله تكره[2] واذا بنى المشترى او غرس ثم قضى للشفيع بالشفعة فهو بالخيار ان شاء اخذها بالثمن وقيمة البناء والغرس

مقلوعین وان شاء کلف المشتری بقلعہ۔

ترجمہ ـــــ اور شفعہ ساقط کرنے کیلئے حیلہ کرنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک مکروہ نہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مکروہ ہے اور اگر مشتری نے مکان بنالیا یا باغ لگایا پھر شفیع کے حق میں شفعہ کا فیصلہ ہو گیا تو شفیع کو اختیار ہے چاہے مکان کی قیمت اور اکھڑے ہوئے باغ اور عمارت کی قیمت دیکر لے اور اگر چاہے مشتری کو اکھاڑ لینے پر مجبور کرلے۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] ولا تکرہ الحیلۃ۔ حیلہ اس تدبیر کو کہا جاتا ہے جس سے شفیع مشفوع کو نہ لے سکے معنی عبارت کا یہ کہ شفعہ ساقط کرنے کیلئے کوئی حیلہ کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں جبکہ امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے۔ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ سراجیہ میں ہے کہ حیلہ کا جواز اس وقت ہے جب کہ پڑوس کو اس کی ضرورت نہ ہو اور شرح وقایہ میں ہے کہ شفعہ کا جواز چونکہ پڑوس کے ضرر کو دفع کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ پس اگر مشتری ایسا آدمی ہو جس سے پڑوسی کو نقصان پہونچے تو اس سے شفعہ کو ساقط کرنے کیلئے حیلہ کرنا جائز نہیں اور اگر مشتری نیک آدمی ہو اور شفیع بیہودہ تو حیلہ کر سکتا ہے۔

قولہ[2] واذا بنی المشتری۔ یعنی مشتری نے اگر کوئی زمین خرید کر اس میں مکان بنالیا یا باغ لگالیا پھر شفعہ کی وجہ سے وہ زمین قاضی نے شفیع کو دلادی تو اب شفیع کو اختیار ہے چاہے اس زمین کی قیمت دیکر اس کو اور اس مکان یا باغ کے کھڑے ہوئے کی قیمت دیکر سب کو لیلے اور مشتری سے انھیں اکھڑوا دے اور صرف زمین ہی لیلے یہ طرفین کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسف نے کہا کہ زمین کی قیمت اور عمارت کی قیمت کے ساتھ لے ورنہ بالکل چھوڑ دے۔

وان[1] اخذھا الشفیعُ فبنیٰ او غرس ثم استحقت رجع بالثمن ولا یرجع بقیمۃ البناء والغرسِ واذا[2] انھدمت الدارُ واحترقت بناؤھا او جف شجر البستانِ بغیر عملِ احدٍ فالشفیعُ بالخیار ان شاء اخذھا بجمیع الثمنِ وان شاء ترک وان نقض المشتری البناءَ قیل للشفیع ان شئتَ فخذ العرصۃَ بحصتھا وان شئتَ فدعْ ولیس لہ ان یاخذ النقضَ۔

ترجمہ: ـــــ اور اگر شفیع نے کوئی زمین لے کر مکان بنالیا یا باغ لگالیا پھر اس کا حقدار نکل آیا تو یہ قیمت واپس لے گا اور عمارت اور باغ کی قیمت نہیں لے سکتا اور اگر مکان گر گیا اور اس کی چھت جل گئی یا باغ کے درخت کسی کے کچھ کئے بغیر خشک ہو گئے تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے کل قیمت دیکر لے اور اگر چاہے چھوڑ دے اور اگر مشتری نے عمارت توڑ دی تو شفیع سے کہا جائے گا اگر چاہے تو میدان کو اس کے حصہ کے عوض لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اس کے لئے جائز نہیں کہ توڑے

تشریح: ـــــ قولہ[1] وان اخذھا الشفیع۔ یعنی شفیع نے اگر کوئی زمین لے کر اس میں مکان بنالیا یا باغ لگالیا

پھر اس کا کوئی دوسرا حقدار نکل آیا تو یہ اپنی دی ہوئی قیمت کو بائع سے پھیرے اور مکان اور باغ کی قیمت نہ پھیرے گی کیوں کہ اس کی قیمت اس صورت میں پھر سکتی ہے کہ جب اس کو کسی نے دھوکہ دیا ہوا اور یہاں مشتری وغیرہ کی طرف سے اُسے کوئی دھوکہ نہیں ہوا بلکہ یہ اس نے خود کیا تھا اس لیے اس کا کچھ معاوضہ نہ ملے گا۔

قولہ[۲] واذا انہدم الدار۔ یعنی کسی نے اگر کوئی مکان خرید اتھا پھر وہ مکان گر گیا یا اس کی چھت وغیرہ بغیر کسی کے کچھ کئے جل گئی یا باغ تھا اور اس کے درخت خشک ہو گئے تو اب شفیع کو اختیار ہے چاہے کل قیمت دیکر اس کو لیلے اور چاہے بالکل چھوڑ دے کیونکہ عمارت اور درخت وغیرہ کل زمین کے تابع ہیں اس لئے ان چیزوں کے مقابلہ میں قیمت کی کوئی مقدار نہ ہوگی بلکہ کل قیمت اصل زمین کی ہوگی اور اگر مشتری نے مکان کو خود گرا دیا ہے تو اب شفیع سے کہا جائے گا کہ اگر آپ چاہیں تو اس میدان کو اس کے حصہ کی قیمت دیکر لیں اور اگر چاہے چھوڑ دیں یعنی شفیع سے اسی قدر قیمت ساقط ہو جائیگی اس لئے کہ یہ نقصان مشتری کے فعل سے ہوا ہے اس لئے اب عمارت کے مقابلہ میں قیمت کا حصہ آجائے گا۔

ومن[۱] ابتاع ارضاً وعلیٰ نخلها ثمرٌ اخذها الشفيعُ بثمرها وان جدّها المشتری سقط عن الشفيعِ حصتهٗ[۲] واذا قضی للشفيع بالدار ولم يكن رآها فلهٗ خيارُ الرويةِ فان وجد بها عيباً فلهٗ ان يردها به وانْ كانَ المشتري شرط البراءةَ منه[۳] واذا ابتاع بثمنٍ موجلٍ فالشفيعُ بالخيارِ ان شاء اخذها بثمنٍ حالٍ وان شاء صبر حتی ينقضی الاجل ثم ياخذها واذا اقتسم الشركاء العقارَ فلا شفعةَ لجارهم بالقسمةِ[۴] واذا اشترى داراً فسلم الشفيع الشفعة ثم ردها المشتري بخيارِ رويةٍ او بشرطٍ او بعيبٍ بقضاءِ قاضٍ فلا شفعةَ للشفيعِ وانْ ردها بغير قضاءِ قاضٍ او تقابلا فللشفيعِ الشفعةُ

ترجمہ: ـــــ اور جس نے زمین خرید ا کہ جس درختوں کے پھل لگے ہوئے ہیں تو شفیع اس کو پھل سمیت لیلے اور اگر مشتری نے پھل توڑ دیا تو شفیع سے اتنی ہی قیمت ساقط ہو جائے گی اور جب شفیع کے حق میں مکان کا فیصلہ ہو گیا جس کو اس نے دیکھا نہ تھا تو اس کے لئے خیار رویت ہے پس اگر اس میں عیب پائے تو عیب کی وجہ سے لوٹا سکتا ہے اگرچہ مشتری نے اس سے بری ہونے کی شرط کرلی ہوا اور اگر مکان ادھار خرید ا تو شفیع کو اختیار ہے۔ اگرچہ چاہے۔ فوری قیمت دیکر لیلے اور اگر چاہے صبر کرے یہاں تک کہ مدت گذر جائے پھر اس کو لیلے اور اگر چند شریکوں نے جائداد تقسیم کی تو تقسیم کی وجہ سے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں اور اگر کسی نے مکان خرید ا اور شفیع نے شفعہ کو چھوڑ دیا پھر مشتری نے مکان بہ حکم قاضی خیار رویت یا خیار شرط یا خیار عیب کی وجہ سے واپس کیا تو شفیع کے لئے شفعہ نہیں اور اگر بلا حکم قاضی واپس کیا یا اقالہ کر لیا تو شفیع کے لئے حق شفعہ ہے۔

تشریح: ــــــ قولہ[1] ومن ابتاع۔ یعنی اگر کسی نے ایک باغ خریدا اور اس کے درختوں پر پھل بھی لگا ہوا ہے تو شفیع اس کو مع پھل کے لیلے اور اگر مشتری نے کچھ پھل توڑ لیا ہے تو شفیع اتنی ہی قیمت کم کردے کیونکہ پھل بیع میں داخل ہو کر مقصود تھا پس اس کے مقابل میں قیمت بھی رکھی جائے گی پس اگر پھل کم ہو گیا ہے تو شفیع کے ذمہ سے قیمت بھی کم ہو جائے گی۔

قولہ[2] واذا قضی للشفیع۔ یعنی قاضی نے شفیع کو شفعہ کی وجہ سے ایک مکان کے ملنے کا حکم دیدیا ہے اور وہ مکان ابھی اس شفیع نے دیکھا نہ تھا تو اس کو خیار رویت یعنی دیکھنے کا اختیار ہوگا پس اگر اس میں کوئی عیب معلوم ہو تو اختیار ہے کہ اس کی وجہ سے اس مکان کو واپس کردے اگرچہ مشتری نے اس سے بری ہونے کی شرط کرلی ہو یعنی مشتری نے اگرچہ یہ بھی کہدیا ہو کہ اس میں اگر کوئی عیب ہو تو میں اس کا کوئی ذمہ دار نہ ہوں گا باوجود ہونے کے بھی تمہیں لینا پڑے گا پس مشتری کے اس کہنے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

قولہ[3] واذا ابتاع بثمن موجل۔ یعنی اگر کسی نے کوئی مکان ادھار خریدا اور قیمت ادا کرنے کی کچھ مدت ٹھہرالی تو شفیع کو اختیار ہے چاہے نقد قیمت دیکر اس کو بھی لیلے اور چاہے اس مدت کے ختم ہونے تک صبر کرے اور بعد میں لیلے اور اگر چند شریکوں نے ایک مکان کو تقسیم کیا ہے تو اس تقسیم کرنے کی وجہ سے ان کے پڑوس کو شفعہ نہ پہونچے گا کیونکہ تقسیم کرنا تملیک نہیں بلکہ اس سے حقوق علٰحدہ کئے جاتے ہیں پس اس سے شفعہ کا استحقاق ثابت نہ ہوگا۔

قولہ[4] اذا اشتری داراً۔ یعنی اگر کسی نے مکان خریدا اور شفیع نے شفعہ سے دست کشی کرلی پھر مشتری نے قاضی کے حکم سے خیار رویت یا خیار شرط یا خیار عیب کی وجہ سے واپس کردیا تو اب شفیع کے لئے اس میں شفعہ نہ ہوگا کیونکہ شفعہ بیع کے بعد ہوتا ہے فسخ بیع کے بعد نہیں البتہ اگر خیار عیب کی وجہ سے واپسی بلا قضاء قاضی ہو یا بحکم اقالہ ہو تو شفعہ واجب ہو جائے گا اس لئے کہ عیب کی وجہ سے قضاء قاضی کے بغیر واپس کرنا ابتداءً بیع کی منزل میں ہے اور اس کو اقالہ کہا جاتا ہے کہ وہ تیسرے کے حق میں بمنزلہ بیع ہوتا ہے۔

کتاب[1] الشرکۃ

ترجمہ ــــــ شرکت کا بیان

الشرکۃ[2] علی ضربین شرکۃ املاکٍ وشرکۃ عقودٍ فشرکۃ الاملاک العین یرثھا رجلان او یشتریانھا فلا یجوز لاحدھما ان یتصرف فی نصیب الآخر الا باذنہ وکل واحد منھما فی نصیب صاحبہ کالاجنبی۔

ترجمہ: ـــــ شرکت دو قسموں پر ہے شرکت املاک اور شرکت عقود اور شرکت املاک وہ ہے کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں یا دونوں مل کر خریدیں تو ان میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کے حصہ میں تصرف کرے مگر اس کی اجازت سے اور ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی آدمی کی طرح ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] کتاب الشرکۃ۔ شفعہ کے بعد شرکت کو اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ شفعہ کے بعض مسائل شرکت سے متعلق ہیں اور شرکت کا جواز قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فہم شرکاء فی الثلث اور نبی کریم کا ارشاد ہے کنت شریکی فی الجاہلیۃ فکنت خیر شریک لا تداری ولا تماری۔ شرکت لغت میں بمعنی ملنا و مخلوط کرنا ہے اور اصطلاح میں اس عقد کو کہتے ہیں جو دو آدمیوں کے درمیان اصل اور نفع دونوں میں واقع ہو۔ اگر صرف اصل میں واقع ہو تو اس کو مضاربت کہا جاتا ہے اور اگر صرف راس المال میں واقع ہو تو اس کو بضاعت کہا جاتا ہے۔

قولہ[2] الشرکۃ علی ضربین۔ یعنی شرکت کی دو قسمیں ہیں شرکت املاک اور شرکت عقود۔ شرکت املاک وہ ہے کہ ایک چیز کے دو یا اس سے زائد آدمی خرید وہبہ اور صدقہ اور استیلاء وغیرہ میں سے کسی طرح سے شئ معین کے مالک ہو جائیں حکم اس کا یہ ہے کہ ان دونوں شریکوں میں سے ایک کو دوسرے کے حصہ میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرنا جائز نہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی آدمی کی طرح ہے۔

والضرب[1] الثانی شرکۃ العقود وھی علی اربعۃ اوجہ مفاوضۃ وعنان وشرکۃ الصنائع وشرکۃ الوجوہ فاما شرکۃ المفاوضۃ فھی ان یشترک الرجلان فیتساویان فی مالھما وتصرفھما ودینھما فیجوز بین الحرین المسلمین البالغین العاقلین ولا[2] یجوز بین الحر والمملوک ولا بین الصبی والبالغ ولا بین المسلم والکافر وتنعقد[3] علی الوکالۃ والکفالۃ وما یشتریہ کل واحد منھما یکون علی الشرکۃ الا طعام اھلہ وکسوتھم وما یلزم کل واحد من الدیون بدلا عما یصح فیہ الاشتراک فالاخر ضامن لہ۔

ترجمہ: ـــــ اور دوسری قسم شرکت عقود ہے اور وہ چار قسموں پر ہے مفاوضہ اور عنان اور شرکت صنائع اور شرکت وجوہ لیکن شرکت مفاوضہ وہ ہے کہ دو آدمی یہ شرط کر لیں کہ مال اور تصرف اور قرضہ میں دونوں برابر رہیں گے پس یہ شرکت ایسے دو آدمیوں میں جائز ہے جو آزاد مسلمان عاقل بالغ ہوں اور جائز نہیں آزاد اور غلام کے درمیان اور بچہ اور بالغ کے درمیان اور نہ مسلم و کافر کے درمیان اور وہ وکالت اور کفالت پر منعقد ہوتی ہے اور جو کچھ ان میں سے کوئی ایک خریدے گا وہ شرکت پر ہوگی سوائے بال بچوں کے کھانے اور کپڑے کے اور جو قرض ان میں سے کسی کو ایسی چیز کے بدلے میں لازم ہو جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا اس کا ضامن ہوگا

تشریح: ـــــ قولہ ۱ والضرب الثانی۔ یعنی شرکت کی دوسری قسم شرکت عقود ہے اس کی چار قسمیں ہیں (۱) مفاوضہ اور (۲) عنان اور (۳) شرکت صنائع اور (۴) شرکت وجوہ۔ شرکت مفاوضہ وہ ہے کہ دو آدمی یہ شرط کریں یعنی آپس میں یہ ٹھہرالیں کہ مال اور تصرف اور قرضہ میں دونوں برابر ہوں گے پس یہ شرکت ایسے دو آدمیوں میں جائز ہوگی کہ دونوں آزاد ہوں مسلمان ہوں بالغ ہوں، عاقل ہوں،

قولہ ۲ لا یجوز بین الحر۔ یعنی شرکت مفاوضہ آزاد اور غلام کے درمیان جائز نہیں اور نہ لڑکا اور بالغ کے درمیان اسی طرح مسلمان و کافر کے درمیان بھی جائز نہیں کیونکہ آزاد اور عاقل اور بالغ آدمی تصرفات اور کفالت ہر دو کا مالک ہے اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر کسی ایک کا بھی مالک نہیں اسی طرح بچہ بلا اجازت ولی تصرفات و کفالت کا مالک نہیں اسی طرح کافر و مسلمان میں بھی کہ ان کے درمیان مساوات فی الدین مفقود ہے۔

قولہ ۳ تنعقد علی الوکالۃ۔ شرکت مفاوضت وکالت و کفالت پر منعقد ہوتی ہے یعنی شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے اور اس کی طرف سے کفیل بھی کیونکہ ایک شریک جو چیز خریدے گا اس کو دوسرے کے ملک میں اسی وقت داخل کر سکتا ہے جب کہ اس کو اس کی ولایت حاصل ہو اور ظاہر ہے ولایت، وکالت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی پس ان میں سے کوئی بھی اگر کوئی چیز خریدے تو وہ سب شرکت میں ہوگی سوائے اپنے بال بچوں کے کھانے اور کپڑے اور ان میں سے جس کے ذمہ ایسی چیز کے بدلے قرض ہوگا کہ اس میں شرکت درست ہوتی ہے تو دوسرا اس کا ضامن ہوگا یعنی دونوں یکساں اور برابر ہونے کی وجہ سے دوسرا ضامن ہوگا اس لئے کہ یہ شرکت کفالت پر منعقد ہوتی ہے پس اس شرکت ہی کی وجہ سے دوسرا اس کا کفیل ہو گیا ہے کہ اس کے بدل میں وہ دے گا اسی وجہ سے قرضخواہ اس سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

فان[۱] ورث احدهما مالا تصح فیہ الشرکۃ او وهب لہ ووصل الی یدہ بطلت المفاوضۃ و صارت الشرکۃ عنانا ولا تنعقد[۲] الشرکۃ الا بالدراهم والدنانیر والفلوس النافقۃ ولا یجوز فیما سوی ذلک الا ان یتعامل الناس بہ کالتبر والنقرۃ فتصح الشرکۃ بهما وان[۳] اراد الشرکۃ بالعروض باع کل واحد منهما نصف مالہ بنصف مال الآخر ثم عقد الشرکۃ۔

ترجمہ: ـــــ پس اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک ایسے مال کا وارث ہو جائے جس میں شرکت صحیح ہے۔ یا اس کو ھبہ کر دیا جائے اور اس کے قبضہ میں آجائے تو شرکت مفاوضہ باطل ہو کر شرکت عنان ہو جائے گی اور شرکت منعقد نہ ہوگی مگر دراہم و دنانیر اور رائج پیسوں سے اور اس کے علاوہ میں جائز نہیں مگر یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں جیسے سونا اور چاندی کی ڈلی کہ ان سے بھی شرکت صحیح ہو جائے گی اور اگر اسباب میں شرکت کا ارادہ کرے تو ان میں سے ہر ایک

اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے عوض فروخت کر دے پھر شرکت کر لے۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] فان ورث۔ یعنی ان دونوں شریکوں میں سے کسی ایک کو اگر ایسا مال ورثہ میں مل جائے جس میں شرکت درست ہوتی ہے یا کسی نے اس کے لئے ہبہ کر دیا اور وہ اس کے قبضہ میں آ گیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی کیونکہ مفاوضہ میں جس طرح ابتداءً مالی مساوات ضروری ہے اسی طرح بقاءً بھی ضروری ہے اور صورت مذکورہ میں بقاءً مساوات مفقود ہے۔

قولہ[۲] ولا تنعقد۔ شرکت مفاوضہ دراھم و دنانیر یعنی روپوں و اشرفیوں سے منعقد ہوتی ہے یا ان پیسوں سے جن کا رواج ہو اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں سے جائز نہیں البتہ اگر لوگ کسی چیز سے معاملہ کرنے لگیں یعنی روپیہ وغیرہ کے علاوہ کسی دوسری چیز کا رواج ہو جائے مثلاً سونے یا چاندی کی ڈلیوں کا تو ان سے بھی شرکت درست ہو جائے گی۔

قولہ[۳] وان اراد الشرکۃ۔ یعنی دو آدمی اگر ایک دوسرے کے اسباب میں شرکت کرنا چاہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے نصف مال کو دوسرے کے نصف مال سے فروخت کرے اس کے بعد دونوں شرکت کر لیں کیونکہ دونوں اب عقد بیع کے ذریعہ قیمت میں شریک ہو گئے اس کی صورت مثلاً یہ کہ ایک آدمی کے پاس آٹھ من گیہوں ہے اور دوسرے کے پاس بارہ من گیہوں یا کوئی دوسری چیز ہے تو یہ دونوں چار من گیہوں اور چھ من کھجوروں سے آپس میں فروخت کر کے عقد شرکت کر لیں۔

واما شرکۃ العنان[۱] فتنعقد علی الوکالۃ دون الکفالۃ ویصح[۲] التفاضل فی المال ویصح ان یتساویا فی المال ویتفاضلا فی الربح ویجوز[۳] ان یعقدھا کل واحد منھما ببعض مالہ دون بعض ولا تصح الا بما بینا ان المفاوضۃ تصح بہ ویجوز ان یشترکا ومن جھۃ احدھما دنانیر ومن جھۃ الآخر دراھم وما اشتراہ کل واحد منھما للشرکۃ طولب بثمنہ دون الآخر ویرجع علی شریکہ بحصتہ منہ واذا ھلک مال الشرکۃ او احد المالین قبل ان یشتریا شیئاً بطلت الشرکۃ

ترجمہ: ــــــ اور لیکن شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر اور صحیح ہے مال میں کمی بیشی ہونا اور صحیح ہے مال میں دونوں برابر ہونا اور نفع میں کم و بیش ہونا اور جائز ہے ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے شرکت کرے نہ کہ بعض سے اور یہ شرکت صحیح نہیں ہوتی مگر اس سے جو ہم نے بیان کیا کہ مفاوضہ اس سے صحیح نہیں اور جائز ہے کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک کی طرف سے اشرفیاں ہوں اور دوسرے کی طرف سے دراہم ہوں اور جو کچھ ان میں سے شرکت کیلئے خریدے گا تو وہ اس سے ثمن کا مطالبہ کرے گا نہ کہ دوسرے سے اور وہ اتنا ہی اپنے شریک سے لے لیگا اور جب شرکت کا کل مال یا کسی ایک کا مال ہلاک ہو جائے کوئی چیز خریدنے سے پہلے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔

تشریح: ــــ قولہ[1] واما شرکۃ العنان ۔ شرکت عقود کی دوسری قسم شرکت عنان ہے وہ صرف وکالت پر منعقد ہوتی ہے کفالت پر نہیں یعنی اس میں ایک دوسرے کا وکیل تو ہو سکتا ہے کفیل نہیں ۔ وکیل ہونے اور کفیل نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ اگر ان میں سے ایک شریک نے کچھ اسباب خریدا تو بائع دوسرے شریک سے اس کی قیمت نہیں مانگ سکتا بلکہ مشتری ہی سے مانگے گا البتہ اگر وہ مشتری قیمت دینے لگے تو آدھی یا حصہ سے اس دوسرے شریک سے لے ۔

قولہ[2] یصح التفاضل ۔ یعنی شرکت عنان کے اندر مال میں زیادتی جائز ہے مثلاً ایک شریک کے دس روپیہ ہوں اور دوسرے کے بیس روپیہ ہوں اور یہ بھی درست ہے کہ مال میں دونوں برابر ہوں اور نفع میں کم وزیادہ لیکن اگر پورا نفع کسی ایک کا قرار پائے تو درست نہیں کیونکہ اس صورت میں شرکت ہی نہیں رہتی ۔ بلکہ بضاعت یا قرض ہو جاتا ہے کہ پورا نفع اگر عامل کیلئے ہو تو قرض ہے اور اگر صاحب مال کے لئے ہو تو بضاعت ہے ۔

قولہ[3] یجوز ان یعقد ھا ۔ یعنی یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے تھوڑے مال سے شرکت کرے پورے سے نہیں کیونکہ شرکت عنان میں برابری ضروری نہیں اور یہ شرکت اسی مال سے درست ہوتی ہے جس سے شرکت مفاوضہ کا درست ہونا گذرا کہ شرکت نقد روپیہ یا اشرفیوں سے ہوتی ہے اسباب سے نہیں اور جائز ہے یہ کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک کی طرف سے روپیہ ہوں اور دوسرے کی طرف سے اشرفیاں ہوں اور ان میں سے جونسا کوئی چیز شرکت کیلئے خریدے گا تو اس کی قیمت کا وہی دیندار ہو گا نہ کہ دوسرا اور دیا اپنے شریک کے حصہ کے موافق اس سے لیلے اور اگر ان دونوں نے ابھی کوئی چیز شرکت کی نہیں خریدی تھی اور شرکت کا سارا روپیہ جاتا رہا یا دونوں میں سے ایک کا جاتا رہا تو یہ شرکت باطل ہو جائے گی ۔

وان[1] اشتری احدھما بمالہ شیئاً وھلک مال الآخر قبل الشراء فالمشتری بینھما علی ما شرطا ویرجع علی شریکہ بحصتہ من ثمنہ ویجوز الشرکۃ وان لم یخلط المال ولا تصح الشرکۃ اذا اشترطا لاحدھما دراھم مسماۃ من الربح ولکل[2] واحد من المفاوضین وشریکی العنان ان یبضع المال ویدفعہ مضاربۃ ویوکل من یتصرف فیہ ویرھن ویسترھن ویستاجر الاجنبی علیہ ویبیع بالنقد والنسیئۃ ویدہ فی المال ید امانۃ ۔

ترجمہ : ــــ اور اگر ان میں سے ایک نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدا اور دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز دونوں میں شرط کے مطابق مشترک ہو گی اور خریدنے والا اپنے شریک سے اس کے حصہ کے مطابق قیمت لے لیگا اور شرکت جائز ہے اگرچہ انہوں نے مال نہ ملایا ہو اور شرکت صحیح نہیں جب کہ کسی ایک کیلئے شرط کر لی جائے معین درہموں کے نفع سے اور مفاوضہ اور عنان میں سے ہر ایک شریک کیلئے جائز ہے کہ وہ کسی کو بضاعت ومضاربت کے طور پر مال دیدے

اور کسی کو تصرف کا وکیل کر دے اور رھن رکھدے یا رھن رکھ لے اور کسی اجنبی کو نوکر رکھ لے اور نقد و ادھار خرید فروخت کرے اور مال میں اُس کا قبضہ ہی قبضۂ امانت ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] وان اشتری ۔ یعنی اگر دو شریکوں میں سے کسی ایک شریک نے اپنے روپیہ سے کسی چیز کو خریدا اور دوسرے نے ابھی کچھ نہیں خریدا تھا کہ اس کا روپیہ ہلاک ہو گیا ہے تو یہ ایک کی خریدی ہوئی چیز دونوں میں ان کی شرط کے مطابق مشترک رہے گی اور خریدنے والا اپنے شریک کے حصہ کے موافق اس کی قیمت کا روپیہ اس سے لیلے اور یہ شرکت جائز ہو جائیگی اگر ان دونوں نے روپیہ نہ ملایا ہو اور شرکت اس صورت میں درست نہیں رہتی جب کہ نفع میں سے ایک شریک کیلئے کچھ معین روپے ٹھہرا دیئے جاتے شلاً دو آدمی شریک ہوں اور ایک دوسرے سے کہے کہ اس میں جو کچھ نفع ہو گا اس میں سے پانچ روپیہ تمہیں دونگا اور باقی میں رکھونگا تو اس طرح سے شرکت کرنی درست نہیں ہو گی ۔

قولہ[۲] لکل واحد ۔ یعنی شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریکوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مال کو بضاعت اور مضاربت کے طور پر کسی کو دیدیں اور یہ بھی اختیار ہے کہ ایسے عادل کو وکیل کر دے جو اس میں تصرف کرے اور رھن رکھدے اور رھن رکھ لے اور ایک اجنبی آدمی کو اس کے لئے نوکر رکھ لے اور نقد اور ادھار جس طرح دیکھے خرید و فروخت کرے اور اس مال پر اس وکیل کا قبضہ مثل امانت پر قبضہ ہونیکے ہو گا کہ اگر مال تلف ہو گیا تو اس پر تاوان لازم نہ آئیگا ۔

واما[۱] شرکۃ الصنائع فالخیاطان والصباغان یشترکان علی ان یتقبلا الاعمال ویکون الکسب بینھما فیجوز ذلک وما یتقبلہ کل واحد منھما من العمل یلزمہ ویلزم شریکہ فان عمل احدھما دون الآخر فالکسب بینھما نصفان

ترجمہ: ـــــ اور لیکن شرکت صنائع وہ ہے کہ دو درزی یا دو رنگریز اس طرح شریک ہو جائیں کہ دونوں کام لیں گے اور کمائی دونوں میں تقسیم کریں گے پس جو ان میں سے کوئی کام لے گا تو اس پر اور اس کے شریک پر کرنا لازم ہو گا پس اگر کام کسی ایک نے کیا دوسرے نے نہ کیا تو کمائی ان دونوں میں نصفا نصف ہو گی ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] واما شرکۃ الصنائع ۔ شرکت عقود کی تیسری قسم شرکت صنائع ہے جس کو شرکت اعمال اور شرکت ابدان بھی کہا جاتا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ دو پیشہ ور شلاً دو درزی یا دو رنگریز اس شرط پر متفق ہو جائیں کہ دونوں کام لیں گے اور اجرت دونوں ہی تقسیم کرلیں گے تو اس قسم کی شرکت جائز ہے اور ان میں سے جب کوئی کسی کام کو لے گا تو اس کو اور اس کے شریک دونوں کو لازم ہو گا اور وہ ضروری جو دونوں میں سے ایک کے کام کرنے سے حاصل ہو گی وہ شرط کی وجہ سے دونوں کے درمیان تقسیم ہو گی اگرچہ دوسرے نے وہ کام نہ کیا ہو ۔

وامّا شرکة[1] الوجوه فالرجلان یشترکان ولا مال لهما علیٰ ان یشتریا بوجوههما ویبیعا فتصح الشرکة علیٰ هٰذا وکل واحد منهما وکیل الآخر فیما یشتریه فان شرطا ان یکون المشتری بینهما نصفان فالربح کذٰلک ولا یجوز ان یتفاضلا فیه وان[2] شرطا ان المشتری بینهما اثلاثا فالربح کذٰلک ولا تجوز الشرکة فی الاحتطاب والاحتشاش والاصطیاد وما اصطاده کل واحد منهما او احتطبه فهو له دون صاحبه واذا[3] اشترکا ولاحدهما بغل وللآخر راویة یستقی علیه الماء والکسب بینهما لم تصح الشرکة والکسب کله للذی استقی الماء وعلیه اجر مثل البغل۔

ترجمہ: ــــــ اور لیکن شرکت وجوہ وہ ہے کہ دو آدمی مشترک ہوں کہ ان کے پاس مال نہ ہو اس شرط پر کہ اپنے اپنے اعتبار سے خرید و فروخت کریں گے تو اس طور پر شرکت صحیح ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس میں جو وہ خریدے گا پس اگر اس بات پر شرط کرلی کہ خرید کردہ چیز دونوں میں نصفا نصف ہوگی تو نفع بھی اس طرح ہوگا اور اس میں کمی بیشی جائز نہیں اور اگر یہ شرط قرار دی کہ خرید کردہ چیز تین حصوں میں رہے گی تو نفع بھی اس طرح ہوگا اور شرکت ایندھن لانے اور گھاس جمع کرنے اور شکار کرنے میں جائز نہیں اور اگر ان میں سے کوئی شکار کرے۔ یا ایندھن لائے وہ اسی کا ہوگا نہ کہ دوسرے کا اور جب دو آدمی شریک ہوں اور ان میں سے ایک کا خچر ہو اور دوسرے کا چرس کہ وہ اس سے پانی کھینچے گا اور کمائی دونوں کے درمیان ہوگی تو شرکت صحیح نہیں اور کمائی کل اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے اور اس پر خچر کی اجرت کی مثل لازم ہوگی۔

تشریح: ــــــ قولہ[1] واما شرکة الوجوه۔ شرکت عقود کی چوتھی قسم شرکت وجوہ ہے اور وہ یہ کہ دو آدمی اس شرط پر شریک ہو جائیں کہ دونوں اپنے اپنے اعتبار سے خرید و فروخت کریں گے اور روپیہ پیسہ دونوں کے پاس نہ ہوں یہ شرکت اس طرح جائز ہے اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ اس میں شریکین کے پاس چونکہ مال نہیں ہوتا اس لئے وہ اپنی وجاہت اور اپنے اعتبار و اعتماد کی بنا پر تاجروں سے سامان ادھار لاتے اور فروخت کر کے نفع حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے اس میں کہ جو دوسرا خریدے پس اگر دونوں میں یہ شرط ہوئی کہ جو چیز خریدی جائے گی وہ نصفا نصف ہوگی تو نفع بھی نصفا نصف ہوگا اور اس میں کمی بیشی جائز نہیں یعنی نفع میں یہ نہ ہوگا کہ ایک شخص دو حصہ لیلے اور دوسرا ایک حصہ۔ اس کی وجہ یہ کہ نفع کا استحقاق ضمان کی وجہ سے ہوتا ہے اور ضمان اس خریدی ہوئی چیز کی ملک کے تابع ہے مثلاً اگر کوئی اس میں سے نصف کا مالک ہے تو اسے نصف قیمت دینی پڑے گی اور جو تین حصوں کا مالک ہے تو اُسے تین حصوں کی قیمت دینی پڑے گی اس لئے نفع بھی اُسے ملک کے موافق دیا جائے گا۔

قولہ[2] وان شرطا ان المشتری۔ یعنی دونوں نے اگر یہ شرط کرلی ہے کہ خریدی ہوئی چیز دونوں میں تین تہائی رہے گی یعنی ایک کے دو حصے ہوں گے اور دوسرے کا ایک حصہ تو نفع بھی اُسی حساب سے تقسیم ہوگا اور ایندھن لانا اور گھاس جمع

کرنے میں شرکت درست نہیں اور ان دونوں میں سے جب کوئی کچھ شکار کرے گا یا ایندھن لائے گا تو وہ اسی کا ہوگا اس کے شریک کا اس میں حصہ نہ ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ دونوں نے نہ ملایا ہو اور اگر ملا دیا ہے تو وہ دونوں میں اس کے موافق تقسیم ہوگا جو دونوں میں شرط ٹھہر چکی ہے اور اگر کوئی شرط نہیں ٹھہری تو ہر ایک کا قول دوسرے کے دعویٰ کے مقابلہ میں قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

قولہ[۲] اذا اشترکا ولاحدهما۔ یعنی اگر دو آدمی شریک ہوجائیں ایک کا خچر یا بیل ہو اور دوسرے کا چرس ہو اس شرط پر کہ اس چرس سے پانی کھینچا جائے اور اجرت نصفا نصف ہو تو یہ شرکت جائز نہیں اور کل اجرت اس کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے اور اس پر خچر یا مثل کی اجرت واجب ہوگی۔ اجرت مثل سے مراد یہ ہے کہ جو ایسے بیل وغیرہ کا کرایہ پانی کھینچنے میں دیا جاتا ہے وہی اُسے بھی دینا ہوگا۔

وکل[۱] شرکۃٍ فاسدۃٍ فالربح فیھا علی قدر رأس المال ویبطل شرط التفاضل واذا[۲] مات احد الشریکین اوارتد ولحق بدار الحرب بطلت الشرکۃ ولیس لواحدٍ من الشریکین ان یؤدی زکوٰۃ مال الآخر الا باذنہ فان اذن کل واحدٍ منھما لصاحبہ ان یؤدی زکوٰتہ فادی کل واحد منھما فالثانی ضامنٌ سواء علم باداء الاول اولم یعلم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقالا رحمھما اللہ تعالیٰ ان لم یعلم لم یضمن

ترجمہ: ــــــ اور ہر فاسد شرکت پس نفع اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی اور جب ایک شریک مر جائے یا مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی اور شریکین میں سے کسی ایک کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کے مال کی زکوٰۃ دے مگر اس کی اجازت سے پس اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی اور ان میں سے ہر ایک نے زکوٰۃ دیدی تو بعد میں دینے والا ضامن ہوگا خواہ اُسے پہلے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر اس کو معلوم نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] کل شرکۃ۔ یعنی اگر کسی وجہ سے شرکت فاسد ہو جائے تو اس میں جو نفع ہوگا اصلی مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہو جائے گی کیونکہ نفع مال کے تابع ہوتا ہے اس لئے اس کے اندازہ سے دیا جائے گا۔

قولہ[۲] واذا مات۔ یعنی دو شریک میں سے ایک مر گیا یا مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا گیا تو شرکت باطل ہو جائیگی اور ان دونوں میں سے کسی کیلئے بھی جائز نہیں کہ وہ دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس کے مال کی زکوٰۃ دے کیونکہ ہر ایک کو جو دوسرے کی طرف سے تصرف کی اجازت ہے وہ امور تجارت میں ہے اور زکوٰۃ اس قبیل سے نہیں اور اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوٰۃ دینے کی اجازت دیدی تھی پھر ان میں سے ہر ایک نے اپنی بھی اور دوسرے کی بھی زکوٰۃ دیدی تو امام ابوحنیفہ

کے نزدیک دوسرا یعنی جس نے بعد میں زکوٰۃ دی وہ ضامن ہوگا خواہ اُسے پہلے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ دونوں نے آگے پیچھے زکوٰۃ دی ہو اور اگر دونوں نے ایک ساتھ دی ہو تو ہر ایک دوسرے کا ضامن ہوگا اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر اس کو معلوم نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا۔

کتاب المضاربۃ

ترجمہ ــــــــ مضاربت کا بیان۔

المضاربۃ عقدٌ علی الشرکۃِ فی الربحِ بمالٍ من احدِ الشریکینِ وعمل من الآخرِ ولا تصحّ المضاربۃ الا بالمالِ الذی بیّنّا انّ الشرکۃ تصحّ بہٖ ومن شرطھا ان یکون الربح بینھما مشاعاً لا یستحق احدھما منہ دراھم مسماۃ ولا بدّ ان یکون المال مسلماً الی المضاربِ ولا یدَ لربِ المالِ فیہ۔

ترجمہ: ــــــ مضاربت وہ عقد ہے شرکت پر نفع میں شریکین میں سے ایک کے مال اور دوسرے کے عمل کے ساتھ اور مضاربت صحیح نہیں مگر اس مال سے جس سے شرکت کا درست ہونا ہم بیان کر چکے اور مضاربت کی شرط یہ ہے کہ نفع ان میں مشاع ہو ان میں سے کوئی ایک معین دراہم کا مستحق نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ مال مضارب کے سپرد ہو جس میں مالک کا کسی طرح کا قبضہ نہ ہو۔

تشریح: ــــ قولہ کتاب المضاربۃ۔ مضاربت بھی چونکہ شرکت کی طرح ہے اس لئے شرکت کے بعد مضاربت کو بیان کیا گیا مضاربت لغت میں پھرنے اور گشت کرنے کو کہا جاتا ہے اور مضارب چونکہ نفع کی غرض سے اکثر زمین پر چلتا پھرتا ہے اس لئے اس کو عقد مضاربت کہا جاتا ہے اس کا ثبوت شریعت سے ہے کہ بعثت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد لوگ یہ معاملہ کرتے تھے اور سرکار نے اس سے منع نہیں فرمایا اور یہی عمل سیدنا عمر فاروق و عثمان و ابو موسیٰ اشعری وغیرہم کے زمانہ میں رہا لیکن کسی نے اس کو منع نہیں فرمایا اور لوگوں کو اکثر اس کی ضرورت بھی پیش آتی ہے کہ بعض لوگ مالدار ہوتے ہیں لیکن خود سے کاروبار نہیں کر پاتے اور بعض کاروبار میں ماہر ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس مال نہیں ہوتا۔

قولہ المضاربۃ۔ مضاربت کا یہ اصطلاحی معنی ہے کہ وہ اس عقد کو کہا جاتا ہے جس میں ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں جس کی جانب سے مال ہو اس کو رب المال اور عمل والا کو مضارب اور جو مال دیا جاتا ہے اس کو مال مضاربت کہا جاتا ہے۔

قولہ ولا تصح المضاربۃ۔ مضاربت اس مال یعنی روپیہ وغیرہ سے درست ہوتی ہے جس سے شرکت کا درست ہونا قبل میں گذر چکا اور مضاربت کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ نفع میں دونوں شریک ہوں۔ ان دونوں میں سے کوئی نفع میں سے معین روپیوں کا مستحق نہیں رہتا مثلاً کسی نے پچاس روپیہ مضاربت کے طور پر دیا تو اس دینے والے کو یہ جائز نہیں کہ نفع میں سے پانچ روپیہ اپنا معین کرلے بلکہ جو نفع ہو اس کو آپس میں بلا تعین تقسیم کرتے رہیں اور مضاربت میں یہ بھی ضروری ہے کہ روپیہ کو مضاربت کے حوالہ کردیا جائے اور اس روپیہ کے مالک کا اس پر کسی قسم کا قبضہ نہ ہو۔

فاذا صحت المضاربۃ مطلقۃ جاز للمضارب ان یشتری ویبیع ویسافر ویبضع ویوکل ولیس لہ ان یدفع المال مضاربۃ الا ان یاذن لہ رب المال فی ذلک او یقول لہ اعمل برأیک وان خص لہ رب المال التصرف فی بلد بعینہ او فی سلعۃ بعینھا لم یجز لہ ان یتجاوز عن ذلک وکذلک ان وقت المضاربۃ مدۃ بعینھا جاز وبطل العقد بمضیھا ولیس للمضارب ان یشتری اب رب المال ولا ابنہ ولا من یعتق علیہ فان اشتراھم کان مشتریا لنفسہ دون المضاربۃ وان کان فی المال ربح فلیس لہ ان یشتری من یعتق علیہ وان اشتراھم ضمن مال المضاربۃ وان لم یکن فی المال ربح جاز لہ ان یشتریھم فان زادت قیمتھم عتق نصیبہ منھم ولم یضمن لرب المال شیئا ویسعی المعتق لرب المال فی قیمتہ نصیبہ منہ۔

ترجمہ:۔۔۔۔ پس جب مضاربت مطلقاً درست ہوجائے تو مضارب کے لئے جائز ہے خرید و فروخت اور سفر کرنا اور بضاعت پر دینا اور وکیل کرنا اور مضاربت پر مال دینا جائز نہیں مگر یہ کہ مالک اس کی اجازت دیدے یا کہدے کہ اس کو اپنی رائے کے مطابق عمل کرے اور اگر مالک نے کسی خاص شہر یا معین سامان میں تجارت کرنے کی تخصیص کردی تو مضارب کو اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور اسی طرح اگر مالک نے مضاربت کی مدت معین کردی تو بھی جائز ہے اور مدت گذر جانے پر عقد باطل ہوجائے گا اور مضارب کے لئے جائز نہیں کہ مالک کے باپ کو خریدے اور نہ اس کے بیٹا اور نہ اس شخص کو خریدے جو مالک پر آزاد ہوجائے۔ پس اگر ان کو خریدا تو وہ اپنے لئے خریدنے والا ہوگا نہ کہ مضاربت کے لئے اور اگر مال میں نفع ہو تو مضارب کے لئے ایسے شخص کو خریدنا جائز نہیں جو اس پر آزاد ہوجائے۔ اور اگر ان کو خریدا تو مال مضاربت کا ضامن ہوگا اور اگر مال میں نفع نہ ہو تو خریدنا جائز ہے پس اگر ان کی قیمت بڑھ جائے تو اس کا حصہ آزاد ہوجائے گا اور مضارب مالک کیلئے کسی چیز کا ضامن نہ ہوگا بلکہ آزاد شدہ شخص مالک کیلئے اس کے حصہ کی مقدار کوشش کرے گا۔

تشریح:۔۔۔۔ قولہ فاذا صحت المضاربۃ۔ یعنی جب مضاربت مطلقاً درست ہوجائے یعنی کسی جگہ یا کسی موسم یا کسی اسباب کی اس میں قید نہ ہو تو مضارب کیلئے وہ تمام چیزیں جائز ہیں جو تاجروں کے نزدیک معتاد ہے مثلاً خرید

دفروخت کرنا اور سفر کر کے باہر جانا اور بضاعت پر روپیہ دینا اور کسی ضرورت کیلئے وکیل کرنا وغیرہ وغیرہ اُسے یہ جائز نہیں کہ مضاربت کے طور پر وہ روپیہ کسی دوسرے کو دیدے البتہ اگر مالک نے اجازت دیدی یا یہ کہہ دیا کہ جس طرح سمجھ میں آجائے کریں تو جائز ہے ۔

قولہ[۲] وان خص لرب المال ۔ یعنی مالک نے اگر کسی خاص شہر یا کسی خاص مال تجارت کرنے کی قید لگائی ہے تو اس مضارب کو اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اسی طرح اگر مضاربت کی کوئی مدت معین کر دی جائے تو بھی جائز ہے ۔ اور اس مدت کے گذرنے پر مضاربت باطل ہو جائیگی اور مضاربت کے لئے رب المال کے باپ اور بیٹا اور اس شخص کو خریدنا جائز نہیں جو اس رب المال کی ملکیت میں آنے پر آزاد ہو جاتے یعنی ذی رحم محرم کو اور اگر اس نے خرید لیا تو یہ خرید اس مضارب کیلئے ہوگی نہ کہ مضارب کے مال سے اس کی وجہ یہ ہے کہ عقد مضاربت محض نفع حاصل کرنے کیلئے تجویز کیا گیا ہے اور نفع جب ہی ہوگا جبکہ وہ یکے بادیگرے اس روپیہ میں تصرف کرے حالانکہ اگر اس نے ذی رحم محرم کو خرید لیا اور وہ اس کے مالک ہونے کی وجہ سے آزاد ہو گیا تو اس روپیہ میں یکے بادیگرے تصرف ہونا نہ پایا گیا اس لئے یہ مضاربت نہ رہی ۔

قولہ[۳] وان کان فی المال ربح ۔ یعنی اگر مال میں نفع ہو تو اس مضارب کو ایسے آدمی کو خریدنا جائز نہیں جو اس پر آزاد ہو جائے یعنی مضارب کا ذی رحم محرم ہو جو مضارب کی ملکیت میں اس کی طرف سے فوراً آزاد ہو جاتے اور اگر یہ ایسے آدمیوں کو خریدے گا تو مضاربت کے روپیہ کا وہ ضامن ہوگا یعنی اس کو تاوان دینا پڑے گا اور اگر مال میں نفع نہیں تو اس کو خریدنا جائز ہے اور خریدنے کے بعد اگر قیمت بڑھ گئی تو مضارب کا حصہ اس میں سے آزاد ہو جائے گا اور مضارب کے ذمہ رب المال کا کچھ نہ ہوگا کیونکہ اس میں مضارب کی کوئی خطا نہیں نہ قیمت کے بڑھنے میں اور نہ اس کے اپنے حصہ کے مالک ہونے میں بلکہ یہ صورت تو حکم شریعت کی وجہ سے پیش آگئی ہے اور وہ آزاد شدہ اپنی قیمت میں سے رب المال کے حصہ کی قیمت ادا کرنے میں کوشش کرے ۔

واذا دفع[۱] المضاربُ المالَ مضاربةً علی غیرہ ولم یاذن لہ ربُ المالِ فی ذلک لم یضمن بالدفع ولا یتصرف المضاربُ الثانی حتی یربح فاذا ربح ضمن المضارب الاول المالَ لرب المالِ واذا دفع[۲] الیہ مضاربةً بالنصفِ فاذن لہ ان یدفعہا مضاربةً فدفعہا بالثلثِ جاز فان[۳] کان ربُ المالِ قال لہ علی ان ما رزق اللہ تعالیٰ فہو بیننا نصفانِ فلربِ المالِ نصفُ الربحِ وللمضاربِ الثانی ثلثُ الربحِ وللاولِ السدسُ ۔

ترجمہ : ــــ اور جب مضارب مال کسی کو مضاربت کے طور پر دیدے اور مالک اس کی اجازت نہ دے تو صرف دینے

سے ضامن نہ ہوگا اور نہ مضارب ثانی کے تصرف سے یہاں تک کہ نفع ہو پس جب نفع ہو جائے تو مضارب اول مالک کے لئے مال کا ضامن ہوگا جب کہ مالک[۱] نے مضاربت بالنصف پر مال دیا ہو پس کسی دوسرے کو بطور مضاربت دینے کی اجازت دیدی اور اس نے مضاربت بالثلث پر مال دیدیا تو جائز ہے پس اگر مالک نے کہا کہ جو نفع اللہ تعالیٰ دے گا وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہوگا تو مالک[۲] کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے تہائی اور مضارب اول کے لئے اس کا چھٹا حصہ ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] واذا دفع المضارب۔ یعنی جب مضارب نے مضاربت کے طور پر کسی دوسرے شخص کو روپیہ دیدیا حالانکہ رب المال نے اُسے اس کی اجازت نہیں دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ جس طرح تیری سمجھ میں آئے کرنا تو محض روپیہ دینے سے اس پر تاوان نہ آئے گا اور نہ دوسرے مضارب کے محض تصرف کرنے سے یہاں تک کہ اس میں کچھ نفع ہو جائے اور جب نفع ہو جائے گا تو پہلا مضارب مال کے نفع کا ضامن ہو جائے گا یہ روایت امام ابوحنیفہ سے حسن کی ہے کہ نفع ہونے پر ضامن ہوگا اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ دوسرے مضارب کے تصرف کرنے ہی سے پہلا مضارب ضامن ہو جائے گا خواہ نفع ہو یا نہ ہو اور امام ابوحنیفہ سے یہی ظاہر الروایہ ہے۔

قولہ[۲] دفع الیہ مضاربۃ۔ یعنی رب المال نے جب مضارب کو نصفا نصف نفع پر روپیہ دے دیا اور پھر اُسے یہ اجازت دیدی کہ آپ یہ روپیہ مضاربت کے طور پر کسی دوسرے کو دیدیں اور اس نے اپنی طرف سے تہائی نفع پر دے دیا تو بھی جائز ہے۔

قولہ[۳] فان کان رب المال۔ یعنی رب المال نے اگر اپنے مضارب سے یہ کہدیا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ اس میں نفع دے گا وہ ہم دونوں نصفا نصف لے لیں گے تو اس صورت میں اس رب المال کو نصف نفع ملے گا اور دوسرے مضارب کو تہائی کیونکہ پہلے مضارب نے اس کا تہائی نفع ٹھہرادیا تھا اور پہلے مضارب کو نفع کا چھٹا حصہ!

وان[۱] کان قال علی ان ما رزقک اللّٰہ فھو بیننا نصفان فللمضارب الثانی الثلث وما بقی بین رب المال والمضارب الاول نصفان فان قال علی ان ما رزق اللّٰہ فلی نصفہ فدفع المال الی آخر مضاربۃً بالنصف فللثانی نصف الربح ولرب المال النصف ولا شیٔ للمضارب الاول فان شرط للمضارب الثانی ثلثی الربح فلرب المال نصف الربح وللمضارب الثانی نصف الربح ویضمن المضارب الاول للمضارب الثانی مقدار سدس الربح من مالہ۔

ترجمہ: ـــــ اور اگر اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تجھے نفع دے گا وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہوگا تو مضارب

ثانی کے لئے تہائی ہوگا اور باقی مالک کا اور مضارب اول کے درمیان نصفا نصف ہوگا اور اگر یہ کہا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ دے اس کا آدھا میرا ہے پھر بھی اس نے دوسرے کو مضاربت بالنصف پر مال دیدیا تو آدھا نفع مضارب ثانی کا ہوگا اور آدھا مالک کا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہ ہوگا اور اگر مضارب ثانی کیلئے نفع کے دو تہائی طے کر لئے تو آدھا نفع مالک کا ہوگا اور آدھا مضارب ثانی کا اور مضارب اول مضارب ثانی کو نفع کا چھٹا حصہ اپنے مال سے دے گا۔

تشریح: — قولہ[1] وان کان قال ۔ یعنی رب المال نے اگر اس طرح کہا کہ جو نفع اللہ تعالیٰ تجھے دے گا وہ ہم اور آپ دونوں نصفا نصف کر لیں گے تو اس صورت میں دوسرے مضارب کو تہائی نفع ملے گا اور جو بچے گا اُسے رب المال اور پہلا مضارب نصفا نصف لے لیں گے اور اگر رب المال نے یہ کہدیا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ نفع دے گا اس میں سے نصف میرا ہے پھر پہلے مضارب نے دوسرے کو بھی نصف ہی نفع پر دیدیا تو اس صورت میں نصف نفع دوسرے مضارب کا ہوگا اور رب المال کا اور پہلے مضارب کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس نے اپنا نصف نفع دوسرے مضارب کو دیدیا اور اگر دوسرے مضارب نے اپنے لئے دو تہائی نفع ٹھہرالیا ہے تو نصف نفع رب المال لے لیگا اور نصف دوسرا مضارب اور اس دوسرے مضارب کو پہلا مضارب اپنے مال میں سے نفع کے چھٹا حصہ کے دینے کا ضامن ہوگا۔

واذا مات ربُ المالِ اوالمضاربُ بطلت المضاربۃُ واذا ارتد ربُ المالِ عن الاسلامِ ولحق بدار الحرب بطلت المضاربۃ[1] وان[2] عزل ربُ المالِ المضاربَ ولم یعلم بعزلہٖ حتی اشتری اوباع فتصرفہ جائز وان[3] علم بعزلہٖ والمالُ عروض فی یدہٖ فلہ ان یبیعھا ولایمنعہ العزلُ من ذٰلک ثم لایجوز ان یشتری بثمنھا شیئاً آخر وان عزلہ وراس المال دراھم اودنانیر قد نضت فلیس لہ ان یتصرف فیھا واذا افترقا وفی المالِ دیون وقد ربح المضاربُ فیہ اجبرہ الحاکمُ علی اقتضاءِ الدیونِ وان لم یکن فی المالِ ربحٌ لم یلزمہ الاقتضاءُ ویقال لہ وکِّل ربَّ المالِ فی الاقتضاءِ۔

ترجمہ: — اور جب رب المال یا مضارب مرجائے تو مضاربت باطل ہوجائے گی اور جب رب المال اسلام سے پھر جائے اور دارالحرب میں چلا جائے تو مضاربت باطل ہوجاتی ہے اور اگر مالک نے مضارب کو معزول کردیا اور اُسے معلوم نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے خرید و فروخت کرلی تو اس کا تصرف کرنا جائز ہے اور اگر معزول کرنا معلوم ہوا اس حال میں کہ مال سامان ہے تو اس کو فروخت کرسکتا ہے اس کے لئے معزول کرنا مانع نہ ہوگا پھر اس کی قیمت سے دوسری چیز خریدنا جائز نہیں اور اگر اس حال میں معزول کیا کہ مال روپے یا اشرفیاں نقد ہیں تو اب اُسے تصرف کرنا جائز نہیں اور اگر وہ دونوں جدا ہوگئے اور مال ادھار میں ہے اور مضارب اس سے نفع لے چکا ہے تو ادھار وصول کرنے پر حاکم مضارب کو مجبور کرے اور اگر مال میں

نفع نہ ہو تو مضارب پر وصول کرنا لازم نہیں بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ وصولیابی کیلئے مالک کو وکیل بنا دے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] واذا مات رب المال۔ یعنی رب المال یا مضارب اگر مر جاتے تو مضاربت باطل ہو جائے گی کیونکہ مضاربت اصل میں توکیل ہے اور موکل کے مرنے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اسی طرح رب المال اگر اسلام سے مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا جاتے تو بھی مضاربت باطل ہو جاتی ہے چونکہ جس روز وہ مرتد ہوا تھا اس روز سے مضاربت باطل ہو جائے گی کیونکہ سرکاری حکم ہونے پر وہ کسی چیز کا مالک نہیں رہتا بلکہ اُس کے وارث ہو جاتے ہیں پس یہ مثل اُس کے مرنے کے ہو جاتا ہے اور اگر سرکاری حکم نہیں ہوا تو وہ مضاربت موقوف رہتی ہے۔

قولہ[۲] وان عزل۔ یعنی رب المال نے مضارب کو اگر معزول کر دیا اور اُسے اپنے معزول ہونے کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ اسی اثناء میں اس نے کوئی چیز خرید لی یا کوئی چیز فروخت کر دی تو اس کا تصرف کرنا جائز ہو گا۔ کیونکہ مضارب رب المال کی طرف سے وکیل ہے اور وکیل کو قصداً معزول کرنا اس کے معلوم ہونے پر موقوف ہوتا ہے۔

قولہ[۳] وان علم بعزلہ۔ یعنی اگر اس کو اپنا معزول ہونا ایسی حالت میں معلوم ہو کہ مال نقد نہ ہو بلکہ اسباب ہو تو بھی معزول ہونا اس اسباب کو فروخت کرنے سے مانع نہ ہو گا کیونکہ نفع میں مضارب کا حق وابستہ ہو چکا ہے جو تقسیم ہی سے ظاہر ہو سکتا ہے اور وہ راس المال پر موقوف ہے اور راس المال کا اندازہ اسباب کے فروخت ہونے پر نقد ہو جانے کے بعد ہو گا

قولہ[۴] وان عزل وراس المال۔ یعنی رب المال نے اُسے اس حال میں معزول کیا کہ اصل مال اُس کے پاس روپیہ یا اشرفی نقد میں تو ان کے اندر اب اُسے تصرف کرنا جائز نہیں اور اگر رب المال اور مضارب دونوں علٰحدہ علٰحدہ ہو گئے یعنی مضاربت فسخ کر دی اور مضاربت کا روپیہ لوگوں پر قرض ہوا اور مضارب کو اس میں نفع حاصل ہوا ہو تو مضارب کو قرض وصول ہونے پر مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ مضارب مزدور کی مانند ہے اور نفع مزدوری کی مانند ہے لہٰذا اس کو قرض کے وصول کرنے پر حاکم مضارب پر جبر کرے گا کہ وہ وصول کرے رب المال کو دیدے اور اگر اس میں نفع نہ ہوا ہو تو اب وصول کرنا مضارب کے ذمہ لازم نہیں اور اس سے کہا جائے گا کہ روپیہ وصول کرنے کیلئے آپ اپنی طرف سے رب المال کو وکیل کر دیں تاکہ اس کا مال ضائع نہ ہو۔

و[۱]ما ھلک من مال المضاربۃ فھو من الربح دون راس المال فان زاد الھالک علی الربح فلا ضمان علی المضارب فیہ وان[۲] کانا یقتسمان الربح والمضاربۃ علی حالھا ثم ھلک المال کلہ او بعضہ ترادا الربح حتی یستوفی رب المال راس المال فان فضل شیئ کان بینھما وان نقص من راس المال لم یضمن المضارب وان کانا اقتسما و فسخا المضاربۃ ثم عقداھا فھلک المال او بعضہ لم یترادا الربح الاول و[۳]یجوز للمضارب ان یبیع بالنقد والنسیئۃ ولا یزوج عبدا ولا امۃ من مال المضاربۃ

ترجمہ: ــــ اور جو مال مضاربت کا تلف ہو جائے تو وہ نفع سے ہوگا اصل مال سے نہیں پس اگر تلف شدہ مال نفع سے بڑھ جائے تو اس کا ضمان مضارب پر نہ ہوگا اور اگر وہ دونوں نفع تقسیم کر چکے اور مضاربت بدستور ہے پھر سارا مال تلف ہو گیا یا کچھ مال تو دونوں نفع لوٹا دیں یہاں تک کہ مالک کی اصل رقم پوری ہو جائے پس اگر کچھ بچے تو وہ ان میں تقسیم ہوگا اور اگر اصلی رقم میں کچھ کمی رہ جائے تو مضارب ضامن نہ ہوگا اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر کے مضاربت فسخ کر دی پھر عقد مضاربت کر لیا پس مال تلف ہو گیا تو پہلے نفع کو نہیں لوٹائیں گے اور مضارب کو نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرنا جائز ہے لیکن مال مضاربت سے غلام یا باندی کا نکاح نہ کرے ۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] وما ھلک ۔ یعنی مضاربت کا مال اگر تلف ہو جائے تو منافع سے پورا کیا جائے گا کیونکہ راس المال اصل مال ہے اور نفع اس کے تابع اور ہلاکت تابع کی طرف رجوع کرتی ہے جس طرح زکوٰۃ میں ہلاکت مقدار عفو کی طرف رجوع کرتی ہے اور اگر تلف شدہ مال منافع سے بڑھ جائے تو اس کا تاوان مضارب کے ذمہ نہیں کیونکہ وہ امانتدار ہے اور امانتدار پر ضمان نہیں ہوتا ۔

قولہ[۲] وان کانا یقتسمان ۔ یعنی رب المال اور مضارعت دونوں اگر منافع تقسیم کر چکے اور مضارعت ہنوز برقرار ہے یعنی اُسے ابھی نہیں توڑا پھر سارا مال یا کچھ مال تلف ہو گیا تو دونوں منافع کو لوٹا دیں تاکہ رب المال کی اصل رقم پوری ہو جائے کیونکہ راس المال کی وصولیابی سے پہلے منافع تقسیم کرنا درست نہیں پھر اگر کچھ روپیہ بچے تو اُسے دونوں تقسیم کر لیں اور اگر اصلی رقم میں کچھ کمی رہ جائے تو مضارب کے ذمہ اس کا تاوان نہیں اور اگر دونوں نے منافع تقسیم کر کے مضارعت توڑ دی اس کے بعد پھر از سر نو مضارعت کی اور سارا مال تلف ہو گیا تو اب منافع اول کو نہ لوٹائیں کیونکہ مضاربت اول تام ہو چکی ہے ۔

قولہ[۳] یجوز للمضارب ۔ یعنی مضارب کیلئے نقد اور ادھار دونوں طرح بیچنا جائز ہے کیونکہ وہ تاجروں کے افعال سے ہے اور مضاربت کے مال سے نہ کسی غلام کا نکاح کرے اور نہ کسی باندی کا کیونکہ نکاح تجارت کے قبیل سے نہیں ۔

کتاب[۱] الوکالۃ

ترجمہ ــــــــ وکالت کا بیان

کل[۲] عقدٍ جاز ان یعقدہ الانسانُ بنفسہٖ جاز ان یوکّل بہٖ غیرہٗ و یجوز[۳] التوکیل بالخصومۃ فی سائر الحقوق و اثباتھا و یجوز[۴] بالاستیفاء الا فی الحد ود والقصاص فان الوکالۃ لا تصح

باستیفائہا مع غیبۃِ الموکل عن المجلس وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالٰی لا یجوز التوکیلُ بالخصومۃِ الا برضاءِ الخصمِ الا ان یکونَ الموکلُ مریضاً اوغائباً مسیرۃَ ثلاثۃِ ایامٍ فصاعداً وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللّٰہ یجوز التوکیلُ بغیرِ رضاءِ الخصمِ

ترجمہ: ـــــ ہر وہ معاملہ جو آدمی کو خود کرنا جائز ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا بھی جائز ہے اور خصومت کے لئے تمام حقوق میں اور ان کے اثبات میں وکیل کرنا جائز ہے اور حقوق حاصل کرنے کیلئے جائز ہے مگر حدود و قصاص میں ہے کہ ان کو حاصل کرنے کی وکالت درست نہیں اس جگہ موکل کے موجود نہ ہونے کی حالت میں اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ مقابل کی رضا کے بغیر توکیل بالخصومت جائز نہیں مگر یہ کہ موکل بیمار ہو یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ مقابل کی رضا کے بغیر توکیل بالخصومت جائز ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] کتاب الوکالۃ ۔ مضاربت میں چونکہ وکالت بھی پائی جاتی ہے اس لئے مضاربت کے بعد وکالت کو بیان کیا گیا ۔ وکالت اسم ہے توکیل کا لغت میں اس کا معنی ہے وکیل بنانا اور اصطلاح میں وہ عجز یا آسائش کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو جائز اور معلوم تصرف میں اپنا قائمقام کر دینا ہے جو تصرف کا مالک ہو ۔

قولہ[۲] کل عقد ۔ علامہ قدوری نے اس عبارت سے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ جو کام آدمی خود کر سکے وہ دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے اور خود نہ کر سکے وہ دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا مثلاً کوئی مسلمان اگر شراب یا سور کی خرید و فروخت کے لئے کسی کو وکیل بنائے تو اس کیلئے جائز نہیں کیونکہ وہ مسلمان کیلئے قطعاً جائز نہیں ۔

قولہ[۳] یجوز التوکیل ۔ حقوق العباد میں خصومت یعنی کل حقوق کے ادا کرنے اور ان کے حاصل کرنے میں وکیل بنانا جائز ہے ۔ چنانچہ سیدنا مولیٰ علی نے خصومت میں حضرت عقیل بن ابی طالب کو اور ان کے عمر رسیدہ ہونے کے بعد حضرت عبد اللّٰہ بن جعفر طیار کو وکیل بنایا ۔

قولہ[۴] یجوز بالاستیفاء ۔ یعنی جو حقوق موکل پر واجب الاداء ہوں ان کے ایفاء یعنی پورا کرنے میں اور جو حقوق موکل حاصل کرنے والا ہو ان کے استیفاء یعنی حاصل کرنے میں وکیل بنانا جائز ہے لیکن حدود و قصاص جائز نہیں کیونکہ ان کا استیفاء یعنی انجام دہی پر باوجود موکل کے اس جگہ موجود نہ ہونے کے وکالت درست نہیں ہوتی کیونکہ حدود و قصاص مجرم پر جاری ہوتے ہیں اور وہ موکل ہے نہ کہ وکیل امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ حقوق کی جواب دہی کے لئے وکیل کرنا بغیر رضامندی طرف ثانی کے ممنوع ہے البتہ موکل اگر بیمار ہو یا تین منزل پر ہو یا اس سے بھی زیادہ دور ہو تو جائز ہے صاحبین نے فرمایا کہ بغیر رضامندی طرف ثانی کے وکیل کر دینا جائز ہے ۔

ومن شرطِ الوکالۃِ اَنْ یکونَ الموکلُ ممن یملکُ التصرفَ ویلزمہ الاحکامُ والوکیلُ ممن یعقلُ البیعَ

ويقصده[2] واذا وكل الحر البالغ او المأذون مثلهما جاز[3] وان وكل صبيا محجورا يعقل البيع والشراء او عبدا محجورا جاز ولا يتعلق بهما الحقوق ويتعلق بموكليهما

ترجمہ: ــــ اور وکالت کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ موکل ان لوگوں میں سے ہو جو تصرف کے مالک ہیں اور اس کو احکام لازم ہوتے ہیں اور وکیل ان میں سے ہو جو بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا قصد کرتا ہو اور جب آزاد عاقل بالغ یا عبد ماذون اپنے جیسے کو وکیل کرے تو جائز ہے اور اگر محجور بچے کو وکیل کرے جو خرید و فروخت کو سمجھتا ہو یا عبد محجور کو وکیل کرے تو بھی جائز ہے لیکن ان دونوں سے حقوق متعلق نہ ہوں گے بلکہ ان کے موکلوں سے متعلق ہوں گے۔

تشریح: ــــ قولہ[1] ومن شرط الوکالۃ۔ یعنی وکالت درست ہونے کی شرطوں میں سے ایک یہ کہ موکل ایسا شخص ہو جو تصرف کا مالک ہو کیونکہ وکیل موکل ہی کی طرف سے تصرف کا مالک ہوتا ہے تو پہلے موکل کا مالک تصرف ہونا ضروری ہوگا تاکہ وہ دوسرے کو اس کا مالک بنا سکے پس اس تقدیر پر عبد ماذون اور مکاتب کی توکیل جائز ہوگی کہ ان کا تصرف درست ہوتا ہے دوسری شرط یہ کہ اس پر اس تصرف کا احکام لازم ہوتے ہوں برخلاف بچہ اور دیوانہ کہ ان پر تصرف کے احکام لازم نہیں ہوتے تیسری شرط یہ کہ وکیل ایسا شخص ہو جو بیع بلکہ ہر معاملہ کو سمجھتا اور اس کا قصد کرتا ہو۔

قولہ[2] واذا وکل الحر: یعنی آزاد عاقل بالغ شخص اگر اپنے جیسے کو یا عبد ماذون اپنے جیسے کو وکیل بنائے تو جائز ہے اس لئے کہ موکل اہل تصرف ہوتا ہے اور وکیل اہل عبارت اور ان کا مثل ہونا آزاد ہونے اور غلام ہونے میں محدود نہیں بلکہ مافوق کی توکیل مثلاً ماذون کا آزاد کو وکیل بنانا اور اپنے سے کم درجہ کی توکیل مثلاً آزاد کا ماذون کو وکیل بنانا بھی جائز ہے۔

قولہ[3] وان وکل صبیا۔ یعنی اگر ان میں سے کوئی ایسے محجور بچہ کو وکیل کر دے جو خرید و فروخت کو سمجھتا ہو یا کسی محجور غلام کو وکیل کر دے تو جائز ہے لیکن ان دونوں سے حقوق کا کوئی تعلق نہ ہوگا بلکہ وہ ان دونوں کے موکلوں کی طرف رجوع کریں گے۔

---

[1] والعقود التي يعقدها الوكلاء على ضربين كل عقد يضيفه الوكيل الى نفسه مثل البيع والشراء والاجارة فحقوق ذلك العقد متعلق بالوكيل دون الموكل فيسلم المبيع ويقبض الثمن ويطالب بالثمن اذا اشترى ويقبض المبيع ويخاصم في العيب وكل[2] عقد يضيفه الوكيل الى موكله كالنكاح والخلع والصلح عن دم العمد فان حقوقه تتعلق بالموكل دون الوكيل فلا يطالب وكيل الزوج بالمهر ولا يلزم وكيل المرأة تسليمها واذا طالب الموكل المشتري بالثمن فله ان يمنعه اياه فان دفعه اليه جاز ولم

یکن للوکیل ان یطالبہ ثانیاً

ترجمہ: ــــــ اور وہ عقود جن کو وکلاء کرتے ہیں دو قسموں پر ہیں ایک وہ عقد ہے جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے خرید وفروخت اور اجارہ پس اس عقد کے حقوق وکیل سے متعلق ہوں گے نہ کہ موکل سے پس وہ مبیع کو سپرد کردے گا اور قیمت کو وصول کرے گا اور قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا جب وہ کچھ خریدے اور مبیع پر قبضہ کرے اور عیب میں جھگڑا کرے اور دوسرا وہ عقد جس کو وکیل اپنے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے جیسے نکاح اور خلع اور صلح دم عمد کی طرف سے پس ان کے حقوق موکل سے متعلق ہوں گے نہ کہ وکیل سے پس شوہر کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور نہ عورت کے وکیل پر عورت کا سپرد کرنا لازم ہوگا جیسے موکل مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے تو وہ اس کو روک سکتا ہے پس اگر اس کو دیدے تو وہ جائز ہے اور وکیل اس سے دوبارہ مطالبہ نہیں کرسکتا۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] والعقود التی یعقد ہا۔ یعنی وہ عقود جن کو وکلاء کرتے ہیں وہ دو قسموں پر ہیں ایک عقد وہ ہے کہ جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے خرید وفروخت واجارہ وغیرہ پس ان کے حقوق وکیل ہی کی طرف راجح ہوتے ہیں موکل کی طرف نہیں بشرطیکہ وکیل ممنوع التصرف نہ ہو جیسے صبی محجور اور عبد محجور پس وکیل ہی مبیع کو مشتری کے سپرد کرے گا اور وہی قیمت وصول کرے گا اور جب کوئی چیز خریدے گا تو اس سے قیمت طلب کی جائے گی اور وہی مبیع پر قبضہ کرے گا اور اس سے مبیع کے اندر عیب وغیرہ کے معاملہ میں جھگڑا کیا جائے گا۔

قولہ[۲] کل عقد یضیفہ۔ دوسری قسم وہ ہے جس کو وکیل اپنے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے اس میں حقوق موکل کی طرف راجح ہوتے ہیں وکیل تو اس میں سفیر محض ہوتا ہے پس مہر کا مطالبہ شوہر کے وکیل سے نہیں بلکہ موکل سے ہوگا اور نہ عورت کے وکیل پر اس عورت کا شوہر کے سپرد کرنا لازم ہوگا اور اگر خود مشتری سے قیمت مانگے تو مشتری کیلئے جائز ہے کہ اس کو قیمت نہ دے کیونکہ موکل اور اس کے حقوق کی بہ نسبت بالکل اجنبی ہے اور اگر مشتری نے موکل کو قیمت دیدی تو جائز ہے قیمت ادا ہوجائے گی اور وکیل کو اس سے دوبارہ قیمت مانگنی جائز نہیں۔

ومن[۱] وکل رجلاً بشراء شیئ فلابد من تسمیۃ جنسہ وصفتہ ومبلغ ثمنہ الا ان یوکلہ وکالۃ عامۃ فیقول ابتع لی ما رأیت واذا[۲] اشتری الوکیل وقبض المبیع ثم اطلع علی عیب فلہ ان یردہ بالعیب ما دام المبیع فی یدہ فان سلمہ الی الموکل لم یردہ الا باذنہ ویجوز[۳] التوکیل بعقد الصرف والسلم فان فارق الوکیل صاحبہ قبل القبض بطل العقد ولا یعتبر مفارقۃ الموکل،

ترجمہ: ـــــ اور جو کسی کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل کرے تو اس کی جنس اور صفت اور قیمت کی مقدار بتانا ضروری ہے مگر یہ کہ اس کو مختار عام کر دے اور یہ کہدے کہ جو مناسب سمجھے میرے لئے خریدلے اور جب وکیل نے چیز خریدلی اور اس پر قبضہ کرلیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو عیب کی وجہ سے لوٹا سکتا ہے جب تک کہ مبیع اس کے قبضہ میں ہو۔ پس اگر وہ موکل کو دے چکا تو اس کی اجازت کے بغیر نہیں لوٹائے گا اور عقد صرف اور سلم میں بھی وکیل کرنا جائز ہے پس اگر وکیل معاملہ والا اسے قبضہ سے پہلے جدا ہو گیا تو عقد باطل ہو جائے گا اور موکل کی جدائی کا کوئی اعتبار نہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] ومن وکل رجلاً۔ یعنی اگر کوئی کسی شخص کو کسی چیز کے خریدنے کے لئے وکیل کرے تو ضروری ہے وہ اس کی جنس اور صفت بتادے اور اس کی جنس معین کر دے تاکہ فعل معلوم ہو کر تعمیل ممکن ہو سکے۔ بیان جنس جیسے اس کا غلام یا باندی ہونا صفت جیسے اس کا حبشی یا ترکی ہونا البتہ اگر اس نے اس شخص کو مختار عام کر دیا اور یہ کہدیا کہ آپ جو کچھ مناسب سمجھیں میرے لئے خریدلیں تو اس تقدیر پر قیمت وغیرہ معین کرنے کی ضرورت نہیں۔

قولہ[۲] اذا اشتری الوکیل۔ یعنی جب وکیل نے کوئی چیز خریدی اور اس پر اپنا قبضہ کرلیا پھر اس میں کوئی عیب معلوم ہوا تو جب تک کہ وہ مبیع اس کے قبضہ میں ہے اس عیب کی وجہ سے اس کا واپس کر دینا جائز ہے کیونکہ عیب کی وجہ سے واپس کرنا حقوق عقد میں سے ہے اور حقوق عقد وکیل کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر وکیل وہ چیز موکل کے حوالہ کر چکا تو اس کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کر سکتا کیونکہ مبیع حوالہ کرنے سے حکم وکالت پورا ہو چکا۔

قولہ[۳] یجوز التوکیل۔ یعنی عقد صرف اور عقد سلم میں بھی وکیل کرنا جائز ہے ان میں وکیل کی جدائی کا اعتبار ہے موکل کی جدائی کا نہیں۔ موکل خواہ حاضر ہو یا غائب اس لئے کہ عاقد وکیل ہے۔ موکل نہیں پس اگر وکیل قبضہ کرنے سے پہلے اپنے معاملہ والا سے جدا ہو گیا تو وہ عقد باطل ہو جائے گا کیونکہ وکیل اصل عقد میں اگرچہ غائب ہے لیکن حقوق عقد میں وہ اصیل ہے اس لئے موکل کے حاضر ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

واذا[۱] دفع الوکیلُ بالشراءِ الثمنَ من مالہٖ وقبضَ المبیعَ فلہٗ ان یرجعَ بہٖ علی الموکلِ فان[۲] ھلکَ المبیعُ فی یدہٖ قبل حبسہٖ ھلکَ من مالِ الموکلِ ولم یسقط الثمنُ ولہٗ ان یحبسہٗ حتی یستوفی الثمنَ فان[۳] حبسہٗ فھلکَ فی یدہٖ کان مضموناً ضمانَ الرھنِ عند ابی یوسف رحمہ اللہ وضمانَ البیعِ عند محمد رحمہ اللہ

ترجمہ: ـــــ اور وکیل بالشراء نے ثمن اپنے مال سے دیدیا اور مبیع پر قبضہ کرلیا تو وہ قیمت موکل سے لیگا پس اگر مبیع وکیل کے پاس ہلاک ہو جائے اس کے روکنے سے پہلے تو موکل کے مال سے ہلاک ہو گی اور ثمن ساقط

نہ ہوگا اور وکیل ثمن وصول کرنے کیلئے مبیع کو روک سکتا ہے پس اگر اس نے روک لیا اور وہ اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو رھن کے ضمان کی مثل مضمون ہوگی امام ابو یوسف کے نزدیک اور بیع کے ضمان کی مثل امام محمد کے نزدیک ۔

تشریح:۔۔۔۔۔ قولہ[۱] واذا دفع الوکیل ۔ جب وکیل بالشراء یعنی جو کسی چیز کے خریدنے کیلئے وکیل کیا گیا تھا اس نے اپنے روپیہ سے مبیع کی قیمت دیدی اور مبیع پر قبضہ کرلیا تو وہ قیمت اُسے موکل سے لیگا اور مبیع کو موکل سے روک سکتا ہے یہ احناف کے نزدیک ہے جبکہ امام زفر کا قول یہ ہے کہ وکیل کو اس کا حق نہیں کیونکہ وکیل کے قبضہ کرلینے سے موکل قابض ہوگیا تو گویا وکیل نے موکل کو مبیع سپرد کردی لہذا روکنے کا حق ساقط ہوگیا دلیل احناف کی یہ ہے کہ وکیل ثمن کے مطالبہ میں بائع کی طرح ہے اور بائع کے لئے حبس مبیع کا حق ہے تو وکیل کیلئے بھی ہوگا ۔

قولہ[۲] فان ھلک المبیع ۔ یعنی قبل اس کے کہ وکیل اپنے روپیہ کی وجہ سے اس مبیع کو روکے اور وہ مبیع وکیل کے پاس تلف ہوجائے تو وہ موکل کے مال سے تلف ہوگی یعنی تلف ہوجانے پر بھی وکیل موکل سے قیمت لے گا کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کے قبضہ کی مانند ہے اور وکیل نے مبیع کو نہیں روکا گویا وہ موکل کے پاس سے ہلاک ہوگئی پس موکل کے ذمہ سے قیمت ساقط نہ ہوگی ۔

قولہ[۳] فان حبسہ فھلک ۔ یعنی وکیل نے اگر مبیع کو قیمت لینے کی وجہ سے روک لیا اور وہ اس کے پاس تلف ہوگئی تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ مثل ضمان رھن کے دینار ہوگا اور امام محمد کے نزدیک مثل ضمان بیع کے دینار ہوگا یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے اور مثل ضمان بیع سے یہ مراد ہے کہ اس مبیع کی قیمت وکیل کے ذمہ ہوگی خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ کیونکہ وکیل موکل کی بہ نسبت مثل بائع کے ہے اس کا مبیع کا روکنا قیمت وصول کرنے کیلئے تھا اور جب اس کے پاس مبیع تلف ہوگئی گویا بائع ہی کے پاس تلف ہوگئی پس اب یہ موکل سے قیمت نہیں لے سکتا ۔

واذا[۱] وکّل رجلٌ رجلین فلیس لاحدھما ان یتصرف فیما وکّلا فیہ دون الآخر الا ان یوکلھما بالخصومۃ او بطلاق زوجتہ بغیر عوضٍ او بعتق عبدہ بغیر عوضٍ او بردّ ودیعۃٍ عندہ او بقضاء دینٍ علیہ ولیس[۲] للوکیل ان یوکل فیما وکّل بہ الا ان یاذن الموکل او یقول لہ اعمل برأیک فان وکل بغیر اذنِ موکلہ فتعقد وکیلہ بخصومتہ جاز وان عقد بغیر حضورتہ فاجازہ الوکیل الاول جاز وللموکل[۳] ان یعزل الوکیل عن الوکالۃ فان لم یبلغہ العزل فھو علیٰ وکالتہ وتصرفہ جائز حتی یعلم

ترجمہ:۔۔۔۔۔ اور جب کوئی دو آدمیوں کو وکیل کرے نہ کہ ایک کیلئے اس چیز میں تصرف کرنا جائز نہیں جس میں یہ وکیل کئے گئے ہیں دوسرے کے بغیر مگر یہ کہ وکیل کیا ہو ان کو جواب دہی یا اپنی بیوی کو بلا عوض طلاق دینے یا اپنے غلام

کو بلاعوض آزاد کرنے یا امانت کی واپسی یا اپنا قرض ادا کرنے کیلئے اور وکیل کے لئے جائز نہیں کہ اس کام میں دوسرے کو وکیل کرے جس میں اس کو وکیل کیا گیا ہے مگر یہ کہ موکل اجازت دیدے یا کہدے کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کر پس اگر موکل کی اجازت کے بغیر وکیل کیا اور وکیل نے اس کی موجودگی میں کوئی معاملہ کیا تو جائز ہے اور اگر اس کی عدم موجودگی میں کیا اور وکیل اول نے اس کو پسند کیا تو بھی جائز ہے اور موکل وکیل کو وکالت سے معزول کر سکتا ہے پس اگر وکیل کو معزول ہونے کی خبر نہ ہو تو وہ اپنی وکالت پر رہے گا اور اس کا تصرف جائز ہوگا یہاں تک کہ اس کو معزول ہونے کا علم ہو۔

تشریح: قولہ[۱] واذا وکل رجل۔ یعنی جب کسی ایک شخص نے دو آدمیوں کو وکیل کر دیا تو جس چیز میں وہ دونوں وکیل کئے گئے ہیں اس میں ان میں سے ایک کو بلا دوسرے کی موجودگی کے تصرف کرنا جائز نہیں البتہ اگر اس نے ان دونوں کو کسی جواب دہی یا بغیر کسی عوض کے اپنی بیوی کو طلاق دینے یا بغیر کسی عوض کے اپنے غلام کو آزاد کرنے یا امانت واپس کر دینے یا قرض ادا کرنے کیلئے وکیل کیا ہو کیونکہ ان کاموں کو ان میں سے کوئی ایک بھی انجام دے سکتا ہے دو کے ہونے میں کوئی فائدہ نہیں دوسرے یہ کہ جب کسی جواب دہی میں دونوں شریک ہوں گے تو دونوں نہیں سمجھائیں گے بلکہ ایک دوسرے کیلئے کافی ہو جائے گا۔

قولہ[۲] ولیس للوکیل۔ یعنی وکیل کے لئے یہ جائز نہیں کہ جس کام کے لئے وہ خود وکیل کیا گیا ہے اس میں کسی دوسرے کو وکیل کر دے کیونکہ موکل کی طرف سے اس کو تصرف کی اجازت ہے توکیل کی نہیں اس کے علاوہ یہ کہ لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں اور موکل اپنے وکیل کی رائے سے راضی ہے دوسرے کی رائے سے نہیں۔ البتہ موکل نے اگر اسے اجازت دیدی ہو اور یہ کہدیا ہو کہ آپ اپنی رائے سے کام کریں پس اگر اس نے اپنے موکل کی اجازت کے بغیر کسی کو وکیل کر دیا اور اس کے وکیل نے اس کے سامنے ہی کچھ خرید و فروخت کی تو جائز ہے اور اگر اس کی عدم موجودگی میں کی اور اس کے پہلے وکیل نے اس کو پسند کر لیا تو بھی جائز ہے اس لئے کہ مقصود پہلے وکیل کی رائے ہے جو یہاں موجود ہے۔

قولہ[۳] وللموکل ان یعزل الوکیل۔ یعنی موکل کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ جب چاہے اپنے وکیل کو وکالت سے معزول کر دے پھر اگر وکیل کو اپنے معزول ہونے کی خبر نہیں پہونچی تو وہ اپنی وکالت پر قائم ہے اور جب تک اسے معلوم نہ ہو اس کا تصرف جائز و معتبر ہے کیونکہ وکیل کرنا موکل کا حق ہے پس یہ اپنے حق کو باطل کر سکتا ہے البتہ اگر اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو گیا تو اس تقدیر پر وکیل کو معزول کرنے میں اس غیر کے حق کو باطل کرنا لازم آئے گا جو ممنوع ہے۔

وتبطل[۱] الوکالۃ بموتِ الموکل وجنونہ جنونًا مطبقًا ولحاقہٖ بدار الحرب مرتدًا اواذا وکل[۲]

المکاتبُ رجلاً ثم عجز اوالماذونُ لهٗ فحُجِرَ علیہ اوالشریکانِ فافترقا فھذہٖ الوجوہُ کلّھا تبطل الوکالۃَ علم الوکیل اولم یعلم واذا مات الوکیل اوجن جنونا مطبقاً بطلت وکالتہٗ وان لحق بدارِ الحربِ مرتدا لم یجز لہٗ التصرف الا ان یعود مسلماً ومن وکّل رجلاً بشیٍٔ ثم تصرف الموکل بنفسہٖ فیما وکل بہٖ بطلت الوکالۃُ

ترجمہ: ـــــ اور وکالت موکل کے مرنے اور بالکل دیوانہ ہونے اور مرتد ہوکر دارالحرب چلے جانے سے باطل ہوجاتی ہے اور جب مکاتب نے کسی مرد کو وکیل کیا پھر وہ عاجز ہوگیا یا ماذون غلام نے وکیل کیا پھر وہ مجور ہوگیا یا دو شریکوں نے وکیل کیا پھر وہ جدا ہوگئے تو یہ سب صورتیں وکالت کو باطل کردیتی ہیں وکیل کو معلوم ہو یا نہ ہو اور جب وکیل مرگیا یا بالکل دیوانہ ہوگیا تو اس کی وکالت باطل ہوگئی اور اگر مرتد ہوکر دارالحرب چلا جائے تو اس کیلئے تصرف جائز نہیں مگر یہ کہ وہ مسلمان ہوکر آجائے اور جس نے کسی کو کسی کام کے لئے وکیل کیا پھر موکل نے وہ کام خود کرلیا تو وکالت باطل ہوگئی۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] تبطل الوکالۃ۔ اس عبارت سے ان امور کو بیان کیا جاتا ہے جن سے وکالت باطل ہوجاتی ہے وہ کل دس ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) موکل کے مرنے سے (۲) موکل کے مجنون ہوجانے سے بشرطیکہ جنون مطبق یعنی دائمی ہو (۳) موکل کے دارالحرب میں چلے جانے سے (۴) موکل کے عاجز ہونے سے جب کہ وہ مکاتب ہو اور بدل کتابت سے عاجز ہو (۵) موکل کے ممنوع التصرف ہونے سے جب کہ عبد ماذون ہو پھر مجور ہو (۶) دو شریکوں میں سے ایک کے افتراق سے (۷) وکیل کے مرنے سے (۸) وکیل کے مجنون ہوجانے سے بشرطیکہ جنون مطبق ہو (۹) وکیل کے دارالحرب چلے جانے سے (۱۰) موکل کے بذات خود تصرف کرنے سے یعنی جس کام کے لئے اس کو وکیل بنایا تھا وہ کام خود موکل کرے اور اب وکیل کا تصرف ممکن نہ ہو جیسے آزاد کرنا۔ زوجہ کو طلاق دینا۔ خلع وغیرہ۔

قولہ[2] اذا وکل المکاتب۔ یعنی جب کسی نے خرید و فروخت کے لئے مکاتب کو وکیل کیا پھر وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوگیا یا ماذون غلام کو وکیل کیا پھر وہ مجور ہوگیا یا دو شریک تھے پھر وہ علٰحدہ علٰحدہ ہوگئے یعنی شرکت توڑ دی تو یہ تمام صورتیں وکالت کو باطل کردیتی ہیں خواہ وکیل کو معلوم ہو یا نہ ہو اور جب وہ مرگیا یا وہ بالکل دیوانہ ہوگیا تو اس کی وکالت باطل ہوجائے گی اور اگر وہ مرتد ہوکر دارالحرب میں چلا گیا تو اس کا تصرف جائز نہیں البتہ اگر وہ مسلمان ہوکر دارالحرب میں آجائے تو جائز ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس کے دارالحرب میں چلے جانے کا قاضی نے بھی حکم دے دیا ہو اور مبسوط میں ہے کہ اگر وکیل مرتد ہوکر دارالحرب میں چلا گیا تو وہ کسی امام کے نزدیک بھی وکالت سے معزول نہ ہوگا جب تک کہ قاضی اس کے چلے جانے کا حکم نہ دیدے۔

والوکیلُ[3] بالبیعِ والشراءِ لا یجوز لہٗ ان یعقدَ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالٰی مع ابیہٖ وجدہٖ وولدہٖ وولد[4]

ولدہ وزوجتہ وعبدہ ومکاتبہ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ ویجوز بیعہ منہم بمثل القیمۃ الا فی عبدہ ومکاتبہ والوکیل بالبیع یجوز بیعہ بالقلیل والکثیر عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقالا لا یجوز بیعہ بنقصان لا یتغابن الناس فی مثلہ والوکیل بالشراء یجوز عقدہ بمثل القیمۃ وزیادۃ لایتغابن الناس فی مثلہا ولا یجوز بما لا یتغابن الناس فی مثلہ والذی یتغابن الناس فیہ ما لا یدخل تحت تقویم المقومین واذا ضمن الوکیل بالبیع الثمن عن المبتاع فضمانہ باطل۔

ترجمہ: ــــ اور خرید و فروخت کے وکیل کیلئے جائز نہیں کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اپنے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا اور غلام اور مکاتب کیساتھ معاملہ کرے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ ان کے ہاتھ وکیل کا پوری قیمت کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے مگر اپنے غلام اور مکاتب میں اور بیع کے وکیل کو امام ابو حنیفہ کے نزدیک کمی بیشی کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ اتنی کمی سے بیع کرنا جائز نہیں جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو اور خرید کے وکیل کو برابر قیمت اور اتنی زیادتی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے جس کا لوگوں میں رواج ہو اور اتنی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو اور وہ قیمت جس کا لوگوں میں رواج نہیں وہ ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت لگانے میں داخل نہ ہو اور جب بیع کا وکیل مشتری کی جانب سے قیمت کا ضامن ہو تو اس کی ضمانت باطل ہے۔

تشریح: ــــ قولہ والوکیل بالبیع والشراء۔ یعنی جو خرید و فروخت کرنے کا وکیل ہے اس کے لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں کہ وہ اپنے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا اور غلام اور مکاتب سے خرید و فروخت کرے کیونکہ ان کے درمیان منافع متصل ہوتے ہیں جس سے تہمت کا امکان ہے۔ صاحبین کا قول یہ ہے کہ پوری قیمت کے ساتھ ان کے ہاتھ بیع کرنا جائز ہے کیونکہ توکیل مطلق ہے جو اپنے اطلاق پر قائم ہے اور اس میں تہمت نہ ہوگی کیونکہ املاک متباین ہیں برخلاف اپنے غلام اور مکاتب کے ہاتھ اس کی بیع جائز نہیں کیونکہ غلام کے ساتھ بیع کرنا گویا اپنی ذات کے ساتھ بیع کرنا ہے کیونکہ غلام کے پاس جو چیز ہے وہ مولیٰ کی ہے اسی طرح مکاتب کی کمائی میں مولیٰ کا حق ہے کہ وہ بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی صورت میں مولیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

قولہ[۲] بالبیع یجوز۔ یعنی بیع کے وکیل کے لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے کہ وہ جس چیز کے بیع کرنے کا وکیل ہے اُسے کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کر دے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ ایسی کمی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو اور خریداری کے وکیل کو برابر قیمت اور اس قدر زیادہ قیمت کے ساتھ خریدنا جائز ہے جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

قولہ[۳] والوکیل بالشراء۔ یعنی خریداری کے وکیل کو برابر قیمت یا اس قدر زیادہ قیمت کے ساتھ خریدنا جائز ہے

جس کا لوگوں میں رواج ہو اور رواجی قیمت سے زیادہ کے ساتھ خریدنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہاں تہمت کا امکان یعنی یہ ممکن ہے کہ اس نے اپنے لئے خریدی لیکن جب دیکھا کہ اس میں خسارہ ہے تو موکل کے ذمہ ڈال دیا۔ اور لوگوں میں اس قیمت کے رواج ہونے سے مراد یہ ہے کہ قیمت لگانے والا اس کی اتنی قیمت نہ لگاتے ہوں البتہ ضرورت کے وقت اتنی قیمت دینے کا رواج تاجروں میں ہے اور اگر بیع کا وکیل مشتری کی طرف سے قیمت کا خود ہی ضامن ہو جائے تو اس کی ضمانت باطل ہے۔

واذا[۱] وکلہ ببیع عبدہٖ فباع نصفہ جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی وان[۲] وکلہ بشراء عبدٍ فاشتری نصفہ فالشراء موقوف فان اشتری باقیۃ لزم الموکل واذا وکلہ بشراء[۳] عشرۃ ارطال لحم بدرھم فاشتری عشرین رطلاً بدرھمٍ من لحمٍ یباع مثلہ عشرۃ ارطال بدرھمٍ لزم الموکل منہ عشرۃ بنصف درھم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی وقالا رحمھما اللہ یلزمہ العشرون وان[۴] وکلہ بشراء شیءٍ بعینہٖ فلیس لہ ان یشتریہ لنفسہٖ وان وکلہ بشراء عبدٍ بغیر عینہٖ فاشتری عبداً فھو للوکیل الا ان یقول نویت الشراء للموکل او یشتریہ بمال الموکل۔

ترجمہ: ـــــ اور جب کسی نے غلام بیچنے کیلئے وکیل کیا اور اس نے نصف غلام کو بیچ دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور اگر غلام خریدنے کیلئے وکیل کیا اور اس نے آدھا خریدا تو خریداری موقوف ہوگی پس اگر باقی بھی خرید لے تو موکل کو لینا پڑے گا اور جب کسی کو دس درہم گوشت ایک درہم میں خریدنے کیلئے وکیل کیا پس اس نے بیس رطل گوشت ایک درہم میں خرید لیا ایسا کہ اس جیسا ایک درہم میں دس رطل ہی بکتا ہے تو موکل کو دس رطل گوشت نصف درہم میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک لینا لازم ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ بیسوں رطل لینے پڑیں گے اور اگر کسی نے کوئی خاص چیز خریدنے کے لئے وکیل کیا تو وکیل کو وہ چیز اپنے لئے خریدنا جائز نہیں اور اگر غیر معین غلام خریدنے کیلئے وکیل کیا پس وکیل نے کوئی غلام خرید لیا تو وہ وکیل ہی کا ہوگا مگر یہ کہ وکیل یہ کہے کہ میں نے موکل کے لئے خریدا ہے یا یہ کہ وہ موکل کے مال سے خریدے۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] واذا وکلہ۔ یعنی اگر کسی نے ایک غلام کو بیچنے کیلئے کسی کو وکیل کیا اور اس نے نصف غلام کو بیچ دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے فتویٰ اسی پر ہے کیونکہ توکیل مطلق ہے جس میں اجتماع و افتراق کی کوئی قید نہیں صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر اس نے خصومت سے پہلے نصف آخر کو بھی فروخت کر دیا تو بیع جائز ہوگی ورنہ نہیں اس لئے کہ نصف غلام فروخت کرنے سے غلام مشترک ہو گیا اور شرکت ایسا عیب ہے جس میں قیمت کم ہو جاتی ہے۔ لہذا مطلق نہ ہوگا۔
قولہ[۲] وان وکلہ بشراء۔ یعنی اگر کسی نے ایک غلام خریدنے کیلئے کسی کو وکیل کیا اور اس نے نصف غلام خریدا تو یہ خریدنا

بالاجماع موقوف رہے گا اور اگر اس کے بعد اس نے باقی غلام کو بھی خرید لیا تو یہ خریدنا درست ہے ورنہ نہیں اس لئے کہ اس صورت میں تہمت کا امکان ہے جیسا کہ گذرا۔

قولہ[۳] بشراء عشرۃ ارطال۔ یعنی اگر کسی نے ایک آدمی کو اس لئے وکیل کیا کہ دس پونڈ گوشت ایک روپیہ میں خرید کر لا دے اور وکیل نے ویسا ہی گوشت جو ایک روپیہ کا دس پونڈ بکتا ہے ایک روپیہ میں بیس پونڈ خرید لیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک موکل کو دس پونڈ گوشت آٹھ آنے میں لینا لازم ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ سارا یعنی بیس پونڈ لینا پڑے گا کیونکہ وکیل نے تو اس کا فائدہ ہی کیا ہے اور دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ وکیل دس پونڈ خریدنے کا مامور ہے پس اس سے زائد خریدنا وکیل کا نافذ ہوگا۔

قولہ[۴] وان وکلہ بشراء شیء۔ یعنی اگر کسی نے کوئی خاص چیز خریدنے کیلئے کسی کو وکیل کر دیا تو اس وکیل کو یہ جائز نہیں کہ اس چیز کو اپنے لئے خرید لے کیونکہ اس تقدیر پر خود کو وکالت سے معزول کرنا لازم آئے گا اور موکل کی عدم موجودگی میں یہ اس کے لئے ممکن نہیں اور اگر کسی نے بلا تعین ایک غلام کے خریدنے کا کسی کو وکیل کر دیا پھر وکیل نے ایک غلام خریدا تو وہ وکیل ہی کا ہوگا البتہ وکیل اگر یہ کہے کہ میں نے موکل کے لئے قصد کر کے خریدا ہے یا اس نے موکل کے روپیہ سے خریدا ہے تو دونوں ہی صورتوں میں موکل کا ہوگا۔

والوکیلُ[۱] بالخصومۃِ وکیلٌ بالقبضِ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالیٰ والوکیلُ[۲] بقبضِ الدینِ وکیلٌ بالخصومۃِ فیہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ واذا اقر الوکیل بالخصومۃِ علی موکلہ عند القاضی جاز اقرارہ ولا یجوز اقرارہ علیہ عند غیر القاضی عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ الا انہ یخرج من الخصومۃِ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز اقرارہ علیہ عند غیرِ القاضی ومن[۳] ادعی انہ وکیل الغائبِ فی قبض دینہ فصدقہ الغریم امر بتسلیم الدینِ الیہ فان[۴] حضر الغائب فصدقہ جاز والا دفع الیہ الغریم الدین ثانیاً ویرجع بہ علی الوکیلِ ان کان باقیاً فی یدہ وان قال انی وکیلٌ بقبضِ الودیعۃِ فصدقہ المودِع لم یومر بالتسلیمِ الیہ۔

ترجمہ: ـــــ اور جو وکیل جواب دہی کا ہے وہی قبضہ کا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اور قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل قرض کے متعلق جواب دہی کا بھی وکیل ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور جب جواب دہی کا وکیل قاضی کے پاس اپنے موکل کے ذمہ کسی چیز کا اقرار کرے تو وہ اقرار درست ہے اور موکل پر قاضی کے علاوہ کے پاس اس کا اقرار امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک درست نہیں مگر یہ کہ وہ جواب دہی سے نکل جائے گا۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا

اس کا اقرار قاضی کے علاوہ کے پاس بھی درست ہے اور جس کسی نے یہ دعوی کیا کہ میں فلاں غائب کا اس کا قرض وصول کرنے کیلئے وکیل ہوں پس مقروض نے اس کی تصدیق کر دی تو اس کو قرض حوالہ کر دینے کا حکم کیا جائے گا پس اگر وہ غائب وکیل کی تصدیق کر دے تو جائز ہو جائے گا ورنہ مقروض اسے دوبارہ قرض ادا کر دے گا اور وہ وکیل سے لے لیگا اگر اس کے پاس باقی ہو اور اگر کسی نے کہا کہ میں ودیعت وصول کرنیکا وکیل ہوں پس مودع نے اس کی تصدیق کر دی تو اسکو ودیعت دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: — قولہ والوکیل بالخصومة: جو وکیل خصومت یعنی جو جواب دہی کا وکیل ہے وہ حق پر قبضہ کرنے کا بھی وکیل ہے ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک کیونکہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہو وہ اس کے اتمام کا بھی مالک ہوتا ہے اور تمامیت خصومت قبضہ سے ہوتی ہے تو وہ اس کا مالک ہوگا۔ امام زفر اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک جواب دہی کا وکیل قبضہ کرنے کا مالک نہ ہوگا اسلئے کہ موکل صرف اسکی جواب دہی سے خوش ہے اس کے قبضہ سے نہیں کیونکہ جواب دہی اور قبضہ دونوں الگ الگ چیز ہیں تو ایک چیز سے خوش ہونا دوسری چیز سے خوش ہونیکو لازم نہیں کرتا فتویٰ امام زفر کے قول پر ہے۔

قولہ والوکیل یقبض الدین: یعنی جو وکیل قرض پر قبضہ کرنے کیلئے ہے وہ جواب دہی کیلئے بھی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور اگر جواب دہی کے وقت وکیل نے قاضی کے اجلاس میں اپنے موکل کے ذمہ کسی چیز کا اقرار کر لیا تو اس کا اقرار جائز ہوگا اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک قاضی کے سوا کسی دوسرے کے اجلاس میں وکیل کا موکل کے ذمہ اقرار کر لینا جائز نہیں البتہ وہ جواب دہی سے نکل جائے گا اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ غیر قاضی کے اجلاس میں یعنی دونوں صورتوں میں بھی اقرار کر لینا جائز ہے کیونکہ وکیل موکل کا نائب ہے اور موکل کا اقرار کرنا مجلس قضا کے ساتھ خاص نہیں تو اس کے نائب کا اقرار بھی مجلس قضا کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔ دلیل طرفین کی یہ ہے کہ تو کیل بالخصومت ہر اسی جواب دہی کو شامل ہے جس کو خصومت کہا جا سکے خواہ حقیقۃً ہو یا مجازاً اور مجلس قضا میں اقرار کرنا مجازاً خصومت ہے برخلاف مجلس قضا کے علاوہ کہ اس کو خصومت نہیں کہا جاتا۔

قولہ ومن ادعی انہ وکیل الغائب: یعنی کسی نے اگر یہ دعوی کیا کہ میں فلاں آدمی کی طرف سے اس کا قرض وصول کرنے کیلئے وکیل ہوں اور مقروض نے اس کی تصدیق کر لی تو قاضی کی طرف سے اُسے حکم دیا جائے کہ قرض کو وہ اسی کے حوالہ کر دے کیونکہ اس نے مدعی وکالت کی تصدیق کر کے خود ہی اقرار کر لیا۔

قولہ فان حضر الغائب: یعنی وہ موکل جو غائب تھا اگر حاضر ہو کر اس وکیل کی تصدیق کر دی تو جائز ہو جائے گا ورنہ وہ مقروض اُسے دوبارہ قرض ادا کرے اور خود وہ وکیل سے وصول کرے اگر اس کے پاس روپیہ ہو اور اگر وکیل کے پاس نہ ہو تو پھر اس سے کچھ نہیں لے سکتا۔

کتاب الکفالۃ

الکفالۃ ضربان کفالۃٌ بالنفس وکفالۃٌ بالمال والکفالۃُ بالنفس جائزۃٌ والمضمون بھا احضار المکفول بہ وتنعقد اذا قال تکفلت بنفس فلانٍ او برقبتہ او بروحہ او بجسدہ او براسہ او بنصفہ او بثلثہ وکذلک ان قال ضمنتہ او ھو علیّ او الیّ او انا بہ زعیمٌ او کفیلٌ فان شرط فی الکفالۃ تسلیم المکفول بہ فی وقتٍ بعینہ لزمہ احضارہ اذا طالبہ بہ فی ذلک الوقت فان احضرہ والا حبسہ الحاکم واذا احضرہ وسلمہ فی مکانٍ یقدر المکفول لہ علی محاکمتہ برئ الکفیل من الکفالۃ

ترجمہ :- کفالت کی دو قسمیں ہیں ایک کفالت جان کی اور دوسری کفالت مال کی اور کفالت جان کی جائز ہے اور اس میں ضامن ہونے والا پر مکفول لہ کو حاضر کرنا ہوتا ہے اور وہ منعقد ہو جاتی ہے جب یوں کہے کہ میں فلاں کی جان یا اسکی گردن یا روح یا بدن یا سر یا اس کے نصف یا تہائی کا ضامن ہو گیا اور اس طرح اگر کوئی کہے کہ میں اس کا ضامن ہوں یا وہ میرے ذمہ یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار یا کفیل ہوں پس اگر کفالت میں مکفول بہ کو کسی خاص وقت میں سپرد کرنیکی شرط کر لی تو اس کو حاضر کرنا لازم ہوگا جب مکفول لہ اس وقت میں طلب کرے پس اگر اس نے حاضر کر دیا تو بہتر ہے ورنہ حاکم کفیل کو قید کرے اور جب وہ اس کو حاضر کر کے ایسی جگہ سپرد کر دے جہاں مکفول لہ اس سے جھگڑ سکتا ہے تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔

تشریح :- قولہ کتاب الکفالۃ :- وکالت کی طرح کفالت بھی چونکہ تبرع ہے جس میں غیر کا فائدہ مقصود ہوتا ہے اس لئے وکالت کے بعد کفالت کو بیان کیا گیا ہے۔ کفالت لغت میں ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانا ہے — قال اللہ تعالیٰ وکفلہا زکریا اور اصطلاح میں کفالت کہتے ہیں حق کے مطالبہ میں کفیل کے ذمہ کو اصیل کے ذمہ کے ساتھ ملانا مطالبہ خواہ ذات کا ہو یا دین کا یا عین کا۔

واضح ہو کہ کفیل وہ ہے جس پر کفالت سے مطالبہ لازم ہو اس کو کافل اور ضامن اور ضمین اور زعیم اور قبیل بھی کہا جاتا ہے اور مکفول عنہ مدعی علیہ یعنی مدیون و مقروض کو کہا جاتا ہے اور مکفول لہ مدعی یعنی دائن و قرضخواہ کو اور اصیل وہ ہے جس چیز کی ضمانت ہو مثلاً جان و مال۔

قولہ الکفالۃ ضربان :- کفالت کی دو قسمیں ہیں ایک کفالت بالنفس اور دوسری کفالت بالمال یعنی ایک کفالت جان کی جسے حاضر ضامنی کہتے ہیں اور دوسری کفالت مال کی یعنی مال کا ضامن ہونا یہ دونوں قسمیں احناف کے نزدیک جائز ہیں جبکہ امام شافعی پہلی قسم یعنی کفالت بالنفس کا انکار کرتے ہیں اس لئے کہ کفالت کی وجہ سے مکفول بہ کو سپرد کرنا لازم ہے اور کفالت بالنفس میں کفیل اس پر قادر نہیں۔ اس لئے کہ اس کو مکفول بہ کی جان پر حق ولایت نہیں۔ احناف کی دلیل سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ "کفیل ضامن ہے" مطلق ہے جو اپنی دونوں قسموں کی مشروعیت پر دال ہے

اور کفالت بالنفس میں کفیل اگرچہ مکفول بہ کی سپردگی پر قادر نہیں لیکن اسکی سپردگی کے بہت سارے طریقے ہیں جن سے اس کو حاضر کیا جا سکتا ہے۔

قولہ تنعقد اذا قال :- کفالت اس وقت منعقد یعنی درست ہوتی ہے جبکہ کسی نے اس طرح کہا کہ میں فلاں آدمی کے نفس کا ضامن ہوگیا اور اگر نفس کے بجائے ایسا لفظ ذکر کیا کہ جس سے پورا بدن مراد لیا جائے مثلاً گردن یا روح یا جسم یا اس کا سر یا اس کا نصف یا تہائی بدن وغیرہ وغیرہ تو اس سے بھی کفالت درست ہو جائیگا۔

قولہ کذلك ان قال :- صورت مذکورہ کی طرح یہ بھی ہے کہ کسی نے اگر یہ کہا کہ میں اس کا ضامن ہوں تو اس سے کفالت درست ہو جائے گی کیونکہ اس میں کفالت کی تصریح موجود ہے اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ وہ میرے ذمہ ہے یا میری طرف ہے اسلئے کہ یہ بھی صیغۂ التزام ہے اسی طرح اگر کہا کہ میں اس کا ذمہ دار یا کفیل ہوں تو کفالت درست ہو جائے گی۔

قولہ فان شرط فی الکفالۃ :- یعنی کفالت میں اگر مکفول بہ کو کسی خاص وقت پر سپرد کر دینے کی شرط کرلی ہے تو اس وقت اگر مکفول لہٗ اس کو طلب کرے تو اس کفیل پر اس کو حاضر کر دینا لازم ہوگا پس اگر اس نے حاضر کر دیا تو بہتر ہے ورنہ حاکم اس کفیل کو قید کرے اور اگر اس نے اسے حاضر کرکے ایسی جگہ اس کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ مکفول اس سے جھگڑا کر سکتا ہے تو یہ کفیل اپنی کفالت سے بری ہو جائے گا اور اگر ایسی جگہ اس کے سپرد کیا ہے کہ وہ جھگڑا نہیں کر سکتا مثلاً جنگل یا میدان وغیرہ میں سپرد کر دیا ہے تو اس صورت میں وہ کفالت سے بری نہ ہوگا۔

وَاِذَا[۱] تَكَفَّلَ عَلٰی اَنْ يُّسَلِّمَهٗ فِیْ مَجْلِسِ الْقَاضِیْ فَسَلَّمَهٗ فِی السُّوْقِ بَرِئَ وَاِنْ كَانَ فِیْ بَرِّيَّةٍ لَمْ يَبْرَأْ وَاِذَا مَاتَ الْمَكْفُوْلُ بِهٖ بَرِئَ الْكَفِيْلُ بِالنَّفْسِ مِنَ الْكَفَالَةِ وَاِنْ[۲] تَكَفَّلَ بِنَفْسِهٖ عَلٰی اَنَّهٗ اِنْ لَمْ يُوَافِ بِهٖ فِیْ وَقْتِ كَذَا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا عَلَيْهِ وَهُوَ اَلْفٌ وَلَمْ يُحْضِرْهُ فِی الْوَقْتِ لَزِمَهٗ ضَمَانُ الْمَالِ وَلَمْ يَبْرَأْ مِنَ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ وَلَا[۳] تَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ فِی الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی

ترجمہ ـــــ اور اگر مکفول بہ کو قاضی کی مجلس میں سپرد کرنے کا کفیل ہوا پس اس کو بازار میں سپرد کر دیا تو بھی بری ہو جائیگا اور اگر جنگل میں سپرد کر دیا تو بری نہ ہوگا اور جب مکفول بہ مر جائے تو کفیل بالنفس کفالت سے بری ہو جاتا ہے اور اگر کسی کا کفیل بالنفس اس طور پر ہوا کہ اگر میں نے اسکو فلاں وقت حاضر نہ کیا تو اس کا میں ضامن ہوں۔ جو اس کے ذمہ ہے اور وہ ایک ہزار ہے پھر وہ اس وقت حاضر نہ کیا تو اس پر مال کا ضمان لازم ہوگا۔ اور کفالت بالنفس سے بری نہ ہوگا اور کفالت بالنفس حدود و قصاص میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں۔

تشریح :- ـــــ قولہ[۱] واذا تکفل :- یعنی اگر کوئی اس طور پر کفیل ہوا کہ وہ مکفول کو قاضی کے اجلاس میں سپرد کریگا پھر اس نے اسے بازار میں سپرد کر دیا تو وہ بری ہو جائے گا اور اگر جنگل میں سپرد کیا تو بری نہ ہوگا یہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے

لیکن امام زفر کے نزدیک بازار یا جنگل میں سپرد کر دینے کی صورت میں بری نہ ہوگا فتویٰ امام زفر کے قول پر ہے اور اگر مکفول بہ مر جائے تو کفیل بالنفس کفالت سے بری ہو جائے گا۔

قولہ[۲] وان تکفل بنفسہ: یعنی اگر کوئی کسی کا اس شرط پر کفیل ہوا کہ اگر میں نے اسے فلاں وقت حاضر نہ کیا تو جو مال مثلاً ایک ہزار اس کے ذمہ لازم ہو میں اس کا ضامن ہوں پھر کفیل نے اس کو پورا نہیں کیا تو کفیل مال کا ضامن ہوگا اور یہ اس کے حاضر کرنے کی کفالت سے بری نہ ہوگا کیونکہ اس کے ذمہ کفالت کی وجہ سے مال کا واجب ہونا اس کے حاضر کرنے کی کفالت کے منافی نہیں اس وجہ سے کہ ان میں سے ہر کفالت اطمینان کیلئے ہے اور جب اس نے مال کے ضامن ہونے کی اس کے حاضر نہ کرنے کی شرط پر معلق کر دیا تو یہ تعلیق درست ہو جائیگی اور جب وہ شرط نہ پائی گئی تو مال اس کے ذمہ لازم ہو گیا۔

قولہ[۳] ولا تجوز الکفالۃ: یعنی کفالت بالنفس حدود و قصاص میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں اسلئے کہ یہ عقوبات ہیں اور عقوبات میں نیابت جاری نہیں ہوتی اور قاعدہ ہے کہ جس حق کا استیفاء کفیل سے نہ ہو سکے اس حق کی ضمانت درست نہیں۔

وامّا[۱] الکفالۃُ بالمالِ فجائزۃٌ معلومًا کان المکفولُ بہٖ او مجہولاً اذا کان دینا صحیحاً مثل ان یقول تکفلت عنہ بالفِ درہمٍ او بما لک علیہ او بما یدرکک فی ھذا البیع والمکفول[۲] لہٗ بالخیار ان شاء طالب الذی علیہ الاصل وان شاء طالب الکفیل ویجوز[۳] تعلیقُ الکفالۃِ بالشروطِ مثل ان یقول ما بایعت فلانًا فعلیّ او ما ذاب لک علیہ فعلیّ او ما غصبک فلان فعلیّ واذا[۴] قال تکفلت بمالک علیہ فقامت البینۃُ بالفٍ علیہ ضمنہ الکفیل وان لم تقم البینۃُ فالقولُ قولُ الکفیلِ مع یمینہٖ فی مقدارِ ما یعترف بہ فان اعترف المکفول عنہ باکثر من ذلک لم یصدق علٰی کفیلہٖ

ترجمہ ــــ اور لیکن کفالت بالمال تو وہ جائز ہے مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول جبکہ وہ دین صحیح ہو مثلاً یوں کہے کہ میں اس کی طرف سے ہزار درہم کا ضامن ہوں یا جو کچھ تیرا اس کے ذمہ ہے یا جو تیرا اس سے بیع میں چاہیے ہوگا اور مکفول لہ کو اختیار ہے چاہے اس سے طلب کرے جس پر اصل روپیہ ہے اور چاہے کفیل سے طلب کرے اور کفالت کو شرطوں پر معلق کرنا جائز ہے مثلاً کہے کہ جو آپ فلاں کے ہاتھ بیچیں وہ مجھ پر ہے یا جو آپ کا اس کے ذمہ واجب ہے وہ مجھ پر ہے یا آپ کی جو چیز فلاں غصب کرے وہ مجھ پر ہے اور جب کسی نے کہا کہ میں اس کا کفیل ہوں جو آپ کا اس پر ہے پس اس پر ایک ہزار ہونے کا بینہ قائم ہو گیا تو کفیل اس کا ضامن ہوگا اور اگر بینہ قائم نہ ہو تو قول کفیل کا اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اس مقدار میں جس کا وہ اقرار کرے پس اگر مکفول عنہ نے اس سے زیادہ کا اعتراف کر لیا تو کفیل کے مقابلہ میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح ــــ قولہ[۱] واما الکفالۃ: یعنی حدود و قصاص میں کفالت بالنفس اگرچہ جائز نہیں لیکن کفالت بالمال یعنی مال کی ضمانت جائز ہے خواہ جس کی ضمانت کی جاتی ہے وہ معلوم ہو یا معلوم نہ ہو مگر وہ دین صحیح ہو مثلاً کوئی یہ کہے کہ

اسکی طرف سے میں ہزار درہموں کا ضامن ہوں یا کہے کہ جو کچھ تمہارا اس کے ذمہ ہے یا جو کچھ تمہارا اس بیع میں چاہیے ہوگا میں اس کا ضامن ہوں۔ دین صحیح ہونے سے مراد ایسا دین ہے جو بغیر ادا کئے یا بغیر قرض خواہ کے معاف کئے ذمہ سے ساقط نہ ہو جیسے خریدی ہوئی چیزوں کی قیمتیں اور جنایتوں کے تاوان برخلاف دین کفالت کہ وہ دین ضعیف ہے کیونکہ وہ باوجود اپنے منافی یعنی رقیت کے بھی ثابت ہو جاتا ہے اسی وجہ سے مکاتب اپنے آپ کو عاجز کرکے اس بدل کتابت کو ساقط کر دینے کا خود مختار ہے۔

قولہ والمکفول لہٗ۔ یعنی مکفول لہٗ کو اختیار ہے چاہے مال کا مطالبہ اس سے کرے جس کے ذمہ اصل مال ہے یعنی کفیل سے اور چاہے اصیل یعنی مقروض سے کرے اور چاہے دونوں سے اسلئے کہ کفالت کہتے ہیں ضم الذمۃ الی الذمۃ فی المطالبۃ کو جس کا مقتضی یہ ہے کہ دین اصیل کے ذمہ باقی رہے مگر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے البتہ اصیل اگر اپنی برأت کی شرط کر لیا تو اس سے مطالبہ جائز نہ ہوگا چونکہ کفالۃ اب حوالہ ہو چکا ہے۔

قولہ یجوز تعلیق الکفالۃ۔ یعنی کفالت بالمال کو شرطوں پر معلق کرنا جائز ہے لیکن وہ شرط اس کا سبب اور اس کا مناسب ہونی چاہیے مثلاً کوئی کہے کہ جو چیز آپ فلاں کے ہاتھ فروخت کریں تو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے یا کہے کہ جو چیز آپ کا اس کے ذمہ واجب ہو وہ ادا کرنا میرے ذمہ ہے یا کہے کہ آپ کی جو چیز فلاں آدمی غصب کرے وہ میرے ذمہ ہے۔

قولہ اذا قال تکفلت۔ یعنی اگر کسی نے یہ کہا کہ آپ کا جو کچھ اس کے ذمہ ہو میں اس کا ضامن ہوں مثلاً زید کا بکر پر کچھ قرض تھا خالد اس کا ضامن ہو گیا کہ جو کچھ بکر کے ذمہ ہے میں اس کا ضامن ہوں۔ اب زید نے گواہوں سے اس کے ذمہ ایک ہزار روپیہ کا ہونا ثابت کر دیا تو خالد کو ایک ہزار روپے دینے ہوں گے اسلئے کہ جو چیز گواہوں سے ثابت ہو وہ ایسی ہوتی ہے جیسے مشاہدہ سے ثابت ہو اور اگر زید کے پاس گواہ نہ ہو تو پھر قسم کے ساتھ کفیل کی تصدیق ہوگی خواہ کم کا اقرار کرے یا زیادہ کا اور اگر مکفول عنہ نے اس سے زیادہ کا اقرار کر لیا تو اس کے کفیل کے مقابلہ میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ دوسرے کے ذمہ ہونے کا اقرار کرتا ہے اور اس کا اسے اختیار نہیں البتہ اگر یہ اپنے ذمہ ہونے کا اقرار کرے تو چونکہ اس کا اسے اختیار ہے اس لئے اس میں اسکی تصدیق کر سکتے ہیں۔

ویجوز الکفالۃ بامر المکفول عنہ وبغیر امرہ فان کفل بامرہ رجع بما یؤدی علیہ وان کفل بغیر امرہ لم یرجع بما یؤدی ولیس للکفیل ان یطالب المکفول عنہ بالمال قبل ان یؤدی عنہ فان لوزم بالمال فللکفیل کان لہ ان یلازم المکفول عنہ حتی یخلصہ واذا ابرأ الطالب المکفول عنہ او استوفی منہ برئ الکفیل وان ابرأ الکفیل لم یبرأ المکفول عنہ ولا یجوز تعلیق البراءۃ من الکفالۃ بشرط وکل حق لا یمکن استیفاءہ من الکفیل لا تصح الکفالۃ بہ کالحدود والقصاص واذا تکفل عن المشتری بالثمن جاز وان تکفل عن البائع بالمبیع لم تصح ومن استاجر دابۃ للحمل فان کانت بعینہا لم تصح الکفالۃ بالحمل وان کانت بغیر عینہا جازت الکفالۃ

ترجمہ: ـــــ اور کفالت مکفول عنہ کے حکم سے اور اس کے حکم کے بغیر بھی جائز ہے پس اگر اس کے حکم سے کفیل ہوا تو وہ

اس سے پہلے جو کچھ ادا کرے اور اگر اس کے حکم کے بغیر کفیل ہوا تو دیا ہوا نہیں لے سکتا اور کفیل کو مکفول عنہ سے مال کا مطالبہ کا حق نہیں اسکی طرف سے ادا کرنے سے پہلے پس اگر کفیل کا مال کی وجہ سے پیچھا کیا گیا تو وہ مکفول عنہ کا پیچھا کرے یہاں تک وہ اس کو چھڑا دے اور جب طالب نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا اس سے وصول کر لیا تو کفیل بری ہو گیا اور اگر کفیل کو بری کیا تو مکفول عنہ بری نہ ہوگا اور کفالت سے بری کرنے کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں اور ہر وہ حق جس کا کفیل سے پورا ہونا ممکن نہ ہو تو اس کی کفالت درست نہیں۔ جیسے حدود و قصاص اور اگر مشتری کی طرف سے ثمن کا کفیل ہوا تو جائز ہے اور اگر بائع کی طرف سے مبیع کا کفیل ہوا تو درست نہیں اور جس کسی نے سواری لادنے کیلئے اجرت پر لیا پس اگر وہ معین ہو تو کفالت بالحمل درست نہ ہوگی اور معین نہ ہو تو کفالت جائز ہو جائے گی۔

تشریح:— قولہ[۱] یجوز الکفالۃ:۔ یعنی مکفول عنہ کی اجازت اور بلا اجازت دونوں طرح کفالت جائز ہے پس اگر اس کی اجازت سے کفیل ہوا ہے تو جو کچھ کفالت کی وجہ سے دیا ہو وہ مکفول عنہ سے لیلے اور اگر اس کی اجازت کے بغیر کفیل ہو گیا تھا اب اپنا دیا ہوا اس سے نہ لے۔ پہلی صورت میں لینے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس کا قرض اس کی اجازت سے ادا کیا ہے اس لئے واپس لیلے اور دوسری صورت میں نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے احسان کرنے کے طور پر ادا کر دیا ہے اور احسان کرنے والا واپس نہیں لیا کرتا۔

قولہ[۲] ولیس للکفیل: یعنی کفیل کیلئے یہ جائز نہیں کہ مکفول عنہ کی طرف سے مال ادا کرنے سے پہلے اس کے مال کا مطالبہ کرے پس اگر مال کے کفیل یعنی ضامن کو گرفتار کر لیا گیا تو اسے اپنے مکفول عنہ کو گرفتار کر لینا جائز ہے یہاں تک کہ وہ اسے مطالبہ سے بری کرا دے کیونکہ اصل یہ مکفول عنہ ہی ہے اس نے اسے پریشانی میں پھنسایا ہے لہذا اس کا بری کرانا بھی اسی کے ذمہ ہے اور اگر کفیل پر سخت تقاضہ ہو تو وہ بھی اپنے مکفول عنہ پر سخت تقاضہ کرے اور اگر طالب یعنی مال والا نے مکفول کو بری کر دیا یا اسی سے اپنا قرضہ وصول کر لیا تو یہ کفیل بھی بری ہو جائے گا اور اس نے کفیل کو بری کر دیا ہے تو مکفول عنہ بری نہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ کفیل تابع ہے اور وہ اصل ہے اور اصل اپنے تابع کے حکم میں نہیں ہوتا۔

قولہ[۳] ولا یجوز تعلیق البراءۃ: یعنی کفالت سے بری کرنے کو کسی شرط مثلاً دخول دار یا مجئ غد پر معلق کرنا جائز نہیں اسلئے کہ براءت میں تملیک کا معنیٰ ہوتا ہے اور تملیکات تعلیق یا شرط کو قبول نہیں کرتیں اور جو حق کفیل سے پورا ہونا ممکن نہ ہو تو اس کی کفالت درست نہیں جیسے حدود و قصاص مطلب یہ کہ نفس حدود و قصاص کا کسی کو کفیل ہونا جائز نہیں کیونکہ اس میں نیابت جاری نہیں ہوتی بلکہ یہ اسی کے ذمہ لازم ہوتی ہے جو خطا کر کے انہیں اپنے ذمہ لیتا ہے۔

قولہ[۴] اذا تکفل عن المشتری: یعنی اگر کوئی مشتری کی طرف سے قیمت کا ضامن ہو گیا تو یہ کفالت جائز ہے اور اگر کوئی بائع کی طرف سے مبیع کا ضامن ہوا تو وہ جائز نہیں کیونکہ اس میں شرط یہ ہے کہ عین مضمون بنفسہ ہو یعنی ہلاک ہونے کی صورت میں اس کی قیمت واجب ہوتی ہو پس قبضہ سے پہلے مبیع کی ضمانت درست نہیں چونکہ وہ مضمون بالثمن ہے مضمون بالقیمۃ نہیں برخلاف ثمن کہ وہ مضمون بنفسہ ہے

قولہ من استاجر دابة :۔ یعنی کسی نے اگر لادنے کیلئے گھوڑا وغیرہ کرایہ پر لیا اور وہ گھوڑا وغیرہ اگر معین نہ ہو تو لادنے کی کفالت درست نہ ہوگی اور اگر معین ہے تو کفالت درست ہوگی کیونکہ جانور کے غیر معین ہونیکی صورت میں کفیل اس پر لادنے سے عاجز ہے اسلئے کہ وہ اس کی ملک میں نہیں البتہ جانور اگر معین ہے تو پھر اپنے جانور پر لاد سکتا ہے۔

ولا تصح الا بقبول المکفول له في مجلس العقد الا في مسئلة واحدة وهي ان يقول المريض لوارثه تكفل عني بما علي من الدين فتكفل به مع غيبة الغرماء جاز ۔ واذا كان الدين على اثنين وكل واحد منهما كفيل ضامن عن الآخر فما ادى احدهما لم يرجع به على شريكه حتى يزيد ما يؤديه على النصف فيرجع بالزيادة

ترجمہ ——— اور کفالت صحیح نہیں ہوتی مگر مجلس عقد میں مکفول لہ کے قبول کئے بغیر مگر صرف ایک مسئلہ میں اور وہ یہ ہے کہ بیمار اپنے وارث سے کہے کہ آپ میری طرف سے اس کا کفیل ہو جائیں جو میرے ذمہ قرض ہے پس وہ قرضخواہوں کی عدم موجودگی میں کفیل ہوگیا تو وہ جائز ہے اور جب دو آدمیوں پر قرض ہو اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے ضامن ہو تو جو کچھ ان میں سے ایک ادا کرے تو اپنے شریک سے نہ لے یہاں تک کہ دی ہوئی مقدار نصف سے زائد ہو جائے پس اس سے زائد مقدار لیلے۔

تشریح :——— قولہ لا تصح الکفالة :۔ کفالت خواہ بالنفس ہو یا بالمال ہر دو صورت بغیر اس کے درست نہیں ہوتی کہ طالب یعنی مکفول لہ اسی مجلس عقد میں یعنی جہاں کفالت کے متعلق گفتگو ہوئی اس کفالت کو قبول کرے اور اگر طالب نے مجلس عقد میں کفالت قبول نہ کی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کفالت درست نہ ہوگی اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ اگر مکفول لہ مجلس عقد کے بعد اطلاع ہونے پر جائز رکھے تو کفالت درست ہے۔

قولہ ۔ الا في مسئلة واحدة :۔ یہ استثناء ہے مذکور حکم عام سے یعنی مجلس عقد میں مکفول لہ کے قبول کئے بغیر کفالت کسی حال میں درست نہیں سوائے ایک مسئلہ میں اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ بیمار اپنے وارث سے کہے کہ میرے ذمہ جس قدر قرض ہے آپ میری طرف سے کفیل ہو جائیں تو یہ وارث باوجود قرضخواہوں کے نہ ہونے کے اس کا کفیل ہوگیا تو جائز ہے کیونکہ یہ حقیقتہً وصیت ہے اور اس وجہ سے یہ درست بھی ہو جاتی ہے اگرچہ وہ ان مکفول لہ یعنی قرضخواہوں کا نام بھی نہ لے۔

قولہ اذا كان الدين :۔ یعنی جب دو آدمیوں پر قرض ہو اور ہر ایک ان دونوں میں ایک دوسرے کا ضامن ہو تو وہ ضمانت درست ہو جائے گی مثلاً دو آدمیوں نے اگر کسی سے ایک غلام ایک ہزار میں خریدا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہوگیا تو وہ ضمانت درست ہو جائے گی پس ان میں سے جو بھی قرض ادا کر دے گا وہ دوسرے سے وصول نہ کرے گا جب تک کہ وہ نصف سے زائد ادا نہ کرے اور جو زائد ادا کرے گا وہ اتنا ہی دوسرے سے لیگا کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نصف قرض میں اصیل ہے اور نصف آخر میں کفیل۔ ان میں کوئی تعارض نہیں اسلئے کہ جو

بطور اصالت ہے وہ قرض ہے اور جو بطور کفالت ہے وہ مطالبہ ہے۔

وَاِذَا تَكَفَّلَ اثْنَانِ عَنْ رَجُلٍ بِاَلْفٍ عَلٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَفِيْلٌ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدّٰى اَحَدُهُمَا يَرْجِعُ بِنِصْفِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ قَلِيْلًا كَانَ اَوْ كَثِيْرًا وَلَا تَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِمَالِ الْكِتَابَةِ سَوَاءٌ حُرٌّ تَكَفَّلَ بِهٖ اَوْ عَبْدٌ وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا فَتَكَفَّلَ رَجُلٌ عَنْهُ لِلْغُرَمَاءِ لَمْ تَصِحَّ الْكَفَالَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ

ترجمہ ــــــ اور جب دو آدمی ایک شخص کی طرف سے ایک ہزار کا اس طور پر کفیل ہو جائیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہو۔ پس جو کچھ ان میں سے ایک ادا کرے اس کا آدھا اپنے شریک سے لیلے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ اور مال کتابت کی کفالت جائز نہیں خواہ آزاد آدمی کفالت کرے یا غلام اور جب کوئی ایسا آدمی مر جائے جس کے ذمہ بہت سے قرض ہو اور اس نے کچھ نہیں چھوڑا پس اس کی طرف سے قرض خواہوں کیلئے کفیل ہو گیا تو کفالت امام ابو حنیفہ کے نزدیک صحیح نہیں اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔

تشریح:ــــ قولہ واذ تکفل اثنان:۔ یعنی اگر ایک آدمی کی طرف سے ایک ہزار روپیہ کے دو آدمی اس شرط پر ضامن ہوئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہے تو ان میں سے ایک جب کچھ ادا کرے تو اس کا نصف وہ اپنے شریک سے لیلے خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔

قولہ ولا تجوز الکفالۃ:۔ یعنی کفالت مال کتابت کی جائز نہیں عام ہے اس کی کفالت کوئی آزاد آدمی کرے یا غلام کرے کیونکہ کفالت دین صحیح کی ہوتی ہے اور مال کتابت دین صحیح نہیں کیونکہ غلام عاجز ہو کر اس کو بلا ادا کئے اپنے ذمہ سے ٹال سکتا ہے اور کفیل بغیر ادا کئے بری نہیں ہوتا۔

قولہ واذا مات الرجل:۔ یعنی اگر کوئی مفلس آدمی مر گیا اور اس کے ذمہ بہت سا قرض ہے اور اس نے کچھ نہیں چھوڑا پھر اس کی طرف سے قرضخواہوں کیلئے ایک دوسرا آدمی کفیل ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ کفالت درست نہیں جبکہ صاحبین درست کا قول کرتے ہیں۔

کتاب الحوالۃ

ترجمہ:ــ حوالہ کا بیان

اَلحوالۃُ جائزۃٌ بالدیونِ وتصحُّ برضاءِ المحیلِ والمحتالِ والمحتالِ علیہ واذا تمّتِ الحوالۃُ
برئَ المحیلُ من الدیونِ ولم یرجعِ المحتالُ لہٗ علی المحیلِ الّا ان یتوی حقّہٗ
والتوی عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ باحدِ الامرینِ امّا ان یجحدَ الحوالۃَ ویحلفَ
ولا بیّنۃَ لہٗ علیہِ او یموتَ مفلسًا وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ ھذان الوجہانِ
ووجہٌ ثالثٌ وھو ان یحکمَ الحاکمُ بافلاسہٖ فی حالِ حیاتہٖ۔

ترجمہ۔ حوالہ قرضوں میں جائز ہے اور وہ محیل اور محتال اور محتال علیہ کی رضامندی سے درست ہے اور جب حوالہ پورا ہو جائے تو محیل قرضوں سے بری ہو جائے گا اور محتال لہٗ محیل پر رجوع نہیں کرسکتا مگر یہ کہ اس کا حق تلف ہو جائے اور حق تلف ہونا امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو امروں میں سے کسی ایک امر سے ہوتا ہے۔ آیا محتال علیہ حوالہ کا انکار کرے اور قسم کھالے اور قرضخواہوں کے پاس گواہ نہ ہو یا وہ مفلس کی حالت میں مرجائے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ یہ دو صورتیں ہیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ حاکم اسکی مفلسی کا اس کی زندگی ہی میں حکم لگادے۔

تشریح:۔ قولہٗ کتاب الحوالہ:۔ وثوق واعتماد پر جس طرح کفالت کی بنیاد ہوتی ہے اسی طرح حوالہ کی بنیاد بھی۔ اس وجہ سے کفالہ کے بعد حوالہ کو بیان کیا گیا۔ حوالہ لغت میں نقل وزوال یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں محیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف دین کے منتقل کردینے کو کہا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ جو شخص دین کا حوالہ کرے یعنی مدیون کو محیل اور جس کا دین ہو اس کو محتال ومحتال لہٗ اور محال اور محال لہٗ اور حویل کہا جاتا ہے اور جو شخص حوالہ قبول کرے اس کو محتال علیہ ومحال علیہ اور جس مال کا حوالہ کیا جائے اس کو محال بہ کہا جاتا ہے۔ ان تمام کو اس مثال میں سمجھیں کہ مثلاً زید پر بکر کے ایک ہزار دینے تھے اور زید نے اپنا قرض خالد پر حوالہ کردیا جس کو خالد نے قبول کرلیا تو زید کو محیل اور بکر کو محتال، محتال لہٗ، محال لہٗ وحویل اور خالد کو محتال علیہ اور ہزار درہم کو محال بہ کہا جائے گا۔

قولہٗ الحوالۃ جائزۃ:۔ یعنی حوالہ قرضوں میں جائز ہے عین میں نہیں۔ قرضوں میں اسلئے کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے نبی کریم کا ارشاد ہے کہ مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کو مالدار پر حوالہ کیا جائے تو چاہیئے کہ حوالہ قبول کرے۔ اور عین میں حوالہ اسلئے جائز نہیں کہ حوالہ نقل حکمی کو کہا جاتا ہے۔

اور قرض وصف حکمی ہے جو ذمہ میں ثابت ہوتا ہے تو نقل حکمی کا تحقق قرض ہی میں ہوگا عین میں نہیں اسلئے کہ عین نقل حسی ہوتا ہے۔

قولہ تصح برضاء المحیل یعنی حوالہ محیل اور محتال اور محتال علیہ تینوں کی رضامندی سے درست ہوتا ہے لیکن محیل کی رضامندی تو ظاہر ہے اور محتال کی اسلئے کہ دین اس کا حق ہے اور حسن ادائیگی اور ٹال مٹول میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں پس اسی کی رضامندی ضروری ہوتی ہے کہ اس سے اس کا نقصان لازم نہ آیا اور محتال علیہ کی رضامندی اسلئے کہ تقاضہ کے اعتبار سے لوگوں میں اختلاف ہے کوئی نرمی سے مانگتا ہے اور کوئی سختی سے اس لئے اسکی رضامندی ضروری ہے۔

قولہ اذا تمت الحوالۃ یعنی حوالہ جب پورا ہو جائے تو محیل قرض سے بری ہو جائے گا یعنی جس وقت محتال نے حوالہ کو قبول کر لیا تو محیل قرض اور اسکے مطالبہ دونوں سے بری ہو جائے گا۔ بعض کے نزدیک صرف مطالبہ سے بری ہو جاتا ہے امام زفر کا قول ہے کہ مطالبہ سے بھی بری نہیں ہوتا۔

قولہ ولم یرجع المحتال لہ محتال لہ محیل پر رجوع نہ کرے یعنی قرضخواہ محیل پر تقاضہ نہ کرے البتہ اگر اس کا حق تلف ہو گیا تو تقاضہ کر سکتا ہے اور حق تلف ہونا امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو طرح ہے ایک یہ کہ محتال علیہ عقد حوالہ کا انکار کر دے۔ اور حلف اٹھالے اور اس قرضخواہ کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ ہو دوسری یہ کہ وہ محتال علیہ مفلسی کی حالت میں مر جائے۔ کچھ نہ چھوڑے صاحبین نے فرمایا کہ یہ دونوں صورتیں بھی ہیں اور تیسری ایک صورت یہ بھی ہے کہ حاکم اسکی زندگی ہی میں اس کے مفلسی ہونے کا حکم دیدے پس ان صورتوں میں مال کو ہلاک تصور کیا جائے گا اور محتال کو محیل پر رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

واذا طالب المحتال علیہ المحیل بمثل مال الحوالۃ فقال المحیل احلت بدین لی علیک لم یقبل قولہ وکان علیہ مثل الدین وان طالب المحیل المحتال بما احالہ بہ فقال انما احلتک لتقبضہ لی وقال المحتال بل احلتنی بدین لی علیک فالقول قول المحیل مع یمینہ ویکرہ السفاتج وھو قرض استفاد بہا المقرض امن خطر الطریق۔

ترجمہ:۔ اور جب محتال علیہ نے حوالہ کا روپیہ محیل سے مطالبہ کیا ہے کہ میں نے اس قرض کے حوالہ کی تھی جو میرا آپ کے ذمہ ہے تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا اور اس پر دین کے برابر روپیہ لازم ہوگا اور اگر محیل نے محتال سے وہ روپیہ طلب کیا جس کی حوالت اس نے کر لیا اور یہ کہا کہ میں نے اس سے حوالہ کرائی تھی تاکہ آپ میرے لئے وصول کریں محتال کہے کہ آپ نے اس کا حوالہ کرایا تھا جو میرا آپ کے ذمہ قرض ہے تو محیل کا قول اسکا قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور سفاتج مکروہ ہے جس کا دینے والا راستہ کے خوف سے مامون ہو جاتا ہے۔

تشریح :۔ قولہ واذا طالب ۔ یعنی محتال علیہ نے محیل سے اگر اس دین کی مقدار مال طلب کیا جس کا محیل نے حوالہ کیا تھا۔ محیل اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میں نے تو آپ پر اس دین کا حوالہ کیا تھا جو آپ کے ذمہ میرا دین تھا تو اس محیل کا یہ کہنا معتبر نہ ہوگا بلکہ وہ محتال علیہ کو مثل دین کا ضمان دے گا اسلئے کہ محیل دین کا مدعی ہے اور محتال علیہ اس کا منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔

قولہ وان طالب المحیل ۔ یعنی محیل نے محتال سے اس مال کا مطالبہ کیا جس کا اس نے میری طرف سے حوالہ کرایا تھا اور یہ کہا کہ میں نے آپ کو اس واسطے دلوایا تھا کہ آپ اس واسطے دلوایا تھا کہ آپ اس مال کو میرا سمجھ کر میری طرف سے قبضہ کرلیں۔ محتال کہتا ہے کہ نہیں بلکہ آپ نے مجھے وہی مال دلوایا ہے جو آپ کے ذمہ میرا تھا پس اس صورت میں قسم کے ساتھ محیل کا قول معتبر مانا جائے گا کیونکہ محتال دین کا مدعی ہے اور محیل اس کا منکر ہے!

قولہ یکرہ السفاتج ۔ یعنی سفاتج مکروہ ہے۔ سفاتج جمع ہے سفتجہ کی وہ اس قرض کو کہا جاتا ہے جس کا دینے والا راستہ کے خوف سے امن میں ہو جاتا ہے اسکی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے شہر میں جاکر کسی تاجر یا مہاجن کو کچھ مال بطور قرض دیدیا اور یہ شرط قرار دی کہ آپ مجھے اپنے فلاں آدمی کے نام ایک تحریر دے دیں جو کسی دوسرے شہر میں رہتا ہے تاکہ اس سے روپیہ وصول کرلیا جائے اور راستہ کے خطرہ سے مامون ہو جائے۔ مکروہ اسلئے ہے کہ اس میں مقرض کو قرض سے فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی وہ راستہ کے خوف سے مطمئن ہو جاتا ہے اور جس قرض سے فائدہ حاصل ہو وہ ممنوع ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ وہ تحریر وغیرہ لینے کی شرط پر روپیہ دے اور اگر بلا شرط دے تو مکروہ نہیں۔

کتاب الصلح

ترجمہ :۔ صلح کا بیان

الصلح على ثلاثة اضرب صلح مع اقرار وصلح مع سكوت وهو ان لا يقر المدعى عليه ولا ينكر وصلح مع انكار وكل ذلك جائز فان وقع الصلح عن اقرار اعتبر فيه ما يعتبر في البياعات ان وقع عن مال بمال وان وقع عن مال بمنافع فيعتبر بالاجارات۔

ترجمہ :۔ صلح تین قسموں پر ہے صلح مع اقرار اور صلح مع سکوت اور صلح مع سکوت وہ ہے کہ مدعی علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار اور تینوں طرح صلح کرنا جائز ہے پس اگر صلح مع اقرار واقع ہو تو اس میں ان امور کا اعتبار ہوگا جن کا بیعوں میں ہوتا ہے۔ اگر مال کے دعوی میں مال ہی کے ساتھ واقع ہو اور اگر منافع کے ساتھ واقع ہو تو اجاروں کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح :۔ قولہ کتاب الصلح ۔ صلح مشتق ہے مصالحۃ سے اور وہ لغت میں مسالمۃ بعد المخالفۃ یعنی صلاح

ضد و فساد کو کہا جاتا ہے اور وہ اصطلاح میں اس عقد کو کہا جاتا ہے جو رافع نزاع اور قاطع خصومت ہو یعنی وہ عقد ہے جو جھگڑا کو دور کرے اور جس پر صلح واقع ہو اس کو مصالح علیہ اور جس سے صلح ہو اس کو مصالح عنہ کہا جاتا ہے چنانچہ زید نے بکر پر کسی چیز کا دعویٰ کیا۔ بکر نے کہا کہ مجھ سے پانچ روپیہ لیلے اور اس چیز کا دعویٰ تو چھوڑ دے تو پانچ روپے مصالح علیہ ہے اور وہ چیز مصالح عنہ۔

قولہ[۲] الصلح علی ثلاثۃ۔ یعنی صلح کی تین قسمیں ہیں (۱) صلح مع اقرار (۲) صلح مع انکار (۳) صلح مع سکوت۔ اول دونوں ظاہر ہیں لیکن سوم یعنی صلح مع سکوت یہ ہے کہ مدعی علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار۔ صلح کی یہ تینوں قسمیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا جناح علیہما ان یصالحا بینہما صلحاً۔ اور نبی کریم کا ارشاد ہے الصلح جائز بین المسلمین الا صلحاً احل حراماً او احرم حلالاً یعنی مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرے۔ مثلاً شراب پر صلح کرنا یا حلال لعینہ کی حرمت کو مستلزم ہونا جیسے عورت کا اس امر پر صلح کرنا کہ اس کے سوتن کے ساتھ صحبت نہ کرے تو ایسی صلح ناجائز ہے۔ دونوں میں صلح مطلق ہے جو اپنی تینوں قسموں کو شامل ہے۔

قولہ[۳] فان وقع الصلح :۔ یعنی صلح مع اقرار مال کے دعویٰ میں مال ہی کے ساتھ ہو تو اس میں ان امور کا اعتبار کیا جائے گا جن کا اعتبار فروختنی چیزوں میں کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بیع کا معنی موجود ہے اسلئے کہ بیع کا معنی ہے بائع و مشتری دونوں کی رضامندی سے دونوں کے حق میں مال کا مال سے بدلنا پس اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے پس اگر صلح ایک مکان کی دوسرے مکان سے ہو تو حق شفعہ دونوں مکانوں میں ثابت ہوگا اور اگر بدل صلح مثلاً غلام وغیرہ میں کوئی عیب پایا گیا تو اس کو واپس کر دینا جائز ہوگا۔ اسی طرح اس میں خیار شرط اور خیار رویت دونوں جاری ہوں گے۔

قولہ[۴] عن مال بمال :۔ یعنی مال سے اگر کسی پر صلح ہوئی تو وہ اجارہ کی مثل ہوگا مثلاً زید نے بکر پر کسی چیز کا دعویٰ کیا اور بکر نے اس کا اقرار کیا پھر بکر نے زید کے ساتھ اپنے مکان کے ایک برس رہائش یا اپنی سواری پر سوار ہونے وغیرہ وغیرہ پر صلح کر لی تو اس کا حکم اجارہ کی طرح ہے کہ جس طرح اجارہ میں منفعت کے حاصل کرنیکی مدت مقرر کرنا ضروری ہے اسی طرح اس میں بھی ضروری ہے اور جس طرح اجارہ میں دونوں میں سے کسی ایک کے مرنے سے اجارہ باطل ہو جاتا ہے اسی طرح صلح بھی باطل ہو جاتا ہے۔

والصلح[۱] عن السکوتِ والانکارِ فی حقِ المدعیٰ علیہ لافتداءِ الیمینِ وقطعِ الخصومۃِ وفی حقِ المدعی لمعنی المعاوضۃِ وان[۲] صالح عن دارٍ لم یجب فیھا الشفعۃُ وان صالح علی دارٍ وجبت فیھا الشفعۃُ وان[۳] کان الصلح عن اقرارٍ فاستحق بعض المصالح عنہ رجع المدعیٰ علیہ بحصتہِ ذلک من العوضِ

ترجمہ :- اور صلح مع سکوت اور صلح مع انکار مدعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہوتی ہے اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے درجہ میں ہے اور جب گھر سے صلح کی تو اس میں شفعہ واجب نہ ہوگا اور جب گھر پر صلح کی تو اس میں شفعہ واجب ہوگا اور جب صلح مع اقرار ہو پھر صلح کی چیز میں کوئی حصہ دار نکل آئے تو مدعیٰ علیہ اس حصہ کے موافق اپنا دیا ہوا عوض لیلے۔

تشریح :- قولہ والصلح عن السکوت :- یعنی جو صلح سکوت و انکار سے ہو وہ مدعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہے کیونکہ مدعی نے جس چیز کا دعویٰ کیا ہے وہ مدعیٰ علیہ اُسے اپنی سمجھتا ہے لہٰذا وہ دی ہوئی چیز اس کا بدلہ نہیں اور چونکہ یہ جھگڑا اسکے ذمہ لگ گیا ہے اسلئے اس کا فدیہ دے کر اس سے چھوٹ جانا جائز ہے اور صلح مدعی کے حق میں معاوضہ ہے کیونکہ مدعی نے جس چیز کا دعویٰ کیا ہے اُسے یہ اپنا حق سمجھتا ہے اور وہ چیز جس پر صلح ہوئی ہے اپنے اُسی حق کے بدلے میں لیتا ہے لہٰذا وہ معاوضہ ہے۔

قولہ واذا صالح عن دار یعنی اگر صلح معہ انکار یا صلح معہ سکوت کسی گھر سے متعلق ہو تو اس میں شفعہ کرنا جائز نہ ہوگا اور اگر کسی گھر پر صلح معہ اقرار ہو تو اس میں شفعہ جائز ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر گھر کا دعویٰ کیا اور مدعیٰ علیہ نے اس کا انکار کیا یا وہ خاموش رہا پھر اس نے کچھ دے کر گھر کے معاملہ میں صلح کرلی تو اس گھر میں شفعہ واجب نہ ہوگا اسلئے کہ مدعیٰ علیہ اس کو اپنے اصلی حق کی بنا پر لیا ہے نہ کہ خریداری کی بنا پر اور اگر مدعی نے مال کا دعویٰ کیا اور مدعیٰ علیہ نے ایک گھر دے کر صلح کرلی تو اس میں شفعہ واجب ہوگا اس لئے کہ مدعی اس کو اپنے مال کا عوض سمجھ کر لیتا ہے تو یہ اسکے حق میں معاوضہ ہوا پس اس پر شفعہ واجب ہوگا۔

قولہ الصلح عن اقرار یعنی اگر صلح معہ اقرار ہو پھر صلح کی چیز میں کسی دوسرے کا حق نکل آئے تو مدعی اسکے حصہ کی مقدار عوض یعنی بدل صلح مدعیٰ علیہ یعنی مصالح کو واپس کردے اسلئے کہ صلح حقیقۃً بیع کی طرح معاوضہ مطلقہ ہے مثلاً زید نے ایک زمین کا دعویٰ کیا جو کہ بکر کے قبضہ میں ہے اور بکر نے اقرار کے بعد زید سے ایک سو روپیہ پر صلح کرلی پھر کچھ زمین کسی دوسرے کی نکل آئی تو بکر زید سے پہلی صورت میں پچاس اور دوسری صورت میں ایک سو روپیہ واپس لے گا۔

واذا وقع الصلح عن سکوتٍ او انکارٍ فاستحق المتنازع فیہ رجع المدعی بالخصومۃ وردّ العوض وان استحق بعض ذلک ردّ حصتہ ورجع بالخصومۃ فیہ وان ادعی حقاً فی دارٍ ولم یبینہ فصولح من ذلک علی شیءٍ ثم استحق بعض الدار لم یرد شیئاً من العوض

ترجمہ :- اور جب صلح معہ سکوت یا صلح معہ انکار واقع ہو پھر متنازع فیہ کا حقدار نکل آئے تو مدعی اس حقدار سے جھگڑے اور عوض کو واپس کردے اور اگر بعض حصہ کا حقدار نکل آیا تو حصہ کے موافق واپس کردے اسمیں جھگڑے اور اگر کسی نے مکان میں اپنے حق کا دعویٰ کیا اور اس کی تفصیل بیان نہیں کی پس اس میں کسی چیز پر بمطابق

ہو گئی پھر کچھ مکان کا حقدار نکل آیا۔ تو مدعی اس عوض میں سے کچھ واپس نہ کرے۔

تشریح:۔ قولہ۔ اذا وقع الصلح۔ یعنی صلح اگر انکار یا سکوت سے صلح ہوئی پھر اس متنازع فیہ کا کوئی حقدار نکل آیا تو مدعی اس عوض کو واپس کر دے اور پھر اس حقدار سے جھگڑے اور کوئی جزوی حصہ دار نکلا ہے تو اس کے حصہ کے موافق واپس کر دے پھر اس حصہ کی تعداد میں اس حصہ دار سے جھگڑے مثلاً بکر کے قبضہ میں ایک زمین ہے، زید نے اس کا دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے بکر نے اس کا انکار کیا یا خاموش رہا پھر اس نے ایک سو روپیہ دے کر صلح کر لی اسکی بعد وہ مکان کسی دوسرے کا نکل آیا تو زید نے بکر سے جو ایک سو روپیہ لئے تھے وہ اس کو واپس کر کے مستحق سے جھگڑے اسلئے کہ بکر نے زید کو ایک سو روپیہ اس لئے دیئے تھے تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے اور جب وہ دوسرے کا نکل آیا تو اس کا مقصد فوت ہو گیا۔

قولہ۔ وان ادعی حقاً یعنی کسی نے اگر ایک مکان میں اپنا حق ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کی تفصیل کچھ بھی بیان نہیں کی پھر اس میں سے کسی چیز پر صلح ہو گئی بعد اس کے اس مکان کا کوئی جزوی حصہ دار نکل آیا تو وہ مدعی اس عوض میں سے کچھ واپس نہ کرے کیونکہ جب اس نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی تو ہو سکتا ہے کہ اس کا دعویٰ اس میں ہو جو اس حصہ دار کو دینے کے بعد باقی رہ گیا ہے برخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی ایسے سارے ہی مکان کا حقدار نکل آئے تو اس وقت مدعیٰ علیہ سے اپنا دیا ہوا لے لیگا۔

وَالصُّلْحُ جَائِزٌ مِنْ دَعْوَی الْاَمْوَالِ وَالْمَنَافِعِ وَجِنَایَۃِ الْعَمْدِ وَالْخَطَاءِ وَلَا یَجُوْزُ مِنْ دَعْوَی حَدٍّ وَاِذَا ادَّعٰی رَجُلٌ عَلٰی امْرَأَۃٍ نِکَاحًا وَھِیَ تَجْحَدُ فَصَالَحَتْہُ عَلٰی مَالٍ بَذَلَتْہُ حَتّٰی یَتْرُکَ الدَّعْوٰی جَازَ وَکَانَ فِیْ مَعْنَی الْخُلْعِ وَاِذَا ادَّعَتْ امْرَأَۃٌ نِکَاحًا عَلٰی رَجُلٍ فَصَالَحَھَا عَلٰی مَالٍ بَذَلَہٗ لَھَا لَمْ یَجُزْ وَاِنْ ادَّعٰی رَجُلٌ عَلٰی رَجُلٍ اَنَّہٗ عَبْدُہٗ فَصَالَحَہٗ عَلٰی مَالٍ اَعْطَاہُ جَازَ وَکَانَ فِیْ حَقِّ الْمُدَّعِیْ فِیْ مَعْنَی الْعِتْقِ عَلٰی مَالٍ۔

ترجمہ:۔ اور صلح جائز ہے مالوں اور منافع اور جنایت عمد اور جنایت خطا کے دعووں سے اور جائز نہیں حد کے دعویٰ سے اور جب کسی نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت انکار کر رہی ہے پھر عورت نے کچھ مال دے کر صلح کر لی تاکہ وہ دعویٰ کو چھوڑ دے تو وہ جائز ہے اور وہ خلع کے حکم میں ہے اور اگر کسی عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا پھر مرد نے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو یہ صلح جائز نہیں۔ اور اگر ایک شخص نے کسی دوسرے پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے اس نے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو وہ جائز ہے اور مدعی کے حق میں مال کے بدلے آزاد کرنے کے حکم میں ہے۔

تشریح: قولہ۔ الصلح جائز۔ یعنی مال کے دعووں سے اور منافع سے اور جنایت عمد اور جنایت خطاء سے صلح کر لینا جائز ہے لیکن حد کے دعویٰ سے صلح جائز نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے بندہ کا نہیں اور دوسرے کا حق کا بدلہ لینا جائز نہیں پس اگر کسی نے زانی یا چور یا شراب خور کو پکڑا اور حاکم کے پاس لے جانے کا ارادہ کیا اور اس ماخوذ نے کچھ مال پر صلح کر لی تاکہ اسے چھوڑ دے

تو یہ صلح باطل ہے اور اس لینے والے کو چاہیئے کہ جو کچھ اس نے لیا ہے وہ واپس کر دے۔

قولہ (اذا ادعی رجل) :- یعنی اگر کوئی مرد کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کرے یعنی یہ کہے کہ یہ میری بیوی ہے اور وہ انکار کرتی ہو پھر وہ عورت اسے کچھ مال دے کر اس سے صلح کر لے یہاں تک کہ یہ اس دعویٰ کو چھوڑ دے تو یہ صلح جائز ہے۔ اور یہ خلع کے حکم میں ہے اور عورت کے حق میں قطع خصومت و فدیہ یمین ہوگی اور اگر کسی عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے نکاح کر رکھا ہے اور وہ مرد اُسے کچھ دے کر صلح کرنے لگے تو وہ جائز نہیں کیونکہ مرد کا یہ روپیہ وغیرہ دینا دعویٰ چھڑانے کیلئے ہے پس اگر اس دعویٰ کے چھڑانے کو عورت کی طرف سے فرقت کیلئے ٹھہرائیں تو فرقت میں روپیہ وغیرہ مرد نہیں دیا کرتا بلکہ عورت دیا کرتی ہے اور اگر اُسے فرقت کیلئے نہ ٹھہرائیں تو پھر اس روپیہ کے عوض کوئی چیز نہیں۔ لہذا یہ درست نہیں۔

قولہ۔ وان ادعی رجل :- یعنی اگر ایک آدمی نے دوسرے پر یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور اس نے کچھ روپیہ اُسے دے کر صلح کرلی تو یہ صلح جائز ہے یعنی جبکہ مدعیٰ علیہ کا نسب معلوم نہ ہو اور مدعی کے حق میں یہ مال کے عوض آزاد کرنے کے حکم میں ہوگا۔

وَكُلُّ شَيْءٍ وَقَعَ عَلَيْهِ الصُّلْحُ وَهُوَ مُسْتَحَقٌّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ وَإِنَّمَا يُحْمَلُ عَلَى أَنَّهُ اسْتَوْفَى بَعْضَ حَقِّهِ وَأَسْقَطَ بَاقِيَهُ لِمَنْ لَهُ عَلَى رَجُلٍ أَلْفُ دِرْهَمٍ جِيَادٍ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ زُيُوفٍ جَازَ وَصَارَ كَأَنَّهُ أَبْرَأَهُ عَنْ بَعْضِ حَقِّهِ وَلَوْ صَالَحَهُ عَلَى أَلْفٍ مُؤَجَّلَةٍ جَازَ وَكَأَنَّهُ أَجَّلَ نَفْسَ الْحَقِّ وَلَوْ صَالَحَهُ عَلَى دَنَانِيرَ إِلَى شَهْرٍ لَمْ يَجُزْ وَلَوْ كَانَ لَهُ أَلْفٌ مُؤَجَّلَةٌ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ حَالَّةٍ لَمْ يَجُزْ وَلَوْ كَانَ لَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ سُودٍ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ بِيضٍ لَمْ يَجُزْ۔

ترجمہ :- اور وہ ہر چیز جس پر صلح واقع ہو اور وہ عقد مداینت کی وجہ سے واجب ہو تو اُسے معاوضہ پر حمل نہ کیا جائے گا بلکہ اس پر حمل کیا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق لے لیا اور باقی ساقط کر دیا جیسے ایک آدمی کے کسی پر ایک ہزار کھرے درہم تھے اس نے پانچ سو کھوٹے درہموں پر صلح کرلی تو وہ جائز ہے اور گویا اس نے اپنے بعض حق سے بری کر دیا اور اگر ایک ہزار میعادی پر صلح کرلی تو وہ بھی جائز ہے گویا اس نے نفس حق کو مؤخر کر دیا اور اگر اشرفیوں پر صلح کی تو ایک ماہ کی مہلت سے تو جائز نہیں اور اگر کسی کے ایک ہزار میعادی ہوں اور وہ فوری پانچ سو پر صلح کرے تو جائز نہیں اور اگر اس کے ہزار سیاہ درہم ہوں اور وہ پانچ سو سفید درہموں پر صلح کرے تو وہ جائز نہیں۔

تشریح :- قولہ وکل شئ وقع :- یعنی اگر کسی ایسی چیز پر صلح ہو جو دوسرے کے ذمہ بطور قرض کے تھی تو اُسے معاوضہ پر حمل کیا جائے گا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ مدعی نے اپنا حق کچھ لے لیا ہے اور کچھ چھوڑ دیا ہے مثلاً ایک آدمی کے دوسرے کے ذمہ ایک ہزار روپیہ کھرے تھے اور اس نے پانچ سو کھوٹوں پر صلح کرلی تو جائز ہے اور ان پانچ سو کو یہ کہا جائے گا کہ یہ ان ہزار کا معاوضہ ہے جبکہ یوں کہا جائے

گا کہ مدعی نے پانچ سو چھوڑ دیئے ہیں اور پانچ سو لے لئے ہیں اور یہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا اس نے اپنا کچھ حق اسے معاف کر دیا ہے اور اگر وہ ایک ہزار موجل پر صلح کرے تو بھی جائز ہے اور اس کا یہ مطلب ہوگا کہ گویا اس نے اپنے حق ہی میں مہلت دیدی ہے یعنی نفس حق کو موخر کر دیا۔

قولہ ــــــ ولو صالحہ علی دنانیر۔ یعنی ایک ہزار روپیہ میں اگر ایک مہینہ کی مہلت سے اشرفیوں پر صلح کرنے لگے تو وہ جائز نہیں کیونکہ مدعی علیہ کے ذمہ قرض کی اشرفیاں دینی لازم نہ تھیں اور نہ اس صورت کو حق کی مہلت دینے پر حمل کر سکتے ہیں کیونکہ مدعی کا حق روپیوں میں تھا نہ کہ اشرفیوں میں اور دوران اشرفیوں کے معاوضہ ہونیکے علاوہ دوسری کوئی وجہ نہیں اور یہاں معاوضہ ہو نہیں سکتا کیونکہ روپیوں کو اشرفیوں سے ادھار بیچنا جائز نہیں اس لئے کہ اس سے سود ہونا لازم آتا ہے پس وہ صحیح نہ ہوگا۔

قولہ ــــــ ولو کان لہ الف موجلہ۔ یعنی اگر کسی کا دوسرے کے ذمہ ایک ہزار روپیہ موجل تھے پھر وہ اسی وقت پانچ سو مل جانے پر صلح کرنے لگے تو جائز نہیں اور اگر کسی کے ایک ہزار درہم سیاہ تھے پھر وہ پانچ سو سفید پر صلح کرنے لگے تو یہ بھی جائز نہیں۔

ومن وکل رجلاً بالصلح عنہ فصالحہ لم یلزم الوکیل ما صالح علیہ الا ان یضمنہ والمال لازم للموکل فان صالح عنہ علی شیٔ بغیر امرہ فھو علی اربعۃ اوجہ ان صالح بمال وضمنہ تم الصلح وکذلک لو قال صالحتک علی الفی ھذہ او علی عبدی ھذا تم الصلح ولزمہ تسلیمھا الیہ وکذلک لو قال صالحتک علی الف وسلمھا الیہ وان قال صالحتک علی الف ولم یسلمھا الیہ فالعقد موقوف فان اجازہ المدعی علیہ جاز ولزمہ الالف وان لم یجزہ بطل۔

ترجمہ ــــــ اور جس نے کسی مرد کو اس کی طرف سے صلح کرنے کا وکیل کیا پس اس نے صلح کرادی تو وکیل کو بدل صلح لازم نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ ضامن ہو جائے بلکہ موکل کو مال لازم ہوگا پس اگر اس کی طرف سے کسی چیز پر اس کی اجازت کے بغیر صلح کرلی تو وہ چار طرح پر ہے اگر مال پر صلح کیا اور اس کا ضامن بھی ہو گیا تو صلح پوری ہو گئی اور اسی طرح اگر کہا کہ میں اپنے ان ہزار درہموں پر یا اپنے اس غلام پر صلح کرتا ہوں تو صلح پوری ہو گئی اور اسکو تسلیم لازم ہوگی اور اسی طرح اگر کہا کہ میں ایک ہزار پر صلح کرتا ہوں اور وہ ہزار اس کے حوالہ کردے اور اگر کہا کہ میں ایک ہزار پر صلح کرتا ہوں اور وہ مدعی کے حوالہ نہیں کیا تو عقد موقوف ہوگا پس اگر مدعی علیہ نے اجازت دیدی تو ہو جائیگی اور اس پر ایک ہزار لازم ہوں گے اور اگر اجازت نہ دی تو صلح باطل ہو جائے گا۔

تشریح ــــــ قولہ ومن وکل رجلاً۔ یعنی کسی نے اگر کسی سے صلح کرنے کیلئے دوسرے آدمی کو وکیل کیا اور اس نے صلح کرلی تو یہ صلح کا روپیہ وکیل کے ذمہ لازم نہ ہوگا بلکہ وہ روپیہ موکل پر لازم ہوگا کیونکہ وکیل اس میں سفیر محض ہے شاھد نہیں پس تمام حقوق موکل کی طرف راجع ہوں گے البتہ صلح کے وقت وکیل اگر بدل صلح کا ضامن ہو جائے تو وہ اسی پر لازم ہوگا لیکن وکیل کی وجہ سے نہیں بلکہ ضمانت کی وجہ سے۔

قولہ ۔ فان صالح عنہ ۔ یعنی وکیل نے اگر موکل کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر کسی چیز پر صلح کرلی اسکی چار صورتیں ہیں اول یہ کہ مال پر اگر صلح کرلی اور خود ہی اس کا ضامن بھی ہوگیا تو وہ صلح پوری ہوجائیگی دوم یہ کہ اگر اپنے مال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہاکہ میں اپنے ان ہزار روپیوں یا اس غلام پر صلح کرتا ہوں تو یہ صلح بھی پوری ہوجائیگی اور غلام یا ان ہزار روپیہ کا مدعی کے سپرد کردینا وکیل کے ذمہ ہوگا سوم یہ کہ نہ اپنے مال کی طرف منسوب کیا اور نہ اشارہ کیا بلکہ مطلقاً یہ کہاکہ میں ہزار روپیہ پر صلح کرتا ہوں اور وہ ہزار روپیہ کے مدعی کے حوالے بھی کردیئے تو یہ صلح بھی درست ہے چہارم یہ کہ اگر یہ کہاکہ میں ہزار روپیہ پر صلح کرتا ہوں اور وہ ہزار روپیہ مدعی کے حوالہ نہ کرے تو صلح موقوف ہوگی اگر مدعی علیہ نے اجازت دے دی تو ہوجائیگی اور ایک ہزار اسی پر لازم ہوں گے اور اگر اجازت نہ دی تو صلح باطل ہوجائے گی ۔

واذا[۱] کان الدینُ بین شریکینِ فصالح احد ھما من نصیبہٖ علی ثوبہٖ فشریکہٗ بالخیار ان شاء اتبع الذی علیہ الدینُ بنصفہٖ وان شاء اخذ نصفَ الثوبِ الاان یضمن لہٗ شریکہٗ ربعَ الدینِ ولو[۲] استوفی نصفَ نصیبہٖ من الدینِ کان شریکہٗ ان یشارکہٗ فیما قبض ثم یرجعان علی الغریم بالباقی ولو اشتری احد ھما بنصیبہٖ من الدین سلعۃً کان شریکہٗ ان یضمنہٗ ربعَ الدینِ واذا کان[۳] السلم بین الشریکینِ فصالح احد ھما من نصیبہٖ علی راسِ المالِ لم یجز عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی یجوز الصلحُ ۔

ترجمہ ۔۔۔۔۔ اور قرض دو شریک کا ہو اور ان میں سے ایک شریک اپنے حصہ کی طرف سے کپڑا پر صلح کرلے تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے اس کا پیچھا کرے جس پر قرض ہے اپنے نصف حصہ لینے کیلئے اور اگر چاہے آدھا کپڑا لے مگر یہ کہ اس کا شریک اس کیلئے چوتھائی قرض کا ضامن ہو اور اگر کوئی ان میں سے اپنا نصف قرض وصول کرچکا تو اس کا شریک وصول کردہ میں شریک ہوسکتا ہے پھر دونوں باقی قرض مقروض سے وصول کرلیں اور اگر ان میں سے ایک نے اپنے حصہ کے قرض سے کچھ اسباب خرید لیا تو اس کا شریک اس سے چوتھائی قرض وصول کرسکتا ہے اور جب دونوں شریکوں میں عقد سلم ہو پھر ان میں سے ایک اپنے حصہ کے راس المال پر صلح کرلے تو وہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسف نے فرمایاکہ صلح جائز ہے ۔

تشریح ۔۔۔۔۔ قولہ[۱] اذا کان الدین ۔ یعنی دو آدمیوں کا روپیہ اگر ایک آدمی کے ذمہ تھا پھر ان میں سے ایک نے اپنے حصہ میں ایک کپڑا پر صلح کرلی تو اب دوسرے شریک کو اختیار ہے چاہے یہ اپنا نصف لینے کیلئے اسی کے سر ہوجائے جس کے ذمہ قرض ہے اور چاہے اپنے شریک کو اختیار ہے چاہے یہ اپنا نصف لینے کیلئے اسی کے سر ہوجائے جس کے ذمہ قرض ہے چاہے اپنے شریک سے نصف کپڑا لیلے لیکن اگر شریک مصالح اس کیلئے چوتھائی روپیہ کا ضامن ہوجائے تو پھر دوسرے کا کپڑے میں حق باقی نہ رہے گا ۔

قولہ[۲] ولو استوفی ۔ یعنی ان دونوں میں سے کوئی اگر اپنے حصہ کا نصف روپیہ وصول کرچکا ہے تو اس کے دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ وہ وصول کرچکا ہے اس میں شریک ہوجائے پھر دونوں باقی روپیہ اس قرضدار سے وصول کرلیں اور اگر ان میں سے ایک نے اپنے حصہ کے روپیہ کا کچھ اسباب خرید لیا تو اس کے شریک کو اختیار ہے کہ چوتھائی کا روپیہ اپنے حصہ کا اس سے تاوان لے اور چاہے اصل مقروض سے مطالبہ کرے کیونکہ مقروض کے ذمہ اس کا حق باقی ہے ۔

قولہ[۳] واذا کان اسلم۔ یعنی دو آدمیوں نے مل کر اگر بیع سلم کیا پھر ان میں سے ایک نے اپنے حصہ کے راس المال پر صلح کرلی مثلاً دو آدمیوں نے ایک کُر اناج میں عقد سلم کیا اور ایک سو روپیہ راس المال طے ہوا اور ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ کے پچاس روپیہ دیدیا پھر رب السلم نے اپنے نصف کُر کے عوض پچاس روپیہ مسلم الیہ سے صلح کرلی پس وہ اپنا پچاس روپیہ لے لیا تو وہ صلح امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ اس صلح میں قبضہ سے پہلے دین کی تقسیم لازم آتی ہے جو باطل ہے جبکہ امام ابو یوسف جائز قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے خاص حق میں تصرف کرتا ہے۔

واذا[۱] کانت الترکۃ بین ورثۃ فاخرجوا احدھم منہا بمالٍ اعطوہ ایاہ والترکۃ عقارٌ او عروضٌ جاز قلیلاً کان ما اعطوہ او کثیراً فان[۲] کانت الترکۃ فضۃً فاعطوہ ذھباً او ذھباً فاعطوہ فضۃً فھو کذلک وان کانت الترکۃ ذھباً و فضۃً و غیر ذلک فصالحوہ علی ذھبٍ او فضۃٍ فلا بد ان یکون ما اعطوہ اکثر من نصیبہ من ذلک الجنس حتی یکون نصیبہ بمثلہ والزیادۃ بحقہ من بقیۃ المیراث واذا[۳] کان الترکۃ دیناً علی الناس فادخلوہ فی الصلح علی ان یخرجوا المصالح عنہ ویکون الدین لھم فالصلح باطلٌ فان شرطوا ان یبرئ الغرماء منہ ولا یرجع علیھم بنصیب المصالح عنہ فالصلح جائزٌ

ترجمہ ــــ اور جب چند ورثہ کے درمیان ترکہ ہو پھر وہ ان میں سے کسی ایک کو کچھ مال دے کر علیحدہ کر دے اور وہ ترکہ زمین یا اسباب ہو تو جائز ہے خواہ وہ کم ہو جو انہوں نے دیا ہے یا زیادہ پس اگر ترکہ چاندی ہو تو وہ سونا دیں یا سونا ہو تو وہ چاندی دیں پس وہ اسی طرح ہے اور اگر ترکہ سونا یا چاندی اور اس کے علاوہ ہو اور وہ صرف سونا یا چاندی پر صلح کریں تو ان کا دیا ہوا زیادہ ہونا ضروری ہے اس کے حصہ جو اسی جنس سے ہے تاکہ اس کا حصہ اسکے برابر ہو جائے اور زائد مقدار اس کے حق کے مقابلہ میں ہو جائے جو باقی میراث میں ہے اور اگر ترکہ میں لوگوں پر دین ہو اور وہ کسی ایک کو صلح میں داخل کرلیں اس شرط پر کہ صلح کرنیوالا کو دین سے خارج کر دیں گے اور سارا دین ان ہی کا رہے گا تو یہ صلح باطل ہے اور اگر یہ شرط کرلی کہ وہ قرضداروں کو اپنے حصہ سے بری کر دے اور اپنا حصہ وارثوں سے نہ لے تو یہ صلح جائز ہے

تشریح ــــ قولہ[۱] واذا کانت الترکۃ۔ یعنی ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے ترکہ میں مثلاً ایک زمین یا اسباب کو چند ورثہ کیلئے چھوڑا اور انہوں نے ان میں سے کسی وارث کو کچھ مال دے کر میراث سے خارج کر دی تو یہ صلح جائز ہے جو کچھ انہوں نے دیا ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ اور اگر ترکہ چاندی تھی اور انہوں نے اُسے سونا دیا یا ترکہ سونا تھا اور انہوں نے اُسے چاندی دی تو یہ بھی جائز ہے خواہ ان کا دیا ہوا تھوڑا ہو یا زیادہ ــ!

قولہ[۲] ان کانت الترکۃ ذھبا۔ یعنی ترکہ میں اگر سونا چاندی اور اسباب دونوں ہوں اور ورثہ نے وارث کو صرف سونا یا چاندی پر صلح کرلی تو ان کا یہ دیا ہوا اس کے حصہ سے زیادہ ہونا چاہیئے جو اس جنس سے ہو تاکہ اس کا حصہ اس کے برابر اور مقابل ہو جائے اور یہ زیادہ اس کے اس حصہ کے مقابل ہو جائے جو باقی میراث میں ہے مثلاً وارث مذکور کو میراث سے گیارہ روپیہ اور کچھ اسباب پہونچتا تھا تو علیحدگی

کی صورت میں ضروری ہے گیارہ روپیہ سے زائد ہو تاکہ گیارہ روپیہ گیارہ کے عوض ہو جائے اور زائد روپیہ اسباب کے عوض ہو تاکہ ربوا لازم نہ آئے۔

قولہ اذا کان الترکۃ دینا۔ یعنی ترکہ اگر لوگوں پر قرض ہو اور کل حصہ دار نے ایک حصہ دار سے اس شرط پر صلح کی کہ اس صلح کرنیوالے کو وہ قرض سے علیحدہ کر دیں اور سارا قرض ان ہی کا ہو جائے تو یہ صلح باطل ہے اور اگر شرط کم یہ ہے کہ قرضداروں کو وہ اپنے حق سے بری کردے اور اپنا ان وارثوں سے دوبارہ نہ لے تو یہ صلح درست ہے کیونکہ اس بری کردینے میں قرض کا مالک اسی کو بنایا گیا ہے جس پر قرض ہے اور یہ درست ہے پس اس کے حصہ کی مقدار مقروض سے قرض ساقط ہو جائے گا۔

كتاب الهبة

ترجمہ

ہبہ کا بیان

الهبة تصح بالايجاب والقبول وتتم بالقبض فان قبض الموهوب له في المجلس بغير اذن الواهب جاز وان قبض بعد الافتراق لم تصح الا ان يأذن له الواهب في القبض

ترجمہ ——— ہبہ ایجاب وقبول سے صحیح ہوتا ہے اور قبضہ سے پورا ہوتا ہے پس اگر موہوب لہٗ نے واہب کی اجازت کے بغیر مجلس ہی میں قبضہ کرلیا تو جائز ہے اور اگر علیحدہ ہونے کے بعد قبضہ کیا تو صحیح نہیں مگر واہب نے قبضہ کرنیکی اجازت دیدی ہو۔

تشریح۔ قولہ کتاب الہبۃ ہبہ اصل میں وہب تھا اول کلمہ سے واؤ کو حذف کرکے اخیر میں تاء زیادہ کیا گیا جس طرح زنۃ، وزن سے اور عدۃ وعد سے کیا گیا ہے۔ ہبہ لغت میں کسی چیز کو بخش دینے کو کہا جاتا ہے اور جو بخشے اُسے واہب اور جس کیلئے بخشا جائے اس کو موہوب لہٗ اور وہ چیز موہوب کہلاتی ہے خواہ وہ روپیہ ہو یا اسباب وغیرہ اور اصطلاح شرع میں ہبہ تملیک عین بلاعوض کو کہا جاتا ہے۔ عین کی قید سے اباحت وعاریت خارج ہوگئیں اور بلاعوض کی قید سے اجارہ اور بیع خارج ہوگئی۔

قولہ الہبۃ تصح۔ ہبہ ایجاب وقبول سے درست ہوتا ہے یعنی جب واہب کی طرف سے ایجاب ہو اور موہوب لہٗ کی طرف سے قبول ہو تو ہبہ منعقد ہو جاتا ہے چونکہ ہبہ عقد کی طرح ہے جو ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور جب موہوب لہٗ کی طرف سے مجلس میں قبضہ پایا جائے تو ہبہ تام ہو جاتا ہے کیونکہ ہبہ میں موہوب کیلئے ملک ثابت ہوتی ہے اور ملک کے ثبوت کیلئے قبضہ کا ہونا ضروری ہے اور سرکار مدینہ کا ارشاد بھی ہے کہ لا تجوز الہبۃ الا مقبوضۃ یعنی موہوب لہٗ کی ملک قبضہ کرنے کے بعد ہی ثابت ہوتی ہے اگرچہ ہبہ بدون قبضہ بھی ہو جاتا ہے۔

قولہ[۳] فان قبض الموھوب لہٗ یعنی موہوب لہٗ اگر واہب کی اجازت کے بغیر اسی مجلس میں موہوب پر قبضہ کرلے تو جائز ہے اور اگر اس مجلس سے علیحدہ ہونے کے بعد قبضہ کرے تو جائز نہیں البتہ اگر واہب نے اُسے قبضہ کرنے کی اجازت دیدی ہو تو جائز ہے۔

و تنعقد[۱] الهبةُ بقوله وهبتُ ونحلتُ واعطيتُ واطعمتكَ هذا الطعامَ وجعلتُ هذا الثوبَ لك واعمرتك هذا الشئَ وحملتك على هذه الدابةِ اذا نوى بالحملانِ الهبةَ ولا تجوز[۲] الهبةُ فيما يقسم الا محوزةً مقسومةً وهبةُ المشاعِ فيما لا يقسم جائزةٌ ومن[۳] وهب شقصًا مشاعًا فالهبةُ فاسدةٌ فان قسمهٗ وسلمهٗ جاز ولو وهب دقيقًا في حنطةٍ او دهنًا في سمسمٍ فالهبةُ فاسدةٌ فان طحن و سلم لم يجز[۴] واذا كانت العين في يد الموهوبِ لهٗ ملكها بالهبةِ وان لم يجدد فيها قبضًا۔

ترجمہ —— اور ہبہ یہ کہنے سے منعقد ہو جاتا ہے کہ میں نے ہبہ کر دیا اور میں نے دیدیا اور بخش دیا اور یہ کھانا تجھے کھلایا اور یہ کپڑا میں نے تیرا ہی کر دیا اور میں نے عمر بھر کیلئے یہ تجھے دیدی اور میں نے اس سواری پر تجھے سوار کر دیا جبکہ سوار کرنے سے ہبہ کی نیت ہو اور قابل تقسیم چیزوں میں ہبہ جائز نہیں مگر یہ کہ حقوق سے فارغ اور تقسیم شدہ ہو اور مشترک کا ہبہ جو تقسیم نہ ہو سکے جائز ہے پس جس نے مشترک چیزوں کا کچھ حصہ ہبہ کیا تو ہبہ فاسد ہے پس اگر پیس کر حوالہ کرے تو بھی جائز نہیں جبکہ شئ موہوب، موہوب لہٗ کے قبضہ میں ہو تو ہبہ ہی سے مالک ہو جائے گا اگرچہ اس پر جدید قبضہ نہ کرے۔

تشریح۔ قولہ[۱] تنعقد الهبة۔ یعنی واہب کے اس طرح کہنے سے ہبہ درست ہو جاتا ہے کہ میں نے تجھ کو ہبہ کر دیا یا بخشدیا یا عطا کیا یا یہ کھانا کھانے کے واسطے میں نے تجھے دیدیا یا یہ کپڑا میں نے تیرا ہی کر دیا یا یہ چیز میں نے عمر بھر کیلئے تجھے دیدی یا اُس جانور پر میں نے تجھے سوار کر دیا جس وقت کہ اس سوار کرنے سے اس نے ہبہ کی نیت کر لی ہو یعنی ہبہ کی نیت کی ہو تو ہبہ ہو جائے گا ورنہ عاریت پر محمول کیا جائے گا۔

قولہ[۲] لا تجوز الهبة۔ یعنی جو چیز تقسیم ہو سکتی ہے اس کو تقسیم کئے بغیر اور دوسرے کی ملک اور غیر کے حقوق سے جدا کئے بغیر اس کو ہبہ کرنا جائز نہیں اور جو مشترک چیز تقسیم نہ ہو سکے اس کو ہبہ کرنا جائز ہے۔ تقسیم نہ ہو سکنے سے مراد یہ ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد وہ بالکل فائدہ کے قابل نہ رہے مثلاً ایک غلام یا ایک گھوڑا وغیرہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد اس سے اس قسم کا فائدہ حاصل نہ ہو جس طرح کا تقسیم ہونے سے پہلے ہوتا تھا، مثلاً کوئی چھوٹا سا گھر ہو یا چھوٹا سا حمام ہو یا کوئی چھوٹا کپڑا ہو۔

قولہ[۳] ومن وهب شقصا۔ یعنی اگر کوئی مشترک چیز مثلاً مکان وغیرہ کا کچھ حصہ ہبہ کر دے تو یہ ہبہ

فاسد ہے پس اگر اس کو ہبہ کرنے کے بعد تقسیم کر دیا اور موہوب لہٗ کو سونپ دیا تو جائز ہے اسی طرح اگر کوئی آٹا گیہوں میں اور تیل تلوں میں ہبہ کرے تو وہ ہبہ بھی فاسد ہے اور اگر گیہوں کو پیس کر اس کے حوالہ کر دے تو بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ ہبہ کرتے وقت آٹا موجود ہی نہیں بلکہ معدوم تھا اور معدوم شئی ملک کا محل نہیں ہوتی پس عقد درست نہ ہوا لہٰذا اب آٹا ہونے پر ہبہ دوبارہ کرنا چاہیئے۔

قولہ اذا کانت العین یعنی اگر وہ چیز جو ہبہ کی گئی ہے موہوب لہٗ کے قبضہ میں پہلے ہی سے تھی تو ہبہ ہونے ہی سے وہ اس کا مالک ہو جائے گا اگرچہ وہ اس پر جدید قبضہ نہ کرے۔

واذا وھب الاب لابنہ الصغیر ھبۃً ملکھا الابن بالعقد وان وھب لہٗ اجنبی ھبۃً تمت بقبض الاب واذا وھب للیتیم ھبۃ فقبضھا لہٗ ولیہ جاز وان کان فی حجر امہٖ فقبضھا لہٗ جائز وکذلک ان کان فی حجر اجنبی یربیہ فقبضہ لہٗ جاز وان قبض الصبی الھبۃ بنفسہٖ وھو یعقل جاز۔ واذا وھب اثنان من واحد دارًا جاز وان وھب واحد من اثنین لم تصح عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا رحمھما اللہ تعالٰی تصح۔

ترجمہ ——— اور جب باپ نے اپنے چھوٹے بیٹا کو کوئی چیز ہبہ کی تو بیٹا عقد ہی سے مالک ہو جائے گا اور اگر کسی اجنبی نے کوئی چیز ہبہ کی تو ہبہ باپ کے قبضہ سے تمام ہو جائے گا اور جب یتیم کیلئے کوئی چیز ہبہ کی اور اس کے ولی نے اس کو قبضہ کر لیا تو جائز ہے اور اگر بچہ ماں کی گود میں ہو تو بچہ کیلئے ماں کا قبضہ کرنا جائز ہے اور اسی طرح اگر بچہ کسی اجنبی کی پرورش میں ہو تو اجنبی کا قبضہ کرنا جائز ہے اور اگر بچہ نے خود ہی ہبہ پر قبضہ کر لیا دراں حالیکہ وہ سمجھدار ہے تو وہ جائز ہے اور اگر دو آدمی ایک شخص کو ایک مکان ہبہ کریں تو جائز ہے اور اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کیلئے ہبہ کی تو صحیح نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ صحیح ہے۔

تشریح:۔ قولہ واذا وھب الاب:۔ یعنی باپ نے اگر اپنے چھوٹا بیٹا جو نابالغ ہے اس کو کوئی چیز ہبہ کر دی تو وہ لڑکا صرف ہبہ ہونے ہی سے اس کا مالک ہو جائے گا اور اگر بچہ کیلئے کسی غیر نے کوئی چیز ہبہ کی تو اس پر اس کے باپ کے قبضہ کئے بغیر وہ ہبہ پورا نہ ہوگا اور اگر کسی نے ایک یتیم بچہ کیلئے کوئی چیز ہبہ کی اور اس کی طرف سے اس کے پرورش کرنیوالے نے اس چیز پر قبضہ کر لیا تو وہ ہبہ ہو جائے گا اور اگر بچہ ماں کی گود میں تھا اور اس کی ماں نے اس کی طرف سے قبضہ کر لیا تو بھی ہبہ درست ہو جائے گا اور اسی طرح سے قبضہ کر لیا تو یہ بھی درست ہے اور اگر لڑکا سمجھدار تھا اور اس نے ہبہ پر خود ہی قبضہ کر لیا تو بھی جائز ہے۔

قولہ واذا وھب اثنان۔ یعنی دو آدمیوں نے اگر ایک مکان کو کسی ایک آدمی کیلئے ہبہ کیا تو جائز ہے

کیونکہ دونوں نے پورا مکان موہوب لہٗ کے حوالہ کیا ہے اور موہوب لہٗ نے پورے مکان پر قبضہ بھی کیا ہے لیکن اس کا برعکس جائز نہیں یعنی اگر ایک آدمی نے ایک مکان کو دو آدمیوں کیلئے ہبہ کیا تو امام ابوحنیفہ اس کو جائز قرار نہیں دیتے جبکہ صاحبین جواز کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہ ہونیکی وجہ یہ کہ واہب نے ہر ایک کو نصف نصف مکان ہبہ کیا ہے اور نصف غیر معین و غیر مقسوم ہے پس محتمل القسمت میں شیوع پایا گیا جو جواز ہبہ کیلئے مانع ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہونیکی وجہ یہ ہے کہ تملیک متحد اور عقد واحد ہے تو شیوع نہ رہا جیسی طرح ایک چیز دو آدمیوں کے پاس گروی رکھنا جائز ہے۔

وَاِذَا وَهَبَ لِاَجْنَبِيٍّ هِبَةً فَلَهُ الرُّجُوْعُ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يُعَوِّضَهُ عَنْهَا اَوْ يَزِيْدَ زِيَادَةً مُتَّصِلَةً اَوْ يَمُوْتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ اَوْ تَخْرُجَ الْهِبَةُ مِنْ مِلْكِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ وَاِنْ وَهَبَ هِبَةً لِذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ فَلَا رُجُوْعَ فِيْهَا وَكَذٰلِكَ مَا وَهَبَهُ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ لِلْاٰخَرِ وَاِذَا قَالَ الْمَوْهُوْبُ لَهُ لِلْوَاهِبِ خُذْ هٰذَا عِوَضًا عَنْ هِبَتِكَ اَوْ بَدَلًا عَنْهَا اَوْ فِيْ مُقَابَلَتِهَا فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ سَقَطَ الرُّجُوْعُ وَاِنْ عَوَّضَهُ اَجْنَبِيٌّ عَنِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ مُتَبَرِّعًا فَقَبَضَ الْوَاهِبُ الْعِوَضَ سَقَطَ الرُّجُوْعُ وَاِذَا اسْتُحِقَّ نِصْفُ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ وَاِنِ اسْتُحِقَّ نِصْفُ الْعِوَضِ لَمْ يَرْجِعْ فِي الْهِبَةِ بِشَيْءٍ اِلَّا اَنْ يَرُدَّ مَا بَقِيَ مِنَ الْعِوَضِ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْ كُلِّ الْهِبَةِ وَلَا يَصِحُّ الرُّجُوْعُ فِي الْهِبَةِ اِلَّا بِتَرَاضِيْهِمَا اَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ وَاِذَا تَلِفَتِ الْعَيْنُ الْمَوْهُوْبَةُ ثُمَّ اسْتَحَقَّهَا مُسْتَحِقٌّ فَضَمَّنَ الْمَوْهُوْبَ لَهُ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِشَيْءٍ

ترجمہ ــــــــ اور جب اجنبی کیلئے کوئی چیز ہبہ کی گئی تو اس کو واپس لے لینا جائز ہے مگر یہ کہ موہوب لہٗ اس کا عوض دیدے یا اس میں ایسی زیادتی کر دے جو متصل ہو یا متعاقدین میں سے کوئی ایک مرجائے یا ہبہ کی چیز موہوب لہٗ کی ملک سے نکل جائے اور اگر اپنے ذی رحم محرم کیلئے کوئی چیز ہبہ کی تو اس میں رجوع نہیں اور اسی طرح وہ چیز ہے جو میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کو ہبہ کرے اور جب موہوب لہٗ نے واہب سے کہا کہ یہ عوض اپنے ہبہ کا لیلے یا اس کا بدلہ یا اس کے مقابلہ میں اور واہب نے اس پر قبضہ کرلیا تو حق رجوع ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی اجنبی نے موہوب لہٗ کی طرف سے تبرع کے طور پر اس کا عوض دیا اور واہب نے عوض لے لیا جب بھی حق رجوع ساقط ہو جائے گا اور جب کوئی نصف کا حقدار نکل آئے تو نصف عوض واپس لے اور اگر کوئی نصف عوض کا حقدار نکل آئے تو ہبہ میں سے کچھ بھی واپس نہ لے مگر یہ کہ وہ باقی عوض بھی لوٹا دے پس کل ہبہ میں رجوع کرے اور ہبہ میں رجوع صحیح نہیں مگر دونوں کی رضا سے یا حاکم کے حکم کرنے سے اور جب ہبہ کی کوئی چیز تلف ہو جائے پھر اس کا کوئی حقدار نکل آئے اور وہ موہوب لہٗ سے ضمان لیلے تو موہوب لہٗ واہب سے کچھ نہیں لے سکتا۔

تشریح :۔ قولہ[۱] واذا وھب لاجنبی :۔ یعنی اگر کسی نے ایک اجنبی آدمی کیلئے کوئی چیز ہبہ کر دی تو اُس کا پھیر لینا جائز ہے کیونکہ واہب کو ہبہ کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنے اور موھوب شئ کو واپس لے لینے کا حق ہے کیونکہ سرکارِ مدینہ کا ارشاد ہے کہ واہب شئ موہوب کا زیادہ حقدار ہے لیکن اگر موہوب لہٗ نے اس کو کچھ معاوضہ دیدیا ہو یا اس میں ایسی کوئی چیز ملالی ہو جیسے ستو اور اس نے اس میں اپنا گھی ملالیا یا واہب اور موہوب لہٗ میں سے ایک مرگیا یا ہبہ موہوب لہٗ کی ملک سے بیع کر دینے کی وجہ سے نکل گیا ہو ان سب صورتوں میں ہبہ واپس نہ ہوگا۔

قولہ[۲] وان وھب یعنی اگر کسی نے اپنے ذی رحم محرم یعنی رشتہ دار کیلئے ہبہ کر دیا ہے تو اس کو واپس لینا ہرگز جائز نہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب ہبہ ذی رحم محرم کیلئے ہو تو اس میں رجوع نہ کرے اور اس طرح اگر کوئی چیز شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو ہبہ کر دے تو وہ بھی واپس نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا مقصد صلۂ رحمی ہے۔

قولہ[۳] اذا قال الموھوب لہٗ یعنی جب موہوب لہٗ نے واہب سے کہا کہ اپنے ہبہ کا عوض لے لیں یا اس کا بدلہ لے لیں پھر واہب نے اس پر قبضہ کر لیا تو اب ہبہ کو واپس کر لینا ساقط ہو جائے گا اور اگر موہوب کی طرف سے محض سلوک کرنے کے طور پر کسی اجنبی آدمی نے اس کا کچھ معاوضہ دیدیا تو بھی واپس کر لینا ساقط ہو جائے گا کیونکہ معاوضہ دینا حق ہی کے ساقط کرنے کیلئے ہوتا ہے پس یہ اجنبی کی طرف سے بھی درست ہو جائے گا جیسے بدل خلع اور بدل صلح کا حکم ہے۔

قولہ[۴] واذا استحق نصف الھبۃ یعنی موہوب لہٗ کے بدلہ دینے کے بعد اگر نصف ہبہ کا کوئی حقدار نکل آیا تو وہ اپنے دیئے ہوئے میں سے نصف بدلہ پھیر لے اور اگر نصف بدلہ کا کوئی مستحق نکل آیا تو وہ واہب ہبہ میں کچھ واپس نہ لے البتہ اگر باقی بدلے کو بھی لوٹا دے تو پھر اپنا سارا ہبہ پھیر سکتا ہے اسی پر فتویٰ ہے لیکن اگر موہوب لہٗ نے ہبہ میں کوئی اپنی چیز ملادی ہے تو پھر واہب اس ہبہ کو بھی نہیں پھیر سکتا۔

قولہ[۵] ولا یصح الرجوع۔ ہبہ کو واپس لینا درست نہیں البتہ واہب اور موہوب لہٗ دونوں کی رضامندی سے یا حاکم کے حکم کرنے سے واپس لینا جائز ہے اور اگر ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہٗ کے پاس تلف ہو گئی پھر اس کا کوئی مستحق نکل آیا اور اس نے موہوب لہٗ سے اس کا تاوان لے لیا تو یہ موہوب لہٗ واہب سے کچھ نہیں لے سکتا۔

واذا[۱] وھبَ بشرطِ العوضِ اُعتُبِرَ التقابضُ فی العوضینِ جمیعًا واذا تقابضا صح العقدُ وکان فی حکم البیعِ یرد بالعیبِ وخیارِ الرؤیۃِ ویجب فیھا الشفعۃُ والعمریٰ[۲] جائزۃٌ للمعمرِ لہٗ فی حالِ حیاتہٖ ولورثتہٖ بعد موتہٖ والرُّقبیٰ[۳] باطلۃٌ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ جائزۃٌ ومن[۴] وھب جاریۃً الا حملھا صحت الھبۃُ وبطل الاستثناءُ والصدقۃُ[۵] کالھبۃِ لا تصح الا بالقبضِ ولا تجوز فی مشاعٍ یحتمل القسمۃَ۔

ترجمہ ـــــــ اور جب کسی نے کوئی چیز بشرط عوض ہبہ کی تو دونوں عوضوں پر قبضہ کا ہونا ضروری ہے اور جب دونوں قبضہ کرلیں تو عقد صحیح ہو جائے گا اور وہ بیع کے حکم میں ہو جائیگا عیب اور خیار رویت کی وجہ سے اور اس میں شفعہ اور عمریٰ جائز ہے معمر لہ کیلئے اس کی زندگی تک اور اس کے ورثہ کیلئے اس کے مرنے کے بعد اور رقبیٰ باطل ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا جائز ہے اور جس نے باندی ہبہ کی اور اس کے حمل کا استثناکیا تو ہبہ صحیح ہو جائے گا اور استثنا باطل ہو جائے گا اور صدقہ ہبہ کی طرح ہے جو قبضہ کے بغیر صحیح نہیں اور ایسی مشترک چیز میں جائز نہیں جو تقسیم کا احتمال رکھے۔

تشریح:۔ قولہ اذا وهب بشرط العوض ۔ یعنی اگر کسی نے بشرط عوض کوئی چیز ہبہ کی تو دونوں عوضوں پر اکٹھا قبضہ ہونا ضروری ہوگا اور جب دونوں قبضہ کرلیں گے تو عقد ہبہ درست ہو جائے گا اور ہبہ کا بیع کے حکم میں ہونیکی وجہ سے ہبہ میں عیب اور خیار رویت کی وجہ سے واپس ہو جائے گا اور اس میں شفیع کیلئے حق شفعہ بھی ثابت ہوگا۔

قولہ والعمریٰ جائزۃ ۔ عمریٰ جائز ہے معمر لہ کیلئے اس کی زندگی تک اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کیلئے عمریٰ بھی چونکہ از قسم ہبہ ہے کہ عمریٰ کہتے ہیں کہ کسی شخص کا کسی دوسرے سے یہ کہنا کہ جبتک تو زندہ رہے یعنی عمر بھر کیلئے میں نے مثلاً اس مکان کا تجھے مالک بنادیا اور جب تو مرجائے گا تو میرا ہی ہو جائے گا اور ہبہ میں واپس ہونیکی شرط نہیں ہوتی جبکہ عمریٰ میں یہ شرط ہوتی ہے اور اس میں موہوب لہ کو معمر لہ کہتے ہیں اور اس چیز کو عمریٰ پس یہ معمر لہ کی زندگی تک اس کے پاس رہتی ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کی ہو جاتی ہے۔

قولہ والرقبیٰ باطلۃ ۔ رقبیٰ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک باطل ہے کیونکہ رقبیٰ مشتق ہے رقوب سے لغت میں اس کا معنی ہے انتظار کرنا اور اصطلاح میں رقبیٰ کہتے ہیں کسی آدمی کا یہ کہنا کہ اگر میں تجھ سے پہلے مرجاؤں تو فلاں چیز تیری ہے پس اس میں چونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا ہے اسلئے وہ ممنوع ہے اور امام ابو یوسف نے اس کو جائز لکھا ہے یہی قول امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے چونکہ سرکارِ مدینہ کا قول ہے العمریٰ جائزۃ لمن اعمرہا والرقبیٰ جائزۃ لمن ارقبہا۔

قولہ ومن وهب جاريۃ ۔ یعنی کسی نے اگر ایک باندی کو ہبہ کیا اور اس کے حمل کو مستثنیٰ کرلیا تو باندی کا ہبہ درست ہو جائے گا اور حمل یعنی اس کے بچہ میں استثنا کرنا باطل ہوگا کیونکہ اسی محل میں عمل کرتا ہے جس میں عقد عمل کرتا ہے اور حمل میں عقد ہبہ کا کوئی عمل نہیں۔ اسلئے کہ وہ ایک وصف اور تابع ہے لہذا یہ استثنا شرط فاسد ہوا اور ہبہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا۔

قولہ والصدقۃ کالهبۃ ۔ یعنی صدقہ ہبہ کی طرح ہے جو بغیر قبضہ کے درست نہیں ہوتا اور نہ ایسی مشترک چیز کو صدقہ کرنا جائز ہے جو تقسیم نہ ہوسکتی ہو یعنی بغیر تقسیم کئے صدقہ جائز نہیں بلکہ تقسیم کرکے صدقہ کرے

واذا تصدق علی فقیرین بشیٍٔ جاز ولا یصح الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض ومن نذران یتصدق بمالہ لزمہ ان یتصدق بجنس ما تجب فیہ الزکوٰۃ ومن[۲] نذران یتصدق با لجمیع ویقال لہٗ امسک منہ مقدارماتنفقہٗ علی نفسک وعیالک الی ان تکسب مالاً فاذا اکتسب مالاً تصدق بمثل ما امسک لنفسک

ترجمہ ـــــــ اور جب دو فقیروں پر کوئی چیز صدقہ کرے تو جائز ہے اور صدقہ میں قبضہ کے بعد رجوع کرنا صحیح نہیں اور جس نے اپنے مال کو صدقہ کرنے کی نذر کی تو اس کو اس قسم کے مال کا صدقہ کرنا لازم ہوگا جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور جس نے اپنی ملک صدقہ کرنے کی نذر کی تو اس کو کل مال صدقہ کرنا لازم ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ اس میں سے اتنی مقدار روک لیں جو اپنے اور بال بچوں پر مال کمانے تک خرچ کریں اور جب وہ مال کمائے تو اس سے کہا جائے گا کہ اس کے برابر صدقہ کریں جو آپ نے اپنے لئے روکا تھا۔

تشریح۔ قولہ اذا تصدق علی فقیرین ۔ یعنی ایک چیز دو فقیروں پر صدقہ کردینا جائز ہے اور صدقہ میں جس پر صدقہ کیا ہے اس کا قبضہ ہونے کے بعد واپس کرلینا جائز نہیں اور اگر کسی نے یہ منت مانی کہ میں اپنا مال صدقہ کروں گا تو اس پر اس قسم کے مال کو صدقہ کرنا لازم ہوگا کہ جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

قولہ[۲] ومن نذران یتصدق ۔ یعنی کسی نے اگر یہ منت مانی کہ میں اپنی ملک کو صدقہ کردوں گا تو اس پر اپنا سارا مال صدقہ کردینا لازم ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ آپ اسمیں سے اس قدر رکھ لیں جو آپ کے اور آپ کے بال بچوں کے خرچ کیلئے کافی ہو اس وقت تک کہ آپ اور بھی مال کمالیں اور جب مال کمالیں گے تو جسقدر آپنے اپنے لئے مال رکھا ہے اس کے برابر صدقہ کردیں۔

کتاب الوقف

ترجمہ:۔ **وقف کا بیان**

لا[۱] یزول ملک الواقف عن الوقف عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الا ان یحکم بہ الحاکم او یعلقہ بموتہ فیقول اذا مت فقد وقفت داری علی کذا وقال ابو یوسف رحمہ اللہ یزول الملک بمجرد القول وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا یزول الملک حتی یجعل للوقف ولیًا ویسلمہ الیہ واذا صح الوقف علی اختلافھم خرج من ملک الواقف ولم یدخل فی ملک الموقوف علیہ و[۲]وقف المشاع جائز عند ابی یوسف رحمہ اللہ وقال محمد رحمہ اللہ لا یجوز۔

ترجمہ ـــــ واقف کی ملک وقف سے زائل نہیں ہوتی امام ابو حنیفہ کے نزدیک مگر یہ کہ حاکم اس کا حکم کردے یا وہ اس کو اپنے مرنے پر معلق کردے پس یوں کہدے کہ جب میں مرجاؤں تو میں نے اپنا مکان فلاں کیلئے وقف کردیا اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ملک صرف کہنے سے زائل ہوجاتی ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ زائل نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ وقف کا متولی کرکے اسکے سپرد کردے اور جب وقف ان کے اختلاف کے موافق صحیح ہوجائے تو واقف کی ملک سے نکل جائے گا اور موقوف علیہ کی ملک میں داخل نہ ہوگا اور مشترک چیز کا وقف جائز ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں۔

تشریح۔ قولہ کتاب الوقف :۔ وقف لغت میں روکنے کو کہا جاتا ہے اس وجہ سے موقف الحساب اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں حساب کے واسطے قیامت کے دن روکا جائے گا اور اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کو اپنی ملک میں روک دے اور اس کے منافع کو خیرات کردے۔

قولہ لایزول ملک الواقف :۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف وقف کرنے سے واقف کی ملک زائل نہیں ہوتی بلکہ اس کا مالک واقف ہی رہتا ہے البتہ اگر اس کی ملک زائل ہوجانے کا حاکم حکم دیدے یا وہ خود اُسے اپنے مرنے پر معلق کردے یعنی یہ کہدے کہ جب میں مرجاؤں تو اپنا مکان اتنے آدمیوں کیلئے وقف کردیا تو اسی صورت میں واقف کی ملک زائل ہوجاتی ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اسکی ضرورت نہیں بلکہ وقف کرنے ہی سے واقف کی ملکیت زائل ہوجاتی ہے خواہ وہ اپنے مرنے پر معلق کرے یا نہ کرے وجہ اس کی یہ ہے کہ وقف ان کے نزدیک بمنزلۂ غلام آزاد کرنے کے ہے پس جیسی طرح غلام آزاد ہوتے ہی آقا کی ملک سے نکل جاتا ہے اس طرح وقف شدہ چیز بھی وقف ہوتے ہی واقف کی ملک سے نکل جاتی ہے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ وقف کی ملک زائل نہیں ہوتی جبتک کہ وہ اس وقف کا کسی کو متولی کرکے اس کے سپرد نہ کردے اور جب ان تینوں کے اختلاف کے مطابق وقف ہوجائے تو وقف واقف کی ملک سے نکل جائے گا اور موقوف علیہ کے ملک میں داخل نہ ہوگا پس اگر وقف موقوف علیہ کی ملک میں داخل ہوجائے تو اس کی بیع وشراء جائز ہوگی لیکن چونکہ وہ اس کی ملک میں داخل نہیں اسلئے نہ اس کی بیع وشراء جائز ہے اور نہ ہبہ ورہن وغیرہ۔

قولہ وقف المشاع :۔ مشاع غیر منقسم جائداد کو کہا جاتا ہے اسکی دو قسمیں ہیں (۱) غیر محتمل القسمۃ جیسے حمام و پن چکی وغیرہ (۲) محتمل القسمۃ جیسے زمین و مکان وغیرہ پہلی قسم میں شیٔ مشاع کا وقف بالاتفاق جائز ہے سوائے مسجد و مقبرہ کہ ان کا وقف عدم احتمال قسمت کے باوجود تمام نہیں ہوتا اور متن میں مشاع سے دوسری قسم مراد ہے یعنی محتمل القسمۃ میں شیٔ مشاع کا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اسلئے کہ قسمت تمامیت قبضہ سے ہوتی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک قبضہ شرط نہیں تو اس کا تتمہ بھی شرط نہ ہوگا۔ برخلاف امام محمد کے کہ ان کے نزدیک قبضہ چونکہ شرط ہے اسلئے وقف مشاع ان کے نزدیک جائز نہیں۔

ولا یتم الوقف عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ حتی یجعل اٰخرہ بجہۃ لا تنقطع ابداً وقال ابو یوسف رحمہ اللہ اذا سمی فیہ جہۃ تنقطع جاز وصار بعدھا للفقراء وان لم یسمہم ویصح وقف العقار ولا یجوز وقف ما ینقل ویحول وقال ابو یوسف رحمہ اللہ اذا وقف ضیعۃ ببقرھا واکرتہا وھم عبیدہ جاز و

وقال محمد رحمہ اللہ یجوز حبس الکراع والسلاح ۔

ترجمہ: ــــــــ اور وقف امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک تمام نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا آخر اس طرح کر دے کہ وہ کبھی منقطع نہ ہو اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ اگر اس نے ایسی جہت کا نام لیا جو منقطع ہو جائے گا تو بھی جائز ہے اور وہ اس جہت کے بعد فقراء کیلئے ہوگا اگرچہ اس نے ان کا نام نہ لیا ہو اور زمین کا وقف صحیح ہے اور ان چیزوں کا وقف جائز نہیں جو منقول اور بدلتی ہوں اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ جب وقف کی زمین بیلوں اور کمیروں کے ساتھ ہو اور کمیرے اس کے غلام ہیں تو جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ گھوڑا اور ہتھیار راہِ خدا میں وقف کرنا جائز ہے ۔

تشریح :- قولہ[۱] لا یتم الوقف ۔ یعنی وقف امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس وقت پورا ہوتا ہے جبکہ واقف وقف کا آخر اس طرح کرے جو کبھی منقطع نہ ہو کیونکہ وقف سے مقصود اس کو ہمیشہ کیلئے رکھنا ہے لہذا واقف اس طرح کہے مثلاً میں نے اپنی یہ زمین فلاں کی اولاد کیلئے نسل در نسل تک وقف کر دی پس اگر اتفاق سے وہ نسل ختم ہو جائے تو اس وقف کا نفع مساکین و علماء ہوں گے کیونکہ مساکین و علماء کبھی بھی ختم نہیں ہوتے اور اگر اس طرح نہ کہا تو وقف درست نہ ہوگا ۔

قولہ[۲] وقال ابویوسف :- یعنی امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ اگر وقف میں واقف نے ایسی جہت کا نام لیں جو منقطع ہو جائے تو بھی وقف درست ہے اور وہ بعد اس جہت یعنی ان لوگوں کے فقیروں کیلئے ہو جائے گا اگرچہ اس نے اس کا نام نہ لیا ہو ۔

قولہ[۳] یصح وقف العقار : غیر منقول چیز یعنی صرف زمین کا وقف بالاتفاق جائز ہے لیکن منقول چیز کا وقف امام ابوحنیفہ جائز قرار نہیں دیتے ۔ امام ابویوسف نے فرمایا کہ زمین کو اگر اس کے بیلوں اور کارندوں کے ساتھ وقف کرے تو جائز ہے کیونکہ وہ چیزیں مقصود کے لحاظ سے زمین کے تابع ہیں اور امام محمد نے فرمایا کہ گھوڑا اور ہتھیار کو راہِ خدا میں وقف کرنا جائز ہے ۔

واذا صح[۱] الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ الا ان یکون مشاعاً عند ابی یوسف رحمہ اللہ فیطلب الشریک القسمۃ فتصح مقاسمتہ والواجب[۲] ان یبتدئ من ارتفاع الوقف بعمارتہ شرط ذلک الواقف او لم یشترط واذا وقف داراً علی سکنیٰ ولدہ فالعمارۃ علی من لہ السکنیٰ فان امتنع من ذلک او کان فقیراً آجرھا الحاکم وعمرھا باجرتھا فاذا عمرت ردھا الی من لہ السکنیٰ وما انھدم من بناء الوقف وآلتہ صرفہ الحاکم فی عمارۃ الوقف ان احتاج الیہ وان استغنی عنہ امسکہ حتی یحتاج الی عمارتہ فیصرفہ فیھا ولا یجوز ان یقسمہ بین مستحقی الوقف ۔

ترجمہ: ــــــ اور جب وقف صحیح ہو جائے تو اس کی بیع جائز نہیں اور نہ اسکی تملیک مگر یہ کہ وہ مشترک ہو امام ابویوسف کے

کے نزدیک پس شریک تقسیم کرانا چاہے تو اُسے تقسیم کر دینا درست ہے اور ضروری ہے کہ پہلے اس کے منافع سے اس کی مرمت کی جائے اس کے واقف نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو اور جب کسی مکان کو اپنی اولاد کی رہائش کیلئے وقف کیا تو اسکی مرمت اسی کے ذمہ ہے جس کیلئے رہائش ہے پس اگر وہ اس سے باز رہے یا وہ فقیر ہو تو حاکم وہ مکان کرایہ پر دے اور کرایہ سے مرمت کرائے پس جب مرمت ہو جائے تو اس کو دیدے جس کیلئے رہائش ہے اور جو کچھ وقف کی عمارت وغیرہ سے گر جائے تو اسکے حاکم وقف کی مرمت میں صرف کرے اگر اس کی ضرورت ہو اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو رکھ لے یہاں تک کہ مرمت کی ضرورت ہو پس اس میں صرف کرے اور جائز نہیں کہ اس کو وقف کے مستحقین میں تقسیم کر دے۔

تشریح:۔ قولہ اذا صح الوقف: یعنی جب وقف تمام ہو جائے تو نہ اس کو بیچنا جائز ہے اور نہ کسی دوسرے کو مالک بنا دینا اور نہ عاریت پر دینا اور نہ رہن رکھنا جائز ہے اور نہ ہی مستحقین وقف میں تقسیم کرنا جائز ہے کیونکہ جن پر وقف کیا جائے ان کا حق منافع وقف میں ہے نہ کہ عین وقف میں اور تملیک و قسمت اسکے منافی ہے البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر وہ مشترک ہو اور شریک اُسے تقسیم کرانا چاہے تو اُسے تقسیم کر دینا درست ہے جبکہ طرفین کے نزدیک درست نہیں۔

قولہ والواجب ان یبتدی: یعنی وقف میں ضروری ہے کہ وقف کے حاصل و منافع کو پہلے اسکی مرمت میں صرف کیا جائے۔ وقف کرنے والے نے خواہ یہ شرط لگائی ہو یا نہیں اور اگر کسی نے کوئی مکان اپنی اولاد کے رہنے کیلئے وقف کر دیا تو جائز ہے اور اسکی مرمت اسی کے ذمہ ہے جو اس میں رہے پس اگر وہ مرمت نہ کرائے یا وہ تنگدست ہو تو اس مکان کو حاکم کرایہ پر دیدے اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے اُسے مرمت کرا دے اور جب اُس کی مرمت ہو جائے تو پھر اسی کو دیدے جس کیلئے اس میں رہنا وقف کیا گیا ہے۔

قولہ وما انھدم: یعنی اگر وقف شدہ کوئی مکان وغیرہ گر جائے تو حاکم اُس کے ملبے کو وقف کی عمارت کی مرمت میں صرف کرے اگر ضرورت ہو اور اگر ضرورت نہ ہو تو اُسے حفاظت سے رکھ لے یہاں تک کہ جب اسکی مرمت کی ضرورت ہو تو اس کو اسی میں صرف کرے اور اس کی صرف کرنا جائز نہیں۔

وَاِذَا جَعَلَ الوَاقِفُ غَلَّةَ الوَقفِ لِنَفسِہٖ اَو جَعَلَ الوِلَایَۃَ اِلَیہِ جَازَ عِندَ اَبِی یُوسُفَ رَحِمَہُ اللہُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا یَجُوزُ وَاِذَا بَنٰی مَسجِدًا لَم یَزُل مِلکُہٗ عَنہُ حَتّٰی یُفرِزَہٗ عَن مِلکِہٖ بِطَرِیقِہٖ وَیَاذَنَ النَّاسَ بِالصَّلٰوۃِ فِیہِ فَاِذَا صَلّٰی فِیہِ وَاحِدٌ زَالَ مِلکُہٗ عِندَ اَبِی حَنِیفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ وَقَالَ اَبُو یُوسُفَ یَزُولُ مِلکُہٗ عَنہُ بِقَولِہٖ جَعَلتُہٗ مَسجِدًا وَمَن بَنٰی سِقَایَۃً لِلمُسلِمِینَ اَو خَانًا یَسکُنُہٗ بَنُو السَّبِیلِ اَو رِبَاطًا اَو جَعَلَ اَرضَہٗ مَقبَرَۃً لَم یَزُل مِلکُہٗ عَن ذٰلِکَ عِندَ اَبِی حَنِیفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ حَتّٰی یَحکُمَ بِہٖ حَاکِمٌ وَقَالَ اَبُو یُوسُفَ رَحِمَہُ اللہُ یَزُولُ مِلکُہٗ بِالقَولِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا استَقَی النَّاسُ مِنَ السِّقَایَۃِ وَسَکَنُوا الخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدُفِنُوا فِی المَقبَرَۃِ زَالَ المِلکُ۔

ترجمہ ــــــ اور جب واقف وقف کی آمدنی کو اپنے لئے ٹھہرائے یا اس کی تولیت کو اپنے لئے کرے تو امام ابو یوسف

کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں اور جب کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملک زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ اس کو اپنی ملک سے اس کے راستہ کے ساتھ جدا کردے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدے پس جب اس میں ایک آدمی نماز پڑھ لے تو اسکی ملک امام ابوحنیفہ کے نزدیک زائل ہوجائیگی اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ یہ کہنے ہی سے اسکی ملک زائل ہوجائیگی کہ میں نے اسکو مسجد بنادیا اور جس نے مسلمانوں کیلئے سقایہ بنایا یا مسافروں کے رہنے کیلئے سرائے بنایا یا مسافرخانہ یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو اسکی ملک امام ابوحنیفہ کے نزدیک زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ حاکم اس کا حکم کردے اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ صرف کہنے سے ملک زائل ہوجائیگی اور امام محمد نے فرمایا کہ جب لوگ سقایہ سے پانی پی لیں اور سرائے یا مسافرخانہ میں ٹھہر جائیں اور قبرستان میں دفن کرنے لگیں تو ملک زائل ہوجائیگی۔

تشریح:۔ **قولہ[۱] واذا جعل الواقف** یعنی وقف کی زمین کے غلہ کو اگر وقف کرنیوالا اپنے لئے وقف کرے یا اس کا متولی خودہی رہے تو امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے لیکن امام محمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں جائز نہیں۔ دلیل شیخین کی یہ ہے کہ سرکار مدینہ اپنے موقوفہ صدقہ سے کھاتے تھے۔

قولہ[۲] اذا بنیٰ مسجداً یعنی اگر کسی نے مسجد بنائی تو وہ بن جانے کے بعد بھی اسی کی ملک رہے گی یہاں تک کہ وہ خود اسے مع اس کے راستہ کے اپنی ملک سے جدا کردے اور لوگوں کو اسمیں نماز پڑھنے کی اجازت دیدے۔ ملک سے جدا کرنا اسلئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر مسجد خالص خدا کیلئے نہیں ہوتی اور نماز کی اجازت اس لئے ضروری ہے کہ وقف میں تسلیم یعنی قبضہ کرانا ضروری ہے اور یہاں حقیقی قبضہ دشوار ہے اس وجہ سے وقف سے جو مقصود نماز پڑھنا ہے اس کو حقیقی قبضہ کے قائم مقام کردیا جائے گا اب اجازت کے بعد اگر ایک شخص نے بھی اسمیں نماز پڑھ لی تو مالک کی ملک زائل ہوجائیگی یہ طرفین کے نزدیک ہے لیکن امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ مالک نے اگر کہہ دیا کہ جس نے اس کو مسجد بنادیا تو اس سے مالک کی ملک زائل ہوجائیگی اسلئے کہ ان کے نزدیک تسلیم ضروری نہیں۔

قولہ[۳] من بنیٰ سقایۃ للمسلمین یعنی اگر کسی نے مسلمانوں کیلئے کوئی سقایہ یا مسافرخانہ یا آمدورفت کیلئے کوئی مکان بنا دیا یا اپنی زمین قبرستان کیلئے وقف کردی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ اس کی ملک رہے گی یہاں تک کہ اُس کے وقف ہونے کا حاکم حکم کردے کیونکہ اس کا حق منقطع نہیں ہوا اور امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ اُس کے کہنے ہی سے ملک سے نکل جائیگی کیونکہ ان کے نزدیک تسلیم ضروری نہیں اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر اس سقایہ سے لوگوں نے پانی پی لیا اور اس مسافرخانہ اور اس مکان میں لوگ ٹھہرنے لگے اور قبرستان میں دفن کرنے لگے تو اسکی ملک سے خارج ہوجائیگی۔

کتابُ الغصب

ترجمہ:۔ غصب کا بیان

مَنْ غصب شیئاً مما لہ مثل فھلک فی یدہٖ فعلیہ ضمان مثلہ وان کان مما لا مثل لہ فعلیہ قیمتہ و علی الغاصب ردُّ العینِ المغصوبۃِ فان ادعٰی ھلا کہا حبسہُ الحاکم حتی یعلم انہا لو کانت باقیۃ لاظھرھا ثم قضی علیہ ببدلہا والغصبُ فیما ینقل ویحوّل واذا غصب عقاراً فھلک فی یدہٖ لم یضمنہٗ عند ابی

حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ و قال محمد یضمنہ و ما نقص منہ بفعلہ او سکناہ ضمنہ فی قولہم جمیعاً۔

ترجمہ ـــــــــ اور جس نے کوئی مثلی چیز غصب کی اور وہ اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس پر اسکی مثل کا تاوان ہوگا اور اگر وہ چیز مثلی نہ ہو تو اسکی قیمت ہوگی اور غاصب پر واجب ہے عین مغصوب کو واپس کرنا پس اگر وہ اس کے تلف ہو جانے کا دعویٰ کرے تو اس کو حاکم قید کرے یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ اگر وہ باقی ہوتی تو ضرور ظاہر کر دیتا پھر اسکے بدلہ کا فیصلہ کردے اور غصب منقول چیزوں میں ہوتا ہے اور جب زمین کو غصب کیا پس وہ اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ضامن نہ ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ ضامن ہوگا اور جو زمین میں اسکے فعل اور رہائش سے نقص آجائے تو سب کے قول میں اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح:۔ قولہ کتاب الغصب ۔غصب لغت میں کسی چیز کو زبردستی چھیننا ہے خواہ وہ چیز مال ہو یا مال نہ ہو اور اصطلاح میں اس محقق قبضہ کے چھیننے کو کہا جاتا ہے جو بواسطۂ فصل بطور اعلانیہ اجازت کے بغیر زائل یا ناقص کر دے۔ ناحق قبضہ جمالینے کے ساتھ ایسی قیمتی چیز اور محترم مال میں جو منتقل کیا جا سکے۔ چھیننے والے کو غاصب اور اس چھین ہوئی چیز کو مغصوب اور جس سے چھینا جائے اس کو مغصوب عنہ کہا جاتا ہے۔

قولہ ومن غصب شیئاً ۔یعنی اگر کسی نے کوئی مثلی یعنی کیلی یا وزنی چیز غصب کرلی اور وہ اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس کے ذمہ اسکی مثل تاوان دینا لازم ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ اور اگر وہ مثلی نہ ہو تو اس کے ذمہ قیمت دینی لازم ہوگی یعنی اس کا مثل ہونا بازار میں منقطع یعنی نہ پایا جاتا ہو تو اس کی قیمت واجب ہے۔

قولہ علی الغاصب رد العین ۔یعنی غاصب پر اس عین مغصوب کو واپس کر دینا ضروری ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علی الید ما اخذت حتی تودی اور اگر غاصب نے اس کے ہلاک ہو جانے کا دعویٰ کیا تو حاکم اُسے قید کردے یہاں تک کہ یہ یقین ہو جائے کہ اگر وہ اس کے پاس ہوتی تو وہ اُسے ضرور ظاہر کر دیتا پھر اسکے بدلہ دینے کا اس پر حکم کردے۔

قولہ والغصب فیما ینقل ۔یعنی غصب ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے۔ جیسے چوپایہ و کپڑا وغیرہ اور اگر کسی نے کوئی زمین غصب کرلی پھر وہ اسکے پاس تلف ہوگئی یعنی دریا آگیا یا اس میں کھائی پڑگئی یا کسی دوسری طرح کا نقصان آگیا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اس کے غاصب پر تاوان نہیں اور امام محمد کا قول ہے اور یہی امام شافعی کا ہے کہ اس کو تاوان دینا پڑے گا اور اگر غاصب کے کچھ کرنے یا وہاں رہنے سے اس زمین میں کچھ نقصان آجائے تو اس کا تاوان تینوں اماموں کے نزدیک لازم ہوگا۔

و اذا ہلک المغصوب فی ید الغاصب بفعلہ او بغیر فعلہ فعلیہ ضمانہ و ان نقص فی یدہ فعلیہ

ضمان النقصان ومن ذبح شاة غيره بغير امره فمالكها بالخيار ان شاء ضمنه قيمتها وسلمها اليه وان شاء ضمنه نقصانها ومن خرق ثوب غيره خرقا يسيرا ضمن نقصانه وان خرق خرقا كثيرا يبطل عامة منفعته فلمالكه ان يضمنه جميع قيمته

ترجمہ ——— اور جب شئی مغصوب غاصب کے پاس اس کے فعل سے یا بغیر فعل کے ہلاک ہو جائے تو اس پر اس کا ضمان ہے اور اگر اس کے پاس اس میں نقصان آگیا تو نقصان کا ضامن ہوگا اور جس نے دوسرے کی بکری ذبح کر دی تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے بکری کی قیمت کا ضمان لیکر بکری اُسے دیدے اور چاہے نقصان کا ضمان لیلے اور جس نے دوسرے کا تھوڑا سا کپڑا پھاڑ دیا تو نقصان کا ضامن ہوگا اور اگر زیادہ پھاڑ دیا جس سے اس کے اکثر منافع فوت ہو گئے تو مالک پوری قیمت کا ضمان لے سکتا ہے۔

تشریح۔ قولہ[1] واذا هلك المغصوب یعنی جب منقولی مغصوب چیز غاصب کے ہاتھ سے تلف ہو جائے خواہ اس نے اس میں کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو تو اس پر اس کا تاوان لازم ہوگا اور اگر اس کے پاس کچھ اس میں نقصان آگیا ہے تو اس نقصان کا تاوان لازم ہوگا اور اگر کسی نے کسی کی ایک بکری بغیر اجازت اسکے مالک کے ذبح کر ڈالی تو اب اس کے مالک کو اختیار ہے چاہے وہ اس بکری کی قیمت اس سے لیلے اور یہ بکری غاصب کو دیدے اور چاہے اس بکری کو بھی لیلے اور اس کے نقصان کا اس سے تاوان لیلے۔

قولہ[2] من خرق ثوب یعنی اگر کسی نے کسی کا تھوڑا سا کپڑا پھاڑ دیا تو وہ اس کے نقصان کا ضامن ہوگا اور وہ کپڑا مالک کا رہے گا اور اگر بہت پھاڑ دیا ہے کہ اب کام میں نہیں آسکتا تو اس کے مالک کو اختیار ہے کہ اس کپڑے کی پوری قیمت کا اس سے تاوان لے۔

واذا تغيرت العين المغصوبة بفعل الغاصب حتى زال اسمها واعظم منافعها زال ملك المغصوب منه عنها وملكها الغاصب وضمنها ولا يحل له الانتفاع بها حتى يؤدي بدلها وهذا كمن غصب شاة فذبحها وشواها او طبخها او غصب حنطة فطحنها او حديدا فاتخذه سيفا او صفرا فعمله آنية وان غصب فضة او ذهبا فضربها دراهم او دنانير او آنية لم يزل ملك مالكها عنه عند ابي حنيفة رحمه الله ومن غصب ساجة فبنى عليها زال ملك مالكها عنها ولزم الغاصب قيمتها۔

ترجمہ ——— اور جب عین مغصوبہ چیز غاصب کے فعل سے بدل جائے یہاں تک کہ اس کا نام اور اعلیٰ درجہ کا فائدہ جاتا رہا تو اس سے مغصوب منہ کی ملک زائل ہو جائے گی اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا اور تاوان دے گا اور اس سے فائدہ اٹھانا

حلال نہیں یہاں تک کہ اسکا بدلہ دیدے اور یہ جیسے کسی نے بکری غصب کرکے ذبح کرلی یا بھون لی یا پکالی یا گیہوں غصب کرکے پیس لئے یا لوہا غصب کرکے تلوار بنالی یا پیتل غصب کرکے برتن بنالیا اور اگر چاندی یا سونا غصب کرکے ان کو ڈھال کر درہم یا اشرفیاں یا برتن بنالئے تو مالک کی ملک زائل نہ ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور جس نے شہتیر غصب کرکے اس پر عمارت بنالی تو مالک کی ملک زائل ہوگئی اور غاصب پر اسکی قیمت لازم ہوگی۔

تشریح:۔ قولہ واذا تغیرت العین یعنی غاصب کے فعل سے عین مغصوب ایسا بدل جائے کہ نہ اس کا نام رہے جو غصب کرنے سے پہلے تھا اور نہ اس سے اس کا اسبق درجہ کا فائدہ حاصل ہو یعنی اس کے اکثر منافع زائل ہوجائے مثلاً مغصوب بکری تھی اس کو ذبح کرکے بھون لیا یا پکالیا یا گیہوں تھے ان کو پیس لیا یا لوہا تھا اسکی تلوار بنالی یا پیتل تھا اس کا برتن بنالیا تو ایسی صورتوں میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک غاصب ان کا مالک ہوجائے گا جبکہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اصل مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا یہی قول امام ابویوسف کا ہے کہ مغصوب بعینہ باقی ہے لہذا اصل مالک کی ملک پر باقی رہے گی لیکن صفت کا ہونا تو وہ اصل کے تابع ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ غاصب نے مغصوب میں ایسی صفت پیدا کردی ہے جس کی وجہ سے مالک کا حق من وجہ ختم نہیں ہوتا اور صفت میں غاصب کا حق موجود ہے تو اس کو اصل پر ترجیح دی جائیگی کہ اس کا حق بتمامہ باقی ہے غاصب مغصوب کا مالک ہوجائے گا لیکن ادائیگی ضمان سے پہلے اس کیلئے انتفاع حلال نہ ہوگا چونکہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے مکان پر مدعو تھے انصاری نے بھنی ہوئی بکری پیش کی تو آپ نے لقمہ لیکر تناول فرمانا چاہا تو وہ حلق سے نیچے نہیں اترا اس پر آپ نے فرمایا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ بکری ناحق ذبح کیگئی ہے۔ انصاری نے عرض کیا کہ سرکار یہ میرے بھائی کی ہے میں اسکو راضی کرکے بہتر بدلہ دیدونگا آپ نے فرمایا کہ خیرات کردو؟ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ غاصب مغصوب کا مالک ہوجاتا ہے دوسری یہ کہ مالک کو راضی کئے بغیر نفع حاصل کرنا ممنوع ہے۔

قولہ من غصب ساحۃ۔ یعنی کسی نے اگر شہتیر غصب کرکے اسکو دروازہ پر رکھ لیا اور اس پر دیوار بنالی تو اس سے اس کے مالک کی ملک زائل ہوجائیگی اور غاصب پر اسکی قیمت دینی لازم ہوگی۔ امام کرخی نے کہا کہ شہتیر کے مالک کا حق اس وقت زائل ہوگا جبکہ غاصب اسکے ادگرد عمارت بنالے اور اگر صرف اس کے اوپر بنایا تو زائل نہ ہوگا۔

ومن غصب ارضًا فغرس فيها او بنى قيل له اقلع الغرس والبناء وردها الى مالكها فارغة فان كانت الارض تنقص بقلع ذلك فللمالك ان يضمن له قيمة البناء والغرس مقلوعًا ومن غصب ثوبًا فصبغه احمر او سويقًا فلتّه بسمن فصاحبه بالخيار ان شاء ضمنه قيمة ثوب ابيض ومثل السويق وسلمه للغاصب وان شاء ضمنه اخذهما وضمن مازاد الصبغ والسمن فيهما۔

ترجمہ ـــــ اور جس نے زمین غصب کرکے پودے لگائے یا عمارت بنالی تو اس سے کہا جائے گا کہ درخت اور عمارت

اکھاڑ کر مالک کو خالی زمین دے اب اگر زمین میں ان کے اکھاڑنے سے نقصان آتا ہو تو مالک کیلئے جائز ہے کہ وہ غاصب کو اکھڑے ہوئے درخت اور عمارت کی قیمت دیدے اور جس نے کپڑا غصب کیا سرخ رنگ لیا یا ستو غصب کر کے گھی میں ملالیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے سفید کپڑے کی قیمت اور ویسا ہی ستو لیلے اور وہ کپڑا اور ستو غاصب کو دیدے اور چاہے ان ہی کو لیلے اور جو رنگ اور گھی زیادہ ہوا ہے اس کا معاوضہ دیدے۔

تشریح:۔ قولہ ومن غصب ارضا۔ یعنی کسی نے اگر کچھ زمین غصب کر کے اسمیں باغ لگالیا یا مکان بنالیا تو اس سے کہا جائے گا کہ آپ اپنے درختوں اور دیواروں کو اکھیڑلیں اور وہ زمین خالی کر کے اسکے مالک کے حوالہ کردے اور اگر ان کے اکھیڑنے سے زمین میں نقصان آتا ہو تو مالک کیلئے جائز ہے کہ ان درختوں اور دیواروں کے اکھڑے ہوؤں کی قیمت غاصب کو دیدے پھر وہ درخت اور دیواروں کے مالک ہو جائیں گے۔

قولہ من غصب ثوبا۔ یعنی اگر کسی نے ایک کپڑا غصب کر کے اسے سرخ رنگ لیا یا ستو غصب کر کے اس میں گھی وغیرہ ملالیا تو اسکے مالک کو اختیار ہے چاہے اس غاصب سے سفید کپڑے کی قیمت اور ویسا ہی ستو لیلے اور وہ کپڑا و ستو غاصب کو دیدے اور چاہے نہ دے بلکہ دونوں کو لیلے اور جو رنگ و گھی وغیرہ ان دونوں میں زیادہ ہوا ہے اس کا معاوضہ دیدے۔

ومن غصب عيناً فغيبها فضمنه المالك قيمتها ملكها الغاصب بالقيمة والقول في القيمة قول الغاصب مع يمينه إلا أن يقيم المالك البينة بأكثر من ذلك فإذا ظهرت العين وقيمتها أكثر مما ضمن وقد ضمنها بقول المالك أو ببينة أقامها أو بنكول الغاصب عن اليمين فلا خيار للمالك وهو للغاصب وإن كان ضمنها بقول الغاصب مع يمينه فالمالك بالخيار إن شاء أمضى الضمان وإن شاء أخذ العين ورد العوض

ترجمہ ـــــــ اور جس نے کسی چیز کو غصب کر کے غائب کردی اور مالک نے قیمت کا تاوان لے لیا تو غاصب قیمت دیکر مالک ہو جائے گا اور قیمت میں غاصب کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا مگر یہ کہ مالک اس سے زیادہ پر بینہ قائم کردے پھر اگر وہ چیز ظاہر ہو اور اس کی قیمت اس سے زیادہ ہو جو غاصب نے دی تھی اور وہ قیمت مالک کے قول یا اسکے بینہ کے بموجب یا قسم سے غاصب کے انکار کے بموجب دی تھی تو مالک کو کچھ اختیار نہ ہوگا اور وہ چیز غاصب کی ہوگی اور اگر قیمت غاصب کے بموجب ہو تو اسکی قسم کے ساتھ مالک کو اختیار ہے اگر چاہے وہی قیمت رکھے اور اگر چاہے وہ چیز لیلے اور اس کا عوض واپس کردے۔

قولہ۔ قولہ ومن غصب عینا۔ یعنی اگر کسی نے کوئی چیز غصب کر کے اسے غائب کر دیا پھر مالک نے اس سے اسکی قیمت لے لی تو قیمت دیکر غاصب اس کا مالک ہو جائے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ غاصب مالک نہ ہوگا کیونکہ غصب ظلم محض ہے اور ظلم محض سبب ملک نہیں ہوتا جس طرح کوئی مدبر غلام کو غصب کر کے غائب کردے اور اسکی قیمت کا تاوان دیدے کہ وہ بالاتفاق مالک نہیں ہوتا۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ مالک شئ مغصوب کے بدل یعنی

اس کی قیمت کا بطور کامل مالک ہوگا اور جو کوئی بدل کا مالک ہو مبدل منہ اس کی ملک سے خارج اور صاحب بدل کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے۔

قولہ والقول فی القیمۃ: یعنی مالک و غاصب کے درمیان قیمت میں اگر اختلاف ہو تو غاصب کے قول کا قسم کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا اسلئے کہ مالک زیادہ ہونے کا مدعی ہے اور غاصب اس کا منکر البتہ مالک اگر اس قیمت سے زیادہ قیمت ہونے پر کوئی گواہ پیش کردے تو مالک ہی کا قول مانا جائے گا پھر اگر مالک کے قیمت لینے کے بعد وہ چیز ظاہر ہو گئی اور اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے جو مالک نے تاوان کے طور پر لیلی تھی حالانکہ وہ قیمت خود مالک ہی کے کہنے سے یا اس کے گواہ کے گواہی دینے یا غاصب کے قسم سے انکار کی وجہ سے مالک نے لی تھی تو اب اس مالک کو کچھ اختیار نہیں اور اب وہ غاصب ہی کی ہے یعنی اس بات کا اختیار نہیں کہ اب اسکی قیمت زیادہ ہونیکی وجہ سے غاصب سے اور کچھ وصول کرنے لگے کیونکہ غاصب اسکی رضامندی سے اس چیز کا مالک ہو چکا ہے اسلئے کہ حقی قیمت کا مالک نے دعویٰ کیا تھا وہ ادا کر چکا ہے۔

قولہ فان کان ضمنہا: یعنی مالک نے اگر وہ قیمت غاصب کے کہنے سے یا اس کی قسم کے موافق لی تھی تو اب مالک کو اختیار ہے چاہے اسی قیمت ہی کو رکھے اور چاہے اپنی اس چیز کو لیلے اور وہ لیا ہوا عوض واپس کردے۔

وولد المغصوبۃ ونماؤها وثمرۃ البستان المغصوب امانۃ فی ید الغاصب ان هلک فی یدہ فلا ضمان علیہ الا ان یتعدی فیها او یطلبها مالکها فیمنعها ایاہ وما نقصت الجاریۃ بالولادۃ فهو فی ضمان الغاصب فان کان فی قیمۃ الولد وفاء بہ جبر النقصان بالولد وسقط ضمانہ عن الغاصب ولا یضمن الغاصب منافع ما غصبہ الا ان ینقص باستعمالہ فیغرم النقصان واذا استهلک المسلم خمر الذمی او خنزیرہ ضمن قیمتهما وان استهلکهما المسلم لمسلم لم یضمن۔

ترجمہ ——— اور مغصوبہ چیز کا بچہ اور اس کی بڑھوتری اور مغصوب باغ کا پھل غاصب کے پاس امانت کے طور پر ہوتا ہے اگر اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں مگر یہ کہ وہ اس میں تعدی کرے یا مالک کے طلب کرنے پر نہ دے اور باندی میں جو نقصان ولادت کی وجہ سے آجائے تو وہ غاصب کے ضمان میں ہوگا پس اگر بچہ کی قیمت سے نقصان پورا ہو سکے تو اس سے پورا کر دیا جائے گا اور غاصب سے تاوان ساقط ہو جائے گا اور غاصب مغصوب کے منافع کا ضامن نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کے استعمال سے ناقص ہو جائے پس وہ نقصان کا تاوان دے گا اور جب مسلمان ذمی کی شراب یا اسکے خنزیر ہلاک کردے تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کی وہ دونوں چیزیں ہلاک کردیے تو وہ اسکی قیمت کا ضامن ہوگا۔

تشریح: ——— **قولہ ولد المغصوبۃ:** یعنی مغصوبہ باندی اور بکری وغیرہ کا بچہ اور اسکی بڑھوتری اور مغصوب باغ کا پھل غاصب کے پاس امانت کے طور پر رہے گا اور اگر اس کے پاس خود بخود بغیر تلف ہو جائے تو اس پر تاوان نہ ہوگا۔ البتہ

اس میں اگر اس نے کچھ تعدی کی ہو یا مالک نے مانگا ہو اور اس نے نہ دیا ہو تو اس پر تاوان لازم ہوگا۔

قولہ — وما نقصت الجاریۃ: یعنی بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے باندی میں اگر کچھ نقصان آجائے تو وہ نقصان غاصب کے ذمہ ہوگا پس اگر بچہ کی قیمت سے وہ نقصان پورا ہو سکے تو اس سے اس کو پورا کر دیا جائے گا اور غاصب کے ذمہ سے اس کا تاوان ساقط ہو جائے گا وہ مثلاً یہ کہ ایک باندی پانچ سو روپیہ کی ہو اور جب اس کا بچہ پیدا ہو تو اسکی قیمت چار سو روپیہ رہ گئی اور سو روپیہ قیمت کا وہ بچہ بھی ہے تو اس صورت میں وہ دونوں اصل مالک کے حوالہ کر دیئے جائیں گے اور غاصب کے ذمہ کچھ نہ ہوگا اور اگر وہ بچہ اتنی قیمت کا نہیں کہ جس سے اسکی باقی قیمت پوری ہو جائے تو اس کمی کا ضامن غاصب ہوگا۔

قولہ — ولا یضمن الغاصب: یعنی غاصب مغصوب کے منافع کا ضامن نہیں ہوگا خواہ اس سے بالفعل حاصل کیا ہو یا مغصوبہ شئی کو بیکار رکھ چھوڑا ہو۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک اجر مثل واجب ہوتا ہے اور امام مالک کے نزدیک تحصیل منافع کی صورت میں اجر مثل واجب ہوتا ہے اور تعطیل کی صورت میں کچھ نہیں۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ سیدنا عمر اور سیدنا مولیٰ علی نے ولد مغرور کی قیمت اور بچہ کی حریت اور مع عقر باندی کی واپسی کا حکم صادر فرمایا اور باندی کے منافع کی اُجرت کا حکم نہیں فرمایا۔

قولہ — وان استھلکھا: یعنی اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کی شراب یا سور کو تلف کر دے تو ان دونوں کی قیمت کا وہ ضامن ہوگا کیونکہ وہ دونوں چیزیں ذمی کے حق میں مال ہیں اور اگر وہ دونوں چیزیں مسلمان کی ہیں تو تاوان نہیں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی دونوں صورتوں میں عدم تاوان کے قائل ہیں۔

کتاب الودیعۃ

ترجمہ: — امانت کا بیان

الودیعۃ امانۃ فی ید المودع اذا ھلکت فی یدہ لم یضمنھا وللمودع ان یحفظھا بنفسہ ومن فی عیالہ فان حفظھا بغیرھم او اودعھا ضمن الا ان یقع فی دارہ حریق فیسلمھا الی جارہ او یکون فی سفینۃ وھو یخاف الغرق فیلقیھا الی سفینۃ اخری وان خلطھا المودع بمالہ حتی لا تتمیز ضمنھا فان طلبھا صاحبھا فحبسھا عنہ وھو یقدر علی تسلیمھا ضمنھا۔

ترجمہ — ودیعت امانت ہے مودع کے پاس جب ہلاک ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا اور مودع ودیعت کی حفاظت کر سکتا ہے بذات خود اور اپنے بال بچوں کے ذریعہ پس اگر کسی دوسرے سے حفاظت کرائی یا ودیعۃ رکھ دی تو ضامن ہوگا مگر یہ کہ اس کے گھر میں آگ لگ جائے پس وہ اپنے پڑوسی کو دیدے یا کشتی میں ہو اور ڈوبنے کا اندیشہ ہو پس اسکو دوسری کشتی میں ڈال دے

اور اگر مودع نے ودیعت کو اپنے مال میں اس طرح ملالیا کہ علیحدہ نہ ہوسکتی ہو تو ضامن ہوگا پس اگر اس کے مالک نے ودیعت کو طلب کی اور مودع نے روک لی حالانکہ وہ دے سکتا تھا تو ضامن ہوگا۔

تشریح: —— قولہ[1] کتاب الودیعۃ :۔ ودیعۃ لغت میں مطلق ترک کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں وہ چیز ہے جو نگہبانی میں چھوڑ دیجائے اور ایداع کہتے ہیں اپنے مال کی نگہبانی پر دوسرے کو قابو دیدینا اور جو شخص نگہبانی میں چھوڑے اسکو مودِع اور جس کے پاس چھوڑا جائے اس کو مودَع و امین کہا جاتا ہے۔ ودیعت و امانت دونوں اگرچہ ایک ہیں لیکن ان میں یہ فرق بیان کیا جاتا ہے کہ ودیعت فقط حفاظت کیلئے دیجاتی ہے اور امانت وہ چیز ہے جو بلا قصد کسی کے پاس آجائے مثلاً ہوا سے کوئی کپڑا اڑ کر کسی کی گود میں آجائے اور ودیعت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ چیز اتفاق سے مالک کے پاس پہونچ جائے تو مودع یعنی جس کے پاس ودیعت رکھی ہے اسکے ضمان سے بری ہوجائیگا اور امانت کو جبتک کہ امانتدار خود مالک کے حوالہ نہ کرے وہ بری نہ ہوگا۔

قولہ[2] —— الودیعۃ امانۃ :۔ ودیعت مودع کے پاس امانت ہوتی ہے اگر اس کے پاس تلف ہوجائے تو وہ اس کا ضامن نہ ہوگا یعنی اس سے تاوان نہ لیا جائے گا اور مودع کو اختیار ہے کہ اس کی حفاظت وہ خود کرے یا اپنے گھر کے آدمیوں سے کرادے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اہل و عیال کے پاس چھوڑ دینے کو جائز قرار نہیں دیتے اسلئے کہ مالک نے صرف مودع کی حفاظت میں دی ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ مودع ودیعت کیلئے نہ ہر وقت گھر میں بیٹھا رہ سکتا اور نہ ہر جگہ ساتھ لے جاسکتا۔

قولہ[3] —— فان حفظھا بغیرھم :۔ یعنی مودع نے اگر اپنے گھر کے آدمیوں کے علاوہ کسی دوسروں سے حفاظت کرائی یا کسی کے پاس ودیعت کے طور پر رکھدی اور وہ تلف ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا البتہ اگر اس کے گھر میں آگ لگ جائے اور وہ اپنے ہمسایہ کے پاس رکھدی یا مودع یعنی امین کشتی میں تھا اور کشتی ڈوبنے لگی تو اس ودیعت کو اس دوسری کشتی میں پھینک دی اور وہ تلف ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر مودع نے ودیعت کو اپنے مال میں اس طرح ملایا کہ علیحدہ نہیں ہوسکتی تو اس کا وہ ضامن یعنی تاوان دے گا اور اگر ودیعت والا نے اپنی ودیعت مانگی اور مودع نے نہیں دی جبکہ وہ دے سکتا تھا پھر وہ تلف ہوگئی تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔

وان[1] اختلطت بمالہ من غیر فعلہ فھو شریک لصاحبھا وان انفق المودع بعضھا وھلک الباقی ضمن ذلک القدر فان انفق المودع بعضھا ثم رد مثلہ فخلطہ بالباقی ضمن الجمیع واذا تعدّی[2] المودع فی الودیعۃ بان کانت دابۃ فرکبھا او ثوبا فلبسہ او عبداً فاستخدمہ او اودعھا عند غیرہ ثم ازال التعدی وردھا الی یدہ زال الضمان فان طلبھا صاحبھا فجحدہ ایاھا ضمنھا فان عاد الی الاعتراف لم یبرأ من الضمان۔

ترجمہ —— اور اگر ودیعت اس کے مال میں مل گئی اسکے کچھ کئے بغیر تو وہ مودع مالک کے ساتھ

شریک ہوگا اور اگر مودع نے کچھ ودیعت خرچ کرلی اور باقی تلف ہوگئی تو اتنی ہی مقدار کا ضامن ہوگا اور اگر مودع نے کچھ ودیعت خرچ کرلی پھر اتنی ہی لیکر باقی میں ملادی یا غلام تھا اس سے خدمت لے لی یا کسی غیر کے پاس ودیعۃً رکھ دی پھر تعدی موقوف کردی اور لیکر اپنے پاس رکھ لی تو ضمان ساقط ہوجائے گا پس اگر مالک کی طلب پر ودیعت کا انکار کیا تو ضامن ہوگا پھر اگر اقرار بھی کرلیا تو تاوان سے بری نہ ہوگا۔

تشریح ــــــــ قولہ[۱] وان اختلف :۔ یعنی ودیعت اگر مودع کے مال میں بغیر اسکے کچھ کئے مل گئی تو یہ مودع اور مالک ودیعت دونوں شریک ہوجائیں گے اور اگر مودع نے تھوڑی ودیعت خرچ کرلی اور باقی تلف ہوگئی تو جس قدر اس نے خرچ کیا ہے اس کا تاوان دے گا اور اگر مودع نے کچھ ودیعت اپنے خرچ میں لگادی اور پھر اتنی ہی لیکر باقی میں ملادی پھر وہ تلف ہوگئی تو یہ ساری کا ضامن ہوگا یعنی جو خرچ کی تھی اس کا ضامن خرچ ہی کرنیکی وجہ سے ہوگا اور باقی کا ملا دینے کی وجہ سے۔

قولہ[۲] اذا تعدی المودع :۔ یعنی مودع نے ودیعت میں اگر کچھ تعدی کی مثلاً ودیعت میں کوئی جانور مثلاً گھوڑا وغیرہ تھا اور اس نے اس پر سواری لی یا کپڑا تھا وہ اس نے پہن لیا یا ودیعت میں غلام تھا اور اس سے اس نے خدمت لی یا کسی دوسرے کے پاس ودیعت کے طور پر رکھ دی پھر وہ تعدی موقوف کردی اور دوسرے کے پاس سے لیکر پھر اپنے پاس رکھ لی پھر وہ تلف ہوگئی تو یہ اس کا دینداد نہ ہوگا۔ اور اگر صاحب ودیعت نے اس سے مانگی اور اس نے دینے سے انکار کردیا یعنی یہ کہا کہ آپ نے میرے پاس ودیعت نہیں رکھی اور وہ تلف ہوگئی تو یہ دیندار ہوگا اور اگر اقرار کرلیا تو تاوان سے بری نہ ہوگا بلکہ اس کو لازم ہوگا مگر چند شرائط کے ساتھ (۱) انکار مالک کے سامنے ہو پس اگر کسی دوسرے کے سامنے انکار کیا تو تاوان لازم نہ ہوگا اسلئے کہ یہ انکار حفظ ودیعت میں داخل ہے (۲) مودع نے انکار کے زمانہ میں ودیعت کو اسکی جگہ سے منتقل کرلیا ہو۔ پس اگر منتقل نہیں کیا اور وہ تلف ہوگئی تو تاوان نہ ہوگا۔

وللمودِعِ[۱] ان یسافر بالودیعۃِ وان کان لہا حملٌ و مؤنۃٌ واذا[۲] اودع رجلانِ عند رجلٍ ودیعۃً ثم حضر احدھما طلب نصیبہٗ منہا لم یدفع الیہ شیئاً عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حتی یحضرَ الآخر وقال ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ یدفع الیہ نصیبہٗ وان[۳] اودع رجلٌ عند رجلینِ شیئاً مما یقسم لم یجز ان یدفعہٗ احدھما الی الآخرِ ولکنہما یقتسمانہٗ فیحفظ کلُ واحدٍ منہما نصفہٗ وان کان مما لا یقسم جاز ان یحفظ احدھما باذنِ الآخرِ واذا[۴] قال صاحبُ الودیعۃِ للمودِعِ لا تسلمہا الی زوجتک فسلمہا الیہا لم یضمن وان قال لہٗ احفظہا فی ھذا البیتِ فحفظہا فی بیتٍ آخرَ من الدار لم یضمن وان حفظہا فی دارٍ اُخری ضمنَ

ترجمہ ــــــــ اور مودع کیلئے جائز ہے کہ ودیعت کو سفر میں لے جائے اگرچہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو اور جب دو آدمیوں نے ایک شخص کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی پھر ان میں سے ایک آکر اپنا حصہ مانگنے لگا تو امام ابو حنیفہ کے

نزدیک مودع اس کو نہ دے یہاں تک کہ دوسرا آجائے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ اسکو اس کا حصہ دیدے اور اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کے پاس ایسی چیز کو ودیعت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہے تو جائز نہیں کہ وہ ساری چیز ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو دیدے بلکہ اسے تقسیم کرلیں پھر ہر ایک اپنے نصف حصہ کی حفاظت کریں اور اگر وہ ایسی ہی ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی تو ان میں سے ایک دوسرے کی اجازت سے حفاظت کر سکتا ہے اور جب صاحب ودیعت نے مودع سے کہا کہ وہ اپنی بیوی کو نہ دے۔ اس نے دیدی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس نے مودع سے کہا کہ اسی کمرہ میں اسکی حفاظت کرے اور اس نے گھر کے کسی دوسرے کمرہ میں حفاظت کی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر کسی دوسرے گھر میں حفاظت کرے اور اس نے گھر کے کسی دوسرے کمرہ میں تو ضامن ہوگا۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] ـ وللمودع ان یسافر: یعنی مودع کیلئے جائز ہے کہ ودیعت کی چیز کو سفر میں لیجائے اگرچہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو بشرطیکہ مالک ودیعت نے اسکو سفر میں لے جانے سے منع نہ کیا ہو۔ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ ودیعت ایسی وزنی نہ ہو کہ جسمیں بار برداری کی ضرورت ہو۔ اور راستہ بھی بے خطر ہو تو ایسی صورت میں لیجانا بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ودیعت وزنی نہ ہو اور راستہ بھی پُر خطر ہو تو ایسی صورت میں لے جانا بالاتفاق نا جائز ہے اور تیسری یہ کہ ودیعت وزنی ہو اور راستہ بے خطر ہو تو اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک لے جانا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔

قولہ[۲] ـ اذا اودع: ـ یعنی دو آدمیوں نے اگر ایک آدمی کے پاس کچھ ودیعت رکھی پھر ان میں سے ایک اپنا حصہ مانگنے لگا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دوسرا حصہ والا نہ آجائے مودع اسکی حوالہ نہ کرے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ اس کا حصہ اُسے دے دے اور اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس ایسی کوئی چیز ودیعت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہے تو وہ جائز نہیں کہ اُن میں سے ایک کل دوسرے کے پاس رکھدے بلکہ وہ دونوں اُسے تقسیم کرلیں پھر ہر ایک اپنے اپنے نصف کی حفاظت کرے اور اگر وہ ایسی چیز ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی تو ایسی صورت میں جائز ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کی اجازت سے اس کل کی حفاظت کرے۔

قولہ[۳] ـ اذا قال صاحب الودیعۃ: ـ یعنی صاحب ودیعت نے اگر مودع سے یہ کہا کہ یہ ودیعت آپ اپنی بیوی کے پاس نہ رکھیں اور اس نے اسکے پاس رکھدی اور وہ تلف ہو گئی تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر اس نے یہ کہا کہ اس ودیعت کو آپ اس کمرہ میں رکھیں اور مودع نے اس مکان کے دوسرے کمرہ میں رکھ دی تو ضامن ہوگا اور اگر دوسرے مکان میں رکھدی تو ضامن ہوگا اسلئے کہ الگ الگ مکان میں الگ الگ حفاظت ہوتی ہے۔ کوئی زیادہ محفوظ ہوتا ہے اور کوئی کم۔!

کِتَابُ العَارِیَۃِ

ترجمہ: ـ **مانگی ہوئی چیزوں کا بیان**

اَلعَارِیَۃُ[۱] جَائِزَۃٌ وَھِیَ تَمْلِیْکُ المَنَافِعِ بِغَیْرِ عِوَضٍ وَتَصِحُّ بِقَوْلِہٖ اَعَرْتُکَ وَاَطْعَمْتُکَ ھٰذِہِ الاَرْضَ وَ

منحتك هذا الثوبَ وحملتك على هذه الدابة اذا لم يرد به الهبةَ واخدمتك هذا العبدَ وداري لك سكنىٰ وداري لك عمري سكنىٰ

ترجمہ ———— عاریت جائز ہے اور وہ منافع کا بغیر کسی عوض کے مالک بنانا ہے اور درست ہے یہ کہنے سے کہ میں نے تجھے مانگی دی۔ کھانے کیلئے یہ زمین دی اور میں نے تجھ کو کپڑا بخشا یا اور میں نے تجھ کو اس جانور پہ سوار کر دیا جبکہ ان دونوں سے ہبہ کا ارادہ نہ کرے اور میں نے تجھ کو یہ غلام خدمت کیلئے دیا اور میرا گھر تیرے رہنے کیلئے ہے اور میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کیلئے ہے۔

تشریح: ———— قولہ[1] کتاب العاریۃ :۔ عاریۃ میں یا کی تشدید وتخفیف دونوں جائز ہیں وہ ماخوذ ہے عریۃ یعنی عطیہ سے اور بعض نے اس کو عار کی طرف منسوب مانا ہے چونکہ دوسرے سے عاریۃً چیز مانگنا باعث عیب ہے اور بعض نے اسکو عاریۃ کی طرف منسوب مانا ہے جو اعارۃ کا اسم ہے لیکن صحیح پہلا ہے اسلئے کہ عاریت یعنی طلب کرنا سرکار مدینہ سے ثابت ہے اگر وہ باعث عار ہوتی تو آپ ہرگز طلب نہ فرماتے۔

قولہ[2] ۔ العاریۃ جائزۃ :۔ عاریت جائز ہے اور وہ اصطلاح شرع میں بلا عوض تملیک منافع کو کہا جاتا ہے پس جو شخص مالک بنائے اس کو مُعیر اور جس کو مالک بنایا جائے اسکو مُستعیر اور جس چیز کی منفعت کا مالک بنایا جائے اس کو عاریت ومستعار کہا جاتا ہے۔ عاریت ان الفاظ کے کہنے سے مستحق ہو جاتی ہے کہ میں نے تجھے مانگے دیدی یا یہ زمین میں نے تجھے کھانے کیلئے دیدی یا یہ کپڑا میں نے تجھے بخشدیا یا یہ جانور میں نے تجھے سواری کیلئے دیدیا جبکہ اخیر دونوں سے ہبہ کی نیت نہ ہو کیونکہ ان دونوں لفظ سے اس چیز کا مالک بنا دینے کیلئے آتا ہے اور جب اُن سے ہبہ مراد نہ ہو تو مجازاً عاریت پہ حمل کر لیا جائے گا اور ان الفاظ سے بھی عاریت مستحق ہوتی ہے کہ یہ غلام میں نے تجھے خدمت لینے کیلئے دیدیا یا میرا گھر تیرے رہنے کیلئے ہے یا میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کیلئے ہے۔

وللمعیر[1] ان یرجعَ فی العاریۃِ متی شاء والعاریۃ[2] امانۃٌ فی یدِ المستعیرِ ان هلك من غیر تعدٍ لم یضمن المستعیر ولیس[3] للمستعیرِ ان یوجر ما استعارہٗ فان اجرہٗ فهلك ضمنَ ولہٗ ان یعیرہٗ اذا کان المستعار مما لا یختلف باختلافِ المستعملِ۔

ترجمہ: ———— اور معیر جب چاہے عاریت واپس لے سکتا ہے اور عاریت مستعیر کے پاس امانت ہوتی ہے اور اگر تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو مستعیر ضامن نہ ہوگا اور مستعیر کیلئے عاریت پہ لی ہوئی چیز کو کرایہ پہ دینا جائز نہیں۔ پس اگر کرایہ پہ دی پھر وہ تلف ہو گئی تو ضامن ہوگا اور اس کیلئے جائز ہے کہ مانگی دے سکتا ہے جبکہ مستعار چیز مستعمل کے بدلنے سے متغیر نہ ہوتی ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ وللمعیران یرجع: یعنی عاریت پر دینے والے کو اختیار ہے کہ جب چاہے اُسے واپس لیلے خواہ عاریت مطلقہ ہو یا موقتہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المنحۃ مردودۃ والعاریۃ مؤداۃ یعنی وہ بکری یا اونٹنی کا گائے جو دودھ پینے کیلئے عاریت پر دی گئی ہو، کو لوٹائی جائیگی اور عاریت واپس کی جائیگی۔

قولہ والعاریۃ امانۃ: یعنی عاریت مستعیر کے پاس یعنی جسے عاریت پر دی گئی ہو، امانت کے طور پر ہوتی ہے۔ اگر اس کی تعدی کے بغیر تلف ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہ ہوگا یہ احناف کے نزدیک ہے۔ یہی قول امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ کا بھی ہے اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اگر وہ استعمال معتاد سے تلف ہو جائے تو تاوان واجب نہ ہوگا ورنہ تاوان واجب ہوگا۔ دلیل احناف کی سیدنا عمر کا یہ قول ہے (العاریۃ بمنزلۃ الودیعۃ لا ضمان فیہا الا ان یتعدی اور سیدنا مولیٰ علی سے منقول ہے۔ لیس علی صاحب العاریۃ ضمان۔

قولہ ولیس للمستعیر: یعنی مستعیر کیلئے یہ جائز نہیں کہ عاریت پر لی ہوئی چیز کو کرایہ پر دیدے اور اگر اس نے کرایہ پر دیدی اور وہ تلف ہو گئی تو اس کو تاوان دینا پڑے گا اور جو چیز استعمال کرنیوالے کے استعمال سے مختلف نہ ہوتی ہو اس کو عاریت پر دیجا سکتی ہے کیونکہ اعارہ میں منافع کی تملیک ہوتی ہے اور جب معیر نے مستعیر کو عاریت کے منافع کا مالک بنا دیا تو دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے۔ امام شافعی عدم جواز کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اعارہ میں منافع کی اباحت ہوتی ہے اور جس کیلئے ایسی چیز کو مباح کیا جائے وہ دوسرے کو مباح کرنے کا مجاز نہیں ہو سکتا۔

وعاریۃُ الدراھمِ والدنانیرِ والمکیلِ والموزونِ قرضٌ واذا استعار ارضًا لیبنی فیہا او یغرس جاز وللمعیر یرجع عنہا ویکلفہٗ قلعَ البناءِ والغرسِ فان لم یکن وقتُ العاریۃِ فلا ضمانَ علیہ وان کان وقتَ العاریۃِ ورجع قبل الوقتِ ضمن المعیرُ للمستعیرِ ما نقص البناءَ والغرسَ بالقلعِ

ترجمہ ـــــ اور دراہم و دنانیر و کیلی و وزنی چیزوں کو عاریت پر دینا قرض ہے اور جب زمین کو مکان بنانے یا درخت لگانے کیلئے مانگی تو وہ جائز ہے اور معیر اُسے واپس لے سکتا ہے اور اس کو مکان توڑنے اور درخت اکھاڑنے پر مجبور کر سکتا ہے پس اگر اس نے عاریت کا کوئی وقت معین نہیں کیا تھا تو اس پر ضمان نہ ہوگا اور اگر وقت معین کر کے وقت سے پہلے لینے لگا تو معیر مستعیر کیلئے مکان ٹوٹنے اور درخت اکھڑنے کے نقصان کا ضامن ہوگا۔

تشریح: ـــــ قولہ عاریۃ الدراھم: دراہم و دنانیر اور کیلی و وزنی چیزوں کو عاریت پر دینا قرض ہے عاریت نہیں کیونکہ عاریت پر دینا منافع کا مالک بنا دینا ہے اور وہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو بغیر خرچ کئے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اسلئے ان میں عاریت بمعنی قرض ہوگی مگر یہ اس وقت ہے جبکہ اعارہ مطلق ہو اور اگر اس کی جہت معین کر دی ہو مثلاً یہ کہ میں درہم اسلئے لے رہا ہوں کہ دوکان کی رونق بڑھے اور لوگ مجھے غنی سمجھ کر معاملات کرنے لگیں تو اس تقدیر پر عاریت

یعنی قرض نہ ہوگی ۔

قولہ[۳] **واذا استعار** :۔ یعنی اگر کوئی زمین کو اسلئے عاریت پہلے تاکہ اس میں مکان بنائے یا باغ لگائے تو جائز ہے اور جس نے عاریت پر دی ہے اُسے پھر واپس لے لینی جائز ہے اور یہ اُسسے کہے کہ وہ دیواروں اور درختوں کو اکھیڑے پس اگر اس نے عاریت کا کوئی وقت معین نہیں کیا تھا یعنی یہ نہیں کہا تھا کہ اتنے دنوں میں اُسسے واپس لے لوں گا تو اُس کے ذمہ کچھ تاوان نہیں اور اگر وقت معین کر دیا تھا اور اس وقت سے پہلے لینے لگا تو دیواروں اور درختوں کے اکھیڑنے سے جو نقصان ہوگا اس کا معیر مستعیر کیلئے ضامن ہوگا یعنی جس نے عاریت پر دی تھی وہ جو نقصان اُس کو دے گا جس نے عاریت پر لی تھی ۔

وَاُجْرَۃُ رَدِّ الْعَارِیَۃِ عَلَی الْمُسْتَعِیْرِ وَاُجْرَۃُ رَدِّ الْعَیْنِ الْمُسْتَاجَرَۃِ عَلَی الْمُوْجِرِ وَاُجْرَۃُ رَدِّ الْعَیْنِ الْمَغْصُوْبَۃِ عَلَی الْغَاصِبِ وَاُجْرَۃُ رَدِّ الْعَیْنِ الْمُوْدَعَۃِ عَلَی الْمُوْدِعِ وَاِذَا اسْتَعَارَ دَابَّۃً فَرَدَّھَا اِلٰی اِصْطَبْلِ مَالِکِھَا فَھَلَکَتْ لَمْ یَضْمَنْ وَاِنِ[۲] اسْتَعَارَ عَیْنًا وَرَدَّھَا اِلٰی دَارِ الْمَالِکِ وَلَمْ یُسَلِّمْھَا اِلَیْہِ لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ رَدَّ الْوَدِیْعَۃَ اِلٰی دَارِ الْمَالِکِ وَلَمْ یُسَلِّمْھَا اِلَیْہِ ضَمِنَ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

ترجمہ ـــــــــ اور عاریت کے واپس پہونچانے کی مزدوری مستعیر کے ذمہ ہے اور کرایہ پر لی ہوئی چیز کی واپسی کی مزدوری موجر پر ہے اور غصب کی ہوئی چیز کی واپسی کی اجرت غاصب پر ہے اور ودیعت رکھی ہوئی چیز کی واپسی کی اجرت مودع پر ہے اور جب سواری مانگ لی اور اس کو مالک کے اصطبل تک پہونچا دیا اور وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز مانگ لی اور مالک کے گھر پہونچا دی اور مالک کو نہیں دیا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر ودیعت کو مالک کے گھر پہونچا دیا مالک کو نہیں دیا تو ضامن ہوگا ۔ واللہ اعلم ۔

تشریح : ـــــــــ **قولہ**[۱] **واجرۃ رد العین** :۔ عاریت کے واپس پہونچانے کی مزدوری مستعیر کے ذمہ ہے یعنی وہ عاریت اگر ایسی ہے کہ قلی کے ذریعہ مالک کے مکان پر پہونچی ہے تو اس قلی کی مزدوری عاریت لینے والے کے ذمہ ہے اور جو چیز کرایہ پر دی گئی ہو اسکے واپس پہونچانے کی مزدوری کرایہ پر دینے والے کے ذمہ ہے اور مغصوبہ چیز کی واپس پہونچانے کی مزدوری غاصب کے ذمہ ہے اور ودیعت واپس پہونچانیکی مزدوری ودیعت رکھنے والے کے ذمہ ہے یعنی مالک کے ذمہ جس نے دوسرے کے پاس ودیعت رکھی تھی اور اگر کسی نے ایک گھوڑا عاریت پر لیا پھر اس گھوڑا کو اسکے مالک کے اصطبل میں پہونچا دیا اور وہ وہاں جاکر مرگیا تو ضامن نہ ہوگا ۔

قولہ[۲] **وان استعار** :۔ اور اگر کسی نے کوئی چیز یعنی برتن وغیرہ عاریت پر لی پھر وہ مالک کے گھر پہونچا دی اور اس کے سپرد نہیں کیا اور وہ تلف ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر ودیعت کو اسکے مالک کے پاس پہونچا دیا اور اس کے سپرد نہیں کیا اور وہ تلف ہوگئی تو ودیعت رکھنے والا ضامن ہوگا ۔

کتاب اللقیط

ترجمہ:۔ بے وارث بچہ کا بیان

اَللّقیطُ حُرٌّ[۲] ونفقتہٗ مِنْ بَیْتِ المالِ وان التقطہٗ رجلٌ لم یکن لغیرہٖ ان یاخذہٗ من یدہٖ فان ادعی مدعٍ انہ ابنہٗ فالقول قولہٗ مع یمینہٖ وان ادعاہ اثنانِ ووصف احدھما علامۃً فی جسدہٖ فھو اولیٰ بہٖ واذا[۳] وجد فی مصرٍ من امصار المسلمین اوفی قریۃٍ من قراھم فادعیٰ ذمی انہ ابنہٗ ثبت نسبہٗ منہ وکان مسلماً وان وجد فی قریۃٍ من قریٰ اھل الذمۃِ اوفی بیعۃٍ او کنیسۃٍ کان ذمیاً

ترجمہ: ـــــــ لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہے جس نے لقیط کو اُٹھالیا تو دوسرے کو اس سے لینے کا اختیار نہ ہوگا پس اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر دو آدمیوں نے دعویٰ کیا اور کسی ایک نے کوئی علامت اسکے بدن میں بیان کی تو وہ زیادہ حقدار ہوگا اور جب لقیط مسلمانوں کے شہر میں پایا گیا یا ان کے کسی گاؤں میں پھر کسی ذمی نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس سے نسب ثابت ہو جائیگا اور بچہ مسلمان ہوگا اور اگر ذمیوں کے کسی گاؤں یا مندر یا گرجا میں پایا گیا تو بچہ ذمی ہوگا۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] کتاب اللقیط:۔ لقیط بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے لغت میں وہ گری ہوئی چیز کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس زندہ بچہ کو کہا جاتا ہے جس کو فقر وفاقہ کے ڈر سے پھینک دیا ہو کہ اس کے ہونے سے خرچ بڑھ جائے گا یا زنا کی تہمت سے بچنے کیلئے پھینک دیا ہو پس اگر کوئی بچہ شہر میں پڑا ہوا مل جائے تو اس کو اُٹھالینا مستحب ہے اور اگر جنگل میں مل جائے تو اسی کو اٹھالینا واجب ہے کیونکہ اس میں اس کی زندگی ہے ورنہ وہ وہاں پڑا ہوا مر جائے گا۔

قولہ[۲] ۔ اللقیط حرٌّ:۔ یعنی لقیط آزاد ہوتا ہے اگرچہ وہ غلام ہو کیونکہ غلام ہونا عارضی چیز ہے اور اسکے کھانے وغیرہ کا خرچ بیت المال سے اٹھایا جائے گا سیدنا عمر اور مولیٰ علی سے یہی منقول ہے چونکہ اس کی میراث بیت المال میں جاتی ہے اور اسکے قصوروں کا تاوان بیت المال سے دیا جاتا ہے۔

قولہ[۳] ۔ وان التقطہ:۔ یعنی لقیط کو اگر کسی نے اُٹھالیا ہے تو کسی دوسرے کو اس سے لینے کا اختیار نہیں پھر اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ لڑکا میرا ہے تو اس کا قول مع اسکی قسم کے معتبر ہوگا اور اگر دو آدمیوں نے دعویٰ کیا اور ان میں سے ایک نے بدن میں کوئی علامت بیان کر دی تو اسکے لینے کا زیادہ حقدار یہی ہوگا اور اگر کوئی مرجح موجود نہ ہو تو اس کا نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا جس طرح اگر کوئی باندی دو شریکوں میں مشترک ہو اور دونوں ہی بچہ کا دعویٰ کریں تو نسب دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے۔

قولہ[۴] ۔ واذا وجد فی مصر:۔ یعنی لقیط اگر مسلمان کے شہر میں ملا ہو یا ان کے کسی گاؤں میں ملا ہو پھر ایک ذمی نے دعویٰ

کردیا کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس بچہ کا اس سے نسب ثابت ہو جائے گا یعنی یہاں اس کا بیٹا قرار دے کر اس کا وارث سمجھا جائے گا اور وہ بچہ مسلمان ہوگا اور اگر ذمیوں کے گاؤں سے ملا ہو یا کسی مندر یا گرجا سے ملا ہو تو وہ ذمی ہوگا یعنی اس کو ذمی قرار دیا جائے گا۔

ومن[1] ادعی ان اللقیط عبدہ او امتہ لم یقبل منہ وکان حرا وان ادعی عبد انہ ابنہ ثبت نسبہ منہ وکان حرا وان[2] وجد مع اللقیط مال مشدود علیہ فہو لہ ولا یجوز تزویج الملتقط ولا تصرفہ فی مال اللقیط ویجوز ان یقبض لہ الھبۃ ویسلمہ فی صناعۃ ویواجرہ۔

ترجمہ:۔ ——— اور جس نے دعوی کیا کہ لقیط میرا غلام یا میری باندی ہے تو یہ بات مقبول نہ ہوگی اور بچہ آزاد ہوگا اور اگر غلام نے دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور بچہ آزاد ہوگا اور اگر لقیط کے ساتھ اس پر بندھا ہوا مال پایا گیا تو وہ اسی کا ہوگا اور ملتقط کو اس سے شادی کرنا جائز نہیں اور نہ لقیط کے مال میں تصرف کرنا اور جائز ہے اس کیلئے ہبہ پر قبضہ کرنا اور کسی پیشہ کیلئے سپرد کرنا اور اسکو مزدوری پر لگانا۔

تشریح:۔ ——— قولہ[1] ومن ادعی:۔ یعنی اگر کسی نے یہ دعوی کیا کہ یہ لقیط میرا غلام یا میری باندی ہے تو اس کا یہ کہنا نہ سنا جائے گا اور وہ بچہ آزاد رہے گا اگر کسی غلام نے یہ دعوی کیا کہ یہ لقیط میرا لڑکا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ بچہ آزاد ہی رہے گا۔

قولہ[2] ۔ وان وجد:۔ یعنی لقیط کے ساتھ اگر کچھ مال بندھا ہوا ہے تو وہ لقیط ہی کا ہوگا اور لقیط کے اُٹھانے والے کو اگر وہ لقیط لڑکی ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور نہ اُس کے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اور اسکی طرف سے ہبہ پر قبضہ کرنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کوئی پیشہ سیکھنے کیلئے اُسے کسی پیشہ ور کے سپرد کر دے اور اس سے مزدوری کرائے۔

کتاب[1] اللقطۃ

ترجمہ:۔ گری ہوئی چیز کا بیان

اللقطۃ[1] امانۃ[2] فی ید الملتقط اذا اشھد الملتقط انہ یاخذھا لیحفظھا ویردھا علی صاحبھا فان کانت اقل من عشرۃ دراھم عرفھا ایاما وان کانت[3] عشرۃ فصاعدا عرفھا حولا کاملا فان[4] جاء صاحبھا والا تصدق بھا فان جاء صاحبھا وھو قد تصدق بھا فھو بالخیار ان شاء امضی الصدقۃ وان شاء ضمن الملتقط۔

ترجمہ:۔ ——— لقطہ ملتقط کے پاس امانت ہے جب وہ اس پر گواہ کرے کہ میں اس کو حفاظت کیلئے اور اس کے مالک کے

پاس پہونچانے کیلئے اٹھایا ہوں پس اگر وہ چیز دس درہم سے کم کی ہے تو چند دن اسکی تشہیر کرے اور اگر دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو تو پورے سال اسکی تشہیر کرے پس اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو خیرات کر دے پھر اگر اس کا مالک آیا دراں حالیکہ وہ خیرات کر چکا تھا تو مالک کو اختیار ہے خیرات کو بدستور رکھے یا ملتقط سے ضمان لے لے۔

تشریح:۔ قولہ کتاب اللقطۃ:۔ لقطہ ماخوذ ہے التقاط سے۔ لقطہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو اٹھائی جائے اور اٹھانے والا کو لقطہ بروزن ضحکہ کہا جاتا ہے اور گری ہوئی چیز کو اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو فروری ہے بشرطیکہ مالک کے پاس پہونچانے کا ارادہ ہو اور اس پر لوگوں کو گواہ بنا دے یعنی یہ کہدے کہ جس کو آپ گم شدہ کو تلاش کرتے ہوئے پائیں اسکو میرے پاس بھیجدیں۔

قولہ۔ اللقطۃ امانۃ:۔ یعنی لقطہ ملتقط یعنی پانے والا کے پاس امانت کے طور پر ہے جبکہ وہ اس پر گواہ کر لے کہ میں اس چیز کو حفاظت سے رکھنے یا اس کے مالک کے پاس پہونچانے کیلئے اٹھاتا ہوں پس اگر وہ دس درہم سے کم قیمت کی ہے تو چند روز تشہیر کرے یعنی یہ کہتا پھرے کہ یہ کس کی ہے؟ تاکہ اس کا مالک معلوم ہو جائے اور اگر دس درہم یا اس سے بھی زیادہ کی ہے تو اسکی تشہیر پورے سال بھر تک کرے اور اگر اس کا مالک آجائے تو اُسے دیدے ورنہ خیرات کر دے۔

قولہ فان جاء صاحبھا:۔ یعنی خیرات کر دینے کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو اس مالک کو اختیار ہے اگر چاہے اس خیرات کو بدستور رکھے اور خود بھی ثواب پائے اور اگر چاہے اس اٹھانے والا سے تاوان لیلے کیونکہ اس نے مال غیر میں بلا اجازت تصرف کیا ہے اور اگر اس نے اس سے تاوان لے لیا تو اٹھانے والا اس سے واپس نہیں لے سکتا جس کو خیرات کیا تھا البتہ اس کا ثواب اس اٹھانے والا کو ملے گا۔

ویجوز الالتقاط فی الشاۃ والبقرۃ والبعیر فان انفق علیھا بغیر اذن الحاکم فھو متبرع وان انفق باذنہ کان ذلک دینا علی صاحبھا واذا رفع ذلک الی الحاکم نظر فیہ فان کان للبھیمۃ منفعۃ اٰجرھا وانفق علیھا من اجرتھا وان لم یکن لھا منفعۃ وخاف ان تستغرق النفقۃ قیمتھا باعھا الحاکم وامر بحفظ ثمنھا وان کان الاصلح الانفاق علیھا اذن فی ذلک وجعل النفقۃ دینا علی مالکھا فاذا حضر مالکھا فللملتقط ان یمنعہ منھا حتی یاخذ النفقۃ

ترجمہ ــــــ اور بکری اور گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا جائز ہے پس اگر ملتقط نے حاکم کی اجازت کے بغیر اس پر خرچ کیا تو وہ تبرع ہوگا اور اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تو وہ مالک کے ذمہ دین ہوگا اور جب وہ مقدمہ حاکم کے پاس آئے تو وہ اس میں غور کرے پس اگر چوپایہ کسی فائدہ کا ہے تو اس کو کرایہ پر دیدے اور کرایہ میں سے اس پر خرچ کرے اور اگر وہ کسی فائدہ کا نہیں اور یہ ڈر ہے کہ خرچ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا تو حاکم اس کو بیچ کر قیمت کو حفاظت سے رکھوالے اور اگر اس پر خرچ کرنا ہی مناسب ہے تو اسکی اجازت دیدے اور خرچ کو اسکے مالک کے ذمہ دین کر دے اور جب اس کا مالک آجائے تو ملتقط کو اسے

روک سکتا ہے یہاں تک کہ خرچ وصول کرے۔

تشریح:۔۔۔۔ قولہ یجوز التقاط:۔ یعنی بکری اور گائے اور اونٹ میں سے اگر کسی کو مل جائے تو پکڑ لینا جائز ہے لیکن اس وقت جبکہ ان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً جنگل میں شیر آتا ہو یا شہر میں ہو اور وہاں چور آتے ہوں اور اگر اس طرح کا خطرہ نہ ہو تو سوائے بکری کے کسی دوسری چیزوں کا پکڑنا ناجائز نہیں چونکہ بکری سے متعلق سرکار مدینہ کا قول ہے خذها فانما هي لك او لاخيك او للذئب اور دوسرے جانور مثلاً اونٹ سے متعلق سرکار کا یہ قول ہے مالك ولها معها حذاؤها وسقاؤها ترد الماء وترعى الشجر حتى ياتيها صاحبها فيأخذها۔

قولہ۔ فان انفق الملتقط:۔ یعنی اگر پانے والے نے پایا ہوا جانور پر بغیر حاکم کی اجازت کے کچھ کر دیا یعنی کھلا پلا یا تو وہ تبرع و احسان ہے مالک سے وہ خرچ نہیں لے سکتا اور حاکم کی اجازت سے خرچ کیا ہے تو اس کے مالک کے ذمہ دین ہوگا اور جب مقدمہ حاکم کے حضور جائے تو وہ اس میں غور کرے پس اگر وہ جانور کسی فائدہ کا ہے تو اسے کرایہ پر دیدے اور اس کے کرایہ میں سے اس پر خرچ کرے اور اگر وہ کچھ فائدہ کا نہیں اور یہ ڈر ہے کہ اس کا خرچ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا تو خود حاکم اسے بیچ دے اور اسکی قیمت حفاظت سے رکھوا دے اور اس کو کچھ کھلانے و پلانے ہی میں کچھ زیادہ مصلحت و فائدہ ہے تو اسکی اجازت دیدے اور اس طرح اسکے مالک کے ذمہ دین قرار دیدے پھر جب اس کا مالک آجائے تو اس پانے والا کو جائز ہے کہ جبتک اس سے خرچ وصول نہ کرے وہ اس کو نہ دے۔

ولقطة الحل والحرم سواء واذا حضر الرجل فادعى ان اللقطة له لم تدفع اليه حتى يقيم البينة فان اعطى علامتها حل للملتقط ان يدفعها اليه ولا يجبر على ذلك في القضاء ولا يتصدق باللقطة على غني وان كان الملتقط غنيا لم يجز له ان ينتفع بها وان كان فقيرا فلا باس بان ينتفع بها ويجوز ان يتصدق بها اذا كان غنيا على ابيه وابنه وامه وزوجته اذا كانوا فقراء

ترجمہ ۔۔۔۔ اور حل و حرم کا لقطہ برابر ہے اور جب ایک آدمی حاضر ہو کر دعویٰ کیا کہ لقطہ میرا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ گواہ پیش کر دے پس اگر وہ اسکی علامت بتادے تو ملتقط کیلئے اس کو دیدینا جائز ہے لیکن اس پر قضاء میں جبر نہیں کیا جائے گا اور لقطہ مالدار پر خیرات نہ کرے اور ملتقط اگر مالدار ہو تو اس کو لقطہ سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے اور اگر فقیر ہو تو فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں اور لقطہ کو خیرات کرنا جائز ہے جبکہ ملتقط مالدار ہو اپنے باپ اور بیٹے اور ماں اور بیوی پر جبکہ وہ فقیر ہوں۔

تشریح:۔۔۔۔ قولہ لقطة الحل:۔ یعنی حل و حرم کی زمین گری ہوئی چیزوں کی حفاظت کے برابر ہیں اور اگر کوئی حاضر ہو کر یہ دعویٰ کرے کہ یہ لقطہ میرا ہے تو جبتک وہ اس پر گواہ پیش نہ کر دے اسکو نہ دیا جائے پس اگر وہ اس کی علامت بیان کر دے تو پانے والے کیلئے اس کو دے دینا جائز ہے لیکن احناف کے نزدیک اسکو قضاءً جبر نہ کیا جائے جبکہ امام شافعی و امام

مالک جبر کے قائل ہیں۔ علامت سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ روپیہ ہیں تو اسکی تعداد بیان کر دے کہ اتنا روپیہ اور ایسا ہے اور اگر جانور ہے تو اس کے پاؤں وغیرہ کا رنگ بیان کر دے۔

قولہ ولا یتصدق باللقطۃ :۔ یعنی لقطہ بطور صدقہ مالدار کو نہ دیا جائے اور اگر پانیوالا مالدار ہے تو اسکو اس لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں اور اگر فقیر ہے تو فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں اور جب پانے والا مالدار ہے تو اس کے اپنے باپ اور بیٹا اور ماں اور بیویوں پر صدقہ کر دینا جائز ہے جبکہ وہ فقیر ہوں۔

کتاب الخنثیٰ

ترجمہ :- خنثیٰ کا بیان

اذا کان للمولود فرج و ذکر فھو خنثیٰ فان کان یبول من الذکر فھو غلام و ان کان یبول من الفرج فھو انثیٰ و ان کان یبول منھما والبول یسبق من احدھما نسب الی الاسبق منھما و ان کان فی السبق سواء فلا یعتبر بالکثرۃ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ وقالا رحمھما اللہ تعالیٰ ینسب الی اکثرھما بولاً و اذا بلغ الخنثیٰ و خرجت لہ لحیۃ او وصل الی النساء فھو رجل و ان ظھر لہ ثدی کثدی المرأۃ او نزل لہ لبن فی ثدیہ او حاض او حبل او امکن الوصول الیہ من جھۃ الفرج فھو امرأۃ فان لم یظھر لہ احدیٰ ھذہ العلامات فھو خنثیٰ مشکل۔

ترجمہ :- جب بچہ کے فرج و ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثیٰ ہے پس اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو لڑکا ہے اور اگر فرج سے پیشاب کرے تو وہ لڑکی ہے اور اگر دونوں سے پیشاب کرے اور پیشاب کسی ایک راہ سے پہلے نکلے تو اس کو اسی کیطرف منسوب کیا جائے گا اور اگر دونوں سے برابر آتا ہو تو پھر زیادہ پیشاب آنے کا اعتبار امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں کیا جائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس سے زیادہ پیشاب آتا ہے اور جب خنثیٰ بالغ ہو جائے اور داڑھی نکل آئے یا وہ عورت سے صحبت کرلے تو وہ مرد ہے اور اگر اسکی چھاتی عورت کی چھاتیوں کی طرح ابھر آئی یا اس کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا یا حیض آگیا یا حمل رہ گیا یا اس سے فرج کی طرف سے صحبت ممکن ہو تو وہ عورت ہے اور اگر ان علامتوں میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو وہ خنثیٰ مشکل ہے۔

تشریح :- قولہ کتاب الخنثیٰ ، خنثیٰ لغت میں بمعنی ہیجڑا ہے اس کی جمع خناثی اور خناث آتی ہے وہ ماخوذ ہے خنث سے جو نرم و تکسر پر دال ہے اور چونکہ خنثیٰ کے اعضاء و گفتگو میں لچک و نرمی ہوتی ہے اسلئے اسکو خنثیٰ و مخنث کہا جاتا ہے۔

قولہ اذا کان للمولود :۔ یعنی جس بچہ کے فرج و ذکر دونوں ہوں اسکو خنثیٰ کہا جاتا ہے پس اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہے

تو وہ مرد کے حکم میں ہے اور اگر فرج سے کرتا ہے تو عورت کے حکم میں ہے اور اگر فرج ذکر دونوں سے اور ایک راستہ سے پہلے پیشاب نکلتا ہے تو اس کو پہلے کی طرف منسوب کیا جائے گا یعنی پیشاب اگر ذکر سے پہلے آتا ہے تو مرد ہوگا اور اگر فرج سے پہلے نکلتا ہے تو عورت ہوگی۔ کیوں کہ پیشاب کا نکلنا اس امر کی دلیل ہے کہ اصلی عضو یہی ہے دوسری یہ کہ جب ایک راستہ سے پیشاب آگیا تو بس اسی کے موافق حکم دیا جائے گا کیوں کہ یہ پوری علامت ہے پھر اگر دوسرے راستہ سے پیشاب نکل آیا تو اس سے اس حکم میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

قولہ وان کان فی اسبق :۔ یعنی اگر دونوں سے برابر پیشاب آتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک زیادہ پیشاب آنے کا اعتبار نہیں کیونکہ پیشاب کی کمی وزیادتی تو فرج کی تنگی اور فراخی کی وجہ سے ہے لہذا اس میں کمی وزیادتی سے دلیل نہیں ہوسکتی ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ جس مخرج سے زیادہ پیشاب آئے اسی طرف منسوب کیا جائے گا۔

قولہ۔ اذا بلغ الخنثی :۔ یعنی جب خنثی بالغ ہوجائے اور اسکی داڑھی نکل آئے یا وہ عورتوں سے مل جائے یعنی صحبت کرے تو وہ مرد ہے اور اگر عورت کی چھاتیوں کی طرح اسکی چھاتی ابھر آئے یا اسکی چھاتیوں میں دودھ اتر آئے یا اسے حیض آجائے یا حمل رہ جائے یا کوئی مرد فرج کی طرف سے صحبت کرے تو وہ عورت ہے اور اگر ان علامتوں میں سے کوئی بھی ظاہر نہ ہو تو وہ خنثی مشکل ہے۔

واذا وقف خلف الامام قام بین صف الرجال والنساء وتبتاع لہ امۃ من مالہ تختنہ ان کان لہ مال فان لم یکن لہ مال ابتاع لہ الامام من بیت المال امۃ فاذا اختنتہ باعھا ورد ثمنھا الی بیت المال وان مات ابوہ وخلف ابنا وخنثی فالمال بینھما عند ابی حنیفۃ علی ثلاثۃ اسھم للابن سھمان وللخنثی سھم وھو انثی عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی فی المیراث الا ان یثبت غیر ذلک وقالا للخنثی نصف میراث الذکر ونصف میراث الانثی وھو قول الشعبی واختلفا فی قیاس قولہ فقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی المال بینھما علی سبعۃ اسھم للابن اربعۃ وللخنثی ثلاثۃ وقال محمد المال بینھما علی اثنا عشر سھما للابن سبعۃ وللخنثی خمسۃ

ترجمہ:۔ اور جب امام کے پیچھے نماز کیلئے ٹھہرے تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اور اس کے مال سے باندی خریدی جائے جو اسکی ختنہ کرے اگر اس کا مال ہو پس اگر اس کا مال نہ ہو تو امام بیت المال سے باندی خریدے اور جب وہ ختنہ کرچکے تو اس کو بیچ کر قیمت بیت المال میں داخل کردے اور اگر اس کا باپ مرگیا اور اس نے ایک لڑکا اور خنثی چھوڑا تو مال ان کے درمیان امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین سہام پر تقسیم ہوگا لڑکا کے دو سہام ہوں گے اور خنثی کا ایک سہام اور وہ عورت ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک باب میراث میں مگر یہ کہ اسکے سوا کچھ اور ثابت ہوجائے اور صاحبین نے فرمایا کہ خنثی کیلئے نصف میراث ہے مذکر کا اور نصف میراث مونث کا یہی قول امام شعبی کا ہے اور صاحبین نے اختلاف کیا قول شعبی کے قیاس میں پس امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مال ان کے درمیان سات سہام پر تقسیم ہوگا اور لڑکا کیلئے چار اور خنثی کیلئے تین اور امام محمد نے فرمایا کہ مال ان کے درمیان بارہ سہام پر تقسیم ہوگا۔ لڑکا کیلئے سات اور خنثی

کیلئے پانچ۔

تشریح: ــــــــ قولہ۔ واذا وقف خلف الامام۔ یعنی خنثیٰ مشکل جب امام کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اسلئے کہ اس کیلئے کمال احتیاط لازم ہے کہ وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو اور عورت ہو تو مردوں کی نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر اس کا برعکس ہو تو عورتوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

قولہ تبتاع لہ امۃ۔ یعنی خنثیٰ مشکل کے پاس اگر مال ہو تو اس کے مال سے ایک باندی خریدی جائے تاکہ وہ اسکی ختنہ کرے اس لئے کہ مملوک کیلئے اپنے آقا کا ستر دیکھنا جائز ہے پس اگر خنثیٰ حقیقۃً مرد ہو تو کوئی اشکال نہیں اسلئے کہ وہ اسکی مملوک ہے اور اگر وہ عورت ہو تو بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ ایک عورت دوسری عورت کو ضرورت پڑنے پر دیکھ سکتی ہے پس اگر اسکے پاس مال نہ ہو تو امام بیت المال سے اس کیلئے ایک باندی خریدے اور جب وہ باندی ختنہ کر دے تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دے۔

قولہ۔ وان مات ابوہ :۔ یعنی اگر ایک شخص مرگیا اور اسکی ایک لڑکا اور ایک خنثیٰ چھوڑا تو اس کا مال ان دونوں میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک تین سہام پر تقسیم کیا جائے گا دو سہام لڑکے کے اور ایک سہام خنثیٰ کا پس امام ابوحنیفہ کے نزدیک خنثیٰ کو دو حصوں میں جو اقل ہو وہ ملے گا یعنی اس کو اگر مرد فرض کیا جائے تو کیا ملے گا اور عورت فرض کیا جائے تو کیا ملے گا تو ان میں سے جو کم ہو تو وہ ملے گا گویا وہ میراث میں عورت شمار کیا جائے گا مگر یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے یعنی یہ ثابت ہو جائے کہ مونث کا حصہ مذکر کے حصہ سے زائد ہے تو اس تقدیر پر خنثیٰ کو مذکر کا حصہ ملے گا۔ اسکی صورت مثلاً یہ ہے کہ ایک عورت اگر انتقال کرے اور ورثہ میں شوہر اور ماں باپ اور خنثیٰ چھوڑ جائے تو مال بارہ سہام پر منقسم ہوگا تین سہام شوہر کے اور چار ماں باپ کے اور پانچ خنثیٰ کے ہوں گے اسلئے کہ اگر مونث ہوتا تو اسکے چھ سہام ہوتے اور مسئلہ تیرہ ۱۳ کی طرف عول کرتا۔

قولہ۔ وھو قول الشعبی :۔ امام شعبی کا اصل نام عامر بن شراحیل ہے وہ امام ابوحنیفہ کے شیوخ میں سے ہیں اس باب میں امام شافعی کا قول چونکہ مبہم ہے اسلئے صاحبین کے درمیان اسکی تفسیر میں اختلاف ہوگیا ہے امام ابویوسف کی تفسیر کا حاصل یہ کہ موصوف نے لڑکا اور خنثیٰ میں سے ہر ایک کے اس حصہ کا اعتبار کیا ہے جو ان کیلئے انفرادی حالت میں ہے چنانچہ وارث اگر تنہا لڑکا ہو تو اس کیلئے کل مال ہوگا اور اگر تنہا خنثیٰ ہو تو اسکے مذکر ہونیکی تقدیر پر کل مال ہوگا اور مونث ہونیکی تقدیر پر نصف مال لہذا خنثیٰ کو نصف کل اور نصف النصف ملے گا تو یہ کل مال کے تین ربع ہوئے لڑکا کیلئے کل مال ہوگا تو ہر ربع کو ایک سہام قرار دیا جائے گا پس کل مال کے چار ربع اور خنثیٰ کے تین ربع ـ یہ کل سات سہام ہوئے جن میں سے چار لڑکا کو ہوں گے اور تین خنثیٰ کے اور امام محمد کی تفسیر کا حاصل یہ کہ موصوف نے لڑکا اور خنثیٰ کے اس حصہ کا اعتبار کیا ہے جو ان کو اجتماع کی حالت میں ملتا ہے کہ اگر لڑکا کے ساتھ خنثیٰ مذکر ہو تو کل مال ان میں نصف النصف ہوگا اور خنثیٰ مونث ہو تو تقسیم بطور اثلاث ہوگی تو خنثیٰ کے مذکر ہونیکی تقدیر پر یہ تقسیم دو سے ہوگی اور مونث ہونیکی تقدیر پر تقسیم تین سے ہوگی اور دو اور تین میں چونکہ موافقت نہیں اسلئے ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دیا جائے گا جس کا مبلغ چھ ہوگا جس میں سے خنثیٰ کے لئے بتقدیر مونث دو سہام ہوں گے اور بتقدیر مذکر تین سہام تو اس کو ان دونوں حصوں کا نصف ملے گا اور دو کا نصف چونکہ بلاکسر درست ہے

جبکہ تین کا نصف درست نہیں اسلئے چھ عدد کو دو میں ضرب دیا جائے گا جس کا مبلغ بارہ ۱۲ ہوتا ہے پس خنثیٰ کیلئے اسکے مذکر ہونے کی تقدیر پر چھ سہام ہوتے ہیں اور مونث ہونے کی تقدیر پر چار پس وہ اس کو دونوں کا نصف ملے گا یعنی پانچ چونکہ چھ کا نصف تین ہوتا ہے اور چار کا نصف دو۔ ا

كِتَابُ المفقُودِ

ترجمہ :۔ مفقود الخبر کا بیان

(اذا غاب الرجلُ فلم يعرف لهٗ موضعٌ ولا يعلم أحيٌّ أم ميتٌ نصبَ القاضي مَنْ يحفظ مالهٗ ويقوم عليه ويستوفي حقوقه وينفق على زوجته واولاده الصغار من ماله ولا يفرّق بينه وبين امراته فاذا تمّ لهٗ مائة وعشرون سنة من يوم ولد حكمنا بموته واعتدت امراته وقسم مالهٗ بين ورثته الموجودين في ذلك الوقت ومن مات منهم قبل ذلك لم يرث منه شيئًا ولا يرث المفقود من احد مات في حال فقده)

ترجمہ :۔ ـــــــ جب کوئی شخص غائب ہو جائے پس اسکی جگہ معلوم نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا تو قاضی کسی شخص کو مقرر کر دے جو اسکے مال کی حفاظت کرے اور انتظام رکھے اور اسکے حقوق وصول کرے اور اسکی بیوی اور چھوٹے بچوں پر اسکے مال سے خرچ کرے اور اسکے اور اسکی بیوی کے درمیان تفریق نہ کرائے پس جب اس کی پیدائش سے ایک سو بیس برس گذر جائیں تو اس کی موت کا حکم لگادیں گے اور اسکی بیوی عدت میں بیٹھے گی اور اس کا مال ورثہ میں جو اس وقت موجود ہو تقسیم کیا جائے گا اور ان میں سے جو اس سے پہلے ہی مر گیا تو وہ اس کا وارث نہ ہوگا اور مفقود اس کا وارث نہیں ہوتا جو اسکے مفقود ہونے کی حالت میں مر گیا۔

تشریح :ـــــــ قولہ[۱] ۔کتاب المفقود :۔ مفقود شریعت میں اسکو کہا جاتا ہے جو ایسی جگہ چلا جائے جس کا کوئی پتہ نہ ہو کہ وہ کس جانب گیا ہے ؟ زندہ ہے یا مردہ ؟ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے زندہ شمار کیا جائے گا پس اس کی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے کو شادی کرنا جائز نہ ہوگا اور نہ اس کا مال ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ اور وہ دوسرے کے اعتبار سے مردہ شمار کیا جائے گا پس وہ کسی دوسرے کا وارث نہ ہوگا اور اگر کوئی اس کیلئے وصیت کرکے مر گیا تو مفقود وصیت کے مال کا مستحق نہ ہوگا بلکہ اس کے حصہ اس ہم عمر کی موت تک محفوظ رکھا جائے گا۔

قولہ[۲] ۔نصب القاضی :۔ یعنی شخص مذکور کیلئے قاضی ایک ایسے شخص کو مقرر کر دے جو اسکے مال کی حفاظت کرے اور اس کا انتظام و انصرام کرے اور اس کے حقوق جو لوگوں پر ہوں وصول کرے اور اسکے مال میں سے اسکی بیوی اور اسکے چھوٹے بچوں کو خرچ دیا کرے۔

قولہ[۳] ۔ولا یفرق بینہ :۔ یعنی مفقود اور اسکی بیوی کے درمیان قاضی تفریق نہ کرائے یعنی اسکی بیوی کو دوسرا نکاح کر لینے کا حکم نہ دے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالک کا قول یہ ہے کہ جب مرد مفقود چار برس تک لاپتہ رہے تو قاضی کے درمیان تفریق کر دے

اور عورت عدت وفات گزار کر جس سے چاہے نکاح کرے اسی کے قائل ایک قول میں امام شافعی اور دوسرے میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں سند میں سیدنا عمر کا وہ قول ہے جو انہوں نے اس شخص کے متعلق یہی حکم فرمایا تھا جس کو رات کے وقت جن اٹھا کر لے گیا تھا اس کا تفصیلی واقعہ ابوبکر بن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے۔ دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا وہ قول ہے جس کو سیدنا مغیرہ سے دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ مفقود کی عورت اسی کی بیوی ہے یہاں تک کہ اسکے موت یا طلاق کی خبر پہونچے اور سیدنا مولیٰ علی کا قول بھی ہے کہ وہ عورت مبتلا کی گئی ہے پس اس کو صبر کرنا چاہیئے جبتک شوہر کی موت یا طلاق کی اطلاع نہ ہو جائے اور امام مالک نے جو حضرت عمر کے قول سے استدلال پیش کیا ہے وہ درست نہیں چونکہ سیدنا عمر سے سیدنا علی کی طرف رجوع کرلینا ثابت ہے۔

قولہ۔ فاذا تم لہ: یعنی جب مفقود کی عمر پیدائش کے دن سے پورے ایک سو بیس برس مکمل ہو جائیں تو قاضی اس کی موت کا حکم دیدے اور اس کی بیوی عدت وفات گزارے یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے جو حسن سے مروی ہے اور امام ابویوسف نے اسکی مدت ایک سو سال بیان کیا ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک نوے برس ہے چونکہ آدمی عادتاً نوے برس سے زیادہ زندہ نہیں رہتا۔ فتویٰ اسی قول پر ہے بلکہ قہستانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ضرورت کے موقعہ پر اگر کوئی امام مالک کے قول پر فتویٰ دیدے تو کوئی حرج نہیں۔

کتاب الاباق

ترجمہ:- غلام کے بھاگنے کا بیان

اذا ابق المملوک فردہ رجل علی مولاہ من مسیرۃ ثلاثۃ ایام فصاعداً فلہ علیہ جعلہ فھو اربعون درھماً وان ردہ لاقل من ذلک فبحسابہ وان کانت قیمتہ اقل من اربعین درھماً قضی لہ بقیمتہ الا درھماً۔

ترجمہ:- جب کوئی غلام بھاگ جائے اور تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے کوئی اُسے پکڑ کر اس کے آقا کے پاس پہونچا دے تو اس پر مزدوری دیئے جانیکا مستحق ہے اور وہ مزدوری چالیس درہم ہیں اور اگر اس سے کم مسافت سے لایا ہے تو اس حساب سے اسکو دینا چاہیئے اور اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو اس کی قیمت کا فیصلہ ہوگا ایک درہم کم کرکے یعنی ایک درہم کم کرکے اس کی ساری قیمت اسکو دلا دی جائیگی۔

تشریح:- قولہ۔ کتاب الاباق:- اباق کہتے ہیں شریر و سرکش غلام و باندی کے بھاگ جانے کو اس تعریف میں وہ غلام بھی داخل ہوگیا جو آقا کے مستاجر اور عاریت پر لینے والے اور امانت دار اور اسکے وصی کے پاس سے بھاگ جائے

قولہ۔ اذا ابق المملوک:۔ یعنی جو غلام مدت سفر یعنی تین دن یا اس سے زائد کی مسافت سے پکڑ کر اس کے آقا کے پاس پہونچادے تو اس کا محنتانہ چالیس درہم ہیں اور اس سے کم مسافت سے پکڑ کر لائے تو محنتانہ اس کے حساب سے کم ہوگا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ آقا کی شرط کئے بغیر محنتانہ نہیں ملے گا۔ یہی قیاس کا مقتضی بھی ہے کیونکہ پکڑنے والا اس سلسلہ میں متبرع ہے پس وہ گم شدہ غلام کی طرح ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ نفس مزدوری پر صحابۂ کرام کا اجماع ہے اختلاف صرف مقدار میں ہے چنانچہ عبداللہ بن مسعود سے چالیس درہم اور سیدنا عمر اور سیدنا مولیٰ علی سے ایک دینار یا بارہ درہم اور سیدنا عمر سے چالیس درہم کی بھی روایت ہے۔

وان ابق من الذی ردہ فلا شئ علیہ ولا جعل لہ وینبغی ان یشھد اذا اخذہ انہ یاخذ لیردعلی صاحبہ فان کان العبد الآبق رھنا فالجعل علی المرتھن

ترجمہ:۔ اور اگر غلام واپس لانیوالے سے بھاگ جائے تو اس پر کچھ نہ ہوگا اور نہ یہ مزدوری کا مستحق ہوگا اور چاہیے کہ جب کوئی غلام کو پکڑے تو اس پر کسی کو گواہ کردے کہ اس غلام کو اسلئے پکڑ رہا ہوں تاکہ اسے آقا کے پاس پہونچادوں اور اگر بھاگا ہوا غلام رہن تھا یعنی اس کے آقا نے اسے رہن رکھا تھا تو اس کی مزدوری مرتہن کے پاس ہوگی۔

تشریح:۔ قولہ۔ وان ابق:۔ یعنی آقا کے پاس واپس لانیوالا کے قبضہ سے غلام اگر بھاگ جائے تو وہ اس کا ضامن نہ ہوگا چونکہ غلام اس کے پاس امانت کے طور پر تھا اور امانت میں بلا تعدی ضمان نہیں ہوتا البتہ اگر وہ اپنے کسی ذاتی کام میں لگایا اور وہاں سے غلام بھاگ جائے تو وہ ضامن ہوگا۔

قولہ۔ فان کان العبد:۔ اگر بھگتہ غلام رہن تھا یعنی اس کے آقا نے اسے رہن رکھا تھا تو اس کی مزدوری مرتہن کے ذمہ ہوگی کیونکہ اس غلام کے بھاگ جانیکی وجہ سے اس کا روپیہ ختم ہوگیا تھا اور جب وہ غلام کو پکڑ لایا تو اس کا روپیہ پھر بدستور ہوگیا۔ لہذا اس کی مزدوری اسی کے ذمہ ہوگی۔

کتاب احیاء الموات

ترجمہ:۔ ویران زمین کو چلتی کرنے کا بیان

الموات مالا ینتفع بہ من الارض لانقطاع الماء عنہ او لغلبۃ الماء علیہ او ما اشبہ ذلک مما یمنع الزراعۃ فما کان منھا عادیًا لا مالک لہ او مملوکًا فی الاسلام لا یعرف لہ مالک بعینہ وھو بعید من القریۃ بحیث اذا وقف انسان فی اقصی العامر فصاح لم یسمع الصوت فیہ فھو موات من احیاہ باذن الامام ملکہ وان احیاہ بغیر اذنہ لم یملکہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا رحمھما اللہ یملکہ ویملکہ الذی بالاحیاء کما یملکہ المسلم

ترجمہ :۔ ـــــــ موات وہ زمین ہے جس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔ پانی کے بند ہو جانے یا زیادہ آجانے یا اس جیسے کسی اور سبب سے جو کاشت سے مانع ہو پس جو زمین عادی ہو اس کا کوئی مالک نہ ہو یا وہ اسلام میں مقبوض ہو اور کوئی خاص مالک معلوم نہ ہو اور وہ بستی سے اتنی دور ہو کہ اگر کوئی آدمی آخر آبادی سے کھڑا ہو کر چلائے تو آواز اس زمین میں نہ سنی جائے تو وہ موات ہے اور جو شخص اس کو حاکم کی اجازت سے چلتی کرے وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اگر بلا اجازت چلتی کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مالک نہ ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ مالک ہو جائے گا اور ذمی مالک ہو جائے گا چلتی کرنے سے جس طرح مسلمان مالک ہوتا ہے۔

تشریح :۔ ـــــــ قولہ کتاب احیاء الموات :۔ احیاء مصدر ہے باب افعال کا جو لغت میں بمعنی زندہ کرنا ہے اور اصطلاح میں زمین کو ایسی قوت پیدا کرنا ہے جس سے وہ قابل کاشت ہو جائے اور موات لغت میں اس زمین کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو اور اصطلاح میں وہ غیر مملوک زمین ہے جو آبادی سے دور ہو اور پانی کے غالب آجانے یا منقطع ہونے کی وجہ سے اس میں کاشت کرنا دشوار ہو۔

قولہ الموات مالا ینتفع :۔ اصطلاح شرع میں موات کا جو معنی ہے اس عبارت سے اس کو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ زمین ہے جس میں پانی نہ آئے یا زیادہ پانی یعنی دریا یا سیلاب کی وجہ سے کچھ فائدہ نہ ہو سکے یا کوئی ایسا سبب ہو مثلاً زمین شور وغیرہ ہو گئی ہو جس کی وجہ سے اس میں کھیتی وغیرہ نہ ہوتی ہو پس دار الاسلام میں جو زمین ہمیشہ سے بنجر پڑی ہو اور کوئی اس کا مالک نہ ہو یا وہ کسی کے قبضہ میں ہو کر اس کا مالک کوئی خاص آدمی نہ ہو اور وہ بستی سے اس قدر دور ہو کہ جب کوئی آدمی اس طرف کی آخر آبادی سے کھڑا ہو کر چلائے تو اس زمین تک اسکی آواز نہ پہونچے تو ایسی زمین کو موات کہا جاتا ہے۔

قولہ من احیاہ :۔ یعنی جو شخص اس مردہ یعنی بنجر زمین کو حاکم کی اجازت سے قابل زراعت بنائے گا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہی اس کا مالک کہلائے گا اور اگر حاکم کی اجازت کے بغیر قابل زراعت کرے تو وہ اس کا مالک نہ ہوگا اور صاحبین نے کہا کہ حکم حاکم کے بغیر ہی مالک ہو جائے گا یہی قول ائمہ ثلاثہ کا بھی ہے کیونکہ حدیث من احیا ارضا میتۃ فھی لہ میں حکم مطلق ہے اس میں اذن و عدم اذن کی کوئی قید نہیں۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی سرکار مدینہ کا یہ قول ہے۔ لیس للمرء الا ما طابت بہ نفس امامہ اس کو طبرانی نے حضرت معاذ بن جبل سے نقل کیا ہے۔

ومن حجر ارضا ولم یعمرھا ثلث سنین اخذھا الامام منہ ودفعھا الی غیرہ ولا یجوز احیاء ما قرب من العامر ویترک مرعی لاھل القریۃ ومطرحا لحصائدھم۔

ترجمہ :۔ ـــــــ اور جس نے زمین میں پتھر کی نشان لگا کر تین سال تک یوں ہی چھوڑ دے تو امام اس سے لیکر دوسرے کو دیدے اور بستی سے قریب کی زمین کو چلتی کرنا جائز نہیں بلکہ گاؤں والوں کے مویشیوں کے چرنے اور کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے کیلئے چھوڑ دیجائے۔

تشریح :۔ ـــــــ قولہ ومن حجر :۔ یعنی جس کسی نے بنجر زمین کو صرف پتھر وغیرہ کی مینڈھ باندھ دیا

اور اس کو ویسے ہی تین برس تک چھوڑے رکھا۔ کچھ بھی کاشت وغیرہ نہیں کیا تو اس عمل سے وہ زمین کا مالک نہ ہوگا۔ بلکہ حاکم اس سے لیکر کسی دوسرے کو دیدے تاکہ وہ اس کو قابل زراعت بنا سکے۔ چونکہ سیدنا عمر کا قول ہے لیس للمحتجر حق بعد ثلاث سنین اور اسلئے بھی کہ پتھر وغیرہ کا عمل احیاء اموات نہیں بلکہ وہ صرف ایک علامت ونشان ہے۔

ومن[۱] حفر بئرًا فی بریۃٍ فلہٗ حریمھا فان کانت للعطنِ فحریمھا اربعون ذراعًا وان کانت للناضح فحریمھا ستون ذراعًا وان کانت عینًا فحریمھا خمسمائۃ ذراعٍ فمن اراد ان یحفر بئرًا فی حریمھا منع منہ وما ترکہ[۲] الفراتُ والدجلۃُ وعدل عنہ الماءُ فان کان یجوز عودہٗ الیہ لم یجز احیاؤہٗ وان کان لایجوز ان یعود الیہ فھو کالمواتِ اذا لم یکن حریمًا لعامرٍ یملکہٗ من احیاہ باذنِ الامام ومن[۳] کان لہٗ نھرٌ فی ارضِ غیرہٖ فلیس لہٗ حریمٌ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی الا ان یکون البینۃ علٰی ذٰلک وعندھما لہٗ مسناۃ النھرِ یمشی علیھا ویلقی علیھا طینہٗ

ترجمہ، ——— اور جو شخص جنگل میں کنوں کھودے تو اس کیلئے اس کا حریم ہے پس اگر وہ کنواں پانی پوے کیلئے ہو تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے اور اگر کھیت سینچنے کیلئے ہو تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے اور اگر چشمہ ہو تو اس کے حریم پانچ سو ہاتھ ہے پس جو کچھ کنواں کھودنا چاہے اس کے حریم میں تو اس کو منع کیا جائے گا اور جس زمین کو دریائے فرات اور دجلہ چھوڑ دے اور وہاں سے پانی ہٹ جائے تو اگر پانی پھر آسکتا ہو تو اس زمین کو جلتی کرنا جائز نہیں اور اگر پانی پھر نہ آسکتا ہو تو وہ مثل موات کے ہے اگر وہ کسی کا حریم نہ ہو تو اس کا مالک ہو جائے گا وہ جو جلتی کرے حاکم کی اجازت سے اور جس کی نہر دوسرے کی زمین میں ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا کوئی حریم نہیں مگر یہ کہ اس کے پاس کوئی بینہ ہو اور صاحبین کے نزدیک اس کیلئے نہر کی پٹری ہوگی جس پر چل سکے اور نہر کی مٹی ڈال سکے۔

تشریح:——— قولہ[۱] ومن حفر۔ کسی نے اگر جنگل یعنی غیر آبادی زمین میں کنواں کھود دیا خواہ حاکم کی اجازت سے ہو یا اسکے بغیر تو اس کنویں کا حریم یعنی اس کا اردگرد بھی اس شخص کا ہوگا۔ پس وہ کنواں اگر گائے بکریوں کو پانی پلانے کیواسطے ہے جس کا پانی ہاتھ سے کھینچا جاتا ہے۔ تو اس کا حریم چالیس ہاتھ کا ہوگا اور اگر وہ چرس چلانے کے واسطے ہے تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ کا ہوگا اور اگر وہ چشمہ ہے تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ کا ہوگا۔ پس جو شخص اس کنویں کے حریم میں دوسرا کنواں کھودنا چاہے تو اس کو منع کر دیا جائے۔

قولہ[۲] وما ترکہ الفرات:۔ جس زمین کو دریائے فرات یا دجلہ نے چھوڑ دیا۔ فرات کوفہ کے دریا کو کہا جاتا ہے اور دجلہ بغداد کے دریا کو۔ اور وہاں سے پانی ہٹ جائے تو دیکھا جائے کہ پانی وہاں پھر آسکتا ہے یا نہیں اور اگر پھر آسکتا ہے تو اس زمین کو جلتی کرنا جائز نہیں اور اگر نہیں آسکتا تو وہ مثل موات کے ہے۔ اور اگر وہ کسی کی حریم نہ ہو تو جو شخص اُسے حاکم کی اجازت سے جلتی کرے گا وہی اس کا مالک ہو جائے گا۔

قولہ[۳] من کان لہٗ:۔ یعنی کسی شخص کی نہر اگر دوسرے کی زمین پر جاری ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا حریم نہ ہوگا البتہ

اگر اسکے حریم ہونے کے ثبوت گواہوں سے ہو جائے تو اس کا حریم ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک بقدر ضرورت حریم ہوگا یعنی اتنا کہ نہر کی پٹری پر چل سکے اور اگر نہر مٹی سے پٹ جائے تو اسکے اندر سے مٹی نکال کر پٹری پر ڈالی جائے یہ اختلاف نہر کبیر میں ہے کہ جس کی مٹی صاف کرنیکی ہر وقت ضرورت پیش نہ آتی ہو اور اگر نہر چھوٹی ہو کہ جس کی مٹی صاف کرنیکی ہر وقت ضرورت پیش آتی ہو۔ تو اس کا حریم بالاتفاق ثابت ہوگا۔

كتابُ المأذونِ

ترجمہ: اجازت دیئے ہوئے غلام کا بیان

اذا اذنَ المولیٰ لعبدہٖ اذناً عاماً جاز تصرفہ فی سائرِ التجاراتِ ولہ ان یشتری و یبیع و یرھن و یسترھن وان اذن لہٗ فی نوعٍ منہا دون غیرہٖ فہو ماذونٌ فی جمیعہا فاذن لہٗ فی شیٔ بعینہٖ فلیس بماذونٍ و اقرارُ الماذونِ بالدیونِ والغصوبِ جائزٌ ولیس لہٗ ان یتزوج ولا ان یزوّج ممالیکہ ولا یکاتب ولا یعتق علی مالٍ ولا یھب بعوضٍ ولا بغیرِ عوضٍ الا ان یھدی الیسیر من الطعامِ او یضیف من یطعمہٗ ودیونہٗ متعلقۃ برقبتہٖ یباع فیہا للغرماءِ الا ان یفدیہ المولیٰ و یقسم ثمنہٗ بینہم بالحصصِ فان فضل من دیونہٖ شیٔ طولب بہ بعد الحریۃِ وان حجر علیہ لم یصر محجوراً علیہ حتی یظہر الحجر بین اہلِ السوقِ فان مات المولیٰ او جنّ او لحق بدار الحربِ مرتداً صار الماذونُ محجوراً علیہ ولو ابق العبدُ الماذونُ صار محجوراً علیہ

ترجمہ: ـــــــ آقا نے جب اپنے غلام کو عام اجازت دیدی تو اس کو تمام تجارتوں میں تصرف کرنا جائز ہے اور اسکو اختیار ہے خریدنے اور فروخت کرنے اور گروی ڈالنے اور گروی رکھنے کا اور اگر ایک ہی قسم کی تجارت کی اجازت دی تب بھی وہ ہر تجارت میں ماذون ہوگا پس جب کسی معین چیز میں اجازت دی تو وہ ماذون نہیں اور ماذون کو قرضوں اور غصب کی ہوئی چیزوں کا اقرار کرنا جائز ہے اور نہ وہ اپنی شادی کرسکتا ہے اور نہ اپنے غلاموں کی کرا سکتا ہے اور نہ مکاتب کرسکتا ہے اور نہ مال دے کر آزاد کرسکتا ہے اور نہ ہبہ کرسکتا ہے بالعوض ہو یا بلاعوض مگر یہ کہ تھوڑا کھانا تحفۃً دیدے یا اسکی مہمانداری کرے اور جس نے اسکو کھلایا اسکے قرض اس کی گردن سے متعلق ہیں جن میں اسکو قرضخواہوں کیلئے بیچ دیا جائے گا مگر یہ کہ اس کا آقا بدلہ دیدے اسکی قیمت تقسیم کی جائے گی حصہ رسد کو پس اگر کچھ قرض پھر بھی رہ جائے تو اس سے آزادی کے بعد مطالبہ کیا جائے گا اور اگر آقا اس پر حجر کرے تو وہ محجور نہ ہوگا یہاں تک کہ بازاروں میں حجر ظاہر ہو جائے پس اگر آقا مر گیا یا دیوانہ ہو گیا یا مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا تو ماذون محجور علیہ ہو جائے گا اور اگر ماذون غلام بھاگ گیا تو وہ محجور علیہ ہو جائے گا۔

تشریح: ــــــ قولہ ۱ اذا اذن المولی ۔ یعنی جب آقا نے اپنے غلام کو عام اجازت دیدی یعنی یہ کہدیا کہ میں تجھکو تجارت کرنیکی اجازت دیتا ہوں اور کوئی قید نہیں لگائی تو اس کا تصرف تمام قسم کی تجارتوں میں بالاتفاق جائز ہے مثلاً اُسے خریدنے اور فروخت کرنے اور گروی ڈالنے اور گروی رکھنے ہر ایک کا اختیار ہے اسلئے کہ اذن عام ہے جو تمام انواع تجارت و لوازم تجارت کو شامل ہے اور اگر آقا نے ایک ہی قسم کی تجارت کرنیکی اجازت دی ہے دوسرے کی نہیں تو وہ بھی احناف کے نزدیک ہر ایک میں ماذون ہوگا۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک صرف اسی نوع میں ماذون ہوگا جس کی اجازت دی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اذن سے مراد وکیل کرنا اور نائب بنانا ہے تو آقا نے جس چیز کے ساتھ خاص کیا ہے اس کے ساتھ متعلق ہوگا۔ احناف نے کہا کہ اذن فک حجر اور اسقاط حق ہوتا ہے پس انفکاک حجر کے بعد غلام اپنی اہلیت کی وجہ سے تصرف کرتا ہے تو اذن و تصرف کسی کے ساتھ مقید نہ ہوگا اور نہ کسی خاص قسم کی تجارت کے ساتھ مخصوص البتہ اگر وہ کسی معین چیز کے بارے اجازت دے تو وہ ماذون ہوگا اسلئے کہ وہ حقیقت میں استخدام ہے اذن نہیں۔

قولہ ۲ اقرار الماذون ۔ یعنی قرضوں اور غصب کی ہوئی چیزوں کے متعلق ماذون کو اقرار کرلینا جائز ہے کیونکہ اقرار کرنا تجارت کے توابع میں داخل ہے اس لئے کہ اس کا اقرار اگر معتبر نہ ہو تو لوگ اس سے خرید و فروخت کرنے اور معاملہ کرنے سے دور رہیں گے اور جب اس کا اقرار صحت کی حالت میں ہو تو اس کے ذمہ قرض ہونے یا نہ ہونیکی تقدیر پر اقرار کرنے میں کچھ فرق نہیں البتہ اگر بیماری کی حالت میں اقرار کرے تو صحت کی حالت کا قرض مقدم سمجھا جائے گا برخلاف اس اقرار کے جو تجارت کے سبب سے نہ ہو بلکہ کسی دوسری وجہ سے ہو کیونکہ اس کے حق میں وہ محجور کی مثل ہے۔

قولہ ۳ ولیس لہ ان یتزوج ۔ یعنی عبد ماذون کو اپنا نکاح کرنا جائز نہیں اور اپنے غلام اور باندیوں کا نکاح کرنا جائز ہے اور نہ یہ غلام باندی کو مکاتب کرے اور نہ کچھ لیکر آزاد کرے اور نہ کسی چیز کے عوض یا بلاعوض کچھ کرے۔ البتہ اگر تھوڑا کھانا تحفۃً دیدے تو جائز ہے یا ایسے شخص کی مہمانداری کرے کہ جس نے اسکی دعوت کی ہو۔

قولہ ۴ دیونہ متعلقۃ ۔ یعنی عبد ماذون پر جو قرض تجارت کی وجہ سے واجب ہو جیسے بیع و شراء و اجارہ وغیرہ یا بمعنی تجارت کی وجہ سے جیسے ودیعت کا تاوان اور اس غصب اور امانت کا تاوان جن کا عبد ماذون انکار کرچکا ہو بلکہ ہر طرح کا قرض اس کی گردن پر ہوگا۔ قرضخواہوں کی درخواست پر ان قرضوں کے ادا کرنے میں اُسے فروخت کرکے کے قرضخواہوں کے درمیان حصہ رسد تقسیم کردیا جائے گا۔ البتہ آقا اگر اس کا قرض ادا کردے تو فروخت نہیں کیا جائے گا۔

قولہ ۵ ۔ وان حجر علیہ ۔ عبد ماذون کا آقا اگر اس پر حجر کردے یعنی اُسے تصرف سے معزول کردے تو جب تک اس کی اطلاع بازار والوں کو نہ ہوجائے وہ محجور نہ کہلائے گا اور اس کا تصرف معتبر کہلائے گا تاکہ اسکے ساتھ معاملہ کرنیوالے کا نقصان نہ ہو کیونکہ علم حاصل ہوئے بغیر اگر محجور کردیا جائے تو حجر کے بعد جو تصرف کرے گا اس کے دین کی ادائگی

آزادی کے بعد لازم ہوگی گویا معاملہ کرنے والے کا حق موخر ہو جائے گا جس میں ان کا نقصان ہوگا۔

قولہ۔ فان مات المولیٰ۔ یعنی اگر اس کا آقا مرگیا یا بالکل دیوانہ ہوگیا یا مرتد ہوکر دار الحرب میں چلا گیا تو بھی عبد ماذون مجور کہلائے گا خواہ اس کو ان امور کا علم حاصل ہو یا نہ ہو اسلئے کہ اذن غیر لازم تصرف ہے تو اس کی بقاء کا بھی وہی حکم ہوگا جو ابتداء کا ہے تو جس طرح ابتداءً اہلیت اذن کا ہونا ضروری ہے اسی طرح بقاءً بھی ضروری ہوگا اور ان مذکورہ امور سے چونکہ اہلیت اذن معدوم ہوگئی اسلئے غلام مجور کہلائے گا۔

قولہ۔ ولو ابق العبد۔ یعنی عبد ماذون اگر بھاگ گیا تو اس کے بھاگ جانے کی وجہ سے بھی وہ مجور کہلائے گا۔ بازار والوں کو اس کا علم خواہ ہو یا نہ ہو۔ ائمہ ثلاثہ کا کہنا ہے کہ وہ مجور نہ کہلائے گا یہی قول امام زفر کا ہے۔ اسلئے کہ ابتداءً بھاگ جانا اذن کے منافی نہیں تو بقاءً بھی منافی نہ ہوگا، کیونکہ صحت اذن ملک مولی اور اس کی رائے کی وجہ سے ہوتا ہے اور غلام کے بھاگ جانے سے ملک مولی اور اسکی راہ میں کوئی فتور پیدا نہیں ہوتا پس وہ بھاگ جانے سے مجور نہ کہلائے گا۔ احناف کا قول یہ ہے کہ غلام کا بھاگ جانا دلالۃً حجر ہے اسلئے کہ آقا اپنے سرکش اور نافرمان غلام کے تصرف سے عادۃً راضی نہیں ہوتا۔

واذا حجر علیہ فاقرارہٗ جائزٌ فیما فی یدہٖ من المال عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقالا لا یصح اقرارہٗ واذا لزمتہ دیونٌ محیط بمالہٖ ورقبتہٖ لم یملک المولیٰ مافی یدہٖ فان اعتق عبیدہٗ لم تعتق عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا رحمہما اللہ یملک مافی یدہٖ

ترجمہ: ــــــــ اور جب اس پر حجر کر دیا جائے تو اس کا اقرار اس مال کے متعلق جائز ہوگا جو اسکے قبضہ میں ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور جب اسکے ذمہ اتنا قرض ہو جائے جو اس کے مال اور جان کو گھیرلے تو آقا اس مال کا مالک نہ ہوگا جو اسکے پاس ہے پس اگر اسکے غلاموں کو آزاد کر دے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک آزاد نہ ہوں گے اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کے مال کا مالک ہوگا۔

تشریح: ــــ قولہ واذا حجر علیہ۔ یعنی عبد ماذون اگر مجور ہونے کے بعد یہ اقرار کیا کہ میرے پاس جو کچھ ہے فلاں کی امانت یا مغصوب کا دین ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا اقرار استحسان کے طور پر جائز ہے پس وہ اپنے مقبوضہ مال سے قرض ادا کرے گا۔ صاحبین نے کہا کہ اقرار درست نہیں اور یہی مقتضائے قیاس بھی ہے اسلئے کہ صحت اقرار تجارت کے اذن کی وجہ سے تھی جو حجر کی وجہ سے زائل ہو چکی ہے اور استحسان اس وجہ سے کہا گیا کہ اقرار کی صحت کا مدار حقیقتاً قبضہ پر ہے اور اس کا قبضہ برقرار ہے لہذا اقرار درست ہے۔

قولہ۔ اذا لزمتہ۔ یعنی جب اس کے ذمہ اتنا قرض ہو جائے کہ جو زر اسکے مال اور خود کی قیمت سے بھی بڑھ جائے تو جو مال اس کے پاس ہے اس کا آقا اس کے مال کا مالک نہ رہے گا پس اگر آقا اسکے غلاموں کو آزاد کرنے لگے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ آزاد

نہ ہوں گے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ جو کچھ اس ماذون کے پاس ہے اس کا آقا مالک ہو جائے گا۔

وَاِذَا[1] بَاعَ عَبْدٌ مَاذُوْنٌ مِنَ الْمَوْلٰی شَیْئًا بِمِثْلِ الْقِیْمَۃِ جَازَ وَاِنْ بَاعَ بِنُقْصَانٍ لَمْ یَجُزْ وَاِنْ[2] بَاعَہُ الْمَوْلٰی شَیْئًا بِمِثْلِ الْقِیْمَۃِ اَوْ اَقَلَّ جَازَ الْبَیْعُ فَاِنْ سَلَّمَہُ اِلَیْہِ قَبْلَ قَبْضِ الثَّمَنِ بَطَلَ الثَّمَنُ وَاِنْ[3] اَمْسَکَہُ فِیْ یَدِہٖ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ الثَّمَنَ جَازَ وَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰی الْعَبْدَ الْمَاذُوْنَ وَعَلَیْہِ دُیُوْنٌ فَعِتْقُہٗ جَائِزٌ وَالْمَوْلٰی ضَامِنٌ لِقِیْمَتِہٖ لِلْغُرَمَاءِ وَمَا بَقِیَ مِنَ الدُّیُوْنِ یُطَالَبُ بِہِ الْمُعْتَقُ وَاِذَا[4] وَلَدَتِ الْمَاذُوْنَۃُ مِنْ مَوْلَاھَا فَذٰلِکَ حَجْرٌ عَلَیْھَا وَاِنْ اَذِنَ وَلِیُّ الصَّبِیِّ فِی التِّجَارَۃِ فَھُوَ فِی الشِّرَاءِ وَالْبَیْعِ کَالْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ اِذَا کَانَ یَعْقِلُ الْبَیْعَ وَالشِّرَاءَ۔

ترجمہ: —— اور جب ماذون غلام آقا کے ہاتھ کوئی چیز مثل قیمت کے فروخت کرے تو جائز ہے اور اگر نقصان کے ساتھ فروخت کرے تو جائز نہیں اور اگر آقا ماذون کے ہاتھ کوئی چیز مثل قیمت یا کم کے ساتھ فروخت کر دیا تو جائز ہے پس اگر ثمن قبضہ کرنے سے پہلے اس کے حوالہ کر دے تو ثمن باطل ہو جائے گا اور اگر بیع کو آقا روک لے یہاں تک کہ قیمت وصول کرے تو جائز ہے اور اگر آقا نے ماذون غلام کو آزاد کر دیا دراں حالیکہ اس کے ذمہ قرض ہیں تو آزاد کرنا جائز ہے اور آقا اس کی قیمت کا قرضخواہوں کیلئے ضامن ہوگا اور جو قرض باقی رہ جائے اس کا مطالبہ آزادی کے بعد آزاد شدہ سے ہوگا۔ اور جب ماذونہ باندی کا بچہ اس کے آقا سے ہو جائے تو یہ اس پر حجر ہے اور اگر بچہ کو اسکے ولی نے تجارت کی اجازت دی تو بچہ خرید و فروخت میں مثل ماذون غلام کے ہے جبکہ وہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہے۔

تشریح:۔ قولہ[1] واذا باع عبد:۔ یعنی ماذون غلام اگر اپنے آقا کے ہاتھ مناسب قیمت سے کوئی چیز فروخت کرے تو جائز ہے۔ یہ حکم اس صورت کا ہے جبکہ اس غلام کے ذمہ قرض ہو کیونکہ اس وقت اس کا آقا اس کے کسب وغیرہ سے مثل اجنبی کے ہے اور اس کے ذمہ قرض نہ ہو تو پھر ان دونوں میں خرید و فروخت نہ ہوگی کیونکہ وہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب آقا کا ہے اور اگر نقصان سے فروخت کرے تو جائز نہیں۔

قولہ[2]:۔ وان باعہ المولی: یعنی اگر آقا اگر اپنے ماذون غلام کے ہاتھ کوئی چیز پوری قیمت یا نقصان سے فروخت کرے تو وہ جائز ہے پس اگر آقا نے قیمت پر اپنا قبضہ کرنے سے پہلے مبیع اس کے حوالہ کر دے تو وہ قیمت باطل ہو جائیگی کیونکہ جب آقا نے قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع اس کے حوالہ کر دے تو قیمت آقا کی طرف سے اس غلام کے ذمہ قرض ہوگئی اور آقا کا غلام کے ذمہ قرض نہیں ہوا کرتا اور جب یہ قیمت باطل ہوگئی تو اب یہ ایسا ہی ہو گیا گویا آقا نے بلا قیمت اسکے ہاتھ بیع کر دی ہے اور قیمت کے باطل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اب آقا اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا البتہ اُسے مبیع واپس کر لینی جائز ہے۔

قولہ[3]:۔ وان امسکہ فی یدہ:۔ یعنی آقا اگر اس بیع کو روک دے، یہاں تک کہ اس کی قیمت وصول

ہو جائے تو جائز ہے اور اگر آقا نے ماذون غلام کو آزاد کر دیا اور اس کے ذمہ بہت سا قرض ہے تو اس کا آزاد کرنا جائز ہے اور اس کے قرضخواہوں کیلئے اس کی قیمت کا آقا پر دینار ہوگا اور اگر اس کی قیمت دیدینے پر کچھ قرض باقی رہ جائے تو اس آزاد شدہ غلام سے طلب کیا جائے۔

قولہ۔ اذا ولدت الماذونۃ :۔ یعنی جب ماذونہ باندی کے اسکی آقا سے بچہ پیدا ہوگیا تو وہ اس پر حجر ہے یعنی وہ اذن سے معزول ہو جائیگی۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ نے کہا کہ محجورنہ ہوگی۔ یہی قول امام زفر کا ہے۔ اسلئے کہ استیلاد ابتداءً اذن کے منافی نہیں تو بقاء بدرجہ اولی منافی نہ ہوگا۔ چونکہ آقا اپنی باندی کو تجارت کی اجازت دے سکتا ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ باندی عادۃً پردہ میں رہتی ہے اور خرید و فروخت کے معاملہ میں آقا اس کے نکلنے اور لوگوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے راضی نہیں ہوتا تو یہ اسکے محجور ہونے کی دلیل ہے۔

کتاب المزارعۃ

ترجمہ :۔ کھیتی کرانے کا بیان

قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی المزارعۃ بالثلث والربع باطلۃ وقالا جائزۃ وھی عندھما علی اربعۃ اوجہ اذا کانت الارض والبذر لواحد والعمل والبقر لواحد جازت المزارعۃ وان کانت الارض لواحد والعمل والبقر والبذر لآخر جازت المزارعۃ وان کانت الارض والبذر والبقر لواحد والعمل لواحد جازت وان کانت الارض والبقر لواحد والبذر والعمل لواحد فھی باطلۃ۔

ترجمہ ـــــــ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تہائی یا چوتھائی پر کھیتی کرنا باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے اور مزارعت ان کے نزدیک چار طریقے پر ہے جب زمین اور بیج ایک کا ہو اور کام اور بیل دوسرے کا ہو تو مزارعت جائز ہے اور اگر زمین ایک کی ہو اور کام اور بیل اور بیج دوسرے کے ہوں تو بھی مزارعت جائز ہے اور اگر زمین اور بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو تو وہ بھی جائز ہے اور اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کے ہوں تو وہ باطل ہے۔

تشریح ـــــــ قولہ کتاب المزارعۃ :۔ مزارعت ماخوذ ہے زارع باب مفاعلت سے از زارع ماخوذ ہے۔ زرع یعنی بونا، بیج ڈالنا ہے اس کو مخابرہ و معاملہ بھی کہا جاتا ہے اور اصطلاح شرع میں اس عقد کو کہا جاتا ہے جو پیدا ہونے والے اناج کی تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر منعقد ہو۔

قولہ۔ قال ابو حنیفۃ :۔ یعنی امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ عقد مزارعت فاسد ہے چونکہ سیدنا

جابر سے مروی ہے سرکارِ مدینہ نے بیع مخابرہ سے منع فرمایا ہے اور بیع مخابرہ بیع مزارعت کو کہا جاتا ہے اور صاحبین جواز کے قائل ہیں اور فتویٰ اسی پر ہے کیونکہ سرکار مدینہ نے خیبر کا نخلستان وہاں کے لوگوں کو بطریق معاملہ اور اس کی زمین بطور مزارعت عنایت فرمائی تھی اور اس لئے بھی کہ لوگوں کو اس کی سخت ضرورت پیش آتی ہے اور جس کی ضرورت سخت پیش آئے وہ جائزہ ہوتا ہے۔

قولہ بالثلث والربع :۔ تہائی اور چوتھائی کے لفظ کو محض تبرک کے طور پر بیان کیا گیا ہے چونکہ اس کو سرکارِ مدینہ نے استعمال فرمایا ہے ورنہ تہائی سے کم اور چوتھائی سے زیادہ کا بھی یہی حکم ہے یا اسلئے کہ علامہ قدوری کے زمانہ میں لوگ ان ہی حصوں پر بٹائیاں کیا کرتے تھے۔

قولہ ،۔ وھی عندھما ،۔ صاحبین جو مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک اسکی چار صورتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں سے پہلی تین صورتیں جائز ہیں اور چوتھی اور ایک صورت ناجائز ہے۔ پہلی تین صورتیں یہ ہے کہ (۱) زمین اور بیج ایک کی ہو اور کام دوسرے کا ہو (۲) زمین ایک کی ہو اور بیل اور بیج دوسرے کا (۳) زمین اور بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو۔

قولہ۔ وان کانت الارض :۔ چوتھی اور ایک صورت جو ناجائز ہے وہ یہ ہے کہ زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کا۔ وہ ناجائز اسلئے ہے کہ اس میں بیل کو بعض خارج کے ساتھ اجرت پر لینا لازم آتا ہے جو ممنوع ہے اس کے علاوہ یہ صورتیں بھی نکلتی ہیں جو ممنوع ہیں کہ (۱) بیج اور بیل ایک کا ہو اور زمین اور عمل دوسرے کا ہو (۲) صرف بیل ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا (۳) صرف بیج ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا۔

ولا تصح المزارعۃ الا علیٰ مدۃٍ معلومۃٍ وان یکون الخارج بینھما مشاعاً فان شرطا لاحدھما قفزاناً مسماۃً فھی باطلۃٌ وکذٰلک اذا شرطا ما علی الماذیانات والسواقی واذا صحت المزارعۃ فالخارج بینھما علی الشرط وان لم یخرج الارض شیئاً فلا شئ للعامل۔

ترجمہ ،۔ اور مزارعت صحیح نہیں ہوتی مگر مدت معلوم پر اور یہ کہ پیداوار ان میں مشترک ہو پس اگر کسی ایک کیلئے معین چیز شرط کرلی تو وہ باطل ہے اور اسی طرح اگر شرط کرلی اس غلہ کی جو پیدا ہو ڈولی اور نالیوں پر اور جب مزارعت صحیح ہو جائے تو پیداوار ان میں شرط کے مطابق ہوگی اور اگر زمین میں کچھ پیدا نہ ہو تو کارندہ کو کچھ نہ ملے گا۔

تشریح :۔ قولہ لا تصح المزارعۃ :۔ یعنی مزارعت مدت معینہ کے بغیر کرنی جائز نہیں اور یہ کہ جو پیداوار ہو وہ ان دونوں میں تقسیم ہو جائے۔ پس اگر وہ دونوں راضی ہو کر اپنے میں سے ایک کیلئے کچھ پیمانے غلہ کے معین کردیں تو یہ مزارعت باطل ہو جائیگی۔ ایک کیلئے پیمانہ معین کر دینے سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ان میں سے زمین والا یہ کہے کہ میں تو دس

مثلاً غلہ دس من لونگا باقی خواہ اس سے کم رہے یا زیادہ وہ میرا ہے اور کاشتکار اس پر راضی ہو جائے تو یہ صورت جائز نہیں کیونکہ شاید دس منوں سے زیادہ غلہ پیدا ہو اور پھر ان میں جھگڑا پڑے یا ایک کو مل جانا اور دوسرے کو بالکل نہ ملنا بھی جائز نہیں۔

قولہ۔ کذلک اذا شرطا:۔ یعنی یہی حکم اس صورت میں ہے یعنی جائز نہیں ہے کہ مینڈوں یا نالیوں پر کھڑے ہونے کھیتی کیلئے شرط کرلیں کیونکہ شاید اس جگہ کے سوا اور جگہ غلہ پیدا نہ ہو اور جب مزارعت درست ہو جائے تو پھر جو کچھ پیداوار ہو اسے دونوں اپنی شرط کے موافق آپس میں تقسیم کرلیں اور اگر اس زمین میں کچھ بھی پیداوار نہ ہو تو پھر محنت اور کاشتکار کیلئے کچھ نہیں۔

واذا فسدت المزارعۃ فالخارج لصاحب البذر فان کان البذر من قبل رب الارض فللعامل اجر مثلہ لا یزاد علی مقدار ما شرط لہ من الخارج وقال محمد لہ اجر مثلہ بالغا ما بلغ وان کان البذر من قبل العامل فلصاحب الارض اجر مثلہا واذا عقدت المزارعۃ فامتنع صاحب البذر من العمل لم یجبر علیہ وان امتنع الذی لیس من قبلہ البذر اجبرہ الحاکم علی العمل واذا مات احد المتعاقدین بطلت المزارعۃ واذا انقضت مدۃ المزارعۃ والزرع لم یدرک کان علی المزارع اجر مثل نصیبہ من الارض الی ان یستحصد والنفقۃ علی الزرع علیہما علی مقدار حقوقہما واجرۃ الحصاد والدیاس والرفاع والتذریۃ علیہما بالحصص فان شرطاہ فی المزارعۃ علی العامل فسدت۔

ترجمہ:۔ —— اور جب مزارعت فاسد ہو جائے تو پیداوار بیج والے کی ہوگی پس اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو تو کارندہ کو اجرت مثل ملیگی جو مشروط پیداوار کی مقدار سے نہیں بڑھے گی اور امام محمد نے فرمایا کہ اسکو اجرت مثل ملیگی جتنی بھی ہو اور اگر بیج عامل کی طرف سے ہو تو زمین والے کو اجرت مثل ملے گی اور جب مزارعت طے ہو گئی پھر بیج والا کام کرنے سے رک گیا تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر وہ شخص رک جائے جس کی طرف سے بیج نہیں تو اس کو حاکم کام کرنے پر مجبور کرے گا اور جب متعاقدین میں سے کوئی مر جائے تو مزارعت باطل ہو جائیگی اور جب مزارعت کی مدت گذر جائے اور کھیتی ابھی نہ پکی ہو تو کاشتکار کو اس زمین کا کرایہ دینا ہوگا جو اس جیسی زمین کا ہوتا ہو کھیتی کٹنے کے بعد اور کھیتی کا صرفہ ان دونوں پر ہوگا ان کے حصوں کے موافق اور کھیتی کاٹنے اور گاہنے اور اکٹھی کرنے اور غلہ صاف کرنیکی اجرت دونوں پر ہوگی حصوں کے مطابق پس اگر مزارعت میں اس کی شرط کرلی کاشتکار کے ذمہ ہونیکی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

تشریح:۔ —— قولہ واذا فسدت المزارعۃ:۔ یعنی مزارعت کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس زمین کی پیداوار بیج والے کی ہوگی پس اگر بیج زمیندار کی طرف سے ہو تو کاشتکار کو اس قدر مزدوری دیجائے جو اس قسم کے کام کرنے والوں کو ملتی ہے اور وہ مزدوری اس مقدار سے نہ بڑھے جو پیداوار میں اس کیلئے مقرر کیا گیا تھا۔ یہ شیخین کا قول ہے لیکن امام محمد نے کہا کہ اس کو اتنی مزدوری دیجائے کہ جو اس کام میں دوسروں کو ملتی ہے خواہ کہیں تک پہونچ جائے

اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہو تو زمیندار کو اس زمین کا اتنا کرایہ ملنا چاہیئے کہ جو ایسی زمینوں کا دستور ہو۔

قولہ۔ اذا عقدت المزارعۃ :۔ یعنی مزارعت کا معاملہ اگر طے ہو جائے اور بیج ڈالنے والا بیج ڈالنے سے انکار کردیا تو اس پر جبر نہ کیا جائے اور اگر اس نے انکار کردیا جس کی طرف سے بیج نہیں تو اس سے کام کرانے پر حاکم جبر کرے اور جب ان دونوں میں سے ایک مرجائے تو وہ مزارعت باطل ہو جائیگی اور اگر مزارعت کی مدت ختم ہو جائے اور کھیتی ابھی پکی نہ ہو تو کھیتی کے کٹنے تک اس کاشتکار کو اس زمین کا وہ کرایہ دینا پڑے گا جو اس زمین کا ہوتا ہے اور کھیتی پر جو خرچ ہو ان دونوں کے حصوں کے موافق دونوں ہی کے ذمہ ہوگا اور کھیتی کاٹنے اور نہ گاہنے اور کاٹنے کے بعد گاہنے کی جگہ اکٹھی کرنے اور غلہ صاف کرنے کیلئے اور انکی مزدوری بھی ان دونوں ہی کے ذمہ ہوگی اور اگر مزارعت میں یہ شرط کرلی تھی کہ یہ خرچہ کاشتکار کے ذمہ ہوگا تو مزارعت فاسد ہے

کتاب المساقات

ترجمہ :۔ شرکت میں پانی دینے کا بیان

قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالے المساقاۃ بجزء من الثمرۃ باطلۃ وقالا جائزۃ اذا ذکر مدۃ معلومۃ وسمی جزء من الثمرۃ مشاعا وتجوز المساقاۃ فی النخل والشجرۃ والکرم والرطاب واصول الباذنجان فان دفع نخلا فیہ ثمرۃ مساقاۃ والثمرۃ تزید بالعمل جاز وان کانت قد انتہت لم یجز واذا فسدت المساقاۃ فللعامل اجر مثلہ وتبطل المساقاۃ بالموت وتفسخ بالاعذار کما تفسخ الاجارۃ

ترجمہ :۔۔۔۔۔۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ کچھ پھل مقرر کرکے مساقات باطل ہے اور صاحبین نے کہا کہ جائز ہے جبکہ وہ معین مدت ذکر کردیں اور پھل کا حصہ بطریق مشاع معین کردیں اور مساقات جائز ہے کھجوروں اور درختوں اور انگوروں اور ترکاریوں اور بینگنوں میں پس اگر کھجور کا پھلدار درخت مساقات پر دیا اور عمل سے پھل بڑھنے والا ہے تو وہ جائز ہے اور اگر پھل کا بڑھنا پورا ہو چکا تو جائز نہیں اور جب مساقات فاسد ہو تو کارندہ کو اجرت مثل ملے گی اور مساقات مرجانے سے باطل ہو جاتی ہے اور عذروں سے فسخ ہو جاتی ہے۔ جیسے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔

تشریح :۔۔۔۔۔۔ قولہ کتاب المساقاۃ :۔ مساقاۃ از باب مفاعلت ماخوذ ہے سقی سے جو بمعنی سینچنا اور سیراب کرنا ہے اور اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنا باغ دوسرے کو اسلئے دیدے کہ وہ درختوں کی پرورش اور ان کی اصلاح اور دیکھ بھال کرے اور جو پھل آئے ان میں شریک ہو۔ یہ بھی مزارعت کی طرح امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسد ہے جبکہ صاحبین اسکو جائز قرار دیتے ہیں۔ فتوی صاحبین کے قول پر ہے

قولہ[۲] ۔ قال ابو حنیفۃ :۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ پودوں میں پھل کا کوئی حصہ مقرر کر کے شرکت میں پانی دینا ممنوع ہے اور صاحبین نے کہا کہ یہ اس وقت جائز ہے جبکہ دونوں کوئی مدت معین کر دیں اور پھل کے حصہ کا نام لے لیں کہ تہائی یا چوتھائی حصہ ملے گا۔ فتویٰ اسی پر ہے۔

قولہ[۳] ۔ تجوز المساقات :۔ یعنی کھجوروں اور عام درختوں اور انگوروں اور بیگنوں وغیرہ میں شرکت سے پانی دینا جائز ہے احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کے قول جدید میں پانی دینا انگوروں اور کھجور کے ساتھ خاص ہے اسلئے کہ قیاس کے خلاف ہونیکے باوجود پانی دینے کا جواز حدیث خیبر کی وجہ سے ہے جس میں صرف ان ہی دو کا ذکر ہے جواب احناف کی طرف سے یہ ہے کہ حدیث خیبر یہ ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عامل اہل خیبر بشطر ما یخرج من تمر او زرع ؛ وہ مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے۔

قولہ[۴] ۔ فان دفع نخلاً :۔ یعنی کسی نے اگر کھجوروں کے پھلدار درخت پانی دینے کیلئے دیدیئے اور وہ پھل جو اُس میں لگے ہوں کچے ہوں جو عامل کی محنت سے بڑھتے ہوں تو وہ دینا جائز ہے اور اگر پھل پک چکے ہوں اور ان کی بڑھوتری ختم ہو چکی ہو تو درست نہیں کیونکہ عامل اپنے عمل کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور جب پھل پک چکے ہوں تو اس کے عمل کا کوئی دخل نہیں پس اگر پکنے کے بعد بھی مساقات کو جائز رکھا تو عامل کا بلا عمل مستحق ہونا لازم آئے گا۔

قولہ[۵] ۔ اذا فسدت المساقاۃ :۔ یعنی پانی دینے کی شرکت اگر فاسد ہو جائے تو پانی دینے والے کو مزدوری ملنی چاہیئے جو اس کام کرنے والے کو دیجاتی ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے مرنے سے شرکت باطل ہو جاتی ہے اور وہ شرکت عذروں سے بھی باطل ہو جاتی ہے جس طرح اجارہ عذروں سے باطل ہو جاتا ہے۔

کتاب النکاح

ترجمہ :۔ نکاح کا بیان

النکاح[۱] ینعقد بالایجاب[۲] والقبول[۳] بلفظین یعبر بھما عن الماضی او یعبر باحدھما عن الماضی[۴] والآخر عن المستقبل مثل ان یقول زوجنی فیقول زوجتک

ترجمہ :۔ ـــــــ نکاح ایجاب وقبول کے ایسے دو لفظوں سے منعقد ہو جاتا ہے جس سے ماضی کو تعبیر کیا جائے یا ان میں سے کسی ایک سے ماضی کو تعبیر کیا جائے اور دوسرے سے مستقبل کو مثلاً یوں کہے کہ تو مجھ سے نکاح کرلے اور مرد کہے کہ میں نے تجھ سے نکاح کرلیا۔

تشریح :۔ ـــــــ قولہ[۱] کتاب النکاح :۔ نکاح لغت میں وطی کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس عقد کو کہ

جو اسلئے مقرر کیا گیا ہو کہ مرد کو عورت سے جماع وغیرہ حلال ہو جائے۔ نکاح فرض بھی ہوتا ہے اور سنت بھی اور مکروہ اور حرام بھی۔ فرض اس وقت ہے جبکہ زنا کے بغیر بچنا ممکن نہ ہو اور اگر حق تلفی کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر ظلم وستم کا یقین ہو تو حرام ہے اور حالت اعتدال میں بعض مشائخ کے نزدیک فرض کفایہ اور بعض کے نزدیک واجب کفایہ اور بعض کے نزدیک واجب عین لیکن حق یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے دلیل میں سرکار مدینہ کا یہ قول ہے۔ (النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

قولہ[۱] النکاح ینعقد: یعنی نکاح ایجاب وقبول کر کے ایسے دو لفظوں سے منعقد ہو جاتا ہے کہ جن سے زمانہ ماضی کو بیان کیا جائے یا ایک سے زمانہ ماضی کو بیان کیا جائے اور دوسرے سے مستقبل کو۔ ماضی کے دونوں لفظ یہ ہیں مثلاً مرد عورت سے کہے کہ میں نے تجھ سے نکاح کر لیا اور عورت کہے کہ میں نے قبول کیا یا کہے کہ میں راضی ہو گئی اور مستقبل کے لفظ سے وہ صیغہ مراد ہے جو امر میں پایا جائے مثلاً ایک یعنی عورت کہے کہ تو مجھ سے نکاح کرلے۔

قولہ[۲] بالایجاب والقبول: ایجاب وقبول نکاح کے ارکان ہیں۔ پہلے جو کہے وہ ایجاب ہے اور اس کے جواب میں دوسرا جو کہے وہ قبول ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ عورت کی طرف سے ایجاب ہو اور مرد کی طرف سے قبول بلکہ اس کا برعکس بھی ہو سکتا ہے۔

قولہ[۳] عن الماضی: یعنی ایجاب وقبول میں سے کسی ایک کا ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے مثلاً یوں کہے کہ میں نے اپنا یا اپنی لڑکی یا اپنی مؤکلہ کا تجھ سے نکاح کیا یا ان کو تیرے نکاح میں دیا وہ کہے میں نے اپنے لئے یا اپنے بیٹے یا مؤکل کیلئے قبول کیا کیونکہ تحقق ووقوع پر صرف ماضی ہی کا صیغہ دلالت کرتا ہے برخلاف صیغۂ حال کہ اس کا الگ سے کوئی وجود نہیں وہ تو اجزاء ماضی اور اجزاء مستقبل سے مرکب ہوتا ہے اور برخلاف استقبال کے کہ وہ بوقت تکلم معدوم المضمون ہوتا ہے اسلئے ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے خواہ ایجاب وقبول دونوں ہوں یا ان میں سے کوئی ایک ہو۔

ولا ینعقد[۱] نکاح المسلمین الا بحضور شاھدین حرین[۲] بالغین عاقلین مسلمین او رجل وامراتین عدولا کانوا او غیر عدول او محدودین فی قذف فان[۳] تزوج مسلم ذمیۃ بشھادۃ ذمیین جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وابی یوسف رحمہ اللہ تعالی وقال محمد رحمہ اللہ لا یجوز الا ان یشھد شاھدین مسلمین

ترجمہ ——— اور مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر دو آزاد بالغ عاقل مسلمان گواہوں کی موجودگی سے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی سے عادل ہوں یا غیر عادل یا تہمت لگانے میں سزا یافتہ ہوں پس اگر مسلمان نے ذمی عورت سے دو ذمیوں کی گواہی پر نکاح کیا ہو تو شیخین کے نزدیک جائز ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں مگر یہ کہ دو مسلمان کو گواہ کرلے۔

تشریح : ــــــ قولہ ولا ینعقد ۔ یعنی مسلمانوں کا نکاح بغیر دو گواہوں کی موجودگی کے نہیں ہو سکتا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ لا نکاح الا بولی وشاهدی عدل یعنی نکاح صحیح نہیں ہوتا مگر دو عادل شاهدوں سے ۔ امام مالک کا کہنا ہے کہ نکاح کیلئے گواہ شرط نہیں صرف اعلان کافی ہے چونکہ ضروری ہے اعلنوا النکاح و اضربوا علیہا بالغربال ۔

قولہ۲ حرین بالغین ۔ یعنی نکاح کے گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے اسلئے کہ شہادت بلا ولایت نہیں ہوتی اور غلام کو خود اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں تو غیر پر کب ہو سکتی ہے ؟ گواہ کا عاقل و بالغ ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ عقل و بلوغ کے بغیر ولایت نہیں ہوتی اسی طرح گواہوں کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے اسلئے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً ۔ البتہ دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہو جائیگا اسی طرح ان کا عادل ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ دو فاسقوں اور محدود فی القذف کی موجودگی میں بھی نکاح درست ہو جائے گا ۔

قولہ۳ فان تزوج مسلم ۔ یعنی کوئی مسلمان اگر کسی ذمی عورت سے دو ذمیوں کی گواہی پر نکاح کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نکاح جائز ہو جائے گا اور امام محمد اور امام زفر نے فرمایا کہ جائز نہ ہوگا جبتک کہ وہ دونوں مسلمانوں کو گواہ نہ کرے کیونکہ ایجاب و قبول کا سننا ہی شہادت ہے اور مسلمانوں کے حق میں کافر کی شہادت نہیں پس یہ مسلمان کا کلام نہ سننے کی منزل میں ہو گیا ۔ شیخین کا کہنا یہ ہے کہ نکاح میں شہادت کا مشروط ہونا وجوب مہر کے اعتبار سے نہیں بلکہ اثبات ملک کے اعتبار سے ہے اور اس پر وہ دونوں ذمی شاہد ہیں لہٰذا ذمیوں کی شہادت معتبر کہلائے گی ۔

ولا۱ یحل للرجل ان یتزوج بامہ ولا بجداتہ من قبل الرجال والنساء ولا ببنتہ ولا ببنت ولدہ وان سفلت ولا باختہ ولا ببنات اختہ ولا بعمتہ ولا بخالتہ ولا ببنات اخیہ ولا بام امراتہ التی دخل بابنتہ اولم یدخل ولا بابنۃ امراتہ التی دخل بہا سواء کانت فی حجرہ او فی حجر غیرہ ولا بامراۃ ابیہ ولا اجدادہ ولا بامراۃ ابیہ ولا اجدادہ ولا بامراۃ ابنہ ولا بنی اولادہ ولا۲ امہ من الرضاعۃ ولا باختہ من الرضاعۃ

ترجمہ ــــــ اور مرد کیلئے حلال نہیں کہ وہ اپنی ماں سے نکاح کرے اور نہ اپنی دادی سے مردوں کی طرف سے اور نہ عورتوں کی طرف سے اور نہ اپنی بیٹی سے نکاح جائز ہے اور نہ اپنی پوتی سے اگرچہ نیچے کی ہوں اور نہ اپنی بہن سے اور نہ اپنی بھانجیوں سے اور نہ اپنی پھوپھی سے اور نہ اپنی خالہ سے اور نہ بھتیجیوں سے اور نہ اپنی ساس سے خواہ اسکی بیٹی سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کر چکا ہو اور نہ اپنی اس بیوی کی بیٹی سے کہ جس سے وہ صحبت کر چکا ہو ۔ وہ لڑکی اس کی پرورش میں ہو یا کسی غیر کی اور نہ اپنے باپ اور دادا کی بیوی سے اور نہ اپنی بہو سے اور نہ پوتوں کی بیوی سے اور نہ اپنی رضاعی ماں سے اور نہ رضاعی بہن سے ۔

تشریح: —— قولہ[۱] ولا یحل للرجل: یعنی مرد کو اپنی ماں اور بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے اگرچہ دور کی ہوں جیسے دادی۔ نانی۔ پردادی پرنانی اگرچہ کتنی ہی اوپر کی ہوں سب حرام ہیں اور یہ سب ماں میں داخل ہیں کہ وہ باپ یا ماں یا دادا و دادی، نانا، نانی کی مائیں ہیں کہ ماں سے مراد وہ عورت ہے جس کی اولاد میں یہ ہے بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ اور بیٹی سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اسکی اولاد میں ہیں لہذا پوتی پرپوتی نواسی پرنواسی اگرچہ درمیان میں کتنی پشتوں کا فاصلہ ہو سب حرام ہیں خواہ حقیقی ہوں یعنی ماں باپ سے یا سوتیلی کہ باپ دونوں کا ایک ہو اور مائیں دو ہوں یا ماں ایک ہو اور باپ دو سب حرام ہیں اور باپ۔ ماں۔ دادا۔ دادی۔ نانا۔ نانی وغیرہم اصول کی پھوپھیاں یا خالائیں اپنی پھوپھی اور خالہ کے حکم میں ہیں خواہ وہ حقیقی ہوں یا سوتیلی یونہی حقیقی یا علاّتی پھوپھی کی پھوپھی یا حقیقی یا اخیافی خالہ کی خالہ اور بھتیجی اور بھانجی سے بھائی بہن کی اولادیں مراد ہیں ان کی پوتیاں، نواسیاں یہ تمام آیت کریمہ لا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء الخ میں داخل ہیں۔

قولہ[۲] ولا امہ من الرضاعۃ: جن رشتوں کی حرمت نسب کی وجہ سے اوپر مذکور ہوئی وہ تمام رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام ہیں چونکہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب لہذا رضاعی ماں، بہن، دادی، نانی بھتیجی بھانجی وغیرہ غرضیکہ دودھ پلانے والی دایہ کی تمام رشتہ والی عورتیں دودھ پینے والے پر حرام ہیں۔

ولا یجمع[۱] بَیْنَ الاختَیْنِ بنکاحٍ ولا بملکِ یمینٍ وطئًا ولا یجمع بین المرأۃِ وعمّتِہا او خالتِہا ولا ابنۃِ اختہا ولا ابنۃِ اخیہا ولا یجمع بین امرأتَیْنِ لو کانت کلُّ واحدۃٍ منہما رجلًا لم یجز لہٗ ان یتزوج بالاخریٰ ولا بأسَ بان یجمع بین امرأۃٍ وابنۃِ زوجٍ کان لہا من قبل ومَن زنیٰ بامرأۃٍ حرمت علیہ امہا وابنتہا واذا طلّق الرجلُ امرأتہٗ طلاقًا بائنًا لم یجز لہ ان یتزوج باختہا حتی تنقضی عدتہا ولا یجوز للمولیٰ ان یتزوج امتہٗ ولا المرأۃُ عبدَہا ویجوز تزویجُ الکتابیاتِ ولا یجوز تزویجُ المجوسیاتِ ولا الوثنیاتِ ویجوز تزویجُ الصابیاتِ ان کانوا یؤمنون بنبیٍّ ویقرّون بکتابٍ وان کانوا یعبدون الکواکبَ ولا کتابَ لہم لم یجز مناکحتہم

ترجمہ: —— اور سگی دو بہنوں کو نکاح میں جمع نہ کرے اور نہ صحبت میں اور نہ ملک یمین کے ذریعہ اور نہ جمع کرے عورت اور اسکی پھوپھی یا خالہ کو اور نہ اسکی بھانجی کو اور نہ اسکی بھتیجی کو اور نہ ایسی دو عورتوں کو کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک اگر مرد ہو جائے تو اس کیلئے دوسری سے نکاح جائز ہو اور کوئی حرج نہیں جمع کرنے میں عورت اور اسکے پہلے شوہر کی لڑکی کو اور جس نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو گئی اور جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی یا رجعی تو جائز نہیں یہ کہ وہ اسکی بہن سے نکاح کرے یہاں تک کہ اسکی عدت گذر جائے اور اس کے آقا کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنی باندی سے نکاح کرے اور نہ عورت اپنے غلام سے اور کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے جائز نہیں اور صابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہے اگر وہ کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں اور کتاب پڑھتی

ہوں اور اگر ستاروں کو پوجتی ہوں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ ہو تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں

تشریح: قولہ[۱] ولا یجمع بین الاختین، یعنی سگی دو بہنوں کو صحبت میں اور نہ نکاح کے ذریعہ جمع کرنا جائز ہے اور نہ ملک یمین یعنی خرید کر چنانچہ ارشاد باری تعالے ہے وان تجمعوا بین الاختین البتہ اگر کسی عورت سے نکاح فاسد کیا پھر اس کی بہن سے نکاح صحیح کیا تو جائز ہے چونکہ نکاح فاسد میں صرف وطی حلال نہیں۔ حلت و حرمت کیلئے ایک قاعدہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر ایک ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا جائز نہیں کہ جن میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کیلئے دوسری حلال نہ ہو۔ مثلاً دو بہنوں کو کہ ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے تو بھائی بہن کا رشتہ ہوا یا پھوپھی بھتیجی کا کہ پھوپھی کو مرد فرض کیا جائے تو چچا بھتیجی کا رشتہ ہوا اور بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو پھوپھی بھتیجے کا رشتہ ہوا یا خالہ بھانجی کا کہ خالہ کو اگر مرد فرض کیا جائے تو ماموں بھانجی کا رشتہ ہوا اور بھانجی کو مرد فرض کیا جائے تو بھانجے اور خالہ کا رشتہ ہوا ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں بلکہ اگر طلاق دیدی ہو اگرچہ تین طلاقیں ہوں تو جبتک عدت نہ گزرے دوسری سے نکاح نہیں کر سکتا۔

قولہ[۲] ومن زنی بامراۃ، یعنی کسی ا[illegible] مرد نے کسی عورت سے زنا کر لیا تو اس عورت کی ماں اور بیٹی اس [illegible] حرام ہو جائیں گی یعنی اس زانی مرد اور زانیہ عورت میں حرمت م[illegible] ثابت ہو جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس عورت کی ماں اور بیٹی سے اس کو نکاح کرنا جائز نہ ہوگا اور یہی حکم اس صور[illegible] میں ہے کہ جب [illegible] مرد کسی عورت کو شہوت کی حالت میں دیکھ لے یا ہاتھ لگا دے چونکہ سرکار مدینہ نے فرمایا کہ من مس امراۃ بشھوۃ حرمت علیہ امھا وبنتھا اور یہی مذہب سیدنا عمر اور عمران بن حصین اور جابر بن عبداللہ وغیرہ بہت سے صحابۂ کرام کا ہے۔

قولہ[۳] اذا طلق الرجل، یعنی جس کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی یا طلاق رجعی بہر دو تقدیر اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے اسکی بہن سے اس مرد کو نکاح کرنا جائز نہیں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک نے کہا کہ اگر اس کی عدت تین طلاقوں یا طلاق بائن کی ہو تو اسکی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے اسلئے کہ اس صورت میں نکاح بالکل ختم ہو چکا اس وجہ سے اگر وہ حرمت کا علم رکھتے ہوئے اس سے صحبت کرے تو حد واجب ہوگا۔ دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا یہ قول ہے ان لا تنکح امراۃ فی عدۃ اختھا یعنی عورت کو اسکی سگی بہن کی عدت میں نکاح نہ کرو؟ اور اس لئے بھی کہ نکاح بالکل ختم نہیں ہے کیونکہ اس کے احکام باقی ہیں مثلاً نان و نفقہ کا وجوب عورت کے حق میں خروج کا ممنوع ہونا وغیرہ وغیرہ۔

قولہ[۴] لا یجوز للمولی، یعنی آقا کو اپنی باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں اور نہ عورت کو اپنے غلام سے نکاح کرنا جائز ہے اہل کتاب مثلاً انگریز اور یہود کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور آتش پرستوں اور بت پرستوں کی عورت سے کرنا جائز نہیں اور صابیہ عورتیں اگر کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں اور کسی آسمانی کتاب کے حق ہونے کا مقر ہوں تو ان سے بھی نکاح کرنا جائز ہے اور اگر وہ ستارہ پرست ہوں اور آسمانی کتاب کو نہ مانتی ہوں تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ مشرک ہیں۔

ویجوز[۱] للمحرم والمحرمۃ ان یتزوجا فی حالۃ الاحرام وینعقد[۲] نکاح المرأۃ الحرۃ البالغۃ العاقلۃ برضاھا و

اِن لم یَعقِد علیھا ولیٌّ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ بکرًا کانت اَو ثیّبًا وقالا لا ینعقِدُ الّا باذنِ ولیٍّ
ولا یجوز للولی اجبار البکرِ البالغۃِ العاقلۃِ۔

ترجمہ ـــــ اور محرم مرد اور محرمہ عورت کیلئے جائز ہے کہ وہ احرام کی حالت میں نکاح کریں اور عاقل بالغ آزاد عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ اس کے ولی نے نہ کیا ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک باکرہ ہو یا ثیبہ اور صاحبین نے کہا منعقد نہیں ہوگا مگر ولی کی اجازت سے اور ولی کیلئے جائز نہیں کنواری بالغ کو مجبور کرنا۔

تشریح ـــــ قولہ یجوز للمحرم۔ یعنی محرم مرد اور محرمہ عورت کو حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے البتہ صحبت کرنا جائز نہیں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی عدم جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل سرکار مدینہ کا یہ قول ہے لا ینکح المحرم ولا ینکح دلیل احناف کی یہ ہے کہ سیدنا ابوہریرہ اور عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ سرکار مدینہ نے حضرت میمونہ سے حالت احرام میں نکاح کیا تھا۔

قولہ ینعقد نکاح المرأۃ۔ یعنی آزاد بالغہ عاقلہ عورت کا نکاح اس کے راضی ہو جانے پر ہو جاتا ہے اگرچہ اس کے ولی نے نکاح نہ کیا ہو وہ عورت عام ہے کہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ ثیبہ شوہر دیدہ عورت کو کہا جاتا ہے یعنی وہ عورت جس کا شوہر اس سے وطی کر چکا ہو اور اسکے باکرہ پن کو زائل کر چکا ہو یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین کا قول یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا کیونکہ سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے لا نکاح الا بولی۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل رب تعالے کا یہ قول ہے کہ عورتوں کیلئے نکاح کا اختیار حاصل ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن حتی تنکح زوجًا غیرہٗ۔

قولہ لایجوز للولی اجبار۔ یعنی ولی کو باکرہ عاقلہ بالغہ لڑکی پر زبردستی کرنا اور اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کر دینا جائز نہیں اسلئے کہ عاقلہ بالغہ ہونے کی وجہ سے ولایت اجبار ساقط ہو جاتی ہے سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ باکرہ لڑکی کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور باکرہ بالغہ عورت کے ولی نے اس سے نکاح کی اجازت چاہی اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا بلا آواز رو پڑی تو اس کا یہ عمل رضا کی دلیل ہے چونکہ سرکار مدینہ کا یہ قول ہے سکوتھا اذنھا اور سکوت کی بہ نسبت ہنسنے کی دلالت رغبت کے اظہار پر زیادہ ہے اسلئے کہ ضحک، سکوت کے ساتھ لاحق ہے۔

واذا استأذنھا الولیُّ فسکتت او ضحکت او بکت بغیر صوتٍ فذلک اذنٌ منھا وان اَبَتْ لم یزوّجھا واذا استأذن الثیبَ فلا بدّ من رضائھا بالقولِ واذا زالت بکارتُھا بوثبۃٍ او حیضۃٍ او جراحۃٍ او تعنیسٍ فھی فی حکم الابکارِ وان زالتْ بکارتُھا بالزنا فھی کذٰلک عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ وقالا رحمھما اللّٰہ ھی فی حکم الثیب، واذا قال الزوجُ للبکرِ بلغکِ النکاحُ فسکتِّ وقالت بل رددتُ فالقول

قولہما ولا یمین علیہا ولا یستحلف فی النکاح عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا یستحلف فیہ وینعقد[۳] النکاح بلفظ النکاح والتزویج والتملیک والھبۃ والصدقۃ ولا ینعقد بلفظ الاجارۃ والاعارۃ والاباحۃ

ترجمہ :۔ اور جب ولی نے کنواری لڑکی سے اجازت چاہی پس وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی۔ یا بلند آواز سے رو پڑی۔ تو یہ اسکی طرف سے اجازت ہے اور اگر ثیبہ سے اجازت چاہی تو اس کی رضا قول کے ساتھ ضروری ہے اور جب لڑکی کا کنوارہ پن زائل ہو جانے کو دے یا حیض آنے یا زخم ہونے یا مدت تک بیٹھی رہنے کے باعث تو وہ کنواری کے حکم میں ہے اور اگر کنوارا پن زنا کے باعث زائل ہو جائے تب بھی کنواری کے حکم میں ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کہتے ہیں کہ وہ ثیبہ کے حکم میں ہے۔ اور جب شوہر نے باکرہ سے کہا کہ تجھے نکاح کی خبر ملی اور تو خاموش رہی اس نے کہا نہیں میں نے تو انکار کر دیا تھا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اس پر قسم نہ ہوگی اور نکاح میں قسم نہیں لی جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے کہا کہ قسم لی جائے گی اور نکاح منعقد ہوتا ہے لفظ نکاح اور تزویج اور تملیک اور ہبہ اور صدقہ سے اور منعقد نہیں ہوتا لفظ اجارہ اور اباحت سے۔

تشریح :۔ قولہ[۱] اذا استاذنہا :۔ یعنی ولی نے اگر باکرہ سے اجازت مانگی اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا بغیر آواز نکالے رونے لگی تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہے اور اگر اس نے صاف کر دیا تو پھر وہ اس کا نکاح نہ کرے اور جب ولی ثیبہ سے اجازت مانگے تو اس کی رضامندی زبان سے کہدینے کے ساتھ ہونی چاہیئے یعنی وہ یہ کہدے کہ میں راضی ہوں اور اگر وہ خاموش رہے تو اجازت نہ ہوگی اور اگر کسی لڑکی کا باکرہ پن کودنے سے یا حیض کی زیادتی سے یا زیادہ دنوں تک بیٹھے رہنے سے زائل ہو تو جائے تو وہ کنواری ہی کے حکم میں ہے اور اگر زنا سے زائل ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ بھی کنواری ہی کے حکم میں ہے اور صاحبین نے کہا کہ وہ ثیبہ کے حکم میں ہے۔

قولہ[۲] ۔ اذا قال الزوج :۔ یعنی باکرہ کا نکاح ہونے کے بعد شوہر نے اگر باکرہ سے کہا کہ تیرے ساتھ میرا نکاح ہونے کی تجھے خبر پہونچی تھی اور تو خاموش ہو گئی تھی اس نے کہا نہیں بلکہ میں نے انکار کر دیا تھا تو قول لڑکی کا معتبر ہوگا اور اُسے قسم نہ دیجائے گی اور نکاح میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک کسی کو قسم نہ دیجائے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ اس میں بھی قسم دیجائیگی۔ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ[۳] ینعقد النکاح :۔ یعنی نکاح ان پانچ لفظوں میں سے کسی ایک کے کہنے سے ہو جاتا ہے وہ یہ ہے (۱) لفظ نکاح (۲) تزویج (۳) تملیک (۴) ہبہ (۵) صدقہ۔ کیونکہ یہ عین شئی کی تملیک کیلئے موضوع ہیں۔ مثلاً مرد عورت سے کہے کہ میں نے تجھ سے نکاح کر لیا۔ تجھے اپنی بیوی بنا لیا یا عورت مرد سے کہے کہ میں نے اپنی جان کا تمہیں مالک کر دیا۔ یا اپنی جان تمہارے لئے ہبہ کر دی یا صدقہ کر دی تو ان لفظوں سے نکاح ہو جائے گا۔ ہدایہ میں ہے کہ بیع کے لفظ سے بھی نکاح ہو جاتا ہے اور یہی صحیح بھی ہے مثلاً عورت مرد سے کہے کہ میں نے اپنی جان تمہارے اوپر بیع کر دی یا اسکے باپ کہے کہ اتنی مہر کے عوض میں نے اپنی

لڑکی تمہارے ہاتھ بیع کردی تو اسکے بھی نکاح ہوجائے گا اور اجارہ اور اعارہ اور اباحت کے لفظ سے نکاح نہیں ہوتا کیونکہ یہ تملیک عین متعہ کیلئے موضوع نہیں بلکہ تملیک منفعت کیلئے موضوع ہیں۔

ویجوز[1] نکاح الصغیر والصغیرۃ اذا زوجہا الولی بکراً کانت الصغیرۃ او ثیباً والولی ھو العصبۃ فان زوجہما الاب او الجد فلاخیار لہما بعد البلوغ وان[2] زوجہما غیر الاب والجد فلکل واحد منہما الخیار ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ولا ولایۃ[3] لعبد ولا لصغیر ولا لمجنون ولا لکافر علی مسلمۃ وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ یجوز لغیر العصبات من الاقارب التزویج مثل الاخت والام والخالۃ ومن لا ولی لہا اذا زوجہا مولاہا الذی اعتقہا جاز واذا غاب الولی الاقرب غیبۃ منقطعۃ جاز لمن ھو البعد منہ ان یزوجہا والغیبۃ المنقطعۃ ان یکون فی بلد لا تصل الیہ القوافل فی السنۃ الا مرۃ واحدۃ

ترجمہ ——— اور چھوٹے لڑکا اور لڑکی کا نکاح جائز ہے جبکہ ان کے ولی نے شادی کرایا ہو۔ چھوٹی لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور ولی عصبہ ہوتا ہے پس اگر ان کے باپ اور دادا نے شادی کرایا تو ان کو بالغ ہونیکے بعد اختیار نہ ہوگا اور اگر باپ دادا کے علاوہ نے شادی کرایا تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا اگر چاہے نکاح پر قائم رہے اور اگر چاہے فسخ کردے اور غلام اور بچہ اور دیوانہ اور کافر کو مسلمان عورت پر ولایت نہیں اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ رشتہ داروں میں سے غیر عصبات کو شادی کردینا جائز ہے جیسے بہن اور ماں اور خالہ اور جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اور اس کی شادی وہ آقا سے کردے جس نے اس کو آزاد کیا ہے تو وہ جائز ہے اور جب کوئی قریبی ولی غائب بغیبت منقطعہ ہو تو اس سے دور کے ولی کیلئے جائز ہے کہ وہ اسکی شادی کرادے اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے سال بھر میں صرف ایکبار جاتے ہوں

تشریح ——— قولہ[1] یجوز نکاح الصغیر: یعنی نابالغ لڑکا اور نابالغ لڑکی کا نکاح ان دونوں کا ولی کردے تو وہ نکاح جائز ہوجاتا لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور ولی سے مراد عصبہ ہے اور ولی باب نکاح میں وہی ہوتا ہے جو باب وراثت میں عصبہ بنفسہ ہوتا ہے یعنی لڑکا۔ پوتا۔ پرپوتا وغیرہ پھر باپ دادا پردادا پھر بھائی پھر چچا پھر مولی کے عصبات پھر ذوی الارحام یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ کسی دوسرے کو ولایت نکاح حاصل نہیں یہی قول امام مالک کا بھی ہے۔

قولہ[2] وان زوجہما: کمسن یعنی نابالغ لڑکا یا نابالغ لڑکی کا نکاح اگر ان کے باپ دادا نے کرایا ہے تو بالغ ہونیکے بعد اس نکاح کے رکھنے یا نہ رکھنے کا کسی کو اختیار نہیں اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے نے نکاح کرایا ہے تو نکاح ہونیکے بعد ان دونوں کو اختیار حاصل ہے چاہے اس نکاح کو باقی رکھیں اور چاہے فسخ کردیں۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ ان کو بھی کوئی اختیار نہیں جس طرح باپ دادا کے نکاح کرنے پر کوئی اختیار نہیں جس طرح باپ دادا کے نکاح کرنے پر کوئی اختیار نہیں۔ دلیل طرفین یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ کو اتنی محبت نہیں ہوتی جتنی کہ باپ دادا

کو ہوتی ہے پس اگر ان کے عقد کو لازم قرار دیا جائے تو باپ دادا کے مقاصد میں خلل واقع ہو جائے گا۔

قولہ[۳] ولا ولایۃ۔ یعنی نابالغ لڑکا اور دیوانہ اور کافر میں سے کسی کی ولایت مسلمان عورت پر نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب کسی کا کوئی عصبہ نہ ہو تو رشتہ داروں میں سے کسی غیر عصبات کو بھی نکاح کر دینا جائز ہے جیسے ماں۔ بہن۔ خالہ اور اگر کسی عورت کا کوئی ولی نہ ہو اور اس کا نکاح وہ آقا کر دے کہ جس نے اُسے آزاد کر دیا تھا تو وہ نکاح ہو جائے گا اور جب کسی عورت کے دو ولی ہوں ایک قریب کا اور دوسرا دور کا اور قریب کا ولی بغیبت منقطعہ غائب ہو جائے تو اس سے دور کے ولی کو اس لڑکی کا نکاح کرنا جائز ہے۔ اب اگر اس کے بعد اس کا قریبی ولی آجائے تو دور والے ولی کا کیا ہوا نکاح باطل نہ ہوگا کیونکہ وہ اسکی کامل ولایت سے ہوا ہے۔

والکفاءۃ[۱] فی النکاحِ معتبرۃٌ فاذا تزوجت المرأۃ بغیرِ کفوءٍ فللاولیاءِ ان یفرقوا بینہما والکفاءۃ[۲] تعتبر فی النسبِ والدینِ والمالِ وھو ان یکون مالکاً للمھرِ والنفقۃِ وتعتبر فی الصنائعِ واذا[۳] تزوجت المرأۃُ ونقصت من مھرِ مثلِھا فللاولیاءِ الاعتراضُ علیھا عند ابی حنیفۃ رحمہُ اللہ تعالیٰ حتی یتمَّ لھا مھرَ مثلِھا او یفرقھا واذا زوج الابُ ابنتہٗ الصغیرۃَ ونقص من مھرِ مثلِھا او ابنہٗ الصغیر وزاد فی مھرِ امرأتہٖ جاز ذلک علیھما ولا یجوز ذلک لغیرِ الابِ والجدِ۔

ترجمہ: —— اور کفو نکاح میں معتبر ہے پس جب عورت غیر کفو میں شادی کرے تو ان اولیاء کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ان میں جدائی کرا دے اور کفو معتبر ہے ان میں اور دین میں اور مال میں اور وہ یہ ہے کہ شوہر مہر اور نان و نفقہ کا مالک ہو اور پیشوں میں اعتبار کیا جائے گا اور جب عورت نے شادی کر لی اور مہر اپنی مہر مثل سے کم کر لیا تو اولیاء کو ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر اعتراض کرنے کا حق ہے یہاں تک کہ مہر مثل پورا کر دے یا اس سے جدا ہو جائے اور جب باپ نے اپنی چھوٹی لڑکی کی شادی کی اور اسکی مہر مثل سے کم کر دیا یا اپنے چھوٹے لڑکا کی شادی کی اور اسکی بیوی کی مہر بڑھا دیا تو وہ ان دونوں کے حق میں جائز ہے اور باپ و دادا کے علاوہ کسی کیلئے جائز نہیں۔

تشریح: —— قولہ[۱] والکفاءۃ فی النکاح۔ یعنی جب کوئی عورت غیر کفو سے نکاح کرے تو اس کے ولیوں کو ان دونوں میں جدائی کر دینے کا اختیار ہے اور کفو ہونا نسب میں اور دینداری میں اور مال میں معتبر ہے اور مال میں کفو ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس عورت کی مہر اور نان و نفقہ دے سکے اور پیشوں میں بھی اس کا اعتبار کیا جاتا ہے اور یہ اعتبار صرف مرد کی جانب سے ہے کیونکہ شریف عورت کو کمتر کا فراش بننا ناگوار ہوتا ہے برخلاف مرد کے کہ وہ طالب فراش ہوتا ہے جس کیلئے کمتری فراش ننگ و عار نہیں پھر کفو ولیوں کا حق ہے۔ عورت کا نہیں پس اگر وہ کفو کے علاوہ میں شادی کرے تو ولی ان کے درمیان جدائی کر سکتا ہے۔

قولہ[۲] والکفاءۃ تعتبر۔ یعنی مذکورہ چار امور میں کفو ضروری ہے لیکن نسب میں اسلئے ضروری ہے کہ لوگ نسب میں

فخر کرتے ہیں اور دین میں اسلئے کہ دینداری سب سے زیادہ قابل فخر چیز ہے لہذا صالح عورت اور فاسق و فاجر مرد میں کفو نہیں اور پیشوں میں اسلئے کہ لوگ شریف پیشوں پر بھی فخر کرتے ہیں پس خاکروب سونار کا اور تیلی عطار کا کفو نہیں ہو سکتا اور مال میں اتنا کہ بطور رواج مہر معجل اور نفقہ پر قدرت رکھ سکے۔

قولہ۔ اذا تزوجت المرأۃ۔ یعنی کسی عورت نے اگر اپنا نکاح کر لیا اور مہر مثل سے اپنی مہر کم کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے ولیوں کو اس پر روک لینے کا اختیار ہے یہاں تک کہ اس کا شوہر یا تو مہر مثل پورا کر دے یا اُسے طلاق دیدے اور جب باپ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا اور اس کی مہر مثل سے کم ٹھہرایا یا اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح کر دیا اور اسکی بیوی کی مہر زیادہ کر دیا تو یہ ان دونوں کے حق میں جائز ہے اور باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے کو ایسا کرنا جائز نہیں۔

ویصح النکاح اذا سمّی فیہ مھراً ویصح النکاح وان لم یسم فیہ مھراً واقل المھر عشرۃ دراھم فان سمّی اقل من عشرۃ فلھا عشرۃ ومن سمّی مھراً عشرۃ فما زاد فعلیہ المسمّی ان دخل بھا او مات عنھا فان طلقھا قبل الدخول والخلوۃ فلھا نصف المسمّی وان تزوجھا ولم یسم لھا مھراً او تزوجھا علی ان لا مھر لھا فلھا مھر مثلھا ان دخل بھا او مات عنھا وان طلقھا قبل الدخول بھا والخلوۃ فلھا المتعۃ وھی ثلاثۃ اثواب من کسوۃ مثلھا وھی درع وخمار وملحفۃ۔

ترجمہ:۔ ــــــ اور نکاح صحیح ہو جاتا ہے جبکہ مہر کا ذکر کیا جائے اور نکاح صحیح ہو جاتا ہے اگرچہ مہر کا ذکر نہ کیا جائے اور مہر کی کمتر مقدار دس درہم ہیں پس اگر دس درہم سے کم مہر ٹھہرایا تو عورت کو دس ہی ملیں گے اور اگر دس یا دس سے زائد ٹھہرائے تو اس کو مقرر کردہ ملے گا اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا پس اگر اس کو طلاق دیدی صحبت اور خلوت سے پہلے تو عورت کو مہر مسمی ملے گا پس اگر عورت سے شادی کی اور مہر نہیں ٹھہرایا یا شادی کی اس شرط پر کہ اس کیلئے مہر نہ ہوگی تو اس کو مہر مثل ملے گی اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا اور اگر اسکو صحبت یا خلوت سے پہلے طلاق دیدی تو اس کیلئے متعہ ہے اور متعہ تین کپڑے ہیں اسکی پوشاک کی مانند اور وہ کرتی اور اوڑھنی اور چادر ہے۔

تشریح:۔ ــــــ قولہ یصح النکاح:۔ مہر کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے بہر دو صورت نکاح صحیح ہو جاتا ہے بلکہ اس وقت بھی جبکہ مہر کی نفی کر دی جائے اسلئے کہ نکاح عقد انضمام و اتصال کو کہا جاتا ہے جس کے مفہوم میں مال داخل نہیں چنانچہ قرآن کریم لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ سے مستفاد ہے کہ بلا تقدیر مہر بھی طلاق کا وقوع ہو جاتا ہے جبکہ وقوع طلاق کیلئے عقد صحیح ضروری ہے جس سے یہ ظاہر ہوا کہ نکاح کی صحت کیلئے ذکر مہر کوئی ضروری نہیں۔

قولہ۔ اقل المھر:۔ یعنی مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہیں پس اگر کسی نے دس سے بھی کم ٹھہرائے تو وہ عورت

دس درہم کی مستحق ہوگی یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ ہے کہ جو چیز بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ نکاح میں بھی مہر بن سکتی ہے اسلئے کہ مہر عورت کا حق ہے تو وہ جس مقدار پر راضی ہوجائے وہی مہر ہے دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہوسکتی۔

قولہ۔ فان طلقها قبل۔ یعنی اگر کسی نے صحبت یا خلوت کرنے سے پہلے طلاق دیدی تو اس عورت کو نصف مہر ملے گی اور اگر کسی نے نکاح کرلیا اور اس عورت کی مہر کچھ نہیں ٹھہرایا یا اس شرط پر نکاح کیا کہ اسے مہر نہ ملے پھر اس سے صحبت کرلی یا مرگیا تو اس عورت کو مہر مثل ملے گی اور اگر مہر نہ ہونے کی شرط پر نکاح کیا تھا پھر اس سے صحبت اور خلوت کرنے سے پہلے طلاق دیدی تو اس سے عورت کیلئے متعہ یعنی قمیص۔ چادر۔ اوڑھنی واجب ہوں گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور عبداللہ بن عباس سے متعہ کی یہی مقدار مروی ہے۔ قال اللہ تعالےٰ متعوهن على الموسع قدرہٗ اور امام مالک مستحب کے قائل ہیں چونکہ اللہ تعالےٰ نے اس کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ آیت کریمہ میں متعوا امر کا صیغہ اور لفظ علیٰ اور متاعاً مصدر موکدہ پر تمام وجوب پر دال ہیں۔

وان تزوجها المسلم على خمرٍ او خنزيرٍ فالنكاح جائزٌ ولها مهرُ مثلها وان تزوجها ولم يسمِّ لها مهراً ثم تراضيا على تسمية مهرٍ فهو لها ان دخل بها او مات عنها وان طلقها قبل الدخولِ بها والخلوة فلها المتعةُ وان زاد في المهر بعد العقدِ لزمته الزيادةُ ان دخل بها او مات عنها وتسقط الزيادةُ بالطلاقِ قبل الدخولِ فان حطت من مهرها صح الحطُ واذا خلا الزوجُ بامراةٍ وليس هناك مانعٌ من الوطى ثم طلقها فلها كمالُ مهرِها وان كان احدُهما مريضاً او صائماً في رمضان او محرماً بحجٍ او عمرةٍ او كانت حائضاً فليست بخلوةٍ صحيحةٍ ولو طلقها فيجب نصفُ المهرِ واذا خلا المجبوبُ بامراةٍ ثم طلقها فلها كمالُ المهرِ عند ابي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ ويستحب المتعة لكل مطلقةٍ الا لمطلقةٍ واحدةٍ وهي التي طلقها قبلَ الدخولِ ولم يسم لها مهراً

ترجمہ:۔ اور اگر مسلمان نے شراب یا خنزیر پر شادی کی تو نکاح جائز ہے اور عورت کو مہر مثل ملے گی اور اگر شادی کی اور مہر نہیں ٹھہرایا پھر دونوں مہر کی کسی مقدار پر راضی ہوگئے تو اس کو وہی ملے گی اگر اس سے صحبت کرلی یا مرگیا اور اگر صحبت یا خلوت سے پہلے طلاق دیدی تو اس کو متعہ ملے گا پس اگر عقد کے بعد مہر بڑھا دیا تو شوہر پر اضافہ لازم ہوگا اگر صحبت کرلی یا مرگیا اور صحبت سے قبل طلاق دینے سے اضافہ ساقط ہوجائے گا اور اگر عورت نے شوہر سے کچھ مہر کم کردیا تو کم کرنا صحیح ہے اور جب شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت اختیار کیا اور وہاں وطی کرنے سے کوئی مانع نہ تھا پھر اسکو طلاق دیدی تو عورت کو پوری مہر ملے گی اور اس پر عدت بھی ہوگی اور اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو یا رمضان میں روزہ دار ہو یا حج و عمرہ کا احرام باندھے ہو یا عورت حائضہ ہو تو خلوت صحیح نہیں اور مقطوع الذکر نے اپنی لڑکی بیوی کے ساتھ خلوت کی پھر طلاق دیدی تو پوری مہر ملے گی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور متعہ ہر مطلقہ کیلئے مستحب ہے سوائے ایک مطلقہ کے اور وہ عورت ہے جس کو صحبت سے پہلے طلاق دیدی اور اس کیلئے مہر نہیں ٹھہرایا۔

تشریح ـــــ قولہ[۱] وان تزوجها المسلم :۔ یعنی اگر مسلمان نے کسی عورت سے شراب یا سور پر نکاح کرلیا یعنی مہر میں یہ چیزیں دینی طے کرلی تو یہ نکاح جائز ہے اور اس عورت کیلئے مہر مثل واجب ہوگی اور اگر کسی عورت سے نکاح کرلیا اور کچھ مہر مقرر نہیں کیا پھر دونوں ایک معین مہر پر راضی ہوگئے تو اب اگر اس نے اس سے صحبت کرلی یا مرگیا تو اس عورت کیلئے وہی مہر واجب ہوگی جس پر دونوں رضامند ہوگئے تھے اور اگر اس صحبت اور خلوت کرنے سے پہلے ہی طلاق دی تو اس کیلئے متعہ واجب ہوگا اور اگر کسی مرد نے نکاح کرنے کے بعد مہر زیادہ کردیا پھر اس نے اس عورت سے صحبت کرلی یا مرگیا تو وہ زیادہ کیا ہوا اُسے دینا لازم ہوگا اور صحبت کرنے سے پہلے طلاق دینے کی وجہ سے یہ زیادتی ساقط ہوجائیگی اور اگر کوئی عورت اپنی مہر کم کردے تو اس کا کم کرنا جائز ہے اور اگر شوہر اپنی بیوی سے خلوت کرچکا ہے اور صحبت کرنے سے وہاں کوئی مانع نہ تھا اور پھر اس نے طلاق دیدی تو اب وہ عورت پوری مہر کے مستحق ہوگی کیونکہ خلوت صحیحہ وطی کے حکم میں ہے کہ جس طرح وطی سے مہر مؤکد ہو جاتی ہے اور نان ونفقہ کی ادائیگی اور عدت واجب ہوتی ہے اسی طرح خلوت صحیحہ سے یہ چیزیں لازم ہوجاتی ہیں اگرچہ شوہر مقطوع الذکر یا نامرد ہو چنانچہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ جس نے بیوی کی اوڑھنی کھولی یا اس کی طرف نظر کی تو اس پر مہر واجب ہوگی دخول ہوا یا نہ ہو۔

قولہ[۲] ۔ وان کان احدهما :۔ خلوت صحیحہ کے تحقق کیلئے درج ذیل چار موانع کا نہ ہونا ضروری ہے (۱) مانع حسی یعنی دونوں میں سے کوئی بھی بیمار نہ ہو (۲) مانع طبعی یعنی دونوں کے درمیان کوئی تیسرا عاقل شخص حائل نہ ہو (۳) مانع شرعی یعنی فرضی یا نفلی حج کا احرام باندھے نہ ہو (۴) مانع شرعی وطبعی یعنی حائضہ ونفاسہ نہ ہو۔ کیونکہ ان صورتوں میں خلوت صحیحہ ہونے پر بھی پوری مہر لازم نہ ہوگی پس اگر طلاق دیدی جائے تو نصف مہر واجب ہوگی۔

قولہ[۳] ۔ واذا خلاء المجبوب :۔ مجبوب یعنی جس کے خصیہ اور ذکر کٹا ہوا ہو اگر اپنی بیوی سے خلوت کرچکا ہو پھر اُسے طلاق دیدی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس عورت کو پوری مہر ملے گی اور ہر مطلقہ متعہ کو دینا مستحب ہے سوائے ایک مطلقہ کے اور وہ یہ کہ جسے صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی اور نکاح کرنے سے پہلے اسکی مہر مقرر نہ کی ہو۔

وإذا[۱] زوج الرجلُ ابنتہٗ على ان یزوجہٗ الرجلُ اختہٗ او بنتہٗ لیکون احدُ العقدَین على ان یزوجہٗ الرجل اختہٗ او بنتہٗ لیکون احدُ العقدَینِ عوضاً عن الآخرِ فالعقدانِ جائزانِ ولکل واحدۃٍ منھما مھرُ مثلھا وان[۲] تزوج حرٌّ امرأۃً على خدمتہٖ سنۃً او على تعلیم القرآنِ جاز فلھا مھرُ مثلھا وان تزوج عبد امرأۃً حرۃً باذنِ مولاہٗ على خدمتہٖ سنۃً جاز ولھا خدمتہٗ واذا اجتمع فی المجنونۃِ ابوھا وابنھا فالولی فی نکاحھا ابنھا عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ

وقال محمد رحمہ اللہ ابوھا

ترجمہ:ـــــ اور جب کسی نے اپنی لڑکی کی شادی اس شرط پر کی کہ وہ اس کی بہن یا لڑکی سے شادی کرے گا تاکہ دو عقدوں میں سے

ایک دوسرے کا عوض ہو جائے تو دونوں عقد جائز ہیں اور ان میں سے ہر ایک کیلئے مہر مثل ہوگی اور اگر کسی آزاد نے کسی عورت سے شادی کی اپنی ایک سالہ خدمت پر یا تعلیم قرآن پر تو عورت کو مہر مثل ملیگی اور اگر کسی غلام نے آزاد عورت سے شادی کی اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ یکسالہ خدمت پر تو جائز ہے اور عورت کو خدمت لینے کا حق ہوگا اور جب دیوانی عورت کا باپ اور اس کا بیٹا جمع ہوا تو اس کے نکاح کا ولی اس کا بیٹا ہے شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کے باپ ہے۔

تشریح ——— قولہ۔ واذا زوج الرجل: ۔یعنی اگر کسی نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی سے اس شرط پر کیا کہ وہ یعنی جس سے نکاح کیا ہے اپنی بہن یا لڑکی کا نکاح اس سے کر دے تاکہ ہر ایک نکاح دوسرے کی مہر ہو جائے تو یہ دونوں نکاح جائز ہو جائیں گے اور ان دونوں لڑکیوں کیلئے اسکی مہر مثل واجب ہوگی یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی دونوں کو باطل قرار دیتے کیونکہ ان میں نصف بضع مہر اور نصف بضع منکوحہ ہوتا ہے حالانکہ باب نکاح میں اشتراک نہیں ہوتا دلیل احناف کی یہ ہے کہ اس میں ایسی شئی کو مہر بنادی جاتی ہے جس میں مہر بننے کی صلاحیت نہیں اس تقدیر پر عقد باطل نہیں بلکہ مہر مثل واجب ہوگی جس طرح کوئی شخص مہر میں شراب یا خنزیر معین کر دے کہ اس کا تعین باطل ہے اور مہر مثل واجب ہوتی ہے

قولہ۔ وان تزوج حرٌّ: ۔یعنی کسی آزاد آدمی نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس عورت کی ایک سال بھر خدمت کرے گا یا اسکو قرآن کی تعلیم دے گا تو یہ نکاح جائز ہے۔ البتہ اس میں شوہر عورت کی خدمت نہیں کرے گا چونکہ اس سے قلب موضوع لازم آتا ہے بلکہ مہر مثل واجب ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک وہی مہر ہوگی جو معین کی گئی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اصل یہ ہے کہ بذریعہ شرط جس چیز کا عوض لینا صحیح ہو اس کا مہر ہونا درست ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ طلب نکاح بذریعہ مال ضروری ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان تبتغوا باموالکم اور تعلیم قرآن یا خدمت مال نہیں اسلئے مہر مثل واجب ہوگی البتہ اگر کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے ایک آزاد عورت کو اسکی ایک سال بھر خدمت کرنے پر نکاح کر لیا تو یہ نکاح ہو جائے گا اور سال بھر اسکو اس عورت کی خدمت کرنی لازم ہوگی

ولا یجوز نکاحُ العبدِ والامۃِ الا باذنِ مولاھما واذا تزوج العبدُ باذنِ مولاہٗ فالمھر دینٌ فی رقبتہٖ یباع فیہ و اذا زوج المولیٰ امتہٗ فلیس علیہ ان یبوئھا بیتاً للزوجِ ولکنھا تخدم المولیٰ ویقال للزوجِ متی ظفرت بھا وطئتھا وان تزوج امرأۃً علی الفِ درھمٍ علیٰ ان لا یخرجھا من البلدِ او علی ان لا یتزوج علیھا امرأۃً فان وفی بالشرطِ فلھا المسمیٰ و ان تزوج علیھا او اخرجھا من البلدِ فلھا مھرُ مثلھا وان تزوجھا علی حیوانٍ غیرِ موصوفٍ صحت التسمیۃُ ولھا الوسط منہ والزوج مخیرٌ انِ شاء اعطاھا ذالکؕ وان شاء اعطاھا قیمتہ و لو تزوجھا علی ثوبٍ غیرِ موصوف فلھا مھرُ مثلھا۔

ترجمہ: ——— اور غلام اور باندی کا نکاح جائز نہیں مگر ان کے آقا کی اجازت سے اور جب غلام نے آقا کی اجازت سے شادی کر لی تو مہر اسکی گردن پر قرض ہوگی کہ اس میں بیچ دیا جائے گا اور جب آقا نے اپنی باندی کا نکاح کر دیا تو اس پر لازم نہیں کہ شوہر کو شب باشی کرا دے لیکن وہ آقا کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب تیرا موقعہ لگے تو صحبت کرے اور اگر عورت نے ایک ہزار پہ اس شرط پر

شادی کی کہ اسکو شہر سے باہر نہ لے جائے گا یا اسکے ہوتے ہوئے کسی عورت سے نکاح نہ کریگا پس اگر شوہر نے شرط پوری کی تو عورت کو مہر مسمی ملے گی اور اگر کسی عورت سے شادی کرلی یا اسکو شہر سے باہر لے گیا تو اس کو مہر مثل ملے گی اور اگر عورت سے شادی کی کسی غیر موصوف جانور پر تو مہر مقرر کرنا صحیح ہے اور عورت کو درمیانی جانور ملے گا اور شوہر کو اختیار ہوگا چاہے عورت کو وہی دے اور چاہے اسکی قیمت دے اور اگر عورت سے کسی غیر موصوف کپڑے پر شادی کی تو عورت کو مثل ملے گی۔

تشریح:۔۔۔۔۔ قولہ[۱] ولا یجوز نکاح العبد: یعنی غلام اور باندی کا نکاح بغیر ان کے آقا کی اجازت کے جائز نہیں ہوتا یعنی وہ اسکی اجازت پر موقوف ہے لیکن امام مالک نے کہا کہ غلام کا نکاح جائز ہے کیونکہ وہ جب طلاق کا مالک ہے تو نکاح کا بھی مالک ہوگا۔ دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ عاھر یعنی زانی ہے۔

قولہ[۲] اذا زوج المولی۔ یعنی آقا نے اگر اپنی باندی کا نکاح کر دیا تو اس پر لازم نہیں کہ اس باندی کو اسکے شوہر کے گھر بھیجے بلکہ وہ باندی اپنے آقا ہی کی خدمت کرے اور اسکے شوہر سے کہدیا جائے کہ جب تیرا موقعہ لگے تو اپنی بیوی سے صحبت کرلیا کرو، کیونکہ آقا اس کی ذات اور اسکے منافع ہر دو کا مالک ہے لہذا اس کا حق قوی تر ہے اور شب باشی پر لازم ہونے میں اس کا حق باطل ہو جاتا ہے۔

قولہ[۳] وان تزوجھا علی حیوان۔ یعنی اگر کوئی مرد کسی عورت سے مہر کی جگہ ایک جانور پر نکاح کرے جس کی جنس بیان کی۔ نوع نہیں مثلاً گائے یا بکری وغیرہ ہونا معین ہو جائے اور اس سے گھٹیا اور بڑھیا بیان نہ کیا جائے تو مہر ہونا درست ہو جائے گا اور اسی قسم کے اوسط درجہ کا جانور دینا ہوگا اور شوہر کو اختیار ہے چاہے وہ جانور دیدے اور چاہے اسکی قیمت دیدے اور اگر مہر مجہول الجنس ہو مثلاً یوں کہے کہ میں کپڑے پر نکاح کرتا ہوں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک تسمیہ درست نہیں پس اس سے مہر مثل واجب ہوگی۔

ونکاح[۱] المتعۃ والموقت باطلٌ وتزویج[۲] العبدِ والامۃِ بغیرِ اذنِ مولاھما موقوفٌ فان اجازہٗ المولی جاز وان ردہٗ بطل وکذلک ان زوج رجلٌ امرأۃً بغیرِ رضاھا او رجلاً بغیرِ رضاہ ویجوز لابن العمِ ان یزوج بنت عمہٖ من نفسہٖ واذا اذنت المرأۃُ للرجلِ ان یزوجھا من نفسہٖ فعقد بحضرۃِ شاھدَیْنِ جاز واذا ضمن الولی المھرَ للمرأۃِ صح ضمانہٗ وللمرأۃِ الخیارُ فی مطالبۃِ زوجِھا او ولیھا

ترجمہ:۔۔۔۔۔ اور نکاح متعہ اور نکاح موقت باطل ہیں اور غلام اور باندی کا شادی کرنا اپنے آقا کی اجازت کے بغیر موقوف ہوتا ہے پس اگر آقا اسکو جائز رکھے تو جائز ہوگا اور اگر رد کر دے تو باطل ہوگا اور اسی طرح اگر فضولی نے کسی عورت کی شادی کی اسکی رضا کے بغیر یا کسی مرد کی اس کی رضا کے بغیر اور جائز ہے چچا زاد کیلئے کہ وہ خود چچا کی بیٹی سے شادی کرلے اور جب عورت نے کسی کو اسکے ساتھ اپنی شادی کرنیکی اجازت دیدی اور اس نے دو گواہوں کی موجودگی میں عقد کرلیا تو جائز ہے اور ولی جب عورت کی مہر کا ضامن ہو جائے تو ضامن ہونا صحیح ہے اور عورت کو اختیار ہے شوہر اور ولی سے مطالبہ کرنے کا۔

تشریح:۔۔۔۔۔ قولہ[۱] نکاح المتعۃ۔ یعنی نکاح متعہ اور نکاح موقت دونوں باطل ہیں۔ نکاح متعہ یہ ہے کہ

مرد عورت سے کہے کہ میں پانچ روپیہ میں تجھ سے دس روز متعہ یعنی فائدہ اٹھاؤں گا اور عورت اُسے قبول کرے۔ اس میں متعہ کا لفظ ہونا ضروری ہے اور نکاح موقت یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے دو گواہوں کے سامنے دس روز یا مہینہ بھر کیلئے نکاح کرے۔ دونوں باتفاق ائمہ اربعہ و اجماع صحابہ حرام ہیں۔ فرق ان دونوں میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نکاح موقت میں لفظ نکاح یا تزوج ذکر کیا جاتا ہے اور متعہ میں اتمتع یا استمتع یا یہ کہ نکاح موقت گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے اور متعہ میں یہ ضروری نہیں یا یہ کہ نکاح متعہ میں مقدار مہر کی تعیین لازم ہوتی ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ نکاح موقت متعہ کے افراد سے ہے۔

قولہ۲۔ تزویج العبد: یعنی غلام اور باندی کا نکاح جبتک اُن کے آقا کی اجازت سے نہ ہو موقوف رہتا ہے اور اگر آقا نے اجازت دیدی تو جائز ہوجائے گا ورنہ نہیں اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت سے بغیر اسکی رضامندی کے نکاح کرلیا یا کسی عورت نے بغیر مرد کی رضامندی کے اس سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح بھی ان دونوں کی اجازت پر موقوف ہے اور اگر کوئی اپنے چچا کی بیٹی سے اپنا نکاح خود کرے یعنی کوئی دوسرا ولی نہ ہو تو یہ نکاح ہوجائے گا اور اگر کسی عورت نے کسی مرد کو خود ہی اجازت دیدی کہ تو مجھ سے نکاح کرلے اور اس مرد نے دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے نکاح پڑھالیا تو یہ نکاح ہوجائے گا۔

قولہ۳۔ اذا ضمن الولی: یعنی جب کسی عورت کا ولی اس عورت کی مہر کا ضامن ہوگیا تو اسکی ضمانت درست ہے اور اس عورت کو اختیار ہے چاہے مہر کا مطالبہ اپنے شوہر سے کرے اور چاہے ولی سے کیونکہ ولی باب نکاح میں عورت کی مہر کا ضامن ہوتا ہے اسلئے کہ ولی عاقد اس باب میں سفیر محض ہوتا ہے اور نکاح کے حقوق اس کیطرف رجوع نہیں کرتے یہاں تک کہ شخص واحد کا عاقد و ضامن ہونا لازمی آئے گا۔ برخلاف بیع کہ اس میں ولی عاقد مباشر ہوتا ہے۔ پس اس میں ولی کا عاقد ضامن ہونا درست نہیں۔

واذا فرق القاضی بین الزوجین فی النکاح الفاسد قبل الدخول فلا مہر لہا وکذٰلک بعد الخلوۃ واذا دخل بہا فلہا مہر مثلہا ولا یزاد علی المسمّٰی وعلیہا العدۃ ویثبت نسب ولدہا منہ ومہر مثلہا یعتبر باخواتہا وعماتہا وبنات عمہا ولا یعتبر بامہا وخالتہا اذا لم تکونا من قبیلتہا ویعتبر فی مہر المثل ان یتساوی المرأتان فی السن والجمال والمال والعقل والدین والبلد والعصر

ترجمہ ——— اور جب قاضی نکاح فاسد میں صحبت سے پہلے زوجین کے درمیان تفریق کردے تو عورت کو مہر نہ ملے گی اور اسی طرح اگر خلوت کے بعد ہو اور اگر اس سے صحبت کرچکا ہو تو مہر مثل ملے گی جو مہر مسمّی سے زائد نہ ہو اور اس پر عدت ہوگی اور اس کے بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا اور مہر مثل کا اعتبار اسکی بہنوں اور پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں سے ہوتا ہے اور اسکی ماں اور خالہ سے نہیں

ہوتا جبکہ وہ اسکی خاندان کی نہ ہوں اور مہر مثل میں اس امر کا اعتبار کیا جائے کہ دونوں عورتیں مساوی ہوں عمر میں اور حسن میں اور مال میں اور عقل میں اور دین اور نسب میں اور شہر میں اور عمر اور پاکدامنی میں۔

تشریح ـــــ قولہ[۱] - اذا فرق القاضی، یعنی نکاح فاسد میں صحبت ہونے سے پہلے قاضی نے زوجین کے درمیان جدائی کرا دی تو اس عورت کیلئے مہر نہیں اور یہی حکم جب ہے کہ خلوت کے بعد جدائی کرائی ہو کیونکہ نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت نکاح کی شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے مثلاً زوجین کا بلا گواہ ایجاب و قبول کر لینا۔ نکاح میں دو بہنوں کو جمع کر لینا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنا وغیرہ وغیرہ۔

قولہ[۲] - مہر مثلھا یعتبر :- مہر مثل کا اعتبار بہنوں اور پھوپھیوں اور چچا زاد بہنوں سے کیا جاتا ہے یعنی جو مہر ان کی ہوگی وہی مہر مثل قرار دیا جائیگی اور اس عورت کی ماں اور خالہ کی مہر کا اعتبار نہیں ہوتا جبکہ وہ دونوں اس کے خاندان کے نہ ہوں۔ خلاصہ یہ کہ مہر مثل میں عورت کے باپ کی قوم والی عورتوں کے لحاظ سے ہوتا ہے چونکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے لھا مہر مثل نسائھا وھن اقارب الاب۔

قولہ[۳] - ان یتساوی المرأتان :- یعنی مہر مثل کیلئے نو اوصاف میں مساوی ہونا ضروری ہے۔ دونوں عورتیں (۱) عمر میں (۲) حسن و جمال میں (۳) مال میں (۴) عقل میں (۵) دین میں (۶) شہری ہونے میں (۷) ہم عمر ہونے میں (۸) نسب میں (۹) عفت و پاکدامنی میں برابر ہوں اور اگر عورت کے باپ کی قوم میں اس جیسی عورت نہ پائی جائے تو پھر ان اوصاف کی اجنبیہ عورت کے ساتھ مہر مثل کا اعتبار ہوگا۔

و[۱] یجوز تزویج الامۃ مسلمۃ کانت او کتابیۃ ولا[۲] یجوز ان یتزوج امۃ علی حرۃ ویجوز تزویج الحرۃ علیھا وللحر ان[۳] یتزوج اربعا من الحرائر والاماء ولیس لہ ان یتزوج اکثر من ذلک ولا یتزوج العبد اکثر من اثنتین فان طلق الحر احدی الاربع طلاقا بائنا لم یجز لہ ان یتزوج رابعۃ حتی تنقضی عدتھا۔

ترجمہ ـــــ اور باندی سے شادی کرنا جائز ہے باندی خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ اور آزاد عورت کے ہوتے ہوئے باندی سے شادی کرنا جائز نہیں اور باندی کے ہوتے ہوئے آزاد عورت سے شادی کرنا جائز ہے اور آزاد مرد چار آزاد عورتوں اور باندیوں سے نکاح کر سکتا ہے اس سے زیادہ کے ساتھ نہیں اور غلام دو سے زیادہ کے ساتھ نہیں کر سکتا پس اگر آزاد مرد نے چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق بائن دیدی تو اس کیلئے چوتھی شادی کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ اس کی عدت گذر جائے۔

تشریح ـــــ قولہ[۱] یجوز تزویج الامۃ، باندی سے نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ ہو یعنی شوہر کو آزاد عورت سے شادی کرنیکی قدرت ہوتے ہوئے باندی سے شادی کرنا جائز ہے کیونکہ جو وطی ملک یمین کے ذریعہ حلال ہے وہ نکاح کے ذریعہ بھی حلال ہے اور باندی کے ساتھ چونکہ ملک یمین سے وطی حلال ہے اسلئے نکاح سے بھی حلال ہے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں جبکہ وہ آزاد عورت سے نکاح کرنیکی قدرت رکھتا ہو اسلئے کہ قرآن کریم ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم

من فتیاتکم المومنات میں عدم استطاعت اور وصف ایمانی کی قید ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ آیت کریمہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء اور واحل لکم ما وراء ذلکم کے عموم کی وجہ سے کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

قولہ ۔ لا یجوز ان یتزوج ۔ آزاد عورت پر یعنی آزاد عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں البتہ اس کا برعکس جائز ہے جیسا کہ سیدنا عائشہ اور سیدنا جابر و حسن سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے اس سے منع فرمایا ہے امام شافعی کے نزدیک غلام کیلئے اس کی اجازت ہے اور امام مالک کے نزدیک آزاد عورت کی مرضی کے ساتھ جائز ہے مگر حدیث مذکور ان تمام پر حجت ہے۔

قولہ ۔ وللحر ان یتزوج ۔ یعنی آزاد مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ آزاد ہوں یا باندی اور اس سے زائد سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے اور غلام دو عورتوں سے زائد سے نکاح نہ کرے۔ پس اگر آزاد آدمی نے اپنی چار بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق بائن دیدی تو جبتک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے اسے چوتھی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

واذا زوج الامۃ مولاھا ثم اعتقت فلھا الخیار حرا کان زوجھا او عبدا وکذلک المکاتبۃ وان تزوجت امۃ بغیر اذن مولاھا ثم اعتقت صح النکاح ولا خیار لھا ومن تزوج امراتین فی عقد واحدۃ احدٰھما لا یحل لہ نکاحھا صح نکاح التی یحل لہ نکاحھا وبطل نکاح الاخرٰی۔

ترجمہ: ــــــ اور جب آقا نے باندی کی شادی کر دی پھر وہ آزاد ہو گئی تو اس کو اختیار ہوگا اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور اسی طرح حکم ہے مکاتب باندی کا اور اگر باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرلی پھر وہ آزاد ہو گئی تو نکاح صحیح رہے گا۔ اور اس کو اختیار نہ ہوگا اور جس نے دو عورتوں سے ایک عقد میں شادی کی اور ان میں سے ایک کا نکاح اس کیلئے حلال نہیں تو اس کا نکاح صحیح ہوگا جو اس کیلئے حلال ہے اور دوسری کا نکاح باطل ہے۔

تشریح: ــــــ قولہ واذا زوج الامۃ ؛ یعنی کسی نے اگر اپنی باندی کا نکاح کر دیا تھا پھر اسے آزاد کر دیا تو اب اس کا نکاح کے رکھنے یا نہ رکھنے میں اس باندی کو اختیار ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ اور یہی حکم مکاتبہ کا ہے یعنی جب اس نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا تھا پھر وہ آزاد ہو گئی تو اب اُسے اختیار ہے کہ چاہے اس نکاح کو رکھے اور چاہے رد کر دے۔

قولہ ۔ وان تزوجت امۃ ۔ یعنی اگر کسی باندی نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا تھا پھر وہ آزاد کر دی گئی تو اس کا نکاح درست ہے اور اس کے رکھنے یا نہ رکھنے کا اب اسکو اختیار نہیں۔ نکاح درست اسلئے ہے کہ باندی میں نکاح کی اہلیت موجود ہے قصور صرف اتنا ہے کہ حق مولی کی بنا پر اس کا نکاح درست نہیں ہوتا اور جب وہ آزاد

ہوگی تو مولی کا حق جاتا رہا لہذا نکاح درست ہوگا اور اختیار اسلئے نہیں ہے کہ اس کا نکاح آزادی کے بعد درست ہوا ہے پس شوہر کو ملکیت طلاق میں کوئی مزید حق حاصل نہیں ہوا پہلی صورت میں باندی کو اختیار اسلئے تھا کہ وہ آزادی سے پہلے صرف دو طلاقوں کا محل تھی اور آزادی کے بعد اس کے شوہر کو ایک طلاق مزید دینے کا حق حاصل ہو رہا تھا۔ اور یہاں یہ صورت نہیں پس باندی کو نکاح نہ ہونے میں کوئی اختیار نہیں۔

قولہ ۳ ۔ من تزوج امراتین ۔ یعنی اگر کسی نے ایک عقد میں ایسی دو عورتوں سے نکاح کر لیا کہ ان میں سے ایک کا نکاح اس سے درست نہیں تو جس عورت کا نکاح اس سے درست ہے اس کا نکاح ہو جائے گا اور دوسری عورت کا نکاح نہ ہوگا اور جتنی مہر معین ہو وہ سب اس کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح درست ہے صاحبین نے کہا کہ دونوں کی مہر مثل پر تقسیم ہوگی۔

واذا كان بالزوجة عيبٌ فلا خيار لزوجها واذا كان بالزوج جنونٌ او برصٌ فلا خيار للمرأة عند ابي حنيفة و ابي يوسف رحمهما الله تعالى وقال محمد رحمه الله تعالى لها الخيار واذا كان الزوج عنيناً اجله الحاكم حولاً فان وصل في هذه المدة فلا خيار لها والا فرق بينهما ان طلبت المرأة ذلك والفرقة تطليقة بائنة ولها كمال المهر اذا قد خلا بها وان كان مجبوباً فرق القاضي بينهما في الحال ولم يؤجله والخصي يؤجل كما يؤجل العنين واذا ۳ اسلمت المرأة وزوجها كافر عرض عليه القاضي الاسلام فان اسلم فهي امرأته وان ابى عن الاسلام فرق بينهما وكان ذلك طلاقاً بائناً عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله وقال ابو يوسف رحمه الله وهو الفرقة بغير طلاقٍ وان اسلم الزوج وتحته مجوسية عرض عليها الاسلام فان اسلمت فهي امرأته وان ابت فرق القاضي بينهما ولم تكن الفرقة طلاقاً فان ۳ كان قد دخل بها فلها كمال المهر وان لم يكن دخل بها فلا مهر لها

ترجمہ ۔۔۔ اور جب بیوی میں کوئی عیب ہو تو شوہر کیلئے اختیار نہ ہوگا اور جب شوہر کو دیوانگی ہو یا جذام یا برص کی بیماری ہو تو عورت کو اختیار نہ ہوگا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کیلئے اختیار ہوگا اور جب شوہر نامرد ہو تو حاکم اس کو ایک سال کی مہلت دے پس اگر وہ صحبت کے قابل ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ ان میں تفریق کر دے اگر عورت اس کا مطالبہ کرے اور یہ فرقت طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی اور عورت کو پوری مہر ملے گی جبکہ شوہر اسکے ساتھ خلوت کر چکا ہو اور اگر مقطوع الذکر ہو تو قاضی ان میں فی الحال تفریق کر دے اور مہلت نہ دے اور خصی کو مہلت دیجائیگی جس طرح نامرد کو دی جاتی ہے اور جب عورت مسلمان ہو جائے اور شوہر کافر ہو تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے پس اگر وہ اسلام لے آئے تو وہ اسکی بیوی رہے گی اور اگر انکار کر دے تو ان میں تفریق ہو جائے گی اور طلاق بائن ہوگی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ طلاق نہ ہوگی اور اگر شوہر مسلمان ہو جائے اور نکاح میں آتش پرست ہو تو اس پر اسلام پیش کرے پس اگر وہ مسلمان ہو جائے تو وہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کر دے تو ان میں قاضی تفریق کر دے اور یہ فرقت طلاق ۔۔۔ پس اگر شوہر اس سے صحبت کر چکا ہو تو اسے پوری مہر ملے گی اور اگر صحبت نہ کی ہو تو مہر

نہ ملے گی۔

تشریح:۔ قولہ[۱] اذا کان بالزوجۃ: یعنی نکاح کرنے کے بعد اگر عورت میں کوئی عیب معلوم ہو تو اس کے شوہر کو اختیار نہیں ہے کہ اسکی وجہ سے اُسے طلاق دیدے اور اگر شوہر دیوانہ ہو یا جذامی ہو یا اس کو برص کی بیماری ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نکاح رکھنے یا نہ رکھنے کا عورت کو اختیار نہیں اور امام محمد نے فرمایا کہ دفع ضرر کیلئے اس عورت کو اختیار ہے اور اگر شوہر عنین یعنی نامرد ہو تو حاکم اُسے ایک سال بھر کی مہلت دیدے کہ وہ اپنا علاج کرائے ایسا ہی سیدنا مولیٰ علی اور عمر اور عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے اور اسلئے بھی کہ سال چار مختلف فصلوں پر مشتمل ہے پس نامردی اگر پیدائشی نہ ہو بلکہ کسی بیماری کی وجہ ہو تو تبدیلی موسم سال بھر کی زائل ہو جائیگی پس اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ حاکم ان دونوں میں جدائی کرادے اور یہ جدائی کرانا فرقہ بائنہ ہو جائیگی اور اس عورت کو پوری مہر ملےگی اس وقت کہ وہ اس سے خلوت کر چکا ہے اور اگر شوہر مجبوب یعنی اس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہے تو ان دونوں میں حاکم اسی وقت جدائی کرادے اور اُسے مہلت نہ دے اور خصی کو بھی عنین کی طرح مہلت دیجائےگی۔

قولہ[۲] واذا اسلمت:۔ یعنی اگر کوئی عورت مسلمان ہوگئی اور اس کا شوہر کافر رہا تو حاکم اس پر اسلام پیش کرے یعنی اس سے کہے کہ تو مسلمان ہو جا پھر اگر وہ مسلمان ہوگیا تو یہ عورت اسکی بیوی ہے اور اگر اس نے اسلام سے انکار کر دیا تو ان دونوں میں قاضی جدائی کرادے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اسلام پیش نہیں کیا جائےگا بلکہ اگر وہ دخول سے پہلے اسلام لایا تو فی الحال جدائی ہو جائیگی اور اگر دخول کے بعد لایا تو تین حیض کے بعد جدائی کر دیجائے۔ دلیل احناف کی یہ حدیث شریف ہے کہ ناجیہ بنت ولید صفوان بن امیہ کی بیوی ہے وہ فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں تھیں۔ سرکار مدینہ نے ان میں جدائی نہیں کرایا بلکہ ایک ماہ بعد حضرت صفوان مسلمان ہوئے اور اسی نکاح پر قائم رہے۔

قولہ[۳] وان اسلم الزوج:۔ یعنی شوہر اگر مسلمان ہوگیا اور اسکی بیوی مجوسیہ یعنی آتش پرست ہے تو اس پر بھی اسلام پیش کرے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو وہ اسکی بیوی ہے اور اگر اس نے انکار کر دیا تو قاضی ان دونوں میں جدائی کرادے اور یہ جدائی کرانا طلاق نہ ہوگی۔ اور اسکے طلاق نہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ جدائی عورت کی طرف سے ہوتی ہے اور عورت طلاق کا اہل نہیں یعنی وہ اپنے آپ طلاق نہیں دے سکتی برخلاف مسئلہ اول کہ وہاں جدائی مرد کی طرف سے ہے اور وہ اہل طلاق نہیں۔

قولہ[۴] فان کان قد دخل:۔ یعنی اگر اس کا شوہر اس سے صحبت کر چکا تھا تو اُسے پوری مہر ملےگی اور اگر صحبت نہیں کی تھی تو اس کیلئے مہر بالکل نہیں۔ مہر نہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جدائی صحبت سے پہلے اسی کی طرف سے ہوئی ہے۔ مجتہد کانے لکھا ہے کہ زوجین میں سے ایک کا اسلام سے انکار کر دینا یا مرتد ہو جانا اگر عورت کی طرف سے ہو تو وہ بالاجماع نکاح فسخ کرتا ہے اور مرد کی طرف سے ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک یعنی دونوں صورتوں میں فسخ نکاح ہے اور امام محمد کے نزدیک دونوں میں طلاق ہے اور امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ مرتد ہو جانا فسخ ہے اور شوہر کا اسلام سے انکار کر دینا طلاق ہے اور مرتد ہونا اسلام سے پھرنے کو کہا جاتا ہے۔

---

[۴] واذا اسلمت المرأۃ فی دار الحرب لم تقع الفرقۃ علیہا حتی تحیض ثلاث حیض فاذا حاضت بانت من زوجہا و

وإذا أسلم زوج الكتابية فهما على نكاحهما وإذا خرج احد الزوجين إلينا من دار الحرب مسلماً وقعت البينونة بينهما وإن سبي احدهما وقعت البينونة بينهما وإن سبيا معاً لم تقع البينونة وإذا خرجت المرأة إلينا مهاجرة جاز لها ان تتزوج في الحال فلا عدة عليها عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى فإن كانت حاملاً لم تتزوج حتى تضع حملها۔

ترجمہ:۔۔۔۔۔۔ اور جب عورت دارالحرب میں مسلمان ہوجائے تو اس پر فرقت واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ اس کو تین حیض آجائیں پس جب حیض آجائیں تو عورت شوہر سے بائنہ ہوجائیگی اور کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہوجائے تو وہ اپنے نکاح پر رہیں گے اور جب زوجین میں سے کوئی ہمارے ہاں دارالحرب سے مسلمان ہوکر آجائے تو ان میں جدائی واقع ہوجائیگی اور اگر ان میں کوئی ایک قید کرلیا جائے تو بھی جدائی ہوجائیگی اور اگر دونوں ایکساتھ قید کرلئے گئے تو جدائی نہ ہوگی اور جب عورت ہمارے ہاں ہجرت کرکے آجائے تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ فی الحال شادی کرلے اور اس پر عدت ہی نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور اگر وہ حاملہ ہو تو شادی نہیں کرسکتی یہاں تک کہ وہ حمل جن لے۔

تشریح:۔۔۔۔۔ قولہ۔ واذا اسلمت المرأۃ۔ یعنی جب کوئی عورت دارالحرب میں مسلمان ہوگئی تو اس پر جدائی کا حکم نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اسے تین حیض آجائیں پس جب اسکو حیض آجائے تو وہ اپنے شوہر سے جدا ہوجائیگی کیونکہ اسلام جدائی کا سبب نہیں اور یہاں شوہر پر اسلام پیش کرنا دشوار ہے اسلئے کہ دارالحرب والوں پر امام کی کوئی ولایت نہیں اور ازالۂ فساد کیلئے جدائی لازمی ہے تو اس کی شرط حیض کے گذرنے کو سبب کے قائمقام کردیا گیا اور اگر کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہوجائے تو ان دونوں کا نکاح بدستور رہے گا اسلئے کہ شادی جب ابتداً درست ہے تو بقاءً بدرجہ اولی درست ہوگی۔

قولہ۲۔ اذا خرج احد الزوجین:۔ یعنی زوجین میں سے کوئی ایک اگر مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آجائے یا قید کرلیا جائے تو ان دونوں میں جدائی ہوجاوے گی اور اگر دونوں اکٹھے قید کرلئے جائیں تو جدائی نہ ہوگی اور اگر عورت دارالحرب سے ہجرت کرکے دارالاسلام چلی آئے تو اس سے اس وقت نکاح کرلینا جائز ہے اگر اس کو حمل نہ ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر عدت نہیں اور صاحبین اور امام شافعی بلکہ امام مالک کے نزدیک جبتک اسکی عدت گذر نہ جائے نکاح درست نہیں۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی آیۃ کریمہ ہے ولا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیتموھن اجورھن میں ہجرت کے ساتھ مطلقاً نکاح کرنیکی اجازت دی گئی ہے۔

واذا ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت البینونۃ بینھما وکانت الفرقۃ بینھما بغیر طلاق فان کان الزوج ھو المرتد وقد دخل بھا فلھا کمال المھر وان لم یدخل بھا فلھا نصف المھر وان ارتدا معاً ثم اسلما معاً فھما علی نکاحھما ولا یجوز ان یتزوج المرتد مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا

كافرة وكذلك المرتد لا يتزوجها مسلم ولا كافر ولا مرتد [۳] واذا كان احد الزوجين مسلماً فالولد على دينه وكذلك ان اسلم احدهما وله ولد صغير صار ولده مسلماً باسلامه وان كان احد الابوين كتابياً والآخر مجوسياً فالولد كتابي۔

ترجمہ ——— اور جب زوجین میں سے کوئی ایک اسلام سے مرتد ہو جائے تو ان میں فرقت واقع ہو جائے گی اور وہ فرقت بلا طلاق ہوگی۔ پس اگر مرتد ہونیوالا شوہر اور وہ بیوی سے صحبت کر چکا ہو تو اس کو پوری مہر ملے گی اور اگر صحبت نہ کی ہو تو نصف ملے گی اور اگر مرتد ہونیوالی عورت ہو صحبت سے پہلے تو اس کو مہر نہ ملیگا اور اگر وہ صحبت کے بعد مرتد ہوئی تو اس کو پوری مہر ملے گی اور اگر دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تو وہ اپنے نکاح پر رہیں گے اور جائز نہیں کہ مرتد نکاح کرے۔ مسلمہ سے اور نہ مرتدہ سے اور نہ کافرہ سے اور اسی طرح مرتدہ عورت شادی نہیں کر سکتی نہ مسلمان سے اور نہ کافر سے اور نہ مرتد سے اور جب زوجین میں سے کوئی مسلمان ہو تو بچہ اسکے دین پر ہوگا اور اسی طرح اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہوا اور اس کا چھوٹا بچہ ہو تو بچہ مسلمان ہوگا اسکے اسلام کے تابع ہو کر اور اگر ان میں سے کوئی ایک کتابی ہو اور دوسرا آتش پرست تو بچہ کتابی قرار دیا جائے گا۔

تشریح ——— **قولہ [۱]**۔ اذا ارتد احد۔ یعنی زوجین میں سے کوئی ایک اگر اسلام سے پھر جائے تو ان کے درمیان اسی وقت جدائی ہو جائیگی۔ تین حیض گذرنے پر موقوف نہ رہے گی اور یہ جدائی شیخین کے نزدیک بلا طلاق ہوگی پس اگر مرتد ہونیوالا شوہر ہوا اور وہ بیوی سے صحبت کر چکا ہو تو اسکو پوری مہر ملے گی اور اگر صحبت نہ کی ہو تو نصف ملے گی۔ اور اگر مرتد ہونے والی عورت ہو صحبت سے پہلے تو اس کو مہر نہ ملے گی اور اگر وہ صحبت کے بعد مرتد ہو تو اسکو پوری مہر ملے گی۔

قولہ [۲]۔ وان ارتدا معاً۔ یعنی مرد و عورت دونوں اگر مرتد ہو گئے پھر اسکے بعد دونوں مسلمان ہو گئے تو ان کا پہلا ہی نکاح بدستور رہے گا اور مرتد مرد کو مسلمان عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور نہ مرتدہ عورت سے اور نہ کافرہ سے اور اسی طرح مرتدہ عورت کو نہ مسلمان مرد سے نکاح کرنا جائز ہے اور نہ کافر مرد سے اور نہ مرتد مرد سے کیونکہ مرتد واجب القتل ہے اسکو جو مہلت دیجاتی ہے وہ صرف اسلئے کہ وہ غور و فکر کرے اور نکاح کرنے سے وہ غفلت میں پڑ جائے گا۔

قولہ [۳]۔ اذا كان احد الزوجين۔ یعنی مرد و عورت میں سے کوئی ایک اگر مسلمان ہو تو بچہ اسکے دین پر ہوگا اور اسی طرح ان میں سے ایک اگر مسلمان ہو جائے اور اس کا بچہ چھوٹا ہو تو اس کے مسلمان ہونیکی وجہ سے وہ بچہ بھی مسلمان ہو جائے گا اور مرد و عورت میں سے کوئی ایک اگر کتابی ہو اور دوسرا مجوسی تو بچہ کتابی ہوگا۔

واذا [۱] تزوج الكافر بغير شهود او في عدة كافر وذلك في دينهم جائز ثم اسلما اقرا

عليه وان تزوج المجوسى امه او ابنته ثم اسلما فرق بينهما وان كان للرجل امرأتان فعليه ان يعدل بينهما فى القسم بكرين كانتا او ثيبين او احدهما بكراً والاخرى ثيباً وان كانت احدهما حرة والاخرى امة فللحرة الثلثان وللامة الثلث ولا حق لهن فى القسم فى حالة السفر ويسافر الزوج بمن شاء منهن والاولى ان يقرع بينهن فيسافر بمن خرجت قرعتها واذا رضيت احدى الزوجات بترك قسمها لصاحبتها جاز ولها ان ترجع فى ذلك

ترجمہ: ——— اور جب کافر گواہوں کے بغیر یا کسی کافر کی عدت میں شادی کرے اور وہ ان کے دین میں جائز ہو پھر وہ دونوں مسلمان ہو جائیں تو نکاح پر برقرار رکھے جائیں گے اور اگر مجوسی اپنی ماں یا بہن سے شادی کرے پھر مسلمان ہو جائیں تو ان میں تفریق کر دی جائیگی اور اگر کسی کی دو آزاد بیویاں ہوں تو اس پر ان کے درمیان باری میں انصاف کرنا ضروری ہے باکرہ ہوں یا ثیبہ یا ایک باکرہ ہو دوسری ثیبہ اور اگر ان میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری باندی تو آزاد کیلئے باری کے دو ثلث ہوں گے اور باندی کیلئے ایک ثلث اور بیویوں کیلئے باری کا حق نہیں سفر کی حالت میں جس کے ساتھ چاہے سفر کرے اور بہتر ہے قرعہ اندازی کیا جائے پس سفر میں اسکو لیجائیں گے جس کے نام قرعہ نکلے اور جب بیویوں میں ایک اپنی سوتن کو باری دینے پر راضی ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے اور وہ اس سے رجوع بھی کر سکتی ہے۔

تشریح: ——— قولہ۔ واذا تزوج الکافر: یعنی کسی کافر نے اگر بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا یا وہ عورت اپنے پہلے شوہر کافر کی عدت میں تھیں اور یہ یعنی بغیر گواہوں کے یا دوسرے کی عدت میں نکاح کر لینا ان کے مذہب میں جائز ہو پھر وہ دونوں مسلمان ہو گئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان کا نکاح بدستور رہے گا اور امام زفر کے نزدیک فاسد ہو جائے گا اور صاحبین پہلی صورت میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں اور دوسری صورت میں امام زفر کے ساتھ ہیں۔

قولہ۔ ان تزوج المجوسی: یعنی مجوسی نے اگر اپنی ماں سے یا اپنی بیٹی سے نکاح کر لیا پھر وہ دونوں مسلمان ہو گئے تو ان دونوں میں بالاتفاق ائمہ جدائی کر دیجائیگی۔ صاحبین کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ ان کے نزدیک نکاح محارم کفار کے حق میں بھی باطل ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگرچہ صحیح ہے تاہم محرمیت بقاء نکاح کے منافی ہے پس جدائی لازمی ہے۔

قولہ۔ وان کان للرجل: یعنی کسی مرد کے نکاح میں اگر دو آزاد عورتیں ہوں تو ان دونوں کے درمیان تقسیم میں انصاف کرنا لازم ہے۔ انصاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک رات ایک کے ہاں رہے اور دوسری رات دوسرے کے ہاں یا جتنی معین کر لئے جائیں اور اسکے لازم ہونیکی دلیل سرکار مدینہ کا یہ قول ہے من کانت لہ امرأتان ومال الی احدہما فی القسم جاء یوم القیامة وشقه مائل یعنی جس کے دو بیویاں ہوں اور وہ تقسیم میں ایک طرف مائل ہو تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اسکی ایک جانب جھکی ہوئی ہوگی خواہ وہ دونوں باکرہ ہوں یا ثیبہ یعنی کنواریوں سے نکاح کیا ہو یا شادی شدہ سے یا ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ اس حکم میں سب برابر ہیں اور اگر ان میں سے ایک عورت آزاد ہو اور دوسری باندی تو آزاد عورت کی دو راتیں ہوں گی اور باندی کی ایک رات ہوگی۔

قولہ۔ ولا حق لہن: یعنی سفر کی حالت میں ان کی تقسیم کا کچھ حق نہیں۔ شوہر ان میں سے جس کو چاہے سفر میں لے جائے

اور بہتر ہے کہ ان میں قرعہ ڈالے اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کاغذ پر لفظ سفر اور دوسرے پر لفظ حضر لکھے اور گولی بنا کر کسی بچہ کے ذریعہ از واج کے پاس پہونچا دے پس جس کے پاس سفر والی گولی جائے اس کو سفر میں لے جائے۔

قولہ[۵] - اذا رضیت ا - یعنی اگر کوئی عورت اپنی باری کا دن اپنی سوتن کو اپنی رضامندی سے دیدے تو جائز ہے چونکہ حضرت سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہ کیلئے ہبہ کر دی تھی اسکے بعد اگر وہ اپنی باری رجوع کرنا چاہے تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ زمانہ مستقبل میں عورت کا حق واجب نہیں تو اس کے ساقط کرنے سے بھی ساقط نہ ہوگا اسلئے کہ اسقاط اسی میں ہوتا ہے جو پہلے ثابت ہو یہاں وہ مفقود ہے۔

کتاب[۱] الرضاع

ترجمہ:۔ دودھ کا بیان

قلیل[۲] الرضاعِ وکثیرُہٗ اذا حصل فی مدۃِ الرضاعِ تعلق بہ التحریمُ و مدۃ[۳] الرضاع عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالٰی ثلٰثون شھرًا وعندھما سنتانِ واذا مضت مُدۃ الرضاعِ لم یتعلق بالرضاعِ التحریمُ ویحرم[۴] من الرضاع ما یحرم من النسبِ الا امَّ اختہٖ من الرضاعِ فانہ یجوز لہٗ ان یتزوجھا ولا یجوز ان یتزوج امَّ اختہٖ من النسب واختَ ابنہٖ من الرضاعِ یجوز ان یتزوجھا ولا یجوز ان یتزوج اختَ ابنہٖ من النسب ولا یجوز ان یتزوج امرأۃَ ابنہٖ من الرضاعِ کما لا یجوز ان یتزوج امرأۃَ ابنہٖ من النسبِ

ترجمہ:۔۔۔۔۔ دودھ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ جب وہ رضاعت کی مدت میں حاصل ہو تو اس سے حرمت متعلق ہو جائے گی اور رضاعت کی مدت امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیس مہینے ہیں اور صاحبین کے نزدیک دو برس ہیں اور جب رضاعت کی مدت گذر جائے تو دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی اور رضاعت سے وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب سے حرام ہوتی ہیں سوائے رضاعی بہن کی ماں کہ اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور نسبی بہن کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں اور سوائے رضاعی بیٹے کی بہن سے کہ اس سے نکاح کر سکتا ہے اور نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اپنے رضاعی بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں جیسے اپنے نسبی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔۔۔۔۔ قولہ[۱] - کتاب الرضاع :۔ رضاع بالفتح را کا بھی ممکن ہے اور بکسر را بھی۔ بہر دو تقدیر وہ مس الثدی یعنی چھاتی چوسنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں شیر خوار بچہ کا ایک مخصوص مدت میں عورت کی چھاتی چوسنے کو کہا جاتا ہے۔

قولہ[۲] - قلیل الرضاع :۔ یعنی دودھ خواہ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ جبکہ شیر خوارگی کے زمانہ میں ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور اس سے وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب سے حرام ہوتی ہیں

اور دودھ کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے البتہ مطلق مقدار پر اجلۂ صحابہ کا اتفاق ہے اس کے قائل احناف بھی ہیں۔ لیکن امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا قول یہ ہے کہ پانچ چسکاریوں کے بغیر رضاعت ثابت نہیں ہوتی چونکہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ ایک یا دو چسکاری یا ایک یا دو مرتبہ چھاتی مونہہ میں ڈالنا حرام نہیں کرتا۔ دلیل احناف کی آیت کریمہ و امہاتکم اللّٰتی ارضعنا کم میں مطلق ہے اسی طرح حدیث شریف یحرم من الرضاع مایحرم من النسب میں بھی مطلق ہے جس میں ایکبار یا دو بار کی کوئی قید نہیں اور حدیث مذکور منسوخ ہے کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عباس سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک چسکاری حرام نہیں کرتی آپ نے فرمایا کہ وہ پہلے تھا اور اب منسوخ ہو گیا ہے۔

قولہ۔ مدۃ الرضاع۔ یعنی شیر خوارگی کی مدت امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیس مہینے یعنی ڈھائی برس ہیں اور صاحبین کے نزدیک دو برس ہیں یہی قول امام شافعی کا ہے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ امام زفر نے تین برس اور بعض نے پندرہ برس اور بعض نے چالیس برس اور بعض نے پوری عمر مدت رضاعت قرار دیا ہے۔ دلیل صاحبین کی یہ آیت کریمہ ہے وحملہ وفصالہ ثلاثون شہراً یعنی حمل و فصال دونوں کی مدت تیس ماہ ہیں اور حمل کا اقل مدت چھ ماہ ہے پس فصال کیلئے دو سال کی مدت باقی رہی نیز سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ دو سال کے بعد رضاعت نہیں۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی آیت مذکورہ ہے کہ اس میں دو چیزیں مذکور ہیں اور دونوں کیلئے مدت مقرر کی گئی ہے تو وہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کیلئے پوری پوری ہوگی جس طرح کوئی یہ کہے لفلان علی الف درھم وخمسۃ اقفزۃ حنطۃ الی شھرین تو اس میں ایک ہزار درہم اور پانچ قفیز گیہوں میں سے ہر ایک کی مدت دو ماہ ہوتی ہے پس مدت رضاعت بھی تیس ماہ یعنی ڈھائی برس ہوئی اور مدت حمل بھی ڈھائی برس لیکن مدت حمل میں کمی حدیث سے ثابت ہے اور مدت رضاعت میں کمی ثابت نہیں۔ حدیث شریف یہ ہے کہ سیدنا عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ پیٹ میں بچہ دو سال سے زیادہ نہیں رہتا۔

قولہ۔ یحرم من الرضاع۔ یعنی رضاعت سے وہی کل رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں سوائے رضاعی بہن کی ماں کے کہ اس سے نکاح کرنا جائز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے کسی کے دو بچوں کو دودھ پلایا تو ان دونوں کو آپس میں ایک دوسرے کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے برخلاف نسبی بہن یا بھائی کی ماں سے نکاح جائز نہیں کیونکہ نسبی بہن کی ماں خود اپنی ماں ہے یا اپنے باپ کی مدخولہ ہے اور یہ دونوں حرام ہیں۔ رضاعت میں یہ بات نہیں یعنی رضاعی بہن کی ماں نہ اپنی ماں ہے نہ باپ کی مدخولہ اسی طرح نسب کے اعتبار سے اپنے بیٹے کی بہن یا تو اپنی لڑکی ہوگی یا ربیبہ اور رضاعت میں یہ بات نہیں۔

ولبن الفحل یتعلق بہ التحریم وھو ان ترضع المرأۃ صبیۃً علی زوجھا و علی آبائہ و ابنائہ و یصیر الزوج الذی نزل لھا منہ اللبن ابا للمرضعۃ ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیہ من الرضاع کما یجوز ان یتزوج باخت من النسب وذلک مثل الاخ من الاب اذا کان لہ اختٌ من امہ جاز لاخیہ من ابیہ ان یتزوجھا و کل صبیین اجتمعا علی ثدی واحد لم یجز لاحدھما ان یتزوج

الآخر ولا يجوز ان يتزوج المرضعة احداً من ولد التي ارضعت ولا يتزوج الصبيُّ المرضَعُ اختَ زوجِ المرضعةِ لانها عمتُهٗ من الرضاعِ

ترجمہ: ــــــ اور مرد کے دودھ سے حرمت وابستہ ہوتی ہے اور وہ یہ کہ عورت بچی کو دودھ پلائے تو یہ بچی اس کے شوہر پر حرام ہوگی اور اس کے باپ دادا پر اور اسکے بیٹوں پر اور وہ شوہر جس سے دودھ اترا ہے اس عورت کے شیر خوار بچی کا باپ ہو جائے گا اور جائز ہے کہ یہ آدمی رضاعی بھائی کی بہن سے شادی کرے جس طرح اپنے نسبی بھائی کی بہن سے جائز ہے مثلاً ایک باپ شریک بھائی ہے اور اس کی ماں شریک بہن ہے تو باپ شریک کیلئے جائز ہے اس بہن سے شادی کرنا اور جن دو بچوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا ہو ان میں سے ایک کیلئے جائز نہیں دوسرے کے ساتھ شادی کرنا اور شیر خوار کا نکاح اس عورت کے لڑکوں سے جائز نہیں جس نے اسکو دودھ پلایا ہو اور شیر خوار بچہ دودھ پلانیوالی عورت کے شوہر کی بہن سے شادی نہ کرے کیونکہ وہ اسکی رضاعی پھوپھی ہے۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] لبن الفحل: ۔ جس مرد کا دودھ یعنی جس مرد کے ذریعہ عورت کو دودھ اترا ہو حرمت اس کے ساتھ متعلق ہوگی تفصیل یہ ہے کہ اگر عورت نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا تو یہ لڑکی اس عورت کے شوہر پر اور اس کے شوہر کے باپ دادا اور اسکے بیٹوں پر حرام ہو جائیگی اور یہ شوہر (جس سے اس عورت کا دودھ اترا ہے) اس لڑکی کا باپ ہو جائے گا

قولہ[۲] یجوز ان یتزوج: ۔ یعنی رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ نسبی بھائی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کے ایک بھائی علاتی یعنی باپ شریک ہو اور اس بھائی کی ایک اخیافی بہن یعنی ماں شریک ہو تو اس بہن سے اس کا نکاح کرنا جائز ہے۔

قولہ[۳] کل صبیین: ۔ جن دو بچوں نے ایک چھاتی سے یعنی ایک عورت کا دودھ پیا ہو تو ان میں ایک کو دوسرے سے کسی صورت میں نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ دودھ اگر دو شوہروں سے ہو تو وہ دونوں آپس میں ماں شریک بھائی بہن ہوں گے اور اگر ایک شوہر سے ہو تو وہ ماں باپ شریک بھائی بہن ہوں گے اسی طرح شیر خوار لڑکی اور اسکی دایہ کے بیٹے کے درمیان نکاح درست نہیں اسلئے کہ وہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں نیز دایہ کے پوتے کے درمیان بھی نکاح درست نہیں اسلئے کہ دایہ کا پوتا بھتیجا ہوتا ہے۔

واذا اختلط[۱] اللبنُ بالماءِ واللبنُ هو الغالبُ يتعلق به التحريمُ فان غلب الماءُ لم يتعلق به التحريمُ واذا اختلط[۲] بالطعام يتعلق به التحريمُ وان كان اللبن غالباً عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى يتعلق به التحريمُ واذا اختلط بالدواءِ واللبنُ غالبٌ تعلق به التحريمُ واذا[۳] حلب اللبنُ غالباً من المرأة بعد موتها فاوجر به الصبي تعلق به التحريمُ واذا اختلط لبنُ المرأةِ

ملبن شاة ولبن المرأة هو الغالب تعلق به التحريم وان غلب لبن الشاة لم يتعلق به التحريم واذا اختلط لبن امرأتين يتعلق التحريم باكثرهما عند ابي يوسف رحمه الله تعالى وقال محمد رحمه الله تعالى تعلق بهما التحريم واذا نزل للبكر لبن فارضعت صبيا تعلق به التحريم ۔

ترجمہ: ——— اور جب دودھ پانی میں مل جائے اور دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت متعلق ہوگی اور جب کھانے میں مل جائے تو حرمت متعلق نہ ہوگی اگرچہ دودھ غالب ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ اس سے حرمت متعلق ہوگی اور جب دوا کے ساتھ مل جائے اور دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ حرمت متعلق ہو جائے گی اور جب عورت کا دودھ اسکے مرنے کے بعد نکالا گیا اور بچہ کے حلق میں ڈال دیا گیا تو حرمت متعلق ہوگی اور جب عورت کا دودھ بکری کے دودھ میں مل جائے اور عورت کا دودھ غالب ہو تو حرمت متعلق ہو جائیگی اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو اسکے ساتھ تحریم متعلق نہ ہوگی اور جب دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو حرمت اس کے ساتھ متعلق ہوگی جس کا دودھ زیادہ ہو امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں کے ساتھ متعلق ہوگی اور جب کنواری عورت کا دودھ اُتر آئے اور وہ بچہ کو پلادے تو اس کے ساتھ حرمت متعلق ہو جاوے گی ۔

تشریح: ——— قولہ[۱] واذا اختلط اللبن: ۔ یعنی جب کسی عورت کا دودھ پانی میں مل جائے اور دودھ غالب ہو تو اس سے رضاعی حرمت ثابت ہو جائیگی اور اگر پانی غالب ہے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اگر پانی میں پانچ چسکاریوں کی مقدار دودھ ہو تو حرمت ثابت ہو جائیگی اس لئے کہ اس میں حقیقۃً دودھ موجود ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ شئی مغلوب حکماً موجود نہیں ہوتی ۔

قولہ[۲] ۔ اذا اختلط بالطعام: ۔ یعنی دودھ اگر کھانے میں مل جائے تو اس سے بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرمت ثابت نہ ہوگی اگرچہ دودھ غالب ہو اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ غالب ہونیکی صورت میں حرمت ثابت ہو جائیگی مگر یہ اس وقت ہے جبکہ دودھ کو کھانے کے ساتھ آگ پر نہ پکایا گیا ہو اور اگر پکایا گیا ہو تو بالاتفاق حرمت نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وجہ فرق یہ ہے کہ مقصود یعنی غذائیت کے اعتبار سے کھانا اصل ہے اور دودھ تابع ہے پس تابع ہونیکی وجہ سے دودھ مغلوب ہی رہے گا اگرچہ وہ غالب ہو ۔

قولہ[۳] ۔ اذا حلب اللبن: یعنی کہ عورت کے مرجانے کے بعد اگر اس کا دودھ نکالا اور وہ دوا کے طور پر بچہ کے حلق میں ڈال دیا تو اس سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک حرمت ثابت نہ ہوگی اسلئے کہ ثبوت حرمت میں اصل عورت ہے۔ اسی وجہ سے حرمت دوسروں تک متعدی ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد محل حرمت ہی نہیں رہتی اس وجہ سے مرد عورت کے ساتھ وطی کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی

دلیل احناف کی یہ ہے کہ حرمت رضاع کا سبب شبہ جزئیت ہے وہ یہاں طور موجود ہے کہ بچہ اس سے نشوونما پاتا ہے برخلاف مسئلہ مصاہرت کہ وہاں وطی میں شبہ جزئیت ہے وہ یہاں فوت ہو گیا ہے کہ وہ موضع حرث سے ملاقی

ہوتی ہے اور مرنے کے بعد اس کا محل حرمت ہونا زائل ہو گیا۔

قولہ۔ اذا اختلط لبن امراتین ۔ یعنی دو عورتوں کا دودھ اگر مل گیا ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اور یہی ایک روایت امام ابو حنیفہ کی بھی ہے کہ حرمت اس عورت کے ساتھ متعلق ہوگی کہ جس کا دودھ زیادہ ہے کیوں کہ دونوں مل کر بمثل شئ واحد ہو گیا ہے پس اقل اکثر کے تابع ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ حرمت دونوں کے ساتھ متعلق ہوگی اسلئے کہ ایک جنس دوسری جنس پر غالب نہیں ہوتی ۔

قولہ۔ اذا نزل للبکر :۔ یعنی اگر کسی کنواری لڑکی کا دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو پلا دیا تو اس کے ساتھ حرمت متعلق ہو جائیگی تفصیل اسکی یہ ہے کہ اگر اس لڑکی کی عمر نو برس یا اس سے زیادہ کی ہے تو اس کے دودھ کے ساتھ حرمت متعلق ہو جائیگی اور اگر نو برس سے کم کی ہے تو اس کے دودھ کے ساتھ حرمت متعلق نہ ہوگی ۔

واذا نزل للرجل لبنٌ فارضع به صبيًّا لم يتعلق به التحريمُ واذا شرب صبيانِ من لبن شاةٍ فلا رضاعَ بينهما واذا تزوج الرجلُ صغيرةً وكبيرةً فارضعت الكبيرةُ الصغيرةَ حرمتا على الزوج فان كان لم يدخل بالكبيرةِ فلا مهرَ لها وللصغيرةِ نصفُ المهرِ ويرجع به الزوجُ على الكبيرةِ ان كانت تعمدت به الفسادَ وان لم يتعمد فلا شئ عليها ولا تقبل في الرضاعِ شهادةُ النساءِ منفردات وانما يثبت بشهادةِ رجلينِ او رجلٍ وامراتينِ ۔

ترجمہ :۔ ـــــ اور جب کسی مرد کا دودھ اتر آئے اور وہ بچہ کو پلائے تو اس سے حرمت متعلق نہ ہوگی اور جب دو بچوں نے ایک بکری کا دودھ پیا تو ان میں رضاعت نہ ہوگی اور جب کوئی مرد صغیرہ اور کبیرہ سے شادی کیا پس کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا تو دونوں شوہر پر حرام ہوں گی پس اگر کبیرہ سے صحبت نہ کی ہو تو اس کو مہر نہ ملے گی اور صغیرہ کو نصف مہر ملے گی اور اگر کبیرہ نے یہ فساد جان کر کیا ہے تو شوہر نصف مہر کبیرہ سے وصول کرے ورنہ اس پر کچھ نہ ہوگا اور رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی قبول نہ کی جائیگی بلکہ رضاعت کا ثبوت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ہوگا۔

تشریح :۔ ـــــ قولہ۔ واذا نزل للرجل :۔ یعنی کسی نے دو عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے ایک صغیرہ تھی اور دوسری کبیرہ پھر کبیرہ نے اس صغیرہ کو اپنا دودھ پلا دیا تو اس مرد پر وہ دونوں حرام ہو جائیں گی کیونکہ وہ دونوں رضاعی ماں بیٹی ہو گئیں اور ظاہر ہے ماں بیٹی کو نکاح میں رکھنا حرام ہے پس اگر اس شخص نے اس کبیرہ سے صحبت نہ کی ہو تو اسکی مہر بالکل نہیں اور اگر اس سے صحبت کر چکا ہے تو اس کو پوری مہر واجب ہوگی اور صغیرہ کیلئے نصف مہر واجب ہوگی اور اگر کبیرہ نے جو فساد جان کر کیا ہے تو یہ شوہر صغیرہ کو دی ہوئی نصف مہر کبیرہ سے

وصول کرے اور اگر اس نے جان کر نہیں کیا تھا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں۔

قولہ۔ لا تقبل فی الرضاع ۱۔ رضاعت صرف عورتوں کی گواہی سے مقبول نہیں ہوتی بلکہ دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالک کا یہ قول یہ ہے کہ صرف ایک عادل عورت کی گواہی سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اسلئے کہ حرمت رضاعت حقوق شرع میں سے ایک حق ہے جو خبر واحد سے ثابت ہو سکتا ہے جس طرح ایک شخص نے گوشت خریدا اور اسکو اس کو خبر دی کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے تو اس کیلئے کھانا جائز نہیں۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ باب نکاح میں ثبوت حرمت چونکہ زوال ملک سے جدا نہیں ہوتا اسلئے بطلان نکاح دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے بغیر نہیں تو حرمت کا ثبوت بھی اس کے بغیر نہیں ہو سکتا رہا گوشت کا مسئلہ کہ حرمت تناول زوال ملک سے جدا ہو سکتی ہے جس طرح شراب میں حرمت کے باوجود ملک عین ثابت ہو جاتی ہے۔

کتاب الطلاق

ترجمہ:۔ طلاق کا بیان

الطلاقُ علی ثلاثۃِ اوجہٍ احسنُ الطلاقِ وطلاقُ السنۃِ وطلاقُ البدعۃِ فاحسنُ الطلاقِ ان یطلق الرجل امرأتہٗ تطلیقۃً واحدۃً فی طہرٍ واحدٍ لم یجامعہا فیہ ویترکہا حتی تنقضی عدتہا وطلاقُ السنۃِ ان یطلق المدخول بہا ثلاثاً فی ثلاثۃِ اطہارٍ وطلاقُ البدعۃِ ان یطلقہا ثلاثاً بکلمۃٍ واحدۃٍ او ثلٰثاً فی طہرٍ واحدٍ فاذا فعل ذلک وقع الطلاقُ وبانت امرأتہٗ منہ وکان عاصیاً۔

ترجمہ:۔ طلاق تین قسموں پر ہے۔ احسن طلاق اور طلاق سنت اور طلاق بدعت پس احسن طلاق یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے ایسے طہر میں جس میں اس نے وطی نہ کی ہو اور پھر چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت گذر جائے اور طلاق سنت یہ ہے کہ مدخول بہا کو تین طہر میں تین طلاق دے اور طلاق بدعت یہ ہے کہ تین طلاق دے ایک ہی لفظ میں یا تین دے ایک ہی طہر میں پس جب وہ کر چکے تو طلاق واقع ہو جائیگی اور بیوی بائنہ ہو جائیگی اور وہ گنہ گار ہوگا۔

تشریح:۔ قولہ۔ کتاب الطلاق:۔ طلاق اسم مصدر ہے بمعنی تطلیق لغت میں مطلق بند کھولنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں طلاق مخصوص الفاظ کے ساتھ قید نکاح کے رفع کو کہا جاتا ہے رفع خواہ قید فی الحال کی ہو یا فی المآل۔

قولہ۔ الطلاق علی ثلاثۃ اوجہ:۔ طلاق کی تین قسمیں ہیں (۱) احسن الطلاق (۲) طلاق السنۃ

(۳) طلاق البدعۃ۔ احسن طلاق یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں کہ جس میں وطی نہ کی ہو ایک طلاق دے کر اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اسکی عدت پوری ہو جائے۔ طہر ان دنوں کو کہا جاتا ہے جن میں حیض نہ آتا ہو۔ صحابہ کرام اس طلاق کو مستحب قرار دیتے ہیں اور اس کو احسن اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ دوسری طلاق یعنی حسن و بدعت سے بہتر ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ وہ فی نفسہٖ احسن ہے کیونکہ طلاق تو ابغض حلال ہے بھلا وہ احسن کیسے ہو سکتی ہے؟

قولہ[۳] ۔ طلاق السنۃ ۔ یعنی طلاق سنۃ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو تین طہر میں تین طلاقیں دے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عمر سے فرمایا تھا کہ سنت یہ ہے کہ طہر کا انتظار کرے اور ہر طہر میں طلاق دے۔

قولہ[۴] ۔ طلاق البدعۃ ۔ یعنی طلاق بدعت یہ ہے کہ ایک لفظ سے یا ایک طہر میں یا حالت حیض میں تین طلاقیں دے پس جب کسی نے ایسا کہا تو طلاق پڑ جائیگی اور اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائیگی اور وہ گنہگار ہوگا اور تین طلاق دینا چونکہ ایک لفظ سے یا ایک طہر میں یا حالت حیض میں بدعت ہے اسلئے اس کو طلاق بدعت کہا جاتا ہے چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو سرکار مدینہ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ صاحبزادے سے کہہ دو؟ کہ وہ رجوع کرے۔

والسنۃُ[۱] فی الطلاقِ من وجہین سنۃٌ فی الوقتِ وسنۃٌ فی العددِ فالسنۃُ فی العددِ یستوی فیہا المدخولُ بہا وغیرُ المدخولِ بہا والسنۃُ فی الوقتِ تثبت فی حقِ المدخولِ بہا خاصۃً وھو ان یطلقہا واحدۃً فی طہرٍ لم یجامعہا فیہ وغیر المدخول بہا ان یطلقہا فی حالِ الطہرِ والحیضِ واذا کانت المرأۃُ لا تحیض من صغرٍ او کبرٍ فاراد ان یطلقہا للسنۃِ طلقہا واحدۃً فاذا مضی شہرٌ طلقہا اخری فاذا مضی شہرٌ طلقہا اُخری۔

ترجمہ: ـــــــ اور سنت طلاق میں دو طرح سے ہے ایک سنت وقت میں اور ایک سنت عدد میں پس سنت عدد میں برابر ہے مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کو اور سنت وقت میں مدخول بہا کے حق میں خاص کر ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو ایک ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے صحبت نہ کی ہو اور غیر مدخول بہا کو طہر کی حالت میں طلاق دے یا حیض کی حالت میں اور جب عورت کو حیض نہ آتا ہو کم سنی یا بڑھاپا کی وجہ سے اور شوہر اس کو سنت کے موافق طلاق دینا چاہے تو ایک طلاق دے اور جب ایک ماہ گذر جائے تو دوسری طلاق دے پھر جب ایک ماہ گذر جائے تو ایک اور دے۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] والسنۃ فی الطلاق ۔ یعنی طلاق سنت دو طرح پر ہے ایک سنت وقت میں اور دوسرا سنت عدد میں پس سنت عدد میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا یعنی جس سے صحبت کر چکا ہو اور جس سے نہ کی ہو دونوں برابر ہیں اسلئے کہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں دینے کی ممانعت اسلئے ہے کہ ممکن ہے وہ اپنے فعل پر شرمندہ ہو کر اس کا تدارک کرے اور وہ غیر مدخول بہا میں بھی موجود ہے لیکن سنت فی الوقت صرف مدخول کے حق میں مخصوص ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو ایک طلاق ایسے طہر میں جس میں اس سے وطی نہ کی ہو اسلئے کہ اگر وہ حالت حیض میں طلاق دے تو اس کی عدت طویل ہو جائیگی اور اگر ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وطی کر چکا تو

تو قرار عمل کے ارکان کی وجہ سے ممکن ہے اس کو اپنے فعل پر نادم ہونا پڑے۔

ویجوز[1] ان یطلقھا ولا یفصل بین وطیھا وطلاقھا بزمان و طلاق[2] الحامل یجوز عقیب الجماع و یطلقھا للسنۃ ثلاثا یفصل بین کل تطلیقتین بشھر عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ و قال محمد رحمہ اللہ لا یطلقھا للسنۃ الا واحدۃ و اذا طلق الرجل امراتہ فی حال الحیض وقع الطلاق و یستحب لہ ان یراجعھا فاذا طھرت و حاضت و طھرت فھو مخیر ان شاء طلقھا و ان شاء امسکھا و یقع[3] طلاق کل زوج اذا کان عاقلاً بالغا ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم واذا تزوج العبد باذن مولاہ و طلق وقع طلاقہ ولا یقع طلاق مولاہ علی امراتہ۔

ترجمہ:۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو طلاق دے اور اس کو وطی اور طلاق کے درمیان دنوں سے فصل نہ کرے اور حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے اور اس کو سنت کے موافق طلاق دے تین فصل کرے ہر دو طلاقوں میں ایک ماہ سے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کو سنت کے موافق طلاق نہ دے مگر ایک اور جب کسی نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو طلاق ہو جائے گی اور مستحب ہے اس کیلئے یہ کہ رجوع کرے پس جب وہ پاک ہو جائے پھر حیض آئے پھر پاک ہو جائے تو اس کو اختیار ہوگا اگر چاہے طلاق دیدے اور اگر چاہے رد کر دے اور ہر شوہر کی طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ وہ عاقل و بالغ ہو اور بچہ اور دیوانہ اور سونے والا کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور جب غلام نے آقا کی اجازت سے شادی کی پھر طلاق دیدی تو واقع ہو جائے گی لیکن آقا کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہ ہوگی۔

تشریح:۔ قولہ[1]۔ ویجوز ان یطلقھا:۔ یعنی ایسی عورت کو اس صورت میں بھی طلاق دینا جائز ہے کہ اس سے وطی کرنے اور طلاق دینے کے درمیان کچھ دنوں کا فاصلہ نہ دے۔ امام زفر کا قول یہ ہے کہ اس سے صحبت کرنے اور طلاق دینے کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ کرے یعنی وطی کرنے سے ایک ماہ بعد طلاق دے اور یہ خلاف اس عورت میں ہے جو ایسی کم عمر ہو کہ اسے حیض آنے اور حمل رہ جانے کی بالکل امید نہ ہو اور اگر ایسی ہے کہ اس سے یہ امید ہو سکتی ہے تو اس میں بالاجماع افضل یہی ہے کہ اس سے وطی کر کے ایک ماہ کے بعد طلاق دے۔

قولہ[2]۔ طلاق الحامل:۔ حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے اور اگر اُسے سنت کے موافق تین طلاقیں دینی چاہیں تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ کرے یعنی ہر طلاق ایک ایک ماہ کے بعد دے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ اسے سنت کے مطابق ایک ہی طلاق دے اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدی تو وہ طلاق پڑ جائے گی اور مستحب یہ ہے کہ اس سے رجعت کرے پھر جب وہ پاک ہو جائے اور اس کے بعد حیض آکر پھر پاک ہو جائے تو اب اسکو اختیار ہے چاہے طلاق دیدے اور چاہے رکھلے۔

قولہ[3]۔ یقع طلاق کل زوج:۔ یعنی ہر شوہر کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ وہ عاقل و بالغ ہو

اور لڑکا اور دیوانہ اور سوتے ہوئے کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ہر طلاق جائز ہے سوائے مغلوب العقل کی طلاق کے اور حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ بچہ کی طلاق جائز نہیں۔

والطلاق[1] على ضربين صريح وكناية فالصريح قوله انت طالق ومطلقة وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي ولا يقع به الا واحدة وان نوى اكثر من ذلك ولا يفتقر بهذه الالفاظ الى نية وقوله[2] انت الطلاق وانت طالق الطلاق وانت طالق طلاقا فان لم تكن له نية فهي واحدة رجعية وان نوى ثنتين لا يقع الا واحدة وان نوى به ثلاثا كان ثلاثا۔

ترجمہ: ـــــ اور طلاق دو قسموں پر ہے صریح اور کنایہ پس صریح یہ ہے کہ تجھے طلاق ہے اور تو طلاق دی ہوئی ہے میں نے تجھے طلاق دی اس سے طلاق رجعی ہوگی اور صرف ایک واقع ہوگی اور اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں اور شوہر کے قول انت الطلاق اور انت طالق الطلاق اور انت طالق طلاقا میں اگر اس کی نیت نہ ہو تو ایک طلاق رجعی ہوگی اور اگر دو کی نیت کی تو بھی ایک ہی واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] والطلاق على ضربين۔ یعنی طلاق دو قسموں پر ہے صریح اور کنایہ پس صریح ان لفظوں سے ہوتی ہے جو بوجہ غلبۂ استعمال طلاق ہی میں مستعمل ہوں مثلاً کوئی اپنی بیوی سے کہے انت طالق یعنی تجھے طلاق ہے یا کہے انت مطلقة یعنی تو مطلقہ یعنی طلاق دی ہوئی ہے یا کہے طلقتک یعنی میں نے تجھے طلاق دیدی پس ان لفظوں کے کہنے سے خواہ تو اس کی نیت کرے یا بائن کی یا سرے سے نیت ہی نہ کرے بہر حال ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوگی اسلئے کہ آیت کریمہ الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان میں طلاق صریح کے بعد رجعت کی اجازت دی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ طلاق صریح سے رجعی واقع ہوتی ہے۔

قولہ[2]۔ قولہ انت الطلاق۔ یعنی اگر ایسی ترکیب اختیار کیا جائے جس میں خبر مصدر ہو یا تاکید ہو خواہ مصدر نکرہ ہو یا معرفہ مثلاً کوئی اگر اپنی بیوی سے کہے کہ انت الطلاق یا کہے انت طالق الطلاق یا کہے انت طالق طلاقا یعنی تو طلاق ہے یا خالص طلاق والی ہے یا تو ایک طلاق والی ہے تو اس سے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ وہ دو کی نیت کرے یا نیت ہی نہ کرے اسلئے کہ طلاق صریح میں نیت کی ضرورت نہیں نیز صریح مصدر میں عدد کا احتمال نہیں ہوتا البتہ اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی کیونکہ مصدر اسم جنس ہے۔ لہذا کل جنس کا ارادہ ہو سکتا ہے پس تین فرد حکمی ہے یعنی تین کا عدد طلاق کا فرد کامل ہے برخلاف دو کے کہ وہ نہ فرد حقیقی ہے اور نہ فرد حکمی۔!

والضرب[1] الثاني الكنايات ولا يقع بها الطلاق الا بالنية او بدلالة الحال وهي على ضربين منها ثلثة الفاظ يقع بها الطلاق الرجعي ولا يقع بها الا واحدة وهي قوله اعتدي واستبرئي رحمك وانت واحدة وبقية[2] الكنايات اذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة وان نوى ثلاثا كانت ثلاثا وان نوى ثنتين كانت واحدة وهذه مثل قوله انت بائن وبتة وبتلة وحرام وحبلك على غاربك والحقي باهلك وخلية وبرية ووهبتك لاهلك وسرحتك واختاري وفارقتك وانت حرة وتقنعي واستتري واعزبي وابتغي الازواج فان لم يكن له نية الطلاق لم يقع بهذه الالفاظ طلاق الا ان يكونا في مذاكرة الطلاق فيقع بها الطلاق في القضاء ولا يقع فيما بينه وبين الله تعالى الا ان ينويه

ترجمہ ـــــــ اور دوسری قسم کنایات ہے ان سے طلاق واقع نہیں ہوتی مگر نیت یا دلالت حال سے اور وہ دو قسموں پر ہے اور ان میں سے تین الفاظ وہ ہیں جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں تو عدت میں بیٹھ جا اور تو اپنے رحم کو صاف کر اور تو اکیلی ہے اور باقی کنایات سے جب طلاق کی نیت کرے تو ایک طلاق بائن ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تین ہوں گی اور اگر دو کی نیت کی تو ایک ہوگی اور وہ الفاظ یہ ہیں تو مجھ سے جدا ہے اور تیرا مجھ سے قطع تعلق ہے اور تو حرام ہے اور تجھے اپنا اختیار ہے اور تو اپنے عزیزوں سے جا مل۔ تو بالکل چھوڑ دی گئی تو بالکل بری ہے تجھے تیرے عزیزوں کو ہبہ کر دیا۔ میں نے تجھے چھوڑ دیا اور خود مختار ہو جا اور میں نے تجھے جدا کر دیا اور تو آزاد ہے اور چادر اوڑھ لے اور پردہ کر لے اور دور ہو جا؟ اور شوہروں کو تلاش کر لے پس اگر ان سے اسکی طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ دونوں طلاق کے مذاکرہ میں ہوں کہ ان سے قضاء میں طلاق ہو جائیگی اور اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بغیر نیت کئے طلاق نہ پڑے گی۔

تشریح: ـــــــ قولہ۔ والضرب الثانی: یعنی طلاق کی دوسری قسم کنایات ہیں اور ان سے بغیر نیت کے یا کسی موجودہ قرینہ کے طلاق نہیں پڑتی۔ موجودہ قرینہ سے مراد یہ کہ یا تو وہاں طلاق کا ذکر ہو رہا ہو یا شوہر غصہ کی حالت میں ہو اور کنایات دو قسم کے ہیں ان میں سے تین لفظ ایسے ہیں کہ ان کے کہنے سے طلاق رجعی پڑتی ہے اور ایک سے زیادہ نہیں پڑتی اور وہ الفاظ یہ ہیں اعتدی یعنی تو عدت میں بیٹھ جا اور استبری رحمک یعنی تو اپنے رحم کو پاک کرلے و انت واحدۃ یعنی تو اکیلی ہے۔

قولہ۔ بقیۃ الکنایات: ـ بقیہ کنایات جن سے طلاق کی نیت کی جائے تو ان سے ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی اور اگر دو کی نیت کرے گا تو بھی ایک ہی ہوگی اور اگر تین کی کرے گا تو تین ہو جائیں گی اور وہ الفاظ یہ ہیں مثلاً کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے انت بائن یعنی تو مجھ سے جدا ہے اور بتۃ بتلۃ یعنی تو مجھ سے قطع تعلق ہے اور انت حرام یعنی تو حرام ہے اور حبلک علی غاربک یعنی تجھے اپنا اختیار ہے اور الحقی باھلک یعنی تو اپنے عزیز سے مل جا اور خلیۃ بالکل چھوڑ دی گئی ہے اور بریۃ یعنی تو بری ہے اور وھبتک لاھلک یعنی میں نے تجھے تیرے عزیزوں کیلئے ہبہ کر دیا اور سرحتک یعنی میں نے تجھے چھوڑ دیا اور اختاری یعنی تو خود مختار ہو جا اور فارقتک یعنی میں نے تجھے جدا کر دیا اور انت حرۃ یعنی تو آزاد ہے اور تقنعی یعنی تو اپنے سر پر چادر اوڑھ اور استتری یعنی تو پردہ کر اور اغربی یعنی دور ہو جا اور ابتغی الازواج یعنی شوہروں کو تلاش کرلے پس اگر ان تمام لفظوں کے کہنے سے اسکی نیت طلاق کی نہیں ہے تو ان سے طلاق نہ پڑے گی مگر یہ کہ زوجین طلاق کے مذاکرہ میں ہوں تو اس وقت قاضی طلاق واقع ہونے کا حکم کر دے گا اور اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بغیر نیت کئے طلاق نہ پڑے گی۔

وانْ لم یکونا فی مذاکرۃِ الطلاقِ وکانا فی غضبٍ او خصومۃٍ وقع الطلاقُ بکل لفظۃٍ لا

يقصد بها السبّ والشتيمة ولم يقع بما يقصد به السبّ والشتيمة الا ان ينويه واذا وصف الطلاق بضربٍ من الزيادة كان بائنًا مثل ان يقول انت طالق بائن وانت طالق اشد الطلاق او افحش الطلاق او طلاق الشيطان او طلاق البدعة او كالجبل او ملاء البيت۔

ترجمہ ــــــ اور اگر وہ طلاق کے مذاکرہ میں نہ ہوں بلکہ غصہ یا خصومت کی حالت میں ہوں تو طلاق واقع ہو جائیگی ہر اس لفظ سے جس سے گالی گلوچ مقصود نہ ہو اور اس لفظ سے طلاق واقع نہ ہوگی جس سے گالی گلوچ مقصود ہو مگر یہ کہ وہ نیت کرلے اور جب طلاق کو کسی وصف زائد کے ساتھ موصوف کیا تو طلاق بائن ہوگی مثلاً یوں کہے تو بائنہ طلاق والی ہے تو بڑی سخت طلاق والی ہے یا تو بدترین طلاق والی ہے یا تجھ پر شیطان کی طلاق ہے یا تجھ پر بدعت کی یا پہاڑ کے برابر یا گھر بھر کی مثل طلاق ہے۔

تشریح ــــــ قولہ۔ وان لم یکونا فی مذاکرة۔ یعنی ان دونوں میں اگر طلاق کا ذکر نہ تھا بلکہ دونوں غصہ یا خصومت کی حالت میں تھے تو ایسی صورت میں ہر اس لفظ سے طلاق پڑ جائیگی کہ جس سے گالی گلوچ کا ارادہ نہ ہو اور جو لفظ ایسا ہو کہ اسکے کہنے سے گالی گلوچ مقصود ہو تو اس سے بغیر نیت کے طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر کسی نے طلاق کو کسی قسم کی زیادتی کے ساتھ موصوف کردیا تو اس سے طلاق بائنہ پڑے گی مثلاً اس طرح کہے کہ انت طالق بائن یعنی تو بائنہ طلاق والی ہے یا کہے انت طالق اشد الطلاق یعنی تو سخت طلاق والی ہے یا کسی کہے انت افحش الطلاق یعنی تو بہت بڑی طلاق والی ہے یا کہے انت طلاق الشیطان یعنی تجھ پر شیطان کی طلاق ہے یا کہے انت طلاق البدعة اور کالجبل اور ملاء البیت یعنی تجھے بدعت کی طلاق ہے یا کہے پہاڑ کے برابر طلاق ہے یا مثل گھر بھرے ہوئے کی طلاق ہے ان تمام سے طلاق بائنہ واقع ہوگی لیکن طلاق تو نفس لفظ ہی سے واقع ہوگی اور جب اس نے اس کو وصفِ زائد کے ساتھ متصف کردیا تو ایک ایسے معنی کا ہونا ضروری ہوگیا جو نفس لفظ میں نہیں اور وہ بینونت ہے۔

واذا اضاف الطلاق الی جملتها او الی ما یعبر به عن الجملة وقع الطلاق مثل ان یقول انت طالق او رقبتك طالق او عنقك طالق او روحك او بدنك او جسدك او فرجك او وجهك وكذلك ان طلق جزءً شائعًا منها ان یقول نصفك او ثلثك طالق وان قال یدك او رجلك طالق لم یقع الطلاق وان طلقها نصف تطلیقة او ثلث تطلیقة كانت تطلیقة واحدةً وطلاق المكره والسكران واقع ویقع الطلاق اذا قال نویت به الطلاق ویقع طلاق الاخرس بالاشارة

ترجمہ ــــــ اور جب طلاق کو عورت کے کل کی طرف منسوب کیا یا ایسے عضو کی طرف جس سے کل کی تعبیر کی

کی جاتی ہے تو طلاق واقع ہو جائیگی مثلاً یوں کہے کہ تو طالق ہے یا تیری گردن کو یا تیری روح کو یا تیرے بدن کو یا تیرے جسم کو یا تیری شرمگاہ کو یا تیرے چہرہ کو طلاق ہے اور اسی طرح اگر جزء شائع کو طلاق دی مثلاً یوں کہا تیرا نصف یا تیرا ثلث حصہ طلاق والا ہے اور اگر کہا کہ تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں طلاق والا ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس کو نصف یا تہائی طلاق دی تو پوری ایک طلاق ہوگی اور زبردستی کئے گئے اور نشہ میں مست کی طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ کہا میں نے اس سے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق ہو جائیگی گونگا کی طلاق اشارہ سے ہو جاتی ہے۔

تشریح:۔۔۔۔۔۔ قولہ۔ اذا اضاف الطلاق۔ یعنی طلاق کی نسبت اگر عورت کے کل کی طرف کی جائے مثلاً یہ کہا انت طالق یعنی تو طالق ہے یا ایسے عضو کی طرف منسوب کیا کہ جس سے سارا جسم مراد لیا جاتا ہو تو اس سے طلاق پڑ جائے گی۔ مثلاً یہ کہا کہ تیرے سر کو طلاق ہے تیری گردن کو طلاق ہے یا تیری روح کو طلاق ہو یا تیرے بدن کو یا تیرے جسم کو یا تیری شرمگاہ کو یا تیرے چہرہ کو طلاق ہے تو ان سب صورتوں میں طلاق پڑ جائے گی۔

قولہ۔ کذلک ان طلق۔ یعنی اس طرح جزء شائع کو طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے مثلاً یہ کہا کہ تیرے نصف پر طلاق ہے یا تہائی پر طلاق ہے یا چوتھائی یا چھٹا حصہ یا دسواں حصہ پر طلاق ہے وغیرہ وغیرہ ان تمام صورتوں میں ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق میں تجزی نہیں ہوتی۔

قولہ۔ طلاق المکرہ۔ مکرہ وہ ہے جس سے زبردستی طلاق دلوائی گئی ہو اور سکران وہ ہے جو نشہ میں مست ہو۔ ان دونوں کی طلاق احناف کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک واقع نہیں ہوتی کیونکہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ میری امت سے خطاء بھول اور اس چیز کو اٹھا لیا گیا جو ان سے زبردستی کرائی جائے۔ احناف کی دلیل سرکار مدینہ کا یہ قول ہے۔ ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ اور حدیث مذکور میں بالاجماع حکم اخروی مراد ہے نہ کہ حکم دنیوی اور یہاں ذکر حکم دنیوی ہے۔

قولہ۔ اذا قال نویت۔ یعنی کسی نے اگر کچھ کہہ دیا یہ کہا کہ میں نے اس سے طلاق کی نیت کی تھی تو اس سے بھی طلاق ہو جائیگی اور گونگے کی طلاق اشارہ سے ہو جاتی ہے۔ واضح ہو کہ اشارہ کی دو صورتیں ہیں اگر اس نے ایسا اشارہ کیا کہ جس سے اس کا کلام سمجھا جاتا ہے تو اس اشارہ سے طلاق ہو جائے گی اور اگر ایسا اشارہ نہیں تو اس سے طلاق نہ ہوگی۔

واذا اضاف الطلاق الی النکاح وقع عقیب النکاح مثل ان یقول ان تزوجتک فانت طالق او قال کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق واذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول

لا مراتبہٖ ان دخلت الدار فانت طالق ولا یصح اضافۃ الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفہ الی ملکہ فان قال لاجنبیۃ ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجہا فدخلت الدار لم تطلق

ترجمہ ـــــ اور جب طلاق کو نکاح کی طرف منسوب کیا تو طلاق نکاح کے بعد واقع ہوگی مثلاً یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق ہے یا کہا کہ جس عورت سے میں شادی کروں اُسے طلاق ہے اور جب طلاق کو شرط کی طرف منسوب کیا تو طلاق شرط کے بعد واقع ہوگی مثلاً اپنی بیوی سے یوں کہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اور طلاق کو منسوب کرنا صحیح نہیں مگر یہ کہ وہ مالک ہو یا اپنی ملک کی طرف منسوب کرے پس اگر کسی اجنبیہ سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے پھر اس سے شادی کر لی اور وہ گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق نہ ہوگی۔

تشریح ـــــ قولہ[۱] واذا اضاف۔ وقوع طلاق کیلئے نکاح کا ہونا ضروری ہے مثلاً کوئی اپنی منکوحہ سے کہے ان دخلت الدار فانت طالق یعنی اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ پر طلاق ہے یا یہ کہ نکاح کی طرف منسوب ہو جیسے کوئی اجنبیہ عورت سے کہے ان تزوجتک فانت طالق یعنی اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے یا یہ کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اُسے طلاق ہے تو ان تمام صورتوں میں احناف کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی امام احمد بن حنبل نے کہا کہ اگر کسی نے اجنبیہ سے یہ کہا ان دخلت الدار فانت طالق پھر اس سے نکاح کر لیا اور وہ گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق واقع نہ ہوگی اسلئے کہ یہاں نہ تحقیق نکاح اور نہ اسکی طرف منسوب ہے اور امام شافعی نے کہا کہ نکاح کی طرف منسوب ہونے سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں دلیل احناف کی یہ روایت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو طلاق دینے کی قسم کھالے حالاں کہ ابھی اس نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تو یہ اس پر نکاح کے بعد لازم ہو جائے گا۔

قولہ[۲]۔ اذا اضافہ الی :۔ یعنی طلاق کو اگر کسی شرط کی طرف منسوب کر دیا جائے مثلاً اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اگر تو اس گھر میں جائے تو تجھے طلاق ہے تو اس شرط کے بعد یعنی جب وہ اس گھر میں چلی جائے تو اُسے طلاق ہو جائے گی اور طلاق کو منسوب کرنا درست نہیں مگر یہ کہ وہ شخص یا تو طلاق دینے کا مالک ہو اور یا اپنے مالک ہونیکی طرف منسوب کرے جب کہ پہلے گذرا چنانچہ اگر کسی نے اجنبیہ عورت سے یہ کہا کہ اگر تو اس گھر میں جائے تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے اس سے نکاح کر لیا اور وہ اس گھر میں چلی گئی تو اُسے طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق نہ تو نکاح میں دیگئی اور نہ نکاح پر اسکو معلق کیا۔

والفاظ[۱] الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما ومتی ومتی ما ففی کل ھذہ الالفاظ ان وجد الشرط انحلت الیمین ووقع الطلاق الا فی کلما فان الطلاق یتکرر بتکرر الشرط حتی یقع ثلث تطلیقات فان تزوجہا بعد ذلک وتکرر الشرط لم یقع شئ۔

وزوال[۲] الملک بعد الیمین لا یبطلہا فان وجد الشرط فی ملک انحلت الیمین ووقع الطلاق وان وجد غیر الملک انحلت الیمین ولم یقع شیٔ

ترجمہ — اور شرط کے الفاظ یہ ہیں اِن اور اِذا اور اذا ما اور کل اور کلما اور متی اور متی ما پس ان تمام الفاظ میں اگر شرط پائی گئی تو قسم پوری ہوجائیگی اور طلاق واقع ہوجائیگی مگر لفظ کلما کے کہ اس میں طلاق مکرر ہوگی شرط کے مکرر ہونے سے یہاں تک کہ تین طلاقیں واقع ہوجائیں پس اگر اس کے بعد اس سے شادی کرے اور شرط مکرر ہو تو کچھ واقع نہ ہوگا اور ملک کا زائل ہوجانا یمین کے بعد یمین کو باطل نہیں کرتا پس اگر شرط ملک میں پائی جائے تو قسم پوری ہوجائیگی اور طلاق واقع ہوجائیگی اور اگر غیر ملک میں پائی جائے تو قسم پوری ہوجائیگی اور کچھ واقع نہ ہوگا اور جب زوجین نے وجود شرط میں اختلاف کیا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا مگر یہ ہے کہ عورت بینہ قائم کردے۔

تشریح — **قولہ[۱]** الفاظ الشرط، یعنی شرط کے الفاظ یہ ہیں ان۔ اذا۔ اذا ما۔ کل۔ کلما۔ متی۔ متی ما، ان کی مثال اور معنی یہ ہیں مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تو نے یہ کام نہ کیا یا جب تو نے یہ کام کیا یا جس وقت تو نے یہ کام کیا تو تجھے طلاق ہے پس ان تمام الفاظ میں اگر شرط پائی گئی تو قسم پوری ہوجائے گی یعنی اس شرط کا حکم ختم ہوجائے گا اور ایک طلاق پڑجائیگی اور دوبارہ شرط پائی گئی تو دوبارہ طلاق نہ پڑیگی لیکن کلما کے ساتھ شرط کرنے میں کیونکہ شرط کے مکرر ہونے سے طلاق بھی مکرر ہوگی یہاں تک کہ اس میں تین طلاقیں پڑجائیں گی۔ کلما کے معنی جب کبھی اور جس دفعہ کے ہیں پس اگر کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ جب کبھی یا جس دفعہ تو گھر میں جائے تجھے طلاق ہے تو اس صورت میں اگر وہ جس دفعہ گھر میں جائیگی تو چونکہ شرط مکرر ہوئی یعنی وہ تین دفعہ گھر میں گئی تو اُسے طلاقیں بھی تین پڑجائیں گی پس اگر اس کے بعد یعنی تین طلاقیں ہونے اور ان کے بعد حلالہ ہونیکے پھر اس عورت سے نکاح کرلیا اور پھر وہ اس گھر میں گئی تو اب کوئی طلاق نہ پڑیگی۔

قولہ[۲] زوال الملک، یعنی قسم کھانیکے بعد ملک کا زائل ہوجانا اس قسم کو باطل نہیں کرتا پس اگر شرط ملک میں پائی گئی تو قسم اتر جائیگی اور قسم طلاق بھی واقع ہوجائیگی اور اگر شرط غیر ملک میں پائی گئی تو قسم پھر بھی اتر جائے گی لیکن طلاق نہ پڑیگی اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو تجھے طلاق ہے یہ گویا ایک قسم ہے پھر اس شوہر نے اس عورت کے وہ کام کرنے سے پہلے ہی اُسے طلاق دیدی اور اسکی عدت پوری ہوگئی تو اب شوہر نے قسم کھانے کے بعد اپنی ملک زائل کردی پس اگر یہ عورت اس کے طلاق دینے سے پہلے اس کام کو کرلیتی تو شرط ملک میں پائی جاتی ہے اور اس وقت وہ قسم بھی اُترجاتی اور اس عورت پر طلاق بھی پڑجاتی لیکن جب اس نے اسکے طلاق دینے اور عدت پوری ہونیکے بعد وہ کام کیا تو اب شرط ملک میں نہیں پائی گئی اسلئے وہ قسم اُترجائیگی اور اس پر طلاق نہ پڑیگی البتہ اگر عدت میں ہوگی اور اس کام کو کرے گی تو بھی طلاق پڑجائے گی۔

واذا[۳] اختلفا فی وجود الشرط فالقول قول الزوج فیہ الا ان تقیم المرأۃ البینۃ فان کان الشرط لا یعلم الا من جہتہا فالقول قولہا فی حق نفسہا مثل ان یقول ان حضت فانت طالق فقالت قد حضت طلقت وان قال لہا اذا حضت فانت

طالق وفلانة معك فقالت قد حضت طلقت هي ولم تطلق فلانة وإذا قال[۲] لها إذا حضت فأنت طالق فرأت الدم لم يقع الطلاق حتى يستمر الدم ثلاثة أيام فإذا تمت ثلاثة أيام حكمنا بوقوع الطلاق من حين حاضت وإن قال لها إذا حضت حيضة فأنت طالق لم تطلق حتى تطهر من حيضها وطلاق[۳] الأمة تطليقتان وعدتها حيضتان حرًا كان زوجها أو عبدًا وطلاق الحرة ثلاث حرًا كان زوجها أو عبدًا

تشریح:۔ ہیں مگر شرط معلوم نہ ہو مگر عورت کی طرف سے تو اسی کا قول اس کے حق میں معتبر ہوگا مثلاً یوں کہے کہ اگر تجھے حیض آیا تو تجھے طلاق ہے اس نے کہا مجھے حیض آگیا تو طلاق ہو جائیگی اور اگر یہ کہا کہ جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اور فلاں عورت کو تیرے ساتھ پس اس نے کہا مجھے حیض آگیا تو طلاق صرف اسی کو ہوگی نہ کہ فلاں عورت کو اور جب یہ کہا کہ جب تجھے حیض آجائے تو تجھے طلاق ہے اس نے خون دیکھا تو طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ خون تین دن تک جاری رہے پس جب تین دن پورے ہو جائیں تو وقوع طلاق کا اس وقت سے ہم حکم لگا دیں گے جب سے وہ حائضہ ہوئی ہے اور اگر یہ کہا کہ جب تجھے ایک حیض آجائے تو تجھے طلاق ہے تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائے اور باندی کی طلاق دو ہیں اور اسکی عدت دو حیض ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

تشریح:۔ قولہ[۱] ۔ واذا اختلفا۔ یعنی مرد اور عورت اگر شرط کے وجود میں اختلاف کریں تو اس میں مرد کا قول معتبر ہوگا اگر عورت گواہ پیش کر دے پس اگر ایسی شرط ہے کہ جو عورت ہی سے معلوم ہو سکتی ہے تو ایسی صورت میں اس عورت کا قول اس کے حق میں معتبر ہوگا مثلاً مرد نے یہ کہا تھا کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اب اگر وہ عورت کہے کہ مجھے حیض آچکا ہے تو اُسے طلاق ہو جائیگی اور اگر مرد نے اس سے یہ کہا تھا کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے بھی طلاق ہے اور تیرے ساتھ فلانی کو بھی۔ بعد اسکے اس عورت نے کہا کہ مجھے حیض آگیا ہے تو اُسے طلاق ہو جائے گی اور اس فلانی کو نہ ہوگی۔

قولہ[۲] ۔ اذا قال لها۔ یعنی مرد نے اگر عورت سے کہا کہ جب تو حیض سے ہو تجھے طلاق ہے پھر اس عورت نے خون دیکھا تو جبتک تین دن تک خون نہ آتا رہے گا اس پر طلاق نہ پڑیگی اور جب تین دن پورے ہو جائیں گے تو جس وقت سے اُسے حیض شروع ہوا تھا اسی وقت طلاق پڑ جانے کا حکم دیدیا جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ حیض عدت میں شمار ہو جائے گا اور اگر مرد نے عورت سے کہا کہ جب تو ایک دفعہ حیض سے ہو تجھے طلاق ہے تو جبتک یہ عورت اس حیض سے پاک نہ ہوگی اُسے طلاق نہ ہوگی اسکی وجہ یہ کہ طلاق پڑ جانیکی شرط پورا حیض ہے اور جبتک وہ اس سے پاک نہ ہو جائے اس کا پورا ہونا معلوم نہیں ہو سکتا برخلاف مسئلہ اول کہ اس میں شرط صرف حیض کا ہونا ہے پس اس شرط کا وجود حیض کے دیکھتے ہی سے ہو جاتا ہے مگر اس میں تین دن کی قید اس لئے لگائی گئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حیض ہی کا خون ہے پس جب اسکی تحقیق ہو جائیگی تو اس عورت پر اسی وقت سے طلاق پڑ جائے گی کہ جس وقت اس نے خون دیکھا تھا۔

قولہ[۳] طلاق الامۃ:۔ باندی کی دو طلاقیں ہیں اور دو ہی حیض اسکی عدت کے ہیں۔ برابر ہے کہ اس کا شوہر

آزاد ہو یا غلام اور آزاد عورت کی تین طلاقیں ہیں خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ اسکی وجہ یہ کہ احناف کے نزدیک طلاق میں عورت کے حال کا اعتبار ہوتا ہے کہ آزاد ہو تو تین ہیں اور باندی ہو تو دو۔ شوہر عام ہے کہ آزاد ہو یا غلام جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کے حال کا اعتبار ہوتا ہے اسلئے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس نے کہا کہ طلاق کا اعتبار مردوں کے لحاظ سے ہوتا ہے اور عدت کا اعتبار عورتوں کے لحاظ سے۔ دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں اور حدیث مذکور سے ایقاع طلاق مراد ہے۔ عدد طلاق نہیں۔

وإذا طلق الرجل امرأته قبل الدخول بها ثلاثاً وقعن عليها وإن فرق الطلاق بانت بالأولى ولم يقع معاً الثانية والثالثة وإن قال لها أنت طالق واحدة وواحدة وقعت عليها واحدة ولو قال لها أنت طالق واحدة قبل واحدة وقعت عليها واحدة وإن قال لها واحدة قبلها واحدة وقعت عليها ثنتان إن قال واحدة بعدها واحدة وقعت واحدة وإن قال لها أنت طالق واحدة بعد واحدة أو مع واحدة أو معها واحدة وقعت ثنتان وإن قال لها إن دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة فدخلت الدار وقعت عليها واحدة عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا تقع ثنتان وإن قال لها أنت طالق بمكة فهي طالق في الحال في كل البلاد وكذلك إذا قال لها أنت طالق في الدار وإن قال لها أنت طالق إذا دخلت مكة لم تطلق حتى تدخل مكة وإن قال أنت طالق غداً وقع عليها الطلاق بطلوع الفجر الثاني

تشریح ——— اور جب کسی نے اپنی بیوی کو صحبت کرنے سے پہلے تین طلاقیں دی تو تین واقع ہو جائیں گے اور اگر جدا جدا دیں تو بائنہ ہو جائیگی پہلے ہی سے اور دوسری و تیسری سے واقع نہ ہوگی اور اگر بیوی سے کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور ایک تو اس پر ایک واقع ہوگی اور اگر کہا ایک طلاق ہے ایک سے پہلے تو ایک واقع ہوگی اور اگر کہا ایک ہے اس سے پہلے بھی ایک ہے تو دو واقع ہوں گی اور اگر کہا ایک طلاق ہے ایک کے بعد یا ایک کے ساتھ یا اس کے ساتھ ایک ہے تو دو واقع ہوں گی اور اگر کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے ایک اور ایک پس وہ گھر میں داخل ہو گئی تو اس پر ایک واقع ہو جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ دو واقع ہوں گی اور اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے مکہ میں تو فی الحال ہر شہر میں طلاق واقع ہو جائیگی اور اسی طرح اگر کہا تجھے طلاق ہے گھر میں اور اگر یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے جب تو مکہ میں داخل ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ جگہ میں داخل ہو جائے اور اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے کل تو اس پر طلاق واقع ہوگی۔ فجر ثانی کے طلوع سے پہلے۔

تشریح ——— قولہ۔ اذا طلق الرجل۔ یعنی اگر کسی نے اپنی غیر موطوءہ بیوی کو تین طلاقیں دیدی

تینوں واقع ہو جائیں گی کیونکہ جب طلاق کے بعد عدد مذکور ہو تو طلاق عدد کے مطابق واقع ہوتی ہے اور غیر موطوءہ کا تین طلاقوں کا محل ہونا متعدد احادیث سے ثابت ہے اور اگر ایک ایک کر کے طلاق دے گا تو وہ پہلے ہی طلاق سے جدا ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری طلاق اس پر نہ پڑے گی اور اگر اس سے اس طرح کہا تھا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور ایک تو اس پر ایک ہی پڑے گی کیونکہ ابھی گذرا کہ وہ پہلے ہی طلاق سے جدا ہو جائیگی اور طلاق ہونیکی محل نہ رہے گی۔

قولہ۔ ان قال واحدۃ قبلہا واحدۃ۔ یعنی اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے پہلے ایک سے تو اس صورت میں ایک پڑے گی اور اگر یہ کہا کہ تجھے ایسی ایک طلاق ہے کہ اس سے پہلے بھی ایک ہے تو دو پڑ جائیں گی وجہ اسکی یہ کہ تفریق طلاق اگر بذریعہ حرف عطف ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ حرف عطف ہو تو جو واؤ ہے وہ جمع کیلئے آتا ہے خواہ بطور معیت ہو یا بطور تقدم و تاخر پس اول آخر پر مقدم نہ ہوگا بلکہ ہر لفظ اپنا عمل کرے گا اسلئے عورت ہی ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور بعد والی طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر تفریق طلاق بذریعہ لفظ قبل یا بعد ہو تو کبھی ایک طلاق واقع ہوگی اور کبھی دو طلاق کیونکہ لفظ قبل اس اظہار کیلئے رسم ہے جو اس کے مضاف الیہ سے مقدم ہو اور لفظ بعد اس کیلئے جو اس کے مضاف الیہ سے موخر ہو پس اگر کسی نے کہا۔ انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ تو اس نے چونکہ دوسری طلاق سے قبل پہلی طلاق واقع کی ہے لہذا وہ اس سے بائنہ ہو گئی اور دوسری طلاق کا محل نہ رہی اور اگر انت طالق واحدۃ بعدھا واحدۃ کہا تو بھی ایک طلاق واقع ہوگی اسلئے کہ وہ اگر بعدیت کے ساتھ متصف نہ کرتا پھر بھی دوسری طلاق واقع نہ ہوگی اب بدرجہ اولی واقع نہ ہوگی اور اگر انت طالق واحدۃ قبلہا واحدۃ کہا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اسلئے کہ ماضی میں طلاق واقع کرنا فی الحال واقع کرنا ہے پس دونوں ایک ساتھ واقع ہونگی

قولہ ان دخلت الدار۔ یعنی اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اس گھر میں گئی تو تجھے ایک طلاق ہے پھر وہ اس گھر میں چلی گئی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر ایک طلاق پڑے گی اور اگر شرط کو موخر کر کے ذکر کیا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ صاحبین نے کہا کہ دونوں صورتوں میں دو طلاقیں ہوں گی۔ کیونکہ واؤ جمع کیلئے ہے نہ کہ ترتیب کیلئے اور یہاں دونوں طلاقوں کو وجود شرط کے وقت واقع کیا ہے اور وجود شرط کی حالت ایک ہے لہذا دونوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جب طلاق شرط پر معلق ہوتی ہے تو وہ وجود شرط کے وقت طلاق تنجیزی کے حکم میں ہو جاتی ہے پس اگر ایک طلاق تنجیزی دیدی تو دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔

قولہ۔ انت طالق بمکۃ۔ یعنی اگر کسی نے بیوی سے یہ کہا کہ تجھے مکہ میں طلاق ہے تو اس وقت طلاق واقع ہو جائیگی خواہ کہیں ہو کیونکہ طلاق کا وقوع کسی خاص مکان کے ساتھ مخصوص نہیں اسی طرح اگر یہ کہا کہ تجھے گھر میں طلاق ہے تو اس صورت میں بھی اس وقت طلاق پڑ جائے گی اور اگر یہ کہا کہ جب تو مکہ میں جائے تجھے طلاق ہے تو جبتک وہ مکہ میں نہ جائے اس پر طلاق نہ پڑے گی اسلئے کہ طلاق کا وقوع دخول پر معلق ہے اور اگر یہ کہا کہ تجھے کل کو طلاق ہے تو اگلے روز صبح ہوتے ہی اس پر طلاق پڑ جائیگی۔

وان قال لامرأته اختاری نفسك ينوي بذلك الطلاق او قال لها طلقی نفسك فلها ان

تطلق نفسها مادامت فی مجلسها ذلك فان قامت منه او اخذت فی عمل آخر خرج الامر من یدها وان اختارت نفسها فی قوله اختاری نفسك كانت واحدة بائنة ولا یكون ثلاثا وان نوی الزوج ذلك ولا بد من ذكر النفس فی كلامہ او فی كلامها وان طلقت[۲] نفسها فی قوله طلقی نفسك فهی واحدة رجعیة وان طلقت نفسها ثلاثا وقد اراد الزوج ذلك وقعن علیہا وان قال لها طلقی نفسك متی شئت فلها ان تطلق نفسها فی المجلس وبعده واذا قال لرجل طلق امراتی فله ان یطلقها فی المجلس وبعده وان قال طلقها ان شئت فله ان یطلقها فی المجلس خاصة وان قال لها ان كنت تحبینی او تبغضینی فانت طالق فقالت انا احبك او ابغضك وقع الطلاق وان كان فی قلبها خلاف ما ظهر

ترجمہ ـــــــ اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو خود کو اختیار کرلے اس سے اسکی طلاق کی نیت کی یا کہا تو خود کو طلاق دے لے تو وہ خود کو طلاق دے سکتی ہے جبتک وہ مجلس میں رہے پس اگر اس سے اٹھ کھڑی ہوئی یا کسی اور کام میں لگ گئی تو اختیار ہاتھ سے جاتا رہے گا پھر اگر وہ خود کو اختیار کرلے اس کے قول اختاری نفسک میں تو ایک طلاق بائنہ ہوگی تین نہ ہوں گی اگرچہ شوہر نے تین کی نیت کی اور لفظ نفس کا مذکور ہونا ضروری ہے مرد یا عورت کے کلام میں اور اگر خود کو اسکے قول طلقی نفسک میں طلاق دے لی تو یہ رجعی ہوگی اور اگر اس نے تین دے لیں اور شوہر نے اسکی نیت کرلی تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اگر اس سے کہا کہ خود کو طلاق دے لے جب تو چاہے تو وہ خود کو طلاق دے سکتی ہے مجلس میں بھی اور بعد میں بھی اور جب کسی نے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دیدے تو وہ مجلس میں طلاق دے سکتا ہے اور اس کے بعد بھی اور اگر کہا کہ اس کو طلاق دیدے اگر تو چاہے تو وہ صرف مجلس میں طلاق دے سکتا ہے اور اگر کہا کہ اگر تو مجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہے تو تجھے طلاق ہے اس نے کہا کہ میں تجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اس کے دل میں خلاف ہو اسکے بعد جو ظاہر کیا ہے

تشریح ـــــــ قولہ[۱] وان قال لامراتہ ۔ یعنی کسی نے اپنی بیوی کو بہ نیت طلاق یہ کہا کہ تجھے اپنا اختیار ہے تو اب اس عورت کو اختیار ہے کہ جبتک یہ اس جگہ بیٹھی ہوئی ہے اپنے آپ کو طلاق دے لے اور اگر یہاں سے کھڑی ہو گئی یا اور کوئی کام کرنے لگی تو اب اُسے اختیار نہ رہے گا کیونکہ قیام دلیل اعراض ہے پھر عورت ایک طلاق بائنہ ہو جائیگی اگرچہ شوہر تین کی نیت کرے اسلئے کہ اختیار میں تنوع نہیں ہوتا۔

قولہ[۲] ان طلقت نفسها ۔ یعنی شوہر نے اگر یہ کہا تھا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے اور عورت نے دے لی تو وہ ایک طلاق رجعی ہوگی اور اگر اس نے تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے ان کی نیت بھی کرلی تھی تو یہ تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ طلاق دے لے امر ہے جو مقتضی تطلیق ہے اور تطلیق مصدر اسم جنس ہے جس میں ایک کا بھی احتمال ہے اور کل کا بھی پس کل کی نیت ہوگی تو تینوں واقع ہو جائیں گی ورنہ ایک پر حمل کیا جائے گا اور تفویض چونکہ طلاق کی صریح ہے اسلئے رجعی واقع ہوگی۔

وان طلق الرجل امرأته فی مرض موته طلاقاً بائناً فمات فهی فی العدة ورثت منه وان مات بعد انقضاء عدتها فلا میراث لها واذا قال لامرأته انت طالق ان شاء الله تعالٰی متصلاً لم یقع الطلاق علیها وان قال لها انت طالق ثلاثاً الا واحدة طلقت ثنتین وان قال ثلاثاً الا ثنتین طلقت واحدة واذا ملک الزوج امرأته او شقصاً منها او ملکت المرأة زوجها او شقصاً منه وقعت الفرقة بینهما۔

ترجمہ ——— اور اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو مرض موت میں طلاق بائن دی پھر مر گیا جبکہ وہ اسکی عدت میں تھی تو عورت اس کے وارث ہوگی اور اگر عدت گذرنے کے بعد مرا تو عورت کیلئے میراث نہ ہوگی اور جب اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے تین طلاق ہے ان شاء اللہ تعالٰے اور یہ متصلاً کہا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر بیوی سے کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں مگر ایک تو دو واقع ہوں گی اور اگر کہا تین ہیں مگر دو تو ایک واقع ہوگی اور اگر کہا تین ہیں مگر تین تو تینوں واقع ہوں گی اور جب شوہر بیوی کا مالک ہو جائے یا اس کے کچھ حصہ کا یا بیوی مالک ہو جائے شوہر کا یا اس کے کچھ حصہ کا تو ان میں فرقت واقع ہو جائے گی۔

تشریح:——— قولہ[۱] ان طلق الرجل امرأتہ۔ یعنی شوہر نے اگر اپنے مرض موت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور وہ ابھی عدت میں تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا تو اس عورت کو وراثت ملے گی اور اگر اس کا انتقال عدت کے بعد ہوا تو وارث نہ ہوگی یہ احناف کے نزدیک ہے امام احمد بن حنبل کے نزدیک عدت کے بعد بھی وارث ہوگی جبکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ امام مالک کے نزدیک اگر وہ دس شوہروں سے بھی نکاح کرلے تو بھی وارث ہوگی۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ زوجیت سبب وارثت ہے اور شوہر نے اپنی مرض موت میں طلاق دیکر اس سبب کو باطل کرنا چاہا ہے۔

قولہ[۲]۔ اذا قال لامرأتہ:۔ یعنی اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ انشاء اللہ تجھے طلاق ہے یعنی طلاق کے ساتھ ہی انشاء اللہ کہدیا تو اس پر طلاق نہ پڑیگی یہ طرفین کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا بھی یہی قول ہے لیکن امام مالک کا خیال ہے کہ انشاء اللہ کہنے سے وقوع طلاق باطل نہ ہوگا اسی طرح عتاق و صدقہ بھی البتہ یمین و نذر باطل ہو جائیں گے۔

قولہ[۳]۔ ان قال لہا انت طالق۔ یعنی اگر بیوی سے کسی نے کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں مگر ایک تو اُسے دو طلاقیں ہو جائیں گی اور اگر یہ کہا کہ تین ہیں مگر دو تو ایک طلاق ہوگی اور اگر شوہر اپنی بیوی کا مالک ہو گیا کل کا یا تہائی یا چوتھائی کا یا عورت اپنے شوہر کی مالک ہو گئی کل کی یا چوتھائی یا تہائی کی تو ان صورتوں میں جدائی ہو جائیگی یعنی نکاح ٹوٹ جائے گا اسکی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی باندی کا نکاح اپنے بیٹا سے کر دیا یا اپنی بیٹی کا نکاح اپنے غلام سے کر دیا پھر اس شخص کا انتقال ہو گیا اور وہ باندی ترکہ میں اس کے بیٹا کے حصہ میں آگئی تو اس صورت میں شوہر اپنی بیوی کا مالک ہو گیا یا وہ غلام ترکہ میں اسکی بیٹی کے حصہ میں آگیا تو میاں بیوی اپنے شوہر کی مالک ہو گئی ان صورتوں میں ان دونوں کا نکاح نہ رہے گا اسی طرح تہائی یا چوتھائی حصہ کے مالک ہونے کو قیاس کر لینا چاہیئے۔

بَابُ الرَّجعَةِ

ترجمہ :- رجعت کا بیان

(۲) اذا طلق الرجل امراتہ تطلیقۃً رجعیۃً او تطلیقتین فلہ ان یراجعہا فی عدتہا رضیت المراۃ بذلک اولم ترض والرجعۃ ان یقول لہا راجعتک او راجعت امراتی او یطاھا او یقبلہا او یلمسہا بشہوۃٍ او ینظر الی فرجہا بشہوۃٍ و یستحب لہ ان یشہد علی الرجعۃ شاہدین و ان لم یشہد صحت الرجعۃ

ترجمہ ـــــ جب کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی یا دو تو وہ اس کی عدت میں مراجعت کر سکتا ہے۔ عورت خواہ اس سے راضی ہو یا نہ ہو اور رجعت یہ کہنا ہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کر لی یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کر لی۔ یا اس سے وطی کر لے یا بوسہ لے لے یا اس کو شہوت سے چھو دے یا اسکی شرمگاہ دیکھ لے اور مستحب یہ ہے کہ رجعت پر دو گواہوں کو گواہ کر لے اگر گواہ نہ بنایا تو بھی رجعت صحیح ہو جائیگی۔

تشریح :- ـــــ قولہ (۱) باب الرجعۃ :- رجعت لغت میں طلاق والی عورت کے رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں عورت کی عدت کے زمانہ میں ملکیت استمتاع کے دوام کے باقی رکھنے کو کہا جاتا ہے جو ملکیت استمتاع نکاح کے ساتھ قائم ہے۔ واضح ہو کہ رجعت قول سے بھی ہوتی ہے اور فعل سے بھی اول جیسے راجعتک یا راجعت امراتی دوم جیسے وطی کرنا۔ بوسہ لینا۔ چھونا۔ شرمگاہ کو بنظر شہوت دیکھنا۔ امام شافعی کے نزدیک صرف قول سے رجعت ہوتی ہے کیونکہ رجعت ان کے نزدیک ابتداء نکاح کے درجہ میں ہے اور احناف اس کو ابقاء نکاح کہتے ہیں۔

قولہ (۲)۔ اذا طلق الرجل امراتہ :- یعنی جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی دیدیں تو اس سے اس کی عدت میں اسکو رجعت کر لینی جائز ہے خواہ وہ عورت اس سے راضی ہو یا نہ ہو اور رجعت یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کر لی یا یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کر لی۔ یا اس سے صحبت کرے یا اس کا پیار لیلے یا اُسے شہوت سے اسکی شرمگاہ کو دیکھ لے اور شوہر کیلئے یہ ہے کہ رجعت پر دو عادل گواہ کر لے احناف کے نزدیک مستحب ہے لیکن امام مالک اور ایک قول میں امام شافعی کے نزدیک واجب ہے ان کی دلیل یہ کہ آیت کریمہ واشہدوا ذوی عدل منکم میں امر وجوب کیلئے آیا ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ فامسکوھن بمعروف فامساک بمعروف۔ فلاجناح علیہما ان یتراجعا وغیرہ نصوص مطلق ہیں۔ جن میں امر برائے استحباب ہے برائے وجوب نہیں۔

(۱) واذا انقضت العدۃ فقال الزوج قد کنت راجعتہا فی العدۃ فصدقتہ فہی رجعۃ وان کذبتہ فالقول قولہا ولا یمین علیہا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) واذا قال الزوج قد راجعتک فقالت مجیبۃ لہ قد انقضت عدتی لم تصح الرجعۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ واذا قال زوج الامۃ بعد

انقضاء عدتها فقد كنت راجعتك في العدة فصدقه المولى وكذبته الامة فالقول قولها عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى واذا انقطع الدم من الحيضة الثالثة لعشرة ايام انقطعت الرجعة وانقضت عدتها وان لم تغتسل وان انقطع الدم لاقل من عشرة ايام لم تنقطع الرجعة حتى تغتسل او يمضي عليها وقت صلوة او تيمم وتصلي عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى وقال محمد رحمه الله اذا تيممت المرأة انقطعت الرجعة وان لم تصل

ترجمہ ـــــ اور جب عدت گزر جائے تو شوہر کہے کہ میں نے تجھ سے عدت میں رجعت کر لی تھی عورت اسکی تصدیق کرلی تو رجعت ہو گئی اور اگر تکذیب کر دی تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس پر قسم نہ ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور جب شوہر کہے میں نے تجھ سے رجعت کر لی تو عورت نے جواب دیتے ہوئے کہا میری عدت گذر چکی ہے تو رجعت صحیح نہ ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور جب باندی کا شوہر اس کی عدت گذر جانے کے بعد کہے میں نے اس سے رجعت کر لیا اس پر آقا نے تصدیق کی اور باندی نے تکذیب تو باندی کا قول امام ابوحنیفہ کے نزدیک معتبر ہوگا اور جب تیسرے حیض کا خون دس دن پر بند ہو جائے تو رجعت ختم ہو جائیگی ـ اگرچہ غسل نہ کرے اور اگر دس دن سے کم پر بند ہوا تو رجعت ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ غسل کرے یا ایک نماز کا وقت گذر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ جب تیمم کر چکے تو رجعت ختم ہو جائیگی اگرچہ نماز نہ پڑھے ـ

تشریح :ـــــ قولہ ـ اذا انقضت العدة : ـ یعنی عدت گذرنے کے بعد اگر شوہر نے کہا کہ میں نے تو اس سے عدت میں رجعت کر لی تھی اور عورت نے اسکی تصدیق کی تو وہ رجعت درست ہو جائیگی اسلئے کہ جب زوجین کے تصادق سے نکاح درست ہو سکتا ہے تو رجعت بدرجہ اولی درست ہوگی ـ البتہ عورت نے اگر انکار کر دیا تو عورت ہی کا قول معتبر ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک کیونکہ شوہر ایسی چیز کی خبر دے رہا ہے جس کے انشاء کا وہ فی الحال مالک نہیں اور عورت اس کا منکر ہے تو عورت ہی کا قول مانا جائے گا ـ

قولہ ـ اذا قال الزوج : ـ یعنی شوہر نے کہا کہ میں نے تجھ سے رجعت کر لی ہے تو وہ عورت اس کے جواب میں بولی کہ میری عدت تو گذر چکی ہے ـ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ عدت درست نہ ہوگی اور اگر باندی کے شوہر نے اسکی عدت پوری ہونے کے بعد کہا کہ میں نے عدت ہی میں تجھ سے رجعت کر لی تھی اور اس باندی کے آقا نے اسکی تصدیق کی کہ بے شک تو نے رجعت کر لی تھی اور اس باندی نے اسکی تکذیب کی کہ تو نے رجعت نہیں کی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا ـ

قولہ ـ اذا انقطع الدم : ـ یعنی جب عدت والی عورت کے تیسرے حیض کا خون دس روز میں بند ہو جائے تو اب رجعت جاتی رہی کیونکہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہوتا ـ لہذا خون بند ہوتے حیض ختم ہو جائے گا

اور حیض ختم ہوتے ہی عدت ختم اور عدت ختم ہونے ہی رجعت کا حق ختم ہو جائے گا اور اگر دس روز سے کم میں خون بند ہو گیا ہے تو اس پر رجعت کی مدت ختم نہیں ہوتا حیض کی مدت باقی ہے اور خون آسکتا ہے یہاں تک کہ نماز کا وقت گذر جائے یا تیمم کرکے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز بھی پڑھ لے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ جب اس نے تیمم کر لیا تو رجعت کی مدت ختم ہو گئی کیونکہ تیمم کے ذریعہ اس کیلئے وہ چیز حلال ہو گئی جو غسل سے ہوتی ہے پس گویا اس نے غسل ہی کر لیا۔ دلیل شیخین کی یہ ہے کہ تیمم رافع حدیث نہیں چنانچہ پانی پر قادر ہوتے ہی تیمم باطل ہو جاتا ہے۔

وان[1] اغتسلت و نسیت شیئاً من بدنہا لم یصبہ الماء فان کان عضواً کاملاً فما فوقہ لم تنقطع الرجعۃ و ان کان اقل من عضو انقطعت الرجعۃ و المطلقۃ الرجعیۃ تتشوف و تتزین و یستحب لزوجہا ان لا یدخل علیہا حتی یستاذنہا او یسمعہا خفق نعلیہ و الطلاق الرجعی لا یحرم الوطی وان کان طلاقاً بائناً دون الثلاث فلہ ان یتزوجہا فی عدتہا و بعد انقضاء عدتہا۔

ترجمہ ــــــ اور اگر عورت نے غسل کیا اور بدن کا کچھ حصہ بھول گئی جس پر پانی نہیں بہا تو اگر ایک عضو یا اس سے زیادہ ہو تو رجعت ختم نہ ہوگی اور اگر عضو سے کم ہو تو ختم ہو جائے گی اور مطلقہ رجعیہ بناؤ سنگار اور زینت اختیار کرے اور مستحب ہے اس کے شوہر کیلئے یہ کہ اس کے پاس داخل نہ ہو یہاں تک کہ اس کو اطلاع کر دے اور جوتوں کی آواز سنا دے اور طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی اور اگر طلاق بائن تین سے کم دی تو وہ اس سے اس کی عدت میں نکاح کر سکتا ہے اور عدت گذرنے کے بعد بھی۔

تشریح: ــــ قولہ[1] وان اغتسلت:۔ یعنی عورت نے اگر غسل کر لیا تھا اور بدن میں کوئی ایسی جگہ بھول گئی جہاں پانی نہیں پہونچا تھا پس اگر وہ رہی ہوئی جگہ ایک پورا عضو یا اس سے زیادہ ہے تو ابھی رجعت کی مدت ختم نہیں ہوگی اور اگر ایک عضو سے کم ہے تو ختم ہو گئی۔ مطلقہ رجعیہ یعنی جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو اُسے بناؤ سنگار کرنا جائز ہے اور اس کے شوہر کو مستحب یہ ہے کہ بغیر اس سے اجازت لئے اس کے پاس نہ جائے اور اُسے اپنے جوتے کی آواز سنا دے تاکہ اُسے معلوم ہو جائے اور رجعی طلاق صحبت کو حرام نہیں کرتی اور اگر طلاق بائنہ تین سے کم دی ہیں تو اس مرد کو اس عورت کی عدت میں اور عدت کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔

وان[1] کان الطلاق ثلاثاً فی الحرۃ او ثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً و یدخل بہا ثم یطلقہا او یموت عنہا و الصبی[2] المراھق فی التحلیل کالبالغ و وطی المولی امتہ لا یحلہا و اذا[3] تزوجہا بشرط التحلیل فالنکاح مکروہ فان طلقہا بعد وطیہا حلت للاول و اذا[4] طلق الرجل الحرۃ تطلیقۃ او تطلیقتین و انقضت عدتہا و تزوجت بزوج آخر فقد خل بہا ثم عادت الی الاول عادت بثلاث تطلیقات و یہدم الزوج الثانی

مادون الثلاث کما یھدم الثلاث عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمھما اللہ وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا یھدم الزوج الثانی مادون الثلاث واذا طلقھا ثلاثاً فقالت قد انقضت عدتی وتزوجت بزوج آخر ودخل بی الزوج الثانی وطلقنی وانقضت عدتی والمدۃ تحتمل ذالک جاز للزوج الاول ان یصدقھا اذا کان غالب ظنہ انھا صادقۃ

ترجمہ ——— اور اگر طلاقیں تین ہوں حرہ میں یا دو ہوں باندی میں تو اس کیلئے عورت حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح صحیح کرے اور وہ صحبت کرکے طلاق دے یا مرجائے اور قریب البلوغ لڑکا حلالہ میں مثل بالغ کے ہے اور آقا کا باندی سے وطی کرنا اس کو شوہر کیلئے حلال نہیں کرتا اور اگر حلالہ کی شرط سے نکاح کیا تو وہ مکروہ ہے پس اگر اس کو وطی کے بعد طلاق دیدیگا تو شوہر اول کیلئے حلال ہوجائیگی اور اگر کسی نے آزاد عورت کو ایک طلاق دی یا دو اور اس کی عدت گذر گئی اور اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا پس اس نے اس سے دخول کیا پھر وہ شوہر اول کے پاس آئی تو وہ تین طلاقوں کے ساتھ آئیگی اور شوہر ثانی تین سے کم طلاقوں کو ڈھادیتا ہے جس طرح تین طلاقوں کو ڈھادیتا ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اور امام محمد فرمایا کہ شوہر ثانی تین سے کم طلاقوں کو نہیں ڈھاتا اور جب شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دیدیں تو اب عورت کہے کہ میری عدت گذر گئی اور میں نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا اس نے مجھ سے دخول کیا اور طلاق دی اور اسکی عدت بھی گذر گئی اور مدت اس کا احتمال بھی رکھتی ہے تو شوہر اول کیلئے جائز ہے اسکی تصدیق کرے جبکہ وہ اس کے غالب گمان میں صادقہ ہو۔

تشریح ——— قولہ[۱] ۔ وان کان الطلاق ثلاثاً :۔ یعنی آزاد عورت کو اگر تین طلاقیں دی گئیں تو اب آزاد عورت یا باندی اس مرد کیلئے جائز نہیں یہاں تک کہ یہ عورت کسی دوسرے سے نکاح صحیح کرکے ہمبستری کرے پھر طلاق دے یا مرجائے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے فان طلقھا فلا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ اس میں طلقہا سے تیسری طلاق مراد ہے اور تنکح سے وطی اسلئے کہ عقد نکاح کا معنی لفظ زوج ہی سے مستفاد ہے پس اگر تنکح سے بھی عقد نکاح مراد ہو تو کلام میں تاکید لازم آئے گی جبکہ وہ تاسیس پر محمول ہے۔

قولہ[۲] ۔ والصبی المراھق :۔ مراہق لڑکا یعنی جو قریب بلوغ کے ہو حلالہ میں مثل بالغ کے ہے خلاصہ یہ کہ شوہر ثانی کا بالغ ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ قریب البلوغ سے بھی کام چل سکتا ہے بشرطیکہ متحرک آلہ و شہوت جماع ہو۔ اگر باندی کو دو طلاق ہونے کے بعد اس کا آقا اس سے صحبت کرے تو وہ اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوتی اسکی وجہ یہ ہے کہ حلالہ میں شوہر کے صحبت کرنے کو اللہ تعالیٰ نے شرط ٹھہرادیا ہے اور آقا شوہر نہیں ہوتا۔ لہذا اس کے صحبت کرنے سے حلالہ پورا نہیں ہوتا۔

قولہ[۳] ۔ اذا تزوجھا بشرط :۔ یعنی اگر کسی نے حلالہ کی شرط کرکے اس عورت سے نکاح کرلیا اگرچہ اس طریقہ سے بھی عورت شوہر اول کیلئے حلال ہوجائیگی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے حلالہ کی شرط کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس عورت سے یا اسکے شوہر سے یہ وعدہ کرے کہ میں اسلئے نکاح کرتا ہوں کہ میری طلاق دینے کے بعد یہ تیرے لئے حلال ہوجائے اور میں طلاق دیدوں گا پس یہ نکاح مکروہ

تحریمی ہے چونکہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعن اللہ المحلل والمحلل لہ یعنی حلالہ کرنیوالا اور کرانیوالا دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

قولہ۔ اذا طلق الرجل المرأۃ ۔ یعنی جب مرد نے آزاد عورت کو ایک طلاق یا دو طلاق دیدی اس نے پھر پہلے شوہر سے نکاح کرلیا تو اب یہ شوہر تین طلاقوں کا مالک ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جیسا کہ دوسرا شوہر تین طلاقوں کو کالعدم کر دیتا ہے اسی طرح تین سے کم کو بھی کر دیتا ہے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ تین سے کم کو کالعدم نہیں کرتا یہی قول امام شافعی کا بھی ہے۔

قولہ۔ اذا طلقہا ۔ یعنی جب کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں اور پھر اس نے کچھ دنوں کے بعد یہ کہا کہ میں نے عدت پوری کرنے کے بعد دوسرا شوہر کرلیا تھا اور اس نے مجھ سے صحبت کرکے طلاق دیدی تھی اور اب وہ عدت بھی گزر گئی ہے اب آپ مجھ سے نکاح کرلیں تو دیکھا جائے کہ اگر پہلے شوہر کو طلاق دیئے ہوئے اتنے دن گذر گئے ہوں کہ جس میں دو عدتیں پوری ہوسکیں تو اس پہلے شوہر کیلئے جائز ہے کہ اس عورت کو بھی جائی جائے یعنی اسکے کہنے کا اعتبار کیا جائے اور اگر اتنے دن نہیں ہوئے ہیں تو اس کے کہنے کا اعتبار نہ کیا جائے۔

کتاب الایلاء

ترجمہ:۔ ایلاء کا بیان

اذا قال الرجل لامرأتہ واللہ لا اقربک اولا اقربک اربعۃ اشہر فھو مولی فان وطیھا فی الاربعۃ الاشہر حنث فی یمینہ ولزمتہ الکفارۃ وسقط الایلاء وان لم یقربھا حتی مضت اربعۃ اشہر بانت بتطلیقۃ واحدۃ فان کان حلف علی اربعۃ اشہر فقد سقطت الیمین وان کان حلف علی الابد فالیمین باقیۃ فان عاد فتزوجھا عاد الایلاء فان وطیھا والا وقعت بمضی اربعۃ اشہر تطلیقۃ اخری فان تزوجھا ثالثا عاد الایلاء ووقعت علیھا بمضی اربعۃ اشہر تطلیقۃ اخری فان تزوجھا بعد زوج آخر لم یقع بذلک الایلاء طلاق والیمین باقیۃ فان وطیھا کفر عن یمینہ

ترجمہ ——— جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا واللہ میں تیرے قریب نہ آؤں گا یا واللہ میں چار ماہ تک تیرے قریب نہ آؤں گا تو وہ مولی ہو گیا پس اگر وہ اس سے چار ماہ کے اندر وطی کرلے تو قسم میں حانث ہو جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اگر اس کے قریب نہ گیا یہاں تک کہ چار ماہ تک گذر گئے تو ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی پس اگر اس نے چار ماہ کی قسم کھائی ہو تو یمین ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر ہمیشہ کیلئے قسم کھائی ہو تو یمین باقی رہے گی پس اگر وہ اس سے نکاح کرے تو ایلاء لوٹ کر آئے گا اور اگر

اس سے وطی کرے تو بہتر ہے ورنہ چار ماہ گذرنے پر دوسری طلاق ہو جائیگی پس اگر سہ بارہ نکاح کرے تو ایلاء لوٹ آئیگا اور چار ماہ گذرنے پر تیسری واقع ہو جائیگی پھر اگر زوج ثانی کے بعد نکاح کرے تو ایلاء طلاق واقع نہ ہوگی اور قسم باقی رہے گی۔ پس اگر اس سے وطی کرے تو پھر قسم کا کفارہ دے گا۔

تشریح:۔۔۔۔ قولہ کتاب الایلاء :۔ ایلاء مصدر ہے لغت میں اس کا معنی ہے قسم کھانا اور اصطلاح میں اسکو کہتے ہیں کہ شوہر چار ماہ یا اس سے زیادہ تک وطی نہ کرنیکی قسم کھالے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ایلاء موقت جس میں مدت معین ہو (۲) ایلاء موبد جس میں کچھ مدت معین نہ ہو اور یہاں چند امور میں اختلاف ہے اول ایلاء موقت کی مدت میں احناف کے نزدیک چار ماہ ہیں جیساکہ قرآن حکیم سے ثابت ہے امام مالک اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے دوم یہ کہ ایلاء قسم اور تعلیق کے بغیر نہیں ہوتا۔ یہی مذہب ائمہ اربعہ کا ہے۔ جمہور کے نزدیک بلا قسم صحبت نہ کرنے سے بھی ایلاء ہو جاتا ہے سوم چار ماہ کے اندر صحبت کرنے سے کفارہ لازم آنے میں احناف کے نزدیک کفارہ لازم آتا ہے یہی قول امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا ہے۔

قولہ۲ ۔ اذا قال الرجل :۔ یعنی جب کسی نے اجنبی عورت سے یہ کہا کہ خدا کی قسم میں تیرے نزدیک نہ جاؤں گا یا یہ کہا کہ میں چار ماہ تک تیرے نزدیک نہ جاؤں گا اوّل ایلاء موبد ہے اور دوم ایلاء موقت ہے پس اگر شوہر نے مدت مذکورہ میں وطی کرلی تو کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن حسن بصری کے نزدیک کفارہ واجب نہیں۔ دلیل ان کی قرآن کی یہ آیت ہے۔ فان فاؤا فان اللّٰہ غفور رحیم دلیل احناف کی یہ ہے کہ مغفرت سے مراد عقوبت اخروی کا اسقاط ہے نہ کہ کفارہ کا اسقاط۔

قولہ۳ ۔ وان لم یقربہا :۔ یعنی اگر اپنے کہنے کے مطابق عورت کے نزدیک نہ گیا یہاں تک کہ چار ماہ گذر گئے تو اس عورت کو ایک طلاق بائنہ ہو جائیگی وجہ یہ ہے کہ اس مرد نے اس عورت کے حق کو روکنے کے ساتھ اس پر ظلم کیا ہے اسلئے شریعت نے اُسے یہ سزا دی ہے کہ یہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد نعمت نکاح اُس کے پاس نہ رہے

قولہ۴ ۔ فان کان حلف علی اربعۃ :۔ یعنی اگر کسی نے چار ماہ کی قسم کھائی تھی تو چار ماہ گذرنے پر یہ قسم ساقط ہو جائیگی پس اگر ہمیشہ کیلئے قسم کھائی ہے تو وہ قسم باقی رہے گی مثلاً یوں کہا کہ خدا کی قسم میں کبھی تیرے نزدیک نہ جاؤں گا۔ اور ایلاء میں نزدیک نہ جانے سے مراد صحبت نہ کرنا ہے پس اگر اس نے صحبت نہ کی اور چار ماہ گذر گئے تو ایک طلاق پڑ جائیگی۔ پس اگر اس مرد نے اس سے پھر نکاح کرلیا تو ایلاء پھر لوٹ آئے گا اب اگر اس نے صحبت کرلی تو قسم کا کفارہ لازم آئے گا ورنہ چار ماہ گذرنے کے بعد دوسری طلاق پڑ جائیگی اسکے بعد اگر اس نے تیسری دفعہ پھر نکاح کرلیا تو پھر ایلاء لوٹ آئے گا اور اب اگر اس نے صحبت کرلی تو قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔ ورنہ چار ماہ گذرنے کے بعد تیسری طلاق پڑ جائیگی۔

فان۱ حلف علی اقل من اربعۃ اشہرٍ لم یکن مولیًا وان حلف۲ بحج او بصوم او بصدقۃ او عتق او طلاقٍ فہو مولٍ وان۳ اٰلی من المطلقۃ الرجعیۃ کان مولیًا وان اٰلی من البائنۃ لم یکن مولیًا

ومدۃ ایلاء الامۃ شہران

ترجمہ ـــــ پس اگر چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو مولی نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی حج کی یا روزہ کی یا صدقہ کی یا آزاد کرنیکی یا طلاق کی تو وہ مولی ہے اور اگر مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو مولی ہوگا اور اگر بائنہ سے ایلاء کیا تو مولی نہ ہوگا اور باندی سے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں۔

تشریح:۔ ـــــ قولہ فان حلف، یعنی کسی نے اگر چار ماہ سے کم پر قسم کھائی تو وہ ایلاء نہ ہوگا۔ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے للذین یولون من نسائهم تربص اربعة اشهر اور حضرت عبداللہ بن عباس کا قول بھی ہے کہ چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں۔

قولہ۔ وان حلف بحج۔ یعنی کسی نے اگر حج یا روزہ یا صدقہ یا غلام آزاد کرنے یا طلاق دینے کے ساتھ قسم کھائی تو وہ مولی ہو جائے گا۔ حج وغیرہ کے ساتھ قسم کھانے سے مراد یہ ہے کہ مثلاً یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو مجھ پر حج لازم ہو یا روزے رکھنے لازم ہوں یا صدقہ دینا یا غلام آزاد کرنا لازم ہو یا یہ کہے کہ اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو تیری سوتن پر طلاق ہے تو ان تمام صورتوں میں ایلاء ہو جائے گا۔

قولہ۔ وان آلی من المطلقة:۔ یعنی اگر کسی نے رجعی طلاق والی سے ایلاء کیا تو وہ ایلاء ہو جائے گا اس لئے کہ ان کا رشتۂ زوجیت قائم ہے پس اگر مدت ایلاء گذرنے سے پہلے اسکی عدت گذر گئی تو ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ محل ہونا فوت ہو چکا اور اگر بائنہ طلاق والی سے کیا تو ایلاء نہ ہوگا اسلئے کہ آیت ایلاء میں ہم ہماری طرف راجع ہے اور عورت کو جب طلاق بائنہ ہو گئی تو وہ ہماری نہ رہی پس ایلاء کا محل نہیں۔

وان کان المولی مریضا لایقدر علی الجماع او کانت المرأۃ مریضة او کانت رتقاء او صغیرۃ لا یجامع مثلها او کانت بینهما مسافة لایقدر ان یصل الیها فی مدۃ الایلاء ففیئه ان یقول بلسانه فئت الیها فان قال ذلک سقط الایلاء وان صح فی المدۃ بطل ذلک الفئ وصار فیئته الجماع و اذا قال لامرأته انت علی حرام سئل عن نیته فان قال اردت الکذب فهو کما قال وان قال اردت به الطلاق فهی تطلیقة بائنة الا ان ینوی الثلاث وان قال اردت به الظهار فهو ظهار وان قال اردت به التحریم او لم ارد به شیئا فهی یمین یصیر به مولیا۔

ترجمہ ـــــ اور اگر مولی بیمار ہو جس کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا بند راہ والی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ وطی نہ ہو سکتی ہو یا ان کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ اس تک نہ پہونچ سکے۔ ایلاء کی مدت میں تو اس کا رجوع یہ کہدینا کہ

کہ میں نے اس کی طرف رجوع کرلیا۔ جب وہ یہ کہدے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اگر مدت میں صحتیاب ہو جائے تو وہ رجوع باطل ہو جائیگا اور اب اس کا رجوع جماع کرنا ہوگا اور جب بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اس کی نیت دریافت کی جائے گی اگر کہے کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو یہی ہوگا اور اگر کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو یہ طلاق بائن ہوگی مگر یہ کہ وہ تین کی نیت کرے اور اگر کہے کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو ظہار ہوگا اور اگر کہے کہ میں نے حرمت کا ارادہ کیا ہے یا کچھ ارادہ نہیں کیا ہے تو یہ قسم ہوگی جس سے وہ مولی ہو جائے گا۔

تشریح: قولہ وان کان المولی مریضًا۔ یعنی اگر ایلاء کرنیوالا بیمار ہے کہ صحبت نہیں کرسکتا یا وہ عورت بیمار ہے کہ اس سے صحبت نہیں ہو سکتی یا وہ ایسی چھوٹی لڑکی ہے کہ اس سے صحبت نہیں کی جاسکتی یا ان دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ ایلاء کی مدت میں شوہر اپنی بیوی کے پاس نہیں پہونچ سکتا تو ایسے آدمی کا ایلاء سے رجوع کرنا یہ ہے کہ اپنی زبان سے یہ کہے کہ میں نے اس سے رجوع کرلیا پس اگر اس نے یہ کہدیا تو ایلا ساقط ہو جائے گا البتہ حانث اسی وقت ہوگا جب وطی کرے گا اور اگر اس ایلاء ہی کی مدت میں وہ تندرست ہوگیا تو اس کا یہ رجوع کرنا باطل ہو جائے گا اور اس کا رجوع کرنا وطی سے ہوگا

قولہ۔ اذا قال لامرأتہ۔ یعنی اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہدیا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس سے اس کی نیت دریافت کی جائے پس اگر وہ کہے کہ میں جھوٹ بول دیا تھا تو ایسا ہی ہوگا یعنی جیسی نیت ہوگی ویسا ہی حکم ہوگا اور اگر کسی چیز کی نیت نہ ہو یا حرمت کی نیت ہو تو ایلاء ہوگا اسلئے کہ حلال کی تحریم یمین ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لم تحرم ما احل اللہ لک اور اگر ظہار کی نیت ہو تو امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کے نزدیک ظہار ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ ظہار نہ ہوگا اسلئے کہ ظہار میں محرمہ کے ساتھ تشبیہ ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے۔ دلیل شیخین کی یہ ہے کہ یہاں مطلق تحریم ہے اور ظہار میں ایک خاص قسم کی حرمت ہوتی ہے اور کلام مذکور سے اگر کذب مراد ہو تو کلام لغو مانا جائے گا اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائنہ ہوگی۔ چونکہ انت علی حرام کنایہ میں سے ہے اور اگر تین کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

کتاب الخلع

ترجمہ:۔ خلع کا بیان

اذا تشاق الزوجان وخافا ان لا یقیما حدود اللہ فلا باس ان تفتدی نفسھا منہ بمال یخلعھا بہ فاذا فعل ذلک وقع بالخلع تطلیقۃ بائنۃ ولزمھا المال وان کان النشوز من قبلہ کرہ لہ ان یاخذ منھا عوضًا وان کان النشوز من قبلھا کرہ لہ ان یاخذ اکثر مما اعطاھا فان فعل ذلک جاز فی القضاء وان طلقھا علی مال فقبلت وقع الطلاق ولزمھا المال وکان الطلاق

بائنًا وان [3] تبطل العوض فی الخلع مثل ان یخالع المرأة المسلمة علی خمر او خنزیر فلا شیٔ للزوج والفرقة بائنة وان بطل العوض فی الطلاق کان رجعیًا ۔

ترجمہ ——— جب زوجین میں ناچاقی ہو اور اندیشہ ہو کہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو کوئی حرج نہیں کہ عورت اپنی جان کے عوض کچھ مال دے کر خلع کرلے پس جب وہ کرے تو خلع سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور عورت پر لازم ہوگا پس اگر ناموافقت مرد کی طرف سے ہو تو عورت سے عوض لینا مکروہ ہے اور اگر عورت کی طرف سے ہو تو اس کو دیے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور اگر اس نے ایسا ہی کرلیا تو قضاءً جائز ہے اور اگر مال کے عوض طلاق دے دی اور عورت نے قبول کرلی تو طلاق ہو جائیگی اور مال لازم ہوگا اور طلاق بائن ہوگی اور اگر خلع میں عوض باطل ہو مثلاً مسلمان عورت شراب یا خنزیر پر خلع کرے تو شوہر کیلئے کچھ نہ ہوگا اور فرقت بائنہ ہوگی اور اگر عوض طلاق میں باطل ہو تو طلاق رجعی ہوگی ۔

تشریح :- ——— قولہ [1] کتاب الخلع ، خلع مصدر ہے لغت میں اس کا معنی ہے اتارنا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خلعت النعل یعنی میں نے جوتا اتار دیا ۔ اور اصطلاح میں خاص ملک نکاح کے زائل کرنے کو کہا جاتا ہے جو کچھ مال لیکر خلع یا اسکے ہم معنی لفظ بولے ۔ اسکی صحت عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے ۔

قولہ [2] ۔ اذا تشاق الزوجان ؛ یعنی جب شوہر بیوی کے درمیان کوئی جھگڑا ہو جائے اور دونوں کو ڈر ہو کہ اب وہ حق تعالیٰ کے حدود کو پورا نہ کرسکیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت اپنی جان کے عوض مرد کو کچھ مال دیدے کہ جس پر عورت سے خلع کرلے پس جس وقت مرد نے یہ کرلیا تو اس خلع کی وجہ سے ایک طلاق بائنہ ہو جائیگی اور اس عورت پر وہ مال دینا لازم ہوگا اور اگر ناموافقت مرد کی طرف سے ہو تو اس کو عورت سے عوض لینا مکروہ ہے اور اگر عورت کی طرف سے ہو تو مرد کو اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے جو اس نے مہر وغیرہ میں اس کو دیا ہو پس اگر اس نے زیادہ لے لیا ہو تو قضاء میں جائز ہے یعنی قاضی اس کے جواز کا فتویٰ دے دیگا اگرچہ وہ عند اللہ مکروہ رہے گا ۔

قولہ [3] ۔ وان لبطل العوض ؛ یعنی خلع میں اگر مال خلع سے باطل ہوگیا مثلاً کسی نے مسلمان عورت سے شراب یا سور پر خلع کیا تھا تو اب شوہر کو کچھ نہ ملے گا ۔ کیونکہ مذکورہ چیزیں مسلمان کے حق میں مال نہیں پس اگر لفظ خلع استعمال کیا تو طلاق بائن ہوگی ۔ اور خلع کے علاوہ لفظ استعمال کیا تو طلاق رجعی ہوگی ۔ پہلی صورت میں بائن اسلئے ہوگی کہ ایقاع طلاق قبول کے ساتھ معلق ہے جو یہاں موجود ہے اور عوض باطل ہو چکا ہے تو لفظ خلع عامل رہا جو کنایات سے ہے ۔ دوسری صورت میں رجعی اسلئے ہے کہ عامل صریح لفظ طلاق ہے ۔ ظاہر ہے اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے

وما [1] جاز ان یکون مہرًا فی النکاح جاز ان یکون بدلًا فی الخلع فان قالت [2] خالعنی علی ما فی یدی فخالعها

ولم يكن في يدها شئ فلا شئ له عليها وان قالت خالعني على ما في يدي من مال فخالعها ولم يكن في يدها شئ ردت عليه مهرها وان قالت خالعني على ما في يدي من دراهم او من الدراهم ففعل فلم يكن في يدها شئ فعليها ثلاثة دراهم وان قالت طلقني ثلاثا بالف فطلقها واحدة فعليها ثلث الالف وان قالت طلقني ثلاثا على الف فطلقها واحدة فلا شئ عليها عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى عليها ثلث الالف

ترجمہ ——— اور جس چیز کا نکاح میں مہر ہونا جائز ہے وہ خلع میں بدل ہو سکتی ہے اور اگر عورت نے کہا کہ مجھ سے خلع کرلے اس کے عوض جو میرے ہاتھ میں ہے اس نے خلع کرلیا اور ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو شوہر کیلئے عورت پر کچھ نہ ہوگا اور اگر کہا مجھ سے خلع کرلے اسکے عوض جو میرے ہاتھ میں مال ہے اس نے خلع کرلیا اور ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت اپنی مہر واپس کریگی اور اگر کہا کہ مجھ سے خلع کرلے اسکے عوض جو دراہم سے میرے ہاتھ میں ہے اس نے خلع کرلیا اور اس کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو شوہر کیلئے عورت پر تین درہم لازم ہونگے اور اگر کہا مجھے تین طلاقیں دیدے ایک ہزار کے عوض اس نے ایک طلاق دیدی تو ہزار کی تہائی لازم ہوگی اور اگر کہا تین طلاقیں ہزار پر دیدے اس نے ایک دیدی تو عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ہزار کی تہائی ہوگی۔

تشریح:۔ قولہ[۱] وما جاز ان یکون ۔ یعنی جو چیز نکاح میں مہر ہو سکتی ہے وہ خلع میں بھی بدل خلع ہو سکتی ہے کیونکہ نکاح کی طرح خلع بھی ایک عقد ہے جو بضع پر وارد ہے فرق صرف یہ ہے کہ اگر عورت خلع میں شراب یا خنزیر وغیرہ مقرر کرے تو شوہر کیلئے کچھ نہیں ہوتا لیکن خلع صحیح ہو جاتا ہے برخلاف نکاح کہ اس میں شوہر کو مہر مثل دینا پڑتا ہے۔

قولہ[۲] فان قالت خالعنی ۔ یعنی عورت نے اگر اپنے شوہر سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے تو اس پر مجھ سے خلع کرلے۔ شوہر نے خلع کرلیا اور اسکے ہاتھوں میں کچھ بھی نہ تھا تو اب شوہر کا اسکے ذمہ کچھ نہیں یعنی عورت پر بدل واجب نہیں اور طلاق واقع ہو جائے گی اسلئے کہ عورت نے مال متعین نہیں کیا کیونکہ لفظ ما ۔ مال اور غیر مال دونوں کو شامل ہے البتہ اگر لفظا من مال یا من دراہم ذکر کردے تو بھی مال کی صورت میں عورت کو مہر واپس کرنی پڑیگی اسلئے کہ جب عورت نے مال تصریح کردی تو شوہر بلا عوض اپنی ملکیت کے زوال پر راضی نہ ہوگا۔

قولہ[۳] وان قالت طلقنی ثلاثا ۔ یعنی عورت نے اگر یہ کہا کہ ایک ہزار روپئے کے عوض تو مجھے تین طلاقیں دیدے اور شوہر نے اسے ایک طلاق دیدی تو ایک ہزار کا تہائی حصہ اس عورت پر لازم ہوگا اور اگر اس نے یوں کہا کہ ایک ہزار روپیہ پر تین طلاقیں دیدے یعنی تو ایک ہزار روپیہ کا مستحق جب ہی ہوگا کہ مجھے تین طلاقیں دیدے گا اور شوہر نے اسے ایک طلاق دیدی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس عورت پر کچھ نہ

ہوگا اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ ایک ہزار کا ایک تہائی اس پر لازم ہوگا۔

ولو قال الزوج طلقی نفسک ثلاثا بالف او علی الف فطلقت نفسها واحدة لم یقع علیها شیء من الطلاق والمبارأة کالخلع والخلع والمبارأة یسقطان کل حق لکل واحد من الزوجین علی الآخر مما یتعلق بالنکاح عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی المبارأة تسقط والخلع لا تسقط وقال محمد رحمه الله تعالی لا تسقطان الا ما سمیاه

ترجمہ ـــــ اور اگر شوہر نے کہا کہ خود کو تین طلاقیں ہزار کے عوض دے لے یا ہزار پر عورت نے ایک طلاق دیدی تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور مبارأة خلع کی مثل ہے۔ اور مبارأة اور خلع زوجین میں سے ہر ایک کے اس حق کو ساقط کر دیتے ہیں جو دوسرے پر ہو۔ ایسا حق جو نکاح سے متعلق ہو اور امام محمد نے فرمایا کہ ساقط نہیں کرتے مگر وہی جو ان کا مقرر کردہ ہو۔

تشریح :ـــــ قولہ ولو قال الزوج :۔ یعنی شوہر نے اگر اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ایک ہزار روپیہ کے عوض یا ایک ہزار روپیہ پر تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لے اور اس نے ایک طلاق دے لی۔ تو اس عورت پر طلاق بالکل نہ پڑیگی کیونکہ شوہر ایک ہزار سے کم کے عوض میں جدائی سے راضی نہیں برخلاف عورت کے کہ جب وہ ایک ہزار کے عوض جدائی سے راضی ہے تو اس سے کم میں آدرجہ اولیٰ راضی ہوگی۔

قولہ والمبارأة کالخلع :۔ مبارأة خلع کی مثل ہے اسکی صورت مثلاً یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھ سے اتنے روپیہ پر خلع کر لیا تو یہ خلع ہے اور اگر یوں کہا کہ میں نے اپنے سے تجھے ایک ہزار روپیہ پر بری کر دیا اور اس عورت نے قبول کر لیا تو یہ مبارأة ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک خلع اور مبارأة ہر ایسے حق کو ساقط کر دیتے ہیں جو نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی میں ہر ایک کا دوسرے کے ذمہ ہو جیسے مہر و نان نفقہ و سکنیٰ وغیرہ نکاح سے مراد وہ نکاح ہے جس کے بعد خلع یا مبارأة ہو امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ مبارأة تو ساقط کر دیتا ہے اور خلع نہیں کرتا اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ دونوں نہیں کرتے مگر جس حق کا میاں بیوی نام لے دیں۔

کتاب الظہار

ترجمہ :۔ ظہار کا بیان

اذا قال الزوج لامراته انت علی کظهر امی فقد حرمت علیه لا یحل له وطؤها ولا مسها

ولا تقبلها حتی یکفر عن ظهارہ فان وطئہا قبل ان یکفر استغفر اللہ ولا شئ علیہ غیر الکفارۃ الاولی ولا یعاود حتی یکفر

ترجمہ ــــــ جب شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے تو وہ اس پر حرام ہوگئی نہ اس سے وطی حلال ہے اور نہ اس کا چھونا اور نہ بوسہ لینا یہاں تک کہ اپنے ظہار کا کفارہ دے پس اگر کفارہ سے پہلے وطی کرے تو اللہ کا استغفار کرے اور اس پر سوائے کفارہ اولیٰ کے کچھ نہیں اور عود نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دے۔

تشریح :ــــ قولہ کتاب الظہار :۔ ظہار مصدر ہے ظہر یظہر کا لغت میں اس کا معنی ہے پیٹھ۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور اصطلاح میں ظہار اپنی منکوحہ کو کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کو کہا جاتا ہے جو اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو خواہ وہ حرام نسبی ہو یا رضاعی۔

قولہ۔ اذا قال الرجل :۔ یعنی جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو وہ عورت اس پر حرام ہو جائیگی۔ جبتک اس کے ظہار کا کفارہ نہ دیا جائے۔ اس کے ساتھ وطی و دواعی وطی یعنی بوس و کنار وغیرہ حرام ہیں۔

قولہ۔ فان وطئہا قبل :۔ یعنی مظاہر اگر کفارہ دینے سے پہلے جماع کر لیا تو وہ استغفار کرے اور صرف ظہار کا کفارہ ادا کرے۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جبکہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کے بعد ادائیگی کفارہ سے قبل وطی کر لیا تو سرکار مدینہ نے فرمایا کہ، تونے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ چاند کی روشنی میں اس پازیب کی چمک دیکھ کر مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کفارہ ادا کرنے تک اس سے دور رہو۔

والعود الذی یجب بہ الکفارۃ ھو ان یعزم علی وطئہا واذا قال انت علیّ کبطن امی وکفخذھا او کفرجہا فھو مظاھرٌ وکذلک ان شبہہا بمن لا یحل لہ النظر الیہا علی سبیل التابید من محارمہ مثل اختہ او امہ من الرضاعۃ وکذلک ان قال راسک علیّ کظہر امی او فرجک او وجہک او رقبتک او نصفک او ثلثک وان قال انت علیّ مثل امی یرجع الی نیتہ فان قال اردت بہ الکرامۃ فھو کما قال وان قال اردتُ الظہار فھو ظہارٌ وان قال اردت الطلاق فھو طلاقٌ بائنٌ وان لم تکن لہ نیۃ فلیس بشئٍ ولا یکون الظہار الا من زوجتہ فان ظاھر من امتہ لم یکن مظاھراً ومن قال لنسائہ انتن علیّ کظہر امی کان مظاھراً من جماعتہن وعلیہ لکلِ واحدۃٍ منہن کفارۃٌ۔

ترجمہ ــــــ اور وہ عود جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے وطی کرنے کا ارادہ کرے پس

اگر کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ یا ران یا اسکے فرج کی مانند ہے تو وہ مظاہر ہو گیا اور اسی طرح اس کو اگر ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی جس کی طرف نظر کرنا اس کیلئے کبھی بھی حلال نہیں جیسے اپنی بہن یا پھوپھی یا رضاعی ماں اور اسی طرح اگر کہا کہ تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کیطرح ہے یا تیری فرج یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف یا ثلث اور اگر کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو اسکی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا پس اگر وہ کہے کہ میرا ارادہ بزرگی کا تھا تو ایسا ہی ہوگا اور اگر کہا میرا مقصد ظہار تھا تو ظہار ہوگا اور اگر کہا کہ میرا ارادہ طلاق کا تھا تو طلاق بائن ہوگی اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو کچھ نہ ہوگا پس ظہار نہیں ہوتا مگر اپنی بیوی سے پس اگر اپنی باندی سے ظہار کیا تو مظاہر نہ ہوگا اور جس نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو وہ سب سے مظاہر ہوگا اور اس پر ہر ایک کی طرف سے کفارہ نہ ہوگا۔

تشریح:- قولہ۔ والعود الذی یجب بہ الکفارۃ:- یعنی جس چیز کے دوبارہ کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس عورت سے صحبت کرنے کا پختہ ارادہ کرے اور جب کسی نے یہ کہا کہ تو مجھ پر مثل میری ماں کے پیٹ کی ہے یا مثل اسکی ران یا اسکی شرمگاہ کے ہے تو یہ ظہار ہو جائے گا اور اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنی عورتوں میں سے ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی کہ جس کے سارے بدن کو دیکھنا اسے کبھی بھی جائز نہیں۔ جیسے بہن، پھوپھی، خالہ۔ رضاعی ماں وغیرہ اور اسی طرح اگر کسی نے یہ کہا کہ مجھ پر تیرا سر مثل میری ماں کے پیٹھ کے ہے یا تیری شرمگاہ یا تیرا مونہہ یا تیری گردن یا تیرا نصف بدن یا تہائی بدن مثل میری ماں کے بدن کے ہے تو اس سے بھی ظہار ہو جائے گا۔

قولہ۔ وان قال انت علی مثل امی:- یعنی اگر کسی نے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو اس میں اسکی نیت دریافت کی جائیگی پس اگر وہ کہے کہ میں نے اس سے محض کرامت و تعظیم کا ارادہ کیا تھا تو اس کا کہنا تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور اگر وہ کہے کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو ظہار ہو جائے گا اور اگر یہ کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا تھا تو اس پر بائنہ طلاق ہو جائیگی اور اگر اس کی کچھ بھی نیت نہ ہو نہ کرامت اور نہ ظہار اور نہ طلاق تو شیخین کے نزدیک کلام لغو ہو جائے گا اور امام محمد کے نزدیک ظہار ہوگا اسلئے کہ جب ماں کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو کل کے ساتھ تشبیہ دینا بدرجۂ اولی ظہار ہوگا۔ دلیل شیخین کی یہ ہے کہ تشبیہ کے معاملہ میں اس کا کلام مجمل ہے اور مجمل کیلئے اس کا بیان ضروری ہے۔

قولہ۔ ولا یکون الظہار الا من:- یعنی ظہار اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسرے سے نہیں ہوتا پس اگر کسی نے اپنی باندی سے ظہار کر لیا تو وہ ظہار نہ ہوگا اور اگر کسی کی چار بیویاں تھیں اور اس نے اپنی چار بیویوں سے یہ کہدیا کہ تم مجھ پر مثل میری ماں کی پیٹھ کے ہو تو اس کا ان سب سے ظہار ہو جائے گا اور ہر ایک کا مستقل کفارہ دینا ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک صرف ایک کفارہ کافی ہے دلیل ان کی ایلاء پر قیاس ہے کہ اگر کوئی قسم کھالے کہ میں اپنی بیویوں سے صحبت نہ کروں گا پھر اگر کسی ایک سے صحبت کرلے تو ایک کفارہ دینے سے سب عورتیں حلال ہو جائیں گی دلیل احناف کی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں حرمت ثابت ہے اور کفارہ حرمت ہی

ختم کرنے کیلئے ہوتا ہے تو جب حرمت متعدد ہے تو کفارہ بھی متعدد ہے تو کفارہ بھی متعدد ہوگا برخلاف ایلاء کے اس میں وجوب کفارہ اسم باری تعالیٰ کی حرمت کے تحفظ کیلئے ہے اور ظاہر ہے وہ متعدد نہیں۔

وكفارة الظهار عتق رقبة فان لم يجد فصيام شهرين متتابعين فمن لم يستطع فاطعام ستين مسكينا كل ذلك قبل المسيس و يجزى فى ذلك عتق الرقبة المسلمة والكافرة والذكر والانثى والصغير والكبير و لا يجزى العمياء ولا مقطوعة اليدين والرجلين و يجوز الاصم و مقطوع احد اليدين و احدى الرجلين من خلاف ولا يجوز مقطوع ابهامى اليدين ولا يجوز المجنون الذى لا يعقل ولا يجوز عتق المدبر وام الولد والمكاتب الذى ادى بعض المال فان اعتق مكاتبا لم يؤد شيئا جاز فان اشترى اباه او ابنه و ينوى بالشراء الكفارة جاز عنها وان اعتق نصف عبد مشترك عن الكفارة و ضمن قيمة باقيه فاعتقه لم يجز عند ابى حنيفة رحمه الله وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله يجزيه ان كان المعتق موسرا وان كان معسرا لم يجز وان اعتق نصف عبده عن كفارة ثم اعتق باقيه عنها جاز وان اعتق نصف عبده عن كفارة ثم جامع التى ظاهر منها ثم اعتق باقيه لم يجز عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى

ترجمہ ——— اور ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے پس اگر غلام نہ پائے تو دو ماہ پے در پے روزہ رکھے پس اگر یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور وہ کل وطی سے پہلے ہو اور آزاد کرنے میں کافی ہے ایک غلام مسلم ہو یا کافر مرد ہو یا عورت اور بچہ ہو یا بڑا اور اندھا کافی نہ ہوگا اور نہ دونوں ہاتھ یا دونوں پیر کٹا ہوا اور جائز ہے بہرا اور وہ جائز نہیں جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں اور نہ دیوانہ کہ سمجھ نہ ہو اور جائز نہیں آزاد کرنا مدبر اور ام ولد اور اس مکاتب کو جس نے کچھ مال ادا کر دیا ہو پس اگر اس مکاتب کو آزاد کر دیا جس نے کچھ ادا نہیں کیا تو جائز ہے پس اگر اپنے باپ یا بیٹا کو کفارہ کی نیت سے خرید لیا تو کفارہ کی طرف سے جائز ہوگا اور اگر مشترک غلام کا نصف آزاد کیا اور باقی کی قیمت کا ضامن ہوگیا پھر اس کو آزاد کر دیا تھا تو جائز نہ ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور اگر اپنا نصف غلام کفارہ کی طرف سے آزاد کیا پھر باقی بھی اسی کی طرف سے آزاد کر دیا تو جائز ہوگا اور اگر اپنا نصف غلام کفارہ کی طرف سے آزاد کیا پھر جس سے ظہار کیا اس سے وطی کر لیا پھر باقی غلام آزاد کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہ ہوگا۔

تشریح ——— قولہ۔ کفارۃ الظهار۔ یعنی کفارۂ ظہار ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ غلام خواہ مسلم ہو یا کافر۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ مذکر ہو یا مونث ہر ایک برابر ہے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ مسلمان غلام آزاد کرنے کے قائل ہیں ان کے نزدیک کافر غلام کو آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا اسلئے کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے دشمن پر

صرف کرنا جائز نہیں جس طرح زکوٰۃ کے مال کو کافر پر صرف کرنا جائز نہیں دلیل احناف کی یہ ہے کہ قرآن میں رقبہ مذکور ہے جو مطلق ہے اور وہ مومن و کافر دونوں کو شامل ہے پس ایمان کی قید گویا کتاب اللہ پر زیادتی ہے جو ممنوع ہے۔

قولہ ولا یجزی العمیاء۔ یعنی کفارہ میں ایسے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں جس کی جنس منفعت فوت ہو گئی ہو جیسے اندھا کہ جس کو بالکل نہ دکھتا ہو یا اس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پیر یا دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ایسا دیوانہ ہو کہ کبھی ہوش میں نہ آتا ہو اور نہ مدبر اور ام ولد اور اس مکاتب کو آزاد کرنا جائز ہے کہ جس نے اپنا بدل کتابت کچھ کر دیا ہو کیونکہ وہ من وجہ آزادی کے مستحق ہو چکے پس اس میں کامل غلام کی آزادی مفقود ہے۔

قولہ وان اعتق نصف عبد مشترک۔ یعنی ایک غلام دو آدمیوں میں مشترک تھا۔ ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور باقی حصہ غلام کی قیمت کا شریک کیلئے ضامن ہوا بعد اسکے اس کو بھی اس کفارہ میں آزاد کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ آزادی جائز نہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ آزاد کرنے والا دولتمند ہو کیونکہ صاحبین کے نزدیک آزادی میں تجزی نہیں ہوتی تو کسی ایک جزء میں آزادی آنے سے کل آزاد ہو جائے گا۔

قولہ نصف عبد عن کفارتہ۔ یعنی اگر کسی نے کفارہ میں اپنا نصف غلام آزاد کر دیا تھا اور اس کے وطی کرنے سے پہلے اس کفارہ میں باقی نصف کو بھی آزاد کر دیا تو جائز ہو جائے گا کیونکہ آزادی اگرچہ دو کلاموں کے ساتھ ہے لیکن کامل غلام کی آزادی پائی گئی لہذا کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر کسی نے اپنے کفارہ میں اپنا نصف غلام آزاد کر دیا تھا بعد اسکے جس عورت سے ظہار کیا تھا اسی سے پھر صحبت کر لی اور اس کے بعد جو نصف غلام باقی تھا اُسے بھی آزاد کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ آزاد کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ رقبہ کا آزاد کرنا وطی سے پہلے ضروری ہے اور یہاں وطی سے پہلے نصف کو آزاد کیا گیا ہے۔

فان لم یجد المظاهر ما یعتقہ فکفارتہ صوم شہرین متتابعین لیس فیھما شہر رمضان ولا یوم الفطر ولا یوم النحر ولا ایام التشریق فان جامع التی ظاھر منھا فی خلال الشہرین لیلاً عامداً او نھاراً ناسیاً استانف عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ وان افطر یوماً منھما بعذر او بغیر عذر استانف وان ظاھر العبد لم یجزہ فی الکفارۃ الا الصوم فان اعتق المولیٰ عنہ او اطعم لم یجزئہ فان لم یستطع المظاھر الصیام اطعم ستین مسکیناً ویطعم کل مسکین نصف صاع من بر او صاعاً من تمر او شعیر او قیمۃ ذلک فان غدّاھم وعشّاھم جاز قلیلاً کان ما اکلوا او کثیراً

ترجمہ ——— پس اگر وہ نہ پائے جس کو آزاد کرے تو اس کا کفارہ دو ماہ کے لگاتار روزے ہیں جن میں نہ ماہ رمضان ہو اور نہ عید الفطر اور نہ عید الضحیٰ کا دن اور نہ ایام تشریق پس اگر دو ماہ کے اندر اس سے جماع کر لیا جس سے ظہار کیا تھا

رات میں قصداً یا دن میں بھول کر تو از سر نو رکھے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور اگر ایک دن ان دنوں میں عذر سے یا بلا عذر افطار کر لیا تو از سر نو رکھے اور اگر غلام نے ظہار کیا تو اس کو کفارہ میں کافی نہ ہوگا مگر روزہ پس اگر آقا نے اسکی طرف سے آزاد کیا یا کھانا کھلا دیا تو کافی نہ ہوگا اور اگر مظاہر روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھلائے ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو یا اس کی قیمت دے پس اگر ان کو صبح و شام کھلایا تو وہ بھی جائز ہے کم کھائیں یا زیادہ۔

تشریح:۔ قولہ[۱] فان لم یجد المظاهر:۔ یعنی ظہار کرنیوالا کے پاس اگر کوئی غلام یا باندی آزاد کرنے کو نہیں ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ دو ماہ پے در پے روزہ رکھے چونکہ آیت ظہار فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین میں پے در پے کی شرط ہے اور وہ دو ماہ اسی طرح ہوں کہ جن کے درمیان ماہ رمضان نہ ہو چونکہ ماہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ ادا نہیں ہوتا اگر کفارہ کی نیت سے کوئی روزہ رکھے گا اس کے باوجود رمضان ہی کا شمار ہوگا اسی طرح ایام عیدین اور ایام تشریق بھی نہ ہوں اسلئے کہ اس کے ذمہ کامل روزے واجب ہوئے ہیں اور ان دنوں میں منہی عنہ ہونیکی وجہ سے روزہ ناقص ہو جاتا ہے۔

قولہ[۲] فان جامع التی ظاهر:۔ یعنی ان دو ماہ کے اندر اگر اس عورت سے پھر صحبت کر لی کہ جس سے ظہار کیا تھا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک روزے پھر نئے سرے سے رکھے۔ دو ماہ کے اندر ہونیکی قید اسلئے ہے کہ اگر کسی نے کفارہ میں روزے نہ رکھے بلکہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا شروع کیا تھا اور درمیان میں صحبت کر لی تھی تو اس شخص کے ذمہ نئے سرے سے روزے رکھنا بالاتفاق نہیں بلکہ وہی پورے کرے اور رات کو جان کر صحبت کرنے اور دن کو بھول کر کرنے کی قید اسلئے ہے کہ اگر کسی نے رات کو بھول کر صحبت کر لی یا دن کو جان کر کر لی تو اس صورت میں بھی بالاتفاق نئے سرے سے روزہ رکھنا لازم نہیں۔

قولہ[۳] وان ظاهر العبد:۔ یعنی غلام نے اگر ظہار کیا تو کفارہ میں سوائے روزہ رکھنے کے اس کو اور کچھ جائز نہیں کیونکہ وہ کسی چیز کا مالک ہی نہیں بلکہ وہ خود اپنے آقا کا مملوک ہے البتہ روزہ رکھ سکتا ہے اس لئے اس پر روزہ ہی لازم ہے اور آقا کو اس کے منع کرنے جائز نہیں پس اگر اس کے آقا نے اس کی طرف سے کوئی غلام یا باندی کو آزاد کر دیا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو وہ کافی نہ ہوگا اور اگر ظہار کرنے والا روزہ نہیں رکھ سکتا تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع چھوہارے یا جو دے یا اسکی قیمت۔

وان[۱] اطعم مسکینًا واحدًا ستین یومًا اجزاہ وان اعطاہ فی یومٍ واحدٍ لم یجزہ الا عن یومہ وان قرب التی ظاهر منها فی خلالِ الاطعام لم یستانف ومن[۲] وجبت علیہ کفارتا ظهارٍ فاعتق رقبتین لا ینوی لاحدٍ بعینها جاز عنهما وکذلک ان صام اربعۃ اشهرٍ او اطعم مائۃ وعشرین مسکینًا جاز وان اعتق رقبۃً واحدۃً عنهما او صام شهرین کان لہ ان یجعل ذلک عن ایتهما شاء۔

ترجمہ ـــــــ اور اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک کھلاتا رہا تو بھی کافی ہے اور اگر ساٹھ مسکینوں کا کھانا ایک دن میں

ایک ہی کو دیدیا مگر کافی نہ ہوگا مگر ایک دن کی طرف سے پس اگر اس سے قریب ہوا جس سے ظہار کیا کھلانے کے درمیان تو از سر نو نہ کرے اور جس پر ظہار کے دو کفارے واجب ہو گئے اور اس نے دو غلام آزاد کر دیئے اور ان میں سے کسی ایک کی نیت نہیں کی تو دونوں کی طرف سے ہو جائے گا اور اسی طرح اگر چار ماہ روزہ رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو جائز ہے اور اگر ایک غلام کو آزاد کیا یا دو ماہ روزہ رکھے تو اس کو اختیار ہوگا جس کی طرف سے چاہے قرار دے لے۔

تشریح :۔ قولہ۔ وان اطعم مسکینا واحداً :۔ یعنی ہر روز الگ الگ فقیر کو کھانا کھلانا کوئی ضروری نہیں بلکہ اگر ایک ہی فقیر کو دو ماہ تک کھلاتا رہے تو بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا کہنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ضروری ہے اسلئے کہ آیت کریمہ میں ستین مسکینا کی تصریح موجود ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ کھانا کھلانے کا مقصد محتاج کی ضرورت کا رفع ہے اور ضرورت میں ہر روز تجدد ہے یعنی ہر دن آدمی کھانے کا محتاج ہے پس ہر دن ایک ہی فقیر کو کھلانا ایسا ہی ہے جیسے ہر روز ایک نئے فقیر کو کھلایا ہے۔ البتہ اگر ایک ہی فقیر کو ایک ہی دن میں تیس صاع غلہ دیدیا تو جائز نہ ہوگا بلکہ صرف ایک ہی دن کا کفارہ ادا ہوگا پس یہ اس طرح ہو گیا کہ کوئی حاجی جمرہ کی ساتوں کنکریاں ایک ہی دفعہ مار دے کہ صرف ایک ہی رمی شمار ہوتی ہے۔

قولہ۔ ومن وجب علیہ کفارتا ظہار :۔ یعنی اگر کسی پر ظہار کے دو کفارے واجب تھے اور اس نے دو غلام آزاد کر دیئے ان میں سے اس تعین کی نیت نہیں کی کہ یہ غلام اس کفارہ کا ہے اور یہ اس کفارہ کا تو بھی اس کے ذمے سے یہ دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے اسی طرح اگر کسی نے چار ماہ کے روزے رکھ لئے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا اور تعین نہیں کیا تو بھی جائز ہے کیونکہ جنس متحد ہے جس کیلئے نیت تعین کی ضرورت نہیں اور اگر کسی نے دو کفاروں میں ایک غلام آزاد کر دیا یا صرف دو ماہ کے روزے رکھے تو اس کو اختیار ہے کہ دونوں کفاروں میں سے جس کفارہ کو چاہے کر دے۔

کتاب اللعان

ترجمہ :۔ لعان کا بیان

(اذا قذف الرجل امرأتہ بالزنا وھما من اھل الشھادۃ والمرأۃ ممن یحد قاذفھا او نفی نسب ولدھا وطالبتہ المرأۃ بموجب القذف فعلیہ اللعان فان امتنع منہ حبسہ الحاکم حتی یلاعن او یکذب نفسہ فیحد وان لاعن وجب علیھا اللعان فان امتنعت حبسھا الحاکم حتی تلاعن او تصدقہ و اذا کان الزوج عبدا او کافرا او محدودا فی قذف فقذف امرأتہ فعلیہ الحد وان کان الزوج من اھل الشھادۃ وھی امۃ او کافرۃ او محدودۃ فی قذف او کانت ممن لا یحد قاذفھا فلا حد علیہ فی قذفھا ولا لعان

ترجمہ :۔ مرد جب اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائے اور وہ دونوں اہل شہادت ہوں اور عورت وہ

ہو جسکے قاذف کو حد لگتی ہے یا اسکے بچہ کے نسب کو نفی کر دی اور عورت نے موجب قذف کا مطالبہ کیا تو اس پر لعان ہوگا پس اگر اس سے باز رہے تو حاکم اس کو قید کرے تاکہ وہ لعان کرے یا اپنی تکذیب کرے پس اس کو حد لگائی جائے پس اگر وہ لعان کرے تو عورت پر بھی لعان ہوگا اور اگر وہ باز رہے تو حاکم قید کرے تا آنکہ وہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اور اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا قذف کی سزا یافتہ ہو اور وہ اپنی بیوی کو تہمت لگائے تو اس پر حد جاری ہوگا اور اگر شوہر اہل شہادت ہو اور عورت باندی ہو یا کافرہ ہو یا قذف میں سزا یافتہ ہو یا اسکے قاذف کو حد نہ لگتا ہو تو تہمت لگانے میں اس پر حد جاری نہ ہوگا اور نہ لعان ہوگا۔

تشریح: —— قولہ[۱] کتاب اللعان: لعان مصدر ہے باب مفاعلت کا جو بمعنی پھٹکارنا یعنی آپس میں لعنت کرنے کے ہے اور اصطلاح میں لعان چار شہادتوں کا نام ہے جن کی قسمیں کھا کر تاکید کی جائے اور بعد ان کے ایک دوسرے پر لعنت کرے وہ گواہی مرد کے حق میں قائمقام حد قذف کے ہو جاتی ہے اور عورت کے حق میں قائمقام حد زنا کے۔

قولہ[۲] اذا قذف الرجل: یعنی جب شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور وہ دونوں گواہی کے قابل ہوں اور عورت ایسی پارسا ہو کہ اس پر تہمت لگانیوالے کو حد ماری جائے یا عورت جس کا لڑکا ہو اور شوہر اس لڑکا کے نسب کا انکار کرے یعنی یہ کہے کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے اور وہ عورت اس تہمت کی سزا اسکو دلانی چاہے تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہے پس اگر لعان کرنے سے رُک جائے تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ وہ یا تو لعان کرے اور یا اپنے کو جھوٹا کہے اور اگر اس نے اپنے کو جھوٹا کہدیا تو اسکو حد قذف لگائی جائے یعنی تہمت لگانیکی اس کو سزا یعنی اسّی کوڑے لگائے جائیں اور اگر شوہر نے لعان کر لیا تو عورت پر بھی لعان واجب ہوگا اور اگر وہ رُک جائے تو حاکم اس کو بھی قید کرے تاکہ وہ یا تو لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کرے اور بعد تصدیق کرنے کے ہے اس پر زنا کا حد لگا دی جائے۔

قولہ[۳] اذا کان الزوج عبداً: یعنی شوہر اگر غلام ہے یا کافر یا پہلے کسی کو تہمت لگانے میں سزا پا چکا ہے پھر اس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی مثلاً زوجین اولاً کافر تھے پھر عورت اسلام لے آئی اور شوہر نے اسلام پیش کئے جانے سے پہلے اسکو تہمت لگا دی تو شوہر پر حد جاری کیا جائے گا اسلئے کہ جب اس کی جانب سے تعادن متعذر ہو گیا تو موجب اصلی یعنی حد کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

قولہ[۴] وان کان الزوج من اهل الشهادة: یعنی شوہر اگر اہل شہادت ہو اور عورت اہل شہادت نہ ہو مثلاً باندی ہے یا کافرہ یا تہمت میں سزا یافتہ ہے یا ایسی ہے کہ اسکے تہمت لگانیوالے کو حد نہیں لگایا جاتا مثلاً صغیرہ ہے یا دیوانی یا زانیہ تو ایسی عورت کو تہمت لگانے میں شوہر پر نہ حد ہے اور نہ لعان ہے۔ حد اسلئے نہیں کہ وہ پاکدامن نہیں اور لعان اسلئے نہیں کہ وہ اہل شہادت سے نہیں۔

سبق[۵]

وصفة اللعان ان یبتدئ القاضی فیشهد اربع مرات یقول فی کل مرة اشهد بالله انی لمن الصادقین فیما رمیتها به من الزنا ثم یقول فی الخامسة لعنة الله علیه ان کان من الکاذبین

فیما رماھا بہ من الزنا یشیر الیھا فی جمیع ذلک ثم تشھد المرأۃ اربع شھادات تقول فی کل مرۃ اشھد باللہ انہ لمن الکاذبین فیما رمانی بہ من الزنا وتقول فی الخامسۃ غضب اللہ علیھا ان کان من الصادقین فیما رمانی بہ من الزنا واذا التعنا فرق القاضی بینھما وکانت الفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ یکون تحریما مؤبدا وان کان القذف بولد نفی القاضی نسبہ والحقہ بامہ فان عاد الزوج واکذب نفسہ حدہ القاضی وحل لہ ان یتزوجھا وکذلک ان قذف غیرھا فحد بہ او زنت فحدت

ترجمہ ــــــ اور لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شروع کرے شوہر سے پس وہ چار بار گواہی دے ہر دفعہ کہے کہ میں گواہ بناتا ہوں اللہ کو بے شک میں سچا ہوں اس میں جو میں نے تہمت لگائی ہے اس کو زنا کی طرف اشارہ کرے ان سب میں عورتوں کی طرف زنا کی اور کہے پانچویں بار کہ اللہ کا غضب مجھ پر اگر یہ سچا ہو اس میں جس کی تہمت لگائی ہے اس نے مجھ کو اور جب لعان کر چکیں تو قاضی ان میں تفریق کر دے اور یہ فرقت طلاق بائن ہوگی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دائمی حرمت ہوگی اور اگر تہمت بچہ کی نفی کرنے کے ذریعہ ہو تو قاضی نسب کی نفی کر کے اسکی ماں سے ملحق کر دے پس اگر شوہر لوٹ کر خود کی تکذیب کرے تو قاضی اس کو حد لگائے اور وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے اور اس طرح اگر کسی اور کو تہمت لگائی اور اسکو حد لگ گئی یا عورت نے زنا کیا۔ اور اسکو حد لگ گئی۔

تشریح ــــــ قولہ۔ صفۃ اللعان:۔ یعنی لعان کا طریقہ یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں قاضی کے پاس حاضر ہوں پہلے چار مرتبہ مرد گواہی دے۔ ہر مرتبہ اس طرح کہے کہ میں نے جو اس عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں اس میں سچا ہوں پانچویں مرتبہ اس طرح کہے کہ میں نے جو اس عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے اگر اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اور ہر مرتبہ اس عورت کی طرف اشارہ کرتا رہے پھر گواہیاں وہ عورت دے ہر مرتبہ اس طرح کہے کہ مجھ پر جو اس مرد نے زنا کی تہمت لگائی ہے میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ وہ اس میں بے شک جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر مجھ پر زنا کی تہمت لگانے میں یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو جب وہ دونوں لعان کر چکیں تو قاضی ان دونوں کے درمیان جدائی کرا دے اور جدائی کرانا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بائنہ طلاق ہے۔ امام زفر کے نزدیک نفس لعان ہی سے فرقت واقع ہو جائیگی امام مالک اور امام احمد بن حنبل سے بھی یہی مروی ہے چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ متلاعنین میں کبھی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ احناف کی دلیل سیدنا سہل بن سعد کی روایت ہے جس کے آخر میں عویمر عجلانی کا قول ہے کذبت علیھا یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اسکو روک رکھو عویمر نے کہا اگر میں اسکو روک لوں تو اس پر تین طلاق۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ عویمر نے

سرکارِ مدینہ کے سامنے کہا کذبت۔ اگر محض لعان سے فرقت ہو جاتی تو آپ ضرور انکار فرماتے۔

قولہ۔ وان کان القذف، تہمت اگر بچہ کی وجہ سے لگائی ہے یعنی شوہر نے یہ کہدیا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے تو قاضی اس بچہ کا نسب اس مرد سے قطع کر کے اس عورت ہی کو دے دے چونکہ سرکار مدینہ نے ہلال بن امیہ کے قصہ میں ایسے ہی کیا تھا پھر اگر لعان کے بعد مرد اپنی تکذیب کر دے تو اس پر حد جاری کیا جائے گا کیونکہ اپنی تکذیب کرنا خود پر وجوب حد کا اقرار کرنا ہے اور اب اس کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے لیکن امام زفر اور امام ابو یوسف اور امام مالک لعدیمی قول امام شافعی کا ہے کہ نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث گذری کہ دو متلاعن کبھی جمع نہیں ہوتے۔ دلیل طرفین کی یہ ہے کہ تکذیب کے بعد لعان باقی نہیں رہتا پس جو حرمت لعان کی وجہ سے پیدا ہوئی وہ زائل ہوگئی۔

مسئلہ

وان قذف امراتہ وھی صغیرۃٌ او مجنونۃٌ فلا لعان بینھما ولا حد وقذف الاخرس لا یتعلق بہ اللعان واذا قال الزوج لیس حملک منی فلا لعان وان قال زنیت وھذا الحمل من الزنا تلاعنا ولم ینف القاضی الحمل منہ واذا نفی الرجل ولد امراتہ عقیب الولادۃِ او فی الحالِ التی تقبل التھنئۃ فیھا وتبتاع لہ اٰلۃ الولادۃِ صح نفیہ ولاعن بہ وان نفاہ بعد ذلک لاعن ویثبت النسب وقال ابو یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی یصح نفیہٗ فی مدۃ النفاسِ وان ولدت ولدین فی بطنٍ واحدۃٍ فنفی الاول واعترف بالثانی ثبت نسبھما وحد الزوج وان اعترف بالاول ونفی الثانی ثبت نسبھما ولاعن

ترجمہ: ——— اور اگر اپنی بیوی کو تہمت لگائی جو بہت چھوٹی ہے یا دیوانی ہے تو نہ اس میں لعان ہوگا اور نہ حد اور گونگا کے تہمت لگانے سے لعان نہیں ہوتا اور جب شوہر نے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو لعان نہ ہوگا اور اگر کہا تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا ہی سے ہے تو دونوں لعان کریں گے اور قاضی حمل کی نفی اس سے نہ کرے اور جب شوہر نے بیوی کے بچہ کی نفی کی ولادت کے بعد یا اس حالت میں جس میں مبارکبادی قبول کی جاتی ہے اور سامانِ ولادت خریدا جاتا ہے تو نفی صحیح ہوگی اور لعان کرے گا اور اگر اس کے بعد نفی کی تو لعان کرے اور نسب ثابت ہوگا اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ بچہ کی نفی کرنا مدت نفاس میں صحیح ہے اور اگر عورت کے دو بچہ پیدا ہوئے بطن واحد سے اور اول کی نفی کر دی اور ثانی کو اقرار کر لیا تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا اور شوہر کو حد لگے گا اور اگر اول کا اعتراف کیا اور ثانی کی نفی کی تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا اور لعان کرے گا۔

تشریح: ——— قولہ وان قذف امراتہٗ:- یعنی اگر کسی نے اپنی بیوی پر تہمت لگایا اور ابھی بیوی بچی ہے یا دیوانی ہے تو ان دونوں میں لعان نہ ہوگا اور نہ حد اور اگر شوہر گونگا ہے اور وہ اشارہ سے تہمت لگائے تو اس پر بھی لعان نہ ہوگا۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک نے کہا کہ گونگا کے جس طرح دوسرے

مثلاً بیع و طلاق وغیرہ درست ہیں اسی طرح اسکی تہمت بھی درست ہوگی۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ لعان میں لفظ شہادت کا تلفظ رکن ہے یہاں تک کہ اگر کوئی لفظ اشہد کے بجائے احلف کہا تو درست نہیں اور ظاہر ہے گونگا سے اس کا تلفظ دشوار ہے لہذا لعان نہ ہوگا۔

قولہ۔ اذا قال الزوج :۔ یعنی مرد نے اگر اپنی عورت سے کہا کہ یہ تیرا حمل مجھ سے نہیں تو اس کہنے سے لعان نہ ہوگا یہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے نزدیک ہے کیونکہ حمل کے ہونے یا نہ ہونے پر یقین نہیں ہو سکتا لہذا اس کے کہنے سے تہمت نہ ہوگی اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر چھ ماہ سے کم میں اس عورت کا بچہ ہو جائے تو اس حمل کے انکار کرنے پر لعان واجب ہو جائے گا۔

قولہ۔ وان قال زنیت :۔ یعنی مرد نے اگر عورت سے یہ کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا کا ہے تو اس پر لعان ہوگا اور قاضی حمل کے نسب کو مرد سے جدا نہ کرے یعنی ابھی اس مرد کا قرار دے اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جدا کر دے کیونکہ سرکار مدینہ نے ھلال کے لڑکا کو جدا کر دیا تھا۔ ہلال نے اپنی بیوی پر حمل کی حالت میں تہمت لگائی تھی دلیل احناف کی یہ ہے کہ حمل پر احکام ولادت کے بعد ہی مرتب ہوتے ہیں۔ اسلئے کہ ولادت سے پہلے ہونے یا نہ ہونے کا احتمال ہے اور یہ حدیث اس امر پر محمول ہے کہ سرکار کو اس حمل کا ہونا وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ نے حکم لگا دیا۔

قولہ۔ اذا نفی الرجل :۔ یعنی اگر کسی نے اپنی بیوی کے بچہ ہونے کے بعد اس بچہ کا انکار کر دیا کہ یہ میرا نہیں یا ایسے وقت انکار کر دیا کہ اس عورت کو اس بچہ کی مبارکبادی دیجاتی تھی۔ اور زچہ بچہ کی چیزیں خریدی جاتی تھیں تو اس کا انکار کرنا درست ہوگا اور اسکی وجہ سے یہ لعان کرے اور اگر اسکے بعد انکار کیا تو لعان نہ ہوگا اور نسب اس سے ثابت رہے گا یعنی یہ اس کا بیٹا کہلائے گا اور اگر وہ مر جائے تو یہ اس کا وارث ہوگا۔

قولہ۔ وان ولدت ولدین :۔ یعنی اگر کسی عورت کے دو بچے جوڑواں پیدا ہوں اور اس عورت کے شوہر نے پہلے بچہ کا انکار کر دیا کہ یہ میرا نہیں اور دوسرے کا اقرار کر لیا تو ان دونوں بچوں کا نسب اسی مرد سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ دوسرے بچہ کا اقرار کر کے اس نے اپنی تکذیب کر دی اور اگر اس کا برعکس ہو تو لعان ہوگا۔ اسلئے کہ اقرار کر کے وہ عورت کی عفت کا قائل ہو گیا اور دوسرے کی نفی کر کے اس پر تہمت لگایا ہے اسلئے لعان ہوگا۔

کتاب العدۃ

ترجمہ :۔ عدت کا بیان

اذا طلق الرجل امرأتہ طلاقاً بائناً او رجعیاً او وقعت الفرقۃ بینہما لغیر طلاق وھی

حرۃً ممن تحیض فعدتہا ثلاثۃ اقراءٍ والاقراء الحیض وان کانت لا تحیض من صغیرٍ او کبیرٍ فعدتہا ثلاثۃ اشہرٍ وان کانت حاملاً فعدتہا ان تضع حملہا وان کانت امۃً فعدتہا حیضتان وان کانت لا تحیض فعدتہا شہرٌ ونصفٌ

ترجمہ ـــــ جب شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی یا رجعی یا ان میں فرقت بلا طلاق واقع ہوگئی اور عورت آزاد ہے ذوات الحیض میں سے ہے تو اسکی عدت تین قروء ہیں اور قروء حیض کو کہا جاتا ہے اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو کمسنی یا بڑھاپا کی وجہ سے تو اسکی عدت تین ماہ ہیں اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر باندی ہو تو اسکی عدت دو حیض ہیں اور اگر حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ایک ماہ اور پندرہ دن ہیں۔

تشریح ـــــ قولہ[۱]۔ کتاب العدۃ۔ عدت لغت میں گنتی و شمار کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس توقف کو جو عورت کو زوال نکاح کے بعد لازم ہو اس کا وقوع چونکہ طلاق کے بعد ہوتا ہے اسلئے اس کو طلاق کے بعد بیان کیا گیا۔

قولہ[۲]۔ اذا طلق الرجل امرأتہ۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی آزاد بیوی کو طلاق دیدی خواہ طلاق رجعی ہو یا بائنہ یا بغیر طلاق کے دونوں میں جدا ہوگئی ہو اور وہ حیض والی ہو تو اسکی عدت تین قروء یعنی تین حیض ہیں ارشاد باری تعالے ہے والمطلقات یتربصن بانفسہن ثلاثۃ قروء۔ اس میں ثلاثۃ قروء ہے جس سے مراد تین حیض ہیں اور امام شافعی اور امام مالک تین طہر کا قول کرتے ہیں دلیل ان کی یہ ہے کہ لفظ ثلاثۃ مونث ہے اور عدد کی تانیث اس امر پر دال ہے کہ معدود مذکر ہے اور ظاہر ہے مذکر طہر ہے حیض نہیں پس اگر قروء سے مراد حیض ہو تو ثلاث قروء کہنا چاہیئے تھا۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ قروء حیض و طہر میں مشترک ہے اور مشترک سے ایک وقت میں ایک ہی معنی مراد ہوتا ہے دونوں نہیں اور ظاہر ہے اس سے مراد طہر نہ ہوگی کیونکہ جس طہر میں طلاق واقع ہوئی اگر اس کو شمار کیا جائے تو تین طہر کامل نہ ہوں گے اور اگر شمار نہ کیا جائے تو تین پر زیادتی لازم آتی ہے جبکہ لفظ قروء خاص ہے جس میں کمی زیادتی جائز نہیں اسلئے قروء سے مراد حیض لیا جائے گا۔

قولہ[۳]۔ وان کانت لا تحیض۔ یعنی اگر اس طلاق والی عورت کو حیض نہ آئے کم عمر ہونیکی وجہ سے یا بڑھاپا ہونیکی وجہ سے اسکی عدت تین ماہ ہیں اور اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہو جانا ہے اور اگر کسی نے باندی کو طلاق دیدی ہے اور وہ حیض والی ہے تو اس کی عدت ڈیڑھ حیض ہونی چاہیئے مگر چونکہ حیض میں تجزی نہیں ہوتی اسلئے اسکی عدت دو حیض ہیں اور اگر حیض نہ آتا ہو تو آزاد عورت کا نصف ہے یعنی طلاق یا فسخ کی تقدیر پر ڈیڑھ ماہ اور وفات کی تقدیر پر دو ماہ پانچ دن ہیں۔

واذا[۱] مات الرجل عن امرأتہ الحرۃ فعدتہا اربعۃ اشہرٍ وعشرۃ ایامٍ وان[۲] کانت امۃً فعدتہا شہران وخمسۃ ایامٍ وان کانت حاملاً فعدتہا ان تضع حملہا واذا ورثت المطلقۃ فی المرض فعدتہا ابعد الاجلین عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالے وان[۳] اعتقت الامۃ فی عدتہا من طلاقٍ رجعیٍ انتقلت عدتہا الی عدۃِ

الحرائر وان اعتقت وهی مبتوتة أو متوفی عنها زوجها لم تنتقل عدتها الی عدة الحرائر وان کانت آئسة فاعتدت بالشهور ثم رأت الدم انتقض ما مضی من عدتها وکان علیها ان تستانف العدة بالحیض والمنکوحة نکاحًا فاسدًا والموطوءة بشبهة عدتهما الحیض فی الفرقة والموت۔

ترجمہ ـــــــ اور جب آزاد عورت کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں اور اگر باندی ہو تو اسکی عدت دو ماہ پانچ دن ہیں اور اگر حاملہ ہو تو اسکی عدت وضع حمل ہے اور جب مطلق مرض موت میں وارث ہو تو اسکی عدت دو مدتوں میں سے بعید تر ہے اور اگر باندی آزاد کر دی گئی اس کی عدت میں طلاق رجعی کی تو اسکی عدت منتقل ہو جائے گی آزاد عورت کی عدت کی طرف اور اگر اس حال میں آزاد ہوئی کہ وہ بائنہ تھی یا اس کا شوہر مرگیا تھا تو اسکی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہ ہوگی اور اگر آئسہ تھی جو مہینوں سے عدت گزار رہی تھی پھر اس نے خون دیکھا تو وہ عدت ٹوٹ جائیگی جو گذر چکی اور اس کو از سر نو حیضوں سے عدت گزارنا ہوگا اور جس عورت کا نکاح فاسد ہوا ہو اور جس سے وطی بالشبہ ہوئی ہو ان دونوں کی عدت حیض ہیں فرقت اور موت کی صورت میں۔

تشریح: ـــــــ **قولہ۔ اذا مات الرجل:** ـ یعنی جب کوئی مرد مر جائے اور اسکی بیوی آزاد عورت ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس ہیں۔ عورت عام ہے کہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ مسلمہ ہو یا کتابیہ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا اور نبی کریم صلی اللہ و سلم کا قول ہے کہ جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زائد سوگ منائے سوائے اپنے شوہر کے اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے۔

قولہ۔ وان کانت أمة: ـ یعنی مرنے والا کی عورت اگر باندی ہو تو دو ماہ پانچ دن ہیں اور اگر باندی حاملہ ہے اور اس کا شوہر مرگیا ہے تو اسکی بھی عدت بچہ پیدا ہونا ہے اور اگر کسی نے اپنے مرض موت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور دیتے ہی مرگیا اور وہ عورت اسکی وارث ہوئی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسکی وہ عدت ہے جو دونوں عدتوں میں زیادہ ہو یعنی اگر چار ماہ دس دن زیادہ ہوں تو اس پر یہی عدت واجب ہوگی اور اگر تین حیض کی مدت زیادہ ہوتی ہو تو پھر حیض ہی کی عدت واجب ہوگی اور یہ فرق اس صورت میں ہے کہ جب شوہر نے اسکو بائنہ طلاق دی ہو اور اگر رجعی دی ہے تو پھر بالاتفاق چار ماہ دس دن ہیں۔

قولہ۔ ان اعتقت الامة: ـ یعنی اگر کسی نے باندی سے نکاح کر رکھا تھا پھر اسکو رجعی طلاق دے کر اسکی عدت ہی میں اسکو آزاد کر دیا تو اسکی عدت آزاد عورتوں کی مثل ہو جائیگی یعنی اسکی عدت تین حیض ہوں گے اور اگر اسکو بائنہ طلاق دی تھی یا اس کا شوہر مرگیا تھا پھر عدت میں وہ آزاد کر دی گئی تو اسکی عدت آزاد عورتوں کی مثل نہ ہوگی بلکہ باندی والی ہوگی کیونکہ طلاق رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے اور طلاق بائن اور شوہر کی موت سے نکاح زائل ہو جاتا ہے اور اگر مطلقہ عورت آئسہ ہو یعنی اس کو حیض نہ آتا ہو اور وہ مہینوں کے حساب سے عدت میں تھی پھر اس نے خون دیکھا یعنی حیض آگیا تو اس کی عدت جو گذر چکی ہے وہ ٹوٹ جائیگی یعنی وہ دن عدت

میں محسوب نہ ہوں گے اور اس عورت پر لازم ہے کہ اب اپنی عدت نئے سرے سے حیض سے شروع کر کے پوری کرے کیونکہ مدت بالحیض اصل ہے۔

واذا مات مولیٰ ام الولد عنها او اعتقها فعدتها ثلاث حیض واذا مات الصغیر عن امراته و بها حبل فعدتها ان تضع حملها فان حدث الحبل بعد الموت فعدتها اربعة اشهر و عشرة ایام واذا طلق الرجل امراته فی حالة الحیض لم تعتد بالحیضة التی وقع فیها الطلاق واذا وطئت المعتدة بشبهة فعلیها عدة اخری و تداخلت العدتان فیکون ماتراه من الحیض محتسبا منهما جمیعا واذا انقضت العدة الاولی ولم تکمل الثانیة فعلیها اتمام العدة الثانیة وابتداء العدة من الطلاق عقیب الطلاق وفی الوفاة عقیب الوفاة فان لم تعلم بالطلاق والوفاة حتی مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها والعدة فی النکاح الفاسد عقیب التفریق بینهما او عزم الواطی علی ترک وطیها۔

ترجمہ ــــــ اور جب ام ولد کا آقا مر گیا یا اس نے اس کو آزاد کر دیا تو اسکی عدت تین حیض ہیں اور جب بچہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر مر گیا اور حال یہ ہے کہ وہ حاملہ ہے تو اسکی عدت وضع حمل ہے اور اگر مرنے کے بعد حمل ظاہر ہوا تو اسکی عدت چار ماہ دس دن ہیں اور جب شوہر نے بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو اس حیض کو شمار نہ کریگی جس میں طلاق واقع ہوئی ہے اور جب عدت والی عورت سے شبہۃً وطی کر لی گئی تو اس پر دوسری عدت لازم ہوگی اور دونوں عدتیں متداخل ہو جائیں گی پس جو حیض دیکھے گی وہ دونوں عدتوں میں محسوب ہوگا اور جب پہلی عدت گذر جائے اور دوسری عدت پوری نہ ہو تو اس پر دوسری عدت کو پورا کرنا لازم ہے اور طلاق میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد سے ہوتی ہے اور وفات میں وفات کے بعد سے پس اگر اس کو طلاق یا وفات کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ عدت کی مدت گذر گئی تو اس کی عدت پوری ہوگئی اور عدت نکاح فاسد میں ان دونوں میں تفریق واقع ہونے کے بعد سے یا وطی کرنیوالے کے ارادۂ ترک وطی کے بعد سے ہوتی ہے۔

تشریح ــــ قولہ اذا مات مولٰیہا۔ یعنی ام ولد کا آقا اگر مر گیا یا اس نے اس سے آزاد کر دیا تو اسکی عدت تین حیض ہیں اور اگر کسی بچہ کی بیوی حاملہ تھی۔ بچہ کا انتقال ہو گیا تو اس عورت کی عدت امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک وضع حمل ہے جبکہ امام شافعی اور امام ابو یوسف دس دن چار ماہ کے قائل ہیں چونکہ اس عورت کے حمل کا نسب ثابت نہیں کیونکہ بچہ سے علوق نہیں ہو سکتا گویا یہ اس طرح ہو گیا کہ عورت بچہ شوہر کے انتقال کے بعد حاملہ ہو یعنی اس کی موت سے چھ ماہ بعد یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچہ جنا ہو کہ اس تقدیر پر عدت بالاجماع عدت وفات لازم ہے دلیل طرفین کی یہ ہے کہ آیت کریمہ واولات الاحمال مطلق ہے خواہ حمل شوہر سے ہو یا اسکے علاوہ۔ عدت وفات کی ہو یا طلاق کی کوئی قید نہیں۔

قولہ۔ اذا طلق الرجل امراتہ :۔ یعنی کسی نے اگر اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدی تو حیض میں اسکو طلاق ہوگئی ہے اس کو عدت میں شمار نہ کرے کیونکہ عدت پورے تین حیضوں کے ساتھ مقرر کی گئی ہے اور اس حیض کا کچھ حصہ گذر چکا ہے اسلئے اس حیض کے شمار ہونے سے پورے تین حیض نہ ہوں گے۔

قولہ۔ واذا وطئت المعتدۃ :۔ یعنی کسی نے اگر عدت والی عورت کے ساتھ شبہ سے صحبت کرلی تو اس دوسری عدت لازم ہے اور دونوں عدتوں میں تداخل ہوجائے گا پس اب جو حیض اس کو آئے گا وہ دونوں عدتوں میں شمار کیا جائے گا۔ تداخل کی صورت یہ ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی۔ طلاق کے بعد وہ عدت میں بیٹھ گئی اور اسکو ابھی ایک حیض آیا تھا کہ کسی نے شبہ سے اسکے ساتھ صحبت کرلی تو اب اس پر لازم ہے کہ وہ تین حیض آنے تک عدت میں رہے اس وقت دو حیض اسکے شوہر کی عدت پوری کرنے کیلئے ہوجائیں گے اور ایک شوہر کیلئے اور پہلے شوہر پر اسکی پوری مہر واجب ہوگی۔ اور دوسرے پر مہر مثل۔

قولہ۔ اذا انقضت العدۃ :۔ یعنی اگر پہلی عدت پوری ہوگئی اور دوسری نہیں تو اب اس پر دوسری عدت کو پوری کرنا واجب ہے اور طلاق میں عدت کی ابتدا طلاق کے بعد سے ہوجاتی ہے اور مرنے میں مرنے کے بعد پس اگر کسی عورت کو طلاق ہونا یا اپنے شوہر کا مرجانا معلوم نہ ہو یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہوجائے گی کیونکہ عدت زمانہ کے گذرنے کو کہا جاتا ہے پس وہ مدت گذر گئی۔ لہذا وہ عورت اگر چاہے تو اسی وقت نکاح کرسکتی ہے۔

وعلی المبتوتۃ والمتوفی عنہا زوجہا اذا کانت بالغۃ مسلمۃ الاحداد والاحداد ان تترک الطیب والزینۃ والدھن والکحل الا من عذر ولا تختضب بالحناء ولا تلبس ثوبا مصبوغا بورس ولا بزعفران ولا احداد علی کافرۃ ولا صغیرۃ وعلی الامۃ الاحداد ولیس فی عدۃ النکاح الفاسد ولا فی عدۃ ام الولد احداد ولا ینبغی ان تخطب المعتدۃ ولا باس بالتعریض فی الخطبۃ۔

ترجمہ ـــــــ اور معتدہ بائنہ اور متوفی عنہا زوجہا پر جبکہ وہ عاقل بالغ مسلمان ہو سوگ منانا ہے اور سوگ منانا یہ ہے کہ خوشبو اور زینت اور تیل اور سرمہ کو چھوڑ دے مگر عذر کی وجہ سے اور نہ مہندی لگائے اور نہ عصفر یا ورس یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا پہنے اور کافر عورت پر سوگ منانا نہیں اور نہ بچی اور باندی اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ منانا نہیں اور نہ ام ولد کی عدت میں اور معتدہ کو نکاح کا پیام دینا مناسب نہیں اور خطبہ میں کنایۃً پیام دینے میں حرج نہیں۔

تشریح :ـــــ قولہ وعلی المبتوتۃ :۔ یعنی جس عورت کو طلاق بائنہ ہوجائے یا اس کا شوہر

مرجائے اور وہ مسلمان بالغہ ہے تو اس کو سوگ منانا واجب ہے اور سوگ منانا یہ ہے کہ خوشبو نہ لگائے۔ بناؤ سنگار نہ کرے۔ سر میں تیل نہ ڈالے۔ سرمہ نہ لگائے۔ عصفر یا ورس یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے جیسا کہ سیدنا ام حبیبہ اور زینب بنت جحش سے مروی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ معتدہ بائنہ پر سوگ منانا واجب نہیں اسلئے کہ وہ شوہر کے فوت ہونیکے افسوس میں ہوتا ہے جبکہ شوہر نے اسکو طلاق بائن دیکر وحشت میں ڈال دیا ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ سوگ منانا حقیقۃً نعمت نکاح کے فوت ہونیکی وجہ سے ہے اور سوگ منانا حقوق شرع میں داخل ہے۔

قولہ لا احداد علی کافرۃ :- یعنی کافرہ عورت اور چھوٹی لڑکی پر سوگ منانا واجب نہیں کیونکہ وہ دونوں حقوق شرع کے مخاطب نہیں اول کافرہ ہونیکی وجہ سے اور دوم کم عمری کی وجہ سے اور سوگ منانا حقوق شرع میں داخل ہے

قولہ وعلی الامۃ الاحداد :- یعنی باندی اگر کسی کے نکاح میں ہو تو عدت میں اس پر سوگ منانا واجب ہے اور سوگ منانا نکاح فاسد میں اور ام ولد کی عدت میں نہیں اور نہ عدت والی کو نکاح کا پیغام دینا جائز ہے قال اللہ ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہٗ البتہ تعریض یعنی اشارہ سے کہنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں یا مجھے آرزو ہے کہ حق تعالیٰ نیک بخت عورت عطا فرمائے۔

ولا یجوز للمطلقۃِ الرجعیۃِ والمبتوتۃ الخروج من بیتھا لیلاً ولا نھاراً والمتوفی عنھا زوجھا تخرج نھاراً وبعض اللیل ولا تبیت فی غیر منزلھا وعلی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنیٰ حال وقوع الفرقۃِ فان کان نصیبھا من دار المیتِ لا یکفیھا واخراج الورثۃِ من نصیبھم انتقلت ولا یجوز ان یسافر الزوج بالمطلقۃِ الرجعیۃِ فاذا طلق الرجل امراتہٗ طلاقاً بائناً ثم تزوجھا فی عدتِھا وطلقھا قبل ان یدخل بھا فعلیہ مھرٌ کاملٌ وعلیھا عدۃٌ مستقلۃٌ وقال محمد رحمہ اللہ لھا نصفُ المھرِ وعلیھا تمامُ العدۃِ الاولیٰ

ترجمہ ——— اور مطلقہ رجعیہ اور معتدہ بائنہ کیلئے نہ رات میں نکلنا جائز ہے اور نہ دن میں اور متوفی عنہا زوجہا دن میں نکل سکتی ہے اور کچھ حصہ رات میں اور اپنے گھر کے سوا رات نہ گزارے اور معتدہ پر عدت گزارنا لازم ہے اس گھر میں جس کی طرف اسکی رہائش منسوب ہے فرقت یا موت واقع ہونے کے وقت پس اگر اس کا حصہ میت کے مکان سے اس کیلئے کافی ہو تو اس کیلئے نکلنا جائز نہیں مگر عذر کی وجہ سے اور اگر اس کا حصہ میت کے مکان سے اس کیلئے ناکافی ہو اور ورثہ اسکو اپنے حصہ سے نکال دیں تو منتقل ہو جائے اور شوہر کو مطلقہ رجعیہ کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں اور جب شوہر نے بیوی کو طلاق بائن دیدی پھر اس کی عدت میں اس سے نکاح کر لیا پھر اس

کو صحبت سے پہلے طلاق دیدی تو اس پر پوری مہر لازم ہے اور عورت پر مستقل عدت ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کیلئے نصف مہر ہے اور عورت پر پہلی عدت پوری کرنا ہے۔

قولہ[۱]۔ ولا یجوز للمطلقۃ یعنی جس عورت کو رجعی یا بائنہ طلاق دی گئی ہو اس کو اس گھر سے نہ رات کو نکلنا جائز ہے اور نہ دن کو جس میں کہ وہ جدائی کے وقت تھی۔ جبتک کہ عدت پوری نہ ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ البتہ جس عورت کا شوہر مرگیا ہو اس کو دن بھر اور رات کے کچھ حصہ میں نکلنا جائز ہے چونکہ اس کا نفقہ کسی پہلو پر واجب نہیں۔ پس وہ طلب معاش کیلئے نکلنے پر مجبور ہے۔ برخلاف مطلقہ کہ اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔

قولہ[۲]۔ ولا یجوز ان یسافر: یعنی جس عورت کو رجعی طلاق ہوگئی ہو تو اس کے شوہر کو اسے سفر میں لیجانا جائز نہیں جبتک کہ اس سے رجعت نہ کرلے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے امام زفر کا قول ہے کہ سفر میں لے جانا ہی رجعت ہے کیونکہ اگر وہ اس عورت کو رکھنا نہ چاہے تو سفر میں لیجانا نہیں چاہتا لہٰذا وہ بمنزلہ پیار لینے کے ہوا اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دے دی پھر اسی عدت میں اس سے نکاح کرلیا اور صحبت کرنے سے پہلے اسکو پھر طلاق دے دی تو اس مرد پر پوری مہر واجب ہوگی اور اس عورت پر نئے سرے سے عدت گذارنی واجب ہے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ ایسی عورت کیلئے نصف مہر ہے اور اس کو پہلی ہی عدت پوری کرنا واجب ہے۔

ویثبت[۱] نسبُ ولدِ المطلقۃِ الرجعیۃِ اذا جاءت بہ بسنتین اواکثر مالم تقر بانقضاء عدتھا وان جاءت بہ لاقل من سنتینِ بانت من زوجھا وان جاءت بہ لاکثر من سنتینِ ثبت نسبہ وکانت رجعۃً والمبتوتۃ[۲] یثبت نسب ولدھا اذا جاءت بہ لاقل من سنتینِ واذا جاءت بہ لتمام سنتینِ من یوم الفرقۃِ لم یثبت نسبہٗ الا ان یدعیہ الزوج ویثبت نسب ولد المتوفی عنھا زوجھا مابین الوفاۃ وبین سنتین واذا اعترفت[۳] المعتدۃ بانقضاء عدتھا ثم جاءت بولدٍ لاقل من ستۃِ اشھرٍ ثبت نسبہٗ وان جاءت بہ لستۃِ اشھرٍ لم یثبت نسبہٗ

ترجمہ ــــــ اور مطلقہ رجعیہ کے بچہ کا نسب ثابت ہو جاتا ہے جب وہ دو سال یا زیادہ دنوں میں جنے جبتک کہ وہ عدت گذرنے کا اقرار نہ کرے اور اگر دو سال سے کم میں جنا تو نسب ثابت ہو جائے گا اور عورت بائنہ ہو جائیگی اور اگر دو سال سے زیادہ دنوں میں جنا تو نسب ثابت ہوگا اور یہ رجعت ہوگی اور بائنہ طلاق والی بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا جب وہ دو سال سے کم دنوں میں جنے اور جب وہ پورے دو سال میں جنے فرقت کے دن سے تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا مگر یہ کہ اس کا شوہر دعویٰ کرے اور متوفی عنہا زوجہا کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا وفات اور دو سال کے درمیان تک اور جب معتدہ نے

اپنی عدت گذارنے کا اقرار کرلیا پھر اس نے بچہ جنا چھ ماہ سے کم میں تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور چھ ماہ میں جنا تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

تشریح:۔ قولہ[۱] ویثبت نسب ولدہا :۔ یعنی جب رجعی طلاق والی عورت کے دو برس میں یا دو برس سے زیادہ میں بچہ پیدا ہوا تو جبتک یہ اپنی عدت گذارنے کا اقرار نہ کریگی اس بچہ کا نسب اسکے شوہر سے ثابت ہوگا یعنی یہ بچہ اس مرد کا کہلائے گا اور اس کے ترکہ کا وارث ہوگا اور اگر دو برس سے کم میں بچہ پیدا ہو گیا تو یہ عورت اپنے شوہر سے جدا ہو جائیگی اور بچہ ثابت النسب ہو جائے گا کیونکہ علوق آیا حالت نکاح میں ہے یا حالت عدت میں بہر دو تقدیر نسب ثابت ہوگا اور وضع حمل سے بائنہ ہو جائیگی اور اگر بچہ دو برس سے زیادہ میں پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اسلئے کہ علوق طلاق کے بعد ہوتا ہے پس ایک مسلمان کو تہمت زنا سے بچانے کیلئے یہ یوں تصور کیا جائے گا کہ اس نے رجوع کرلیا بشرطیکہ عورت نے عدت کے پورا ہونے کا اقرار نہ کیا ہو۔

قولہ[۲]: والمبتوتۃ یثبت :۔ یعنی بائنہ طلاق والی کا دو برس سے کم میں بچہ پیدا ہو گیا تو اس بچہ کا نسب اس کے شوہر سے ثابت ہوگا۔ کیونکہ طلاق کے وقت حمل موجود ہونے کا احتمال ہے اور ثبوت نسب کیلئے احتمال کافی ہے اور اگر جس روز طلاق ہوئی تھی اس سے پورے دو برس میں بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس عورت میں علوق بالیقین طلاق کے بعد ہے ورنہ بچہ کا دو سال کی مدت سے زائد میں پیدا ہونا لازم آئے گا جو حدیث کے مقتضیٰ کے خلاف ہے پس وہ بچہ شوہر کا نہ ہوگا البتہ شوہر اگر اس کا دعویٰ کرے کہ یہ بچہ میرا ہے تو ثابت ہو جائے گا اسلئے کہ وہ خود اپنے اوپر واجب کرتا ہے۔

قولہ[۳]۔ واذا اعترفت المعتدۃ :۔ یعنی جب عدت والی عورت نے اپنی عدت گذارنے کا خود اقرار کرلیا پھر چھ ماہ سے کم میں اس کا بچہ پیدا ہو گیا تو اس بچہ کا نسب اس عورت کے شوہر سے ثابت ہوگا اسلئے کہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا اور یہ پتہ چل گیا کہ اقرار کے وقت رحم میں نطفہ تھا پس عدت ختم ہونے کا اقرار لغو ہو گیا۔ اور اگر چھ ماہ سے بچہ پیدا ہوا تو اب نسب ثابت نہ ہوگا۔

واذا[۱] ولدت المعتدۃ ولداً لم یثبت نسبہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ الا ان یشہد بولادتہا رجلان او رجل وامرأتان الا ان یکون ہناک حبل ظاہر او اعتراف من قبل الزوج فیثبت النسب من غیر شہادۃ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ یثبت فی الجمیع بشہادۃ امرأۃ واحدۃ واذا[۲] تزوج الرجل امرأۃ فجاءت بولد لاقل من ستۃ اشہر منذ یوم تزوجہا لم یثبت نسبہ وان جاءت بہ لستۃ اشہر فصاعداً یثبت نسبہ ان اعترف بہ الزوج او سکت وان جحد الولادۃ یثبت بشہادۃ امرأۃ واحدۃ تشہد بالولادۃ واکثر[۳] مدۃ الحمل سنتان واقلہ ستۃ اشہر واذا طلق الذمی الذمیۃ فلا عدۃ علیہا وان[۴] تزوجت الحامل من الزنا جاز النکاح ولا یطأہا حتی تضع حملہا۔

ترجمہ ـــــــ اور جب معتدہ نے بچہ جنا تو اس کا نسب امام ابوحنیفہ کے نزدیک ثابت نہ ہوگا مگر یہ کہ پیدائش کی گواہی دیں۔ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مگر یہ کہ وہاں حمل بالکل ظاہر ہو یا شوہر کی طرف سے اقرار ہو پس گواہی کے بغیر نسب ثابت ہوجائیگا اور امام ابویوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ ہر صورت میں ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہوجائے گا۔ اور اگر کسی مرد نے ایک عورت سے شادی کی اس نے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا جب سے اس کی شادی ہوئی تھی تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا اور اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ میں جنا تو نسب ثابت ہوگا جب شوہر اس کا اقرار کرے یا خاموش رہے اور اگر اس نے پیدائش کا انکار کیا تو ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہوجائے گا جو ولادت کی شہادت دے اور حمل کی اکثر مدت دو سال اور اقل مدت چھ ماہ ہے اور جب ذمی نے ذمیہ کو طلاق دی تو اس پر عدت نہیں اور اگر شادی کی زنا کے حمل والی عورت نے تو نکاح جائز ہوگا اور اس سے وطی نہ کرے وضع حمل تک۔

تشریح ـــــــ قولہ[۱]: واذا ولدت المعتدۃ: یعنی جب کسی عدت والی عورت کا بچہ پیدا ہوجائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوتا جبتک کہ اس کے پیدا ہونیکی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دیں یا یہ کہ شوہر ہی کے ہاں حمل ظاہر ہو یا شوہر کی طرف سے اقرار ہو کہ یہ میرے ہی حمل کا بچہ ہے تو ان دونوں صورتوں میں بغیر گواہی کے بھی نسب ثابت ہوجائیگا اور امام ابویوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ ان تمام صورتوں میں صرف ایک عورت یعنی دایہ کی گواہی سے نسب ثابت ہوجائیگا کیونکہ عدت قائم ہونیکی وجہ سے فراش قائم ہے اور قیام فراش مثبت نسب ہے پس نسب تو خود ہی ثابت ہوگیا دلیل امام ابوحنیفہ کی ہے کہ یہ درست ہے کہ قیام عدت کی وجہ سے فراش قائم ہے لیکن یہاں عدت قائم ہی نہیں پس جب عورت وضع حمل کا اقرار کرتی ہے تو عدت ختم ہوچکی اسلئے پہلے نسب ثابت کرنیکی ضرورت ہے۔

قولہ[۲]۔ اذا تزوج الرجل: یعنی کسی مرد نے اگر کسی عورت سے نکاح کیا اور جس دن نکاح کیا تھا جب سے لیکر چھ ماہ سے کم میں اس عورت کا بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ علوق یقیناً نکاح سے پہلے ہے اور اگر چھ ماہ یا زیادہ میں ہوا تو نسب ثابت ہوجائے گا خواہ وہ مرد اقرار کرے یا خاموش رہے اور اگر اس نے اسکی ولادت کا انکار کردیا تو ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہوجائے گا جو اس ولادت کی گواہی دے۔

قولہ[۳]۔ اکثر مدۃ الحمل: یعنی حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے اس میں علماء کا اتفاق ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وحملہ وفصالہ ثلاثون شہراً۔ فصال کی مدت دو سال ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وفصالہ فی عامین۔ حمل کی اکثر مدت میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف اکثر مدت دو سال قرار دیتے ہیں چنانچہ سیدتنا عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حمل دو سال سے زیادہ نہیں امام شافعی چار سال کے قائل ہیں۔ یہی امام مالک و امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے۔ سیدنا عبادہ سے مروی ہے کہ اکثر مدت پانچ سال ہے امام زہری سے چھ سال کی روایت ہے۔

قولہ ۔ ان تزوجت الحامل ۔ یعنی کسی عورت کو زنا سے حمل ہو اور وہ نکاح کرے تو اس کا نکاح ہو جائے گا لیکن جب تک وہ اس حمل کو نہ جن لے یہ مرد اس سے صحبت نہ کرے چنانچہ نبی کریم کا ارشاد ہے ولا توطا حامل حتی تضع البتہ زنا کرنے والا اگر شوہر ہی ہو تو صحبت کر سکتا ہے یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسف اور امام زفر کا قول یہ ہے کہ زنا سے حاملہ عورت کا نکاح فاسد ہے ۔

کتاب النفقات

ترجمہ :۔ اہل وعیال کو خرچ دینے کا بیان

النفقۃ واجبۃ للزوجۃ علی زوجہا مسلمۃ کانت اوکافرۃ اذا سلمت نفسہا فی منزلہ فعلیہ نفقتہا وکسوتہا وسکناھا یعتبر ذلک بحالہما جمیعًا موسرًا کان الزوج او معسرًا فان امتنعت من تسلیم نفسہا حتی یعطیہا مہرہا فلہا النفقۃ وان نشزت فلا نفقۃ لہا حتی تعود الی منزلہ وان کانت صغیرۃ لا یستمتع بہا فلا نفقۃ لہا وان سلمت الیہ نفسہا وان کان الزوج صغیرًا لا یقدر علی الوطی والمراۃ کبیرۃ فلہا النفقۃ من مالہ واذا طلق الرجل امراتہ فلہا النفقۃ والسکنیٰ فی عدتہا رجعیًا کان او بائنًا ولا نفقۃ للمتوفی عنہا زوجہا ۔

ترجمہ ——— نفقہ واجب ہے بیوی کیلئے اس کے شوہر پر مسلمہ ہو یا کافرہ جب وہ حوالہ کر دے خود کو شوہر کے گھر تو اس پر اس کا نفقہ اور لباس اور رہائش ہے جس کا اعتبار دونوں کے حال سے ہوگا شوہر مالدار ہو یا تنگدست پس اگر عورت خود کو حوالہ کرنے سے باز رہے یہاں تک کہ وہ اسکی مہر دے تو اس کو نفقہ ملے گا اور اگر وہ نافرمان ہو تو نفقہ نہ ملے گا یہاں تک کہ اس کے گھر لوٹ آئے اور اگر وہ بچی ہو کہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو اس کیلئے نفقہ نہ ہوگا ۔ اگرچہ خود کو حوالہ کر دے اور اگر شوہر بچہ ہو جو وطی پر قادر نہ ہو اور بیوی بڑی ہو تو اس کیلئے اس کے مال سے نفقہ ہوگا اور جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کیلئے نفقہ اور مکان ہوگا عدت میں رجعی ہو یا بائن اور متوفی عنہا زوجہا کیلئے نفقہ نہیں ۔

تشریح ——— قولہ کتاب النفقات :۔ نفقات جمع ہے نفقۃ کی لغت میں اس کا معنی ہے خرچ اور اصطلاح میں کھانا کپڑا او خرچ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اولاد و بیوی وغیرہ کو دیا جاتا ہے وہ شوہر پر بیوی کی طرف سے واجب ہے عورت خواہ مسلمان ہو یا کافرہ یعنی اہل کتاب سے ہو ۔ مالدار ہو یا آزاد ۔ موطؤہ ہو یا غیر موطوءہ چونکہ رب تعالیٰ کے قول وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف میں کوئی تفصیل نہیں ۔ نبی کریم کا ارشاد ہے سیدنا

جابر سے مروی ہے کہ تم پر دستور کے مطابق زوجات کا نفقہ لازم ہے جبکہ عورت اپنے آپ کو اپنے شوہر کے گھر میں اسکے اختیار میں کر دے۔

قولہ۔ یعتبر ذلک ۔ نفقہ میں شوہر اور بیوی دونوں کی حیثیت کا لحاظ رکھا جائے گا دونوں اگر مالدار ہوں تو عورت کا نفقہ امیرانہ ہوگا اور اگر دونوں غریب ہوں تو غریبانہ ہوگا اور اگر عورت امیر گھر کی ہے اور شوہر غریب ہے تو اس کا نفقہ غریب گھر کی عورتوں سے کچھ زیادہ ہوگا اور اگر اس کا برعکس ہے یعنی شوہر امیر ہے اور عورت غریب گھر کی ہے تو اس کا نفقہ امیر گھر کی عورتوں سے کچھ کم ہوگا اور اگر ان میں سے ایک بہت ہی امیر ہے اور دوسرا بہت ہی غریب ہے تو اوسط درجہ کا دلایا جائیگا۔

قولہ۔ وان نشزت فلا نفقۃ ۔ عورت اگر ناشزہ ہو یعنی اپنے آپ کو مرد کے اختیار میں کرنے سے رکی رہے یا بلا اجازت شوہر کے گھر سے چلی گئی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے وطی ممکن نہ ہو یا مطلقہ ہونے کے بعد مرتد ہوگئی ہو وغیرہ وغیرہ ان تمام صورتوں میں شوہر پر نفقہ واجب نہیں چونکہ وجوب نفقہ کی وجہ یہ ہے کہ عورت شوہر کے پاس اس کے حق کی وجہ سے محبوس ہوتی ہے اور ظاہر ہے مذکورہ صورتوں میں وہ مفقود ہے۔

قولہ۔ اذا طلق الرجل امرأتہ ۔ یعنی کسی مرد نے اگر اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کی عدت میں اسکو نفقہ اور مکان دینا واجب ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائنہ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ عورت اگر مطلقہ ثلاث ہو یا طلاق بالعوض ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں البتہ اگر حاملہ ہو تو نفقہ واجب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے وان کن اولات حمل فانفقوا علیہن حتی یضعن حملہن دلیل ائمہ ثلاثہ کی فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دیدی تھیں فاطمہ نے سرکار کے پاس درخواست پیش کیا تو آپ نے ان کیلئے نفقہ اور سکنیٰ مقرر نہیں فرمایا۔ دلیل احناف کی آیت کریمہ اسکنو ھن من حیث سکنتم من وجدکم ہے جس میں مطلقاً سکنیٰ لازم قرار دیا گیا ہے رہی فاطمہ کی روایت کہ وہ حجت نہیں چونکہ صحابہ کرام نے خود اس کو رد فرمایا ہے چنانچہ سیدنا عائشہ صدیقہ کا قول ہے کہ فاطمہ کو کیا ہوا کہ وہ لا سکنیٰ لک ولا نفقۃ کہنے میں اللہ سے نہیں ڈرتی۔

وکل فرقۃ[۱] جاءت من قبل المرأۃ بمعصیۃ فلا نفقۃ لھا وان طلقھا[۲] ثم ارتدت سقطت نفقتھا وان مکنت ابن زوجھا من نفسھا فان کان بعد الطلاق فلھا النفقۃ وان کان قبل الطلاق فلا نفقۃ لھا واذا حبست المرأۃ فی دین او غصبھا رجل کرھا فذھب بھا او حجت مع غیر محرم فلا نفقۃ لھا واذا مرضت[۳] فی منزل الزوج فلھا النفقۃ وتفرض علی الزوج نفقۃ خادمھا اذا کان موسرا ولا تفرض لاکثر من خادم واحد وعلیہ ان یسکنھا فی دار مفردۃ لیس فیھا

احدٌ من اهلہ الا ان تختار ذلك وللزوج ان یمنع والدیہا وولدہا من غیرہ واهلها من الدخولِ علیها ولا یمنعهم من النظر الیها ولا من کلامهم معها فی ایِّ وقتٍ اختارُوا۔

ترجمہ:۔ــــــ اور ہر وہ جدائی جو عورت کی طرف سے آئے معصیت کی وجہ سے تو اس کیلئے نفقہ نہیں اور اگر اسکو طلاق دیدی پھر وہ مرتد ہو گئی تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اور اگر شوہر کے لڑکا کو خود پر قابو دیدیا تو اس کو نفقہ ملے گا۔ اور جب عورت قرض میں قید ہو گئی یا اس کو کسی نے زبردستی غصب کرلیا اور اس کو لے گیا یا غیر محرم کے ساتھ حج کیلئے گئی تو نفقہ نہ ہوگا اور اگر شوہر کے گھر میں بیمار ہو جائے تو اس کو نفقہ ملے گا اور نوکر کا نفقہ مقرر کیا جائے گا جبکہ وہ مالدار ہو اور ایک خادم سے زائد کا مقرر نہیں کیا جائے گا اور شوہر پر اسکو علیحدہ مکان میں رکھنا لازم ہے جس میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو مگر یہ کہ عورت ان کے ساتھ رہنے پر راضی ہو اور شوہر کو حق ہے روکنے کا اس کے والدین اور دوسرے شوہر کی اولاد اور بیوی کے اعزا کو اس کے پاس آنے سے اور نہ روکے ان کو اس کی طرف دیکھنے اور اس کے ساتھ بات کرنے سے جس وقت بھی وہ چاہیں۔

تشریح:۔ــــــ قولہ[۱] کل فرقۃ جاءت:۔ وجوب نفقہ کیلئے یہ ضابطہ بیان کیا جاتا ہے کہ جو جدائی عورت کی طرف سے ہو یعنی اس کی خطا کی وجہ سے ہو تو اس عورت کیلئے نفقہ نہیں مثلاً مرتد ہو جائے یعنی دین اسلام سے پھر جائے یا اپنے شوہر کے بیٹے کا شہوت سے بوسہ لیلے یا اپنے اوپر اسے قابو دیدے۔

قولہ[۲] وان طلقها ثم ارتدت:۔ یعنی اگر کسی نے اپنی عورت کو طلاق دیدی پھر وہ مرتد ہو گئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا طلاق خواہ رجعی ہو یا بائنہ اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قابو دیدے اگر یہ قابو دینا طلاق کے بعد ہے تو اس کو نفقہ ملے گا کیونکہ عورت کی یہ خطا جدائی کے بعد ہوئی ہے اور اگر طلاق سے پہلے ہے تو اسے نفقہ نہیں ملے گا اور اگر عورت کے ذمہ قرض تھا اور اس قرض میں قید ہو گئی یا کوئی مرد اسے چھین کر لے گیا یا کوئی عورت نا محرم کے ساتھ حج کو چلی گئی تو ایسی عورتوں کیلئے نفقہ نہیں۔

قولہ[۳] اذا مرضت فی بیت:۔ یعنی عورت اگر شوہر کے گھر بیمار ہو گئی تو اس کا نفقہ واجب ہوگا اور اگر شوہر دولت مند ہے تو عورت کے ایک خادم کا نفقہ بھی اس کے ذمہ واجب ہوگا اور ایک سے زائد کا واجب نہ ہوگا اور شوہر پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کے رہنے کیلئے علیحدہ مکان دیدے کہ جس میں اس کے شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو البتہ عورت اگر ان کے شریک ہو کر رہنے پر راضی ہو جائے اور شوہر کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی کی ماں باپ اور اس کے بیٹے کو جو دوسرے شوہر سے ہو اور اسکے دوسرے رشتہ داروں کو اس کے پاس جانے سے منع کردے البتہ دیکھنے اور بات چیت کرنے سے منع نہ کرے وہ جس وقت

چاہیں بات کریں اور دیکھا جایا کریں۔

ومن اعسر بنفقة امراته لم يفرق بينهما ويقال لها استديني عليه واذا غاب الرجل وله مال في يد رجل يعترف به وبالزوجية فرض القاضي في ذلك المال نفقة زوجة الغائب واولاده الصغار ووالديه ويأخذ منها كفيلا بها ولا يقضي بنفقة في مال الغائب الا لهؤلاء واذا قضى القاضي لها بنفقة الاعسار ثم ايسر فخاصمته تمم لها نفقة الموسر۔

ترجمہ ـــــ اور جو شخص بیوی کے نفقہ سے عاجز ہو جائے تو اس میں تفریق نہیں کی جائے گی بلکہ بیوی سے کہا جائے گا کہ تو اس کے ذمہ قرض لیتی رہ اور جب کوئی مرد غائب ہو گیا اور کسی کے پاس اُس کا مال ہے جو معترف ہے اس کا اور بیوی ہونے کا تو قاضی مقرر کردے اس مال میں غائب شخص کی بیوی اور اسکے چھوٹے بچے اور اس کے والدین کا نفقہ اور بیوی سے اس کا ایک ضامن لیلے اور نفقہ غائب کے مال میں مقرر نہ کرے مگر ان ہی لوگوں کیلئے اور جب قاضی نے بیوی کیلئے ناداری کے نفقہ کا فیصلہ کر دیا پھر شوہر مالدار ہو گیا اور بیوی نے دعویٰ کیا تو اس کیلئے مالداری کا نفقہ پورا کردے۔

تشریح ـــــ قولہ۔ ومن اعسر۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی عورت کو نفقہ نہ دے سکے تو اس کی وجہ سے ان دونوں میں جدائی نہ کرائی جائے بلکہ عورت سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنے شوہر کے نام سے قرض لیکر کھاتی رہے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت مطالبہ کرے تو تفریق کردیجائیگی۔ چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فامساک بمعروف او تسریح باحسان اور امساک معروف یہی ہے کہ شوہر عورت کے تمام حقوق کو ادا کرے اور جب وہ عاجز ہو جائے تو اس کو چھوڑ دینا لازم ہوگا۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ ابتداً نکاح سے مانع نہیں تو بقاءً بھی بدرجہ اولیٰ مانع نہ ہوگا اور اس لئے بھی کہ تفریق میں شوہر کی ملک کا بطلان لازم آتا ہے اور قرض لینے میں اسکے حق کی تاخیر اور تاخیر حق بہ نسبت بطلان کے آسان ہے۔

قولہ۔ اذا غاب الرجل۔ اگر کوئی آدمی غائب ہو گیا یعنی کہیں چلا گیا اور اس کا مال کسی کے پاس بطور امانت یا بطور قرض ہو تو اسکی بیوی اور چھوٹے بچوں اور اسکے والدین کا نفقہ اس کے مال سے مقرر کر دیا جائے گا اور بیوی جو مال نفقہ میں لیگی اس پر بیوی سے ایک ضامن لے لیا جائے گا جو اس پر قسم کھائے گا کہ شوہر نے اسکو نفقہ نہیں دیا لیکن نفقہ مقرر کرنے کیلئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ امانت دار یا مقروض یہ اقرار کرے کہ فلاں غائب کا مال میرے پاس ہے دوسرا یہ کہ اس کا بھی اقرار کرے کہ یہ عورت اسکی بیوی ہے اور یہ بچے اسی کی اولاد ہیں۔

وإذا مضت مدة[۱] لم ينفق الزوج عليها وطالبته، بذلك فلا شئ لها إلا أن يكون القاضي فرض لها نفقة أو صالحت الزوج على مقدارها فيقضي لها بنفقة ما مضى فإن مات الزوج بعد ما قضى عليه بالنفقة ومضت شهور سقطت النفقة وإن[۲] أسلفها نفقة سنة ثم مات لم يسترجع منها بشئ وقال محمد رحمه الله يحتسب لها نفقة ما مضى وما بقي للزوج وإذا[۳] تزوج العبد حرة فنفقتها دين عليه يباع فيها وإذا تزوج الرجل امة فبوأها مولاها معه منزلاً فعليه النفقة وإن لم يبوأها فلا نفقة لها عليه

ترجمہ:۔۔۔۔۔۔ اور جب کچھ مدت گذر گئی جس میں شوہر نے نفقہ نہیں دیا اور بیوی اس کا مطالبہ کرے تو اس کیلئے کچھ نہ ہوگا مگر یہ کہ قاضی نے اس کیلئے نفقہ مقرر کیا ہو یا بیوی نے شوہر سے کسی مقدار پر مصالحت کرلی ہو کہ اب اس کیلئے گذشتہ نفقہ کا فیصلہ ہوگا پس اگر شوہر اس پر نفقہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد مرجائے اور چند ماہ گذر جائیں تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اور اگر شوہر ایک سال کا نفقہ پیشگی دیدے پھر مرجائے تو بیوی سے کچھ واپس نہ لیا جائے اور امام محمد نے فرمایا کہ بیوی کیلئے گذشتہ دنوں کا نفقہ محسوب ہوگا اور جو باقی رہے وہ شوہر کا ہوگا اور جب غلام نے آزاد عورت سے شادی کی تو اس کا نفقہ غلام کے ذمہ قرض ہوگا۔ جس میں اسکو بیچ دیا جائے گا اور جب کسی نے باندی سے شادی کی پس آقا نے باندی کو شوہر کے گھر بھیج دیا تو شوہر پر نفقہ ہوگا۔ اور اگر اسکو شوہر کے گھر نہیں بھیجا تو شوہر پر اس کا نفقہ نہ ہوگا۔

تشریح:۔۔۔۔۔۔ قولہ۔ وإذا مضت مدة[۱]:۔ یعنی کچھ مدت اگر گذر گئی کہ شوہر نے اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیا اور اب وہ ان دونوں کا اس پر دعوی کرتی ہے اور اس سے مانگتی ہے تو اب اُسے ان دنوں کا کچھ نہیں ملے گا البتہ قاضی اگر اس کے لئے پہلے کچھ نفقہ مقرر کرچکا ہو یا عورت نے کسی مقدار پر شوہر سے صلح کرلی ہو تو ان دونوں صورتوں میں گذشتہ دنوں کا نفقہ ادا کرنے کا قاضی حکم دیدے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ قضاء قاضی اور زوجین کی مصالحت کے بغیر بھی نفقہ شوہر کے ذمہ دین ہوگا اسلئے کہ مہر کی طرح نفقہ بھی حق واجب ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ نفقہ ایک طرح کا تبرع ہے پس قضاء قاضی یا مصالحت زوجین کے بغیر اس کا وجوب مستحکم نہ ہوگا برخلاف مہر کہ وہ ملک بضع کا عوض ہے پس اس میں قضاء قاضی اور زوجین کی تراضی کی ضرورت نہیں۔

قولہ وإن أسلفها النفقة[۲]:۔ یعنی شوہر نے اگر سال بھر کا نفقہ پیشگی دیدیا پھر وہ مرگیا تو شیخین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اس نفقہ میں سے کچھ واپس نہ لیا جائے اور امام محمد کا قول یہ ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے کہ حساب کرکے گذشتہ دنوں کا نفقہ وضع کرکے لے لیا جائے گا۔ اسلئے کہ نفقہ احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور جب سال پورا ہونے سے پہلے مرگیا تو عورت بقیہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ دلیل شیخین کی یہ ہے کہ نفقہ ایک قسم کا عطیہ ہے جس پر قبضہ ہوچکا اور عطیہ مرنے کے بعد رجوع نہیں ہوتا۔

قولہ [۳] - اذا تزوج العبد ۔ یعنی کسی غلام نے اگر آزاد عورت سے نکاح کرلیا تو اس کا نفقہ اس غلام کے ذمہ دین ہے ۔ اس نفقہ میں اس کو فروخت کر دیا جائے گا اور اگر کسی نے کسی باندی سے نکاح کرلیا اور اسکے آقا نے اس باندی کو اسکے گھر بھیج دیا تو اس پر نفقہ واجب ہے جبکہ آقا نے ان کو علیحدہ مکان میں شب باشی کرلئے اور باندی سے خدمت نہ لے ورنہ شوہر پر نفقہ واجب نہ ہوگا ۔

ونفقۃ [۱] الاولادِ الصغارِ علی الابِ لا یشارکہ فیھا احدٌ کما لا یشارکہ فی نفقۃِ الزوجۃِ احدٌ [۲] فان کان الصغیرُ رضیعًا فلیس علی اُمِّہ ان ترضعہ ویستاجرلہ الاب من ترضعہ عندھا فان استاجرھا وھی زوجتہ او معتدتہ لترضع ولدھا لم یجز وان انقضت عدتھا فاستاجرھا علی ارضاعہ جاز وان قال [۳] الاب لا استاجرھا وجاء بغیرھا فرضیت الام بمثل اجرۃِ الاجنبیۃِ کانت الام احق بہ وان التمست زیادۃ لم یجبر الزوج علیھا ونفقۃُ الصغیرِ [۴] واجبۃ علی ابیہ وان خالفہ فی دینہ کما تجب نفقۃُ الزوجۃِ علی الزوج وان خالفتہ فی دینہ ۔

ترجمہ ——— اور چھوٹے بچوں کا نفقہ باپ پر ہے جس میں کوئی شریک نہ ہوگا جیسے شوہر کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا اسکی بیوی کے نفقہ میں اور اگر بچہ شیر خوار ہو تو ماں پر اسکو دودھ پلانا لازم نہیں بلکہ اس کیلئے باپ اس عورت کو اجرت پر لیگا جو اسے دودھ پلائے اسکی ماں کے پاس پس اگر اسکو اجرت پر لیا در ان حالیکہ وہ اسکی بیوی ہے یا اسکی معتدہ ہے تاکہ بچہ کو دودھ پلائے تو جائز نہ ہوگا اور اگر اسکی عدت گذر چکی ہو پس اس کو دودھ پلانے کیلئے اجرت پر لیلے تو جائز ہے اور اگر باپ کہے کہ میں اسکو اجرت پر نہیں لیتا اور کسی دوسری عورت کو لے آئے اور ماں راضی ہو اتنی ہی اجرت پر جتنی اجنبیہ کی ہے تو ماں اسکی زیادہ حقدار ہوگی اور اگر وہ زیادہ اجرت طلب کرے تو شوہر کو اس پر مجبور نہ کیا جائے گا اور بچہ کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہے اگرچہ وہ دین کے خلاف ہو جیسے بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اگرچہ بیوی اس کے دین کے مخالف ہو ۔

تشریح ——— قولہ [۱] نفقۃ الاولاد ۔ یعنی چھوٹی اولاد کا نفقہ باپ کے ذمہ واجب ہے باپ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں جس طرح عورت کے نفقہ میں شوہر کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وعلی المولود رزقھن ۔

قولہ [۲] ۔ وان کان الولد رضیعًا ۔ یعنی بچہ اگر دودھ پیتا ہے اور میاں بیوی میں جدائی پیدا ہو جائے تو اسکو دودھ پلانا ماں پر واجب نہیں بلکہ باپ اس کیلئے ایک دودھ پلانے والی کو نوکر رکھے جو بچہ کے پاس رہ کر اُسے دودھ پلائے یعنی بچہ کی ماں اگر یہ چاہے کہ دودھ پلانے والی میرے پاس ہی رہ کر دودھ پلائے تو شوہر ایسا کرے ورنہ یہ لازم نہیں پس اگر شوہر نے بچہ کو دودھ پلانے کیلئے اپنی بیوی کو یا اپنی عدت میں بیٹھی ہوئی عورت کو نوکر رکھ لیا تو یہ جائز نہیں اسلئے کہ دودھ پلانا اگرچہ ماں پر

واجب نہیں لیکن صرف حکماً۔ دیانۃً اس کے ذمہ واجب ہے حکماً جو اسکے ذمہ لازم نہیں وہ صرف اسلئے کہ ممکن ہے وہ اس سے عاجز ہو اور جب وہ اجرت لیکر دودھ پلانے پر تیار ہو گئی تو اس کا عاجز ہونا ظاہر ہو گیا اسلئے اس کو اجرت پر لینا جائز نہیں البتہ اگر اسکی عدت پوری ہو گئی پھر اُسے دودھ پلانے پر نوکر رکھا تو یہ جائز ہے۔

قولہ[۲] ۔ وان قال الاب :۔ یعنی بچہ کی ماں نے کچھ تنخواہ زیادہ مانگی اور باپ نے کہا کہ میں اس عورت یعنی بچہ کی ماں کو نوکر نہ رکھوں گا اور وہ دوسری عورت کو لے آیا پھر اسکی ماں بھی اسی تنخواہ پر راضی ہو گئی جو دوسری عورت کو دیجاتی تھی تو اس میں زیادہ حقدار ماں ہی ہوگی اور اسکے زیادہ تنخواہ مانگنے پر شوہر اس پر زبردستی نہیں کر سکتا یعنی شوہر کو یہ اختیار نہیں کہ اگر وہ زیادہ تنخواہ مانگے تو اسکو تھوڑی تنخواہ دے کر اس سے زبردستی دودھ پلوائے۔

قولہ[۴] ۔ نفقۃ الصغیر :۔ یعنی چھوٹے بچہ کا نفقہ باپ پر واجب ہے اگرچہ وہ دین میں اسکے خلاف ہو جس طرح عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اگرچہ وہ دین میں شوہر کے خلاف ہو جیسا کہ شروع میں گذرا کہ عورت خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے۔

واذا[۱] وقعت الفرقۃُ بین الزوجینِ فالامُ احق بالولدِ فان[۲] لم تکن الامُ فامُ الامِ اولیٰ من ام الابِ فان لم یکن لہ امُ الامِ فامُ الابِ اولیٰ من الاخواتِ فان لم تکن جدۃ فالاخواتُ اولیٰ من العماتِ والخالاتِ وتقدمُ الاختُ من الابِ والامِ ثم الاختُ من الامِ ثم الاختُ من الابِ ثم الخالاتُ اولیٰ من العماتِ وینزلن کما نزلت الاخوات ثم العمات ینزلن کذلک وکل[۳] من تزوجت من ھؤلاء سقط حقھا فی الحضانۃ الا الجدۃ اذا کان زوجھا الجد۔

ترجمہ ـــــــ اور جب زوجین میں جدائی واقع ہو جائے تو ماں بچہ کا زیادہ حقدار ہے پس اگر ماں نہ ہو تو نانی زیادہ حقدار ہے دادی سے پس اگر نانی ہو تو دادی زیادہ حقدار ہے بہنوں سے اور اگر دادی بھی نہ ہو تو بہنیں زیادہ حقدار ہیں پھوپھیوں اور خالاؤں سے اور حقیقی بہن مقدم ہوگی پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن پھر خالائیں اولیٰ ہیں پھوپھیوں سے اور ان میں وہی ترتیب ہے تو ترتیب بہنوں میں ہے پھر پھوپھیاں ترتیب وار اسی طرح ہوں گی اور جس نے ان عورتوں سے شادی کر لی تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا سوائے نانی کے جبکہ اس کا شوہر بچہ کا دادا ہو۔

تشریح ـــــــ قولہ[۱] ۔ واذا وقعت الفرقۃ :۔ یعنی جب میاں بیوی میں جدائی ہو جائے اور ان کا کوئی چھوٹا بچہ ہو تو بچہ کو پرورش کرنیکا سب سے زیادہ حقدار اس کی ماں ہے چنانچہ عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے سرکار مدینہ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ یا رسول اللہ میرا شکم اس بچہ کیلئے اقامت گاہ اور میری چھاتی اس کیلئے مشکیزہ اور میری گود اس کیلئے گہوارہ ہے اسکے باپ نے مجھے طلاق دیدی وہ بچہ کو مجھ سے الگ کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو بچہ کا زیادہ حقدار ہے جبتک کہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔

قولہ[۲۹] ۔ فان لم تکن لہٗ: ۔ یعنی ماں نہ ہو تو دادی سے نانی بہتر ہے اور جب نانی نہ ہو تو بہنوں سے دادی بہتر ہے اور اگر دادی بھی نہ ہو تو پھوپھیوں اور خالاؤں سے بہنیں بہتر ہیں اور اخیافی بہن سے حقیقی بہن مقدم ہے ۔ اور اگر حقیقی نہ ہو تو پھر اخیافی کا درجہ ہے اور پھر علاتی کا درجہ ہے ۔ واضح ہو کہ حقیقی بہن بھائی وہ ہوتے ہیں جو ماں اور باپ دونوں میں شریک ہوں اور اگر صرف ماں میں شریک ہیں اور باپ دو ہیں تو وہ اخیافی بہن ہیں اور اگر باپ میں شریک ہیں اور ماں دو ہیں تو وہ علاتی ہیں پھر خالائیں پھوپھیوں سے بہتر ہیں اور خالاؤں اور پھوپھیوں میں بھی یہی ترتیب ہے جو بہنوں میں ہے یعنی پہلے سگی خالہ اس کے بعد اخیافی پھر علاتی ۔

قولہ[۳۰] ۔ کل من تزوجت: ۔ یعنی ان عورتوں میں سے جو عورت بھی دوسرا شوہر کرنے تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا کیونکہ اجنبی شخص اپنی بیوی کے پہلے شوہر کی اولاد سے عموماً خوش نہیں رہتا ۔ بلکہ وہ اس کی طرف بہ نظر حقارت دیکھتا ہے اور اس پر بطور شرارت خرچ کرتا ہے پس بچہ کو اس عورت کی پرورش میں رکھنا بچہ کیلئے نقصان دہ ہے ۔

فان[۱] لم تکن للصبی امرأۃٌ من اھلہ فاختصم فیہ الرجال فاولاھم بہ اقربھم تعصیباً والام[۲] والجدۃ احق بالغلام حتی یاکل وحدہٗ ویشرب وحدہٗ ویلبس وحدہٗ ویستنجی وحدہٗ وبالجاریۃ حتی تحیض ومن[۳] سوی الام والجدۃ احق بالجاریۃ حتی تبلغ حداً تشتھی

ترجمہ: ـــــــ پس اگر بچہ کیلئے کوئی عورت اس کے رشتہ داروں میں سے نہ ہو اور اس کے متعلق مرد جھگڑے تو ان میں زیادہ حقدار قریبی عصبہ ہوگا اور ماں اور نانی لڑکے کا زیادہ حقدار ہیں اس وقت تک کہ وہ خود کھانے اور پینے اور پہنے اور استنجا کرنے لگے اور لڑکی کے حیض آنے تک اور ماں اور نانی کے علاوہ عورتیں لڑکی کے قابل شہوت ہونے تک حقدار ہیں ۔

تشریح: ـــــــ قولہ[۱] ۔ فان لم تکن للصبی: ۔ یعنی بچہ کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی اگر عورت نہ ہو اور مردوں میں اسکی پرورش کرنے کا جھگڑا ہو تو اس کو پرورش کرنے کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو عصبہ ہونے میں سب سے زیادہ قریب ہو یعنی باپ کے عزیزوں میں سب سے زیادہ قریب ہو اور عصبات کی ترتیب وہی ہے جو وراثت میں ہے یعنی سب سے زیادہ مستحق باپ ہے پھر دادا پھر پردادا اسکے بعد حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی اس کے بعد حقیقی بھائی کی اولاد پھر باپ شریک بھائی کی اولاد پھر حقیقی چچا اس کے بعد چچا کے بیٹے ۔

قولہ[۲] ۔ الام والجدۃ احق: ۔ یعنی ماں اور دادی اور نانی لڑکے کا اس وقت حقدار ہیں کہ وہ اکیلا یعنی اپنے ہاتھ سے کھانا کھانے لگے پانی پینے لگے کپڑا پہن سکے طہارت کر سکے یعنی جبتک لڑکا عورتوں کے پاس رہنے سے مستغنی نہ ہو بعض علماء نے اس کی مدت سات سال قرار دیا ہے کہ بچہ عادتاً سات سال میں اپنے ہاتھ سے کھانے پینے بول و براز کے بعد طہارت حاصل کرنے لگتا ہے پس اس کو عورتوں کے پاس رہنے کی ضرورت نہیں ۔ اور اگر لڑکی ہے تو ماں اور نانی کی پرورش میں اسکے حیض آنے یعنی بالغ ہونے تک ہے بلوغ خواہ بذریعہ حیض ہو یا بذریعہ احتلام یا بذریعہ عمر اسلئے کہ بلوغ سے پہلے عورتوں کے آداب مثلاً کاتنے ، سینے ،

پر دے رکھانے پلانے وغیرہ کاموں کے محتاج ہوتی ہے اور اسکے بعد عفت وعصمت کا محتاج ہوتی ہے جس پر باپ بھرپور خیال رکھ سکتا ہے۔

قولہ[۵] من سوی الام الخ۔ یعنی ماں اور دادی اور نانی کے علاوہ عورتیں لڑکی کا اس وقت تک پرورش کا مستحق ہے کہ وہ اسی حد کو پہونچ جائے کہ اسکے دیکھنے سے مرد کو شہوت ہونے لگے اس کی مدت بعض علماء نے نو برس قرار دیا ہے۔

والامۃ[۱] اذا اعتقہا مولاہا وام الولد اذا اعتقت فہی فی الولد کالحرۃ ولیس للامۃ وام الولد قبل العتق حق فی الولد والذمیۃ[۲] احق بولدہا المسلم مالم یعقل الادیان او یخاف علیہ ان یالف الکفر واذا ارادت المطلقۃ ان تخرج ولدہا من المصر فلیس لہا ذلک الا ان تخرجہ الی وطنہا وقد کان الزوج تزوجہا فیہ

ترجمہ: ـــــ اور باندی کو جب اس کے آقانے آزاد کر دیا اور ام ولد جب آزاد ہوگئی تو وہ بچہ کے حق میں مثل آزاد عورت کے ہے اور باندی اور ام ولد کو آزادی سے پہلے کوئی حق بچہ کا نہیں ہے اور ذمیہ عورت زیادہ حقدار ہے اپنے بچہ کا اس کے مسلمان شوہر کی بہ نسبت جبتک کہ بچہ کو دین کی سمجھ نہ آئے اور اس پر اندیشہ ہو کہ کفر سے مانوس ہو جانے کا اور جب مطلقہ اپنے بچہ کو شوہر سے باہر لیجانا چاہے تو یہ اس کیلئے جائز نہیں مگر یہ کہ وہ اس کو اپنا وطن لے جائے جہاں شوہر نے اس سے نکاح کیا تھا۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] والامۃ اذا اعتقہا۔ یعنی آقا نے اپنی باندی یا ام ولد کی شادی کسی سے کرا دی تھی ان سے بچہ پیدا ہوا پھر آقا نے ان کو آزاد کر دیا تو بچہ کی پرورش کا حقدار آزاد عورت کی طرح وہی باندی ہوگی آقا نہیں کیوں کہ جھگڑا آقا ہی سے ہونا ممکن ہے شوہر سے نہیں چونکہ شوہر کو بچہ کا کوئی حق نہیں اسلئے کہ بچہ مملوک ہونے میں ماں کے تابع ہوتا ہے۔

قولہ[۲] والذمیۃ احق۔ ذمیہ یعنی ذی عورت اپنے مسلمان بچہ کی خواہ لڑکی ہو یا لڑکا سب سے زیادہ حقدار ہے جبتک کہ اُسے دین کی سمجھ نہ ہو اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ بچہ پر کفر سے مانوس ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اول شوہر اور بیوی دونوں کافر تھے ان کا ایک بچہ تھا پھر مسلمان ہوگیا تو ان دونوں میں جدائی ہوگئی اور دونوں میں سے ہر ایک یہ چاہے کہ بچہ میرے پاس رہے تو جبتک اس بچہ کو دین کی سمجھ نہ ہو اسکی پرورش کرنے کا حق اس کی ماں کو ہوگا اور جب اس کو سمجھ آجائے گی تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا اسلئے کہ بچہ کو اس کے پاس رہنے میں نقصان ہے ماں اس کو مائل بہ کفر کر دے گی۔

[1] وعلی الرجلِ ان ینفق علی ابویہ واجدادہٖ وجداتہٖ اذا کانوا فقراء وان خالفوہ فی دینہٖ [2] ولا تجب النفقۃُ مع اختلاف الدینِ الا للزوجۃِ والابوین والاجدادِ والجداتِ والولدِ وولدِ الولدِ ولا یشارکُ الولدَ فی نفقۃِ ابویہِ احدٌ والنفقۃُ واجبۃٌ لکل ذی رحمٍ محرمٍ منہ اذا کان صغیراً فقیراً او کانت امرأۃً بالغۃً فقیرۃً او کان ذکراً زمناً او اعمیٰ فقیراً یجب ذلک علی مقدار المیراثِ۔

ترجمہ :۔ ـــــ اور مرد پر لازم ہے کہ وہ خرچ کرے اپنے والدین اور دادوں اور نانیوں پر جبکہ وہ فقیر ہوں اگرچہ وہ اس کے دین کے خلاف ہوں اور نفقہ واجب نہیں اختلاف دین کے باوجود سوائے بیوی اور والدین اور دادوں اور نانیوں اور بیٹوں اور پوتوں کے اور بچہ کے ساتھ والدین کے نفقہ میں کوئی شریک نہ ہوگا اور نفقہ ہر ذی رحم محرم کیلئے واجب ہے۔ جبکہ وہ چھوٹے اور نادار ہوں یا عورت بالغ ہو اور نادار ہو یا کوئی مرد ہو اپاہج یا اندھا نادار۔ یہ نفقہ بقدر میراث واجب ہوگا۔

تشریح :۔ ـــــ قولہ [1] :۔ وعلی الرجل ان ینفق : یعنی ہر آدمی پر اپنے ماں باپ دادا دادی اور نانا نانی کا نفقہ واجب ہے جبکہ وہ مثلاً تنگدست و محتاج ہو اگرچہ وہ دین میں اسکے خلاف ہوں۔ ماں باپ پر نفقہ اسلئے واجب ہے کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے صاحبہما فی الدنیا معروفاً۔ ظاہر ہے آدمی خود تو عیش و آرام کرے اور ماں باپ ایک ایک دانہ کا محتاج ہوں یہ انسانیت کے خلاف ہے اور دادا وغیرہ کا نفقہ اسلئے واجب ہے کہ وہ اسکے اصول میں داخل ہیں۔

قولہ [2] :۔ ولا تجب النفقۃ :۔ دین اگر مختلف ہو تو کسی کا نفقہ کسی پر واجب نہیں نہ کافر کا مسلم پر اور نہ مسلم کا کافر پر سوائے اپنی بیوی اور اصول یعنی ماں باپ۔ دادا۔ دادی۔ نانا۔ نانی اور فروع یعنی بیٹا۔ پوتا کو ان کا نفقہ اختلاف دین کے باوجود ضروری ہے کیونکہ وجوب نفقہ کا مدار نص قرآنی کے بموجب وراثت پر ہے اور ظاہر ہے مسلم و کافر کے درمیان وراثت نہیں ہوتی برخلاف زوجہ اور اصول و فروع کے کہ زوجہ کیلئے وجوب نفقہ کی علت احتباس ہے اور اصول و فروع میں علت وجوب جزئیت ہے اور احتباس و جزئیت میں اختلاف دین کی وجہ سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔

[1] وتجب نفقۃُ الابنۃِ البالغۃِ والابنِ الزمنِ علی ابویہ اثلاثاً علی الابِ الثلثان وعلی الامِ الثلث ولا تجب نفقتہم مع اختلافِ الدینِ ولا تجب علی الفقیرِ [2] واذا کان للابنِ الغائبِ مالٌ قضی علیہ بنفقۃِ ابویہ وان باع ابواہ متاعہٗ فی نفقتہما جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وان باع العقار لم یجز وان کان للابنِ الغائبِ مالٌ فی یدِ ابویہ فانفقا منہ لم یضمنا وان کان لہٗ مالٌ فی یدِ اجنبیٍ فانفق علیہما بغیرِ اذنِ القاضی ضمن [3] واذا قضی القاضی للولدِ والوالدین ولذوی الارحامِ بالنفقۃِ فمضت مدۃٌ سقطت الا ان یاذن لہم القاضی فی الاستدانۃِ علیہ وعلی المولیٰ ان ینفق علی عبدہٖ وامتہٖ فان امتنع من ذلک

وکان لهما کسبٌ اکتسب د انفقا منه وان لم یکن لهما کسبٌ اجبرالمولیٰ علی بیعهما.

ترجمہ — اور بالغ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ واجب ہوگا ان کے والدین پر بطریق اثلاث یعنی باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی اور ان کا نفقہ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے واجب نہیں اور فقیر پر واجب نہیں جب غائب بیٹے کا کچھ مال ہو تو اس پر والدین کا نفقہ کا حکم کیا جائے گا اور اگر والدین کے بیٹے کا سامان اپنے نفقہ میں بیچ دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور اگر زمین بیچا تو جائز نہیں اور اگر غائب بیٹے کا مال والدین کے نفقہ میں ہو اور وہ اس میں سے صرف کرلیں تو ضامن نہ ہوں گے اور اگر اس کا مال اجنبی کے پاس ہو اور وہ ان پر قاضی کے حکم کے بغیر خرچ کردے تو ضامن ہوگا اور جب قاضی نے اولاد اور والدین اور ذوی الارحام کے نفقہ کا فیصلہ کردیا اور مدت گذر گئی تو ساقط ہوجائے گا مگر یہ کہ قاضی اس کو اجازت دیدے اس کے ذمہ قرض لینے رہنے کا اور آقا پر واجب ہے کہ وہ اپنے غلام اور باندی پر خرچ کرے پس اگر وہ اس سے باز رہے اور ان کا کمایا ہوا کچھ مال ہو تو وہ اس میں سے اپنے اوپر خرچ کریں اور اگر ان کی کوئی کمائی نہ ہو تو آقا پر ان کے بیچ دینے کا زور دیا جائے گا۔

تشریح — قولہ. تجب نفقۃ الابنۃ: یعنی بالغہ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ ماں باپ کے ذمہ اس طرح واجب ہے کہ باپ کے ذمہ دو تہائی اور ماں کے ذمہ ایک تہائی۔ سوال اس سے قبل کہا گیا تھا کہ نفقۃ الاولاد الصغار علی الاب لا یشارکہ فیہا احد الخ یعنی چھوٹے بچوں کا نفقہ صرف باپ پر ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور یہاں باپ کے ساتھ ماں کو بھی نفقہ میں شریک کیا گیا ہے۔ جواب ماقبل میں مذکور ظاہر الروایۃ کے طور پر ہے کہ ظاہر کے اعتبار سے کل نفقہ باپ کے اوپر ہے اور یہاں جو مذکور ہے وہ خصاف کی روایت پر ہے کہ وہ نفقہ میں باپ کے ساتھ ماں کو بھی شریک کرتے ہیں۔

قولہ. اذا کان الابن الغائب: یعنی اگر کسی غائب شخص کا مال کسی کے پاس بطور امانت ہے اور اس شخص کے ماں باپ محتاج ہیں تو قاضی اس پر اس کے ماں باپ کے نفقہ کا حکم دیدے کہ اس کے ماں باپ اپنے خرچ کے لائق اس کے مال سے لے لیا کریں۔

قولہ. اذا قضی القاضی: یعنی قاضی نے اگر ماں باپ اور اولاد اور ذوی الارحام کے نفقہ کا حکم دیدیا اور پھر کچھ مدت گذر گئی کہ جس میں انہیں نفقہ نہیں ملا تو وہ نفقہ ساقط ہوجائے گا البتہ اگر قاضی نے اس کی طرف سے انہیں قرض لیکر کھانے کی اجازت دیدی تو ساقط نہ ہوگا۔

کتاب العتاق

ترجمہ: — آزاد کرنے کا بیان

العتق[۲] یقع من الحر البالغ العاقل فی ملکه فاذا قال لعبده او امته انت حرٌّ او معتقٌ او عتیقٌ او محرَّرٌ او حررتك او اعتقتك فقد عتق نوی المولی العتق او لم ینو وکذلك اذا قال راسك حر او رقبتك او بدنك او قال لامته فرجك حرٌّ وان قال لا ملك لی علیك ونوی بذلك الحریة عتق ان لم ینو لم یعتق وکذلك جمیع کنایات العتق وان قال لا سلطان لی علیك ونوی من العتق لم یعتق واذا قال[۳] هذا ابنی وثبت علی ذلك او قال هذا امولای او مولای عتق وان قال یا ابنی یا اخی لم یعتق

ترجمہ ــــــ آزادی واقع ہوتی ہے آزاد عاقل بالغ سے اسکی ملک میں پس اگر اپنے غلام یا باندی سے کہا کہ تو آزاد ہے یا آزاد کیا ہوا ہے یا میں نے تجھے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا پس آقا آزادی کی نیت کرے یا نہ کرے اور اسی طرح اگر کہا کہ تیرا سر آزاد ہے یا تیری گردن یا تیرا بدن یا کہا اپنی باندی سے کہ تیری شرمگاہ آزاد ہے اور اگر کہا کہ میری ملک تجھ پر نہیں اور اس سے آزادی کی نیت کی تو آزاد ہو جائے گا اور اگر نیت نہیں کی تو آزاد نہ ہوگا اور اسی طرح عتق کے تمام کنائی الفاظ ہیں اور اگر کہا کہ میرا غلبہ تجھ پر نہیں ہے اور اس سے آزادی کی نیت کی تو آزاد نہ ہوگا اور اگر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اس پر جما رہا یا کہا کہ یہ میرا مولیٰ ہے یا کہا اے میرے مولیٰ تو آزاد ہو جائے گا اور اگر کہا اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی تو آزاد نہ ہوگا

تشریح ــــــ قولہ[۱] کتاب العتاق، عتاق مصدر ہے باب ضرب یضرب کا لغت میں عتاق مملوکیت سے نکلنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس قوت شرعیہ کو کہا جاتا ہے جو غلام کو حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ شرعی تصرفات مثلاً شہادت و ولایت وغیرہ کا اہل ہوتا ہے۔

قولہ[۲] العتق یقع :۔ عتق یعنی آزاد کرنا ہر آزاد مکلف یعنی عاقل و بالغ سے صحیح ہے یعنی آزاد کرنے والا جب خود بھی آزاد اور عاقل بالغ ہو کر اپنے غلام باندی کو آزاد کرے گا تو اس کا آزاد کرنا درست ہو جائے گا اور آزاد کرنا عام ہے کہ صریح الفاظ سے ہو یا کنایات سے اور صریح الفاظ مثلاً انت حر یعنی تو آزاد ہے۔ میں نیت کرے یا نہ کرے بہر دو تقدیر درست ہے کیونکہ اس میں اشتباہ نہیں ہوتا البتہ کنائی الفاظ مثلاً لا ملک لی علیک میں نیت ضروری ہے اسلئے کہ اس کے اندر آزادی کرنا اور غیر آزاد کرنا دونوں کا احتمال ہے کہ ممکن ہے ملک کی نفی بذریعہ بیع ہو یا بذریعہ کتابت یا بذریعہ عتق۔

قولہ[۳] اذا قال هذا ابنی :۔ یعنی کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اس غلام کی عمر کا اس کا بیٹا ہو سکتا ہے پھر وہ اس اقرار پر قائم رہا یا یہ کہا کہ یہ میرا آقا ہے یا یہ کہدیا کہ اے میرے آقا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور نیت کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ وہ الفاظ جب غلام کے متعلق بولا جائے تو آزاد کے علاوہ کوئی مناسب نہیں اسلئے وہ صریح الفاظ کے ساتھ ملحق ہیں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ بلا نیت درست کا قول نہیں کرتے البتہ اگر یا ابنی یا اخی کہے تو آزاد نہ ہوگا اسلئے کہ وہ عادۃً شفقت کے معنی کیلئے مستعمل ہوتے ہیں۔

وان قال لغلام لا یولد مثلہ لمثلہ ھذا ابنی عتق علیہ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ وعندھما لا یعتق وان قال لامتہ انت طالق ونوی بہ الحریۃ لم تعتق وان قال لعبدہ انت مثل الحر لم یعتق وان قال ما انت الا حر عتق علیہ واذا ملک الرجل ذا رحم محرم عنہ عتق علیہ واذا اعتق المولی بعض عبدہ عتق علیہ ذلک البعض ویسعی فی بقیۃ قیمتہ لمولاہ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ وقالا یعتق کلہ

ترجمہ: ـــــ اور اگر ایسے غلام کے متعلق کہا کہ اس جیسا اس سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ میرا بیٹا ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک آزاد ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک آزاد نہ ہوگا اور اگر اپنی باندی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے اور اس سے آزادی کی نیت کی تو آزاد نہ ہوگی اور اگر اپنے غلام سے کہا کہ تو مثل آزاد کے ہے تو آزاد نہ ہوگا اور اگر کہا کہ تو نہیں ہے مگر تو آزاد ہو جائے گا اور جب آدمی اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے اور جب آقا نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا تو وہ حصہ آزاد ہو جائے گا اور باقی قیمت میں آقا کیلئے کمائی کرے گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ کل آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: ـــــ قولہ وان قال لغلام: یعنی اگر کسی نے ایسے غلام سے کہا کہ اس غلام جیسا اس جیسوں کا بیٹا نہیں ہو سکتا یہ کہہ دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ آزاد ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک آزاد نہ ہوگا اور اگر کسی نے اپنی باندی سے یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے اور اس سے آزاد کرنیکی نیت کر لی تو وہ آزاد نہ ہوگی اور اگر کوئی اپنے غلام سے یہ کہے کہ تو مثل آزاد کے ہے تو وہ آزاد نہ ہوگا اگرچہ اس نے آزاد کرنیکی نیت کر لی ہو۔

قولہ اذا اعتق المولی: یعنی اگر کسی غلام کے آقا نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حصہ اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا عام ہے کہ وہ حصہ تہائی ہو یا چوتھائی یا جو کچھ بھی ہو۔ اب وہ غلام اپنی بقیہ قیمت میں اپنے آقا کیلئے کوشش کرے یعنی جو حصہ اس کا آزاد ہونے سے رہ گیا ہے یہ اسکی قیمت کما کر اپنے آقا کو دیدے۔ صاحبین بلکہ ائمہ ثلاثہ کا قول بھی یہی ہے کہ بعض حصہ آزاد کرنے سے کل آزاد ہو جائے گا اور غلام پر کوشش لازم نہ ہوگی۔

واذا کان العبد بین شریکین فاعتق احدھما نصیبہ عتق فان کان موسراً فشریکہ بالخیار ان شاء اعتق وان شاء ضمن شریکہ قیمۃ نصیبہ وان شاء استسعی العبد وان کان المعتق معسراً فالشریک بالخیار ان شاء اعتق نصیبہ وان شاء استسعی العبد وھذا عند

ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ لیس لہ الا الضمان مع الیسار والسعایۃ مع الاعسار و اذا اشتری رجلان ابن احدہما عتق نصیب الاب ولا ضمان علیہ وکذلک اذا ورثاہ والشریک بالخیار ان شاء اعتق نصیبہ وان شاء استسعی العبد۔

ترجمہ: ـــــــ اور جب غلام دو شریکوں کا ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کرے تو آزاد ہو جائے گا پس اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے آزاد کرے اور اگر چاہے اپنے شریک سے اپنے حصہ کی قیمت کا تاوان لیلے اور اگر چاہے غلام سے سعایت کرائے اور اگر وہ نادار ہو تو شریک کو اختیار ہے چاہے آزاد کرے اور چاہے سعایت کرائے یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کیلئے نہیں ہے مگر تاوان مالداری کی صورت میں اور سعایت ناداری کی صورت میں اور اگر دو آدمی اپنے میں سے کسی ایک کا بیٹا خرید لیں تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور اس پر ضمان نہ ہوگا اور اسی طرح اگر وہ اس کے وارث ہوئے ہوں اور شریک کو اختیار ہوگا اگر چاہے اپنا حصہ آزاد کرے اور اگر چاہے غلام سے سعایت کرائے۔

تشریح: ـــــــ قولہ: واذا کان العبد: یعنی جب کوئی غلام دو آدمیوں میں شریک ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا پس آزاد کرنے والا دولت مند ہے تو اسکے شریک کو اختیار ہے چاہے وہ بھی اپنے حصہ کو آزاد کرے اور چاہے اپنے شریک سے اپنے حصہ کی قیمت کا تاوان لیلے اور چاہے اس غلام سے کہکر اپنے حصہ کا روپیہ اس سے وصول کرے اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو اب بھی اسکے شریک کو اختیار ہے چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے اس غلام سے محنت کرا کے وصول کرے یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے صاحبین کا قول یہ ہے کہ آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو یہ اس سے تاوان لیلے اور اگر تنگدست ہے تو یہ غلام سے محنت کرائے۔

قولہ: اذا اشتری رجلان: یعنی دو آدمیوں نے اگر ایک غلام کو خریدا اور وہ غلام ان میں سے ایک کا بیٹا ہے تو اس غلام میں سے اس کے باپ کا حصہ پورا آزاد ہو جائے گا اور اس پر تاوان نہ آئے گا عام ہے کہ اس وقت دوسرے شریک کو یہ معلوم ہو گیا ہو کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا معلوم نہ ہوا ہو یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین بلکہ ائمہ ثلاثہ کا قول بھی یہ ہے کہ باپ پر تاوان لازم ہوگا اسلئے کہ اس کے خرید کا کام کرنا ہی آزاد کرنا ہے پس اس نے گویا اپنے شریک کا حصہ فاسد کو دیا دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ حکم کا مدار سبب تعدی پر ہے اور تعدی یہاں مفقود ہے کیونکہ قریبی رشتہ دار کی آزادی اس کا اختیاری فعل نہیں پس تاوان لازم نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ہے کہ آزاد کرنے والے کا مالدار ہونا مانع سعایت ہے۔ اسلئے ان کے نزدیک صرف ضمان لے گا۔

واذا شہد کل واحد من الشریکین علی الآخر بالحریۃ سعی العبد لکل واحد منہما فی نصیبہ موسرین

كانا او معسرين عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقالا ان كانا معسرين سعى لهما وان كان احدهما موسرا والاخر معسراً سعى للموسر ولم يسع للمعسر ومن اعتق عبده لوجه الله تعالى او للشيطان او للصنم عتق وعتق المكره والسكران واقع واذا اضاف العتق الى ملك او شرط صح كما يصح فى الطلاق واذا خرج عبد الحربى من دار الحرب الينا مسلما عتق واذا اعتق جارية حاملا عتقت وعتق حملها وان اعتق الحمل خاصة عتق ولم يعتق الام.

ترجمہ ——— اور اگر دو شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے پر آزادی کی گواہی دی تو غلام ان میں سے ہر ایک کیلئے اس کے حصہ میں کوشش کرے خواہ وہ مالدار ہوں یا نادار امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ مالدار ہوں تو کوشش نہ ہوگی اور اگر نادار ہوں تو دونوں کیلئے کوشش کرے گا اور اگر ایک مالدار ہو اور دوسرا نادار تو مالدار کیلئے کوشش کرے اور نادار کیلئے کوشش نہ کرے اور جس نے اپنے غلام کو اللہ کیلئے یا شیطان کیلئے یا بت کیلئے آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گا اور زبردستی کئے گئے اور نشہ میں مست کا آزاد کرنا واقع ہو جاتا ہے اور جب آزادی کو ملک یا شیطان کی طرف منسوب کیا تو وہ صحیح ہے جسطرح طلاق میں صحیح ہے اور جب حربی غلام دار الحرب سے ہمارے ہاں مسلمان ہو کر نکل آئے تو وہ آزاد ہو گا اور جب حاملہ باندی کو آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گی اور اس کا حمل بھی آزاد ہو گا۔ اور اگر حمل کو خاص کر آزاد کیا تو وہ آزاد ہو گا اور ماں آزاد نہ ہو گی۔

تشریح ——— قولہ، واذا شهد كل واحد:- یعنی ایک غلام اگر دو آدمیوں کا ہے اور وہ دونوں آپس میں کہیں یعنی ایک کہے کہ اس غلام کو تو نے آزاد کیا ہے اور دوسرا کہے کہ تو نے آزاد کیا ہے تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور اب وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان دونوں کے حصہ کی قیمت ادا کرنے میں کوشش کرے عام ہے کہ وہ دونوں مالدار ہوں یا تنگدست کیونکہ اس میں سے ہر ایک دوسرے کے متعلق آزاد کرنے کی اور اپنے متعلق مکاتب کی خبر دے رہا ہے پس ہر ایک کا قول خود اس کے حق میں مقبول ہو گا اور غلام ہر ایک کیلئے کوشش کرے گا۔ صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر دونوں تنگدست ہوں تو دونوں کا حصہ ادا کرنے کیلئے کوشش کرے کیونکہ دونوں کوشش کے مدعی ہیں اور اگر ایک مالدار ہے اور دوسرا تنگدست ہے تو مالدار کو کما کے دیدے اور تنگدست کو نہ دے کیونکہ مالدار دوسرے شریک پر تاوان کا مدعی نہیں بلکہ غلام پر کوشش کا مدعی ہے برخلاف تنگدست کہ وہ مالدار پر تاوان کا مدعی ہے اور اگر دونوں مالدار ہوں تو کوشش واجب نہیں اسلئے کہ آزاد کرنیوالے کا مالدار ہونا ان کے نزدیک کوشش کیلئے مانع نہیں۔

قولہ، ومن اعتق عبدہ:- یعنی کسی نے اپنے غلام کو اللہ تعالیٰ کے واسطے یا شیطان کے واسطے یا کسی بت کے واسطے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص کسی کے زبردستی کی وجہ سے یا نشہ کی حالت میں اپنی باندی یا غلام کو آزاد کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا چونکہ حدیث شریف میں ہے ثلاث جدهن جد وهزلهن جد الطلاق والعتاق والنكاح اور اگر کوئی آزادی کو اپنے مالک ہونے پر کسی دوسری شرط پر معلق کر دے تو یہ درست ہے جس طرح طلاق میں درست ہے مثلاً کوئی غلام سے یوں کہے کہ اگر میں تیرا مالک ہو جاؤں تو تو آزاد ہے یا اپنے غلام سے یہ کہے کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو تو آزاد ہے تو اس کے مالک ہو جانے سے یا اس کے وہ کام کرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا۔

قولہ؛ اذا خرج عبد الحربی۔ یعنی حربی کا غلام اگر دار الحرب سے نکل کر دار الاسلام میں آجائے تو وہ آزاد ہو جائے گا چونکہ سرکار مدینہ نے عبید طائف کے حق میں ارشاد فرمایا تھا ھم عتقاء اللہ۔

واذا اعتق عبدہٗ علی مالٍ فقبل العبدُ عتق فاذا قبل صار حرًّا ولزمہ المال وقال ان ادیتَ الیّ الفًا فانت حرٌّ صحّ ولزمہ المال وصار ماذونًا فان احضر المال اجبر الحاکم المولیٰ علی قبضہٖ وعتق العبد وولد الامۃ من مولاھا حرٌّ وولدھا من زوجھا لمملوکٌ لسیدھا وولد الحرۃ من العبد حرٌّ

ترجمہ ــــــ اور جب اپنا غلام مال کے عوض آزاد کیا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو آزاد ہو جائے گا اور مال لازم ہوگا اور اگر کہا کہ جا تو اگر مجھے ایک ہزار دیدے تو آزاد ہے تو یہ صحیح ہے اور مال لازم ہوگا۔ اور وہ ماذون ہو جائے گا پس اگر وہ مال پیش کر دے تو حاکم آقا کو مال لینے کیلئے مجبور کرے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا اور باندی کا بچہ جو آقا سے ہو وہ آزاد ہے اور اس کا بچہ جو شوہر سے ہو وہ اس کے آقا کا غلام ہوگا اور آزاد عورت کا بچہ جو غلام سے ہو وہ آزاد ہوگا۔

تشریح: ــــــ قولہ۔ واذا اعتق عبدہٗ۔ یعنی کسی نے اگر اپنے غلام کو کسی قدر مال پر آزاد کر دیا اور اس غلام نے وہ مال دینا قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا یعنی جب اس نے مال دینا قبول کر لیا اسی وقت وہ آزاد ہو جائے گا۔ اگرچہ اس نے ابھی مال ادا نہ کیا ہو کیونکہ وہ معاوضہ مال بغیر مال ہے اور معاوضہ میں محض عوض قبول کرنے سے حکم ثابت ہو جاتا ہے

قولہ۔ ولو قال ان ادیت۔ یعنی مالک نے غلام کی آزادی کو مال کی ادائیگی پر معلق کر کے یوں کہا کہ اگر تو مجھے ایک ہزار روپیہ دے دے تو تو آزاد ہے تو یہ درست ہے اور وہ مال اس غلام پر لازم ہے اور یہ غلام ماذون فی التجارۃ ہو جائے گا اسلئے کہ مالک نے اسکو ادائیگی مال کی رغبت دلائی ہے اور مال کی ادائیگی کسب و تجارت کے بغیر نہیں ہو سکتی گویا مالک نے تجارت کی اجازت دیدی ہے پس غلام مالک کے پاس مال پیش کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

قولہ۔ وولد الامۃ۔ یعنی باندی کا بچہ جو اس کے آقا کے نطفہ سے ہو وہ آزاد ہے جبکہ آقا یہ دعویٰ اور اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور جو اس کا لڑکا اس کے اور شوہر سے ہو تو وہ اسکے آقا کا غلام ہوگا۔ کیونکہ بچہ اپنی ماں کے تابع یعنی اسکے حکم میں ہوتا ہے عام ہے کہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔!

باب التدبیر

ترجمہ :- غلام باندی کو مدبر کرنے کا بیان

متن

اذا قال المولی لمملوکہ اذا مت فانت حر او انت حر عن دبر منی او انت مدبر او قد دبرتک فقد صار مدبرا لا یجوز بیعہ ولا ھبتہ وللمولی ان یستخدمہ ویواجرہ وان کانت امۃ فلہ ان یطأھا ولہ ان یزوجھا واذا مات المولی عتق المدبر من ثلث مالہ ان خرج من الثلث فان لم یکن لہ مال غیرہ یسعی فی ثلثی قیمتہ فان کان علی المولی دین یسعی فی جمیع قیمتہ لغرمائہ وولد المدبرۃ مدبر فان علق التدبیر بموتہ علی صفۃ مثل ان یقول ان مت من مرضی ھذا او فی سفری ھذا او من مرض کذا فلیس بمدبر ویجوز بیعہ فان مات المولی علی الصفۃ التی ذکرھا عتق کما یعتق المدبر

ترجمہ ——— آقا نے جب اپنے غلام سے کہا کہ میں مر جاؤں تو آزاد ہے یا تو آزاد ہے میرے بعد یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھے مدبر کر دیا تو وہ مدبر ہو گیا پس نہ اسکی بیع جائز ہے اور نہ ہبہ اور نہ تملیک اور مولی کیلئے یہ ہے کہ اس سے خدمت لے اور مزدوری پر دے اور اگر باندی ہو تو اس سے وطی کرے اور شادی کرے اور جب آقا مر جائے تو مدبر آزاد ہو جائے گا اسکے تہائی مال سے اگر وہ نکل سکے تہائی سے پس اگر اس کا مال نہ ہو مدبر کے سوا تو سعی کرے اپنی قیمت کے دو تہائی میں پس اگر آقا کے ذمہ اتنا قرض ہو کہ اسکی قیمت ڈوبے تو قرضخواہوں کیلئے پوری قیمت میں کوشش کرے اور مدبرہ کا بچہ بھی مدبر ہوگا پس اگر تدبیر کو اپنی موت کے ساتھ معلق کیا تو کسی صفت پر مثلاً کہا کہ اگر میں اس بیماری میں مر جاؤں یا اس سفر میں یا فلاں بیماری میں تو وہ مدبر نہیں پس بیچا جا سکتا ہے تو اگر اس صفت پر مر گیا جو اس نے ذکر کی تھی تو آزاد ہو جائے گا جس طرح مدبر آزاد ہوتا ہے۔

تشریح :- ——— قولہ باب التدبیر :- تدبیر باب تفعیل کا مصدر ہے جو کسی کام کے انجام پر غور کرنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں غلام کی آزادی کو مطلقاً اپنی موت کے ساتھ معلق کرنے کو کہا جاتا ہے۔

قولہ اذا قال المولی :- یعنی آقا نے جب اپنے غلام سے یہ کہہ دیا کہ جب میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے یا یوں کہا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے یا کہا تو مدبر ہے یا کہا کہ میں تجھے مدبر کر چکا تو اب وہ غلام مدبر ہو گیا نہ اسکو بیچنا جائز ہے اور نہ ہبہ کرنا۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا قول یہ ہے کہ وہ بوقت ضرورت جائز ہے چونکہ ایک انصاری مقروض کے مدبر غلام کو سرکار مدینہ نے نعیم بن عبد اللہ کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں فروخت کر کے فرمایا کہ اپنا قرض اسی قیمت سے ادا کر دے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ سرکار کا قول ہے کہ مدبر کو نہ بیچا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے اور وہ ثلث مال سے

آزاد ہے اور حدیث مذکور ابتدائے اسلام پر محمول ہے۔

قولہ۔ فان علق التدبیر ۔۔ مدبر کی دو قسمیں ہیں مطلق و مقید۔ مدبر مطلق وہ ہے جس کا آزاد ہونا صرف موت پر موقوف ہو اور مدبر مقید وہ ہے جس کا آزاد ہونا صرف موت پر موقوف نہ ہو بلکہ موت کے ساتھ کسی زائد وصف کو بھی شامل کر دیا جائے مثلاً اس مرض میں یا اپنے اس سفر میں یا فلانے مرض میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے تو اس کہنے سے وہ مدبر نہ ہوگا اس میں مالکانہ تصرفات بیع و ہبہ وغیرہ درست ہے اسلئے کہ ان مدتوں میں آقا کی موت یقینی نہیں البتہ مطلق موت کے کہ اس میں یقینی ہے۔

باب الاستیلاد

ترجمہ:- ام ولد باندی کا بیان

اذا ولدت الامة من مولاها فقد صارت ام ولد له لا يجوز له بيعها ولا تمليكها وله وطؤها واستخدامها واجارتها وتزويجها ولا يثبت نسب ولدها الا ان يعترف به المولى فان جاءت بولد بعد ذلك ثبت نسبه منه بغير اقرار فان نفاه انتفى بقوله وان زوجها فجاءت بولد فهو في حكمها واذا مات المولى عتقت من جميع المال ولا تلزمها السعاية للغرماء ان كان على المولى دين واذا وطئ الرجل امة غيره بنكاح فولدت منه ثم ملكها صارت ام ولد له وعليه قيمتها وليس عليه عقرها ولا قيمة ولدها وان وطئ اب الاب مع بقاء الاب لم يثبت النسب منه فان كان الاب ميتا يثبت النسب من الجد كما يثبت النسب من الاب

ترجمہ:- جب باندی اپنے آقا سے بچہ جنے تو وہ اس کی ام ولد ہوگئی اب نہ اسکی بیع جائز ہے اور نہ اسکی تملیک اور اس سے وطی کرنا اور خدمت لینا اور مزدوری پر دینا اور اس کا نکاح کرنا جائز ہے اور اسکے بچہ کا نسب ثابت نہ ہوگا مگر یہ کہ اس کا اقرار کرے پھر اگر اس کے بعد بچہ جنے تو اس کا نسب آقا سے ثابت ہوگا اس کے اقرار کے بغیر اور اگر وہ اس کی نفی کرے تو اس کے قول کے موجب منتفی ہو جائے گا اور اگر اسکی شادی کر دی اور بچہ ہوا تو وہ ماں کے حکم میں ہوگا اور جب آقا مر جائے تو باندی آزاد ہو جائیگی کل مال سے اور اس پر کوشش نہ ہوگی قرضخواہوں کیلئے اور اگر آقا کے ذمہ قرض ہو اور جب وطی کی کسی نے دوسرے کی باندی سے نکاح کے ساتھ اور اس کا بچہ ہوا پھر شوہر اس کا مالک ہوگیا تو وہ اسکی ام ولد ہوگئی۔ اور جب باپ نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کی اور اس کا بچہ ہوا اور باپ نے اس کا دعوی کیا تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ اسکی ام ولد ہوگئی اور باپ پر اسکی قیمت ہوگی نہ کہ اسکی مہر اور نہ اس کے بچہ کی قیمت اور اگر وطی کی دادا نے باپ کے ہوتے ہوئے تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ دادا سے اور اگر باپ مر چکا ہو تو دادا سے ثابت ہو جائے گا جس طرح باپ سے ثابت ہوتا ہے

تشریح ـــــــ قولہ[۱]۔ باب الاستیلاد :۔ استیلاد باب استفعال کا مصدر ہے جس کا مادہ ہے ولد لغت میں اس کا معنی ہے خواہش اولاد خواہ زوجہ سے ہو یا باندی سے اور اصطلاح میں وہ خواہش اولاد ہے جو صرف باندی کے ساتھ ہو۔

قولہ[۲]۔ اذا ولدت :۔ یعنی آقا کے نطفہ سے جب باندی کا بچہ ہو جائے تو باندی ام ولد ہو جاتی ہے نہ اسکی بیع جائز ہے اور نہ ہبہ البتہ آقا کو اس سے صحبت کرنا اور اس سے خدمت کرانا اور مزدوری کرانا اور اس سے نکاح کرنا جائز ہے چونکہ عبد اللہ بن عمر راوی ہیں کہ سرکار مدینہ نے امہات الاولاد کی بیع سے منع فرمایا ہے سیدنا عمر سے بھی روایت ہے کہ جس باندی کا اس کے آقا سے بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا آقا نہ اسے فروخت کرے اور نہ ہبہ البتہ زندگی بھر اس سے نفع اٹھائے۔

قولہ[۳]۔ فان جاءت بولد :۔ یعنی پہلے بچہ کے اقرار کے بعد اس کا دوسرا بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب اسکے آقا سے بغیر اقرار کے ثابت ہو جائے گا یعنی پہلا بچہ کا نسب اقرار پر موقوف ہے دوسرا بچہ کا نہیں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ آقا کو اگر وطی کا اقرار ہو تو بلا دعویٰ نسب ثابت ہو جائے گا۔ اسلئے کہ عقد نکاح جو مفضی الی الوطی ہے اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے تو وطی سے بدرجۂ اولیٰ نسب ثابت ہونا چاہیئے۔ احناف کی دلیل سیدنا عبد اللہ بن عباس کا یہ فعل ہے کہ وہ باندی سے صحبت کرتے تھے جس سے اسکو حمل قرار ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ حمل میرا نہیں ہے چونکہ وطی سے میرا مقصود قضاء شہوت تھا حصول اولاد نہیں۔

قولہ[۴]۔ اذا وطی الرجل :۔ یعنی کسی نے غیر کی باندی سے نکاح کرکے اس سے صحبت کر لی پھر اس کا بچہ پیدا ہو گیا اور اسکے بعد یہ شخص اس باندی کا مالک ہو گیا خرید کر یا کسی ذریعہ سے تو یہ باندی احناف کے نزدیک اسکی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ بچہ کا نسب دونوں صورتوں میں اس سے ثابت ہے تو ام ولد ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔

واذا[۱] کانت الجاریۃ بین شریکین فجاءت بولد فادعاہ احدہما ثبت نسبہ منہ وصارت ام ولد لہ وعلیہ نصف عقرہا ونصف قیمتہا ولیس علیہ شیئ من قیمۃ ولدہا فان[۲] ادعیاہ معا ثبت نسبہ منہما وکانت الامۃ ام ولد لہما وعلی واحد منہما نصف العقر تقاصا بمالہ علی الآخر ویرث الابن من کل واحد منہما میراث ابن کامل وہما یرثان منہ میراث اب واحد واذا[۳] وطی المولی جاریۃ مکاتبہ فجاءت بولد فادعاہ فان صدقہ المکاتب ثبت نسبہ منہ وکان علیہ عقرہا وقیمۃ ولدہا ولا تصیر ام ولد لہ وان کذبہ المکاتب فی النسب لم یثبت نسبہ منہ

ترجمہ :ـــــــ اور جب باندی دو شریکوں میں مشترک ہو اور اس کا بچہ ہو اور ان میں سے ایک اس کا دعویٰ کرے تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ اسکی ام ولد ہو گی اور اس پر نصف مہر اور نصف قیمت ہو گی اور اسکے بچہ کی کچھ قیمت واجب نہ ہو گی اور اگر دونوں دعویٰ کریں تو نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا اور باندی دونوں کی ام ولد ہو گی اور ان میں سے ہر ایک پر نصف مہر ہو گا

اور دونوں مقاسمہ کرلیں گے اور بچہ ان میں سے ہر ایک کا بیٹے کی پوری میراث کا وارث ہوگا اور وہ دونوں اس بچہ کے وارث ہوں گے ایک باپ کی میراث کے اور جب آقا نے اپنے مکاتب کی باندی سے وطی کی اور اس کا بچہ ہوا پس آقا نے اس کا دعوی کیا تو اگر مکاتب اس کی تصدیق کرے تو اس سے نسب ثابت ہوگا اور آقا پر اسکی مہر اور بچہ کی قیمت واجب ہوگی اور باندی اسکی ام ولد نہ ہوگی اور اگر مکاتب نے نسب میں جھٹلا دیا تو اس کا نسب اس سے ثابت نہ ہوگا۔

تشریح:۔ قولہ واذا کانت الجاریۃ:۔ یعنی اگر ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک تھی اور اس کا بچہ پیدا ہوگیا اور شریکوں میں سے ایک نے اس کا دعوی کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور یہ باندی اسکی ام ولد ہو جائیگی اور اس باندی کی نصف مہر اور اسکی نصف قیمت اس شریک پر واجب ہوگی اور اس بچہ کی قیمت اسکے ذمہ کچھ نہ ہوگی اسلئے کہ تاوان یوم علوق کے لحاظ سے واجب ہے اور بچہ وقت علوق ہی سے ثابت النسب ہے پس حدوث ولد مدعی کے ملک میں ہوا نہ کہ شریک کے ملک میں۔

قولہ فان ادعیاہ معاً:۔ یعنی دونوں شریکوں نے اگر اکٹھا دعوی کیا تو نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا۔ اور یہ باندی دونوں کی ام ولد ہو جائیگی اور ان دونوں پر دونوں کیلئے نصف مہر واجب ہوگی نہ یہ اس سے لیگا اور نہ وہ اس سے اور وہ لڑکا ان دونوں سے بیٹے کی پوری میراث کا وارث ہوگا یعنی جتنا حصہ ایک بیٹے کو ملتا ہے یہ اکیلا اپنا ہی حصہ دونوں کی میراث میں سے لیگا اور یہ دونوں اس سے ایک ہی باپ کی میراث کے وارث ہوں گے یعنی ایک باپ کو جو حصہ ملتا ہے۔ یہ دونوں اسکو تقسیم کرلیں گے۔

قولہ اذا وطی المولیٰ:۔ یعنی آقا نے اگر اپنے مکاتب کی باندی سے صحبت کرلی اور اس کا بچہ ہوگیا اور آقا نے اس کا دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے پس اگر مکاتب نے اسکی تصدیق کرلی تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور اب آقا پر اسی باندی کی پوری مہر اور اس بچہ کی قیمت دینی واجب ہوگی اور یہ باندی اسکی ام ولد نہ ہوگی کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں اور اگر اس مکاتب نے نسب میں اسکی تکذیب کردی تو پھر اس بچہ کا نسب اس سے ثابت نہ ہوگا اسلئے کہ آقا کو کسب مکاتب میں تصرف کا حق نہیں اسلئے مکاتب کی تصدیق لازمی ہے۔

کتاب المکاتب

ترجمہ:۔ مکاتب کا بیان

واذا کاتب المولیٰ عبدہ او امتہ علی مالٍ شرط علیہ وقبل العبد ذٰلک العقد صار مکاتباً ویجوز ان یشترط المال حالاً ویجوز مؤجلاً ومنجماً ویجوز کتابۃ العبد الصغیر اذا کان یعقل الشراء والبیع واذا صحت الکتابۃ خرج المکاتب عن ید المولیٰ ولم یخرج من ملکہ فیجوز لہ البیع والشراء والسفر ولا یجوز لہ التزوج الا ان یاذن لہ المولیٰ ولا

يهب ولا يتصدق الا بالشيء اليسير ولا يتكفل فان[۲] ولد له ولد من امته له دخل فی کتابته وکان حکمه مثل حکم ابيه وکسبه له

ترجمہ ـــــ اور جب آقا نے اپنے غلام یا باندی کو کسی ایسے مال پر مکاتب کرے جس نے اس کی شرط کی ہو اور غلام اس کو قبول کرے تو وہ مکاتب ہو جائے گا اور جائز ہے یہ مال کی شرط کرے فی الفور دینے کی یا قسط وار دینے کی اور کمسن غلام کو مکاتب کرنا جائز ہے جبکہ خرید و فروخت سمجھتا ہو پس جب کتابت صحیح ہو جائے تو کاتب آقا کے قبضہ سے نکل جاتا ہے اور اسکی ملک سے نہیں نکلتا اور اس کیلئے خرید و فروخت اور سفر کرنا جائز ہے اور اسکو شادی کرنا جائز نہیں مگر آقا کی اجازت سے اور وہ ہبہ نہ کرے اور نہ صدقہ مگر تھوڑی سی چیز اور وہ کسی کا کفیل نہ ہو پس اگر اسکی باندی کا بچہ ہو تو وہ کتابت میں داخل ہو جائیگا اور اس کا حکم باپ کے حکم کی مثل ہوگا اور اسکی کمائی مکاتب کی ہو گی۔

تشریح ـــــ قولہ[۱] اذا کاتب المولیٰ :- یعنی آقا اگر اپنے غلام یا باندی کو کسی قدر مال پر مکاتب کرے یعنی اس کا آزاد ہونا اس مال کے وصول ہونے پر معلق کردے اور وہ غلام اس عقد کو قبول کرے تو وہ مکاتب ہو جاتا ہے اور اس مال میں فی الحال لینے یا قسط وار لینے یا بطور ادھار کے کچھ مدت کے بعد لینے کی شرط کر لینی جائز ہے اور ایسے کم سن غلام کو مکاتب کر دینا جائز ہے کہ جو خرید و فروخت کو سمجھتا ہو اور جب یہ کتابت طے ہو جائے تو اس کے بعد وہ مکاتب آقا کے قبضہ سے نکل جاتا ہے اور اس کی ملک سے نہیں نکلتا۔

قولہ[۲] یجوز لہ البیع :- یعنی مکاتب کو خرید و فروخت اور سفر کرنا جائز ہے اسلئے کہ کتابت کا سبب یہ ہے کہ غلام تصرف کے اعتبار سے آزاد ہو جائے اور یہ اس وقت ممکن ہے جبکہ وہ مستقل طور پر تصرف کا مالک ہو جس کے ذریعہ وہ بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو سکے اور وہ خرید و فروخت اور مسافرت سے حاصل ہے۔

قولہ[۳] ولا یجوز لہ التزوج :- یعنی مکاتب کو اپنا نکاح کرنا جائز نہیں جبتک کہ اس کا آقا اس کو اجازت نہ دے اسلئے کہ اس کو ان امور کی اجازت ہے جو اس کے مقصد یعنی بذریعہ ادائیگی بدل کتابت حصول آزادی میں معین ہیں اور نکاح کر کے وہ ادائیگی مہر اور نان و نفقہ کی فکر میں مبتلا ہو جائے گا اسی طرح نہ وہ کوئی چیز ہبہ کر سکتا ہے اور نہ صدقہ۔ اسلئے کہ یہ تبرعات ہیں جن کا وہ اہل نہیں البتہ اگر کوئی معمولی چیز ہو تو اس کو صدقہ کرنا جائز ہے۔

قولہ[۴] فان ولد لہ ولد :- یعنی مکاتب کی باندی سے اگر کوئی بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بھی اسی کی کتابت میں آجائے گا اور اس کا حکم مثل حکم اس کے باپ کے ہوگا اور اسکی کمائی اسی مکاتب یعنی اسکے باپ کی ہوگی کیونکہ بچہ اس کے مملوک کے حکم میں ہے پس جس طرح دعویٰ نسب سے پہلے اسکی کمائی مکاتب کیلئے ہے اسی طرح دعویٰ نسب کے بعد اسی کی ہوگی۔

[۱] فان زوج المولیٰ عبده من امته ثم کاتبهما فولدت منه ولدا دخل فی کتابتها وکان کسبه لها و[۲] ان وطی

المولیٰ مکاتبۃ لزمہ العقر وان جنی علیھا او علی ولدھا لزمتہ الجنایۃ وان اتلف مالاً لھا غرمہ واذا ۳ اشتری المکاتب اباہ او ابنہ دخل فی کتابتہ وان اشتری ام ولدہ مع ولدھا دخل ولدھا فی الکتابۃ ولم یجز لہ بیعھا ۔

ترجمہ ــــــ پس اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی اپنی باندی سے کر دی پھر ان کو مکاتب کر دیا اور اس سے باندی کا بچہ پیدا ہوا تو ان کی کتابت میں داخل ہوگا اور اسکی کمائی ماں کیلئے ہوگی اور اگر آقا نے اپنی مکاتب باندی سے وطی کی تو اسکو مہر لازم ہوگی اور اگر اس پر یا اسکے بچہ پر جنایت کی تو اس کا تاوان لازم ہوگا اور اگر اس کا مال تلف ہوگیا تو تاوان دے گا اور جب مکاتب اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خرید لیا تو وہ بھی اسکی کتابت میں داخل ہو جائیگا اور اگر اپنی ام ولد کو اسکے بچہ کے ساتھ خرید لے تو بچہ کتابت میں داخل ہو جائے گا اور اس کیلئے ام ولد کو بیچنا جائز نہ ہوگا۔

تشریح ــــــ قولہ ۱ ۔ فان زوج المولیٰ :۔ یعنی اگر کسی نے اپنے غلام کا نکاح اپنی باندی سے کر دیا تھا اور اسکے بعد دونوں کو مکاتب کر دیا پھر اسکو باندی کے اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ اپنی ماں کی کتابت میں داخل ہو جائے گا کیونکہ وہ آزادی اور غلامی میں ماں کا تابع ہے اور اس بچہ کی کمائی بھی ماں کو ملے گی اسلئے کہ باپ کے مقابلے میں وہ زیادہ مستحق ہے ۔

قولہ ۲ ۔ واذا وطی المولیٰ :۔ یعنی آقا نے اگر اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کر لی تو اس پر مہر لازم ہوگی اور اگر اس باندی پر یا اسکے بچہ پر مار پیٹ میں کسی طرح کی زیادتی کی یا اسکے مال پر جنایت کرے تو اس پر جرمانہ لازم ہوگا ۔ یعنی جماع کی صورت میں مہر دے گا اور جنایت نفس کی صورت میں دیت اور جنایت مال کی صورت میں مثل مال یا اسکی قیمت اسلئے کہ مکاتب تصرف ذات و تصرف منافع کے اعتبار سے ملک مولیٰ سے نکل جاتا ہے اسلئے کہ باندی یا غلام جب مکاتب ہوگئے تو اب ان کی کمائی سے ان کے آقا کو کچھ تعلق نہیں

قولہ ۳ ۔ اذا اشتری المکاتب :۔ یعنی مکاتب اگر اپنے باپ یا بیٹے کو خرید لے تو وہ بھی اس کی کتابت میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ مکاتب اگرچہ آزاد کرنے کا اہل نہیں تو کم از کم مکاتب کرنے کا اہل تو ہے پس حتی المقدور صلہ رحمی کی رعایت کی جائیگی اسی طرح اگر اس نے اپنی ام ولد کو اسکے بچہ کے ساتھ خرید لیا تو اس کا بچہ بھی کتابت میں داخل ہو جائے گا اور اب وہ ام ولد کو فروخت نہیں کر سکتا اسلئے کہ وہ بیع کے عدم جواز میں اولاد کے تابع ہے چونکہ سرکار مدینہ کا یہ ارشاد ہے اعتقہا ولدھا ۔

وان ۴ اشتری ذا رحم محرم منہ لا ولاد لہ لم یدخل فی کتابتہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ

واذا عجز المکاتب عن نجم نظر الحاکم فی حاله فان کان له دین یقبضه او مال یقدم علیه لم یعجل بتعجیزه و انتظر علیه الیومین او الثلاثة وان لم یکن له وجه وطلب المولی تعجیزه عجزه الحاکم و فسخ الکتابة وقال ابو یوسف لا یعجزه حتی یتوالی علیه نجمان واذا عجز المکاتب عاد الی احکام الرق وکان ما فی یده من الاکتساب لمولاه۔

ترجمہ ——— اور اگر کسی ذی رحم محرم کو خریدا جس سے ولادت کا رشتہ نہیں تو وہ کتابت میں داخل نہ ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور جب مکاتب قسط کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے تو حاکم اس کی حالت میں غور کرے پس اگر اس کا اتنا قرض ہو جس سے بھگتان ہو سکے یا کچھ مال آنے والا ہو تو اس کو عاجز قرار دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ دو تین دن انتظار کرے اور اگر کوئی صورت نہ ہو اور آقا اس کو چاہے عاجز کرانا تو عاجز کر کے کتابت فسخ کرا دے اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ اس کو عاجز نہ کرے یہاں تک کہ اس پر دو قسطیں چڑھ جائیں اور جب مکاتب عاجز ہو جائے تو وہ غلامی کے حکم کی طرف لوٹ آئے گا اور جو کچھ اس کے پاس کمائی ہے وہ اسکے آقا کی ہوگی۔

تشریح:- ——— قولہ۔ وان اشتری ذا رحم:۔ یعنی کوئی مکاتب اگر ایسے ذی رحم محرم کو خریدے جس سے ولادت کا رشتہ نہ ہو مثلاً باپ یا بیٹا نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ اس کتابت میں داخل نہ ہوگا صاحبین کے نزدیک داخل ہو جائیں گے اسلئے کہ صلہ رحمی قرابت ولاد و غیر ولاد دونوں کو شامل ہے۔ دلیل امام کی یہ ہے کہ مکاتب کیلئے ملک حقیقی نہیں ہوگی بلکہ وہ صرف کمائی پر قادر ہوتا ہے اور یہ قدرت غیر ولاد کیلئے کافی نہیں۔

قولہ۔ اذ عجز المکاتب:۔ یعنی مکاتب اگر قسط کا روپیہ ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو حاکم اس کی حالت کو غور سے دیکھے اور تحقیق کرے اگر اس کا روپیہ لوگوں کے ذمہ ہے جس سے یہ بھگتان کر دے یا عنقریب کچھ روپیہ اسکے پاس آنیوالا ہے تو اسکے عاجز ہونیکا حکم دینے میں حاکم جلدی نہ کرے بلکہ دو تین دن کی مہلت دے اور اگر اسکے پاس کوئی صورت ادائیگی کی نہ ہو اور آقا اس کا اسے عاجز کرانا چاہے تو حاکم اسے عاجز کر دے اور حکم دیدے اور اس کتابت کو فسخ کر دے۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے لیکن امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ ابھی عاجز نہ کرے یہاں تک کہ اس کے ذمہ دو قسطیں ہو جائیں چونکہ سیدنا مولی علی کا قول ہے کہ جب مکاتب پر دو قسطیں چڑھ جائیں تو وہ غلامی کی طرف آجائے گا پس جب حاکم نے اسکے عاجز ہونے کا حکم دے دیا تو پھر وہ غلام کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اسکے پاس جو کچھ کمایا ہوا ہوتا ہے وہ اسکے آقا کا ہو جاتا ہے دلیل طرفین کی یہ ہے کہ سبب فسخ یعنی مکاتب کا عاجز ہونا متحقق ہو چکا ہے اسلئے کہ جب وہ ایک قسط سے عاجز ہے تو دو قسطوں کی ادائیگی سے کہیں زیادہ عاجز ہوگا بر خلاف دو تین دن کہ اتنی مہلت ضروری ہے۔

فان مات المکاتب وله مال لم تنفسخ الکتابة وقضی ما علیه من ماله وحکم بعتقه فی آخر جزء

من اجزاء حياته وما بقي فهو ميراث لورثته ويعتق اولاده وانْ لم يترك وفاءً وترك ولداً مولوداً في الكتابة سعى في كتابته على نجومه فاذا ادى حكمنا بعتق ابيه قبل موته وعتق الولد وان ترك ولداً مشترى في الكتابة قيل له اما ان تؤدي الكتابة حالاً والا رددت في الرق واذا كاتب المسلم عبده على خمرٍ او خنزيرٍ او على قيمة نفسه فالكتابة فاسدة فان ادى الخمر والخنزير عتق ولزمه ان يسعى في قيمته لا ينقص من المسمى ويزاد عليه وان كاتبه على حيوانٍ غير موصوفٍ فالكتابة جائزة وان كاتبه على ثوبٍ لم يسم جنسه لم يجز وان اداه لم يعتق

ترجمہ: ——— پس اگر مکاتب مرجائے اور اس کا مال ہو تو کتابت فسخ نہ ہوگی اور بھگتا دیا جائے گا جو کچھ اس کے ذمہ ہے اسکے مال سے اور حکم دیا جائے گا یا اسکی آزادی کا اس کی زندگی کے آخری حصہ میں اور جو باقی رہے وہ اس کے ورثہ کی میراث ہوگی اور اس کی اولاد آزاد ہو جائیگی اور اگر اس نے مال نہیں چھوڑا بلکہ ایک بچہ چھوڑا جو کتابت کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا تو وہ اپنے باپ کی کتابت میں قسط وار کوشش کرے پس جب وہ ادا کرچکے تو ہم اس کے باپ کی آزادی کا حکم کردیں گے اسکی موت سے پہلے اور بچہ بھی آزاد ہو جائے گا اور اگر وہ بچہ چھوڑا جو کتابت کے زمانہ میں خریدا تھا تو اس سے کہا جائے گا کہ بدل کتابت فوراً ادا کردے ورنہ غلامی کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور جب مسلمان نے اپنے غلام سے شراب یا خنزیر یا خود غلام کی قیمت پر کتابت کی تو کتابت فاسد ہے پس اگر وہ شراب یا خنزیر ہی دیدے تو آزاد ہو جائے گا اور اسی پر اپنی قیمت میں کوشش کرنا لازم ہوگا اور مسمی سے کم نہ ہوگی بلکہ زائد ہو سکتی ہے جب اسکی قیمت بڑھ جائے اور اگر غلام کو غیر موصوف جانور پر مکاتب کیا تو کتابت جائز ہے اور اگر مکاتب کیا ایسے کپڑے پر جس کی جنس بیان نہیں کی تو جائز نہ ہوگی اور اگر وہ کپڑا دیدے تو آزاد نہ ہوگا

تشریح: ——— قولہ۔ فان مات:۔ یعنی مکاتب اگر بدل کتابت کی ادائیگی سے پہلے اتنا مال ترکہ چھوڑ کر مرجائے جس سے بدل کتابت ادا ہو سکے تو بلا عقد کتابت فسخ نہ ہوگا بلکہ اس کے ترکہ میں سے بدل کتابت ادا کرکے اسکی زندگی کے آخری حصہ میں اسکی آزادی کا حکم دے دیا جائے گا اور جو روپیہ بچے وہ اسکے وارثوں کا ترکہ ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ عقد کتابت فسخ ہو جائے گا اور مکاتب بہ حالت غلامی دنیا سے جائے گا اور اس کا ترکہ آقا کو ملے گا۔ دلیل سیدنا زید بن ثابت کا قول ہے کہ المکاتب عبد ما بقی علیہ درہم لا یرث ولا یورث دلیل احناف کی سیدنا مولیٰ علی وعبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ عقد کتابت فسخ نہ ہوگا۔

قولہ۔ وان لم یترک:۔ یعنی مکاتب نے اگر اتنا روپیہ نہیں چھوڑا کہ جس سے اس کے ذمہ کا پورا روپیہ ادا کردیا جائے اور اس نے ایک لڑکا چھوڑا ہے جو کتابت کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا تو یہ لڑکا اپنے باپ کا مال کتابت قسط وار ادا کرنے میں کوشش اور محنت کرے اور جب وہ ادا کرچکے تو اب حکم دیا جائے گا کہ جو کتابت کے زمانہ میں اس نے خریدا تھا تو اس سے کہا جائے گا کہ آیا کتابت کا روپیہ ابھی دفعتاً ادا کردے ورنہ غلام ہو جا۔ پس اگر اس نے ادا کردیا تو وہ آزاد ہو جائے گا ورنہ غلامی

میں چلا جائے گا یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے صاحبین کا قول یہ ہے کہ ان کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرق کی وجہ یہ ہے کہ تابعیت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ عقد میں اسکی شرط ہو اور اس کے حق میں ثابت ہوتی ہے جو تحت عقد داخل ہو اور خرید کردہ لڑکا تحت عقد داخل نہیں اسلئے کہ ان کی طرف نہ عقد کی اضافت ہے اور نہ ان تک حکم عقد کی سرایت ہے بر خلاف اس اولاد کے کہ جو کتابت کی حالت میں پیدا ہوئی ہے کہ وہ کتابت کے وقت مکاتب کے ساتھ متصل تھی اسلئے عقد کا حکم ان تک سرایت کر گیا۔

قولہ۔ اذا کاتب المسلم: کسی مسلمان نے اگر اپنے غلام کو شراب یا سور یا خود غلام کی قیمت پر مکاتب کر دیا تو یہ کتابت فاسد ہے کیونکہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال نہ ہونیکی وجہ سے بدل ہونیکی صلاحیت نہیں رکھتا پس اگر اس نے شراب اسے دیدی یا کوئی سور اسکے حوالہ کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا لیکن اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی قیمت کی مقدار کما کر کے اس کو دے جو اس شراب یا سور سے کم نہ ہو بلکہ اس سے زیادہ ہو کیونکہ فساد عقد کی وجہ سے رد رقبہ واجب ہے مگر اس کے آزاد ہونے کی وجہ سے رد رقبہ دشوار ہے اسلئے قیمت واجب ہوگی جس طرح بیع فاسد میں اگر مشتری کے پاس سے مبیع ہلاک ہو جائے تو قیمت واجب ہوتی ہے۔

قولہ۔ وان کاتبہ علی حیوان: یعنی اگر کسی نے اپنے غلام کو حیوان غیر موصوف پر مکاتب کر دیا تو یہ کتابت جائز ہے۔ موصوف سے مراد یہ ہے کہ حیوان کی جنس تو بیان کر دیجائے اور نوع نہ بیان کی ہو مثلاً یوں کہا کہ ایک گھوڑا یا خچر یا گائے یا اونٹ پر تو مکاتب ہے اور اسکے بعد یہ بیان نہیں کیا کہ یہ جانور کیسے اور کس قیمت کے ہوں تو ایسی صورت میں اوسط درجہ کا جانور لے لیا جائے گا اور اسکی قیمت قبول کرنے پر اسکے آقا پر جبر کیا جائے گا۔

وان کاتب عبدیہ کتابۃً واحدۃً بالف درھم ان ادّیا عتقا وان عجزا ردا الی الرق۔ وان کاتبھما علی ان کل واحدٍ منھما ضامنٌ عن الآخر جازت الکتابۃ وایھما ادی عتقا ویرجع علی شریکہ بنصف ما ادی واذا اعتق المولی مکاتبہٗ عتق بعتقہ وسقط عنہ مال الکتابۃ واذا مات مولی المکاتب لم تنفسخ الکتابۃ وقیل لہٗ ادّ المال الی ورثۃ المولی علی نجومہ فان اعتقہٗ احد الورثۃ لم ینفذ عتقہٗ وان اعتقوہ جمیعًا عتق وسقط عنہ مال الکتابۃ۔

ترجمہ: ——— اور اگر دو غلاموں کو ایک ہی کتابت میں ایک ہزار پر مکاتب کیا تو اگر انہوں نے ہزار دیدی تو آزاد ہو جائینگے ورنہ غلامی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور اگر دونوں کو اس شرط پر مکاتب کیا کہ ان میں سے ہر ایک ضامن ہوگا دوسرے کا تو کتابت جائز ہے اور ان میں سے جو بھی ادا کرے تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور شریک سے لے لیگا ادا کردہ کا نصف اور جب آقا اپنے غلام کو آزاد کردے تو آزاد ہو جائے گا اس کے آزاد کرنے سے اور مال کتابت ساقط ہو جائے گا اور جب مکاتب کا آقا مر جائے

تو کتابت فسخ نہ ہوگی اور اس سے کہا جائے گا کہ آقا کے ورثہ کو اسکی قسطوں کے مطابق مال ادا کر دیں اگر اسکو کسی وارث نے آزاد کر دیا تو آزادی ساقط ہو جائیگی اور اگر سب نے آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائے گا او مال کتابت ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: —— قولہ[۱] - وان کاتب عبدیہ ۔ یعنی کسی نے اگر ایک ہی کتابت میں ایک ہزار روپیہ پر اپنے دو غلاموں کو مکاتب کر دیا تھا اب اگر ان دونوں نے وہ روپیہ ادا کر دیا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر وہ دونوں عاجز ہوگئے تو دونوں ہی پھر غلامی میں آجائیں گے اور اگر کسی نے دو غلاموں کو اس شرط سے مکاتب کیا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہو تو یہ کتابت جائز ہے اور ان میں سے جو بھی وہ روپیہ ادا کرے گا تو وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے اور جو ادا کرے گا وہ اس ادا کردہ روپیہ کا نصف اپنے شریک سے وصول کرے گا۔

قولہ[۲] - واذا مات مولی المکاتب ۔ یعنی مکاتب کا آقا اگر مر جائے تو اس سے کتابت فسخ نہیں ہوگی بلکہ اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا کیونکہ ورثہ میت کے قائمقام ہے پس مکاتب سے کہدیا جائے گا کہ وہ کتابت کا روپیہ قسطوار آقا کے وارثوں کو دیتا رہے پس اگر وارثوں میں سے کسی ایک نے اسے آزاد کر دیا تو اس کا آزاد کرنا فائدہ نہ دے گا کیونکہ مکاتب ورثہ کی طرف بذریعہ ارث منتقل نہیں ہوتا بلکہ مکاتب کے ذمہ جو دین ہے وہ منتقل ہوتا ہے البتہ اگر سب آزاد کر دیں گے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور کتابت کا روپیہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

واذا کاتب[۱] المولیٰ ام ولدہٖ جاز فان مات المولیٰ سقط عنہا مالُ الکتابۃِ وان ولدت مکاتبتہ فہی بالخیارِ ان شاءت مضت علی الکتابۃِ وان شاءت عجزت نفسہا وصارت امُ ولدٍ لہٗ وان[۲] کاتب مدبرۃً جاز فان مات المولیٰ ولا مال لہٗ غیرہا کانت بالخیارِ بین ان تسعیٰ فی ثلثی قیمتہا او جمیع مال الکتابۃِ وان دبر مکاتبتہٗ صح التدبیر ولہا الخیار ان شاءت مضت علی الکتابۃِ وان شاءت عجزت نفسہا وصارت مدبرۃً فان مضت علی کتابتہا فمات المولیٰ ولا مال لہٗ فہی بالخیارِ ان شاءت سعت فی ثلثی مال الکتابۃِ او ثلثی قیمتہا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ واذا[۳] اعتق المکاتب عبدہٗ علی مالٍ لم یجز واذا وھب علی عوضٍ لم یصح وان[۴] کاتب عبدہٗ جاز فان ادی الثانی قبل ان یعتق الاول فولاؤہٗ للمولیٰ الاولِ وان ادی الثانی بعد عتق المکاتبِ الاول فولاؤہٗ لہٗ۔

ترجمہ —— اور جب آقا نے ام ولد کو مکاتب کیا تو جائز ہے پس اگر آقا مر جائے تو اس سے مال کتابت ساقط ہو جائے گا پس اگر مکاتبہ نے آقا سے بچہ جنا تو اس کو اختیار ہوگا اگر چاہے کتابت پر رہے اور اگر چاہے خود کو عاجز کر کے اس کی ام ولد رہے اور آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائے اور اگر اپنی مدبرہ کو مکاتب کیا تو بھی جائز ہے پس اگر آقا مر جائے اور مدبرہ کے سوا کچھ مال نہ ہو تو اس کو اختیار ہے اپنی دو تہائی قیمت یا پورے مال کتابت میں کوشش کرنے کا اور اگر اپنی مدبرہ کو مکاتبہ کر دیا تو وہ تدبیر درست ہے اور اسی کو اختیار ہے چاہے کتابت پر رہے اور اگر چاہے خود کو عاجز

کرکے مدبرہ رہے پس اگر وہ کتابت پر رہے اور آقا مرجائے اور مال کچھ نہ ہو تو اس کو اختیار ہوگا اگر چاہے دو تہائی مال کتابت میں کوشش کرے اور اگر چاہے قیمت کی دو تہائی میں کوشش کرے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور جب مکاتب اپنا غلام مال کے عوض آزاد کرے تو جائز نہ ہوگا اور اگر عوض پر ہبہ کیا تو یہ بھی صحیح نہ ہوگا اور اگر اپنے غلام کو مکاتب کرے تو یہ جائز ہے پس اگر ثانی اول کی آزادی سے پہلے ادا کردے تو اس کی ولاء اول کے آقا کی ہوگی اور اگر ثانی ادا کردے مکاتب اول کی آزادی کے بعد تو ولاء مکاتب اول کو ملے گی۔

تشریح:- قولہ[۱] واذا کاتب المولیٰ۔ یعنی آقا نے جب ام ولد کو مکاتب کر دیا تو یہ کتابت درست ہے اسلئے کہ ام ولد اگرچہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہونے ہی والی تھی۔ اب اس سے پہلے بھی آزاد ہو سکتی ہے پس اگر بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے آقا کا انتقال ہو جائے تو ام ولد بلا عوض آزاد ہو جائے گی اسلئے کہ اسکی آزادی موت کے ساتھ متعلق تھی اور اگر اسی مکاتبہ باندی کے اس آقا سے بچہ ہو گیا تو اب اس باندی کو اختیار ہے چاہے تو اپنی کتابت پر رہے یعنی بدل کتابت ادا کرکے فی الحال آزاد ہو جائے اور چاہے اپنے آپ کو عاجز کرکے اس آقا کی ام ولد ہو جائے اور آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے اسلئے کہ اس کو دو اعتبار سے آزادی کا حق حاصل ہے ایک کتابت کے اعتبار سے اور دوسرا ام ولد ہونے کے اعتبار سے پس اسکو دونوں اختیار ہوگا۔

قولہ[۲]۔ وان کاتب مدبرتہ۔ یعنی آقا نے اگر اپنی مدبرہ باندی کو مکاتبہ کر دے تو یہ کتابت درست ہے پس اگر اس کا آقا مر گیا اور اس کے پاس سوائے اس باندی کے کچھ مال نہیں ہے تو اب اس باندی کو اختیار ہے چاہے اپنی قیمت کا دو تہائی روپیہ دیدے اور چاہے کتابت کا کل روپیہ دیدے یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے کیونکہ عقد کتابت اس رقیت پر منعقد ہوا جو تدبیر کے ذریعہ سے فوت ہو چکی ہے بلکہ رقیت باقیہ پر منعقد ہوا ہے۔ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ ان میں سے جو کم ہو اس میں کوشش کرے امام محمد کے نزدیک قیمت کے دو ثلث اور بدل کتابت کے دو ثلث میں سے جو کم ہو اس میں کوشش کرے۔

قولہ[۳]۔ اذا اعتق المکاتب۔ یعنی آقا اگر اپنے مکاتب غلام سے کچھ مال لیکر اسے آزاد کرنے لگے تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ آزاد کرنا کتابت سے مافوق ہے اسی طرح کچھ بدل لیکر ہبہ کرنا جائز نہیں اسلئے کہ وہ ابتداً تبرع ہے اور وہ تبرع کا اہل نہیں۔

قولہ[۴] وان کاتب عبدہٗ۔ یعنی مکاتب اپنے غلام کو مکاتب کر سکتا ہے اسلئے کہ اس کے ذریعہ اس کو بدل کتابت حاصل ہوگا۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ وہ اپنے غلام کو مکاتب نہیں کر سکتا اور یہی قیاس کا مقتضیٰ بھی ہے۔ پھر اگر دوسرے مکاتب نے یعنی مکاتب کے مکاتب نے اپنی کتابت کا روپیہ پہلے مکاتب کے ادا کرنے سے پہلے ہی ادا کر دیا تو اسکی ولاء پہلے کے آقا کی ہوگی یعنی پہلے مکاتب کے آقا کی اور اگر دوسرے مکاتب نے اپنی کتابت کا روپیہ پہلے مکاتب کے آزاد

ہونے کے بعد ادا کیا ہے تو اب اسکی ولار اسکی یعنی پہلے مکاتب کی ہوگی کیونکہ عاقد اصل میں وہی ہے اور آزادی کے بعد وہ ولار کا اہل ہوچکا ہے۔

کتاب الولاء

ترجمہ: ولار کا بیان

اذا اعتق الرجل مملوکہ فولاؤہ لہ وکذلک المرأۃ تعتق فان شرط انہ سائبۃ فالشرط باطل والولاء لمن اعتق واذا ادی المکاتب عتق وولاؤہ للمولی وان عتق بعد موت المولی فولاؤہ لورثۃ المولی واذا مات المولی اعتق مدبروہ وامہات اولادہ وولاءھم لہ ومن ملک ذا رحم محرم عتق علیہ وولاؤہ لہ واذا تزوج عبد رجل امۃ الآخر فاعتق مولی الامۃ الامۃ وھی حامل من العبد عتقت وعتق حملھا وولاء الحمل لمولی الام لا ینتقل عنہ ابدا فان ولدت بعد عتقھا لاکثر من ستۃ اشھر ولدا فولاؤہ لمولی الام فان اعتق الاب جر ولاء ابنہ وانتقل عن مولی الام الی مولی الاب

ترجمہ: ــــــ جب کسی نے اپنے غلام کو آزاد کیا تو ولار اسی کی ہوگی اسی طرح عورت جو آزاد کرے پس اگر یہ شرط کرے کہ بغیر ولار ہے تو شرط باطل ہے اور ولار آزاد کرنے والا ہی کی ہوگی اور جب مکاتب ادا کرے تو وہ آزاد ہے اور اسی کی ولار آقا کی ہے اور اگر آقا کی موت کے بعد آزاد ہوا تو اسکی ولار آقا کے ورثہ کی ہے اور جب آقا مرجائے تو اسکے مدبر اور ام ولد آزاد ہوجائیں گے اور ان کی ولار اسی کی ہوگی اور جو ذی رحم محرم کا مالک ہوجائے تو وہ آزاد ہوگا اور ولار مالک کی ہوگی اور جب ایک کے غلام نے دوسرے کی باندی سے شادی کی تو باندی کے آقا نے باندی کو آزاد کر دیا اور وہ غلام سے حاملہ ہے تو باندی اور اس کا حمل آزاد ہوگا اور حمل کی ولار ماں کے آقا کی ہوگی جو اس سے کبھی منتقل نہ ہوگی پس اگر اپنی آزادی کے بعد چھ ماہ سے زائد میں جنا تو اس کی ولار ماں کے آقا کی ہوگی پس اگر باپ آزاد کر دیا جائے تو وہ اپنے بیٹے کی ولار کھینچ لے گا اور ماں کے آقا کے اسے باپ کے آقا کی طرف منتقل ہوجائے گا۔

تشریح: ــــــ قولہ کتاب الولاء: ولار لغت میں ماخوذ ہے ولی سے یا موالاۃ سے بتقدیر اول اس کا معنی ہے قرب و نزدیکی اور بتقدیر دوم نصرت و محبت اور اصطلاح میں وہ میراث ہے جو آزاد کردہ غلام سے یا عقد موالاۃ کی وجہ سے حاصل ہے خلاصہ یہ ہے کہ ولار ایک تعلق کا نام ہے جس کی وجہ سے مستحق ولار اس دوسرے کے مرنے کے بعد وارث ہوجاتا ہے اور اسکے قصور کرنے پر یہی جرمانہ بھرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ولار عتاقہ اسکو ولار نعمت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا سبب آزاد کرنا ہوتا ہے مثلاً کوئی اگر اپنے غلام یا باندی کو آزاد کردے تو اسکی ولار اسکے

آقا کی ہوگی خواہ وہ آقا مرد ہو یا عورت دوسری قسم ولاء موالات ہے اس کا سبب عقد ہوتا ہے مثلاً ایک آدمی کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور اس سے یہ کہے کہ میں تجھ سے اسی شرط پر موالات کرتا ہوں کہ میں مر جاؤں تو تو ہی میرا وارث ہے اور تو ہی میرے جرم جرمانے وغیرہ بھرے۔

قولہ اذا اعتق الرجل : یعنی کسی نے اگر اپنے غلام کو آزاد کر دیا تو اس آزادی کردہ غلام کی ولاء اسکے آزاد کرنے والے کی ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے والولاء لمن اعتق پس اگر کوئی آزاد کرتے وقت یہ شرط قرار دے کہ آزاد کنندہ کو ولاء نہ ملے گی تو یہ شرط باطل ہوگی کیونکہ وہ نص مذکور کے خلاف ہے۔

قولہ ۔ اذا تزوج عبد رجل : یعنی کسی کے غلام نے اگر دوسرے کی باندی سے نکاح کر لیا پھر باندی کے آقا نے اس باندی کو آزاد کر دیا اور اسی کو اس غلام سے حمل ہے یہ باندی اور اس کا حمل دونوں آزاد ہو جائینگے اور حمل کا ولاء باندی کے آقا کی ہوگی کیونکہ جنین ماں کا جزو ہے اور ماں کے آقا نے بالقصد اس کے جمیع اجزاء پر آزادی کو واقع کیا ہے تو بچہ کا آزاد کرنے والا حقیقۃً وہی ہوا اور اگر آزادی کے بعد چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ ہوا تو بھی بچہ کا ولاء اسکی ماں کے آقا کو ملے گی بشرطیکہ باپ کو آزاد نہ ہوا ہو ورنہ باپ بچہ کی ولاء اپنے موالی کی طرف کھینچ لے گا۔

ومن تزوج من العجم بمعتقۃ العرب فولدت لہ اولاداً فولاءُ ولدِھا لموالیھا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللّٰہ وقال ابو یوسف رحمۃ اللّٰہ یکون ولاء اولادھا لابیھم لان النسب الی الاباءِ وولاءُ العتاقۃِ تعصیبٌ فان کان للمعتقِ عصبۃ من النسب فھو اولی منہ فان لم تکن لہ عصبۃٌ من النسبِ فمیراثہ للمعتقِ فان مات المولی ثم مات المعتق فمیراثہ لبنی المولیٰ دون بناتہم ولیس للنساءِ من الولاءِ الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن او کاتبن او کاتب من کاتبن او دبرن او دبر من دبرن او جر ولاء معتقھن او معتق معتقھن واذا ترک المولیٰ ابناً واولاد ابنٍ آخر فمیراث المعتقِ للابنِ دون بنی الابنِ لان الولاءَ للکبیر۔

ترجمہ ——— اور جس عجمی نے عرب کی آزاد کردہ سے شادی کی پس وہ اولاد جنی تو اولاد کی ولاء باندی کے آقا کو ہوگی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اولاد کی ولاء ان کے باپ کی ہوگی کیونکہ نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے اور آزاد شدہ کی ولاء موجب عصوبت ہے پس اگر آزاد شدہ کا کوئی نسبی عصبہ ہو تو وہ ولاء کا وہی حقدار ہے پس اگر اس کا کوئی نسبی عصبہ نہ ہو تو اسکی میراث آزاد کنندہ کیلئے ہوگی پس اگر آقا مر جائے پھر آزاد شدہ مر جائے تو اسکی میراث آقا کے بیٹوں کیلئے ہوگی نہ کہ اسکے بیٹیوں کیلئے اور ولاء عورتوں کے لئے نہیں ہے مگر ان کے

آزاد کردہ کی یا ان کے آزاد کردہ کے آزاد کردہ کی یا ان کے مکاتب کی یا ان کے مکاتب کے مکاتب کی یا ان کے مدبر کی یا ان کے مدبر کے مدبر کی یا کھینچ لے ولاء ان کے آزاد کردہ کی یا ان کے آزاد کرنے والے کے آزاد کردہ کی اور جب آقا نے بیٹا چھوڑا اور دوسرے بیٹا کی اولاد تو آزاد شدہ کی میراث بیٹے کیلئے ہوگی نہ کہ بیٹا کی اولاد کیلئے کیونکہ ولاء بڑے کی ہوتی ہے۔

تشریح ــــ قولہ ومن تزوج من العجم :۔ یعنی کسی عجمی نے اگر عرب کی آزاد کردہ باندی سے نکاح کر لیا تھا پھر اس باندی کی اولاد ہوئی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کی اولاد کی ولاء اس کے آقا کو ملے گی اگرچہ اس کے عجمی شوہر نے کسی سے عقد موالات کر لیا ہو اسلئے کہ ترکہ پانے میں موالی عتاقہ، موالی موالات پر مقدم ہوتے ہیں امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ اسکی اولاد کی ولاء ان کے باپ کی ہے کیونکہ نسب باپ دادا کی طرف سے ہوتا ہے، دلیل طرفین کی یہ ہے کہ ولاء عتاقہ قوی و معتبر ہے اور عجمیوں کے حق میں نسب ضعیف ہے اسلئے کہ انہوں نے نسب برباد کر دیا ہے اور ظاہر ہے قوی، ضعیف کا معارض نہیں ہوتا۔

قولہ ولاء العتاقۃ :۔ یعنی آزاد شدہ غلام کی ولاء عصبہ کا حق ہے پس اگر اس کا کوئی نسبی عصبہ ہے تو اس کی ولاء کا سب سے زیادہ حقدار وہی ہے اور اگر نسبی عصبہ نہیں ہے تو اس کا ترکہ آزاد کرنے والا کا ہے اور اگر آقا مر گیا ہے اور اس کے بعد وہ آزاد کردہ بھی مر گیا تو اب اسکے وارث اسکے آقا کے بیٹے ہیں نہ کہ بیٹیاں اور عورتوں کیلئے ولاء نہیں ہوتی البتہ اگر وہ کسی کو آزاد کر دیں یا جس کو یہ آزاد کریں وہ کسی کو آزاد کر دے یا یہ کسی کو مکاتب کریں یا جس کو یہ مکاتب کریں پھر وہ کسی کو مکاتب کریں یا یہ کسی کو مدبر کریں پھر وہ کسی کو مدبر کر دے ان تمام صورتوں میں عورتیں بھی ولاء کی مستحق ہوں گی۔

قولہ اذا ترك المولی :۔ یعنی اگر کسی غلام کا آقا مر گیا اور اس نے ایک بیٹا اور دوسرے بیٹے کا بیٹا چھوڑا تو اس کا غلام کا ترکہ اسکے بیٹے کا ہوگا نہ کہ پوتے کا کیونکہ ولاء بڑے کی ہوتی ہے۔

واذا اسلم رجلٌ علی ید رجلٍ ووالاہ علی ان یرثہٗ ویعقل عنہ اذا جنی او اسلم علی ید غیرہ ووالاہ فالولاء صحیحٌ وعقلہٗ علی مولاہ فان مات ولا وارث لہٗ فمیراثہٗ للمولی وان کان لہٗ وارثٌ فھو اولی منہ وللمولی ان ینتقل عنہ بولائہٖ الی غیرہ ما لم یعقل عنہٗ فاذا عقل عنہ لم یکن لہٗ ان یتحول بولائہٖ عنہ الی غیرہ ولیس لمولی العتاقۃ ان یوالی احدًا۔

ترجمہ ــــ اور جب کوئی مرد کسی کے ہاتھ پر اسلام لایا اور اس سے موالات کی کہ وہ اس کا وارث ہوگا اور اسکی جنایت کا تاوان دے گا یا کسی غیر کے ہاتھ پر اسلام لایا اور اس سے موالات کی تو ولاء صحیح ہے اور تاوان اس کے مولی پر ہوگا پس اگر وہ مر جائے اور کوئی وارث نہ ہو گا تو میراث مولی کا ہوگا اور اگر کوئی وارث ہو تو وہ اولی ہوگا اور مولی اپنی ولاء کا کسی غیر کی طرف منتقل کر سکتا ہے جبتک کہ اس کی طرف سے جرمانہ نہ ہوا ہو پس اگر جرمانہ بھر چکا تو پھر منتقل نہیں کر سکتا اور آزاد شدہ کو کسی سے ولاء کرنا جائز نہیں۔

تشریح ــــ قولہ واذا اسلم رجل :۔ یعنی اگر کوئی کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور اس سے اس شرط پر موالات کر لی کہ جب میں مر جاؤں تو میرا وارث ہے اور اگر مجھ سے کوئی خطاء و قصور ہو جائے تو اس کا جرمانہ وغیرہ بھی تو ہی بھرے یا مسلمان کسی اور کے ہاتھ پر ہوا تھا اور ولاء کسی دوسرے سے کر لی تو یہ ولاء درست ہے پس اب نو مسلم کے مرنے کے بعد وہ شخص وارث ہوگا اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو اور جنایت کی صورت میں اس کی طرف سے جرمانہ دے گا۔

یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ موالات کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ ارث کا تعلق باعتبار نص قرابت یا زوجیت کے ساتھ ہے اور باعتبار حدیث آزادی کے ساتھ اور یہاں دونوں مفقود ہیں۔ دلیل احناف کی یہ آیت کریمہ ہے والذین عقدت ایمانکم فاٰتوھم نصیبھم یعنی جس سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کو ان کا حق دیدو۔ یہ عقد موالات سے متعلق ہے سنن اربعہ میں ہے کہ سرکار مدینہ سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اس کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا ہے وہ اس نومسلم کا زیادہ حقدار ہے حیات اور موت دونوں میں۔

قولہ وللمولیٰ ان ینتقل: یعنی موالات کرنے والے کو اختیار ہے کہ جب تک اس کے مولی نے اسکی طرف سے جرمانہ نہ بھرا ہو تو یہ اپنی ولاء کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف منتقل کر سکتا ہے کیونکہ وصیت کیطرح عقد موالات غیر لازم ہے تو اس سے رجوع کر سکتا ہے لیکن رجوع موالات کرنے والے کی موجودگی میں ضروری ہے اور اگر اسکی طرف سے جرمانہ دے چکا ہو تو منتقل نہیں کر سکتا کیونکہ اس وقت دوسرے کا حق وابستہ ہو چکا ہے۔

کتاب الجنایات

ترجمہ:- قصوروں کا بیان

القتل علی خمسۃ اوجہ عمدٌ و شبہ عمدٍ و خطاءٌ و ما اجری مجری الخطاء والقتل بسبب فالعمد ما تعمّد ضربہ بسلاحٍ او ما اجری مجری السلاح فی تفریق الاجزاء کالمحدد من الخشب والحجر والنار موجبُ ذلک المأثم والقود الا ان یعفو الاولیاء ولا کفارۃ فیہ وشبہ العمد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ ان یتعمد الضرب بما لیس بسلاحٍ ولا ما اجری مجراہ وقالا رحمہما اللّٰہ اذا ضربہ بحجرٍ عظیمٍ او بخشبۃٍ عظیمۃٍ فھو عمدٌ و شبہ العمد ان یتعمد ضربہ بما لا یقتل بہ غالبًا وموجب ذلک علی القولین المأثم والکفارۃ ولا قود فیہ وفیہ دیۃ مغلظۃ علی العاقلۃ والخطاء علی وجہین خطاء فی القصد وھو ان یرمی شخصًا یظنہ صیدًا فاذا ھو آدمی و خطاء فی الفعل وھو ان یرمی غرضًا فیصیب آدمیًا وموجب ذلک الکفارۃ والدیۃ علی العاقلۃ ولا ماثم فیہ

ترجمہ ــــــ قتل پانچ قسموں پر ہے قتل عمد اور قتل خطاء اور قتل جاری مجری خطا اور قتل بالسبب پس قتل عمد یہ ہے کہ مارنے کا ارادہ کرے ہتھیار سے ہو یا جو قائم مقام ہو ہتھیار کے ٹکڑے کر دینے میں جیسے

دھاردار لکڑی یا پتھر یا آگ اور اسکی سزا گناہ ہے اور قصاص مگر یہ کہ مقتول کے اولیاء معاف کر دیں اور اس میں کفارہ نہیں اور شبہ عمد امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جو نہ ہتھیار ہے اور نہ اسکے قائم مقام اور صاحبین نے فرمایا کہ شبہ عمد یہ ہے کہ ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جس سے آدمی اکثر نہیں مرتا دونوں قولوں پر گناہ ہے اور کفارہ۔ اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت مغلظہ ہے عاقلہ پر۔ قتل خطاء دو قسموں پر ہے خطاء فی العقد اور وہ یہ ہے کہ شکار سمجھ کر کسی کو تیر مار دے اور وہ آدمی ہو۔ اور خطاء فی القتل وہ ہے کہ نشانہ پر تیر چلائے اور آدمی کو لگ جائے اسکی سزا کفارہ ہے اور عاقلہ پر دیت ہے۔ اس میں گناہ نہیں۔

تشریح:۔ قولہ۔ کتاب الجنایات:۔ جنایات جمع ہے جنایۃ کی۔ لغت میں وہ فعل بد کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں وہ فعل ممنوع ہے جو جان اور اطراف یعنی ہاتھ پاؤں۔ ناک۔ کان اور آنکھ پر واقع ہو۔

قولہ۔ القتل علی خمسۃ اوجہ:۔ قتل کی پانچ قسمیں ہیں (۱) عمد (۲) شبہ عمد (۳) خطاء (۴) شبہ خطاء (۵) قتل بالسبب۔ قتل عمد وہ ہے جس میں آدمی کو مار ڈالنا مقصود ہو۔ ہتھیار سے ہو جیسے تلوار، چھری دھاردار قینچی یا کسی ایسی نوکدار چیز سے ہو جو تفریق اجزاء میں ہتھیار کا کام کرتی ہو جیسے نوکدار لکڑی، پتھر، آگ وغیرہ۔ اس قتل کا ایک موجب گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ومن قتل مومنا متعمدا فجزاءھم جھنم یعنی جو مومن کے خون میں قتل کرے اس کا بدلہ جہنم ہے۔ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اگر اہل زمین و آسمان کسی مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو مونہہ کے بل آگ میں ڈال دے۔ دوسرا موجب قصاص ہے بلا لزوم مال یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اولیاء مقتول قصاص اور خون بہا لینے میں مختار ہے دلیل احناف کی یہ آیت کریمہ ہے کتب علیکم القصاص فی القتلی۔ اس میں قتل عمد مراد ہے چونکہ قتل خطاء میں دیت واجب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ومن قتل مومنا خطاءً فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ۔

قولہ۔ شبہ العمد:۔ قتل شبہ عمد میں احناف کے نزدیک اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو عمداً ایسی چیز سے مار ڈالے جو ہتھیار نہ ہو اور نہ کاٹنے میں مثل ہتھیار کے ہو اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ جب کسی نے عمداً ایسی چیز سے مارا کہ جس کے مارنے سے آدمی نہیں مرتا تو وہ شبہ عمد ہے یہی قول امام شافعی کا بھی ہے اسکی سزا دونوں قول پر گنہگاری اور کفارہ ہے۔ گنہگاری تو اس لئے ہے کہ اس نے خون کر دیا ہے اور ارادہ سے کیا ہے اور کفارہ اسلئے کہ کسی قدر خطاء کے بھی مشابہ ہے اس میں قصاص نہیں بلکہ کفارہ و گنہگاری کے علاوہ اس میں قاتل کے خاندان پر دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹوں کا خون بہا ہے۔

قولہ۔ والخطاء علی وجھین:۔ تیسری قسم قتل خطاء ہے۔ وہ دو قسموں پر ہے ایک یہ کہ قصد و ارادے میں خطاء ہو جائے مثلاً کوئی شخص شکار سمجھ کے کسی آدمی کو بندوق یا تیر مار دے پھر اچانک معلوم ہو کہ وہ آدمی ہے دوسرا یہ کہ خطاء فعل میں ہو جائے مثلاً کوئی نشانہ پر تیر لگا تا تھا وہ اتفاق سے کسی آدمی کو جا لگا۔ ان دونوں کی سزا کفارہ اور عاقلہ یعنی

اس کے خاندان پر دیت ہے اس میں آدمی گنہ گار نہیں ہوتا۔

وماؔ اجری مجری الخطاء مثل النائم ینقلب علی رجل فیقتلہ حکمہ الخطاء واما القتل بسبب کحافر البئر وواضع الحجر فی غیر ملکہ وموجبہ اذا تلف فیہ آدمیٌ الدیۃ علی العاقلۃ ولا کفارۃ علیہ والقصاص واجب بقتل کل محقون الدم علی التابید اذا قتل عمداً ویقتل الحر بالحر والحر بالعبد والمسلم بالذمی ولا یقتل المسلم بالمستامن ویقتل الرجل بالمرأۃ والکبیر بالصغیر والصحیح بالاعمیٰ والزمن ولا یقتل الرجل بابنہ ولا بعبدہ ولا بمدبرہ ولا بمکاتبہ ولا بعبد ولدہ ومن ورث قصاصاً علی ابیہ سقط ولا یستوفی القصاص الا بالسیف

ترجمہ ـــــــ اور قتل جاری مجرای خطا مثلاً سونے والا کسی پر کروٹ لیلے اور اس کو مار ڈالے اس کو حکم قتل خطا کا سا ہے اور لیکن قتل بالسبب جیسے کنواں کھودنے اور پتھر رکھنے والا دوسرے کی ملک میں اور اس کی سزا جب اس سے آدمی تلف ہو دیت ہے عاقلہ پر اور اس میں کفارہ نہیں۔ اور قصاص واجب ہے ہر دائمی محفوظ الدم کو قتل کرنے سے جب قصداً قتل کرے اور آزاد کو قتل کیا جائے گا آزاد کے بدلے میں اور آزاد کو غلام کے بدلے میں اور غلام کو آزاد کے بدلہ میں اور غلام کو غلام کے بدلے میں اور مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں نہ کہ مسلمان کو مستامن کے بدلے میں اور مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور آدمی کو اس کے بیٹے کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ مدبر اور نہ مکاتب اور نہ بیٹے کے غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور جو شخص باپ پر قصاص کا وارث ہو جائے تو ساقط ہو جائے گا اور قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار سے۔

تشریح ـــــــ قولہ وما اجری مجری :۔ چوتھی قسم جاری مجری خطا یعنی شبہ خطاء ہے اسکی یہ صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی آدمی سوتا ہوا کسی پر کروٹ لیلے اور وہ اس کے بوجھ سے مرجائے اس کا حکم مثل حکم قتل خطا کے ہے یعنی کفارہ اور عاقلہ پر دیت ہے۔ پانچویں قسم قتل بالسبب ہے اسکی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی دوسرے کی ملک میں کنواں کھودے یا کوئی بڑا پتھر رکھدے اور کوئی شخص اس کنویں میں گرکے یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کے مرجائے اس کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی آدمی اس سے تلف ہوجائے تو اس کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی اور اس پر کفارہ نہیں۔

قولہ والقصاص واجب :۔ یعنی قصاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جبکہ کوئی عمداً ہمیشہ کے محفوظ الدم کو مار ڈالے۔ وجوب یعنی ثبوت یہاں اسلئے بیان کیا گیا کہ قصاص کو معاف کر دینا نفعاً مندوب ہے اور ظاہر ہے مندوب ہونا وجوب کے منافی ہے اور محفوظ الدم کی قید سے مباح الدم خارج ہوگیا جیسے زانی محصن اور حربی کافر اور مرتد وغیرہ۔ تابید کی قید سے مستامن خارج ہوگیا اسلئے کہ اس کا خون قیام دار الاسلام تک محفوظ ہے ہمیشہ نہیں۔

قولہ یقتل الحر۔ یعنی قاتل کو مقتول کے عوض قتل کیا جائے۔ مقتول عام ہے کہ آزاد ہو یا غلام۔ مرد ہو یا عورت پس اگر کوئی آزاد۔ آزاد کو مار ڈالے یا کوئی آزاد غلام کو مار ڈالے یا مسلمان ذمی کو مار ڈالے تو ان تینوں قسموں کے قاتلوں کو قصاص میں قتل کیا جائے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قاتل پر اسکی قیمت کا تاوان ہوگا چونکہ آیت کریمہ الحر بالحر و العبد بالعبد میں مقابلہ آزاد کو آزاد کے ساتھ اور غلام کو غلام کے ساتھ مقابلہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہے جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے عوض نہ مارا جائے گا۔ دلیل احناف کی نصوص کا مطلق ہونا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ النفس بالنفس یعنی جان کو جان کے عوض قتل کیا جائے گا اس میں آزاد اور غلام کی کوئی قید نہیں۔ یہ بعد والی آیت پہلی آیت کیلئے ناسخ ہوگئی اسی طرح دوسری آیت کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ پس قتلیٰ یعنی مقتول ہے جو عام ہے۔

قولہ والمسلم بالذمی۔ یعنی مسلمان کو ذمی کے عوض قتل کیا جائے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اسکے خلاف ہیں ان کی دلیل حضرت عائشہ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے لا یقتل مومن بکافر دلیل احناف کی سرکار کا یہ قول ہے کہ مسلمان کو ذمی کے عوض قتل کیا جائے گا۔

قولہ لا یقتل الرجل بابنہ۔ یعنی بیٹے کے قتل میں باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا چونکہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے کہ لڑکا کے عوض باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا امام مالک کا قول یہ ہے کہ باپ نے اگر اپنے بیٹا کو قصداً قتل کیا تو قصاص لیا جائے گا اور اگر بلا ارادہ قتل تلوار یا چھری وغیرہ پھینک ماری تو قصاص نہیں لیا جائیگا

قولہ ومن ورث قصاصاً۔ یعنی کوئی بیٹا اگر باپ پر قصاص کا وارث ہو جائے اسکی صورت مثلاً یہ ہے کہ باپ نے اپنے خسر کو قتل کر دیا اور اسکی بیٹی جو قاتل کی زوجہ ہے اس کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں پھر وہ عورت بھی مر گئی تو اس عورت کا بیٹا جو قاتل کے نطفہ سے ہے قصاص کا وارث ہوا جو اس کے باپ پر واجب ہے تو یہ قصاص ساقط ہو جائے گا اسلئے کہ بیٹا باپ پر مستوجب عقوبت نہیں۔

قولہ لا یستوفی القصاص۔ یعنی قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جائے گا قاتل نے اگرچہ مقتول کو تلوار کے علاوہ کسی دوسرے ہتھیار سے قتل کیا ہو۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ قاتل کے ساتھ وہی فعل کیا جائے گا جو اس نے مقتول کے ساتھ کیا ہے بشرطیکہ وہ فعل شروع ہو چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک یہودی نے انصاری عورت کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا تھا تو سرکار نے دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہودی کا سر بھی اسی طرح کچلا یا جائے دلیل احناف کی سرکار کا یہ قول ہے کہ قصاص نہیں مگر تلوار سے اور حدیث مذکور میں یہودی کا سر جو کچلوایا گیا وہ بطور سیاست تھا۔ بطور قصاص نہیں اسلئے کہ وہ یہودی بہت بڑا فسادی آدمی تھا۔

سلہ واذا قتل المکاتب عمداً ولیس لہٗ وارث الا المولیٰ فلہ القصاص ان لم یترک وفاء وان ترک وفاء و

وارثه غير المولى فلا قصاص لهم وان اجتمعوا مع المولى واذا قتل عبد الرهن لا يجب القصاص حتى يجتمع الراهن والمرتهن ومن جرح رجلاً عمداً فلم يزل صاحب فراشٍ حتى مات فعليه القصاص ومن قطع يد رجلٍ عمداً من المفصلِ قطعت يده وكذلك الرجل وما رن الانفِ والاذنِ ومن ضرب عين رجلٍ فقلعها فلا قصاص عليه فان كانت قائمة وذهب ضوءها فعليه القصاص تحمى له المرأة ويجعل على وجهه قطن رطب وتقابل عينه بالمرأةِ حتى يذهب ضوءها وفى السنِ القصاص وفى كل شجةٍ يمكن فيها المماثلة القصاص ولا قصاص فى عظمٍ الا فى السنِ وليس فيما دون النفسِ شبه عمدٍ وانما هو عمد او خطاء

ترجمہ:—— اور جب مکاتب عمداً قتل کر دیا گیا اور آقا کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کیلئے قصاص کا حق ہے اگر مکاتب مال نہ چھوڑے اور اگر مال چھوڑے اور آقا کے علاوہ اس کا وارث ہے تو ان کا قصاص کا حق نہیں۔ اگرچہ وہ آقا کے ساتھ مل جائیں اور جب مرہون غلام قتل کر دیا گیا تو قصاص واجب نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ راہن اور مرتہن جمع ہو اور جس نے کسی کو قصداً زخمی کیا اور وہ صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا تو اس پر قصاص واجب ہے اور جس نے کسی کا ہاتھ پہنچے سے قصداً کاٹا تو اسکے ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسی طرح پاؤں اور نرمۂ ناک اور کان کا حکم ہے اور جس نے کسی کی آنکھ پر مارا اور اس کو نکال دیا تو اس پر قصاص نہیں پس اگر آنکھ قائم ہو اور اس کی روشنی جاتی رہے تو اس پر قصاص ہے اور اس کیلئے شیشہ گرم کیا جائے اور چہرہ پر تر روئی رکھ کر اس کی آنکھ کے سامنے شیشہ کیا جائے یہاں تک کہ اسکی روشنی جاتی رہے اور دانت میں قصاص ہے اور ہر زخم میں جس میں مماثلت ممکن ہو قصاص ہے اور ہڈی میں قصاص نہیں سوائے دانت کے اور جان کے ماسوا میں شبہ عمد نہیں وہ تو عمد ہے یا خطاء۔

تشریح:—— قولہ واذا قتل المکاتب:۔ یعنی اگر کوئی کسی کے مکاتب کو عمداً مار ڈالے اور سوائے اسکے آقا کے جس نے اُسے مکاتب کیا تھا اور کوئی اس کا وارث نہ ہو تو پھر دیکھنا چاہیئے کہ اس نے اگر اپنا مال نہیں چھوڑا کہ جس سے اس کا بدل کتابت ادا ہو جائے تو اس کا قصاص اس کا آقا لے گا اور اگر یہ اتنا مال چھوڑ کر نہیں مرا ہے کہ جس سے بدل کتابت کی ادائگی ہو جائے اور آقا کے سوا اس کے اور بھی وارث ہیں تو انہیں قصاص لینے کا اختیار نہیں اگرچہ یہ سب آقا کے ساتھ مل بھی جائیں

قولہ اذا قتل عبد الرھن:۔ یعنی کوئی مرہون غلام اگر مار ڈالا جائے تو اس کا قصاص لینا واجب نہیں جبتک کہ راھن اور مرتہن دونوں کی رائے نہ ہو جائے کیونکہ مرتہن اس کا مالک نہیں جو قصاص کا مستحق ہو اور راھن بذات خود قصاص لے تو مرتہن کا حق باطل ہوتا ہے اسلئے دونوں کی رائے ہونا ضروری ہے تاکہ مرتہن کا حق اسکی رضامندی سے ساقط ہو جائے اور اگر کسی نے کسی کو عمداً زخمی کر دیا اور وہ زخمی اس زخم کی وجہ سے کچھ دنوں رہ کے مر گیا تو اس پر قصاص واجب ہے۔

قولہ ومن قطع ید رجل:۔ یعنی کسی نے اگر کسی کا عمداً پہنچے سے ہاتھ کاٹ دیا تو اسکے عوض اس کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا اور یہی حکم پیر اور ناک کی پھونگ اور کان کا ہے مثلاً اگر کسی نے کسی کا پیر کاٹ دیا یا ناک کی پھونگ کاٹ دی

یا کان کاٹ دیا تو اس کاٹنے والے کا بھی یہی اعضاء کاٹے جائیں گے۔

قولہ۔ ومن ضرب عین رجل:۔ یعنی اگر کوئی کسی کی آنکھ پر ایسا مارا کہ اس کی آنکھ نکل پڑی تو اس پر قصاص نہیں بلکہ اس پر دیت یعنی جرمانہ ہے اور اگر آنکھ اپنی جگہ پر قائم ہو اور اسکی بینائی جاتی رہے تو اس مارنے والے پر قصاص ہے کیونکہ رعایت مماثلت ممکن ہے بایں طور کہ پہلے روئی بھگو کر اسکے سارے چہرے پر رکھدی جائے اور ایک آنکھ کھول دی جائے پھر ایک شیشہ خوب گرم کرکے اس کی آنکھ کے سامنے کیا جائے تاکہ اس سے اس آنکھ کی بینائی جاتی رہے۔

قولہ۔ فی کل شجۃ:۔ قصاص کے متعلق یہ قاعدہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس زخم میں مماثلت ممکن ہو اس میں قصاص واجب ہوتا ہے یعنی اس کے عوض میں ویسا ہی زخم کیا جائے گا سوائے دانت اور ہڈی کے توڑنے میں قصاص نہیں اور جان کے ماسوا یعنی ہاتھ پیر کاٹنے یا دانت وغیرہ توڑنے میں شبہ عمد نہیں بلکہ وہ قتل عمد ہے یا قتل خطاء۔

ولا قصاص بین الرجلِ والمرأۃِ فیما دون النفسِ ولا بین الحرِ والعبدِ ولا بین العبدَین ویجب القصاصُ فی الاطراف بین المسلمِ والکافرِ ومن قطع یدَ رجلٍ من نصف الساعدِ او جرحہٗ جائفۃً فبرأَ منہا فلا قصاص علیہ واذا کان یدُ المقطوعِ صحیحۃً ویدُ القاطعِ شلاء او ناقصۃَ الاصابع فالمقطوع بالخیار ان شاء قطع الیدَ المعیبۃَ ولا شیَٔ لہٗ غیرُھا وان شاء اخذ الارشَ کاملاً ومن شج رجلاً فاستوعبت الشجۃ ما بین قرنیہ وھی لا تستوعب ما بین قرنی الشاجِ فالمشجوج بالخیار ان شاء اقتص بمقدار شجتہٖ یبتدی من ای الجانبین شاء وان شاء اخذ الارشَ کاملاً ولا قصاص فی اللسانِ ولا فی الذکرِ الا ان یقطع الحشفۃَ۔

ترجمہ:۔ اور مرد و عورت کے درمیان جان کے ماسوا میں قصاص نہیں اور نہ آزاد اور غلام اور دو غلاموں کے درمیان اور قصاص مسلم و کافر کے درمیان اعضاء میں واجب ہوتا ہے اور جس نے کسی کا ہاتھ نصف، پنجے سے کاٹا یا پیٹ تک زخم لگایا اور وہ اس سے اچھا ہو گیا تو اس پر قصاص نہیں اور جب مقطوع کا ہاتھ صحیح سالم ہو اور قاطع کا ہاتھ شل ہو یا انگلیاں ناقص ہوں تو مقطوع کو اختیار ہے کہ چاہے معیوب ہاتھ کٹوائے اس کیلئے اور کچھ نہ ہوگا اور اگر چاہے پوری دیت لیلے اور جس نے کسی کو زخمی کیا پس زخم نے اسکے سر کی دونوں جانبوں کو گھیر لیا اور وہی زخم نہیں گھیرتا زخم لگانے والے سر کی جانبوں کو تو زخمی کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے زخم کی مقدار قصاص لے جس طرف سے چاہے شروع کرے اور اگر چاہے پوری دیت لیلے اور زبان میں قصاص نہیں اور نہ عضو تناسل میں مگر یہ کہ حشفہ کاٹ دے۔

تشریح:۔ قولہ ولا قصاص بین الرجل:۔ یعنی مرد و عورت کے درمیان قصاص نہیں اور نہ آزاد غلام کے درمیان اور نہ دو غلاموں کے درمیان قصاص ہے۔ مثلاً اگر کوئی مرد عورت کا یا آزاد غلام کا یا غلام دوسرے غلام کا ہاتھ یا پیر کاٹ ڈالے تو ان پر قصاص نہ ہوگا بلکہ دیت واجب ہوگی اور قصاص واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قصاص میں مماثلت

سے واجب ہوتا ہے اور ان کے ہاتھ و پیر میں مماثلت نہیں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ان تمام میں بھی قصاص واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر اس مقام میں کہ جس میں جانوں کے درمیان قصاص ہوتا ہے اسکے اطراف میں بھی قصاص ہوگا۔

قولہ ۹۲۔ واذا کان ید المقطوع ۔۔۔ یعنی مقطوع کا ہاتھ اگر اچھا ہو اور قاطع کا ہاتھ شل یعنی لنجا ہو یا انگلیوں میں کچھ نقصان ہو تو اب مقطوع یعنی جس کا ہاتھ کٹ گیا ہے اسکو اختیار ہے چاہے وہ اپنے ہاتھ کے عوض اسکے عیب دار ہاتھ کو کاٹ دے اور اس ہاتھ کے علاوہ اس سے کچھ اور نہیں لیا جائے گا اور اگر چاہے پوری دیت لے لے اس لئے کہ پورے طور پر استیفاء حق کے دشوار ہے قولہ ۹۳۔ ومن شج رجلاً ۔ یعنی کسی نے اگر کسی کے سر میں ایسا زخم کر دیا کہ اس زخم نے اس کے سر کی دونوں جانب کو گھیر لیا اور وہ زخم، زخم کرنے والے کے سر کی دونوں جانب کو نہیں گھیر سکتا کیونکہ اس کا سر بڑا ہے اور اس زخمی کا سر چھوٹا تھا تو اب اس زخمی کو اختیار ہے چاہے یہ اپنے زخم کی مقدار قصاص لے لے یعنی اتنا ہی زخم اس کا کر دے جس طرف سے چاہے شروع کرے۔ اور چاہے پوری دیت لے لے۔

قولہ ۹۴۔ ولا قصاص فی اللسان ۔ یعنی زبان اور ذکر کے کاٹنے میں قصاص نہیں البتہ اگر کوئی حشفہ کو کاٹ دے تو اس میں قصاص ہے۔ کیونکہ ذکر میں حشفہ ایسا ہوتا ہے جیسے ہاتھ میں پنجا پس چونکہ کٹنے کی جگہ معلوم اور متعین ہے پس اس میں مماثلت ہوسکتی ہے اور قصاص مماثلت ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔

وَاِذَا۹۵ اصطلح القاتل اَولیاءَ المقتول علی مالٍ سقط القصاصُ ووجب المالُ قلیلاً کان او کثیراً فان عفا احد الشرکاء من الدم او صالح من نصیبہٖ علی عوضٍ سقط حق الباقین من القصاص وکان لھم نصیبھم من الدیۃ ۹۶ واذا قتل جماعۃٌ واحداً عمداً اقتص من جمیعھم واذا ۹۷ قتل واحدٌ جماعۃً فحضر اولیاءُ المقتولین قتل لجماعتھم ولا شئ لھم غیر ذلک فان حضر واحد منھم قتل لہ وسقط حق الباقین ومن وجب علیہ القصاص فمات سقط عنہ القصاص واذا ۹۸ قطع رجلان یدَ رجلٍ واحدٍ فلا قصاصَ علی کلِ واحدٍ منھما وعلیھما نصفُ الدیۃ وان قطع واحد یمینی رجلین فحضرا فلھما ان یقطعا یدہٗ ویاخذا منہ نصف الدیۃ یقتسمانھا نصفین فان حضر واحد منھما فقطع یدہٗ فللآخر علیہ نصفُ الدیۃ واذا اقر العبدُ بقتلِ العمدِ لزمہٗ القودُ ومن ۹۹ رمی رجلاً عمداً فنفذ السھمُ منہ الی آخر فماتا فعلیہ القصاصُ للاولِ والدیۃُ للثانی علی عاقلتہٖ۔

ترجمہ ۔۔۔۔ اور جب قاتل اولیاء مقتول سے کچھ مال پر صلح کرلے تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور مال واجب ہوگا کم ہو یا زیادہ پس اگر کوئی شریک خون معاف کر دے یا اپنے حصہ کی طرف سے کسی عوض پر صلح کرے تو باقی لوگوں کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا اور ان کا حصہ دیت میں سے ہوگا اور جب جماعت نے ایک کو قتل کیا تو ان سب سے قصاص لیا جائے گا اور اگر ایک نے

جماعت کو قتل کیا پس اولیاء مقتول حاضر ہو گئے تو اسی کو سب کیلئے قتل کیا جائے گا اور ان کیلئے اس کے ماسوا کچھ نہ ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی ایک حاضر ہوا تو اس کیلئے قتل کیا جائے گا اور باقی لوگوں کا حق ساقط ہو جائے گا اور جس پر قصاص تھا وہ مرگیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور اگر دو آدمیوں نے ایک کا ہاتھ کاٹ دیا تو ان میں سے کسی پر قصاص نہ ہوگا بلکہ نصف دیت ہوگی اور اگر ایک نے دو کے داہنے ہاتھ کاٹا اور وہ دونوں حاضر ہو گئے تو دونوں اس کا ہاتھ کاٹیں گے یا نصف دیت لیکر آدھی آدھی تقسیم کرلیں اور اگر ان میں سے ایک آیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دے اور دوسرا نصف دیت لے۔ اور جب غلام قتل عمد کا اقرار کرے تو اس پر قصاص لازم ہوگا اور کسی نے کسی ایک آدمی کو قصداً تیر مارا وہ اسکو پار ہو کر دوسرے کو لگ گیا اور دونوں مرگئے تو اول کیلئے قصاص ہوگا اور دوم کیلئے دیت اسکے عاقلہ پر۔

تشریح: قولہ واذا صالح القاتل:۔ یعنی قاتل اگر مقتول کے وارثوں کو قصاص کے عوض کسی قدر مال پر راضی کرلے یا بعض نے قصاص معاف کر دیا تو سب کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا اور باقی ورثہ کا حق مال دیت کی طرف منتقل ہو جائے گا اب جس وارث نے قصاص معاف نہ کیا ہو اور نہ صلح کی ہو تو وہ اپنا حصہ دیت سے پائے گا۔

قولہ۲ اذا قتل جماعۃ واحداً:۔ یعنی چند آدمیوں نے اگر ایک آدمی کو عمداً قتل کر دیا اور ہر ایک نے کاری زخم لگایا تو ایک کے عوض پوری جماعت قتل کی جائے گی۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ابن زبیر کا قول یہ ہے کہ جماعت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ سب پر دیت لازم ہوگی چونکہ آیت کریمہ النفس بالنفس کا مفہوم یہی ہے کہ ایک کے عوض ایک سے زائد قتل نہ کیا جائے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ سیدنا عمر نے ایک کے عوض پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیا اور فرمایا کہ اہل صنعا اگر اسکے قتل پر متفق ہوتے اور امداد کرتے تو میں ان تمام کو قتل کرتا۔

قولہ۳ اذا قتل واحد جماعۃ:۔ یعنی ایک آدمی نے اگر چند آدمیوں کو قتل کر دیا تو جماعت کے عوض اسکو قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس ایک کے قتل میں سب کی طرف سے کفایت ہو جاتی ہے بشرطیکہ مقتولوں کے وارثوں نے دعویٰ کیا ہو اور اگر ان میں ایک نے دعویٰ کیا ہو تو اس کیلئے ہی دعویٰ پر اُسے قتل کیا جائے گا اور باقی مقتولوں کے وارثوں کا حق ساقط ہو جائے گا جس طرح قاتل کے اپنی موت سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔

قولہ۴ اذا قطع رجلان:۔ یعنی دو آدمیوں نے اگر ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا تو ان دونوں پر قصاص نہیں بلکہ ان دونوں پر ہاتھ کی دیت کا تاوان ہوگا۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے جس طرح چند آدمی قتل کر دیں تو سب کو قتل کیا جاتا ہے۔ احناف کا قول یہ ہے کہ یہاں ان میں سے ہر ایک قاطع ہے اسلئے کہ ہاتھ کے کٹنے کا وقوع دونوں کی قوت سے سرزد ہوا ہے اور محل یعنی ہاتھ قسمت پذیر ہے پس ہر ایک طرف بعض قاطع منسوب ہوگا پس ایک ہاتھ دو ہاتھوں میں برابری نہیں ہو سکتی برخلاف قتل نفس کے کہ وہ ہر ایک کی طرف مکمل طور پر مضاف ہے۔

قولہ۵ من رمی رجلاً:۔ یعنی کسی نے اگر قصداً کسی ایک آدمی کو تیر مارا تھا اور وہ تیر اسی کو پار ہو کر دوسرے کو بھی جا لگا اور دونوں مرگئے تو پہلے آدمی کے عوض اس پر قصاص واجب ہے اور دوسرے کے عوض اس قاتل کے عاقلہ پر دیت

واجب ہے کیونکہ پہلا قتل قتل عمد ہے اسلئے اس میں قصاص واجب ہے اور دوسرا قتل، قتل خطاء میں داخل ہے اور قتل خطاء میں دیت لازم ہوتی ہے۔

کتاب الدیات

ترجمہ:- دیتوں کا بیان

اذا قتل رجل رجلاً شبہ عمدٍ فعلی عاقلتہ دیۃ مغلظۃ وعلیہ کفارۃ ودیۃ شبہ العمد عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ مائۃ من الابل ارباعاً خمس وعشرون بنت مخاض وخمس وعشرون بنت لبون وخمس وعشرون حقۃ وخمس وعشرون جذعۃ ولا یثبت التغلیظ الا فی الابل خاصۃ فان قضی بالدیۃ من غیر الابل لم یتغلظ وفی قتل الخطاء تجب بہ الدیۃ علی العاقلۃ والکفارۃ علی القاتل والدیۃ فی الخطاء مائۃ من الابل اخماساً عشرون بنت مخاض وعشرون ابن مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون حقۃ وعشرون جذعۃ ومن العین الف دینار ومن الورق عشرۃ الاف درہم ولا یثبت الدیۃ الا من ھذہ الانواع الثلاثۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقالا رحمہما اللہ تعالیٰ منہا ومن البقر مائتا بقرۃ ومن الغنم الفا شاۃ ومن الحلل مائتا حلۃ کل حلۃ ثوبان ودیۃ المسلم والذمی سواء وفی النفس الدیۃ وفی المارن الدیۃ وفی اللسان الدیۃ وفی الذکر الدیۃ وفی العقل اذا ضرب راسہ فذھب عقلہ الدیۃ

ترجمہ ——— جب کوئی کسی کو شبہ عمد سے قتل کرے تو اس کے عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے اور قاتل پر کفارہ اور شبہ عمد کی دیت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک سو اونٹ ہیں چار طرح کے یعنی پچیس بنت مخاض اور پچیس بنت لبون اور پچیس حقے اور پچیس جذعے اور دیت مغلظ اونٹوں ہی میں ہوتی ہے پس اگر اونٹ کے علاوہ سے دیت ادا کی تو وہ مغلظہ نہ ہوگی اور قتل خطاء میں دیت عاقلہ پر واجب ہوتی ہے اور کفارہ قاتل پر اور دیت قتل خطاء میں سو اونٹ ہیں پانچ طرح کے بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس حقے اور بیس جذعے اور سونے سے ایک ہزار دینار ہیں اور چاندی سے دس ہزار درہم اور دیت ثابت نہیں ہوتی مگر ان ہی تین قسموں سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ان سے اور گائے سے دو سو گائیں اور بکری سے دو ہزار بکریاں اور حلوں سے دو سو حلے۔ ہر حلہ دو کپڑوں کا اور مسلم اور ذمی کی دیت برابر ہے اور جان میں دیت ہے اور نرمۂ بینی میں دیت ہے زبان میں دیت ہے اور عضو تناسل میں دیت ہے اور عقل میں جب کسی کے سر پر مارنے سے عقل جاتی رہے۔ دیت ہے۔

تشریح:- ——— قولہ. کتاب الدیات:- دیات جمع ہے دیۃ کی اور دیت لغت میں خون بہا کو کہا جاتا ہے

اور اصطلاح میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو آدمی یا عضو آدمی کا عوض ہو۔

قولہ[۲] ۔ اذا قتل رجل ،۔ یعنی جب کسی کو شبہ عمد سے مار ڈالے تو اس مارنے والے پر کفارہ واجب ہے اور اسکے عاقلہ پر دیت مغلظہ واجب ہے ۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ پے در پے روزہ رکھے اور اس میں فقیروں کو کھانا کھلانا کافی نہیں ہوتا ۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک شبہ عمد کی دیت سو اونٹ ہیں چار طرح کے پچیس بنت مخاض ہیں اور بنت مخاض وہ مادہ شتر ہے جو دوسرے برس میں ہو اور پچیس بنت لبون اور بنت لبون وہ ہے جو تیسرے برس میں ہو اور پچیس حقہ ۔ اور حقہ وہ ہے جو چوتھے برس میں ہو اور پچیس جذعے اور جذعہ جو پانچویں برس میں ہو اور یہ دیت مغلظہ خاص اونٹوں ہی سے ادا ہوتی ہے پس اگر کسی نے اونٹوں کے علاوہ کسی دوسری چیز سے دیت ادا کی تو وہ مغلظہ نہ ہوگی ۔

قولہ[۳] ۔ والدیۃ فی الخطاء ،۔ یعنی قتل خطا میں دیت کے سو اونٹ ہیں پانچ طرح کے ۔ بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض یعنی بیس شتر مادہ اور بیس شتر نر جو دوسرے برس میں ہوں اور بیس بنت لبون اور بیس حقے اور بیس جذعے یہ احناف اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے کہ یک سالہ بیس اونٹوں کی جگہ دو سالہ بیس اونٹ ہیں ۔ ان کی دلیل سیدنا سہیل بن ابی حثمہ کی روایت ہے اور احناف کی دلیل سیدنا عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے

قولہ[۴] ۔ من العین الف دینار ،۔ یعنی دیت میں اگر کوئی سونا دینا چاہے تو ایک ہزار دینار دے اور اگر چاندی دینا چاہے تو دس ہزار درہم دے ۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے کہ چاندی سے بارہ ہزار درہم ہیں کیونکہ سرکار مدینہ کے زمانہ میں بنو عدی کا ایک آدمی مقتول ہوا تو آپ نے اسکی دیت بارہ ہزار درہم قرار دی ۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ سیدنا عمر نے چاندی سے دس ہزار درہم دیت مقرر فرمایا تھا ۔

قولہ[۵] ۔ دیۃ المسلم ،۔ یعنی مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہیں اور آتش پرست کی آٹھ سو ۔ چونکہ سرکار مدینہ نے ہر مسلمان پر جو اہل کتاب کو قتل کرے چار ہزار درہم مقرر فرمایا ہے دلیل احناف کی یہ حدیث ہے دیۃ کل ذی عہد فی عہدہ الف دینار ۔

قولہ[۶] ۔ فی المارن ،۔ یعنی ناک اور زبان اور آلہ تناسل کاٹنے میں پوری دیت ہے حدیث شریف میں ہے ۔ فی الانف اذا قطع مارنہ الدیۃ دوسری جگہ مذکور ہے وفی اللسان الدیۃ کاملۃ ۔ یہ بھی مذکور ہے فی الذکر الدیۃ ۔ چونکہ دیت کے متعلق یہ دستور ہے کہ جس سے اعضاء کی جنس منفعت یا آدمی کا حسن و جمال پورے طور پر زائل ہو جائے تو پوری دیت واجب ہوگی ۔

وفی اللحیۃ[۱] اذا حلقت فلم تنبت الدیۃ وفی شعر الراس الدیۃ وفی الحاجبین الدیۃ وفی العینین الدیۃ وفی الیدین الدیۃ وفی الرجلین الدیۃ وفی الاذنین الدیۃ وفی الشفتین الدیۃ وفی الانثیین الدیۃ وفی ثدیی المرأۃ الدیۃ وفی کل[۲] واحد من ھذہ الاشیاء نصف الدیۃ وفی اشفار العینین الدیۃ

وفی احدھا ربع الدیۃ وفی کل اصبع من اصابع الیدین والرجلین عشر الدیۃ والاصابع کلھا سواء وفی کل اصبع فیھا ثلاثۃ مفاصل ففی احدھا ثلث دیۃ الاصبع ومافیھا مفصلان ففی احدھما نصف دیۃ الاصبع وفی کل سن خمس من الابل والاسنان والاضراس کلھا سواء ومن ضرب عضواً فاذھب منفعتہ دیۃ کاملۃ کمالو قطعہ کالید اذا شلت والعین اذا ذھب ضوءھا۔

ترجمہ: ــــــ اور داڑھی میں جبکہ مونڈھا جائے اور نہ اُگے۔ دیت ہے اور سر کے بالوں میں دیت ہے اور ابروں میں دیت ہے اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے اور دونوں ہاتھوں میں دیت ہے اور دونوں پاؤں میں دیت ہے اور دونوں کانوں میں دیت ہے اور دونوں ہونٹوں میں دیت ہے اور دونوں خصیوں میں دیت ہے اور عورت کی دونوں چھاتیوں میں دیت ہے اور ان میں سے ہر ایک میں نصف دیت ہے اور دونوں آنکھوں کی پلکوں میں دیت ہے اور ان میں سے ایک میں چوتھائی دیت ہے اور دونوں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے اور انگلیاں سب برابر ہیں اور وہ انگلی جس میں تین گرہیں ہوں تو ایک گرہ میں انگلی کی تہائی دیت ہے اور جس میں دو گرہیں ہیں تو اس کی ایک گرہ میں انگلی کی آدھی دیت ہے اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں اور دانت اور داڑھ سب برابر ہیں اور جس نے عضو پر مار کر اس کا نفع ختم کر دیا تو اس میں پوری دیت ہے جیسے اس کے کاٹ دینے میں ہے جس طرح ہاتھ جب شل ہو جائے اور آنکھ جبکہ اسکی روشنی جاتی رہے۔

تشریح: ــــــ قولہ[١] وفی اللحیۃ اذا حلقت:۔ یعنی داڑھی مونڈھے یا سر کے بال اکھاڑے اس طرح کہ بال پھر نہ جمیں تو اس میں پوری دیت واجب ہے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک نے کہا کہ ایک عادل کا فیصلہ ہے اسلئے کہ یہ چیزیں ضرورت سے زائد ہیں چونکہ کبھی سر کے بال مونڈ دیئے جاتے ہیں اور کبھی داڑھی بھی صاف کروا دیتے ہیں پس وہ سینہ اور پیٹ کے بال کی طرح ہوا۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ داڑھی اپنے وقت پر حسن و جمال کا باعث ہے اسلئے ان کے زائل کرنے میں دیت واجب ہوگی

قولہ[٢]۔ وفی کل واحد:۔ انسان کے بعض اعضاء مفرد ہیں اور بعض مرکب لیکن جو اعضاء مفرد ہیں مثلاً ناک، زبان، آلتناسل ان میں پوری دیت لازم ہے اور جو مرکب یعنی دو دو ہیں مثلاً آنکھ۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ پستان وغیرہ تو دونوں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں آدھی اور جو چار ہیں مثلاً پلک تو چاروں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں چوتھائی اور جو دس ہیں مثلاً ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں تو دسوں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں دسواں حصہ۔!

والشجاج عشرۃ الحارصۃ والدامعۃ والدامیۃ والباضعۃ والمتلاحمۃ والسمحاق والموضحۃ والھاشمۃ والمنقلۃ والآمۃ ففی[٢] الموضحۃ القصاص ان کانت عمداً ولا قصاص فی بقیۃ الشجاج وفی مادون الموضحۃ ففیہ حکومۃ

عدلٍ وفی الموضحة ان کانت خطاءً نصف عشر الدیة وفی الھاشمة عشر الدیة وفی المنقلة عشر ونصف عشر الدیة وفی الموضحة ثلث الدیة وفی الجائفة ثلث الدیة فان نفذت فھی جائفتان ففیھما ثلثا الدیة وفی اصابع الید نصف الدیة فان قطعھا مع الکف ففیھا نصف الدیة وان قطعھا مع نصف الساعد ففی الکف نصف الدیة وفی الزیادة حکومة عدلٍ وفی الاصبع الزائدة حکومة عدلٍ وفی عین الصبی ولسانہ وذکرہ اذا لم یعلم صحتہ حکومة عدلٍ

ترجمہ:۔۔۔۔۔ اور زخم دس ہیں۔ حارصہ اور دامعہ اور دامیہ اور باضعہ اور متلاحمہ اور سمحاق اور موضحہ اور ہاشمہ اور منقلہ اور آمہ پس موضحہ میں قصاص ہے اگر قصداً ہو اور باقی زخموں میں قصاص نہیں اور موضحہ سے کم میں ایک عادل شخص کا فیصلہ ہے اور موضحہ میں اگر وہ خطاءً ہو دیت کا بیسواں حصہ ہے اور ہاشمہ میں دیت کا دسواں حصہ ہے اور منقلہ میں دسواں اور بیسواں ہے اور آمہ میں تہائی دیت ہے اور جائفہ تہائی دیت ہے پس اگر آر پار ہو جائے تو وہ دو جائفے ہیں پس ان میں دو تہائی دیت ہوگی اور ایک ہاتھ کی انگلیوں میں نصف دیت ہے۔ پس اگر انگلیاں مع ہتھیلی کے کاٹیں تو اس میں بھی نصف دیت ہے۔ اور اگر انگلیاں آدھی کلائی تک کاٹیں تو انگلیوں میں ہتھیلی تک نصف دیت ہے اور کلائی میں ایک عادل کا فیصلہ ہے اور زائد انگلیوں میں ایک عادل کا فیصلہ ہے اور بچہ کی آنکھ اور اس کی زبان اور اس کے عضو خاص میں جبکہ ان کی صحت معلوم نہ ہو تو ایک عادل کا فیصلہ ہے۔

تشریح:۔۔۔۔۔ قولہ والشجاج عشرۃ۔ شجاج جمع شجۃ لغتاً اس زخم کو کہا جاتا ہے جو چہرہ اور سر پر ہو اور جو زخم اس کے علاوہ باقی بدن پر ہو تو اس کو جراحت کہا جاتا ہے۔ شجاج استقراء کے طور پر کل دس ہیں (۱) حارصہ وہ زخم ہے کہ کھال چیر جائے اور اس سے خون نہ نکلے (۲) دامعہ وہ زخم ہے کہ جس میں خون کے مشابہ کچھ نکل آئے بعض علماء دامعہ اسی کو کہتے ہیں کہ خون ظاہر ہو جائے اور نہ بہے (۳) دامیہ وہ زخم ہے کہ جس سے خون نکل کر بہنے لگے (۴) باضعہ وہ زخم ہے کہ جس میں گوشت کٹ جائے (۵) متلاحمہ وہ زخم ہے کہ جس میں باضعہ سے زیادہ گوشت میں گھاؤ ہو جائے (۶) سمحاق وہ زخم ہے کہ جو ہڈی کے اوپر کی جھلی تک پہونچ جائے (۷) موضحہ وہ زخم ہے کہ جس میں گوشت نکل کر ہڈی نظر آنے لگے (۸) ہاشمہ وہ زخم ہے جس میں دماغ کے اوپر کی ہڈی ٹوٹ جائے (۹) منقلہ وہ زخم ہے کہ جس میں ہڈی ٹوٹ کے اپنی جگہ سے ہٹ جائے (۱۰) آمہ وہ زخم ہے جو دماغ تک پہونچ جائے۔

قولہ۔ ففی الموضحۃ۔ یعنی موضحہ میں قصاص ہے اگر کسی نے قصداً کیا ہو اور باقی زخموں میں قصاص نہیں اور موضحہ سے کم درجہ کے زخم میں حکومت عدل ہے یعنی جو کچھ کوئی منصف۔ حق گو اور حق شناس آدمی کہدے اور موضحہ اگر خطاء ہو تو اس میں دیت کا بیسواں حصہ واجب ہے اور ہاشمہ میں دسواں حصہ اور منقلہ میں دسواں حصہ اور دسویں کا نصف اور آمہ میں تہائی دیت ہے۔

قولہ۔ وفی الجائفۃ ۔ یعنی جائفہ اس زخم کو کہا جاتا ہے جو پیٹ یا پیٹھ یا سینہ کی طرف سے پیٹ کے اندر تک یا گردن کی طرف سے پیٹ یعنی اس جگہ تک پہونچ جائے جہاں تک کہ پانی جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس میں تہائی دیت ہے سرکار مدینہ کا قول ہے فی الجائفۃ ثلث الدیۃ اور اگر جائفہ پیٹھ کی طرف سے پھوٹ نکلا اور آر پار ہو گیا تو دیت کی دو تہائی واجب ہیں اسلئے کہ اس صورت میں دو جائفے ہو گئے ایک پیٹ کی طرف سے اور دوسرا پیٹھ کی طرف سے۔

قولہ۔ وفی اصابع الید ۔ یعنی کسی نے اگر ساری انگلیاں مع ہتھیلی کے کاٹ دیں تو اس میں نصف دیت ہے کیونکہ ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے تو پانچ انگلی میں نصف دیت ہوگی اور اگر کسی نے ایک ہاتھ ساری انگلیاں مع ہتھیلی کے کاٹ دی تو اس میں بھی نصف دیت ہے اسلئے کہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے۔

قولہ۔ فی عین الصبی ۔ یعنی بچہ کی آنکھ پھوڑنے اور اسکی زبان یا ذکر کاٹنے میں جبتک یہ معلوم نہ ہو کہ بچہ کے یہ اعضاء درست تھے یا نہیں تو ایک عادل کا فیصلہ معتبر ہوگا کیونکہ ان اعضاء سے مقصود منفعت ہوتی ہے اور جب ان اعضاء کے متعلق یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ منفعت کے قابل ہے یا نہیں تو اس شک کی وجہ سے پوری ارش یعنی جو انکو بیکار کرنے میں آتی ہے واجب نہ ہوگی۔

ومن شج رجلاً موضحۃ فذھب عقلہ او شعر راسہ دخل ارش الموضحۃ فی الدیۃ وان ذھب سمعہ او بصرہ او کلامہ فعلیہ ارش الموضحۃ مع الدیۃ وقطع اصبع رجل فشلت اخری الی جنبھا ففیھما الارش ولا قصاص فیہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ومن قطع سن رجل فنبت مکانھا اخری سقط الارش ومن شج رجلاً فالتحمت الجراحۃ ولم یبق لھا اثر ونبت الشعر سقط الارش عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ارش الالم وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اجرۃ الطبیب ومن جرح رجلاً جراحۃ لم یقتص منہ حتی یبرأ ومن قطع ید رجل خطاءً ثم قتلہ خطاءً قبل البرء فعلیہ الدیۃ و سقط ارش الید وان برء ثم قتلہ فعلیہ دیتان دیۃ نفس ودیۃ ید

ترجمہ ـــــــ اور جس نے کسی کے سر پر زخم لگایا پس اس کی عقل یا سر کے بال جاتے رہے تو موضحہ کی ارش دیت میں داخل ہو جائے گی اور اگر اسکے سننے یا دیکھنے یا بولنے کی قوت بھی جاتی رہے تو اس پر موضحہ کی ارش مع دیت واجب ہوگی اور جس نے کسی کی انگلی کاٹ دی تو اس کے پاس کی دوسری انگلی سوکھ گئی تو ان میں ارش ہے اور قصاص نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور جس نے کسی ایک کا دانت اکھاڑ دیا یا اس کی جگہ دوسرا نکل آیا تو ارش ساقط

ہو جائے گا اور جس نے کسی کو زخم لگایا پس زخم بھر گیا جس کا نشان بھی نہ رہا اور بال اُگ آئے تو ارش ساقط ہو جائے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ اس پر تکلیف کا تاوان ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ طبیب کی اجرت ہوگی اور جس نے کسی کو زخم لگایا تو قصاص نہ لیا جائیگا یہاں تک کہ اچھا ہو جائے اور جس نے کسی کا خطاءً ہاتھ کاٹا پھر اس کو خطاءً قتل کر دیا اچھا ہونے سے پہلے تو اس پر دیت ہوگی اور ہاتھ کا ارش ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اچھا ہو گیا پھر قتل کیا تو اس پر دو دیتیں ہوں گی۔ دیت نفس اور دیت دست۔

تشریح: قولہ[1] ومن شجّ رجلاً: یعنی کسی نے اگر کسی کے سر پر زخم موضحہ لگایا کہ جس سے اسکی عقل جاتی رہی یا سر کے بال اُڑ گئے کہ پھر جمنے کی امید نہیں تو اس موضحہ کا ارش دیت میں داخل ہو جائے گا یعنی پوری دیت واجب ہوگی کیونکہ زوال عقل کی وجہ سے تمام اعضاء کی منفعت باطل ہو جاتی ہے گویا وہ مردہ ہو گیا اور اگر اس شخص کے سننے یا دیکھنے یا بولنے کی بھی قوت جاتی رہی تو اس وقت مع دیت زخم کے پوری دیت واجب ہوگی

قولہ[2] ومن قطع سن رجل: یعنی کسی نے اگر کسی کا دانت توڑ دیا تھا اور اس کی جگہ دانت نکل آیا تو اس دانت کی دیت ساقط ہو جائیگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک لیکن صاحبین کا قول یہ ہے کہ ساقط نہ ہوگی اسلئے کہ جنایت تو موجب دیت واقع ہو چکی ہے لیکن دوسرے دانت کا نکل آنا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک جدید نعمت ہے دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ جنایت یہاں معنیً زائل ہوگئی اسلئے کہ دیت کا وجوب منفعت کے فقدان کی وجہ سے تھا اور جب دوسرا دانت نکل آیا تو اس کی منفعت فوت نہ ہوگی اور نہ زینت کا زوال ہوا۔

قولہ[3] من شجّ رجلاً: یعنی کسی نے اگر کسی کے سر میں زخم کر دیا تھا پھر وہ زخم بھر آیا اور اس کا نشان بالکل مٹ گیا اور بال جم آئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسکی دیت ساقط ہو جائیگی کیونکہ دیت کا وجوب بدنما داغ کی وجہ سے تھا اور جب نشان باقی نہ رہا تو دیت بھی نہ ہوگی امام ابویوسف نے فرمایا کہ زخم کرنیکی دیت اس سے لی جائیگی اور وہ حکومت عدل ہے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ جراح کا خرچ یعنی دوا وغیرہ کا خرچ واجب ہوگا کیونکہ یہ خرچ اسکے فعل سے کرنا پڑا ہے۔

قولہ[4] من جرح رجلاً جراحۃ: یعنی اگر کوئی کسی کو زخم کر دے تو جبتک وہ اچھا نہ ہو جائے اس سے قصاص نہ لیا جائے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ فی الفور قصاص لیا جائے گا اسلئے کہ موجب قصاص کے تحقق کے بعد تاخیر فضول ہے دلیل احناف کی سیدنا جابر کی یہ روایت ہے کہ زخمی اچھا ہونے سے پہلے سرکار مدینہ نے قصاص لینے سے منع فرمایا ہے

قولہ[5] من قطع ید رجل خطاءً: یعنی کسی نے اگر کسی کا ہاتھ خطاءً کاٹ دیا تھا پھر ہاتھ اچھا ہونے سے قبل خطاءً ہی اسے قتل بھی کر دیا تو اس پر دیت نفس واجب ہوگی اور ہاتھ کی دیت ساقط ہو جائیگی اور اگر وہ درمیان میں اچھا ہو گیا تو اس کے ذمہ دو دیت واجب ہوں گی ایک خون کرنے کی اور دوسری ہاتھ کاٹنے کی۔ ○

وکل[1] عمدٍ سقط فیہ القصاصُ بشبہۃٍ فالدیۃ فی مالِ القاتلِ وکل ارشٍ وجب بالصلحِ والاقرارِ فھو فی مالِ القاتلِ واذا قتل الاب ابنہٗ عمداً فالدیۃ فی مالہ فی ثلاثِ سنین وکلُّ جنایۃٍ اعترف بھا الجانی فھی فی مالہ ولایصدق علی عاقلتہ وعمدُ[2] الصبی والمجنون خطاءٌ وفیہ الدیۃُ علی العاقلۃِ ومن حفر بئراً فی طریقِ المسلمین او وضع حجراً فتلف بذالک انسانٌ فدیتہٗ علی عاقلتہ وان تلفت

به بهيمة فضمانها في ماله وان اشرع في الطريق روشنا او ميزابا فسقط على انسان فعطب فالدية على عاقلته ولا كفارة على حافر البئر وواضع الحجر ومن حفر بئرا في ملكه فعطب بها انسان لم يضمن والراكب ضامن لما اوطأت الدابة وما اصابت بيدها او كدمت ولا يضمن ما نفحت برجلها او ذنبها فان راثت او بالت في الطريق فعطب به انسان لم يضمن والسائق ضامن لما اصابت بيدها او رجلها والقائد ضامن لما اصابت بيدها دون رجلها ومن قاد قطارا فهو ضامن لما اوطأ فان كان معه سائق فالضمان عليهما

ترجمہ —— اور ہر وہ قتل عمد جس میں قصاص شبہ عمد کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی اور جو دیت صلح سے واجب ہو تو وہ بھی قاتل کے مال میں ہوگی اور اگر باپ نے اپنے بیٹے کو قصداً قتل کیا تو اس حال میں تین سال میں دیت ہوگی اور ہر وہ جنایت جس کا قصوروار اقرار کرے تو وہ اسی کے مال میں ہوگی اور اس کے عاقلہ پر تصدیق نہ ہوگی اور بچہ اور دیوانے کا عمد کل خطا ہی ہے اور اس میں عاقلہ پر دیت ہوگی۔ اور جس کسی نے مسلمانوں کے راستہ میں کنواں کھودا یا کوئی پتھر رکھدیا اور اس سے کوئی آدمی تلف ہوگیا تو اسکی دیت عاقلہ پر ہے اور اگر اس سے جانور تلف ہوگیا تو تاوان اس کے مال میں ہوگا اور اگر راستہ کی طرف جنگلہ نکالا یا پرنالہ اور وہ کسی آدمی پر گر گیا اور ہلاک ہوگیا تو دیت اسکے عاقلہ پر ہوگی کفارہ نہیں کنواں کھودنے والے اور پتھر رکھنے والے پر دوسرے کی ملک میں اور جس نے اپنی ملک میں کنواں کھودا اور اس سے کوئی آدمی ہلاک ہوگیا تو ضامن نہ ہوگا اور سوار کا ضامن ہے جس کو سواری کچل دے یا ہاتھ مار دے یا منہ سے کاٹ کھائے اور اس کا ضامن نہ ہوگا جس کو وہ لات مار دے پس اگر اس نے لید کی راہ میں پیشاب کیا اور اس سے کوئی آدمی ہلاک ہوگیا تو ضامن نہ ہوگا اور ہانکنے والا اس کا ضامن ہے جس کو سواری کا ہاتھ لگ جائے یا پاؤں اور کھینچنے والا اس کا ضامن ہے جس کو اس کا ہاتھ لگ جائے نہ کہ پاؤں جو اونٹوں کی قطار پکڑا کرلے جائے تو وہ ضامن ہوگا اس کا جس کو وہ مار ڈالیں گے اور اگر اس کے ساتھ سائق بھی ہو تو ضمان دونوں پر ہوگا۔

تشریح: —— قولہ کل عمد سقط ۔ یعنی جس قتل عمد میں کسی شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے مثلاً باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے یا دس آدمی ایک آدمی کو قتل کر دیں جن میں سے ایک اس کا باپ ہو تو اس میں دیت قاتل کے مال میں ہوتی ہے جو تین سال میں ادا کی جائے گی عاقلہ پر نہیں اور جو دیت صلح یا بطور اقرار کر لینے کی وجہ سے واجب ہو وہ بھی قاتل کے مال میں ادا ہوتی ہے اور فوری ادا ہو جاتی ہے اسلئے کہ جو مال عقد کی وجہ سے واجب ہوا اس میں اصل یہی ہے کہ وہ فوری ادا کیا جائے۔

قولہ ۔ عمد الصبی والمجنون ۔ یعنی بچہ اور دیوانے کا عمد خطا ہے اور اس میں دیت عاقلہ پر ہے ان کا عمد نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ بچہ یا دیوانہ عمداً کسی کو قتل کر دے تو ان کا عمد خطا شمار کیا جائے گا اور اس پر قصاص واجب نہ ہوگا بلکہ اس کے کنبہ پر دیت واجب ہوگی اور یہ میراث سے بھی محروم نہ ہوں گے اسلئے کہ میراث سے محروم ہونا عقوبت ہے اور ظاہر ہے وہ دونوں قابل عقوبت نہیں۔

قولہ۳۔ وان اشرع فی الطریق۔ یعنی کسی نے شارع عام میں دروازہ کھول لیا یا پرنالہ لگا ئیں اور اس کے اندرونی حصہ کے گرنے سے کوئی مرجائے تو ضامن نہ ہوگا اس لئے کہ اپنی ملک میں ہونیکی وجہ سے اسکی طرف سے زیادتی نہیں اور اگر بیرونی حصہ کے گرنے سے مرگیا تو ضامن ہوگا لیکن کفارہ واجب نہ ہوگا۔ اور نہ میراث سے محروم ہوگا اور اگر دونوں حصوں کے گرنے سے مرگیا تو نصف کا ضامن ہوگا۔

قولہ۴۔ والراکب ضامن۔ یعنی کوئی گھوڑا وغیرہ پر سوار تھا اور اس کی سواری نے کسی کو کچل دیا یا کسی کو لات مار دی یا کاٹ لیا تو وہ سوار اس کا ضامن ہوگا اور اگر کوئی جانور کسی کو لات یا دم مار دے اور وہ آدمی مرجائے تو اس جانور کا مالک اس کا ضامن نہ ہوگا اس کی وجہ یہ ضابطہ ہے کہ جن امور میں احتراز ممکن ہے ان میں سلامتی کی شرط کے ساتھ ہر شخص کیلئے راستہ چلنا مباح ہے پس اگر ان امور میں کسی طرف سے تعدی پائی گئی تو وہ ضامن ہوگا اور جن میں احتراز ممکن نہ ہو ان میں ضمان نہ ہوگا پس پہلی صورت میں امور مذکورہ سے احتراز چونکہ ممکن ہے اسلئے اس میں ضمان لازم ہوگا اور دوسری صورت میں احتراز ممکن نہیں اسلئے اسمیں ضمان بھی لازم نہیں۔

قولہ۵: والسائق ضامن۔ یعنی اگر کوئی گھوڑا وغیرہ ہانکتے جارہا تھا اور اسکے اگلے یا پچھلے پاؤں سے کوئی آدمی دب کے مرگیا تو ہانکنے والا ضامن ہوگا کیوں کہ یہ چیز اسکی نظروں کے سامنے ہے اسلئے احتراز ممکن ہے اور اگر کوئی آگے سے پکڑ لے جارہا تھا تو اس صورت میں اگر کوئی آدمی اس چوپایہ کے اگلے پاؤں سے ہلاک ہوگیا تو یہ ضامن ہوگا اور اگر پچھلے پاؤں سے ہلاک ہوا تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ چیز اسکی نظروں سے غائب ہے۔

واذا۱ جنی العبد جنایۃ خطاء قیل لمولاہ اما ان تدفعہ بھا او تفدیہ فان دفعہ ملکہ ولی الجنایۃ وان فداہ فداہ بارشھا فان۲ عاد فجنی کان حکم الجنایۃ الثانیۃ حکم الاولی فان جنی جنایتین قیل لمولاہ اما ان تدفعہ الی ولی الجنایتین یقتسمانہ علی قدر حقوقھما واما ان تفدیہ بارش کل واحدۃ منھما وان۳ اعتقہ المولی وھو لا یعلم بالجنایۃ ضمن المولی الاقل من قیمتہ ومن ارشھا وان باعہ او اعتقہ بعد العلم بالجنایۃ وجب علیہ الارش واذا۴ جنی المدبر وام الولد جنایۃ ضمن المولی الاقل من قیمتہ ومن ارشھا فان۵ جنی جنایۃ اخری وقد دفع المولی قیمتہ الی الولی الاول بقضاء فلا شئ علیہ ویتبع ولی الجنایۃ الثانیۃ ولی الجنایۃ الاولی فیشارکہ فیما اخذ وان کان المولی دفع القیمۃ بغیر قضاء فالولی بالخیار ان شاء اتبع المولی وان شاء اتبع ولی الجنایۃ الاولی

ترجمہ: ـــــ اور اگر غلام نے خطاءً جنایت کی تو اس کے آقا سے کہا جائے گا کہ آیا اس کے عوض غلام دے یا اس کے عوض تاوان دے پس اگر وہ غلام دے تو اس کا ولی جنایت مالک ہو جائے گا اور اگر فدیہ دے تو تاوان کا فدیہ دے گا پس اگر غلام پھر جنایت کرے تو دوسری جنایت کا حکم پہلی جنایت کا سا ہوگا پس اگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو آقا سے کہا جائے گا آیا دونوں جنایتوں

کے دلی کو غلام دے جس کو وہ اپنے اپنے حق کے موافق تقسیم کر لیں گے۔ اور یا دونوں کے نقصان کا پورا پورا تاوان دے پس اگر آقا نے غلام کو آزاد کر دیا اور اس کو جنایت کا علم نہ تھا اور آقا غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اسکے تاوان سے کم کا اگر اس کو بیچ دیا یا جنایت معلوم ہونے کے بعد آزاد کر دیا تو آقا پر دیت واجب ہوگی اور اگر مدبر یا ام ولد نے کوئی جنایت کی تو آقا ان کی قیمت اور ان کے تاوان سے کم کا ضامن ہوگا پس اگر ان میں سے کسی نے دوسری جنایت کی اور آقا اسکی قیمت پہلی جنایت والے کو قاضی کے حکم سے دے چکا تو آقا پر اب کچھ نہیں پس دوسری جنایت والا پہلی جنایت والے کے پیچھے پڑے اور اس میں شریک ہو جائے جو اس نے لیا ہے اور اگر آقا نے قاضی کے حکم کے بغیر قیمت دی ہو تو دوسری جنایت والے کو اختیار ہے اگر چاہے آقا کے پیچھے پڑے اور اگر چاہے پہلی جنایت والے کے پیچھے پڑے۔

تشریح:۔ قولہ[1] واذا جنی العبد۔ یعنی کسی غلام نے اگر خطاء وقصور کیا تو اس کے آقا سے کہا جائے گا کہ آیا اس کے عوض غلام کو دیدے یا اس نقصان کا تاوان دے پس اگر اس نے یہ غلام دے دیا تو نقصان کا حقدار اس غلام کا مالک ہو جائے گا اور اگر اس نے اس نقصان کا تاوان دیا ہے تو یہ تاوان اسی نقصان کا ہوگا۔

قولہ[2] فان عاد فجنی۔ یعنی غلام نے اگر کوئی جنایت کی اور آقا نے اس کا فدیہ ادا کر دیا اس کے بعد غلام نے پھر جنایت کی تو یہ مستقل جنایت ہوئی پہلی جنایت ادائیگی فدیہ کی وجہ سے مفقود ہو گئی اور اگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو اس غلام کے آقا سے کہا جائے گا آیا اس غلام کو ان نقصان کے وارثوں کو دے دے کہ وہ دونوں اپنے حقوق کے موافق اُسے تقسیم کر لیں گے اور یا ان دونوں کے نقصان کا پورا پورا تاوان دے دے کیونکہ مملوک کی ذات سے ایک جنایت کا متعلق ہونا دوسری جنایت کے متعلق ہونے سے مانع ہے۔

قولہ[3] وان اعتقہ المولی۔ یعنی اگر آقا نے غلام کو آزاد کر دیا اور غلام کی جنایت کا اُسے علم نہ ہوا تو اس صورت میں غلام کی قیمت اگر کم ہے تو آقا قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر اس جنایت کی دیت کم ہے تو دیت کا ضامن ہوگا۔

قولہ[4] اذا جنی المدبر او ام الولد:۔ یعنی کسی ام ولد یا مدبر نے اگر کوئی جنایت کی تو وہ جنایت ہر حال میں ان کے آقا پر لازم ہوگی جو اس کی قیمت اور اس نقصان کی دیت سے کم ہوگی پس اگر مدبر کسی کو خطاءً قتل کر دے یا خون کے علاوہ کوئی دوسری جنایت کرے تو یہ آقا پر لازم ہوگا۔

قولہ[5] فان جنی جنایۃ اخری:۔ یعنی مدبر یا ام ولد میں سے کسی نے ایک جنایت کے بعد دوسری جنایت کی اور آقا اسکی قیمت قاضی کے حکم سے پہلی جنایت والے کو دے چکا ہے تو اب اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ دوسری جنایت والا پہلی جنایت والے کے سر ہو کر جو کچھ وہ لے چکا ہے اس میں شریک ہو جائے اور اگر آقا نے قاضی کے حکم دیئے بغیر ہی قیمت دے دی تھی تو اب اس دوسری جنایت والے کو اختیار ہے چاہے آقا کے سر ہو جائے اور چاہے پہلی جنایت والے سے لے۔ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین کا قول یہ ہے کہ قاضی کے حکم کی کوئی تفریق نہیں ہر دو صورت آقا سے نہیں لے سکتا۔

واذا مال الحائط[1] الی طریق المسلمین فطولب صاحبہ بنقضہ واشہد علیہ فلم ینقضہ فی مدۃ یقدر

على نقضه حتى سقط ضمن ما تلف به من نفس او مال ويستوي ان يطالبه بنقضه مسلم او ذمي وان مال الى دار رجل فالمطالبة لمالك الدار خاصة فاذا اصطدم فارسان فماتا فعلى عاقلة كل واحد منهما دية الآخر واذا قتل رجل عبدا خطاء فعليه قيمته ولا تزاد على عشرة الاف درهم فان كانت قيمته عشرة آلاف درهم او اكثر قضى عليه بعشرة آلاف الا عشرة وفي الامة اذا زادت قيمتها على الدية يجب خمسة آلاف الا عشرة وفي يد العبد نصف قيمته لا يزاد على خمسة آلاف الا خمسة وكل ما يقدر من دية الحر فهو مقدر من قيمة العبد.

ترجمہ ـــــــ اور جب دیوار مسلمانوں کی راہ کی طرف جھک گئی اور مالک سے اس کے توڑنے کا مطالبہ کیا گیا اور اس پر گواہ کر لیا گیا اور اس نے اتنی مدت میں نہیں توڑی کہ اس میں توڑ سکتا تھا یہاں تک کہ وہ گر گئی تو ضامن ہو گیا اس کا جو تلف ہو جان یا مال میں سے اور اسکے توڑنے کو کہنے والا برابر ہے کہ مسلمان ہو یا ذمی اور اگر دیوار کسی کے مکان کی طرف جھک گئی تو مطالبہ کا حق مالک مکان کو ہے خاص کر اور اگر دو سوار ٹکرا کر مر جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے عاقلہ پر دیت ہے دوسرے کی اور اگر کسی نے غلام کو خطا رکے طور پر قتل کیا تو اس کی قیمت واجب ہے تو دس ہزار سے زائد نہ ہوگی پس اگر اسکی قیمت دس ہزار درہم یا اس سے زائد ہو تو قاتل پر دس درہم کم دس ہزار کا حکم کیا جائے گا اور باندی میں جبکہ اس کی قیمت دیت سے زائد ہو تو واجب ہوں گے دس درہم کم پانچ ہزار اور غلام کے ہاتھ میں اسکی آدھی قیمت ہے جو پانچ ہزار سے زائد نہ ہوگی اور جو مقدار آزاد کی دیت سے مقدر ہے وہ غلام کی قیمت سے مقرر ہوگی ۔

تشریح ـــــــ قولہ واذا مال الحائط ۔ یعنی کسی کے مکان کی دیوار مسلمانوں کے راستہ کی طرف جھک گئی تو پھر مالک دیوار سے کسی نے کہا کہ اس دیوار کو توڑ ڈال تاکہ اسکے گرنے سے کوئی مر نہ جائے یا کسی کا مال تلف نہ ہو جائے اور اس پر اس نے گواہ بھی کر لیا اور اس نے اتنی مدت تک اسے نہ توڑی کہ اس مدت میں بخوبی توڑ سکتا تھا یہاں تک کہ وہ گر پڑا تو اس کے گرنے سے جو آدمی مرے گا یا جو مال اسباب تلف ہوگا مالک دیوار اگرچہ قیاس کے طور پر ضامن نہ ہوگا کیونکہ مالک کا قصور نہیں کہ اصل بناء اسکی ملک میں ہے اور دیوار کا جھکنا اس کا فعل نہیں لیکن استحسان کے طور پر وہ ضرور ضامن ہوگا اسلئے کہ دیوار جب جھک گئی اور گرنے کا خطرہ ہو گیا اور گرانے کا مطالبہ بھی ہوا اور اس کو مہلت بھی ملی پھر بھی اس کا دیوار کو نہ توڑنا ایک طرح کی زیادتی ہے

قولہ واذا قتل رجل عبدا ۔ یعنی کسی نے خطا سے اگر کوئی غلام یا باندی کو مار دیا تو اسکے ذمہ اس غلام یا باندی کی قیمت واجب ہوگی پس اگر غلام کی قیمت آزاد مرد کی دیت یعنی دس ہزار درہم کے برابر ہو یا باندی کی قیمت آزاد عورت کی دیت یعنی پانچ ہزار درہم کے برابر ہو تو مملوک کے رتبہ کو گھٹانے کیلئے ہر ایک دیت سے دس دس درہم کم کر دیے جائیں گے

واذا ضرب رجل بطن امراة فالقت جنينا ميتا فعليه غرة والغرة نصف عشر الدية فان القته حيا ثم

فمات ففيها ديةٌ كاملةٌ وان القتہ میتاً ثم ماتت الام فعلیہ دیۃٌ وغرۃٌ وان[۲] ماتت ثم القتہ میتاً فلا شئ فی الجنین وما یجب فی الجنین موروث عنہ وفی[۳] جنین الامۃ اذا کان ذکرا نصف عشر قیمتہ لو کان حیاً وعشر قیمتہ ان کان انثیٰ ولا کفارۃ فی الجنین والکفارۃ فی شبہ العمد والخطاء عتق رقبۃ مومنۃ فان لم یجد فصیام شہرین متتابعین ولا یجزی فیہ الاطعام

ترجمہ ــــــ اور کسی نے عورت کے پیٹ میں مارا پس اس نے مردہ بچہ ڈالا تو اسی پر غرہ واجب ہے اور غرہ دیت کا بیسواں حصہ ہے پس اگر زندہ بچہ ڈالا پھر مرگیا تو اس پر پوری دیت ہے اور اگر مردہ بچہ ڈالا پھر ماں بھی مرگئی تو اس پر دیت اور غرہ دونوں واجب ہوں گے اور اگر ماں مرگئی پھر اس نے مردہ بچہ ڈالا تو بچہ میں کچھ نہ ہوگا اور جو کچھ واجب ہو جنین میں وہ اس کے وارثوں کا ہے اور باندی کے بچہ میں جبکہ وہ لڑکا اسکی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اگر زندہ ہو اور اسکی قیمت کا دسواں حصہ ہے اگر لڑکی ہو اور بچہ کے گرانے میں کفارہ نہیں اور کفارہ قتل شبہ عمد اور قتل خطا میں ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے پس اگر وہ نہ پائے تو دو ماہ پے درپے روزہ رکھے۔

تشریح ــــــ قولہ[۱] اذا ضرب رجل:۔ رجل یعنی کسی مرد نے اگر حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا اور مار کی وجہ سے اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ گر پڑا تو اس مارنے والے پر قیاس کے اعتبار سے کچھ نہیں ہونا چاہیئے کہ جنین کی حیات یقینی نہیں لیکن استحساناً اس پر غرہ واجب ہے چنانچہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ مردہ بچہ میں غرہ یعنی غلام یا باندی یا پانچ سو درہم ہیں۔ غرہ کی مقدار احناف کے نزدیک پانچ سو درہم ہیں یعنی مرد کی دیت کا بیسواں اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک چھ سو درہم ہیں۔ احناف کے نزدیک قاتل کے عاقلہ پر لازم ہے اور امام مالک کے نزدیک قاتل کے مال میں ہوتا ہے۔ دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا قول ہے کہ غرہ قاتل کے عاقلہ پر لازم ہے۔

قولہ[۲] وان ماتت ثم القتہ:۔ یعنی ماں اگر پہلے مرگئی پھر اس نے مردہ بچہ گرایا تو صرف ماں کی دیت واجب ہوگی۔ بچہ کی کچھ نہیں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ غرہ میں بچہ کا ضمان بھی واجب ہوگا اسلئے کہ بچہ بھی مار کی وجہ سے مرا ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ اگرچہ بظاہر ماں کا مرنا بچہ کے مرنے کا سبب ہے کیونکہ جنین کا سانس ماں کے سانس لینے سے ہی ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنین مار کی وجہ سے مرا ہو پس اس شک کی وجہ سے غرہ یعنی بچہ کا ضمان واجب نہ ہوگا۔

قولہ[۳] جنین الامۃ: باندی کا بچہ جو مرگیا وہ آیا مذکر ہے یا مونث۔ اگر مذکر ہے تو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔ اگر وہ زندہ پیدا ہوتا اور اگر وہ مونث ہو تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ بچہ کی قیمت کا نہیں بلکہ اس کی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا اسلئے کہ پیٹ کا بچہ من وجہ ماں کا جزء ہے اور اجزاء کے ضمان میں اصل کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ مقدار واجب بچہ کا بدل ہے پس اس کا اعتبار بچہ ہی سے ہوگا نہ کہ اس کی ماں سے،

بَابُ القَسَامَةِ

ترجمہ:۔ قسم لینے کا بیان

وإذا وُجِدَ القتيلُ في محلةٍ لا يُعلم من قتله استحلف خمسون رجلاً منهم يتخيرهم الولي باللهِ ما قتلناه ولا علمنا له قاتلاً فإذا حلفوا قضي على أهل المحلةِ بالديةِ ولا يستحلف الولي ولا يقضى عليه بالجنايةِ وإن حلف وإن أبى واحد منهم حبس حتى يحلف وإن لم يكمل أهل المحلة كررت الأيمان عليهم حتى يتم خمسين يميناً ولا يدخل في القسامةِ صبيٌ ولا مجنونٌ ولا امرأةٌ ولا عبدٌ وإن وجد ميت لا أثر به فلا قسامةَ ولا ديةَ وكذلك إن كان الدم يسيل من أنفه أو دبره أو فمه، فإن كان يخرج من عينيه أو أذنيه فهو قتيلٌ وإذا وجد القتيل على دابةٍ يسوقها رجل فالديةُ على عاقلته دون أهل المحلةِ وإن وجد القتيل في دارِ إنسانٍ فالقسامةُ عليه والديةُ على عاقلته۔

ترجمہ ———— اور جب مقتول کسی محلہ میں پایا گیا اور معلوم نہیں کہ کس نے قتل کیا ہے، تو پچاس آدمیوں سے قسم لی جائیگی جس کو ولی پسند کرے کہ خدا کی قسم ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں پس وہ قسم کھالیں تو اہل محلہ پر دیت کا فیصلہ ہو جائیگا اور ولی سے قسم نہیں لی جائیگی اور اس پر جنایت کا حکم لگایا نہ جائے گا اگرچہ وہ قسم کھالے اور اگر ان میں سے کوئی قسم سے انکار کرے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ قسم کھائے اور اگر اہل محلہ پورے نہ ہو تو قسم ان پر مکرر کی جائیگی ۔ یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں اور قسامت میں بچہ داخل نہ ہوگا اور نہ دیوانہ اور نہ عورت اور نہ غلام اور اگر مردہ پایا گیا جس پر کوئی نشان نہیں تو نہ قسامت ہوگی اور نہ دیت اور اسی طرح اگر اسکی ناک یا مقام براز یا مونہہ سے خون بہتا ہو اور اگر اسکی آنکھوں یا کانوں سے نکلتا ہو تو وہ مقتول ہے اور جب مقتول سواری پر پایا گیا جس کو کوئی ہانک رہا تھا تو اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی نہ کہ اہل محلہ پر اور اگر کسی کے گھر میں پایا گیا تو قسامۃ گھر والے پر ہے اور دیت اس کے عاقلہ پر۔

تشریح:۔ ———— قولہ: باب القسامۃ:۔ قسامۃ بفتح قاف اسم ہے جو مصدر کی جگہ پر مستعمل ہوتا ہے لغت میں بمعنی قسم کھانا ہے اور اصطلاح میں وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کے نام پر کسی خاص سبب کی وجہ سے کسی خاص شخص پر بطور مخصوص کھائی جائے۔

قولہ۔ واذا وجد القتیل الخ کسی محلہ میں اگر کوئی مقتول ملے جس کا قتل کرنے والا معلوم نہ ہو تو وہاں کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے ان آدمیوں کو اس مقتول کا وارث پسند کرے۔ ان میں سے ہر شخص بصیغۂ واحد اس طرح قسم کھائے کہ اللہ کی قسم ہم نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ اس کے قتل کرنے والے کا ہمیں علم ہے پس جب پچاس آدمی قسم کھالیں تو اہل محلہ پر دیت ادا کرنے کا حکم کر دیا جائے گا اور اگر ان پچاس آدمیوں میں سے کوئی قسم کھانے سے انکار کرے تو اسے قید کر لیا جائے۔

یہاں تک کہ وہ قسم کھائے اور اگر اہل محلہ پچاس نہ ہوں تو ان سے دوبارہ قسم لیں یہاں تک کہ پوری پچاس قسمیں ہو جائیں

قولہ۔ لا یستحلف الولی۔ یعنی صرف اہل محلہ سے قسم لیا جائے اور خود وارث کو قسم نہ دی جائے اور نہ اس پر جنایت کا حکم کیا جائے اگر چہ وہ خود قسم کھائے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اگر کسی قسم کا شبہ ہو مثلاً اہل محلہ مقتول سے ظاہری عداوت رکھتے ہوں یا کسی پر قتل کی علامت پائی جاتی ہو وغیرہ وغیرہ تو اولیاء مقتول سے پچاس بار قسم لی جائے کہ اس کو اہل محلہ نے قتل کیا ہے اور اس کے بعد مدعی علیہ پر دیت کا حکم دیا جائے چونکہ سرکار مدینہ اولیاء مقتول سے فرمایا تھا۔ فیقسم منکم خمسون انھم قتلوہ۔ احناف کی دلیل سرکار مدینہ کا یہ قول ہے البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ

قولہ۔ لا یدخل فی القسامۃ۔ یعنی قسم کھانے میں بچہ اور دیوانہ اور عورت اور غلام کو شریک نہ کیا جائے اور نہ مدبر اور نہ مکاتب کو اور اگر کسی محلہ میں کوئی ایسا مردہ مل جائے کہ اسکے بدن پر چوٹ وغیرہ کا کوئی نشان نہ ہو تو اس میں نہ قسم کھانا ہے اور نہ دیت ہے اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ اس کی ناک یا منہ یا پاخانہ کی جگہ سے خون نکلتا ہو یعنی اس صورت میں کل قسم دیت نہ ہوگی۔ ناک سے خون آنے میں اسلئے کہ وہ نکسیر ہے گویا وہ نکسیر ہی سے مر گیا ہے اور منہ سے خون آنے میں یہ وجہ ہے کہ وہ سوداوی ہے جو کسی کے قتل کرنے پر دلالت نہیں کرتی اور تیسری جگہ سے خون آنا بھی ایک بیماری ہے۔

ولا یدخل السکان فی القسامۃ مع الملاک عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وھی علی اھل الخطۃ دون المشترین ولو بقی منھم واحد ان وجد القتیل فی سفینۃ فالقسامۃ علی من فیھا من الرکاب والملاحین وان وجد فی مسجد محلۃ فالقسامۃ علی اھلھا وان وجد فی الجامع والشارع الاعظم فلا قسامۃ فیہ والدیۃ علی بیت المال وان وجد فی بریۃ لیس بقربھا عمارۃ فھو ھدر وان وجد بین قریتین کان علی اقربھا وان وجد فی وسط الفرات یمر بہ الماء فھو ھدر ان کان محتبسا بالشاطئ فھو علی اقرب القری من ذلک المکان وان ادعی الولی علی واحد من اھل المحلۃ بعینہ لم تسقط القسامۃ عنھم وان ادعی علی واحد من غیرھم سقطت عنھم واذا قال المستحلف قتلہ فلان استحلف باللہ ما قتلت ولا علمت لہ قاتلا غیر فلان واذا شھد اثنان من اھل المحلۃ علی رجل من غیرھم انہ قتلہ لم تقبل شھادتھما۔

ترجمہ: ——— اور کرایہ دار مالکوں کے ہوتے ہوئے قسم کھانے میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک داخل نہ ہوں گے اور قسم کھانا اہل خطہ پر ہوگا نہ کہ خریداروں پر اگر چہ ان میں سے ایک ہی باقی ہو اور اگر مقتول کشتی میں پایا گیا تو قسم کھانا ان پر ہوگا جو کشتی میں ہیں یعنی سواریاں اور کشتی چلانے والا اور اگر محلہ کی مسجد میں پایا گیا تو قسم کھانا اہل محلہ پر ہے اور اگر جامع مسجد

یا شارع عام میں پایا گیا تو اس میں قسم کھانا نہیں اور دیت ہے بیت المال پر اگر جنگل میں پایا گیا جس کے قریب آبادی نہیں تو وہ بے کار ہے اور اگر دو گاؤں کے بیچ میں پایا گیا تو قسم قریب تر والوں پر ہے اور اگر نہر فرات کے بیچ میں پایا گیا جس پر پانی بہہ رہا ہو تو وہ بیکار ہے اور اگر کنارے پر رکا ہوا ہو تو قسم اس جگہ سے قریب والا گاؤں پر ہوگی اور اگر ولی نے کسی ایک معین محلہ والا پر قتل کا دعویٰ کیا تو قسم ان سے ساقط نہ ہوگی اور اگر غیر محلہ والوں پر دعویٰ کیا تو قسم اہل محلہ سے ساقط ہو جائیگی اور اگر قسم کھانے والا نے ان سے کہا کہ فلاں نے قتل کیا ہے تو اس سے یوں قسم لی جائیگی کہ خدا کی قسم میں نے اسکو قتل نہیں کیا ہے اور نہ میں اسکے قاتل کو جانتا ہوں سوائے فلاں کے اور جب دو آدمی اہل محلہ سے گواہی دیں کہ کسی ایک غیر محلہ والا پر کہ اس نے قتل کیا ہے تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔

تشریح:۔ ــــ قولہ[۱] ولا یدخل السکان:۔ یعنی مکان داروں کے ہوتے ہوئے کرایہ دار اور رعایا امام ابوحنیفہ کے نزدیک قسم کھانے میں داخل نہیں ہوتے یعنی کسی محلہ میں اگر مکاندار اور کرایہ دار دونوں رہتے ہوں تو قسم کھانا مکاندار پر ہوگا۔

قولہ[۲] وھی علی اھل الخطۃ:۔ یعنی مقتول اگر کسی زمین میں ملے تو اس کی قسم اہل خطہ یعنی زمینداروں پر ہوگی اس کے خریدنے والوں پر نہیں اگرچہ زمینداروں میں سے ایک ہی آدمی ہو۔ اہل خطہ سے مراد جو زمیندار ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو املاک قدیمہ کے مالک ہوں جن سے امام نے شہر فتح کرکے غازیوں کے درمیان تقسیم کرکے ہر ایک کو اس کے حصہ کا کاغذ لکھدیا ہو۔ طرفین کے نزدیک قسم ان ہی لوگوں پر لازم ہوگی اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہاں کے باشندے اور خریدار بھی شریک ہوں گے اس لئے کہ تدبیر منزل کی ولایت جس طرح ملک کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اسی طرح رہائش کے ذریعہ بھی۔

قولہ[۳] وان وجد فی بریۃ:۔ یعنی مقتول اگر ایسے جنگل میں ملے کہ جس کے قریب آبادی نہیں تو وہ ھدر ہے یعنی اس میں نہ قسم ہے اور نہ دیت اور اگر مقتول دو گاؤں کے درمیان ملا تو قسم اسی گاؤں والوں پر ہوگی جو وہاں سے دوسرے کی بہ نسبت قریب ہو اور اگر مقتول دریا میں بہتا ہوا ملے تو اس میں نہ دیت ہے اور نہ قسم ہے۔

قولہ[۴] واذا قال المستحلف:۔ یعنی جب قسم کھانے والا کہے کہ اس کو میں نے قتل نہیں کیا بلکہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو اس کو اس طرح قسم دیجائے یعنی وہ کہے کہ خدا کی قسم میں نے قتل نہیں کیا اور نہ فلاں شخص کے سوا مجھے اس کا قاتل معلوم ہے اور اگر اس محلہ کے دو آدمی دوسرے محلہ کے کسی آدمی پر گواہی دیں کہ اس نے اس کو قتل کیا ہے تو ان کی گواہی نہ سنی جائیگی یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین کا قول ہے کہ ان کی گواہی سنی جائے گی

کتاب المعاقل

ترجمہ:۔ عاقلہ پر دیت آنے کا بیان

الدیۃ[۲] فی شبہ العمدِ والخطاءِ وکلُّ دیۃٍ وجبت بنفس القتلِ علی العاقلۃِ والعاقلۃ اھلُ الدیوانِ ان کان القاتل من اھل الدیوانِ یؤخذ[۳] من عطایاھم فی ثلاثِ سنین فان خرجت العطایا فی اکثر من ثلاث سنین او اقل اخذ منھا ومن لم یکن من اھل الدیوانِ فعاقلۃ قبیلتہ تقسط علیھم فی ثلاثِ سنین لا یزاد الواحد علی اربعۃِ دراھم فی کل سنۃٍ درھمٌ ودانقانِ وینقص منھا فان لم تتسع القبیلۃ لذلک ضم الیھم اقرب القبائلِ الیھم

ترجمہ ــــــ دیت شبہ عمد اور قتل خطاء میں ہے اور ہر وہ دیت جو نفس قتل سے واجب ہو وہ عاقلہ پر ہوتی ہے اور اگر قاتل دفتر والوں میں سے ہو تو اس کے عاقلہ اس دفتر کے لوگ ہوں گے ان کی تنخواہوں سے تین سال میں وصول کی جائیں گی پس اگر تنخواہیں تین سال سے زائد یا کم میں نکل آئیں تو ان سے وصول کر لی جائے گی جو دفتر والوں میں سے نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے کنبے والے ہیں ان پر تین سال میں قسط کر دیجائیگی اور ایک آدمی پر چار درہم سے زائد نہیں کئے جائیں گے۔ ہر سال میں ایک درہم اور دو دانق چار سے کم بھی ہو سکتے ہیں اور اگر قبیلہ میں گنجائش نہ ہو تو ان کے ساتھ قریبی قبیلے والے ملا لئے جائیں گے۔

تشریح: ــــ قولہ[۱] کتاب المعاقل: معاقل جمع ہے معقلہ کی جس طرح مکارم جمع ہے مکرمۃ کی لغت میں وہ بمعنی دیت ہے اس کو عقل بھی کہا جاتا ہے جو بمعنی روکنا ہے۔ مناسبت ظاہر ہے کہ دیت بھی خونریزی سے دور رکھتی ہے لہذا کتاب المعاقل کا معنی ہوا دیتوں کا بیان لیکن وہ عنوان یہاں پر مناسب نہیں چونکہ دیتوں کا بیان ماقبل میں گذرا۔ یہاں پر ان کا بیان ہے جن پر دیت واجب ہوتی ہے جن کو عاقلہ کہا جاتا ہے اس کی جمع عواقل آتی ہے۔ پس عنوان کتاب العواقل ہونا چاہیئے غالباً عبارت میں مضاف محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے کتاب اہل المعاقل یا مجازاً معاقل سے مراد اہل معاقل ہے۔

قولہ[۲] الدیۃ فی شبہ العمد: یعنی دیت شبہ عمد اور خطا میں ہوتی ہے اور جو دیت نفس قتل سے واجب ہو وہ عاقلہ یعنی برادری پر ہے اور اگر قاتل کسی دیوان یعنی دفتر میں ملازم ہے تو اس کے عاقلہ اس دفتر کے آدمی ہوں گے ان کی تنخواہوں میں سے تین سال کے اندر دیت وصول کر لی جائیگی یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ دیت کنبہ والوں پر واجب ہوتی ہے چونکہ سرکار مدینہ کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ سیدنا عمر نے جب دیوان مقرر کیا تو صحابہ کرام کے مجمع عام میں اہل دیوان پر دیت معین کی اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

قولہ[۳] ان یوخذ من عطایاھم: یعنی قاتل جو کسی دفتر میں ملازم ہے ان کی تنخواہوں میں سے تین برس کے اندر دیت وصول کر لی جائیگی اور اگر تین برس سے زیادہ یا کم میں تنخواہوں سے وصول ہو تو

اسی حساب سے لی جائیگی اور اگر قاتل اہل دفتر سے نہیں تو اس کے عاقلہ اس کے قبیلہ کے آدمی ہیں ان سے قسط وار تین برس کے اندر دیت وصول کرلی جائے۔ ایک آدمی پر چار درہم سے زیادہ نہ کیا جائے۔ ہر سال ایک درہم اور دو دانق لینے چاہیئیں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالک کے نزدیک کوئی مقدار معین نہیں بلکہ عاقلہ کی استطاعت پر موقوف ہے امام شافعی کا قول یہ ہے کہ مالدار سے نصف دینار اور متوسط درجہ کے لوگوں سے ربع دینار لیا جائے گا۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا صلہ ہے جو بطور مساوات واجب ہوتا ہے پس اس میں مالدار اور متوسط دونوں برابر ہیں۔

ویدخل القاتل مع العاقلۃ فیکون فیما یؤدی کاحدھم وعاقلۃ المعتق قبیلۃ مولاہ ومولی الموالاۃ یعقل عنہ مولاہ وقبیلتہ ولا تحمل العاقلۃ اقل من نصف عشر الدیۃ وتحمل نصف العشر فصاعدا وما نقص من ذلک فھو فی مال الجانی ولا تعقل العاقلۃ جنایۃ العبد ولا تعقل الجنایۃ التی اعترف بھا الجانی الا ان یصدقوہ ولا یعقل ما لزم بالصلح واذا جنی الحر علی العبد جنایۃ خطاء کانت علی عاقلتہ

ترجمہ:- اور قاتل عاقلہ کے ساتھ داخل ہوگا پس وہ دیت ادا کرنے میں مثل ایک عاقلہ کے آزاد شدہ کا عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے مولی موالات کی طرف سے دیت اس کا مولی اور قبیلہ دے گا اور عاقلہ دیت کے بیسویں حصہ سے کم کے متحمل نہیں ہوتے اور دسویں حصہ یا اس سے زیادہ کے متحمل ہوتے ہیں اور جو اس سے کم ہو اور وہ قصوروار کے مال سے ہوتی ہے اور عاقلہ غلام کے جنایت کی دیت نہیں دیتے اور جس قصور کا خود قصور کرنے والا اقرار کرے اسکی دیت نہ دیجائے مگر یہ کہ وہ اس کی تصدیق کردیں اور نہ وہ دیت دیجائے جو صلح کی وجہ سے لازم ہو اور جب آزاد آدمی پر خطاءً جنایت کرے تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

تشریح:- قولہ یدخل القاتل۔ یعنی قاتل بھی عاقلہ میں شمار ہوگا اور دیت ادا کرنے میں مثل ایک عاقلہ کے ہوگا۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ قاتل پر کچھ واجب نہیں کیونکہ وہ خطا کی وجہ سے معذور ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ جنایت اس سے سرزد ہوتی ہے تو اس کا بوجھ دوسرے کے اوپر ڈالنا اور اس کو خارج کردینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قولہ عاقلۃ المعتق:- یعنی آزاد شدہ غلام کے عاقلہ پر اس کے آقا کے قبیلہ کے لوگ ہیں اور مولی موالات کی طرف سے اس کا مولی یعنی جس کا ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا ہو وہ اور اس کی برادری کے آدمی دیت دیں اور دیت بیسویں حصہ سے کم عاقلہ پر واجب نہیں ہوتی یعنی کسی نے اگر ایسا قصور کیا ہے کہ اس میں پوری دیت کا بیسواں حصہ بھی واجب

نہیں تو یہ دیت عاقلہ پر نہ ہوگی بلکہ قاتل کے مال میں ہوگی

قولہ[۳] لا تعقل العاقلۃ :۔ یعنی غلام کے قصور کی دیت عاقلہ پر واجب نہیں ہوتی اور جس قصور کا خود قصور کرنے والا اقرار کرے اس کی دیت نہ دیجائے البتہ اگر عاقلہ اس کی تصدیق کریں تو دیجائیگی اور نہ وہ دیت دیجائے جو صلح کرنے سے لازم ہو اور اگر کوئی آزاد خطاء سے کسی غلام کا کوئی قصور کر دے تو اسکی دیت اس قصور کرنے والا کے عاقلہ پر ہوگی۔

کتاب الحدود

ترجمہ :۔ سزاؤں کا بیان

الزنا[۱] یثبت بالبینۃ والاقرار فالبینۃ ان تشھد اربعۃ من الشھود علی رجل او امرأۃ بالزنا فیسألھم الامام عن الزنا ماھو وکیف ھو واین زنی ومتی زنی وبمن زنی فاذا بینوا ذلک وقالوا رأیناہ وطئھا فی فرجھا کالمیل فی المکحلۃ وسأل القاضی عنھم فعدلوا فی السر والعلانیۃ حکم بشھادتھم والاقرار[۳] ان یقر البالغ العاقل علی نفسہ بالزنا اربع مرات فی اربعۃ مجالس من مجالس المقر کلما اقر ردہ القاضی فاذا تم اقرارہ اربع مرات سألہ القاضی عن الزنا ماھو وکیف ھو واین زنی وبمن زنی فاذا بین ذلک لزمہ الحد۔

ترجمہ :۔ زنا بینہ اور اقرار سے ثابت ہوتا ہے پس بینہ یہ ہے کہ چار گواہ گواہی دیں کسی مرد یا عورت پر زنا کی پس اس سے امام زنا کے متعلق سوال کرے کہ زنا کیا ہے اور کس طرح ہوتا ہے؟ اور زنا کہاں کیا ہے؟ اور کب کیا؟ اور کس سے کیا؟ پس جب وہ اس کو بیان کر دیں اور کہدیں کہ ہم نے اس کو فرج میں وطی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس طرح جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے پھر قاضی نے ان کا حال معلوم کیا تو ان کو خفیہ و علانیہ میں عادل شمار کیا گیا تو ان کی شہادت کے مطابق حکم کر دے اور اقرار یہ ہے کہ عاقل بالغ خود پر اقرار کرے زنا کا چار بار چار مجلسوں میں اپنی مجلسوں میں سے۔ جب وہ اس کا اقرار کرے تو قاضی اس کو رد کر دے پس جب اس کا اقرار چار بار پورا ہو جائے تو اس سے قاضی پوچھے کہ زنا کیا ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے؟ اور اس نے زنا کہاں کیا؟ اور کس سے کیا؟ پس جب وہ بیان کر دے تو اس پر حد لازم ہو جائے گی۔

تشریح :۔ قولہ[۱] کتاب الحدود :۔ حدود جمع ہے حد کی۔ حد کا معنی لغت میں روکنا ہے مناسبت ظاہر ہے کہ عقوبات خالصہ چونکہ اسباب عقوبات کے ارتکاب سے روکتی ہیں اس لئے ان کو حدود کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس عقوبت معینہ کو کہا جاتا ہے جو بندہ کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے باز رکھنے کے لئے فرض ہوتی ہے۔

قولہ[۲] الزنا یثبت :۔ زنا وہ وطی ہے جو ایسی شرم گاہ میں ہو کہ وہ ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو اور حد زنا

کا وجوب عاقل بالغ بولنے والے کے اس زنا سے ہوتا ہے جو بخوشی وطی کرے لائق شہوت عورت کی ایسی شرمگاہ میں کہ جو ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو یا مرد عورت کا وطی پر قابو دینا ہے اور زنا کا ثبوت چار مردوں کی گواہی سے ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم پھر جب وہ شہادت دیں تو حاکم ان سے زنا کی حقیقت دریافت کرے اور سوال کرے کہ زنا کس طرح ہوا؟ بخوشی یا زبردستی۔ کہاں ہوا۔ دارالاسلام میں یا دارالحرب میں۔ کب ہوا؟ عنقریب ہوا۔ یا مدت پہلے اور کس کے ساتھ ہوا۔ کیونکہ ممکن ہے زنا زبردستی یا دارالحرب میں یا اپنے لڑکا کی باندی سے ہوا ہو اور گواہوں کو ان چیزوں کا علم نہ ہو اسلئے پوری تحقیق کی جائے اور یہ کوشش ہو کہ حد کسی طرح سے ٹل جائے چونکہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حد کو ٹال دیا کرو۔؛

قولہ[۳] والاقرار ان یقر:۔ اقرار زنا کا یہ ہے کہ بالغ عاقل آدمی اقرار کرنے والوں کی طرح چار مرتبہ چار مجلسوں میں اپنے اوپر زنا کا اقرار کرے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ جب وہ اقرار کرے تو حاکم اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے پھر وہ اگر اقرار کرے۔ اس طرح چار مرتبہ اقرار کرے اور مذکورہ بالا سوالات کرے جب وہ ان تمام باتوں کو بیان کر دے تو حاکم اس کو زنا کی سزا دے۔ چار مرتبہ اقرار احناف کے نزدیک شرط ہے امام شافعی کا یہ قول ہے کہ ایکبار کافی ہے اسلئے کہ اقرار سے زنا کا ظہور ہوتا ہے جو صرف ایک سے کافی ہے تکرار سے اس ظہور میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ سرکار مدینہ نے ماعز اسلمی کے چار بار اقرار سے قبل زنا کا حکم نہیں فرمایا۔

فان[۱] کان الزانی محصنا رجمہ بالحجارۃ حتی یموت یخرجہ الی ارض فضاء تبتدی الشھود برجمہ ثم الامام ثم الناس فان امتنع الشھود من الابتداء سقط الحد وان[۲] کان الزانی مقرا ابتدا الامام ثم الناس ویغسل و یکفن و یصلی علیہ وان لم یکن محصنا و کان حرا فحدہ مائۃ جلدۃ یامر الامام بضربہ بسوط لا ثمرۃ لہ ضربا متوسطا ینزع عنہ ثیابہ ویفرق الضرب علی اعضائہ الا راسہ و وجہہ و فرجہ وان کان عبدا جلدہ خمسین کذلک

ترجمہ ــــــ پس اگر زانی محصن ہے تو اس کو سنگسار کر دے یہاں تک کہ مر جائے اس کو میدان میں لائیں اور پہلے گواہ سنگسار کریں۔ پھر امام پھر لوگ پس اگر گواہ شروع کرنے سے رک جائیں تو حد ساقط ہوگی اور اگر زانی مقر ہو تو امام شروع کرے پھر لوگ اور اسکو غسل اور کفن دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی اور اگر محصن نہ ہو اور آزاد ہو تو اس کی حد سو کوڑے ہیں اور امام اس کو ایسے کوڑے مارنے کا حکم کرے جس میں گرہ نہ ہو۔ متوسط ضرب سے۔ اسکے کپڑا اتار لئے جائیں اور ضرب اس کے اعضاء پر متفرق کی جائے سوائے سر اور چہرہ اور شرمگاہ کے اور اگر وہ غلام ہو تو اسی طرح پچاس کوڑے لگائے۔

تشریح:ــــــ قولہ[۱]۔ فان کان الزانی:۔ یعنی اگر زانی محصن ہو تو اسے سنگسار کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے اسے میدان میں لے جائیں مگر رجم کے وجوب کیلئے یہ ضروری ہے کہ پہلے گواہ سنگسار کریں اور اگر انکار کر دیا تو رجم ساقط ہو جائے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ ضروری نہیں بلکہ ان کا حاضر رہنا بھی ضروری نہیں البتہ

مستحب ہے دلیل احناف کی سیدنا مولیٰ علی کی یہ روایت ہے کہ جب آپ کے سامنے گواہ زنا کی شہادت دیتے آپ گواہوں کو سنگساری کا حکم دیتے پھر آپ پتھر مارتے اس کے بعد عام لوگ سنگسار کرتے۔

قولہ[۲] ان کان الزانی مقراً۔ یعنی زانی اگر اقرار کرلیا ہے اور اس کے اقرار ہی سے زنا کا ثبوت ہوا ہے تو پہلا پتھر حاکم مارے پھر دوسرے لوگ اور زانی کو سنگسار ہوکر مرجانے کے بعد غسل اور کفن دیا جائے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے اور اگر محصن نہیں اور آزاد ہے تو اس کی حد سو کوڑے ہیں۔ حاکم اس کو ایسے کوڑے مارنے کا حکم دے کہ جس میں گرہ نہ ہو اور مار متوسط درجہ کی ہو یعنی نہ بہت زور سے اور نہ بہت آہستہ سے اور اس کے کپڑا اتار لئے جائیں اور پورے جسم پہ ماریں سوائے سر اور منہ اور شرمگاہ کے کہ ان تینوں عضووں کو بچادیں کہ وہ نازک جگہیں ہیں۔

فان[۱] رجع المقر عن اقرارہٖ قبل اقامۃ الحد علیہ او فی وسطہٖ قُبِلَ رجوعہ وخُلِّیَ سبیلہٗ ویستحب للامام ان یلقن المقر الرجوع ویقول لہ لعلک لمست او قبلت والرجل والمرأۃ فی ذلک سواء غیر ان المرأۃ لا تنزع عنہا ثیابہا الا الفرو والحشو وان حفر لہا فی الرجم جاز[۲] ولا[۳] یقیم المولی الحد علی عبدہٖ و امتہٖ الا باذن الامام وان رجع ربع الدیۃ بعد الحکم قبل الرجم ضربوا الحد وسقط الرجم عن المشہود علیہ وان رجع بعد الرجم حد الراجع وحدہٗ وضمن ربع الدیۃ وان نقص عدد الشہود عن اربعۃ حدوا جمیعاً واحصان[۴] الرجم ان یکون حراً بالغاً عاقلاً مسلماً قد تزوج امرأۃ نکاحاً صحیحاً ودخل بہا وھما علی صفۃ الاحصان۔

ترجمہ:۔ ——— پس اگر مقر حد قائم ہونے سے پہلے یا درمیان میں اپنے اقرار سے پھر جائے تو اس کا پھرنا قبول کیا جائے گا اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور امام کیلئے مستحب ہے مقر کو پھر جانے کی تلقین کرنا اور کہنا کہ شاید تو نے چھوا یا بوسہ لیا ہوگا اور مرد و عورت اس میں برابر ہیں سوائے اسکے کہ اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں سوائے پوستین اور موٹے کپڑے اور اگر عورت کے سنگسار کیلئے گڑھا کھودا تو جائز ہے اور آقا حد قائم نہیں کرسکتا اپنے غلام اور باندی پر امام کی اجازت کے بغیر اور اگر کوئی گواہ حکم کے بعد رجم سے پہلے پھر گیا تو گواہوں کو حد لگائی جائے گی اور رجم مشہود علیہ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر رجم کے بعد پھر گیا تو صرف پھرنے والے کو حد لگائی جائیگی اور چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا اور اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو سب کو حد لگائی جائیگی اور رجم کیلئے محصن ہونا یہ ہے کہ زانی آزاد بالغ عاقل مسلم ہو جس نے عورت سے نکاح صحیح کیا ہو اور اس سے دخول کیا ہو اس حال میں کہ وہ دونوں محصن ہوں۔

تشریح:۔ ——— قولہ[۱] فان رجع المقر۔ یعنی زنا کا اقرار کرنے والا اپنے اوپر حد قائم ہونے سے پہلے یا درمیان میں اپنے اقرار سے پھر جائے تو یہ اس کا پھرنا قبول کرلیا جائے گا اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ

احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے حد جاری نہ ہو گی اس لئے کہ حد اس کے اقرار سے واجب ہوتی ہے پس رجوع سے ساقط نہ ہو گی۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ اس کا رجوع خبر ہے جس میں صدق کا احتمال ہے اور کوئی تکذیب کرنیوالا چونکہ موجود نہیں۔ اسلئے اقرار میں اشتباہ آگیا اور ظاہر ہے حد ادنیٰ اشتباہ سے بھی زائل ہو جاتی ہے۔

قولہ۔ وان حفر لہا۔ یعنی عورت کو سنگسار کرنے میں اس کیلئے ایک گڑھا کھودنا مستحب ہے کیونکہ سرکار مدینہ نے عامدیہ کیلئے چھاتی تک گڑھا کھدوایا تھا۔ عورت کیلئے گڑھا کھودنا مستحب ہے کیوں کہ اس میں عورت کیلئے پردہ زیادہ ہے۔ یہ گڑھا سینہ تک گہرا ہو اور مرد کیلئے نہ کھودا جائے کیونکہ سرکار نے ماعز کیلئے گڑھا نہیں کھدوایا تھا۔

قولہ۔ ولا یقیم المولیٰ الحد۔ یعنی آقا اپنے غلام یا باندی پر حاکم کے حکم کے بغیر حد قائم نہیں کرسکتا چونکہ سرکار مدینہ کا قول ہے اربعۃ الی الولاۃ الجمعۃ والفئ والحدود والصدقات اور اسلئے بھی کہ آقا جوں کہ خود اپنی ذات پر قائم نہیں رہ سکتا تو غلام اور باندی پہ بدرجہ اولیٰ قائم نہیں کرسکتا البتہ ان کو عتاب وغیرہ دے سکتا ہے۔

قولہ۔ احصان الرجم۔ یعنی سنگسار کیلئے محصن کا ہونا ضروری ہے اور محصن کیلئے سات شرطیں ہیں (۱) آزاد ہو (۲) بالغ ہو (۳) عاقل ہو (۴) مسلمان ہو (۵) کسی عورت سے نکاح صحیح کرکے اس سے صحبت کرچکا ہو (۶) بوقت دخول، نکاح صحیح کے ساتھ جماع ہو (۷) بوقت وطی زوجین کا صفت احسان کے ساتھ متصف ہو پس اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو سنگسار نہ ہوگا مثلاً غلام یا باندی ہو تو محصن نہ ہوگا اسلئے کہ مملوک بذات خود نکاح صحیح پہ قادر نہیں اسی طرح اگر کسی نے کتابیہ ذمیہ یا صغیرہ مجنونہ سے نکاح کرکے وطی کی تو وہ بھی محصن نہیں اسلئے کہ زوجہ اسلام یا تکلیف نہ ہونیکی وجہ سے محصنہ نہیں ہو گی۔

ولا یجمع فی المحصن بین الجلد والرجم ولا یجمع فی البکر بین الجلد والنفی الا ان یری الامام ذلک مصلحۃ فیعزر بہ علی قدر مایری واذا زنی المریض وحدہ الرجم رجم وان کان حدہ الجلد لم یجلد حتی یبرأ فاذا زنت الحامل لم تحد حتی تضع حملہا وان کان حدہا الجلد فحتی تتعلی من نفاسہا واذا شہد الشہود بحد متقادم لم یمنعہم عن اقامتہ بعدہم عن الامام لم تقبل شہادتہم الا فی حد القذف فی خاصۃ ومن وطی امرأۃ اجنبیۃ فی مادون الفرج عزر۔

ترجمہ ــــــ اور محصن میں کوڑے اور سنگساری کو جمع نہ کیا جائے گا اور کنوارہ میں کوڑا اور جلا وطنی کو جمع نہ کیا جائے گا مگر یہ کہ امام اس میں کوئی مصلحت دیکھے پس اس کو اپنی صواب دید پر سزا دے اور جب

بیمار زنا کیا جس کی حد سنگساری ہے تو سنگسار کر دیا جائے گا اور اگر اس کی حد کوڑے ہوں تو نہ مارے جائیں یہاں تک کہ اچھا ہو جائے اور جب حاملہ زنا کرے تو وضع حمل تک حد نہ لگے گی اور اگر اسکی حد کوڑا ہو تو اس کے نفاس سے پاک ہونے تک، اور اس کی حد سنگساری ہو تو نفاس میں سنگسار کر دیجائیگی اور جب گواہوں نے پرانی حد کی گواہی دی جس کو قائم کرنے سے ان کا امام دور ہونا مانع نہ تھا تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی مگر حد قذف میں خاص کر اور جس نے اجنبیہ سے فرج کے علاوہ میں وطی کی تو سزا دیجائے گی۔

تشریح:۔ **قولہ ولا یجمع فی المحصن**۔ یعنی محصن میں کوڑے مارنے اور جلاوطنی کرنیکو جمع نہ کیا جائے یعنی اس کو دونوں سزائیں نہ دیجائیں کیونکہ سرکار مدینہ نے حضرت ماعز وغیرہ کو سنگسار کیا اور کوڑا نہیں مارا اسی طرح کنوارے میں کوڑے مارے اور جلاوطنی کو جمع نہ کیا جائے البتہ حاکم اگر اس کے کرنے میں کوئی مصلحت دیکھے تو جائز ہے کہ وہ بقدر مناسب اس کو جلاوطن رکھے یہ احناف کے نزدیک ہے جبکہ امام شافعی نے دونوں کو جمع کرنا جائز قرار دیا ہے۔

قولہ اذا زنت الحامل۔ یعنی حاملہ عورت اگر زنا کرلے تو جب تک وہ اپنے حمل کو نہ جن دے اس پر حد قائم نہ کریں اسلئے کہ اس سے قبل بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور اگر حد کوڑے ہیں تو جب تک وہ نفاس سے پاک نہ ہو جائے حد نہ لگائیں اور اگر سنگساری ہو تو وضع حمل کے بعد ہی حد قائم ہوگی۔ مگر یہ کہ بچہ کی پرورش کرنے والا اگر کوئی نہ ہو تو تاخیر کردی جائیگی۔

قولہ۔ اذا شہد الشہود:۔ زنا کے گواہوں نے اگر ایک پرانی بات پر گواہی دی جو موجب حد تھی تو ان کی گواہی نہ سنی جائیگی کیوں کہ یہاں تہمت کا امکان ہے اسلئے کہ حدود کے گواہ کو دو چیزوں میں اختیار ہے ایک ادائے شہادت میں اور دوسرا پردہ پوشی میں۔ تو اتنی تاخیر اگر پردہ پوشی کی وجہ سے تھی تو اب گواہی دینا کینہ اور عداوت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر پردہ پوشی کی وجہ سے نہیں تھی تو تاخیر کی وجہ سے فاسق ہوا اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

قولہ۔ الا فی حد القذف:۔ یعنی خاص حد قذف میں اگر کسی نے غیر عورت سے فرج کے علاوہ کسی دوسری جگہ وطی کرلی تو اسے تعزیر کی جائے۔ تعزیر سے مراد یہ ہے کہ حاکم جو اس کے مناسب سزا سمجھے حکم کردے کیونکہ اس نے برا فعل کیا ہے۔

ولا حد علی من وطی جاریۃ ولدہ وولد ولدہ وقال علمت انہا علی حرام فاذا وطی جاریۃ ابیہ او امہ او زوجتہ او وطی العبد جاریۃ مولاہ وقال علمت انہا علی حرام حد وان قال ظننت انہا تحل لی لم یحد ومن وطی جاریۃ اخیہ او عمہ وقال ظننت انہا علی حلال

حدٌّ ومن زُفّت اليه غيرُ امرأتِه وقالت النساء انها زوجتك فوطئها فلا حد عليه وعليه المهر ومن وجد امرأةً على فراشه فوطئها فعليه الحدُّ ومن تزوج امرأةً لا يحل له نكاحها فوطئها لم يجب عليه الحد ومن اتى امرأةً في الموضعِ المكروهِ او عمل عمل قومِ لوطٍ فلا حدّ عليه عند ابي حنيفة رحمه الله ويعزر وقالا رحمهما الله تعالى هو كالزنا فيحد ومن وطی بهيمةً فلا حد عليه ومن زنی فی دار الحرب او فی دار البغی ثم خرج الينا لم يقم عليه الحدُّ

ترجمہ ——— اور اس پر حد نہیں جو اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی سے وطی کرے اگرچہ وہ کہے کہ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے اور جب اپنے باپ یا ماں یا بیوی کی باندی سے وطی کی یا غلام نے وطی کی اپنے آقا کی باندی سے اور یہ کہا کہ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو حد لگائی جائے گی اور اگر یہ کہا کہ میں اسکو اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں تو حد نہ لگائی جائیگی اور جس نے اپنے بھائی اور چچا کی باندی سے وطی کی اور کہا کہ میں اس کو حلال سمجھتا تھا تو حد لگائی جائیگی اور جس نے کسی عورت کو شب زفاف میں بھیج دی اور عورتوں نے کہا کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے وطی کرلی تو حد نہ ہوگی اور اس پر مہر ہوگی اور جس نے کسی عورت کو اپنے بستر پر پایا اس سے وطی کرلی تو اس پر حد ہے اور جس نے اسی عورت سے شادی کرلی جس سے اس کا نکاح حلال نہیں اور وطی کرلی تو اس پر حد واجب نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک حد لگائی جائیگی اور جس نے کسی عورت سے مکروہ جگہ میں وطی کی یا قوم لوط کا عمل کیا تو اس پر حد نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور اس کو سزا دیا جائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ زنا کی طرح ہے اس میں حد لگائی جائیگی اور جس نے چوپایہ سے وطی کی تو اس پر حد نہیں اور جس نے دارالحرب یا باغیوں کی حکومت میں زنا کی پھر ہمارے پاس آگیا تو اس پر حد قائم نہ ہوگی

تشریح ——— قولہ[۱] ولا حد علی من وطی:۔ جو شخص اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی سے وطی کرے اس پر حد نہ لگائی جائے گی اگرچہ وہ خود ہی کہے کہ یہ بات جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے کیونکہ حدیث شریف انت ومالک لابیک سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کا مال باپ کا مال ہوتا ہے پس بیٹے اور پوتے کی باندی کے وطی کے حلال ہونے کا شبہ ہوگیا اور اس شبہ کی وجہ سے حد مرتفع ہو جاتی ہے

قولہ[۲]۔ واذا وطی جاریۃ ابنہ وامہ:۔ یعنی اگر کسی نے اپنے باپ یا ماں یا اپنی بیوی یا اپنے آقا کی باندی سے جماع کیا تو اس میں اتصال ملک کی وجہ سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ لڑکے کو اپنے باپ کی باندی پر ولایت ہے جس طرح باپ کو بیٹے کی باندی پر ولایت حاصل ہے پس نفس صحبت میں حلت کا اشتباہ پیدا ہوگیا جس سے حد ساقط ہوگئی بشرطیکہ زانی نے حلت وطی کا گمان کیا ہو۔ ورنہ حد جاری ہوگی۔

قولہ ومن اتی امراۃ :۔ یعنی کسی نے اگر عورت سے مکروہ جگہ یعنی دبر میں وطی کر لی یا قوم لوط کا عمل یعنی لڑکوں کے ساتھ بیوی کی طرح عمل کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد واجب نہیں اس کو تعزیر کی جائے۔ صاحبین کا قول یہ ہے کہ یہ فعل بھی زنا کی طرح ہے۔ لہذا اس کے کرنے والے کو حد لگائی جائے گی۔

بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ

ترجمہ شراب کی حد کا بیان

ومن شرب الخمر فاُخِذَ وريحها موجودة فشهد الشهود عليه بذلك او اقر وريحها موجودة فعليه الحد وان اقر بعد ذهاب رائحتها لم يحد ومن سكر من النبيذ حُدَّ ولا حد على من وجد منه رائحة الخمر او من تقيأها ولا يحد السكران حتى يعلم انه سكر من النبيذ و شربه طوعًا ولا يحد حتى يزول عنه السكر وحد الخمر والسكر في الحر ثمانون سوطًا يفرق على بدنه كما ذكرنا في الزنا فان كان عبدًا فحده اربعون ومن اقر بشرب الخمر والسكر ثم رجع لم يحد ويثبت الشرب بشهادة شاهدين او باقرار مرة واحدة ولا يقبل فيه شهادة النساء مع الرجال

ترجمہ: ــــــ اور جس کسی نے شراب پیا اور اس کے مونہہ سے اسکی بو آنیکی حالت میں وہ پکڑا گیا اور گواہوں نے اس کی گواہی دی یا خود اس نے اقرار کیا اور بدبو موجود تھی تو اس پر حد ہے اور اگر بدبو ختم ہو جانے کے بعد اقرار کیا تو حد نہ لگائی جائیگی اور جو نبیذ سے نشہ میں ہو جائے تو حد لگائی جائے گی اور اس پر حد نہیں جس سے شراب کی بدبو آئے یا وہ شراب کی قئی کرے اور نشہ والے کو حد نہ لگائی جائے گی یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ نشہ نبیذ سے ہوا ہے اور بہ خوشی پی ہے اور حد نہ لگائی جائیگی یہاں تک کہ نشہ اتر جائے اور نشہ کی حد آزاد کیلئے اسی کوڑے ہیں جو متفرق اعضاء پر لگائے جائیں گے جس طرح ہم نے حد زنا میں ذکر کیا ہے اور اگر غلام ہو تو اس کی حد چالیس کوڑے ہیں۔ اور کسی نے شراب یا نشہ پینے کا اقرار کیا پھر اس سے پھر گیا تو حد نہ لگے گی اور شراب پینے کا ثبوت دو گواہوں کی گواہی سے ہو جاتا ہے یا اسکے ایکبار اقرار سے اور اس میں عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ قبول نہ کی جائے گی۔

تشریح: ــــــ قولہ ومن شرب الخمر :۔ یعنی کسی نے اگر شراب پی اور اس کے مونہہ سے اسکی بو آنیکی حالت میں وہ پکڑا گیا پھر دو مردوں نے شراب پینے کی گواہی دی یا بو آنیکی حالت میں اس نے خود ہی

اقرار کیا تو اس پر حد لگائی جائیگی اور اگر بو جاتے رہنے کے بعد اس نے اقرار کیا تو اس پر حد نہ لگائی جائیگی یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے لیکن امام محمد کا قول یہ ہے کہ اس کو حد لگائی جائیگی اور یہی حکم اس وقت ہے جبکہ بو جاتے رہنے کے بعد گواہی دیں۔

قولہ۔ ومن سکر من النبیذ۔ کسی کو نبیذ یعنی انگور وغیرہ کا شربت پینے سے نشہ ہو جائے۔ تو اس پر حد لگائی جائیگی۔ نشہ کی قید اسلئے ہے کہ اگر اسکو پینے سے نشہ نہ ہو تو حد واجب نہ ہوگی برخلاف شراب کہ اس میں نشہ ہونیکی قید نہیں بلکہ تھوڑی سی شراب پینے سے بھی حد واجب ہو جاتی ہے اس کا تھوڑا اور بہت پینا دونوں ہی برابر ہیں۔ چونکہ حدیث شریف میں من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فاجلدوہ میں خمر یعنی شراب مطلق ہے اور اگر کسی کے موہنہ سے شراب کی بو آتی ہو یا شراب کی قئے کر دے تو اس پر حد واجب نہیں کیونکہ صرف بو آنے سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس نے اپنے اختیار سے پی ہے کیونکہ ممکن ہے کسی نے زبردستی پلادی ہو یا پانی نہ ہونیکی وجہ سے اضطراب کی حالت میں پی لی ہو اور شک کی صورت میں حد نہیں لگتی۔

قولہ حد الخمر: شراب اور نشہ کی حد آزاد کیلئے اسّی کوڑے ہیں جو متفرق اعضاء پر لگائے جائیں گے یہی قول امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا ہے چونکہ سیدنا عمر کی خلافت میں صحابہ کے مشورہ سے یہی طے ہوا تھا اور اسی پر صحابہ کا اجماع ہے جبکہ امام شافعی نے چالیس کوڑے کا قول کیا ہے اور مصلحتاً ان کے نزدیک بھی اسّی کوڑے کی اجازت ہے۔

بَابُ حدِّ القذف

ترجمہ:- تہمت لگانیکی حد کا بیان

اذا قذف الرجلُ رجلاً محصناً او امرأةً محصنةً بصریح الزنا وطالب المقذوف بالحدِ حدّہُ الحاکم ثمانین سوطاً ان کان حراً یفرق علی اعضائہ ولا یجرد من ثیابہ غیر انہٗ ینزع عنہُ الفرو والحشو وان کان عبداً جلدہٗ اربعین سوطاً والاحصان ان یکون المقذوف حراً بالغاً عاقلاً مسلماً عفیفاً عن فعلِ الزنا ومن نفی نسب غیرہ فقال لست لابیک او یا ابن الزانیۃ وامہٗ محصنۃٌ میتۃٌ وطالب الابن بحدہٖ حد القاذف ولا یطالب بحد القذفِ للمیت الامن یقع القدح فی نسبہ بقذفہٖ واذا کان المقذوف محصناً جاز لابنہ الکافر والعبد ان یطالب بالحدِ ولیس للعبدِ ان یطالب مولاہ بقذف امہ الحرۃ وان اقر بالقذفِ ثم رجع لم یقبل رجوعہٗ ومن قال لعربی یا نبطی لم یحد ومن قال لرجل یا ابن ماء السماء فلیس بقاذفٍ

ترجمہ:- اور جب کسی مرد نے محصن مرد یا عورت کو صریح زنا کی تہمت لگائی اور مقذوف نے حد کا مطالبہ

کیا تو حاکم اس کو اسّی کوڑے حد لگائے اگر آزاد ہو اس کے متفرق اعضاء پر اور کپڑوں سے ننگا نہ کیا جائے لیکن اس سے پوستین اور روئی بھرا ہوا کپڑا اتار دیا جائے اور اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے لگائے اور محصن ہونا یہ ہے کہ مقذوف آزاد بالغ عاقل مسلم ہو زنا سے پاکدامن ہو اور جس نے کسی کے نسب کی نفی کی پس کہا تو اپنے باپ کا نہیں یا اس زانیہ کے بیٹے اور اسکی ماں مر چکی ہے پس بیٹے نے ماں کی حد کا مطالبہ کیا تو قاذف کو حد لگائی جائے گی اور حد قذف کا میت کی طرف سے مطالبہ نہیں کرسکتا جس کے نسب میں تہمت سے فرق آتا ہو اور جب مقذوف محصن ہو تو اس کے کافر بیٹے اور غلام کیلئے حد کا مطالبہ کرنا جائز ہے اور غلام کیلئے جائز نہیں کہ اپنے آقا پہ مطالبہ کرے اپنی آزاد ماں پر تہمت کی حد کا اور اگر تہمت کا اقرار کیا پھر رجوع کرنے لگا تو رجوع قبول نہ ہوگا اور جس نے عربی کو کہا او نبطی تو حد نہ لگے گی اور جس نے کسی سے کہا او آسمان کے پانی کے بیٹے تو وہ تہمت لگانے والا نہیں۔

تشریح: ۱ــــ قولہ باب حد القذاف:۔ قذف کا معنی لغت میں پتھر پھینکنا ہے اور اصطلاح میں زنا کی تہمت لگانا جو باجماع ائمہ گناہ کبیرہ ہے سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ سات مہلک گناہوں سے بچو۔ ان میں سے ایک زنا کی تہمت لگانا ہے

قولہ۲۔ اذا قذف الرجل:۔ جس کسی نے محصن مرد اور محصنہ عورت پر صریح زنا کی تہمت لگائی اور مقذوف یعنی جس کی تہمت لگائی گئی وہ حد لگنے کا خواہش مند ہو تو حاکم تہمت لگانے والے کو اگر وہ آزاد ہے تو اسکے متعدد اعضاء پر اسّی کوڑے لگوائے چونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ یعنی جو لوگ پاکدامن عورتوں کو عیب لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسّی کوڑے مارو۔ کوڑے لگوانے میں مقذوف کی خواہش کی شرط اسلئے ہے کہ اس میں اس کا حق ہے۔

قولہ۳۔ ولا یطالب بحد القذف:۔ یعنی مردہ کی طرف سے حد قذف کی درخواست وہی کرسکتا ہے جس کے نسب میں اس تہمت سے فرق پیدا ہوتا ہو وہ مثلاً لڑکا اور باپ ہے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا یہ قول ہے کہ حد قذف کا حق ہر وارث کیلئے ثابت ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

قولہ۴۔ لیس للعبد ان یطالب:۔ یعنی غلام کو اپنے آقا سے اپنی آزاد ماں پر تہمت لگانے سے حد کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ اس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ کسی نے اپنے غلام کو یوں کہہ کے پکارا "او زانیہ کے بیٹے" اور اس غلام کی ماں آزاد اور محصنہ تھی تو غلام کو یہ جائز نہیں کہ اپنے آقا پہ اس تہمت کی حد لگوائے کیونکہ غلام خود اپنے لئے آقا پہ حد قذف کا مطالبہ نہیں کرسکتا اور اگر کوئی تہمت لگاکے پھر اس سے منکر ہو جائے تو اس کا یہ منکر ہونا تسلیم نہ کیا جائے گا۔

قولہ۵۔ ومن قال لرجل یا ابن ماء:۔ یعنی اگر کسی سے کہے کہ "او آسمانی پانی کے بچے" تو یہ تہمت نہ ہوگی کیونکہ اس سے سخاوت اور حسن و جمال کی تشبیہ مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ عامر بن حارثہ کا لقب ماء السماء تھا وجہ یہ کہ وہ قحط سالی کے زمانہ میں اپنا مال بارش کی طرح بہایا کرتا تھا اسی طرح ام منذر کو ماء السماء سے پکارا جاتا تھا۔ چونکہ وہ حسن و جمال کا پیکر مانا جاتا تھا۔

واذا نسبہ الی عمہ او الی خالہ او الی زوج امہ فلیس بقاذف ومن وطی وطئا حراما فی غیر ملکہ لم یحد قاذفہ والملاعنۃ بولد لا یحد قاذفہا وان کانت الملاعنۃ بغیر ولد حد قاذفہا ومن قذف امۃ او عبدا او کافرا بالزنا او قذف مسلما بغیر الزنا فقال یا فاسق او یا کافر او یا خبیث عزر وان قال یا حمار او یا خنزیر لم یعزر والتعزیر اکثرہ تسعۃ و ثلثون سوطا واقلہ ثلاث جلدات وقال ابو یوسف یبلغ بالتعزیر خمسۃ وسبعین سوطا وان رای الامام ان یضم الی الضرب فی التعزیر الحبس فعل واشد الضرب التعزیر ثم حد الزنا ثم حد الشرب ثم حد القذف ومن حدہ الامام او عزرہ فمات فدمہ ھدر واذا حد المسلم فی القذف سقطت شہادتہ وان تاب وان حد الکافر فی القذف ثم اسلم قبلت شہادتہ

ترجمہ:— اور جب کسی کو اس کے چچا یا ماموں یا اسکی ماں کے شوہر کی طرف منسوب کیا تو وہ تہمت لگانے والا نہیں اور جس نے غیر ملک میں حرام وطی کی تو اس کے تہمت لگانے والے کو حد نہ لگے گی اور بچہ کی وجہ سے لعان کرنے والی کے قاذف کو حد نہ لگے گی۔ اور جس نے باندی یا غلام یا کافر کو زنا کی تہمت لگائی یا مسلمان کو غیر زنا کی تہمت لگائی پس کہا" اے فاسق اے کافر اے خبیث" تو سزا دی جائیگی اور اگر کہا اے گدھے اے سور تو تعزیر نہ کی جائیگی اور تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے اور کم سے کم تین کوڑے ہیں اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ تعزیر پچھتر کوڑوں تک ہوسکتی ہے اور اگر امام مناسب سمجھے تعزیر میں کوڑوں کے ساتھ قید کرنا بھی تو کرے اور سب سے سخت مار تعزیر کی ہے پھر حد زنا کی پھر حد شرب کی پھر حد قذف کی اور جس کو امام نے حد لگائی یا سزا دی اور وہ مرگیا تو اس کا خون معاف ہے اور جب مسلم پر قذف کی حد لگائی گئی تو اسکی شہادت ساقط ہوگئی اگرچہ وہ توبہ کرے اور اگر کافر کو قذف کی حد لگائی گئی پھر وہ مسلمان ہوگیا تو اس کی شہادت قبول ہوگی۔

تشریح:— قولہ واذا نسبہ الی عمہ:۔ یعنی اگر کسی نے کسی کو اس کے چچا یا ماموں یا اسکی ماں کے شوہر کی طرف منسوب کیا تو یہ تہمت نہیں اسلئے کہ ان میں سے ہر ایک کو اب یعنی باپ کہا جاتا ہے چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے وآبائك ابراھیم واسماعیل واسحاق۔ جبکہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام چچا تھے۔ حدیث شریف میں ہے الخال اب اور ماں کے شوہر کو تربیت و پرورش کی وجہ سے عرف میں اب یعنی باپ کہا جاتا ہے۔

قولہ۔ ومن وطی وطئا:۔ یعنی اگر کسی نے دوسرے کی ملک میں حرام طور پر وطی کرلی تو اس پر تہمت لگانے والے کو حد نہ لگائی جائے گی کیونکہ اس حرام وطی کرنے سے محصن نہیں رہا اور جو عورت کسی بچہ کی وجہ سے لعان کرچکی تو اس پر تہمت لگانے والے کو حد نہ لگائی جائے کیونکہ اس صورت میں زنا کی علامت موجود ہے اور وہ بلا باپ کے اس بچہ کا ہونا ہے اسلئے وہ عورت پاکدامن نہ رہی۔

قولہ۔ ومن قذف امتہ:۔ یعنی کوئی شخص اگر کسی باندی یا غلام یا کافر پر زنا کی تہمت لگائے یا کسی مسلمان پر زنا کے علاوہ کسی دوسرے امر کی تہمت لگائے مثلاً یوں کہے کہ او فاسق او کافر او خبیث تو اسے تعزیر کی جائے گا اور اگر

اوگدھے اوسور کہے تو اسے تعزیر نہ کی جائے گی تعزیر و عدم تعزیر کیلئے یہ ضابطہ ہے کہ جب کوئی شخص مخاطب کو ایسے فعل اختیاری کی طرف منسوب کرے جو شریعت میں حرام ہو اور عرف میں باعث ننگ و عار ہو تو اسکے قائل پر تعزیر لازم ہے اور اگر وہ فعل منسوب اختیاری نہ ہو یا اختیاری ہو مگر شرع میں حرام نہ ہو یا شرع میں حرام ہو مگر عرف میں باعث ننگ و عار نہ ہو تو اس میں تعزیر نہیں اس قاعدہ سے مذکورہ دونوں احکام واضح ہو گئے

قولہ[۴]۔ والتعزیر اکثرہٗ:۔ تعزیر مطلق تادیب کو کہا جاتا ہے ترش روئی کے ساتھ ہو یا سخت گوئی یا گوشمالی یا زدوکوب وغیرہ کے ساتھ اس کی مقدار کم سے کم میں کوئی تعین نہیں البتہ اکثر مقدار متعین یعنی انتالیس کوڑے ہیں یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف پچھتر کا قول کئے ہیں اور امام محمد کو بعض نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ کہا ہے اور بعض نے امام ابو یوسف کے ساتھ۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ تعزیر کی مقدار چونکہ حد سے ہوتی ہے اسلئے بطور احتیاط غلام کی حد سے جو چالیس کوڑے ہیں ایک کوڑا کم کر دیا گیا اور امام ابو یوسف نے آزاد کی حد کا اعتبار کیا ہے چونکہ آزاد ہونا اصل ہے اور پچھتر ہونیکی وجہ یہ ہے کہ آزاد کی انتہائی حد چونکہ سو کوڑے ہیں اور غلام کی انتہائی حد پچاس کوڑے ہیں اس لئے ہر ایک کا نصف کیا گیا۔

قولہ[۵]۔ من حدہ الامام:۔ یعنی حاکم نے اگر کسی کو حد لگایا یا تعزیر کی اور وہ مرگیا تو اس کا خون معاف ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائیگی۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ حاکم نے جو کچھ کیا وہ شرعاً مامور ہے اور مامور کا فعل سلامتی کے ساتھ ہونا کوئی ضروری نہیں۔

كتاب[۱] السرقة وقطاع الطريق

ترجمہ:۔ چوروں اور ڈاکوؤں کا بیان

اذا[۲] سرقَ البالغُ العاقلُ عشرةَ دراهمَ اوما قيمتهٗ عشرةُ دراهمَ مضروبةً كانت او غيرَ مضروبةٍ من حرزٍ لا شبهةَ فيه وجب عليه القطعُ والعبدُ والحرُّ فيه سواءٌ ويجبُ[۳] القطعُ باقرارِهٖ مرةً واحدةً او بشهادةِ شاهدَينِ واذا اشتركَ جماعةٌ في سرقةٍ فاصاب كلَّ واحدٍ منهم عشرةُ دراهمَ قُطع وان اصابهٗ اقلُّ من ذلك لم يُقطع ولا[۴] يُقطع فيما يوجد تافهًا مباحًا في دار الاسلام كالخشبِ والحشيشِ والقصبِ والسمكِ والصيدِ ولا فيما يسرع اليه الفسادُ كالفواكهِ الرطبةِ واللبنِ واللحمِ والبطيخِ والفاكهةِ على الشجرِ والزرعِ الذي لم يُحصد ولا قطع في الاشربةِ المطربةِ ولا في الطنبورِ ولا[۵] في سرقةِ المصحفِ وان كان عليه حليةٌ[۶]

ترجمہ ———— جب بالغ عاقل دس درہم یا وہ چیز چرائے جس کی قیمت دس درہم ہو سکہ دار ہوں یا بے سکہ

ایسی محفوظ جگہ سے جس میں کوئی شبہ نہیں تو قطع ید واجب ہے اور اس میں غلام اور آزاد برابر ہیں اور قطع ید اس کے ایک بار اقرار سے یا دو گواہوں کی گواہی سے واجب ہوتا ہے اور جب ایک جماعت چوری میں بھی شریک ہو جائے اور ان میں سے ہر ایک کو دس درہم پہونچے تو قطع ید ہوگا اور اگر اس سے کم پہونچے تو قطع ید نہیں اور ان چیزوں میں کاٹا نہیں جائے گا جو معمولی اور مباح دار الاسلام میں پائی جاتی ہیں جیسے لکڑی اور گھاس اور نرکل اور مچھلی اور شکار اور نہ ان چیزوں میں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں جیسے تر میوے اور دودھ اور گوشت اور تربوز اور درخت پر لگے ہوئے میوے اور وہ کھیتی جو نہ کاٹی گئی ہو اور قطع ید مستی آور شرابوں میں نہیں اور نہ بلبلے میں اور نہ قرآن کی چوری میں اگرچہ اس پر سونے کا کام ہو۔

تشریح: — قولہ کتاب السرقۃ:- سرقہ لغت میں دوسرے کی چیز چھپا کر لینے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں کسی عاقل و بالغ شخص کا کسی دوسرے کی ایسی چیز کو چھپا کر لینے کو کہا جاتا ہے جس کی قیمت دس درہم کے برابر سکہ دار ہو اور مکان یا کسی محافظ کے ذریعہ محفوظ ہو۔ قطاع الطریق میں قطاع قطع کا اسم مبالغہ ہے جس کا معنی ہے کثرت سے کاٹنے والا اور طریق کا معنی راستہ پس قطاع الطریق کا معنی ہوا راستہ میں کاٹنے والا۔ اس کا لازمی معنی ہوا ڈاکو اور گرہ کٹ۔

قولہ اذا سرق البالغ:- یعنی جب کوئی عاقل بالغ کسی محفوظ جگہ سے دس درہم چرائے خواہ وہ سکہ دار ہوں یا سکہ دار نہ ہو یا دس درہم کی کوئی چیز ہو تو اس پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے ربع دینار میں قطع ید کا حکم دیا ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ربع دینار میں ہاتھ کاٹو اس سے کم میں نہ کاٹو اور مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک تین درہم ہیں قطع ید کا حکم دیا ہے کیونکہ عہد نبوی میں قطع ید ایک ڈھال کی چوری میں تھا جس کی قیمت تین درہم تھی دلیل احناف کی سیدنا عبداللہ بن عمر کا قول ہے کہ جس ڈھال میں ہاتھ کاٹا گیا تھا اس کی قیمت دس درہم تھی دوسری حدیث میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ قطع ید نہیں مگر دس درہم میں۔

قولہ یجب القطع باقرارہ:- یعنی چور کے ایک دفعہ اقرار کرنے یا دو گواہوں کی گواہی دینے سے قطع واجب ہو جاتا ہے۔ گواہوں میں مرد کا ہونا ضروری ہے اسلئے کہ ثبوت سرقہ میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں اور اگر ایک چوری میں بہت سے شریک ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے حصہ میں دس درہم آجائیں تو ان سب کا ہاتھ کاٹے جائیں گے اور اگر اس سے کم آتے ہوں تو ان کے ہاتھ کاٹے نہ جائیں گے۔ وجہ یہ کہ چور عام طور سے ایسا ہی کرتے ہیں کہ بعض مال نکالنے کیلئے اندر چلے جاتے ہیں اور بعض دیکھ بھال کیلئے باہر کھڑے رہتے ہیں۔ اگر سب کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو چوری کا دروازہ کھل جائے گا۔

قولہ ولا یقطع فیما یوجد:- یعنی ان چیزوں میں ہاتھ کاٹے نہ جائیں گے جو معمولی ہوں یا دار الاسلام میں مباح ہوں جیسے لکڑی اور گھاس اور نرکل اور مچھلی اور شکار اور نہ ہی ان چیزوں میں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں جیسے تر میوے۔ دودھ گوشت خربوزے اور درخت پر لگے ہوئے میوے۔ اس کیلئے یہ قاعدہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر اس چیز کی چوری میں قطع ید ہوتا ہے جو نفیس مال ہو اور دار الاسلام میں مباح نہ پایا جاتا ہو دراں حالیکہ وہ مرغوب نہ ہو پس لکڑی اور گھاس وغیرہ میں قطع ید اسلئے نہیں کہ وہ نفیس نہیں اور دار الاسلام میں مباح ہیں۔ اس کے متعلق حدیث شریف بھی ہے کہ عہد نبوی میں حقیر و خسیس چیزوں میں قطع ید نہیں ہوتا تھا۔

قولہ ۔ ولا فی سرقۃ المصحف ۔ قرآن کریم کی چوری میں قطع ید نہیں اگرچہ اس پر سونے کا کام کیا ہو یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ قرآن کریم کے چرانے میں ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا۔ عام ہے کہ اس پر سونے کا کام کیا ہو یا نہ کیا ہو اور ان ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر وہ کام دس درہم سے زیادہ کا ہو تو کاٹا جائے گا ورنہ نہیں اسلئے کہ وہ کام قرآن میں داخل نہیں پس اس کا علیحدہ اعتبار کیا جائے گا دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ اس کا چرانے والا یہ تاویل کر سکتا ہے کہ میں پڑھنے اور دیکھنے کیلئے لیا ہوں دوسری دلیل یہ کہ اس میں باعتبار حرفوں کے کوئی مالیت نہیں اور حفاظت اس کی اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ جلد اور اوراق اور اس کام کی وجہ سے اسلئے کہ یہ توابع میں سے ہے اور توابع کا اعتبار نہیں ہوا کرتا ۔

ولا [۱] فی الصلیبِ من الذھبِ والفضۃِ ولا الشطرنجِ ولا النردِ ولا قطع علیٰ سارقِ الصبیِ الحرِ وان کان علیہ حلیٌ ولا سارق العبدِ الکبیرِ و یقطع سارق العبدِ الصغیرِ ولا قطع فی الدفاترِ کلھا الا فی دفاترِ الحساب ولا یقطع سارق کلبٍ ولا فھدٍ ولا دفٍ والطبلِ ولا من مارٍ و یقطع فی الساجِ والقناءِ والابنوسِ والصندلِ واذا [۲] اتخذ من الخشبِ اوانی او ابواب قطع فیھا ولا قطع علی خائنٍ ولا خائنۃٍ ولا نباشٍ ولا منتھبٍ و لا مختلسٍ ولا یقطع السارق من بیت المالِ ولا من مالٍ للسارق فیہ شرکۃ ومن [۳] سرق من ابویہ او ولدہٖ او ذی رحمٍ محرمٍ منہ لم یقطع وکذلک اذا سرق احد الزوجینِ من الآخرِ او العبد من سیدہٖ او من امرأۃ سیدہٖ او من زوجِ سیدتہٖ او المولیٰ من مکاتبہٖ وکذلک السارق من المغنمِ ۔

ترجمہ :۔ ـــــــ اور نہ سونا اور چاندی کے صلیب میں اور نہ شطرنج اور نہ نرد میں ۔ اور نہ کم سن آزاد بچہ کو چرانے والے پر قطع ید ہے اگرچہ اس پر زیور ہو اور نہ بڑے غلام کے چرانے والے پر اور نابالغ غلام چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور کسی دفتر کے چرانے میں قطع ید نہیں سوائے حساب کے دفتر کے اور نہ کتے اور چیتے اور دف اور ڈھول اور سارنگی چرانے والے کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا اور ساگون اور نیزے کی لکڑی اور آبنوس اور صندل چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور جب لکڑی سے برتن بنائے گئے یا دروازہ تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور خائن مرد اور خائنہ عورت پر ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا اور نہ کفن چور اور نہ لٹیرے پر اور نہ اُچکے پر کاٹا جائے گا اور بیت المال سے چرانے والے کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا اور نہ اس مال سے جس میں چور کی شرکت ہے ۔ اور جس نے اپنے والدین یا بیٹے یا ذی رحم محرم کی کوئی چیز چوری کی تو ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا اور اسی طرح اگر زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کی چرائے یا غلام اپنے آقا کی یا اپنے آقا کی بیوی یا اپنی سیدہ کے شوہر کی یا آقا اپنے مکاتب کی کوئی چیز اور اسی طرح سے غنیمت سے چرانے والا ۔

تشریح :۔ ـــــــ قولہ [۱] ولا فی الصلیب من الذھب :۔ یعنی نہ چاندی کے صلیب چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا

کیونکہ اسکے توڑنے اور نیست و نابود کرنے کی شریعت سے اجازت ہے اور نہ شطرنج اور نرد کے چرانے میں کیونکہ وہ دونوں چیزیں کھیل کی ہوتی ہیں اور نہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے جو چھوٹے سے آزاد بچہ کو چرائے اگرچہ وہ زیور پہنے ہوئے ہو اور نہ بڑے غلام کے چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ چوری نہیں بلکہ غصب یا دھوکہ ہے اور نابالغ غلام کو چرانے والا کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور سوائے حساب کے دفتر کے اور کسی دفتر کے چرانے میں ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا اور نہ کتے اور نہ چیتے اور ڈھول سارنگی کے چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

قولہ[2]۔ واذا تخذ من الخشب، یعنی اب بانس کا برتن بنائے جائیں یا چوکھٹیں بنالی جائیں تو ان کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور خیانت کرنے والا مرد اور خیانت کرنے والی عورت اور کفن چور اور لیٹرے اور اچکے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور اگر کوئی بیت المال سے کچھ چرالے یا چور کے ایسے مال سے چرائے جو مشترکہ ہو تو اس پر بھی قطع نہیں۔ بیت المال سے چرانے میں قطع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مال سب مسلمانوں کا ہے اور یہ چور بھی ان میں داخل ہے۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جبکہ وہ مسلمان ہو اور حربی کے مال کے میں قطع نہ ہونیکی یہ وجہ ہے کہ بعض مال میں اس کی ملک ہونے میں شبہ ہے اور حد شبہ سے زائل ہو جاتی ہے۔

قولہ[3]۔ ومن سرق من ابویہ:۔ یعنی اگر کوئی اپنے والدین یا اپنے بیٹے یا اپنی ذی رحم محرم کا کچھ چرائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کیونکہ اصول و فروع کے مال سے عموماً نفع حاصل کیا جاتا ہے اور کوئی ناگواری نہیں ہوتی پس شبہ پیدا ہو گیا نیز اگر شوہر اپنی بیوی کا اور بیوی اپنے شوہر کا کوئی سامان چرائے تو قطع ید نہیں اگرچہ چوری زوجین کے حرز خاص سے ہو۔ اسلئے کہ میاں بیوی کے مال میں بے تکلفی ہوتی ہے پس حرز میں شبہ آگیا اسی طرح مال غنیمت چرانے میں بھی قطع نہیں اگرچہ اس میں چور کا حصہ نہ ہو اسلئے کہ مال غنیمت مباح الاصل ہے پس اس میں شبہ آگیا۔

والحرز نوعین حرزٌ لمعنیً فیہ کالدورِ والبیوتِ وحرزٌ بالحافظِ فمن سرق عینًا من الحرزِ او غیر حرزٍ وصاحبہ عندہ یحفظہ وجب علیہ القطعُ ولا قطع علی من سرق من حمامٍ او من بیتٍ اذن للناسِ فی دخولہ ومن سرق من المسجد متاعًا وصاحبہ عندہ قطع ولا قطع علی الضیفِ اذا سرق من اضافہٗ واذا نقب اللص البیتَ ودخل فاخذ المالَ وناولہٗ آخر خارج البیت فلا قطع علیہما وان القاہٗ فی الطریقِ ثم خرج فاخذہٗ قطع وکذلک اذا حملہٗ علی حمارٍ وساقہٗ فاخرجہ واذا دخل الحرزَ جماعۃ فتولی بعضہم الاخذ قطعوا جمیعًا ومن نقب البیتَ وادخل یدہٗ فیہ واخذ شیئًا لم یقطع وان ادخل یدہٗ فی صندوقِ الصیرفیِ او فی کم غیرہٖ واخذ المال قطع ویقطع یمین السارقِ من الزندِ وتحسم فان سرق ثانیاً قطعت رجلہٗ الیسریٰ فان سرق ثالثًا لم یقطع وخلد فی السجنِ حتی یتوبَ وان کان السارق اشل الید الیسریٰ او اقطع او مقطوع الرجل الیمنیٰ لم یقطع

ترجمہ:۔۔۔۔۔۔ اور حرز دو قسموں پر ہے ایک یہ کہ وہ جگہ ہی حفاظت کی ہو جیسے گھر اور کمرہ اور ایک حرز محافظ کے ذریعہ

پس جس نے کوئی چیز حرز سے چرائی یا غیر حرز سے درآں حالیکہ مالک اس کے پاس حفاظت کر رہا تھا تو اس پر قطع واجب ہوگا اور جو حمام سے چرائے اس پر قطع نہیں یا اس گھر سے جس میں لوگوں کو آنیکی اجازت دیدی گئی ہو اور جس نے مسجد سے سامان چرایا حالاں کہ مالک اس کے پاس تھا تو کاٹا جائے گا اور مہمان پر قطع ید نہیں جبکہ وہ میزبان کی کوئی چیز چرائے اور جس نے گھر میں نقب لگایا اور داخل ہو کر مال اٹھایا اور وہ دوسرے کو دیدیا جو گھر سے باہر تھا تو کسی پر قطع نہیں اور اگر راہ میں مال ڈال دیا پھر نکل کر اٹھا لے گیا تو کاٹا جائے گا اور اسی طرح اگر گدھے پر لاد کر ہانک دے اور باہر لے آئے اور جب ایک جماعت مکان میں داخل ہوئی اور بعض نے مال لیا تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اور جس نے گھر میں نقب کیا اور ہاتھ ڈالکر کوئی چیز اٹھالی تو نہیں کاٹا جائے گا اور اگر زرگر کے صندوقچہ یا کسی کے جیب میں ہاتھ ڈالا اور مال نکال لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور چور کا داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا اور داغ دیا جائے گا پس اگر دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور اگر تیسری بار چوری کرے تو کاٹا نہ جائے گا بلکہ قید میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کرے اور اگر چور کا بایاں ہاتھ شل ہو یا کٹا ہوا ہو یا داہنا پاؤں کٹا ہوا ہو تو کاٹا نہ جائے گا۔

تشریح:۔ قولہ[۱] والحرز علی ضربین:۔ حرز یعنی محفوظ ہونا دو قسموں پر ہے ایک یہ کہ وہ جگہ ہی حفاظت کی ہو مثلاً کوٹھریاں اور دالان وغیرہ دوسری یہ کہ محافظ سے حفاظت کرائی جائے پس جو کچھ ایسے مکان سے چرائے یا اسباب وغیرہ مکان میں نہ تھا بلکہ برتنی کا مالک وغیرہ اس کے پاس بیٹھا اس کی حفاظت کر رہا تھا پھر کسی نے چرالیا تو ایسے چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور جو شخص حمام میں سے یا ایسے مکان میں کہ جس میں لوگوں کو جانیکی عام اجازت ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔ کیوں کہ عام اجازت کی وجہ سے وہ محفوظ نہ رہا اور اگر کسی نے مسجد میں سے کچھ اسباب چرالیا اور اس اسباب کا مالک وہیں تھا تو اس چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ محافظ موجود ہونیکی وجہ سے وہ اسباب محفوظ ہیں چنانچہ سیدنا صفوان اپنے سر کے نیچے سامان رکھے ہوئے مسجد میں سو رہے تھے کسی نے آپ کا سامان چرالیا تو سرکار مدینہ نے اس کا ہاتھ کاٹ لیا۔

قولہ[۲] لا قطع علی الضیف:۔ یعنی اگر کوئی مہمان اپنے میزبان کی کوئی چیز چرالے تو اس مہمان کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا اسلئے کہ میزبان کی طرف سے مہمان کو اجازت ملنے کی وجہ سے مکان اس کے حق میں محفوظ نہیں رہا اور اگر کوئی چور مکان میں نقب لگا کے اندر چلا گیا اور وہاں سے مال لیکے دوسرے چور کو دیدیا جو اس مکان سے باہر تھا اور خود لیکر نہیں نکلا تو ان دونوں کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے کیونکہ اندر والے سے اخراج نہیں پایا گیا اور باہر والے سے ہتک محفوظ۔ پس کسی ایک پر بھی سرقہ صادق نہیں آیا اگر چور نے نقب لگا کر گھر سے کوئی چیز باہر پھینک دی پھر باہر آکر اٹھالے گیا تو قطع ید ہوگا کیونکہ باہر پھینکنا ایک حیلہ ہے اسی لئے نقب لگانا۔ داخل ہونا۔ پھینکنا۔ پھر اٹھانا سب ایک ہی فعل شمار ہوگا۔

قولہ[۳]۔ اذا دخل الحرز:۔ یعنی کسی مکان میں اگر بہت سے چور گھس گئے اور وہاں سے مال سب نے نہیں لیا بلکہ بعض نے لیا تو اس صورت میں ان سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے یہ احناف کے نزدیک بطور استحسان ہے ورنہ قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہاتھ اس کا کٹے کہ جس نے مال لیا ہے امام زفر کا قول یہی ہے کیونکہ مال اسی نے نکالا ہے پس چوری اسی کے حق میں ثابت ہوئی۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ چور چونکہ آپس میں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ لہذا نکالنے میں حقیقۃً سب شامل ہوئے جس طرح رہزنوں کا حکم ہے کہ اگر

کثیر رہزنوں میں سے کسی ایک آدمی نے خون وغیرہ کرکے مال چھین لئے تو ان سبھوں پر حد لگانی ضروری ہو گی اور دوسرے چوروں میں یہ بات طے ہوئی ہے کہ ان میں سے ایک مال نکالتا ہے اور دوسرے کھڑے اس کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ مالک مکان وغیرہ آکر انہیں پکڑ نہ لے اسی وجہ سے یہ تمام ایک ہی حکم میں ہیں۔

قولہ ۔ یقطع یمین السارق: یعنی چور کا داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا قطع ید قول باری تعالیٰ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما کی وجہ سے ہے اور داہنے ہاتھ کا تعین سیدنا عبد اللہ بن مسعود کی قرأت فاقطعوا ایمانہما ہے جو مشہور ہے اور پہنچے سے کاٹنا متوارث بھی ہے اور دوسری حدیثوں سے بھی ثابت ہے اور کاٹنے کے بعد پھر داغ دیا جائے تاکہ اس سے خون بند ہو جائے۔ یہ احناف کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے۔

قولہ ۔ فان سرق ثانیا: ۔ یعنی اگر دوبارہ چوری کرے تو بایاں پیر کاٹ دیا جائے ٹخنے تک جیسا کہ سیدنا عمر کے فعل سے ثابت ہے پھر اگر تیسری بار بھی کرے تو اب عضو نہ کاٹا جائے بلکہ اس کو قید میں ڈال دیں یہاں تک کہ وہ چوری کرنے سے باز آجائے چنانچہ سیدنا مولیٰ علی سے روایت ہے کہ اگر کوئی تیسری بار چوری کرے تو میں قید رکھوں گا یہاں تک کہ اس سے آثار خیر ظاہر ہو جائے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ تیسری بار چوری میں بایاں ہاتھ اور چوتھی بار میں ایک پاؤں کاٹا جائے گا۔

وَلَا یُقطَعُ السارقُ الا ان یحضر المسروق منہ فیطالب بالسرقۃ فان وھبہا من السارقِ او باعہا منہ او نقصت قیمتہا عن النصابِ لم یقطع ومن سرق عینًا فقطع فیہا وردھا ثم عاد فسرقہا وھی بحالہا لم یقطع وان تغیرت عن حالہا مثل ان کانت غزلاً فسرقہ فقطع فیہ وردہ ثم نسج فعاد فسرقہ قطع واذا قطع السارق والعین قائمۃ فی یدہٖ ردھا وان کانت ھالکۃ لم یضمن واذا ادعی السارق ان العینَ المسروقۃ ملکہ سقط القطع عنہ وان لم یقم بینۃ

ترجمہ : ۔۔۔ اور چور کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا مگر یہ کہ مسروق منہ حاضر ہو اور چوری کا دعویٰ کرے پس اگر اس نے وہ مال چور کو ہبہ کر دیا یا اس کے ہاتھ بیچ دیا یا اس کی قیمت نصاب سے کم ہو گی تو ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔ اور جس نے کوئی چیز چرائی پس اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور اس نے چیز واپس کر دی پھر چرائی اور چیز علی حالہ ہے تو کاٹا نہیں جائے گا۔ اور اگر وہ چیز اس حال سے بدل گئی مثلاً اس نے سوت چرایا تھا پس اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور واپس کر دیا پھر مالک نے کپڑا بن لیا اب اس نے کپڑا چرایا تو کاٹا جائے گا اور اگر چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور چیز بعینہ اس کے پاس ہے تو واپس کرے گا اور اگر تلف ہو گئی تو ضامن نہ ہو گا اور جب چور نے دعویٰ کیا کہ مسروقہ چیز میری مملوک ہے تو قطع ید ساقط ہو جائے گا اگرچہ اس پر بینہ قائم نہ کرے۔

تشریح : ۔۔۔ **قولہ** ولا یقطع السارق: ۔ یعنی چور کا ہاتھ اس وقت تک کاٹا نہیں جائے گا کہ جس کا مال چرایا ہے وہ خود آکر چوری کا دعویٰ نہ کرے کیونکہ ظہور سرقہ کیلئے خصومت لازمی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اقرار کی صورت میں مسروق منہ کی حاضری ضروری نہیں پس مسروق منہ نے وہ مال چور کو ہبہ کر دیا یا اس کے ہاتھ بیچ

دیا یا اس مال کی قیمت چوری کے نصاب سے کم ہوگئی تو اب اس چور کا ہاتھ کاٹا نہ جائے گا۔

قولہ[۱] ۔ ومن سرق عینا ۔ یعنی کسی نے مثلاً بکر نے زید کی کوئی چیز چرائی جس کے پاداش میں بکر کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر چیز زید کے پاس واپس آگئی اور ابھی اس میں کچھ تغیر بھی نہ ہونے پایا تھا کہ بکر نے پھر چرالی تو اگرچہ قیاس کے اعتبار سے دوبارہ قطع ید ہونا چاہیے جس طرح ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور یہی امام ابو یوسف کا خیال ہے چونکہ حدیث شریف ہے فان عاد فاقطعوا لیکن استحساناً قطع ید نہ ہوگا اس لیے کہ ایکبار قطع ید ہونے سے عصمت محل ساقط ہوگی حدیث شریف ہے لاغرم علی السارق بعد قطع یمینہ اور عصمت محل کا سقوط انتفاء قطع ید کا سبب ہے اور اگر وہ چیز اس حال سے بدل گئی مثلاً سوت کی چوری میں قطع ید ہوا تھا اور جب سوت واپس ہوا تو مالک نے اس کا کپڑا بنوالیا اس چور نے اس کو پھر چرا لیا تو اب اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا چونکہ یہاں عین شئی بدل چکی ہے پس اتحاد محل کا جو شبہ تھا وہ زائل ہوگیا۔

قولہ[۲] ۔ والعین قائمۃ ۔ یعنی جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور اس کے پاس چوری کیا ہوا مال موجود ہے تو اس سے لیکر مالک کو دیدیا جائے بلکہ وہ اسی کی مالک پر باقی ہے اور اگر وہ تلف ہوگیا تو اس سے تاوان نہ لیا جائے گا چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب چور پر حد قائم ہوگی تو اب اس پر تاوان نہیں۔

واذا خرج[۱] جماعۃ ممتنعین او واحد یقدر الامتناع فقصد واقطع الطریق فاخذ وا قبل ان یاخذوا مالا و یقتلوا[۲] نفسا حبسہم الامام حتی یحدثوا توبۃ وان اخذوا[۳] مال مسلم او ذمی والماخوذ اذا قسم علی جماعتہم اصاب کل واحد منہم عشرۃ دراہم فصاعدا او ما تبلغ قیمتہ ذلک قطع الامام ایدیہم وارجلہم من خلاف وان قتلوا نفسا ولم یاخذوا مالا قتلہم الامام حدا فان عفی وارجلہم الاولیاء عنہم لم یلتفت الی عفوہم وان قتلوا واخذوا مالا فالامام بالخیار ان شاء قطع ایدیہم وارجلہم من خلاف وقتلہم او صلبہم وان شاء قتلہم وان شاء صلبہم ویصلبون[۴] حیا ویبعج بطنہ برمح الی ان یموت ولا یصلب اکثر من ثلاثۃ ایام فان[۵] کان فیہم صبی او مجنون او ذو رحم محرم من المقطوع علیہ سقط الحد عن الباقین وصار القتل الی الاولیاء ان شاء وا قتلوا وان شاء وا عفوا وان باشر القتل واحد منہم اجری القتل علی جماعتہم۔

ترجمہ ——— اور جب ایک جماعت راہ روکنے والی نکلی یا ایک آدمی نکلا جو راہ روکنے پر قادر ہے پس انھوں نے ڈکیتی کا ارادہ کیا اور وہ گرفتار کر لئے گئے مال لینے اور خون کرنے سے پہلے تو ان کو امام قید کر دے یہاں تک کہ وہ توبہ ظاہر کریں اور اگر وہ کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے چکے اتنا کہ جب تقسیم کیا جائے ان سب پر تو ان میں سے ہر ایک کو پہونچے دس درہم یا اس سے زائد یا ایسی چیز کہ اسکی قیمت اتنی ہے تو امام کاٹے ان کا ہاتھ پاؤں خلاف جانب سے اور اگر انہوں نے کوئی جان ماری اور مال نہیں لیا تو امام ان کو قتل کرے بطور حد یہاں تک کہ اگر اولیاء معاف کریں تو ان کی معافی کی طرف التفات نہ کرے۔

اور اگر قتل بھی کیا اور مال بھی لیا ہو تو امام کو اختیار ہے چاہے ان کے ہاتھ پاؤں خلاف جانب سے کاٹے اور قتل کر دے یا سولی دیدے اور چاہے قتل کر دے اور چاہے سولی دیدے اور زندہ سولی دیئے جائیں اور ان کے پیٹ نیزہ سے چونکے جائیں یہاں تک کہ مر جائیں اور تین دن سے زیادہ سولی نہ دیئے جائیں پس اگر ان میں بچہ یا دیوانہ یا مقطوع علیہ کا ذی رحم محرم ہو تو حد باقی لوگوں سے ساقط ہو جائیگی اور قتل کرنا اولیاء کے اختیار میں ہوگا چاہے قتل کریں اور چاہے معاف کریں اور اگر خون ایک ہی نے کیا ہو تو حد سب پر جاری ہوگی۔

تشریح:۔۔۔ قولہ¹ اذا خرج جماعۃ۔ یعنی اگر بہت سے لوگ راستہ روکنے والے نکلے یا ایک ہی آدمی ایسا نکلا کہ وہ اکیلا راستہ روک سکتا تھا اور انھوں نے رہزنی کا قصد کر لیا پھر وہ کسی کا مال چھیننے یا کوئی خون کرنے سے پہلے ہی سب کے سب پکڑے گئے تو حاکم ان کو قید کر دے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں آیت کریمہ او ینفوا من الارض میں نفی سے یہی مراد ہے ان کو کہیں لیجاکر قید کر دیں۔

قولہ² ۔ویقتلوا ینفسًا۔ یعنی بہت سارے آدمی جنھوں نے کوئی خون کر دیا ہے اور مال نہیں چھینا ہے تو حاکم سیاسۃً ان سب کو قتل کرا دے اور یہ قتل بربنائے حد ہوگا بربنائے قصاص نہیں اسی وجہ سے مقتول کے اولیاء اگر معاف کر دیں تو معاف نہ ہوگا کیونکہ یہ حق اللہ ہے جس کو خدا ہی معاف کر سکتا ہے بندہ کے اختیار میں نہیں پھر ان کو قتل کرنا یہ ہے کہ تلوار سے ہو یا لاٹھی وغیرہ سے کیونکہ ان چیزوں سے قتل قصاص نہیں بلکہ جزا ہے جسکو جزاء محاربہ بھی کہا جاتا ہے

قولہ³ ۔ان اخذ واما لا۔ یعنی انہوں نے اگر مال بھی لوٹا ہے اور خون بھی کر دیا ہے تو حاکم کو چند چیزوں کا اختیار حاصل ہے چاہے ان کے ہاتھ پیر خلاف سے کاٹ کے انہیں قتل کر دے یا سولی دیدے یا صرف قتل کر دے یا قتل کرنے کے بعد سولی دیدے یا زندوں کو سولی دیدے اور نیزے سے ان کے پیٹ چیرے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔

قولہ⁴ ۔یصلبون حیًا۔ یعنی سولی دیجائے یا قتل کیا جائے اس میں اختلاف ہے امام طحاوی کا کہنا ہے کہ پہلے قتل کیا جائے پھر سولی دیجائے اسلئے کہ پہلے سولی دینے سے مثلہ ہونا لازم آتا ہے جو ممنوع ہے لیکن ان سے صحیح روایت یہ ہے کہ پہلے سولی دیجائے کیونکہ اس تقدیر پر زجر و تنبیہ زیادہ ہوتی ہے لیکن سولی پر تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے چونکہ اس سے بدبو پیدا ہو جائے گی جس سے لوگوں کو تکلیف پہونچے گی امام ابو یوسف کا خیال ہے کہ سولی ہی پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے۔

قولہ⁵ ۔فان کان منھم صبی۔ رہزنوں میں اگر کوئی غیر مکلف ہو یعنی بچہ یا دیوانہ ہو یا مقطوع کا کوئی ذی رحم محرم ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے نزدیک باقی لوگوں سے حد ساقط ہو جائیگی امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ مال لینے میں اگر بچہ یا دیوانہ مباشر ہو تو کسی پر حد نہ ہوگی اور اگر عاقل بالغ مباشر ہو تو ان پر حد لازم ہوگی۔ بچہ و دیوانہ پر نہیں۔

قولہ⁶ وان باشر الفعل۔ یعنی قتل اگر ان میں سے ایک ہی آدمی نے کیا ہے تو سب پر حد لازم ہوگی اسلئے کہ وہ جزاء محاربہ ہے اور جزاء محاربہ میں کوئی قتل کرتا ہے اور کوئی دوسرے کی مدد کرتا ہے پس گویا اس کام میں

سب ہی لوگ شامل ہیں۔

کتاب الاشربۃ

ترجمہ :- شرابوں کا بیان

الاشربۃ[1] المحرمۃ اربعۃ، الخمر وھی عصیر العنب اذا غلا واشتد وقذف بالزبد والعصیر[2] اذا طبخ حتی ذھب اقل من ثلثیہ و نقیع التمر و نقیع الزبیب اذا غلا واشتد و نبیذ[3] التمر والزبیب اذا طبخ کل واحد منھما ادنی طبخۃ حلال وان اشتد اذا شرب منہ ما یغلب علی ظنہ انہ لا یسکرہ من غیر لھو ولا طرب ولا باس[4] بالخلیطین و نبیذ[5] العسل والتین والحنطۃ والشعیر والذرۃ حلال وان لم یطبخ وعصیر[6] العنب اذا طبخ حتی ذھب منہ ثلثاہ حلال وان اشتد ولا باس[7] بالانتباذ فی الدباء والحنتم والمزفت والنقیر اذا تخللت[8] الخمر حلت سواء صارت بنفسھا خلا او بشئ طرح فیھا ولا یکرہ تخلیلھا۔

ترجمہ :- حرام شرابیں چار ہیں اور وہ انگور کا شیرہ ہے جب جوش مارے اور تیز ہو کر جھاگ پھینکنے لگے اور عصیر جب پکالیا جائے یہاں تک کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور نقیع تمر اور نقیع زبیب جب جوش مارے اور تیز ہو جائے اور نبیذ تمر اور نبیذ زبیب جب پکالی جائے ان میں سے ہر ایک تھوڑا سا پکا ہوا حلال ہے اگرچہ تیز ہو جائے جبکہ اتنی پئے کہ غالب گمان ہو جائے کہ نشہ نہ لائے گی لہو و لعب اور مستی کے بغیر اور خلیطین میں کوئی حرج نہیں اور شہد اور انجیر اور گیہوں اور جو اور جوار کی نبیذ حلال ہے اگرچہ جوش نہ دیا ہوا ور جب انگور کا شیرہ اتنا پکایا جائے کہ دو ثلث جل جائے تو حلال ہے اگرچہ تیز ہو جائے اور نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ کدو کا برتن اور سبز ٹھلیا اور رال کے روغن والی ٹھلیا اور کھدی ہوئی لکڑی میں اور جب شراب سرکہ بن جائے تو حلال ہے عام ہے خود بخود ہو گئی ہو یا کوئی چیز ہو یا کوئی چیز ڈالنے سے ہوا اور شراب کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں۔

تشریح :- قولہ[1] الاشربۃ المحرمۃ :- یعنی حرام شرابیں چار ہیں (۱) خمر (۲) عصیر (۳) نقیع تمر (۴) نقیع زبیب خمر انگور کا وہ شیرہ ہے جو رکھا ہی رکھا خوب جوش مارنے لگے اس میں تیزی آکر جھاگ اٹھ جائیں۔ یہ معنی احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے چونکہ حدیث شریف میں ہے کل مسکر حرام۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ لفظ خمر معنی مذکور کیلئے اسم خاص ہے اس پر اہل لغت کا اجماع ہے کیونکہ وہ اس معنی میں مشہور ہے دوسرے معنوں کیلئے دوسرے الفاظ مستعمل ہیں جیسے مثلث، طلاء، باذق وغیرہ اور حدیث میں جو مذکور ہے وہ مجاز پر محمول ہے یعنی خمر حقیقتہ انگوری شراب کو کہا جاتا ہے کبھی بطور مجاز دوسری شرابوں کو بھی خمر کہا جاتا ہے جبکہ وہ نشہ آور ہو۔

قولہ[2] والعصیر :- دوسری حرام شراب عصیر ہے اور وہ انگور کا شیرہ ہے جو اس قدر پکایا جائے کہ اس میں

سے دو حصے جل جائیں اور ایک حصہ رہ جائے اور وہ مسکر ہو تیسری حرام شراب نقیع تمر ہے اور وہ پختہ تر کھجور کا کچا رس ہے جو جوش کھا کر گاڑھا اور مسکر ہو جائے اور چوتھی حرام شراب نقیع زبیب ہے اور وہ یہ ہے کہ خشک انگور یعنی کشمش پانی میں بھگو لیا جائے اور وہ جوش کھا کر گاڑھا ہو جائے۔ بعد والی تین شرابیں بھی حرام ہیں لیکن ان کی حرمت خمر کی حرمت کے مقابلہ میں کم ہے تو ان کے حلال جاننے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا اور ان کے پینے والے پر حد جاری نہ ہوگی جب تک کہ نشہ پیدا نہ ہو اور ان کی بیع بھی جائز ہے چونکہ ان کی حرمت اجتہادی ہے برخلاف خمر کہ اس کی حرمت چونکہ قطعی ہے اسلئے اس کا ایک قطرہ بھی پینا حرام ہے اگرچہ نشہ نہ ہو اور اس کی حرمت کا منکر کافر ہے۔

قولہ نبیذ التمر:۔ جس طرح مذکورہ چار شرابیں حرام ہیں اسی طرح درج ذیل چار شرابیں حلال ہیں وہ یہ ہیں (۱) نبیذ تمر و نبیذ زبیب (۲) خلیطین (۳) شہد، انجیر، گیہوں وغیرہ کی نبیذ (۴) مثلث۔ نبیذ تمر و نبیذ زبیب وہ بھیگے ہوئے چھوہارے اور منقی کا پانی ہے جس کو قدرے پکا لیا جائے وہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہے اگرچہ گاڑھا ہو جائے بشرطیکہ لہو و لعب وغیرہ کی نیت نہ ہو بلکہ حصول تقویت مقصود ہو لیکن اتنی مقدار ضروری ہے کہ جس سے اکثر اوقات نشہ نہ ہوتا ہو۔ امام شافعی اور امام محمد کا قول ہے کہ وہ ہر حال میں حلال ہے۔

قولہ۔ ولا باس بالخلیطین:۔ دوسری حلال شراب خلیطین ہے اور وہ یہ ہے کہ چھوہارے اور منقی کو ملا کر پانی میں تھوڑا سا جوش دیں اور پھر چھوڑ دیں یہاں تک کہ اس میں تیزی آ جائے وہ حلال ہے چنانچہ سیدتنا عائشہ صدیقہ کا قول ہے کہ ہم مٹھی بھر چھوہارے اور مٹھی بھر منقی سرکار مدینہ کیلئے برتن میں رکھتے اور اس پر پانی ڈالتے تھے۔ تو جو ہم صبح تر رکھتے اس کو آپ شام کے وقت اور جو شام کے وقت بھگوتے اس کو آپ علی الصباح نوش فرماتے تھے۔

قولہ۔ نبیذ العسل:۔ تیسری حلال شراب شہد، انجیر، گیہوں، جو، جوار کی نبیذ ہے وہ عام ہے کہ اس کو پکایا گیا ہو یا نہ پکایا گیا ہو۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ اور یہی قول امام محمد کا ہے کہ وہ مطلقاً حرام ہے عام ہے کہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ مگر یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ قوت عبادت حاصل کرنے کی نیت سے پیتا ہو ورنہ وہ باتفاق حرام ہے۔

قولہ۔ عصیر العنب:۔ چوتھی حلال شراب مثلث ہے اور وہ انگور کا وہ رس ہے جس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کا قول ہے کہ وہ حرام ہے چونکہ سرکار مدینہ کا قول کل مسکر حرام دلیل شیخین کی یہ حدیث شریف ہے کہ میں تم کو چمڑہ کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتنوں میں شراب بنا کر پینے سے منع کرتا تھا اب تم ہر برتن میں پیو سوائے اس کے کہ مسکر نہ ہو۔

قولہ اذا تخللت الخمر:۔ یعنی جب شراب سرکہ ہو جائے تو اس کا پینا کھانا جائز ہے عام ہے کہ خود ہی سرکہ ہو گئی ہو یا کسی چیز کے ڈالنے سے ہو گئی ہو یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا مکروہ ہے عام ہے کہ دھوپ کے ذریعہ ہو یا نمک وغیرہ ڈالنے سے ہو۔ امام شافعی نے فرمایا کہ وہ سرکہ جائز نہیں جو شراب میں کوئی چیز ڈال کر بنایا گیا ہو اور اگر دھوپ وغیرہ کی گرمی سے بن گیا ہو تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ حلال ہے دوسرا یہ کہ حلال نہیں۔

كتاب الصيد والذبائح

شکار اور ذبیحوں کا بیان

یجوز[٢] الاصطیاد بالکلب المعلم والفھد والبازی وسائر الجوارح المعلمۃ وتعلیم الکلب ان یترک الاکل ثلاث مرات وتعلیم البازی ان یرجع اذا دعوتہ فان[٣] ارسل کلبہ المعلم او بازیہ او صقرہ علی صید وذکر اسم اللہ تعالٰی علیہ عند ارسالہ فاخذ الصید وجرحہ فمات حل اکلہ فان اکل منہ الکلب او الفھد لم یوکل وان اکل منہ البازی اکل وان ادرک المرسل الصید حیا وجب علیہ ان یذکیہ فان ترک تذکیتہ حتی مات لم یوکل وان خنقہ الکلب ولم یجرحہ لم یوکل وان شارکہ کلب غیر معلم او کلب مجوسی او کلب لم یذکر اسم اللہ تعالٰی علیہ لم یوکل واذا[٤] رمی الرجل سھما الی الصید فسمی اللہ تعالٰی عند الرمی اکل ما اصابہ اذا جرحہ السھم فمات وان ادرکہ حیا ذکاہ وان ترک تذکیتہ لم یوکل

ترجمہ :۔۔۔۔ اور شکار کرنا جائز ہے تعلیم یافتہ کتے اور چیتے اور باز اور دوسرے تعلیم یافتہ زخمی کرنے والوں سے اور کتے کا تعلیم یافتہ ہونا یہ ہے کہ تین بار کھانا چھوڑ دے اور باز کا تعلیم یافتہ ہونا یہ ہے کہ واپس آجائے جب تو بلائے اور اگر اپنا تعلیم یافتہ کتا یا باز یا شکرا کسی شکار پر چھوڑا اور اس کے چھوڑتے وقت اس پر اللہ تعالٰی کا نام لیا پس اس نے شکار پکڑ کر زخمی کیا اور وہ مرگیا تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر اس سے کتا یا چیتا کھالے تو نہ کھایا جائے اور اگر اس سے باز کھالے تو کھالیا جائے اور چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے اور اگر اس کے ذبح کرنے کو چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ مرجائے تو نہ کھایا جائے اور اگر کتا نے گلا گھوٹا اور زخمی نہیں کیا تو نہ کھایا جائے اور اگر غیر تعلیم یافتہ شریک ہو جائے یا مجوسی کا کتا جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تو نہ کھایا جائے اور اگر کسی نے شکار پر تیر چلایا اور تیر چلاتے وقت اللہ کا نام لیا تو وہ کھایا جائے جس کو تیر لگے جبکہ اس کو تیر زخمی کر دے اور وہ مرجائے اور اگر اس کو زندہ پائے تو ذبح کرے اور اگر ذبح کرنا چھوڑ دیا تو کھایا نہ جائے۔

تشریح :۔۔۔۔ **قولہ[١] کتاب الصید** :۔ صید مصدر ہے لغت میں اس کا معنی ہے شکار کرنا اور وہ مجازاً مفعول پر بھی بولا جاتا ہے اور اصطلاح میں ہر وہ متوحش جانور کو کہا جاتا ہے جس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہ ہو۔ عام ہے کہ وہ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔

قولہ[٢] یجوز الاصطیاد :۔ یعنی تعلیم یافتہ کتے اور چیتے اور باز سے شکار کرنا جائز ہے اور ان کے علاوہ دوسرے تعلیم یافتہ جانوروں سے بھی جیسے شاہین۔ شکرا۔ باسق وغیرہ اور جائز ہونے کیلئے شکاری جانور کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے اور کتے میں تعلیم یافتہ ہونیکی علامت یہ ہے کہ وہ تین دفعہ شکار پکڑے اور اس کی کھال اور گوشت ادھڑی

وغیرہ کچھ بھی نہ کھائے اور باز کا تعلیم یافتہ ہونا یہ ہے کہ بلاتے ہی آجائے اس میں اسکے خود کھانیکی قید نہیں کیونکہ کتے کی عادت لے بھاگنا ہے اور باز وغیرہ کی عادت وحشت اور جب دونوں نے اپنی عادت چھوڑ دی تو تعلیم یافتہ ہونا ثابت ہو گیا۔

قولہ ۔ فان ارسل کلبہ ۔ یعنی اگر کسی نے اپنا تعلیم یافتہ کتا یا باز یا شکرا پر چھوڑا اور چھوڑتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ لیا اور اس نے شکار کو پکڑ کر زخمی کر دیا جس سے وہ شکار مر گیا تو اس شکار کا کھانا حلال ہے اور اگر کتے یا چیتے نے اس میں سے کچھ کھا لیا اور وہ مر گیا تو اس شکار کو کھانا نہ چاہیئے اور اگر باز وغیرہ نے کھا لیا تو اس کا کھانا جائز ہے۔ پہلے شکار کا جائز نہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جب کتے اور چیتے نے اس میں سے کھا لیا تو معلوم ہوا کہ وہ تعلیم یافتہ نہیں لہذا اس کا مارا ہوا جائز نہیں اور باز یا شکرا وغیرہ کے تعلیم یافتہ ہونے میں چونکہ یہ شرط نہیں لہذا ان کے کھانے میں کوئی حرج نہیں پس اگر ان کے کھانے سے شکار مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے۔

قولہ ۔ اذا رمی الرجل سهماً ۔ یعنی کسی نے اگر شکار کو تیر مارا اور مارتے وقت بسم اللہ پڑھ لی تو اگر وہ شکار اس تیر سے زخمی ہو کر مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ یہ شکار تیر ہی کے لگنے اور زخمی ہونے سے ذبح کے حکم میں ہو گیا اس لئے کہ تیر بھی ذبح کرنے کا ایک آلہ ہے اسلئے تیر مارتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔

واذا وقع السهمُ بالصيدِ فتحامل حتى غاب عنه ولم يزل فى طلبه حتى اصابه ميتاً اكل فان قعد عن طلبه ثم اصابه ميتاً لم يوكل وان رمى صيداً فوقع فى الماء لم يوكل وكذلك ان وقع على سطحٍ او جبلٍ ثم تردى منه الى الارضِ لم يوكل وان وقع على الارضِ ابتداءً اكل وما اصاب المعراض بعرضه لم يوكل و ان جرحه اكل ولا يوكل ما اصابه البندقة اذا مات منها واذا رمى صيداً فقطع عضواً منه اكل الصيد و لم يوكل العضو وان قطعه اثلاثاً والاكثر مما يلى العجز اكل الجميع وان كان الاكثر مما يلى الراس اكل الا كثر ولا يوكل صيدُ المجوسيِ والمرتدِ والوثنى ومن رمى صيداً فاصابه ولم يثخنه ولم يخرجه عن حيزِ الامتناعِ فرماه آخر فقتله فهو للثانى ويوكل وان كان الاول اثخنه فرماه الثانى فقتله فهو للاولِ ولم يوكل والثانى ضامنٌ بقيمته للاول غير ما نقصته جراحته ويجوز اصطياد ما يوكل لحمه من الحيوانِ وما لا يوكل وذبيحة المسلمِ والكتابى حلالٌ ولا توكل ذبيحة المرتدِ والمجوسيِ والوثنى والمحرمِ وان ترك الذابح التسمية عمداً فالذبيحة ميتةٌ لا توكل وان تركها ناسياً اكل

ترجمہ ـــــــ اور جب شکار کا تیر لگا اور وہ برداشت کر کے اس سے غائب ہو گیا اور یہ اس کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اسکو مردہ پایا تو کھایا جائے گا اور اگر تلاش سے بیٹھ رہا پھر اس کو مردہ پایا تو نہ کھایا جائے گا اور اگر شکار کو تیر مارا پس وہ پانی میں گر گیا تو نہ کھایا جائے گا اور اگر اسی طرح چھت پر یا پہاڑ پر گرے پھر زمین پر گر جائے تو نہ کھایا جائے گا اور اگر ابتداً زمین پر گرا

تو کھایا جائے گا اور جس کو بھال کا تیر چوڑائی کی جانب سے لگے تو کھایا نہیں جائے گا اور اگر اس کو زخمی کر دیا تو کھایا جائے گا اور جس کو عرض لگے وہ نہ کھایا جائے گا جبکہ اس سے مر جائے اور اگر شکار کو تیر مار کر اس کا کوئی عضو جدا کر دیا تو شکار کو کھایا جائے گا اور عضو نہیں کھایا جائے گا اور اگر اس کو تین ٹکڑا کر دیا اور اکثر وہ ہے جو دُھڑی سے ملا ہے تو کل کھایا جائے گا اور مجوسی اور مرتد اور بت پرست اور محرم کا شکار نہیں کھایا جائے گا اور جس کسی نے شکار کو تیر مارا اور وہ اس کو لگ گیا لیکن اس کو سست نہیں کیا اور حیز امتناع سے نہیں نکالا کہ دوسرے نے تیر مار کر قتل کر دیا تو وہ ثانی کا ہوگا اور کھایا جائے گا اور اگر پہلا شخص اس کو سست کر چکا ہو اور دوسرا تیر مار کر قتل کر دے تو وہ اول کا ہوگا اور کھایا نہ جائے گا۔ اور ثانی اسکی قیمت کا ضامن ہوگا اول کے لئے اس نقصان کے سوا جو اس کے زخم نے کیا ہے اور شکار کرنا ماکول اللحم جانور کا جائز ہے اور غیر ماکول اللحم کا بھی اور مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے اور مرتد اور مجوسی اور بت پرست اور محرم کا ذبیحہ کھایا نہیں جائے گا اور اگر ذبح کرنے والا جان کر تسمیہ چھوڑ دیا تو ذبیحہ مردار ہے کھایا نہیں جائے گا اور اگر بھول کر چھوڑا تو کھایا جائے گا۔

تشریح:— قولہ واذا قع السھم:۔ یعنی جب تیر شکار کو جا لگا اور وہ زخمی ہو کر شکاری کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ لیکن وہ برابر ڈھونڈتا پھرتا رہا یہاں تک کہ وہ اس کو مرا ہوا ملا تو اس کو کھانا جائز ہے چونکہ سرکار مدینہ نے ابو ثعلبہ سے فرمایا تھا کہ جب تو نے تیر مارا اور شکار تجھ سے تین دن تک غائب رہا پھر تو نے اس کو پالیا تو اس کو کھالے جبکہ وہ گندہ نہ ہوا اور اگر یہ اس کو تلاش کرنے سے بیٹھ رہا تھا پھر وہ مرا ہوا مل گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے شکار کی موت تیر سے نہ ہوئی ہو چنانچہ مروی ہے لعل ھوام الارض قتلتہ۔

قولہ۔ فوقع فی الماء، یعنی اگر کسی شکار کو تیر مارا اور وہ تیر کھا کے پانی میں گر گیا اور مر گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ وہ پانی میں ڈوب کے مر گیا ہو تیر کے زخم سے نہ مرا ہو۔

قولہ۔ ما اصاب المعراض، یعنی اگر کسی نے بے پھل کا تیر لاٹھی کی طرح کسی شکار کو مارا اور وہ مر گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ بوجھ اور گرانی کی وجہ سے مرا ہے نہ کہ زخم اور دھار دار چیز سے اسی طرح پتھر اور غلولہ وغیرہ کے ذریعہ مارنے کیوں کہ یہ چیزیں شکار کو چیرتی اور پھاڑتی نہیں بلکہ اس کے اعضاء کو توڑتی ہیں البتہ اگر اس کو تیر کی طرح دراز دھاردار کر کے مارا ہو اور زخمی ہو گیا تو جائز ہے۔

قولہ۔ واذا رمی صیداً، یعنی اگر کسی نے شکار کو تیر مارا جس سے اس کا کوئی عضو کٹ گیا جس سے وہ مر گیا تو وہ شکار کھانا جائز ہے اور وہ عضو کھانا جائز نہیں جبکہ وہ عضو ایسا ہو کہ اس کے بعد زندگی متصور ہو۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ دونوں کو کھانا جائز ہے کیونکہ ذکوۃ اضطراری سے جدا ہو گیا ہے وہ ایسا ہو گیا جس طرح ذبح اختیاری سے جانور کا سر جدا کر دیا جائے کہ سر اور جانور دونوں حلال ہیں۔ دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ ما قطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھی میت یعنی چوپایہ کا جو عضو کاٹ لیا درآں حالیکہ وہ زندہ ہے تو وہ عضو مردار ہے جس کا کھانا ممنوع ہے۔

قولہ۔ ومن رمی صیداً، یعنی اگر کسی نے شکار کو تیر مارا اور وہ تیر لگ گیا مگر کاری نہیں پھر دوسرے نے تیر مارا اور اس

سے وہ شکار مرگیا تو وہ شکار دوسرے شکاری کا ہے اور اُسے کھانا جائز نہیں کیونکہ جب پہلے شکاری کا تیر اسکی کاری لگ گیا تھا تو وہ اپنے اختیار سے اس کو ذبح کرنے پر قادر تھا کیونکہ کاری لگنے سے یہی مراد ہے کہ وہ جانور اڑ نہ سکے اس لئے اس کو ذبح کرنا اس پر ضروری تھا اور جب اس نے اس کو ذبح نہ کیا تو دوسرے شکاری نے اس کو ویسے ہی مار ڈالا۔ اس لئے یہ مردار ہو گیا۔

قولہ۔ ذبیحۃ المسلم والکتابی:۔ مسلمان اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ذبح کیا ہوا حلال ہے لیکن مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ اس کا کوئی مذہب نہیں اسی طرح آتش پرست کا ذبیحہ بھی حلال نہیں چنانچہ مروی ہے غیر ناکحی نسائھم ولا آکلی ذبائحھم اسی طرح بت پرست کا ذبیحہ بھی حلال نہیں کہ وہ حلت کا معتقد نہیں اور اگر محرم کا شکار کو ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں کیونکہ ذکوٰۃ و ذبح اگرچہ فعل مشروع ہے لیکن احرام کی حالت میں غیر مشروع ہے۔

قولہ۔ ان ترک الذابح:۔ یعنی ذبح کرنے والے نے اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا قصداً چھوڑ دیا تھا تو وہ ذبیحہ مردار ہے اور اگر کوئی بھول گیا تو حلال ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ وہ بہر صورت حلال ہے چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اللہ تعالیٰ کا نام لے یا نہ لے دلیل احناف کی یہ آیت کریمہ ولا تاکلوا مالم یذکر اسم اللہ علیہ میں نہی مطلق ہے جو حدیث پر دال ہے۔

وَالذبح بین الحلقِ واللبۃِ والعروقُ التی تقطع فی الزکاۃ اربعۃٌ الحلقوم والمریٔ والودجان فان قطعھا حل الاکل وان قطع اکثرھا فکذلک عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ وقالا لا بد من قطع الحلقوم والمریٔ واحد الودجین ویجوز الذبح باللیطۃِ والمروۃِ وبکل شیٔ انھر الدمَ الا السن القائم والظفر القائم ویستحب ان یحد الذابح شفرتہٗ ومن بلغ بالسکینِ النخاع وقطع الراس کرہ لہ ذلک وتوکل ذبیحتہ وان ذبح الشاۃ من قفاہ فان بقیت حیۃً حتی قطع العروق جاز ویکرہ وان ماتت قبل قطع ثم توکل وما استانس من الصیدِ فذکاتہٗ الذبح وما توحش من النعمِ فذکاتہٗ العقر والجرح والمستحبُ فی الابلِ النحرُ وان ذبحھا جاز ویکرہ والمستحبُ فی البقرۃِ والغنم الذبحُ فان نحرھما جاز ویکرہ ومن نحر ناقۃً اوذبح بقرۃً اوشاۃً فوجد فی بطنھا جنینًا میتًا لم یوکل اشعر اولم یشعر۔

ترجمہ ——— اور ذبح حلق اور سینہ کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہوتا ہے اور جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں حلقوم، اور مری اور دو شہ رگیں پس اگر ان کو کاٹ دیا تو کھانا حلال ہوگا اور اگر اکثر کاٹ دیں پس اسی طرح امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ ضروری ہے حلقوم اور مری اور ایک شہ رگ کا کٹنا اور کھپچی اور پتھر اور اس چیز سے ذبح کرنا جائز ہے جو خون جاری کر دے سوائے دانت اور ناخن کے جو لگے ہوئے ہوں اور مستحب ہے یہ کہ ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرے اور چھری حرام مغز تک پہونچادے یا،، سر جدا کر دے تو یہ مکروہ ہے اور اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا اور اگر بکری کو گدی

کی طرف سے ذبح کیا تو اگر وہ زندہ رہی اتنی دیر کہ اس نے رگیں کاٹ دیں تو جائز ہے اور مکروہ ہے اور اگر رگیں کٹنے سے پہلے مرگئی تو نہ کھائی جائے گی اور جو شکار مانوس ہو تو اس کی زکوٰۃ ذبح ہے اور جو چوپائے وحشی ہوں ان کی زکوٰۃ نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے اور اونٹ میں مستحب نحر ہے اور اگر ذبح کرے تو بھی جائز ہے اور گائے اور بکری میں ذبح کرنا مستحب ہے پس اگر ان کو نحر کیا تو یہ بھی جائز ہے اور مکروہ ہے اور جس نے اونٹنی یا گائے یا بکری ذبح کی اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہ کھایا جائے بال آئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔

تشریح:۔۔۔ قولہ والذبح بین الحلق:۔ ذبح کرنے کی جگہ حلق اور لبہ یعنی سینہ کے اوپر کی ہڈی کے درمیان کا حصہ ہے اور ذبح کرتے وقت جن رگوں کا کاٹنا ضروری ہے وہ چار ہیں (۱) حلقوم (۲) مری (۳) و (۴) ودجان حلقوم وہ رگ ہے جس سے سانس کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ مری وہ رگ ہے جو کھانے پینے کی راہ ہے اور ودجان یہ دونوں شہ رگیں ہیں جو چپ و راست میں واقع ہیں جن سے خون جاری ہوتا ہے۔ ذبح کیلئے ان رگوں کا تعین اس لئے کیا کہ شہ رگ کٹ جانے سے جسم کا خون نکل جاتا ہے اور حلقوم اور مری کٹ جانے سے جان جلد نکل جاتی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ حلقوم و مری کا کٹ جانا ہی کافی ہے دلیل احناف کی یہ حدیث ہے افر الاوداج بما شئت۔ اس میں اوداج جمع ہے جس کا اقل عدد تین ہے تو یہ مری اور ودجان تینوں کو شامل ہوا اور ان کا قطع حلقوم کے قطع کے بغیر دشوار ہے پس قطع حلقوم بھی اقتضاءً ثابت ہوا۔

قولہ فان قطعها:۔ یعنی اگر ان چاروں رگوں کو کاٹ دیا گیا تو اس جانور کا کھانا جائز ہے اور اگر ان میں سے اکثر یعنی تین کو کاٹ دیا گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ حلقوم اور مری اور ایک شہ رگ کا کاٹنا ضروری ہے دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے اور چاروں رگوں میں سے تین سے لا علی التعین خون بہایا جاتا ہے۔

قولہ یجوز الذبح:۔ یعنی دھاردار کھپچی اور پتھر سے اور ایسی ہر ان چیزوں سے جو خون جاری کردیں ذبح کرنا مستحب ہے سوائے اس دانت اور ناخن کے جو بدن میں لگے ہوئے ہوں کہ ان سے ذبح کیا ہوا مردار ہوتا ہے البتہ اگر اکھڑے ہوئے ہوں تو جائز ہے مگر مکروہ ہے وجہ کراہت کی یہ ہے کہ اس میں جانور کو تکلیف ہوتی ہے جس طرح کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

قولہ وما استانس:۔ جو جانور مانوس ہو جائے یعنی پلا ہوا ہو تو اس کی زکوٰۃ ذبح کرنا ہے اور جو اونٹ وحشی یعنی جنگلی ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ نیزے مارنا اور زخمی کرکے اسے مارنا ہے اصل اس بارے میں یہ ہے کہ زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں اختیاری اور اضطراری اور جب تک اختیاری زکوٰۃ کی قدرت ہو تو اضطراری جائز نہیں اور جب وہ نہ ہو سکے تو اضطراری جائز ہے اور اختیاری تو سینہ کے اوپر دونو جبڑوں کے درمیان ہوتی ہے یعنی ان کے درمیان سے گلا کاٹ دیا جائے۔ بے اضطراری نیزہ مارنا زخمی کرنا خون جاری کرنا ہے۔

قولہ والمستحب فی الابل:۔ یعنی اونٹ میں مستحب نحر کرنا ہے یعنی ان کے سینہ کو نیزہ سے چھید دینا اور

اگر اس کو ذبح کر دیا تو بھی جائز ہے لیکن مکروہ ہے یعنی یہ فعل مکروہ ہے اور گائے اور بکریوں میں مستحب ذبح کرنا ہے اور اگر کسی نے نحر کر لیا تو بھی جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ دلیل جائز ہونے کی یہ ہے کہ سرکار مدینہ نے فرمایا الدم بما شئت یعنی جس چیز سے چاہو خون نکال دو اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل سنت متواترہ کے خلاف ہے۔

ولا[۱] یجوز اکل کلِ ذی ناب من السباعِ ولا کل ذی مخلب من الطیورِ ولا باس باکل غراب الزرعِ ولا یوکل الا لبقع الذی یاکل الجیفَ ویکرہ[۲] اکلُ الضبعِ والضبِ والحشراتِ کلہا ولا یجوز[۳] اکل لحمِ الحمرِ الاھلیۃِ والبغالِ ویکرہ اکل لحم الفرسِ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی ولا باس باکل الارنبِ واذا[۴] ذبح مالا یوکل لحمہ طھر جلدہ ولحمہ الا الادمی والخنزیر فان الزکاۃ لا تعمل فیھما ولا[۵] یوکل من حیوان الماءِ الا السمکَ ویکرہ[۶] اکل الطافی منہ ولا باس باکلِ الجریثِ والمارماھی ویجوز اکلُ الجرادۃِ ولا زکاۃ لہا۔

ترجمہ ــــــ اور کچلیوں والے درندوں اور پنجوں والے پرندوں کو کھانا جائز نہیں اور کھیتی کے کوے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں اور ابقع کو نہ کھایا جائے جو مردار کھاتا ہے اور مکروہ ہے بجو اور گوہ اور تمام حشرات الارض کو کھانا اور گھریلو گدھے اور خچروں کو کھانا جائز نہیں اور گھوڑے کا گوشت کھانا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے اور خرگوش کھانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ جانور ذبح کر لیا جائے جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اسی کی کھال اور گوشت پاک ہو جائے گا سوائے آدمی اور سور کے کہ زکوۃ ان میں کوئی کام نہیں کرتی اور دریائی جانوروں کو نہ کھایا جائے سوائے مچھلی کے اور اس مچھلی کو کھانا مکروہ ہے جو پانی میں تیر جائے اور جریث اور بام مچھلی کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور ٹڈی کو کھانا جائز ہے اور اس میں ذبح کی بھی ضرورت نہیں۔

تشریح:ــــ قولہ[۱] ولا یجوز اکل:۔ یعنی کچلیوں والے درندے جو دانتوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں اور پنجہ گیر پرندے جو اپنے چنگل سے شکار کرتے ہیں ان کا کھانا جائز نہیں چنانچہ عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے سرکار مدینہ نے ان سے منع فرمایا ہے اور کھیتی کے کوے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ کوا اناج کھاتا ہے نجاست نہیں اور نہ یہ پرندہ شکاریوں میں سے ہے اور ابقع یعنی دیسی کوے کو کھانا جائز نہیں جو نجاست و مردہ کھاتا ہے کیوں کہ وہ حیوانات خبیثہ کے ساتھ لاحق ہے۔

قولہ[۲] یکرہ اکل لحم الضبع:۔ یعنی بجو کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حلال ہے چونکہ سیدنا جابر کی روایت میں اس کا حلال ہونا ثابت ہے۔ دلیل احناف کی سیدنا خزیمہ بن جزء کی روایت ہے کہ میں نے سرکار مدینہ سے بجو کے کھانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا کوئی بھلا آدمی بجو کھاتا ہے؟ اور اس لئے بھی کہ بجو دانت والا ہے اور دانت والا کی ممانعت حدیث میں وارد ہے اور اسی طرح گوہ اور کل حشرات الارض ہیں۔

احناف کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ نے اس کو جائز لکھا ہے چوں کہ عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ سرکار مدینہ کے دسترخوان میں گوہ کھائی گئی اگر وہ حرام ہوتی تو نہ کھائی جاتی۔ دلیل احناف کی حضرت ابو داؤد کی روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور عبداللہ بن عباس کی حدیث مذکور ابتدائے اسلام پر محمول ہے۔

قولہ۔ اکل لحم الحمر الاھلیۃ۔ یعنی پالتو گدھوں اور خچروں کا کھانا جائز نہیں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے جبکہ امام مالک نے پالتو گدھے کو حلال کہا ہے جیسا کہ غالب بن ابجر کی حدیث ہے۔ دلیل احناف کی سیدنا مولیٰ علی کا قول ہے کہ سرکار مدینہ نے خیبر کے دن متعہ اور پالتو گدھے کے کھانے سے منع فرمادیا۔ اسی طرح گھوڑے کا گوشت کھانا بھی امام ابو حنیفہ نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ صاحبین اور یہی قول امام شافعی کا ہے کہ وہ حلال ہے چونکہ روایت میں ہے کہ سرکار مدینہ نے خیبر کے دن گدھوں سے منع فرمایا اور گھوڑوں کی اجازت دی۔ دلیل احناف کی سیدنا خالد بن ولید کی حدیث ہے کہ سرکار مدینہ نے دو[illegible] منع فرمایا۔

قولہ۔ واذا ذبح مالا یوکل۔ یعنی اگر کسی نے ایسے جانور کو ذبح کرلیا ہو کہ جس کا گوشت کھایا نہیں جاتا تو اس کی کھال اور گوشت پاک ہوجاتے ہیں سوائے آدمی اور سور کو ذبح کرنا کہ وہ ان دونوں میں کچھ اثر نہیں کرتا۔ آدمی کی کھال کا ناپاک ہونا اس کی [illegible] شرافت کی وجہ سے ہے اور سور کی کھال کا ناپاک ہونا اس کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے کہ وہ پاک کرنے سے بھی ہرگز پاک نہیں ہوتا۔

قولہ۔ ولا یوکل من حیوان الماء۔ یعنی دریائی جانوروں میں سے سوائے مچھلی کے کسی دوسرے جانور کا کھانا درست نہیں یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالک کے نزدیک اور یہی قول امام شافعی کا ہے کہ دریائی جانور مطلقاً حلال ہے چونکہ رب تعالیٰ کے ارشاد احل لکم صید البحر اور حدیث پاک ہو الطہور ماؤہ والحل میتۃ میں مطلق مذکور ہے۔ دلیل احناف کی یہ آیت کریمہ ہے یحرم علیہم الخبائث اور مچھلی کے علاوہ دوسرے جانوروں کو طبیعت سلیمہ مکروہ جانتی اور گھناتی ہے اور آیت کریمہ پس وہ شکار کرنے پر اور حدیث مچھلی پر محمول ہے۔

قولہ۔ یکرہ اکل الطافی۔ یعنی جو مچھلی خود مر کے پانی پر تیرنے لگے اس کا کھانا بھی مکروہ تحریمی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے کہ وہ حلال ہے دلیل احناف کی سیدنا جابر کی روایت ہے سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ جس مچھلی کو دریا میں پھینک دے اس کو کھاؤ؟ اور جو اس میں مرجائے اور پانی کی سطح پر آجائے اس کو مت کھاؤ؟ البتہ جریث جو ایک قسم کی مچھلی ہے اور بام مچھلی کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ٹڈی کو کھانا جائز ہے۔ مچھلی اور ٹڈی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں چونکہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ ہمارے لئے دو مردے حلال ہوئے ایک مچھلی اور دوسرا ٹڈی اور دو خون حلال ہوئے ایک کلیجہ اور دوسری تلی۔

كتاب الاضحية

ترجمہ ؛ — **قربانی کا بیان**

اَلْاُضْحِيَةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ مُوْسِرٍ فِيْ يَوْمِ الْاَضْحٰى يَذْبَحُ عَنْ نَفْسِهٖ وَعَنْ وَلَدِهِ الصَّغِيْرِ يَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً اَوْ يَذْبَحُ بَدَنَةً اَوْ بَقَرَةً عَنْ سَبْعَةٍ وَلَيْسَ عَلَى الْفَقِيْرِ وَالْمُسَافِرِ اُضْحِيَةٌ وَوَقْتُ الْاُضْحِيَةِ يَدْخُلُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ لِاَهْلِ الْاَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْاِمَامُ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فَاَمَّا اَهْلُ السَّوَادِ فَيَذْبَحُوْنَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ

ترجمہ :—— قربانی ہر آزاد مسلم مقیم مالدار پر واجب ہے۔ قربانی کے دن ذبح کرے اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے ذبح کرے ہر آدمی کی طرف سے ایک بکری یا ذبح کرے اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔ فقیر اور مسافر پر قربانی نہیں۔ قربانی کا وقت قربانی کی فجر طلوع ہونے سے ہو جاتا ہے مگر شہر والوں کیلئے ذبح کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ امام عید کی نماز پڑھ لے لیکن گاؤں والا تو وہ طلوع فجر کے بعد ہی ذبح کر سکتا ہے۔

تشریح :—— قولہ[1]۔ کتاب الاضحیۃ ؛۔ اضحیہ لغت میں بکری یا اسکی مثل جانور کے ذبح کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اور اصطلاح میں اس مخصوص جانور کے ذبح کرنے کو کہا جاتا ہے جو بہ نیت قرب وقت خاص کیا جاتا ہے۔

قولہ[2]۔ الاضحیۃ واجبۃ ؛۔ یعنی قربانی ہر ایسے آدمی پر واجب ہے جو آزاد ہو غلام نہ ہو اور مسلمان ہو کافر نہ ہو اور مقیم ہو مسافر نہ ہو اور مالدار ہو غریب نہ ہو۔ قربانی واجب ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ وہ سنت مؤکدہ ہے یہی قول امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا ہے چنانچہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے نفل ہیں (۱) وتر (۲) اور قربانی (۳) اور قربانی کی نماز۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی سرکار مدینہ کا قول ہے کہ جو شخص کشائش پائے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ اس طرح کی وعید ظاہر ہے ترک واجب پر ہی ہوتی ہے

قولہ[3]۔ یذبح عن کل واحد ؛۔ یعنی ہر آدمی کیطرف سے ایک بکری ذبح کی جائے یا سات آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ یا ایک گائے یا بھینس۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالک کا قول ہے کہ گائے اور اونٹ ایک گھرانے کی طرف سے ہو سکتے ہیں اگرچہ اس کے افراد سات سے زائد ہوں چونکہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور فطرہ ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ قیاس کے طور پر اونٹ اور گائے بھی ایک ہی کی طرف سے ہونی چاہیئے اسلئے کہ خون بہانا قربت واحدہ ہے جس میں تجزی نہیں ہوتی مگر چونکہ یہ حدیث جابر سے مروی ہے کہ ہم نے سرکار مدینہ کے ساتھ گائے اور اونٹ کی قربانی سات سات آدمیوں کی طرف سے کی اس وجہ سے نص قیاس ترک کر دیا گیا اور بھیڑ و بکری میں کوئی نص موجود نہیں اسلئے یہ اصل قیاس پر باقی ہے۔

وَهِيَ جَائِزَةٌ فِيْ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهٗ وَلَا يُضَحّٰى بِالْعَمْيَاءِ وَالْعَوْرَاءِ وَالْعَرْجَاءِ الَّتِيْ لَا تَمْشِيْ اِلَى الْمَنْسَكِ وَلَا الْعَجْفَاءِ وَلَا تُجْزِئُ مَقْطُوْعَةُ الْاُذُنِ وَالذَّنَبِ وَلَا الَّتِيْ ذَهَبَ اَكْثَرُ اُذُنِهَا اَوْ ذَنَبِهَا وَاِنْ بَقِيَ الْاَكْثَرُ مِنَ الْاُذُنِ

والمذنبِ جائز و یجوزان یضحی بالجماءِ والخصی والجرباءِ والثولاءِ والاضحیۃ من الابلِ والبقرِ والغنمِ و یجزی من ذلک کلہ الثنی فصاعداً الا الضان فان الجذع منہ یجزی ویاکل من لحم الاضحیۃ و یطعم الاغنیاءَ والفقراءَ و یدخر و یستحب لہ ان لا ینقص الصدقۃ من الثلث و یتصدق بجلدھا او یعمل منہ آلۃ تستعمل بالبیتِ والافضل ان یذبح اضحیتہ بیدہٖ ان کان یحسن الذبح و یکرہ ان یذبحہا الکتابی واذا غلط رجلانِ فذبح کل واحدٍ منہما اضحیۃ الآخرِ اجزاء عنہما ولاضمان علیہما

ترجمہ:۔ اور قربانی تین دنوں میں جائز ہے ایک دن یوم نحر اور دو دن اس کے بعد اور قربانی نہ کی جائے اندھے کی اور نہ کانا کی اور نہ ایسے لنگڑا کی جو مذبح تک نہ جاسکے اور نہ دبلا کی اور کان کٹا جائز نہیں اور نہ وہ جس کی اکثر کان یا دم کٹی ہو اور اگر اکثر کان یا دم باقی ہو تو جائز ہے اور جائز ہے بے سینگ والا کی قربانی کی جائے اور خصی کی اور خارشتی کی اور دیوانے کا اور قربانی اونٹ اور گائے اور بکری کی ہوتی ہے اور ان سب سے ثنی کافی ہے یا اس سے بڑا سوائے بھیڑ کے کہ اس سے جذع بھی کافی ہے اور قربانی کا گوشت مالداروں اور فقیروں کو کھلائے اور رکھ بھی چھوڑے اور مستحب ہے کہ تہائی سے کم صدقہ نہ کرے اور اسکی کھال کو صدقہ کردے یا اس کی کوئی چیز بنائے جو گھر میں استعمال کی جائے اور افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرے اگر اچھی طرح ذبح کرسکتا ہو اور مکروہ ہے یہ کہ قربانی کو کوئی کتابی ذبح کرے اور اگر دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کو غلطی سے ذبح کی تو دونوں کی طرف سے کافی ہوگی اور نہ ان پر ضمان ہوگا۔

تشریح:۔ قولہ[۱] وھی جائزۃ:۔ یعنی قربانی تین دن جائز ہے ایک بقرعید کے دن اور دو دن اس کے بعد یعنی دسویں۔ بارہویں تیرہویں ذوالحجہ اسی طرح ایام تشریق بھی تین ہیں۔ گیارہویں۔ بارہویں۔ تیرہویں پس دسویں تاریخ یوم نحر ہے۔ یوم تشریق نہیں اور تیرہویں تاریخ اس کا برعکس یوم تشریق ہے یوم نحر نہیں۔ اور گیارہویں اور بارہویں ایام نحر بھی ہیں اور ایام تشریق بھی پس بارہویں کے غروب آفتاب سے قبل تک قربانی کی جاسکتی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی تیرہویں تاریخ میں بھی قربانی جائز قرار دیتے ہیں۔ چونکہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ ایام تشریق کل کے کل ایام نحر ہیں۔ دلیل احناف کی سیدنا مولیٰ علی اور عبداللہ بن عمر کا قول ہے کہ اضحیٰ یومان بعد یوم الاضحیٰ یعنی قربانی دو دن ہیں عیدالاضحیٰ کے دن کے بعد۔

قولہ[۲] یجوزان یضحی:۔ یعنی بے سینگوں اور خصی اور خارشتی اور دیوانے جانوروں کی قربانی جائز ہے اور قربانی اونٹ گائے، بکری تین کی ہوتی ہے اور ان میں سے ثنی یا اس سے زیادہ عمر کی جائز ہے۔ ثنی بھیڑ بکریوں میں ایک برس والے کو اور گائے اور بیلوں میں سے دو برس ہونے کو اور اونٹوں میں پانچ برس والے کو کہا جاتا ہے چونکہ سرکار کا قول ہے لا تذبحوا الا مسنۃ البتہ بھیڑ، بکریوں میں اس کا جذع یعنی چھ ماہ کا بچہ بھی کافی ہو جاتا ہے بشرطیکہ فربہ اور قدآور ہو کہ اگر سال بھر والوں میں چھوڑ دیا جائے تو تمیز نہ ہوسکے ارشاد گرامی ہے یجوز الجذع من الضان اضحیۃ۔

قولہ[۳] و یستحب لہ ان لا ینقص:۔ یعنی مستحب یہ ہے کہ ایک تہائی سے کم صدقہ نہ کرے یعنی ایک تہائی فقرا

کردے اور اس کی کھال بھی خدا کی راہ میں دیدے یا اپنے گھر میں استعمال کرنے کیلئے اس کی کوئی چیز بنوا لے اور اگر کوئی اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو تو افضل یہ ہے کہ وہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرے اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاری سے ذبح کرنا مکروہ ہے اور اگر دو آدمیوں سے غلطی ہو گئی اور ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کا جانور ذبح کر دیا تو دونوں کی قربانی جائز ہو جائے گی اور ان پر تاوان نہ آوے گا۔

كتاب الايمان

ترجمہ: قسموں کا بیان

الايمان على ثلاثة اضرب يمين غموس ويمين منعقدة ويمين لغو فيمين الغموس هي الحلف على امر ماض يتعمد الكذب فهذه اليمين ياثم بها صاحبها ولا كفارة فيها الا التوبة والاستغفار واليمين المنعقدة هي ان يحلف على الامر المستقبل ان يفعله او لا يفعله فاذا حنث في ذلك لزمته الكفارة ويمين اللغو هو ان يحلف على امر ماض وهو ان يظن كما قال والامر بخلافه فهذه اليمين نرجو ان لا يؤاخذ الله تعالى بها صاحبها والقاصد في اليمين والمكره والناسي سواء ومن فعل المحلوف عليه مكرها او ناسيا فهو سواء واليمين بالله تعالى او باسم من اسمائه كالرحمن والرحيم او بصفة من صفات ذاته كعزة الله وجلاله وكبريائه الا قوله وعلم الله فانه لا يكون يمينا وان حلف بصفة من صفات الفعل كغضب الله وسخط الله لم يكن حالفا ومن حلف بغير الله عز وجل لم يكن حالفا كالنبي عليه السلام والقرآن والكعبة

ترجمہ ـــــ قسمیں تین طرح پر ہیں یمین غموس۔ یمین منعقدہ۔ یمین لغو۔ پس یمین غموس وہ قسم کھانا ہے گذشتہ بات پر جھوٹ بولتے ہوئے پس اس قسم میں صاحب قسم گناہگار ہوتا ہے اور اس میں کفارہ نہیں سوائے استغفار کے اور یمین منعقدہ آئندہ امر پر قسم کھانا ہے اس کے کرنے یا نہ کرنے کی پس جب اسمیں حانث ہو جائے تو کفارہ لازم ہوگا اور یمین لغو یہ ہے امر ماضی پر قسم کھائے یہ گمان کرتے ہوئے کہ جیسے میں نے کہا ہے ویسے ہی ہے اور ہو اس کے خلاف پس اس قسم میں ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب قسم سے مواخذہ نہیں کرے گا اور قسم میں جان کر یا بھول کر یا زبردستی کھانے والا سب برابر ہیں اور جس نے فعل محلوف علیہ جان کر یا بھول کر یا کسی کی زبردستی سے کر لیا تو وہ بھی برابر ہے اور قسم اللہ کی یا اسکے کسی نام کی ہوتی ہے جیسے رحمٰن اور رحیم یا اسکی کسی ذاتی صفت کے ساتھ ہوتی ہے جیسے اس کا قول وعزۃ اللہ وجلالہ وکبریائہ سوائے اس قول کے وعلم اللہ کہ یہ قسم نہیں ہوتی اور اگر کسی نے کسی فعلی صفت کے ساتھ قسم کھائی غضب اللہ وسخط اللہ تو قسم کھانے والا نہ ہوگا اور جس نے غیر اللہ کی

قسم کھائی تو حالف نہ ہوگا جیسے نبی کریم علیہ السلام اور قرآن وکعبہ۔

تشریح:— قولہ[۱]۔ کتاب الایمان، ایمان جمع ہے یمین کی اور وہ لغت میں اگرچہ ہاتھ۔ قوت قسم کیلئے آتا ہے لیکن اصطلاح میں خبر کی دو قسموں یعنی صدق وکذب میں سے ایک کو مقسم بہ یعنی خدا کے نام یا اس کی صفات کو ذکر کر کے معقود کرنے کو کہا جاتا ہے۔

قولہ[۲]۔ الایمان علی ثلاثۃ اضرب:۔ یعنی قسمیں تین طرح پر ہیں (۱) یمین غموس (۲) یمین منعقدہ (۳) یمین لغو یمین غموس گذشتہ امر پر قسم کھانے کو کہا جاتا ہے جسمیں قصداً جھوٹ بولتا ہو مثلاً زید جانتا ہے کہ فلاں شخص نہیں آیا اور پھر قسم کھا کے کہے واللہ فلاں شخص آیا تھا اس قسم کا کھانے والا اس سے گنہگار ہوتا ہے اس سے اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہوگئی کہ غمس کا معنی چوں کہ ڈوبنے کے ہیں اور اس قسم کا کھانے والا گناہ میں ڈوبتا ہے اس لئے اس کو یمین غموس کہا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں بلکہ توبہ و استغفار لازم ہے یہی قول امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا ہے جبکہ امام شافعی اس میں کفارہ کے قائل ہیں کیونکہ وہ بما کسبت قلوبکم میں داخل ہے۔ دلیل احناف کی رب تعالیٰ کا قول ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ ہے کفارہ یمین منعقدہ پر مرتب ہے اور یمین منعقدہ یمین غموس کا غیر ہے لہٰذا اس میں کفارہ نہیں۔

قولہ[۳]۔ والیمین المنعقدۃ:۔ یعنی یمین منعقدہ وہ ہے کہ کسی آئندہ امر پر قسم کھائے کہ اس کو کروں گا یا کہے کہ نہ کروں گا پس جب وہ اس میں حانث ہوگیا یعنی جس کام کے کرنے کو کہا تھا اس کو نہ کیا یا جس کو نہ کرنے کو کہا تھا اس کو کر لیا تو اس پر قسم کے کفارہ لازم ہو جائے گا قال اللہ تعالیٰ ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ الخ۔

قولہ[۴]۔ یمین اللغو:۔ یعنی یمین لغو یہ ہے کہ گذشتہ امر پر قسم کھائے اور اس کا یہ گمان ہو کہ جس طرح میں نے کہا ہے یہ اسی طرح ہے حالانکہ وہ اس کے خلاف ہے۔ مثلاً زید کا یہ کہنا کہ خدا کی قسم پرسوں بارش ہوئی تھی جبکہ اس دن بارش نہیں نہیں ہوئی تھی پس یمین لغو و غموس میں فرق کذب کے عمد و لغو کا ہے یمین میں کذب عمداً ہوتا ہے اور لغو میں لغواً اس وجہ سے امید ہے اس قسم میں اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

قولہ[۵]۔ والیمین باللہ تعالیٰ:۔ یعنی قسم اللہ تعالیٰ کی کھائی جاتی ہے یا اس کے ناموں سے کسی نام کے ساتھ مثلاً رحمٰن یا رحیم کے ساتھ یا اس کے ذاتی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ مثلاً وعزۃ اللہ۔ جلال اللہ کبریائہ لیکن اگر علم اللہ کہے تو قسم نہ ہوگی اسی طرح اگر صفات فعلیہ میں سے کسی صفت کے ساتھ قسم کھائے مثلاً غضب اللہ یا سخط اللہ کہے تو یہ قسم نہ کہلائے گا۔

والحلف[۱] بحروف القسم وحروف القسم ثلاثۃ الواو کقولہ واللہ والباء کقولہ باللہ والتاء کقولہ تاللہ وقد تضمر[۲] الحروف فیکون حالفا کقولہ اللہ لا افعل کذا وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ اذا قال

وحق الله فليس بحالف واذا قال اقسم او اقسم بالله او احلف او احلف بالله او اشهد او اشهد بالله فهو حالف وكذلك قوله وعهد الله وميثاقه وعلي نذر او نذر الله فهو يمين وان قال ان فعلت كذا فانا يهودي او نصراني او مجوسي او مشرك او كافر كان يمينا وان قال فعلي غضب الله او سخطه فليس بحالف وكذلك ان قال ان فعلت كذا فانا زان او شارب خمر او اكل ربوا فليس بحالف ۔

ترجمہ: ـــــ اور قسم حروف قسم سے ہوتی ہے اور حروف قسم واؤ ہے جیسے واللہ اور با ہے جیسے باللہ اور تا ہے جیسے تاللہ اور کبھی وہ حروف مضمر بھی ہوتے ہیں پس اس میں بھی حالف ہو جائے گا اور جب کہے میں قسم مزید ایسا کروں گا اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ جب وحق اللہ کہے تو حالف نہ ہوگا اور جب کہے میں قسم کھاتا ہوں یا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں یا گواہ کرتا ہوں یا اللہ کو گواہ کرتا ہوں تو وہ حالف ہے اور اس طرح یہ کہنا وعہد اللہ ومیثاقہ وعلی نذر یا نذر اللہ علی تو وہ بھی قسم ہے اور اگر کسی نے کہا کہ اگر ایسا کروں تو میں یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک یا کافر ہوں تو وہ قسم ہوگی اور اگر کہا مجھ پر اللہ کا غضب یا اس کا غصہ ہے تو حالف نہیں اور اسی طرح اگر کہا کہ اگر ایسا کروں تو میں زنا کار یا شراب نوش یا سود خوار ہوں تو حالف نہیں۔

تشریح: ـــ قولہ والحلف بحروف القسم ۔ یعنی قسم واقع ہوتی ہے حروف قسم سے اور حروف قسم تین ہیں۔
(۱) واؤ مثلاً کوئی کہے واللہ (۲) اور با قسم مثلاً کوئی کہے باللہ (۳) تا قسم مثلاً کوئی کہے تاللہ لا افعل کذا یعنی خدا کی قسم میں ایسا ضرور کروں گا

قولہ۔ قد تضمر الحروف۔ یعنی کبھی حروف قسم پوشیدہ ہوتے ہیں اور اس مضمر کے کہنے سے بھی قسم واقع ہوتی ہے مثلاً کوئی کہے اللہ لا افعل کذا یعنی خدا کی قسم میں ایسا کروں گا اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اگر کسی نے وحق اللہ کہا تو قسم نہ ہوگی یہی قول امام محمد کا ہے اور ایک روایت میں امام ابو یوسف سے بھی یہی ہے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ قسم ہو جائیگی۔ امام عینی کا خیال ہے کہ مجھے امام ابو یوسف کا قول پسند ہے لیکن محیط سے منقول ہے کہ صحیح یہ پہلا ہی قول ہے۔

قولہ۔ وان قال ان فعلت ۔ یعنی اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا مجوسی ہوں یا مشرک ہوں کافر ہوں تو اس سے بھی قسم واقع ہو جائے گی پس اسی سے کفارہ لازم آئے گا۔ اگر مستقبل میں حانث ہو

وكفارة اليمين عتق رقبة يجزئ فيها ما يجزئ في الظهار وان شاء كسا عشرة مساكين كل واحد ثوبا فما زاد وادناه ما يجوز فيه الصلوة وان شاء اطعم عشرة مساكين كالاطعام في كفارة الظهار فان لم يقدر على احد هذه الاشياء الثلاثة صام ثلاثة ايام متتابعات فان قدم الكفارة على الحنث لم يجزه ومن حلف على معصية مثل ان لا يصلي او لا يكلم اباه او ليقتلن فلانا فينبغي ان يحنث نفسه ويكفر

عن یمینہ واذا حلف الکافر ثم حنث فی حالِ الکفر او بعد اسلامہ فلا حنث علیہ۔

ترجمہ ــــــ اور قسم کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے جس میں وہی کافی ہے اور اگر چاہے اس مسکین کو کپڑا پہنا دے ہر ایک کو ایک کپڑا دے یا اس سے زائد اور ادنیٰ وہ ہے جس میں نماز ہو جائے اور اگر چاہے دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے جس طرح کفارۂ ظہار میں کھلانا ہوتا ہے پس اگر ان تین چیزوں میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو تو لگاتار تین روزے رکھے پس اگر کفارہ حانث ہونے پر مقدم کر دیا تو کافی نہ ہوگا اور جس نے گناہ پر قسم کھایا مثلاً یوں کہا کہ نماز نہ پڑھوں گا یا اپنے باپ سے کلام نہ کروں گا یا فلاں کو ضرور قتل کروں گا چاہیئے کہ خود ہی حانث ہو جائے اور قسم کا کفارہ دیدے اور اگر کسی کافر نے قسم کھایا پھر کفر ہی کی حالت میں حانث ہو گیا یا اسلام لانے کے بعد تو اس پر کفارہ نہیں۔

تشریح:ــــ قولہ[۱] وکفارۃ الیمین:- یعنی قسم کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے اس کفارہ میں وہ کافی ہے جو ظہار کے کفارہ میں کافی ہوتا ہے یعنی اس کفارہ میں مسلمان باندی اور کافر باندی اور تھوڑی عمر کی اور زیادہ عمر کی آزاد کر دینی کافی ہو جاتی ہے جس طرح ظہار کے کفارہ میں کافی ہے اور اگر چاہے دس مسکینوں کو کپڑا بنا کر پہنا دے۔ ہر مسکین کو یا ایک سے زائد کپڑا دے اور کپڑا میں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ یعنی اتنا ضروری ہے کہ اس سے نماز جائز ہو جائے اور اگر چاہے دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے جس طرح ظہار کے کفارہ میں کھلایا جاتا ہے۔ اس کا حکم اس آیت سے ثابت ہے فکفارتہ طعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اہلیکم او کسوتہم او تحریر رقبۃ یعنی اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجہ کا کھانا جو اپنے گھر والے کو دیتے ہوں یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دینا یا ایک غلام کو آزاد کر دینا

قولہ[۲] فان قدم الکفارۃ:- یعنی اگر کسی نے حانث ہونے سے پہلے ہی کفارہ ادا کر دیا تو وہ احناف کے نزدیک کافی نہ ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک مال کا کفارہ حانث ہونے سے پہلے جائز ہے اس لئے کہ سرکار مدینہ کے قول فلیکفر عن یمینک ثم ایت الذی ہو خیر سے معلوم ہوتا ہے پہلے کفارہ دے پھر قسم توڑے اس لئے کہ لفظ ثم تعقیب کیلئے ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ کفارۂ یمین سے متعلق جو حدیثیں مروی ہیں وہ کل اس پر دال ہیں کہ پہلے قسم توڑ دے پھر کفارہ ادا کرے اور اسلئے بھی کہ کفارہ مشروع ہوا اسلئے کہ گناہ اس سے چھپایا جائے اور ظاہر ہے حانث ہونے سے پہلے کوئی گناہ نہیں۔

قولہ[۳] من حلف علی معصیۃ:- یعنی اگر کسی نے معصیت پر حلف اٹھالیا مثلاً یوں کہا کہ میں نماز نہ پڑھوں گا یا اس سے بات نہ کروں گا یا والدین کے ساتھ گستاخی کروں گا یا فلاں آدمی کو قتل کراؤں گا چاہیئے کہ وہ خود ہی حانث ہو جائے یعنی قسم کو توڑ دے اور اپنی قسم کا کفارہ دے چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف میں بہتری ہو تو قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔

ومن[۱] حرم علی نفسہ شیئاً مما یملکہ لم یصر محرماً وعلیہ ان استباحہ کفارۃ یمین فان قال کل حلال علیَّ

حرامٌ فهو على الطعامِ والشرابِ الا ان ينوى غيرَ ذلك ومن نذر نذراً مطلقاً فعليه الوفاءُ وان علق نذراً بشرطٍ فوجد الشرطُ فعليه الوفاءُ بنفس النذرِ وروى ان ابا حنيفة رحمه الله رجع عن ذلك وقال[۲] اذا قال ان فعلت كذا فعلىَّ حجةٌ او صومُ سنةٍ او صدقةُ ما املكهُ اجزاءه من ذلك كفارةُ يمينٍ وهو قولُ محمدٍ رحمه الله

ترجمہ: ـــــــ اور جس نے اپنی مملوکہ چیز کو خود پر حرام کی تو وہ حرام نہ ہوگی پھر اگر اُسے مباح سمجھے تو قسم کا کفارہ ہوگا پس اگر کہا ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ کھانے پینے کی چیزوں پر محمول ہوگا مگر یہ کہ وہ کسی اور چیز کی نیت کرے اور جس کسی نے کوئی مطلق نذر مان لی تو اس پر اس کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر نذر کو کسی شرط پر معلق کیا اور شرط پائی گئی تو اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہے اور مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس سے رجوع کیا اور فرمایا کہ جب یوں کہے کہ اگر میں نے ایسا کر دیا تو مجھ پر حج یا ایک برس کے روزے یا اپنی مملوکہ کا صدقہ کرنا ہے تو اس میں کافی ہوگا قسم کا کفارہ اور یہی قول امام محمد کا ہے۔

تشریح: ـــ قولہ[۱] ومن حرم علی نفسہ: ـ یعنی اگر کسی نے اپنی مملوکہ چیز کو اپنے اوپر حرام کرلی تو وہ حرام نہ ہوگی پھر اگر وہ اُسے مباح سمجھے یعنی مباح چیز کی طرح اُسے اپنے کام میں لائے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے اور اگر کسی نے کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم کھانے پینے کی چیزوں پر ہوگی یعنی کھانے پینے کی چیزیں اس پر حرام ہو جائیں گی البتہ اگر وہ یہ کہتے وقت کسی دوسری چیز کی بھی نیت کرلی تو وہ بھی اس میں آجائیں گی اور اگر کسی نے کوئی مطلق نذر مان لی تو اس پر اس کا پورا کرنا واجب ہے اور اگر کسی نے نذر کو کسی شرط پر معلق کر دیا پھر وہ شرط پوری ہوگئی تو اب اس پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

قولہ[۲] قال اذا قال: ـ یعنی اگر کسی نے یوں کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو میرے اوپر ایک حج ہے یا ایک برس کے روزے ہیں یا جس چیز کا مالک ہوں وہ سب صدقہ ہے تو اس میں ایک قسم کا کفارہ کافی ہو جائے گا اور یہی قول امام محمد کا ہے۔

ومن[۱] حلف لا يدخل بيتاً فدخل الكعبةَ او المسجدَ او البيعةَ او الكنيسةَ لم يحنث ومن[۲] حلف ان لا يتكلم فقرءَ القرآنَ فى الصلوٰةِ لم يحنث ومن حلف لا يلبس هذا الثوبَ وهو لابسهُ فنزعهُ فى الحالِ لم يحنث وكذلك اذا حلف لا يركب هذه الدابة وهو راكبها فنزل فى الحالِ لم يحنث وان لبث ساعةً حنث ومن حلف لا يدخل هذه الدارَ وهو فيها لم يحنث بالقعودِ حتى يخرج ثم يدخل

ترجمہ ـــــــ اور جس نے قسم کھایا کہ گھر میں داخل نہ ہوگا اور وہ کعبہ یا مسجد یا کلیسا یا گرجا میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اور جس کسی نے قسم کھایا کہ کلام نہ کرے گا پھر اس نے نماز میں قرآن پڑھا تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھایا کہ کپڑا نہ پہنوں گا اور اس کو پہنے ہوئے تھا پس اس کو اسی وقت نکال دیا تو حانث نہ ہوگا اور اس طرح قسم کھایا کہ اس جانور پر سوار نہ ہوگا اور اس پر سوار تھا پس وہ اسی وقت اُتر گیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر کچھ دیر بعد گیا تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھایا کہ اس گھر میں

داخل نہ ہوگا اور وہ اسی میں تھا تو وہ حانث نہ ہوگا بیٹھنے سے یہاں تک کہ نکل کر پھر داخل ہو۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] ومن حلف لا یدخل ۔ یعنی کسی نے اگر قسم کھائی کہ میں گھر میں داخل نہ ہوں گا پھر وہ خانۂ کعبہ یا مسجد یا گرجا یا یہودی کے عبادت خانہ میں داخل ہوگیا تو وہ احناف کے نزدیک حانث نہ ہوگا، وجہ اس کی اس اصول پر موقوف ہے کہ یمین کا مدار احناف کے نزدیک عرف پر ہے بشرطیکہ حالف نے محتمل لفظ کی نیت نہ کی ہو جبکہ امام شافعی کے نزدیک یمین کا مدار حقیقت لغویہ پر ہے اور امام مالک کے نزدیک استعمال قرآنی پر اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک نیت پر ہے پس مسئلہ مذکورہ میں بیت عرف میں چونکہ اس کو کہا جاتا ہے جو شب باشی کیلئے موضوع ہو اور خانۂ کعبہ اور گرجا وغیرہ شب باشی کیلئے نہیں بلکہ عبادت کیلئے موضوع ہے اس لئے اس سے اجازت نہ ہوگا اسی طرح اگر کوئی شخص یوں کہے واللہ لا (هدم بیتًا) تو امام شافعی کے نزدیک مکڑی کا جالا توڑنے سے حانث ہو جائے گا چونکہ لغت میں مکڑی کے جالے کو بھی بیت کہا جاتا ہے۔

قولہ[۲] من حلف لا یتکلم: یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں بات نہ کروں گا پھر اس نے نماز میں قرآن پڑھا تو وہ حانث نہ ہوگا کیونکہ نماز میں قرآن کا پڑھنا بات کرنا نہیں اور سرکار مدینہ کا ارشاد بھی ہے ان هذه صلاتنا لا یصلح فیها شیءٌ من کلام الناس وانما هی التسبیح والتهلیل وقراءة القرآن یعنی اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اس کپڑے کو نہ پہنوں گا حالانکہ وہ اس کو پہنے ہوئے تھا اور پھر اسی وقت وہ اس کو اتار ڈالا تو وہ حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی نے یہ قسم کھایا کہ میں اس جانور پر سوار نہ ہوں گا حالانکہ وہ اس وقت اس پر سوار تھا اور فورًا اتر گیا تو وہ حانث نہ ہوگا۔ اور اگر کچھ دیر کرے گا تو حانث ہو جائے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جن افعال میں امتداد پایا جاتا ہے ان کے اندر دوام فعل کا حکم بھی وہی ہے جو امتداد فعل کا ہے جیسے رکوب ولبس وغیرہ میں امتداد ہے اور دخول وخروج وغیرہ میں امتداد نہیں لہذا ان میں دوام کا حکم ابتداء فعل کا حکم نہیں۔

ومن[۱] حلف لا یدخل دارًا فدخل دارًا خرابًا لم یحنث ومن حلف لا یدخل هذه الدار فدخلها بعد ما انهدمت وصارت صحراء حنث ومن حلف لا یدخل هذا البیت فدخل بعد ما انهدم لم یحنث ومن[۲] حلف ان لا یتکلم زوجةَ فلانٍ فطلّقها فلانٌ ثم کلّمها حنث ومن حلف ان لا یکلم عبدَ فلانٍ اولا یدخل دارَ فلانٍ فباع فلانٌ عبدَہٗ او دارہٗ ثم کلم العبدَ او دخل الدارَ لم یحنث وان حلف ان لا یکلم صاحبَ هذا الطیلسانِ فباعہٗ ثم کلّمہٗ حنث وکذلک اذا حلف ان لا یتکلم هذا الشابَّ فکلّمہٗ بعد ما صار شیخًا حنث

ترجمہ ــــــ اور جس نے قسم کھایا کہ گھر میں داخل نہ ہوگا اور وہ ویرانے میں داخل ہوگیا تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھایا کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس میں داخل ہوا اس کے منہدم ہونے اور جنگل ہونے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھایا کہ فلاں کی بیوی سے بات نہ کروں گا پس فلاں نے اس کو طلاق دیدی پھر اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھایا کہ فلاں غلام سے بات نہ کروں گا یا فلاں کے گھر میں داخل نہ ہوں گا فلاں نے اپنا غلام یا مکان بیچ دیا پھر اس نے غلام سے بات کی یا گھر میں

داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اور حسین نے قسم کھایا کہ اس چادر والے سے بات نہ کروں گا اس نے چادر بیچ دی پھر اس نے بات کی تو حانث ہو جائے گا اور اسی طرح جب قسم کھایا کہ بات نہ کروں گا اس جوان سے پھر بات کی اس سے اس کے بوڑھا ہو جانے کے بعد تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح:۔۔۔ قولہ [۱] **من حلف لا یدخل داراً** :۔ یعنی اگر کسی نے اس طرح قسم کھائی کہ میں گھر میں نہ جاؤں گا اور کسی گھر کو معین نہیں کیا اور نہ کسی گھر کی نیت کی اور وہ کسی کے ٹوٹے ہوئے گھر میں چلا گیا تو وہ حانث نہ ہوگا کیونکہ جب اس نے گھر کا تعین نہیں کیا تو اس قسم میں وہ گھر معتبر سمجھا جائے گا جو عادۃً رہنے سہنے کے قابل ہو کیونکہ قسم عادت پر محمول ہوتی ہے اور اگر کسی نے یہ کہا کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا تو ویران و منہدم ہو جانے کے بعد داخل ہونے سے بھی حانث ہو جائے گا اس لئے کہ دار میدان کا نام ہے اور اس میں عمارت کا ہونا وصف ہے اور وصف کا اعتبار غیر معین میں ہوتا ہے پس پہلی صورت میں دار چونکہ نکرہ غیر معین ہے اسلئے عمارت معتبر ہوگی اور ویران گھر میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا اور دوسری صورت میں دار اشارہ کی وجہ سے معین ہے اس میں وصف غیر معتبر ہوا لہذا ویران گھر میں داخل ہونے سے بھی حانث ہو جائیگا اور اگر کسی نے کہا کہ اس بیت میں داخل نہ ہوگا تو اس کے منہدم ہو جانے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اسلئے کہ اب وہ بیت نہیں رہا کیونکہ بیت وہ ہے جس میں شب باشی ہو اور منہدم ہو جانے کے بعد اس میں شب باشی نہیں ہوتی۔

قولہ [۲] **۔ من حلف ان لا یتکلم زوجۃ** :۔ یعنی کسی نے اگر یہ قسم کھائی کہ میں فلاں آدمی کی بیوی سے بات کروں گا پھر اس فلاں نے اس عورت کو طلاق دی اس کے بعد اس نے اس سے بات کی تو حانث ہو جاوے گا جبکہ عورت کی طرف اشارہ کرکے معین کر دی ہو اور اگر کسی نے یوں قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کے غلام سے بات نہ کروں گا یا فلاں شخص کے گھر میں نہ جاؤں گا اور پھر اس فلاں نے اپنا غلام یا اپنا گھر بیچ ڈالا بعد اس کے اس غلام سے اس نے بات کی یا اس گھر میں گیا تو وہ حانث نہ ہوگا۔ شیخین کے نزدیک لیکن امام محمد نے فرمایا کہ حانث ہو جائے گا۔

---

[۱] وان حلف ان لا یاکل لحم ھذا الحمل فصار کبشاً فاکلہ حنث وان حلف ان لا یاکل من ھذہ النخلۃ فھو علی ثمرھا ومن حلف ان لا یاکل من ھذا البسر فصار رطباً فاکلہ لم یحنث وان حلف لا یاکل بسراً فاکل رطباً لم یحنث وان حلف ان لا یاکل رطباً فاکل بسراً مذنباً حنث عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ و [۲] من حلف ان لا یاکل لحماً فاکل لحم السمک لم یحنث ولو حلف ان لا یشرب من دجلۃ فشرب منھا باناء لم یحنث حتی یکرع منھا کرعاً عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ و [۳] من حلف ان لا یشرب من ماء دجلۃ فشرب منھا باناء حنث و [۴] من حلف ان لا یاکل من ھذہ الحنطۃ فاکل من خبزھا لم یحنث ولو حلف ان لا یاکل من ھذا الدقیق

فاكل من خبزه حنث ولو استفه كما هولم يحنث

ترجمہ ــــ اور اگر قسم کھایا کہ اس حمل کا گوشت نہیں کھائے گا پس وہ مینڈھا ہو گیا اور اس کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا اور اگر قسم کھایا کہ اس کھجور سے نہ کھاؤں گا تو قسم اس کے پھل پر ہو گی اور جس نے قسم کھایا کہ پختہ کھجور نہ کھائے گا پس وہ پک گیا اور اس نے اس کو کھالی تو حانث نہ ہو گا اور اگر قسم کھایا کہ پختہ کھجور نہ کھائے گا پھر وہ کھجور کھایا جو دم کی طرف سے پک گئی تھی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھایا کہ گوشت نہ کھائے گا پھر مچھلی کھالی تو حانث نہ ہو گا اور اگر قسم کھایا کہ دجلہ نہر سے نہ پئے گا پھر اس سے برتن میں لیکر پیا تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھایا کہ یہ گیہوں نہ کھائے گا اور اس کی روٹی کھائی تو حانث نہ ہو گا اور اگر قسم کھایا کہ یہ آٹا نہیں کھائے گا پھر اس کی روٹی کھائی تو حانث ہو جائے گا اور اس کو یوں ہی پھانک لیا تو حانث نہ ہو گا۔

تشریح:ــــ قولہ وان حلف لا یاکل الخ۔ یعنی اگر کوئی بھیڑ گابھن تھی اور کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں اس کا حمل کا گوشت نہ کھاؤں گا پھر وہ حمل پیدا ہو کر مینڈھا ہو گیا اور اسی نے اس کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اس کی قسم اس کے ساتھ وابستہ تھی جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا اور اگر کسی نے یوں قسم کھائی کہ وہ میں اسی کھجور سے نہ کھاؤں گا تو یہ قسم اسی کھجور کے پھل پر واقع ہو گی یعنی اگر اس کا پھل کھائے گا تو قسم ٹوٹ جائیگی اور اگر اس کی چھال وغیرہ کھائے گا تو نہیں ٹوٹے گی۔

قولہ من حلف لا یاکل لحماً الخ۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں گوشت نہ کھاؤں گا پھر اس نے مچھلی کا گوشت کھالیا تو وہ حانث نہ ہوگا استحسان کے طور پر اگرچہ قیاس کے اعتبار سے حانث ہونا لازم آتا ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کیونکہ مچھلی پر لحم کا اطلاق قرآن کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے تاکلون لحماً طریاً۔ استحسان کے طور پر حانث احناف کے نزدیک ہے کیونکہ قسموں کا مدار عرف پر ہے استعمال قرآنی پر نہیں اور عرف میں مچھلی پر لحم کا اطلاق نہیں ہوتا۔

قولہ من حلف لا یشرب من ماء دجلۃ الخ۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھایا کہ میں دجلہ سے پانی نہ پیوں گا پھر اس نے دجلہ کا پانی ایک برتن سے پی لیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حانث نہ ہو گا جبتک کہ اس میں مونہہ ڈال کے نہ پئے پس اگر مونہہ ڈال کے پیا تو حانث ہو جائے گا۔ صاحبین کا قول یہ ہے کہ کسی صورت میں حانث نہ ہو گا خواہ مونہہ ڈال کے پئے یا چلو لیکر پئے یا برتن میں لیکر پئے۔

قولہ من حلف لا یاکل من هذه الحنطۃ الخ۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں یہ گیہوں نہ کھاؤں گا پھر اس نے اس گیہوں کی روٹی کھالی تو وہ حانث نہ ہو گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جبتک کہ وہ بعینہ ان گیہوں ہی کو نہ کھائے اور یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے صاحبین کا قول یہ ہے کہ جس طرح اسی گیہوں کے کھانے

سے حانث ہوگا اسی طرح اس کی روٹی کھانے سے بھی حانث ہو جائے گا اور اگر ثابت گیہوں اُبال کر کھائے گا تو وہ بالاتفاق حانث ہو جائے گا اور اگر کسی نے یہ قسم کھایا کہ میں آٹا نہ کھاؤں گا پھر اس نے اس آٹا کی روٹی پکا کے کھائی تو وہ حانث ہو جائے گا اور اگر آٹا ویسے ہی پھانک لیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ آٹا کا استعمال اس طرح نہیں ہے کہ پھانک لیا جائے اور جس چیز کی حقیقت مستعمل نہ ہو بلکہ مجاز مستعمل ہو تو اس کی قسم کھائی اس مجاز کو بالاجماع شامل ہوتی ہے۔

وان[۱] حلف ان لا یتکلم فلاناً فکلمہ وھو بحیث یسمع الا انہ نائم حنث وان حلف ان لا یکلمہ الا باذنہ فاذن لہ ولم یعلم بالاذن حتی کلمہ حنث واذا[۲] استحلف الوالی رجلاً لیعلمہ بکل داعرٍ دخل البلد فھو علی حال ولایتہ خاصۃ ومن[۳] حلف ان لا یرکب دابۃ فلانٍ فرکب دابۃ عبدہٖ الماذونِ لم یحنث ومن[۴] حلف ان لا یدخل ھذہ الدار فوقف علیٰ سطحھا اودخل دھلیزھا حنث وان وقف فی طاقِ الباب بحیث اذا اغلق الباب کان خارجاً لم یحنث ومن حلف ان لا یاکل الشواءَ فھو علی اللحمِ دون الباذنجانِ والجزرِ ومن حلف ان لا یاکل الطبیخ فھو علی ما یطبخ من اللحمِ ومن[۵] حلف ان لا یاکل الرؤسَ فیمینہ علی ما یکبس فی التنانیرِ ویباع فی المصرِ

ترجمہ ــــــ اور اگر قسم کھایا کہ فلاں سے بات نہ کرے گا پھر اس سے اتنی آواز سے بات کی کہ وہ سن لیتا مگر وہ سویا ہوا ہے تو حانث ہو جائے گا اور اگر کسی نے قسم کھایا کہ اس سے بات نہیں کرے گا اس کی اجازت کے بغیر پس اس نے اجازت دیدی مگر اس کو خبر نہ ہوئی اور اسی نے بات کر لی تو حانث ہو جائے گا اور اگر حاکم نے قسم لی کسی سے کہ مجھے خبر دینا ہر اسی شریر کی جو شہر میں آئے تو یہ خاص اس حاکم کی ولایت پر ہوگی اور جس نے قسم کھایا کہ فلاں کی سواری پر سوار نہ ہوگا پھر اسکے ماذون غلام کی سواری پر سوار ہوا تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھایا کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر وہ اس کی چھت پر کھڑا ہوا یا دہلیز میں داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا اور اگر دروازہ کی محراب میں کھڑا ہو اس طرح کہ اگر دروازہ بند کیا جائے تو یہ باہر رہے تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھایا کہ بھنا ہوا نہ کھائے گا تو وہ گوشت پر محمول ہوگا نہ کہ بینگن اور گاجر پر اور جس نے یہ قسم کھایا کہ وہ پکا ہوا نہیں کھائے گا تو یہ اسی پر محمول ہوگا جو پکایا جائے گوشت سے اور جس نے قسم کھایا کہ سریں نہ کھائے گا تو اس کی قسم اسی پر محمول ہوگی جو تنور میں پکتے ہوں اور شہر میں بکتے ہوں۔

تشریح:ــــ قولہ[۱] وان حلف ان لا یکلم: یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے بات نہ کروں گا پھر اس نے اس سے بات کی ایسی آواز سے کہ اگر وہ جاگتا ہوتا تو سن لیتا مگر وہ سویا ہوا تھا تو وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ اس کی طرف سے بات کرنا اور الفاظ کا کانوں تک پہونچنا پایا گیا لیکن نیند کی وجہ سے وہ سن نہ سکا۔

قولہ[۲] اذا استحلف الوالی: یعنی اگر کسی حاکم نے کسی کو قسم دی کہ شہر میں جو بدمعاش آئے تو مجھے خبر کرنا

تو یہ قسم اگرچہ مطلق ہے لیکن خاص اسی حاکم کے رہنے تک رہیگی یعنی اس حاکم کے مرنے یا معزول ہونے کے بعد وہ شخص قسم سے نکل جائے گا اسلئے مطلق یمین دلالت کی وجہ سے مقید ہو جاتی ہے اور قسم لینے سے مقصود یہاں مفسدین کے فساد کو زائل کرنا ہے اور ظاہر ہے زوال حکومت کے بعد دفع فساد ممکن نہیں پس قسم اس کی حکومت کی بقاء کے ساتھ مقید ہوگی۔

قولہ من حلف لا یرکب دابۃ فلان۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں فلاں آدمی کے گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گا اور وہ اس کے ماذون غلام کے گھوڑے پر سوار ہو گیا تو حانث نہ ہوگا عام ہے کہ وہ غلام قرضدار ہو یا نہ ہو اور یہ قول شیخین کا ہے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا اسلئے کہ غلام ماذون کا گھوڑا اصل میں اس کے آقا کا ہے اگرچہ غلام کی طرف منسوب کر دیا گیا کیونکہ غلام اور جو چیز غلام کے قبضہ میں ہے وہ سب اس کے آقا ہی کا ہے۔

قولہ۔ ومن حلف لا یدخل ھذہ الدار۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا پھر وہ اس مکان کی چھت پر کھڑا ہو گیا یا اس کی دہلیز میں پڑ گیا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ چھت بھی گھر کے حکم میں ہے چنانچہ سطح مسجد تک آنے سے معتکف کا اعتکاف باطل نہیں ہوتا اور حیض والی اور نفاس والی عورت کو سطح مسجد پر کھڑا ہونا منع ہے

قولہ۔ من حلف لا یاکل الروس۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں سرا نہ کھاؤں گا تو یہ قسم ان سروں پر ہوگی جو تنوروں میں پکتے اور شہر میں بکتے ہوں پس اس قسم میں چڑیا وغیرہ کا سر داخل نہ ہوگا امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ قسم گائے اور بکری کے سروں پر محمول ہوگی یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین کا قول یہ ہے کہ وہ صرف بکریوں کے سروں پر محمول ہوگی اور یہ اختلاف زمانہ اور مکان کے اعتبار سے ہے کہ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں سرا سے گائے بکری کا سرا مراد ہوتا تھا اور صاحبین کے زمانہ میں صرف بکریوں کا پس اس زمانہ میں عادت کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔

ومن حلف ان لا یاکل الخبز فیمینہ علی ما یعتادا اھل البلد اکلہ خبزاً فان اکل خبز القطائف او خبز الارز بالعراق لم یحنث ومن حلف ان لا یبیع او لا یشتری او لا یواجر فوکل من فعل ذلک لم یحنث ومن حلف ان لا یجلس علی الارض فجلس علی بساط او علی حصیر لم یحنث ومن حلف ان لا یجلس علی سریر فجلس علی سریر فوقہ بساط حنث وان جعل فوقہ سریراً آخر فجلس علیہ لم یحنث وان حلف ان لا ینام علی فراش فنام علیہ وفوقہ قرام حنث وان جعل فوقہ فراشاً آخر فنام علیہ لم یحنث ومن حلف بیمین وقال ان شاء اللہ متصلاً بیمینہ فلا حنث علیہ

ترجمہ ——— اور جس نے قسم کھائی کہ روٹی نہ کھائے گا تو قسم اس پر ہوگی جس پر شہر والا کو روٹی کھانیکی عادت ہو پس اگر بادام کی روٹی کھائی یا چاول کی روٹی عراق میں تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ خرید و فروخت نہیں

کرے گا یا کرایہ پہ نہ دے گا پھر کسی کو وکیل بنایا جس نے یہ سب کیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ شادی نہ کرے گا یا طلاق نہ دے گا یا آزاد نہ کرے گا پھر کسی کو وکیل بنایا جس نے یہ سب کیا تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھائی کہ زمین پہ نہ بیٹھے گا پھر بستر یا چٹائی پہ بیٹھا تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ تخت پہ نہ بیٹھے گا پھر اس تخت پہ بیٹھا جس پہ بچھونا تھا تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس کے اوپر تخت لگا کر بیٹھا تو حانث نہ ہوگا اور اگر قسم کھایا کہ بچھونے پہ نہ سوئے گا پھر اس پہ سویا دراں حالیکہ اس پہ چادر تھی تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس پہ ایک اور بچھونا لگا کر سویا تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھایا اور متصلاً ان شاء اللہ کہہ دیا تو اس کے کرنے سے حانث نہ ہوگا۔

تشریح — قولہ ومن حلف لا یاکل الخبز :۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں روٹی نہ کھاؤں گا تو یہ قسم اس اناج کی روٹی پہ ہوگی جس کی شہر والے عادۃً روٹی کھاتے ہوں گے پس اگر اس نے بادام کی روٹی یا عراق میں چاولوں کی روٹی کھائی تو وہ حانث نہ ہوگا کیونکہ بادام کی روٹی اور عراق میں چاولوں کی روٹی نہیں کھاتے۔

قولہ من حلف ان لا یبیع :۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ خرید و فروخت نہ کرے گا یا کرایہ کا معاملہ نہ کرے گا اور پھر اس نے کام اپنے سے کیا تو وہ حانث ہو جائے گا اسلئے کہ بیع و شراء۔ اجارہ۔ استیجار قسمت و خصومت وغیرہ بھی قسم کھانے والا خود کرنے سے حانث ہو جاتا ہے اور اگر وکیل نے بیع کی تو حانث نہ ہوگا اسلئے کہ فعل کا وجود وکیل سے ہوا ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی اس وجہ سے ان کے حقوق وکیل کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ پس موکل کی طرف سے فعل نہ پایا گیا اور اگر یہ کہا کہ وہ نکاح نہ کرے گا یا طلاق نہ دے گا تو بہر صورت حانث ہو جائے گا عام ہے کہ خود سے کرے یا اس کا وکیل کرے اسلئے کہ نکاح و طلاق عتق و خلع وغیرہ دونوں صورت میں حانث ہو جاتا ہے۔

قولہ وان حلف ان لا یجلس :۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ بچھونے پہ نہ سوئے گا پھر وہ ایسے بچھونے پہ سویا کہ اس پہ چادر بچھی ہوئی تھی تو وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ چادر بچھونے کے تابع ہوتی ہے اسلئے یہ بچھونے ہی پہ شمار کیا جائے گا۔ اور اگر اسی بچھونے پہ اس نے دوسرا بچھونا ڈال دیا اور اسی پہ سویا تو حانث نہ ہوگا۔

قولہ ومن حلف یمین وقال ان شاء اللہ :۔ یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہا تو وہ قسم نہ رہے گی چونکہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ من حلف علی یمین وقال ان شاء اللہ فقد برّ فی یمینہ یعنی جس نے قسم کھاکے ان شاء اللہ کہہ لیا وہ اپنی قسم سے بری ہو گیا لیکن ضروری ہے اس کا قسم سے متصل ہوا۔ اگر قسم سے فارغ ہونیکے بعد کہے گا تو درست نہ ہوگا کیونکہ اس سے قسم سے رجوع کرنا لازم آتا ہے اور ظاہر ہے قسم سے رجوع نہیں ہوتا۔

وان حلف لیاتینہ ان استطاع فھذا علی استطاعۃ الصحۃ دون القدرۃ وان حلف ان لا یکلمہ حینا او زمانا او الحین او الزمان فھو علی ستۃ اشھر وکذلک الدھر عند ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ ولو حلف ان لا یکلم ایاما فھو علی ثلاثۃ ایام ولو حلف ان لا یکلمہ الایام فھو علی عشرۃ ایام عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ ھو علی ایام الاسبوع ولو حلف ان لا یکلمہ الشھور فھو علی عشرۃ اشھر عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ ھو علی اثنی عشر شھرا ولو حلف لا یفعل کذا ترکہ ابدا وان حلف لیفعلن کذا ففعلہ مرۃ واحدۃ بر فی یمینہ

ترجمہ ــــــ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس کے پاس ضرور آئے گا اگر ہو سکا پس وہ تندرستی پر محمول ہوگی نہ کہ قدرت پر اور اگر قسم کھایا کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گا ایک زمانہ تک تو وہ چھ ماہ پر محمول ہوگی اور اسی طرح لفظ دہر ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک۔ اور اگر قسم کھایا کہ وہ اس سے کچھ دنوں تک بات نہ کرے گا تو یہ تین دن پر محمول ہوگی اور اگر قسم میں الایام کہا تو وہ اس دن پر محمول ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک ہفتہ دنوں پر اور اگر قسم کھایا کہ اس سے مہینوں بات نہ کرے گا تو وہ دس ماہ پر محمول ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک بارہ ماہ پر محمول ہوگی اور اگر قسم کھایا کہ وہ ایسا نہ کرے گا تو وہ اسے ہمیشہ کیلئے چھوڑ دے اور اگر قسم کھایا کہ ایسا ضرور کرے گا پھر اس کو ایکبار کیا تو قسم پوری ہوگئی۔

تشریح: ــــــ قولہ وان حلف لیاتینہ :۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ اگر ہو سکا تو وہ اس کے پاس ضرور آئے گا تو یہ قسم اس کے تندرست رہنے پر محمول ہوگی قدرت پر نہیں۔ تندرست رہنے پر اسلئے کہ اگر قسم کے بعد تندرست رہا اور نہ آیا یا اس کو ایسا امر درپیش آیا جس کی وجہ سے وہ نہ آسکا تو حانث ہو جائے گا۔

قولہ وان حلف لا یکلمہ :۔ یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں سے ایک دن یا ایک زمانہ تک بات نہ کروں گا یا حین اور زمانہ کو نکرہ کے بجائے معرف باللام کر کے الحین یا الزمان کہا تو وہ چھ ماہ پر محمول ہوگی پس اگر اس سے چھ ماہ کے بعد بات کیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ مدت قسم پوری ہوگئی اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کے کہنے کے وقت نیت کچھ بھی نہ ہو اور اگر اس نے کچھ دنوں کی نیت کرلی تو حکم اسی کی نیت کے مطابق ہوگا۔ چھ ماہ کی مدت احناف کے نزدیک ہے لیکن امام مالک کا قول ہے کہ ایک سال کی مدت ہے اور امام شافعی کے نزدیک ادنی مدت یعنی ایک ساعت ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ لفظ حین کا استعمال کبھی ادنی مدت کیلئے ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ فسبحان اللہ حین تمسون اور کبھی چالیس برس کیلئے قال اللہ تعالیٰ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر اور کبھی چھ ماہ کیلئے قال اللہ تعالیٰ

تُؤتی اُکُلَہا کُلَّ حِینٍ ۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حین سے مراد چھ ماہ ہے چونکہ چھ ماہ متوسط درجہ ہے اس لئے کہ سال بھر کلام نہ کرنا قسم کھانے پر موقوف نہیں اور چالیس سال کی مدت نہایت دراز ہوتی ہے ۔

قولہ لا یکلم ایاماً ۔ یعنی اگر کسی نے قسم کھایا کہ اس سے کچھ دنوں تک یا کچھ ماہ تک بات نہ کرے گا تو اس سے تین دن اور تین ماہ مراد ہوں گے اور اگر ایاماً کی جگہ الایام کہا اور شہور کے بجائے الشہور کہا یعنی نکرہ کے بجائے معرفہ کہا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دس دن اور دس ماہ مراد ہوں گے کیونکہ جمع معرف باللام کا اقصیٰ استعمال جمع کی طرف متعدی ہوتا ہے اور وہ دس ہے اسلئے کہ لغت عرب میں تین سے دس تک جمع مستعمل ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ثلاثۃ رجالٍ الی عشرۃ رجالٍ اور دس کے بعد مفرد مستعمل ہوتا ہے صاحبین کا قول یہ ہے کہ الایام ہفتہ پر اور الشہور بارہ مہینے پر محمول ہوتا ہے اسلئے کہ معرف معہود کی طرف متعدی ہوتا ہے اور معہود ہفتہ کے ایام اور سال کے مہینے ہیں ۔

قولہ لو حلف لا یفعل کذا ۔ یعنی اگر کسی نے اس طرح قسم کھایا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ اس کام کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دے کیونکہ اس نے نفی یعنی نہ کرنے پر قسم کھائی ہے اور نفی کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی ۔

ومن حلف لا تخرج امرأتہ الا باذنہ فاذن لہا مرۃً واحدۃً فخرجت ورجعت ثم خرجت مرۃً اخریٰ بغیر اذنہ حنث ولا بد من الاذن فی کل خروجٍ وان قال الا ان آذن لک فاذن لہا مرۃً واحدۃً ثم خرجت بعدہا بغیر اذنہ لم یحنث واذا حلف ان لا یتغدی فالغداء ہو الاکل من طلوع الفجر الی الظہر والعشاء من صلوۃ الظہر الی نصف اللیل والسحور من نصف اللیل الی طلوع الفجر ولو حلف لایأتدم فالدوام کل شیء یصطبغ بہ وان حلف لیقضین دینہ الی قریب فہو علی مادون الشہر وان قال الی بعید فہو اکثر من الشہر

ترجمہ ــــــ اور جس نے قسم کھایا کہ اس کی بیوی نہیں نکلے گی مگر اس کی اجازت سے پھر اس کو ایک دفعہ اجازت دی پس وہ نکل کر پھر آگئی پھر اس کی اجازت کے بغیر دوبارہ نکلی تو حانث ہو جائے گا اور باہر جانے میں ہر مرتبہ اجازت کا ہونا ضروری ہے اور اگر کہا مگر یہ کہ میں تجھے اجازت دوں پھر ایک دفعہ اجازت دی ۔ اور وہ اس کے بعد بلا اجازت نکل گئی تو حانث نہ ہوگا ۔ اور اگر قسم کھایا کہ ناشتہ نہ کرے گا تو ناشتہ وہ کھانا ہے طلوع فجر سے ظہر تک اور عشاء نماز ظہر سے نصف شب تک اور سحری نصف شب سے طلوع فجر تک اور اگر قسم کھایا کہ سالن نہ کھائے گا تو سالن ہر وہ چیز ہے جس سے روٹی تر کی جائے اور اگر قسم کھایا کہ اس کا قرض عنقریب ضرور چکائے گا تو وہ ایک ماہ سے کم پر ہوگی اور اگر کہا کچھ دیر میں تو ایک ماہ سے زائد پر ہوگی ۔

تشریح ــــــ قولہ من حلف لا تخرج ۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھایا کہ میری بیوی باہر نہ جائے گی مگر میری اجازت سے پس اس کو ہر بار باہر نکلنے کیلئے اجازت لینا لازم ہے پس اگر بیوی ایک مرتبہ اجازت سے نکلی اور دوسری اور تیسری بار اجازت کے بغیر نکلی تو حانث ہو جائے گا ۔

قولہ[۲] وان حلف لا یتغدی ۔ یعنی اگر اس طرح قسم کھایا کہ میں صبح کا کھانا نہ کھاؤں گا تو صبح کے کھانے کا وقت طلوع فجر سے ظہر تک ہے اور شام کے کھانے کا وقت ظہر کی نماز سے لیکر آدھی رات تک ہے اور سحری کا وقت آدھی رات سے طلوع فجر تک ہے ۔

قولہ[۳] ولو حلف لا یاتدم ۔ یعنی اگر قسم کھایا کہ سالن نہ کھائے گا تو ادام ہر وہ چیز ہے جس سے روٹی تر کی جائے یعنی وہ ہے جس کو دوسرے کے تابع ہو کر کھایا جائے یا وہ عادۃً تنہا نہ کھایا جائے مثلاً سرکہ ۔ روغن ۔ زیتون اور نمک کہ وہ موہنہ میں پگھل کر مخلوط ہو جاتا ہے پس اس میں گوشت انڈا پنیر وغیرہ داخل نہ ہوا کیونکہ روٹی اس میں تر نہیں کی جاتی اور اس لئے بھی کہ گوشت وغیرہ کو مستقل طور پر کھایا جاتا ہے ۔

قولہ[۴] وان حلف لیقضین ۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھایا کہ اس کا قرض عنقریب ضرور ادا کرے گا تو اس قسم میں ایک ماہ سے کم میں قرض ادا کرنا پڑے گا اور اگر یہ قسم کھایا کہ ابھی دیر میں ادا کرے گا تو وہ قسم ایک ماہ سے زیادہ پر ہو گی کیوں کہ ماہ سے کم عنقریب میں شمار ہوتا ہے ۔

ومن[۱] حلف لا یسکن ھذہ الدار فخرج منہا بنفسہ وترک فیہا اھلہ ومتاعہ حنث ومن[۲] حلف لیمسّن السماء او لیقلبن ھذا الحجر ذھبًا انعقدت یمینہ وحنث عقیبہا ومن حلف لیقضین فلانًا دینہ الیوم فقضاہ ثم وجد فلانٌ بعضہا زیوفًا او بنھرجۃ او مستحقۃ لم یحنث الحالف وان وجدہا رصاصًا او ستوقۃً حنث ومن[۳] حلف لا یقبض دینہ درھمًا دون درھمٍ فقبض بعضہ لم یحنث حتی یقبض جمیعہ متفرقًا وان قبض دینہ فی وزنتین لم یتشاغل بینہما الا بعمل الوزن لم یحنث ولیس ذلک بتفریقٍ ومن[۴] حلف لیاتین البصرۃ فلم یات حتی مات حنث فی آخر جزءٍ من اجزاء حیاتہ

ترجمہ ——— اور جس نے قسم کھایا کہ اس گھر میں نہ رہے گا پس وہاں سے خود نکل گیا اور بال بچوں اور اسباب کو وہیں چھوڑ دیا تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھایا کہ آسمان پر ضرور چڑھے گا یا اس پتھر کو ضرور سونا بنا دے گا تو قسم منعقد ہو جائے گی اور وہ حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کے بعد قسم کھائی کہ فلاں کا قرض آج ضرور چکا دے گا پس چکا دیا پھر فلاں نے بعض قرض کسی قدر کھوٹا پایا یا کسی اور کا حق والا تو حانث نہ ہوگا اور اگر بالکل رانگ پایا یا بالکل کھوٹا تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھایا کہ اپنا قرض ایک ایک درہم نہ لے گا پھر کچھ قرض وصول کیا تو حانث نہ ہوگا یہاں تک کہ پورا قرض تھوڑا تھوڑا لے اور اگر قرض دو دفعہ وزن کر کے وصول کیا جس میں کوئی کام نہیں کیا سوائے وزن کرنے کے تو حانث نہ ہوگا اور یہ اپنا متفرق طور پر نہ ہوگا اور جس نے قسم کھایا کہ وہ ضرور بصرہ جائے گا پھر وہ نہ گیا یہاں تک کہ مر گیا تو وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حانث ہو جائے گا ۔

تشریح:۔ قولہ ومن حلف لا یسکن:۔ یعنی کسی نے اس طرح قسم کھایا کہ وہ اس گھر میں نہ رہے گا پھر وہ اکیلا اس گھر سے باہر آگیا اور اپنے بال بچوں اور اسباب کو وہیں چھوڑ دیا تو حانث ہو جائے گا اسلئے کہ عرف میں سکونت وہیں متصور ہوتی ہے جہاں اہل وعیال ہوں پھر امام ابو حنیفہ کے نزدیک سارا سامان منتقل کرنا ضروری ہے اگرچہ ایک کیل بھی رہ گئی ہو تو حانث ہو جائے گا یہی قول امام احمد بن حنبل کا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اکثر سامان منتقل کر لینا کافی ہے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ ضروری اسباب خانگی کا منتقل کر لینا کافی ہے فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔

قولہ[۲] ومن حلف لیصعدن:۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھایا کہ وہ آسمان پر ضرور چڑھے گا یا اس پتھر کو سونا کرے گا پس اسکی قسم منعقد ہو جائیگی کیونکہ فرشتوں اور نبیوں کا آسمان پر چڑھنا ثابت ہے نیز توفیق الٰہی پتھر کا سونا ہو جانا متکلمین کے نزدیک ممکن ہے لہذا حالف چونکہ عادۃً آسمان پر چڑھنے اور سونا بنانے سے عاجز ہے اسلئے وہ فی الحال حانث ہو جائے گا۔

قولہ[۳] من حلف لا یقبض دینہ:۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھایا کہ وہ اپنا قرض ایک ایک روپیہ کر کے نہیں لے گا پھر اس نے کچھ روپیہ لے لیا تو وہ حانث نہ ہو گا جبتک کہ سارا قرض تھوڑا تھوڑا کر کے نہ لے مثلاً ایک شخص کے دوسرے کے ذمہ ایک ہزار تھے اور اس نے قسم کھایا کہ وہ ایک ایک روپیہ کر کے نہ لے گا پھر اس نے پانچ سو لے لیے تو وہ حانث نہ ہو گا جبتک کہ کل روپیہ متفرق نہ لے اور اگر اس نے اپنا روپیہ دو دفعہ وزن کر کے لے لیا اور ان دونوں دفعہ کے درمیان سوائے وزن کرنے کے کچھ نہیں کیا تو وہ حانث نہ ہو گا اور نہ یہ متفرق لینا ہے۔

قولہ[۴] من حلف لیاتین البصرۃ:۔ یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھایا کہ وہ بصرہ ضرور جائے گا پھر وہ نہیں گیا یہاں تک کہ مر گیا تو وہ اپنی زندگی کے آخر سانس میں حانث ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ بصرہ نہ جانے کا تحقق اسی وقت ہو گا اس سے پہلے نہ ہو گا۔

کتاب الدعویٰ

ترجمہ:۔ دعویٰ کا بیان

المدعی[۱] من لا یجبر علی الخصومۃ اذا ترکہا والمدعی علیہ من یجبر علی الخصومۃ ولا یقبل الدعویٰ حتی یذکر شیئاً معلوماً فی جنسہ وقدرہ فان کان عیناً فی ید المدعی علیہ کلف احضارہا لیشیر الیہا بالدعویٰ وان لم تکن حاضرۃ ذکر قیمتہا وان ادعی[۳] عقاراً حددہ وذکر انہ فی ید المدعی علیہ وانہ یطالبہ بہ وان کان حقاً فی الذمۃ ذکر انہ یطالبہ بہ

ترجمہ ـــــ مدعی وہ ہے جو مجبور نہ کیا جائے جھگڑنے پر جبکہ وہ اس کو چھوڑ دے اور مدعیٰ علیہ وہ ہے جو جھگڑنے پر مجبور کیا جائے اور دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا یہاں تک کہ چیز کی جنس اور اس کی مقدار بیان کر دے پس اگر وہ چیز بعینہ مدعی

علیہ کے پاس ہو تو اس کے حاضر کرنے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ دعویٰ کے وقت اشارہ کرے اور اگر حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت بیان کرے اور اگر زمین کا دعویٰ کیا تو اس کی حدود بیان کرے اور وہ یہ کہ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہے اور وہ اس کا طالب ہے اور اگر اس کے ذمہ حق کا دعویٰ ہو تو کہے کہ میں اس کا طالب ہوں۔

تشریح:۔۔۔۔ قولہ[۱] کتاب الدعویٰ:۔ دعویٰ بروزن فتویٰ اسم ہے دعا مصدر کا اس کی جمع دعاوی ہے جس طرح فتویٰ کی جمع فتاویٰ۔ دعویٰ لغت میں وہ قول ہے جس سے دوسرے پر ایجاب حق کا ارادہ کرے اور اصطلاح میں کسی شئ کو خصومت کے وقت اپنی جانب منسوب کرنا ہے۔ دعویٰ کرنے والا کو مدعی اور جس پر دعویٰ کیا جائے اس کو مدعی علیہ اور جس چیز کا دعویٰ کیا جائے اس کو مدعیٰ کہا جاتا ہے۔

قولہ[۲] المدعی من لا یجبر:۔ یہ تعریف مدعی و مدعی علیہ کی باعتبار احکام کے بیان کی جاتی ہے کہ مدعی وہ ہے اگر وہ جھگڑا نہ کرے تو جھگڑا نہ کرنے میں اس پر جبر نہ کیا جائے اور مدعی علیہ وہ ہے کہ جس پر جھگڑا کرنے پر جبر کیا جائے۔

قولہ[۳] واذا ادعی عقاراً:۔ یعنی اگر کسی نے زمین کا دعویٰ کیا ہے تو وہ دعویٰ میں اس کی حدود بیان کرے کہ اتنی ہے اور یہاں تک ہے اگرچہ وہ زمین مشہور ہو۔ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین کا قول یہ ہے کہ زمین کے معروف و مشہور ہونے کی تقدیر پر حدود کو بیان کرنا ضروری نہیں اس لئے کہ مدعی میں اصل یہ ہے کہ وہ معلوم الاشارہ ہو لیکن زمین کی طرف اشارہ چونکہ دشوار ہے کیونکہ قاضی کی محفل میں اس کو لانا دشوار ہے اس لئے تحدید بیان کی جائیگی تاکہ اس سے زمین کا علم ہو جائے اور دعویٰ میں یہ بھی ذکر کرے کہ یہ زمین مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے اور میں اس کو اس سے حاصل کرنا چاہتا ہوں اسلئے کہ مطالبہ مدعی کا حق ہے جو اس کی طلب پر موقوف ہے۔

فاذا[۱] صحت الدعوی سأل القاضی المدعی علیہ عنہا فان اعترف قضی علیہ بہا وان انکر سأل المدعی البینۃ فان احضرھا قضی بہا وان عجز عن ذلک وطلب یمین خصمہ استحلفہ علیہا وان قال لی بینۃ حاضرۃ وطلب الیمین لم یستحلف عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ولا ترد[۲] الیمین علی المدعی ولا تقبل بینۃ صاحب الید فی الملک المطلق واذا[۳] نکل المدعی علیہ عن الیمین قضی علیہ بالنکول والزمہ ما ادعی علیہ و ینبغی للقاضی ان یقول لہ انی اعرض علیک الیمین ثلاثاً فان حلفت والا قضیت علیک بما ادعاہ واذا کرر العرض ثلاث مرات قضی علیہ بالنکول

ترجمہ ۔۔۔۔ پس جب دعویٰ صحیح ہو جائے تو قاضی اس کے متعلق مدعی علیہ سے پوچھے پس اگر وہ اقرار کرے تو اس کے اقرار پر حکم دیدے اور اگر انکار کرے تو مدعی سے بینہ طلب کرے پس اگر وہ پیش کر دے تو بینہ کے مطابق حکم دیدے اور اگر بینہ سے عاجز ہو اور مدمقابل سے قسم چاہے تو اس سے دعویٰ پر قسم لے اور اگر کہے کہ میرے پاس بینہ موجود ہے اور قسم طلب کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم نہیں لی جائیگی اور نہ قسم مدعی پر وارد ہو گی اور صاحب قبضہ کا بینہ قبول نہ کیا جائے گا ملک مطلق میں اور جب

مدعی علیہ قسم سے انکار کرے تو اس پر انکار کے ساتھ ہی حکم کردے اور اسی پر وہ لازم کرے جس کا اس پر دعویٰ کیا ہے اور قاضی کو یہ کہہ دینا چاہیئے کہ میں تجھ پر تین بار قسم پیش کرتا ہوں پس اگر قسم کھائے تو بہتر ہے ورنہ تجھ پر اس کے دعویٰ کا حکم دیدوں گا پس جب وہ تین بار مکرر پیش کرے تو اس پر انکار کی وجہ سے حکم دیدے۔

تشریح:- قولہ فاذا صحت الدعویٰ:- یعنی جب اس کا دعویٰ ٹھیک ہو جائے تو اس دعویٰ کے متعلق قاضی مدعاعلیہ سے دریافت کرے اور اگر وہ اقرار کرے تو اس کے اقرار ہی پر حکم دیدے کہ بس یہ ادا کر دیا جائے اور اگر مدعاعلیہ انکار کرے تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے اور وہ گواہوں کو حاضر کردے تو گواہ سن کر حکم کردے اور اگر گواہ نہ لاسکے اور مدعاعلیہ سے قسم لینے کی درخواست کرے تو اس دعویٰ پر قاضی اس سے قسم لیلے اور اگر مدعی کہے کہ میرے گواہ تو حاضر ہیں مگر میں مدعاعلیہ سے قسم لینا چاہتا ہوں تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک مدعاعلیہ سے قسم نہ لی جائے اور نہ مدعی کو قسم دی جائے کیونکہ سرکار مدینہ نے فرمایا کہ البینة علی المدعی والیمین علی من انکر۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ سرکار نے تقسیم فرمادی ہے کہ مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے اور مدعی علیہ کے ذمہ قسم ہے۔

قولہ ولا ترد الیمین:- یعنی مدعی علیہ اگر قسم کھانے سے انکار کردے تو مدعی سے قسم نہ لی جائیگی بلکہ قاضی مدعاعلیہ پر مدعی کا دعویٰ لازم کردے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ اگر مدعاعلیہ قسم سے انکار کرے تو مدعی پر قسم وارد ہوگی اگر وہ قسم کھائے تو فیصلہ کردیا جائے گا اور اگر وہ بھی انکار کرے تو ان کا جھگڑا منقطع سمجھا جائے گا۔ دلیل احناف کی سرکار مدینہ کا یہ قول ہے کہ اگر لوگوں کو ان کے دعووں کی وجہ سے دیدیا جائے تو لوگ قوم کی جانوں اور مالوں پر دعویٰ کر بیٹھیں گے لیکن بینہ مدعی پر ہے اور قسم اس پر جو انکار کرے جیسا کہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے۔

قولہ اذا نکل المدعیٰ علیہ:- یعنی مدعی علیہ اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کے ایک ہی بار قسم نہ کھانے سے قاضی اس پر فیصلہ کردے خواہ انکار حقیقةً ہو یا حکماً۔ حقیقةً مثلاً وہ صاف طور سے کہدے کہ میں قسم نہیں کھایا ہوں حکماً یا یں طور کہ وہ قسم کھانے سے خاموشی اختیار کرے لیکن مستحب یہ ہے کہ قاضی اس کو قسم کھانے کیلئے تین دفعہ کہے اگر وہ نہ کھائے تو فیصلہ کردے۔

وان کانت الدعویٰ نکاحاً لم یستحلف المنکر عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ ولا یستحلف فی النکاح والرجعة والفیٔ فی الایلاء والرق والاستیلاد والنسب والولاء والحدود واللعان وقالا یستحلف فی ذلک کلہ الا فی الحدود واللعان

ترجمہ ——— اور اگر نکاح کا دعویٰ ہو تو منکر سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم نہ لی جائیگی اور قسم نہ لی جاتی نکاح میں اور نہ رجعت میں اور نہ ایلا سے رجوع میں اور غلامی میں اور ام ولد کرنے میں اور نسب میں اور ولاء میں اور حدود میں اور لعان میں اور صاحبین نے فرمایا کہ ان تمام میں قسم لی جائیگی سوائے حدود و لعان میں۔

تشریح:- قولہ وان کانت الدعویٰ:- یعنی دعویٰ اگر نکاح کا ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے

مدعی علیہ سے قسم نہلی جائیگی اور نہ رجعی طلاق کے دعویٰ میں اور نہ ایلاء کی رجعت کے دعویٰ میں اور نہ غلامی کے دعویٰ میں اور نہ ام ولد کرنے کے دعویٰ میں اور نہ نسب کے دعویٰ میں اور نہ ولاء کے دعویٰ میں اور نہ حدود و لعان کے دعویٰ میں اور نہ ام ولد کرنے کے دعویٰ میں اور نہ نسب کے دعویٰ میں اور نہ ولاء کے دعویٰ میں اور نہ نکاح میں مثلاً زید مدعی نکاح ہو اور عورت اس کا منکر ہو یا اس کا برعکس ہو اور رجعی میں مثلاً عدت گزرنے کے بعد زید دعویٰ کرے کہ میں نے عدت کے اندر رجوع کر لیا تھا اور عورت اس کا انکار کرے یا اس کے برعکس ہو اور ایلاء سے رجوع میں مثلاً مدت ایلاء گذرنے کے بعد زید نے دعویٰ کیا کہ میں نے مدت ایلاء میں ایلاء سے رجوع کر لیا تھا اور عورت اس کا منکر ہو یا برعکس ہو اور غلامی میں مثلاً زید نے ایک مجہول النسب پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ شخص اس کا منکر ہو اور استیلاد مثلاً باندی نے آقا پر دعویٰ کیا کہ میں اس کی ام ولد ہوں اور یہ بچہ اس سے ہے اور آقا اس کا منکر ہو اور نسب میں زید نے ایک شخص پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ شخص اس کا منکر ہو اور ولاء میں مثلاً زید نے کسی پر دعویٰ کیا کہ اس پر میرے لئے ولاء عتاق یا ولاء موالات ہے اور وہ شخص اس کا منکر ہو۔ حدود میں مثلاً زید نے دوسرے پر کسی موجب حد کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا اور لعان میں مثلاً عورت نے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ کو موجب لعان تہمت لگائی اور شوہر اس کا منکر ہو۔ صاحبین کا قول یہ ہے کہ سوائے حدود و لعان کے دعووں کے سبھی دعووں میں قسم لی جائیگی۔

وإذا ادعى اثنان عينًا في يدِ آخرَ وكلُّ واحدٍ منهما يزعم انها له، واقاما البينة قضى بها بينهما، وان ادعى كلُّ واحدٍ منهما نكاحَ امرأةٍ واقاما البينةَ لم يقضِ بواحدٍ من البينتين، ويرجع الى تصديقِ المرأةِ لاحدِهما، وان ادعى اثنان كلُّ واحدٍ منهما انه اشترى منه هذا العبدَ واقاما البينةَ فكلُّ واحدٍ منهما بالخيارِ ان شاء اخذ نصفَ العبدِ بنصفِ الثمنِ، وان شاء ترك، فان قضى القاضي به بينهما فقال احدهما لا اختار لم يكن للآخرِ ان ياخذ جميعه، وان ذكر كلُّ واحدٍ منهما تاريخًا فهو للاولِ منهما، وان لم يذكرا تاريخًا ومع احدِهما قبض فهو اولى به، وان ادعى احدهما شراءً والآخر هبةً وقبضًا واقاما البينةَ ولا تاريخ معهما فالشراء اولى من الآخر، وان ادعى احدهما الشراءَ وادعت المرأةُ انه تزوجها عليه فهما سواءٌ، وان ادعى احدهما رهنًا وقبضًا والآخر هبةً وقبضًا فالرهن اولى

ترجمہ ــــــ اور جب دو شخصوں نے خاص چیز کا دعویٰ کیا جو تیسرے کے قبضہ میں ہے اور ان میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ چیز میری ہے اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو فیصلہ چیز کا دونوں کے لئے ہوگا اور اگر ان میں سے ہر ایک نے عورت کے نکاح کا دعویٰ کیا اور بینہ قائم کر دیا تو کسی کے بینہ سے فیصلہ نہ ہوگا اور رجوع کیا جائیگا

عورت کی تصدیق کی طرف ان میں سے کسی ایک کی اور اگر دو میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس سے یہ غلام خریدا ہے اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا اگر چاہے آدھا غلام آدھی قیمت کے عوض لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے پس اگر قاضی نے غلام کا دونوں کیلئے حکم کر دیا پھر ایک کہے کہ میں نہیں چاہتا دوسرے کیلئے سارا غلام لینا جائز نہیں اور اگر ان میں سے کسی نے تاریخ بیان کر دی تو غلام پہلی تاریخ والے کا ہوگا اور اگر کسی نے تاریخ ذکر نہیں کی اور کسی ایک کا قبضہ ہے تو وہی اولیٰ ہوگا اور اگر ایک نے خرید کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا اور تاریخ کسی کے پاس نہیں تو خرید دوسرے سے اولیٰ ہوگی اور اگر ایک نے خرید کا دعویٰ کیا اور عورت نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے اسی پر شادی کی ہے تو دونوں برابر ہوں گے اور اگر ایک نے رہن اور قبضہ کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا تو رہن اولیٰ ہے۔

تشریح:۔ قولہ[۱] واذا ادعی اثنان:۔ یعنی اگر دو آدمیوں نے ایک خاص چیز پر دعویٰ کیا جو تیسرے کے قبضہ میں تھی اور ان میں سے ہر ایک یہ کہتا ہے کہ چیز میری ہے اور دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ کے گواہ بھی پیش کر دیئے تو وہ چیز دونوں کو نصف نصف دلا دیا جائے گا اور اگر دو آدمی عورت سے نکاح ہونے کا دعویٰ کریں یعنی ہر ایک کا دعویٰ ہو کہ یہ میری بیوی ہے اور دونوں گواہ بھی پیش کر دیں تو دونوں کے گواہوں میں سے کسی کے گواہ پر بھی حکم نہ دیا جائے بلکہ اس عورت کی تصدیق کرنے کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ وہ جس کی تصدیق کرے یعنی جس کو اپنا شوہر بتائے اسکی بیوی ہے اور اگر وہ ان میں سے کسی کی بھی تصدیق نہ کرے تو ان میں تفریق کرا دی جائے۔

قولہ[۲] وان ادعی اثنان کل واحد:۔ یعنی اگر دو آدمیوں نے یہ دعویٰ کیا یعنی ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ غلام اس شخص سے میں نے خریدا ہے اور دونوں نے گواہی بھی پیش کر دی تو ہر ایک کو اختیار ہے چاہے آدھے غلام کی قیمت دوسرے مدعی کو دے کر آدھے غلام کا مالک ہو جائے اور چاہے چھوڑ دے اور اپنے دعویٰ سے دست بردار ہو جائے اختیار اسلئے دیا گیا کہ صفقہ متفرق ہو گیا یعنی اس کیلئے غلام پورا نہیں رہا اور ہو سکتا ہے اس کو پورے کی ضرورت ہو اور اگر قاضی نے وہ غلام دونوں کو دلایا تھا پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں آدھا غلام آدھی قیمت کے عوض نہیں لینا چاہتا تو دوسرے مدعی کو سارا غلام لے لینا جائز نہیں کیونکہ قضاء قاضی کے بعد بیع فسخ ہو گئی اور اگر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خریدنے کی تاریخ بھی بیان کر دی تو غلام اس کا ہوگا جس کی تاریخ مقدم ہوگی یعنی جس نے تاریخ کے اعتبار سے پہلے خریدا تھا کیونکہ ایسے وقت اس نے خریدنا ثابت کر دیا ہے کہ اس وقت اس سے کوئی جھگڑنے والا نہ تھا۔

قولہ[۳] وان ادعی احدھما شراء:۔ یعنی ایک آدمی نے اگر خریدنے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے دینے کیلئے ہبہ ہونے اور اپنا قبضہ ہونے کا دعویٰ کیا اور دونوں نے گواہ پیش کر دیئے اور تاریخ کسی کے پاس نہیں ہے تو خریدنے والا دوسرے سے اولیٰ ہوگا کیونکہ شراء بنفسہ مثبت ملک ہے برخلاف ہبہ کے کہ وہ قبضہ پر موقوف ہے۔

اور اسلئے بھی کہ خرید تاجانبین سے معاوضہ ہے اور ظاہر ہے ہبہ معاوضہ نہیں۔

قولہ[۱] ادعت المرأة :۔ یعنی ایک غلام کسی کے قبضہ میں تھا ایک مرد نے اس سے خریدنے کا دعویٰ کیا اور ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس غلام پر اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے یعنی یہ غلام مجھے مہر میں دیا ہے تو یہ دونوں مدعی برابر ہیں یعنی آدھا آدھا غلام دونوں کا ہے کیونکہ شراء اور تزوج دونوں عقد معاوضہ اور بنفسہٖ مثبت ملک ہیں تو تو دونوں قوت میں برابر ہوئے اور اگر ایک نے رہن اور قبضہ کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا دعویٰ کیا تو رہن والا والا اولیٰ ہوگا استحسان کے طور پر اگرچہ قیاس کے اعتبار سے دعویٰ ہبہ اولیٰ ہے اسلئے کہ ہبہ مثبت ملک ہے اور رہن مثبت ملک نہیں وجہ استحسان یہ ہے کہ مقبوض بحکم رہن مضمون ہوتا ہے اور مقبوض بحکم ہبہ مضمون نہیں ہوتا۔

وانْ[۱] اقام الخارجان البینةَ علی الملکِ والتاریخ فصاحبُ التاریخِ الاقدم اولیٰ وان ادعیا الشراءَ من واحدٍ واقاما البینةَ علی تاریخین فالاولُ اولیٰ وان اقام کلُّ واحدٍ منهما البینةَ علی الشراءِ من الآخرِ وذکرا تاریخاً فهما سواء وانْ[۲] اقام الخارجُ البینةَ علی ملکٍ مورخٍ واقام صاحبُ الیدِ البینةَ علی ملکٍ اقدم تاریخاً کان اولیٰ وان اقام الخارج وصاحبُ[۳] الیدِ کلُّ واحدٍ منهما بینةً بالنتاجِ فصاحبُ الیدِ اولیٰ وکذلک النسجُ فی الثیابِ التی لا تنسجُ الامرةً واحدةً وکذلک کلُّ سببٍ فی الملکِ لا یتکرر وان اقام الخارجُ بینةً علی الملکِ المطلقِ وصاحبُ الیدِ بینةً علی الشراءِ منه کان صاحبُ الیدِ اولیٰ وانْ[۴] اقام کلُّ واحدٍ منهما البینةَ علی الشراءِ من الآخرِ ولا تاریخ معهما تهاترت البینتانِ وان اقام احدُ المدعیینِ شاهدینِ والآخرُ اربعةً فهما سواء

ترجمہ ــــــــ اور اگر دو غیر قابضوں نے ملک اور تاریخ پر بینہ قائم کیا تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہوگا اور اگر دونوں نے کسی سے خریدنے کا دعویٰ کیا اور دونوں نے دو تاریخوں پر بینہ قائم کیا تو تاریخ والا اولیٰ ہوگا اور اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا اور دونوں نے تاریخ ذکر کی تو دونوں برابر ہوں گے اور اگر غیر قابض نے ملک مورخ پر بینہ قائم کیا اور قابض نے ایسی ملک پر جو اس کی تاریخ سے پہلے ہے تو قابض اولیٰ ہوگا اور اگر قابض و غیر قابض میں سے ہر ایک نے پیدائش پر بینہ قائم کیا تو قابض اولیٰ ہوگا اور اسی طرح ان کپڑوں کی بناوٹ ہے جو بنے نہیں جاتے مگر ایک دفعہ اور اسی طرح ہر سبب ملک میں جو مکرر نہیں ہوتا اور اگر غیر قابض نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا اور قابض نے اس سے خریدنے پر تو قابض اولیٰ ہوگا اور اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا اور تاریخ دونوں کے پاس نہیں تھی تو دونوں بینہ ساقط ہوں گے اور اگر ایک مدعی دو گواہ پیش کرے اور دوسرے نے چار تو دونوں برابر ہوں گے۔

تشریح ــــ قولہ[۱] وان اقام الخارجان :۔ یعنی اگر دونوں مدعی قابض نہ ہوں اور دونوں نے اپنی ملک اور خریدنے کی تاریخ پر گواہ قائم کر دئے تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہوگا یعنی اس غلام کو وہ لے گا کہ جس کی تاریخ سے پہلے

خریدنا ثابت ہوگا کیونکہ اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کا پہلا مالک میں ہوں اور اگر دو مدعیوں نے ایک آدمی سے خریدنے کا دعویٰ کیا یعنی ایسے آدمی سے خریدنے کا کہ جس کا اس غلام پر قبضہ نہیں اور دونوں نے دو تاریخوں میں گواہ بھی پیش کر دیئے تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہوگا کیونکہ اس نے ایسے وقت میں خریدنا ثابت کیا ہے کہ اس وقت کچھ تنازعہ نہیں برخلاف دوسرے کے اور اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر گواہ پیش کر دیا اور دونوں نے ایک ہی تاریخ بیان کی تو یہ دونوں برابر ہیں اور خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی اسلئے کہ وہ دونوں اپنے اپنے بائع کیلئے ملک ثابت کر رہے ہیں۔ پس دونوں ایسا ہی ہوگیا کہ وہ دونوں بائع حاضر ہوں اور وہ دعویٰ کریں اور دونوں ایک ہی تاریخ بیان کریں۔

قولہ وان اقام الخارج البینۃ:۔ یعنی دو مدعیوں میں سے ایک اگر قابض ہے اور دوسرا غیر قابض ہے اور غیر قابض نے اپنی ملکیت اور خریدنے کی تاریخ پر گواہ پیش کر دیئے اور قابض نے اپنی ملکیت اور اس سے پہلے خریدنے کی تاریخ پر گواہ پیش کر دیئے تو یہ قابض میں اولیٰ ہوگا یہ شیخین کے نزدیک ہے لیکن امام محمد کا قول یہ ہے کہ ملک مطلق میں قابض کے گواہ بالکل نہ سنے جائیں گے اسلئے کہ ملکیت پر دونوں کے گواہ ہیں اور جہت ملکیت کے یہ دونوں درپے نہیں ہیں لہذا اس میں تقدم وتاخر برابر ہے اور دلیل شیخین کی یہ ہے کہ قابض کے گواہان سے یہ ثابت ہوگیا کہ پہلے ہی مالک ہو لیے ہے لہذا یہی اولیٰ ہوگا۔

قولہ صاحب الید کل واحد:۔ یعنی اگر کسی جانور کے دو مدعی ہوں ایک قابض ہے اور دوسرا غیر قابض اور جب قابض وغیر قابض میں سے ہر ایک نے اس جانور کے اپنا گھر پیدا ہونے پر گواہ پیش کر دے تو قابض اولیٰ ہے چونکہ مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک اونٹنی کا دعویٰ کیا اور بینہ سے ثابت کیا کہ یہ میری ہے اور اس نے میرے پاس بچہ جنا ہے قابض نے بھی اس طرح بینہ سے ثابت کیا تو سرکار مدینہ نے اونٹنی کو قابض کے حوالہ کر دیں۔

قولہ وان اقام کل واحد منہما:۔ یعنی اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر گواہ پیش کر دیئے اور خریدنے کی تاریخ دونوں کے پاس نہیں ہے تو دونوں کے گواہ رد کر دیئے جائیں گے اور وہ غلام اسی کا رہے گا جس کا قبضہ ہوگا اور اگر ایک مدعی نے دو گواہ پیش کئے اور دوسرے نے چار گواہ پیش کئے تو یہ دونوں برابر ہیں کیونکہ چار کی گواہی بھی مثل دو ہی کے ہے کیونکہ دو گواہوں کی گواہی علت تامہ ہے اور ترجیح کثرت علل سے نہیں ہوتی بلکہ قوت علل سے ہوتی ہے چنانچہ ایک جانب دلیل متواتر ہو اور دوسری جانب احاد تو دلیل متواتر کو ترجیح دیجائیگی۔

ومن ادعی قصاصا علی غیرہ فجحد استحلف فان نکل عن الیمین فیما دون النفس لزمہ القصاص وان نکل فی النفس حبس حتی یقر او یحلف وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی یلزمہ الارش فیہما واذا قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ قیل لخصمہ اعطہ کفیلا بنفسک ثلثۃ ایام فان فعل والا امر بملازمتہ الا ان یکون غریبا علی الطریق فیلازمہ مقدار مجلس القاضی

ترجمہ ——— اور جس نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا اس نے انکار کیا تو قسم لی جائے گی پس اگر

وہ جان کے علاوہ قسم سے انکار کرے تو اس پر قصاص لازم ہوگا اور اگر قتل نفس میں انکار کرے تو قید کیا جائیگا یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے اور امام ابویوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ اس پر دونوں صورتوں میں دیت لازم ہوگی اور اگر مدعی نے کہا کہ میرا بینہ حاضر ہے تو مدمقابل سے کہا جائیگا کہ تین دن کے اندر حاضر ضامن دے پس اگر وہ دیدے تو بہتر ہے ورنہ اس کے پیچھے پڑنے کا حکم دیا جائیگا مگر یہ کہ مدعی علیہ راہ گیر مسافر ہو کہ اس کو قاضی کی کچہری تک ٹھہرائے رکھے گا۔

تشریح:۔ قولہ ومن ادعی قصاصا۔ یعنی اگر کسی نے کسی پر قصاص کا دعوی کیا اور وہ منکر ہوگیا تو اُسے قسم دیجائے پھر اگر جان سے مار ڈالنے سے کم میں قسم کھانے سے انکار کرے مثلاً ہاتھ پاؤں کاٹنے کی قسم ہے تو یہ قصاص اسی پر واجب ہو جائے گا اور اگر جان سے مار ڈالنے کی قسم سے انکار کیا ہے تو اسکو قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یا تو اس خون کے کرنے کا اقرار کرے یا قسم کھالے یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں اس پر دیت واجب ہو جائیگی کیونکہ قسم سے انکار کرنا شبہ اقرار ہے لہذا اس سے قصاص ثابت نہ ہوگا البتہ دیت ثابت ہو جائے گی اور دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں بمنزلہ مال کے ہوتے ہیں اسلئے ان میں اس کا انکار معتبر نہ ہوگا۔

قولہ اذا قال المدعی۔ یعنی جب قاضی کی کچہری میں مدعی کہے کہ میرے گواہ حاضر ہیں یعنی شہر میں یہاں نہیں تو مدعی علیہ کو حکم دیا جائے گا کہ وہ تین دن کے اندر کسی کو اپنا حاضر ضامن دیدے اگر اس نے ایسا کر دیا تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قید کر لیا جائے گا البتہ اگر مدعی علیہ راہ گیر مسافر ہو تو اسکو قاضی کی کچہری کے وقت تک ٹھہرائے رکھیں تاکہ اس عرصہ میں مدعی گواہوں کو حاضر کردے۔

وان قال المدعی علیه هذا الشئ اودعنیه فلان الغائب او رهنه عندی او غصبته منه واقام بینة علی ذلک فلا خصومة بینه وبین المدعی ولو قال ابتعته من فلان الغائب فهو خصم وان قال المدعی سُرِق منی و اقام البینة وقال صاحب الید اودعنیه فلان واقام البینة لم تندفع الخصومة وان قال المدعی ابتعته من فلان وقال صاحب الید اودعنیه فلان فدفعت الخصومة بغیر بینة

ترجمہ:۔ اور اگر مدعی علیہ نے کہا کہ مجھے غائب نے یہ چیز مجھے ودیعت میں دی ہے یا میرے پاس رہن رکھی ہے یا میں نے اس سے غصب کی ہے اور بینہ اس پر قائم کر دیا تو اس کے اور مدعی کے درمیان خصومت نہ رہے گی اور اگر کہا کہ میں نے فلاں غائب سے خریدی ہے تو وہ مدمقابل رہے گا اور اگر مدعی نے کہا کہ میری چیز چرائی گئی ہے اور بینہ قائم کر دیا اور قابض کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے ودیعت میں دی ہے اور بینہ قائم کر دیا تو خصومت ختم ہو جائیگی اور اگر مدعی کہے کہ یہ میں نے فلاں سے خریدی ہے اور قابض کہے کہ مجھے فلاں نے ودیعت میں دی ہے تو خصومت بینہ کے بغیر ختم ہو جائیگی

تشریح:۔ قولہ ان قال المدعی علیہ۔ یعنی مدعی نے اگر کسی چیز کا دعوی کیا اور مدعی علیہ نے جواب میں کہا

یہ چیز تو میرے پاس فلاں شخص نے جو یہاں نہیں ہے امانت رکھی ہے یا اس نے میرے پاس رہن کر دی ہے یا کہے میں نے یہ اس سے غصب کی ہے اور اپنے اس کہنے پر گواہ پیش کر دیئے تو یہ مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔

قولہ [۲] قال ابتعتہ :۔ مدعیٰ علیہ یعنی قابض نے اگر یہ کہا کہ یہ چیز میں نے فلاں غائب سے خریدی ہے تو مقدمہ خارج نہ ہوگا اسی طرح مدعی نے اگر یہ کہا کہ یہ چیز میرے یہاں سے چوری کی گئی تھی اور اس پر مدعی نے گواہ پیش کر دیئے اور قابض یعنی مدعیٰ علیہ نے کہا کہ فلاں شخص نے اس کو میرے پاس امانت رکھا ہے اور اس پر اس نے بھی گواہ پیش کر دیئے تو اس صورت میں بھی مقدمہ خارج نہ ہوگا کیوں کہ مدعیٰ علیہ نے خود اقرار کر لیا کہ میرا قبضہ، قبضۂ خصومت نہیں۔

قولہ [۳] ابتعتہ من فلان :۔ یعنی مدعی نے اگر یہ کہا کہ یہ چیز میں نے فلاں شخص سے خریدی تھی اور قبضہ والے نے کہا کہ میرے پاس اس نے امانت کے طور پر رکھی تھی تو یہ مقدمہ بغیر گواہوں کے گواہی دیئے خارج ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں مدعی نے اس کا اقرار کر لیا کہ مدعیٰ علیہ کے پاس وہ چیز فلاں شخص کی طرف سے ہو چکی ہے پس مدعیٰ علیہ کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہ ہوا۔

والیمین [۱] باللہ تعالیٰ دون غیرہ ویؤکد بذکر اوصافہ ولا یستحلف بالطلاق ولا بالعتاق ویستحلف [۲] الیہودی باللہ الذی انزل التوراۃ علیٰ موسیٰ والنصرانی باللہ الذی انزل الانجیل علیٰ عیسیٰ علیہ السلام والمجوسی باللہ الذی خلق النار ولا یستحلفون فی بیوت عباداتہم ولا یجب تغلیظ الیمین علی المسلم بزمان ولا بمکان ومن [۳] ادعی انہ ابتاع من ھذا عبدہ بالف فجحد استحلف باللہ ما بینکما بیع قائم فیہ ولا یستحلف باللہ ما بعت ویستحلف [۴] فی الغصب باللہ ما یستحق علیک ردہ ھذہ العین ولا رد قیمتہا ولا یستحلف باللہ ما غصبت وفی النکاح باللہ ما بینکما نکاح قائم فی الحال وفی دعوی الطلاق باللہ ما ھی بائن منک الساعۃ بما ذکرت ولا یستحلف باللہ ما طلقہا

ترجمہ ——— اور قسم اللہ کی ہوتی ہے نہ کہ اس کے غیر کی اور اللہ کے اوصاف کو ذکر کر کے تاکید کی جائے گی اور طلاق اور عتاق کی قسم نہ لی جائے گی اور یہودی سے اللہ کی قسم لی جائے گی جس نے تورات کو حضرت موسیٰ پر نازل کی اور نصرانی سے اللہ کی جس نے نازل کی حضرت عیسیٰ پر انجیل کو اور مجوسی سے اللہ کی جس نے آگ کو پیدا کیا اور ان کو ان کے عبادت خانوں میں قسم نہ دی جائیگی اور مسلمان پر قسم کو پختہ کرنا ضروری نہیں زمان یا مکان کے ساتھ اور جس نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس کا غلام اس سے ایک ہزار میں خریدا ہے اور وہ اس کا انکار کرے تو قسم لی جائے گی کہ خدا کی قسم بیع ہمارے درمیان اب تک قائم نہیں اور یوں قسم نہ لی جائیگی کہ خدا کی قسم میں نے نہیں بیچا اور غصب میں قسم لی جائیگی کہ خدا کی قسم یہ اس چیز کے واپس لینے کا مستحق نہیں اور نہ اس کی قیمت کا اور یوں قسم نہ لی جائیگی کہ خدا کی قسم میں نے غصب نہیں کی اور نکاح میں خدا کی قسم اب تک نکاح قائم نہیں اور طلاق کے دعویٰ میں خدا کی قسم نہیں ہے۔ یہ مجھ سے اب تک بائن جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے اور یوں قسم نہ لی جائیگی کہ خدا کی قسم میں نے اسکو طلاق نہیں دی۔

تشریح ——— **قولہ** [۱] والیمین باللہ :۔ یعنی قسم اللہ ہی کے نام کی ہوتی ہے اور کسی کی قسم کھانی جائز نہیں چوں کہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ جو شخص قسم کھانے والا ہو تو اس کو چاہیئے کہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے اور طلاق یا عتاق وغیرہ کی قسم

نہ دیجائے اگرچہ مدعی اس پر اصرار کرے کیونکہ طلاق و عتاق کی قسم دینا حرام ہے البتہ اسماء حسنیٰ مثلاً رحمٰن و رحیم۔ قاہر یا اس کی ایسی صفت کے ساتھ قسم کھائے جس کی قسم کھائی جاتی ہو مثلاً عزت و جلال و قدرت وغیرہ۔

قولہ[۱] یستحلف الیھودی باللّٰہ۔ یعنی یہودی کو اس طرح قسم دیجائے کہ قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰ پر توریت نازل کی تھی اور نصرانی کو اس طرح قسم دیجائے کہ قسم ہے اس اللہ کی جس نے عیسیٰ پر انجیل نازل کی تھی اور مجوسی کو اس طرح کہ قسم ہے اس اللہ کی جس نے آگ کو پیدا کیا ہے اور ان کے عبادت خانوں میں قسم نہ دیجائے اور قسم کو کسی زمانہ یا مکان کے ساتھ پختہ کرنا مسلمان پر ضروری نہیں۔ مثال زمانہ کی یہ ہے کہ کوئی رمضان شریف میں یا جمعہ کے دن یا شب قدر وغیرہ میں کسی کو قسم دلائے اور مثال مکان کی یہ ہے کہ مسجد یا خانہ کعبہ میں یا بیت المقدس میں کوئی قسم دلائے۔ ضروری اس لئے نہیں کہ مقصود صرف اللہ کی قسم لینا ہے اور ان چیزوں کے ساتھ مقید کرنا نص پر زیادتی ہے اس وجہ سے زیلعی وغیرہ نے اس کو غیر مشروع لکھا ہے اور شامی نے عدم جواز کا قول کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی اجازت بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ قسم لعان و قسامہ وغیرہ کے متعلق ہو۔

قولہ[۲] من ادعی انہ ابتاع۔ یعنی اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے اس شخص کا غلام اسی سے ایک ہزار میں خریدا ہے اور بائع اس کا انکار کرے تو بائع کو اس طرح قسم دیجائے یعنی یوں کہے کہ خدا کی قسم اس وقت ہمارے درمیان اس غلام میں بیع قائم نہیں اور اس طرح قسم نہ دیجائے کہ قسم ہے باللہ کی میں نے بیع نہیں کیا۔ اس طرح قسم دینے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک چیز بیع کر دی جاتی ہے اور پھر اس میں اقالہ کر لیا جاتا ہے یا کسی عیب وغیرہ کی وجہ سے وہ واپس کر دیجاتی ہے اس لئے اس وقت ان میں بیع نہ ہونیکی قسم دیجائے تاکہ یہ قسم مذکورہ بالا صورتوں کو شامل نہ ہو۔

قولہ[۳] یستحلف فی الغصب۔ یعنی غاصب کو اس طرح قسم دیجائے کہ قسم ہے خدا کی یہ مدعی اس چیز کے لینے کا مستحق نہیں اور نہ اسکی قیمت لینے کا مستحق ہے نہ کہ اس طرح کہ خدا کی قسم میں نے غصب نہیں کی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اسکو پہلے غصب کرکے اس کو واپس دیدیئے ہوں یا اس کے غصب کرنے کے بعد مالک نے اس کیلئے ہبہ کر دی ہو یا اس نے اس سے خرید لی ہو۔

قولہ[۴] فی النکاح باللّٰہ۔ یعنی اگر کوئی نکاح کا منکر ہو جائے تو اس کو اس طرح قسم دیجائے کہ خدا کی قسم اس وقت ہمارے درمیان نکاح قائم نہیں اور طلاق کے دعویٰ میں اس طرح قسم دیجائے کہ خدا کی قسم یہ عورت اس وقت مجھ سے بائن نہیں جس طرح اس نے بیان کیا اور اس طرح قسم نہ دیجائے کہ خدا کی قسم میں نے اس کو طلاق ہی نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ کہ ہو سکتا ہے اس نے ایک طلاق دے کر پھر اس سے رجعت کر لی ہو یا تین طلاقیں دیکر پھر حلالہ کے بعد نکاح کر لیا ہو۔

وان[۱] کانت دار فی ید رجل ادعاہ اثنان احدھما جمیعھا والآخر نصفھا واقاما البینۃ فلصاحب الجمیع ثلاثۃ ارباعھا ولصاحب النصف ربعھا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ وقالا ھی بینھما اثلاثا ولو[۲] کانت الدار فی ایدیھما سلمت لصاحب الجمیع نصفھا علی وجہ القضاء ونصفھا لا علی وجہ القضاء واذا[۳] تنازعا فی دابۃ واقام کل واحد منھما بینۃ انھا نتجت عندہ

تاریخہا وسن الدابۃ یوافق احد التاریخین فھو اولیٰ وان اشکل ذلک کانت بینھما واذا تنازعا علیٰ دابۃٍ احدھما راکبھا والآخر متعلق بلجامھا فالراکب اولیٰ وکذلک اذا تنازعا بعیراً وعلیہ حملٌ لاحدھما فصاحب الحملِ اولیٰ وکذلک اذا تنازعا قمیصًا احدھما لابسہ والآخر متعلق بکمہٖ فاللابسُ اولیٰ

ترجمہ ـــــــ اور اگر مکان کسی کے قبضہ میں ہو جس کا دعویٰ کریں دو آدمی ایک کل مکان کا اور دوسرا نصف مکان کا اور دونوں بینہ قائم کر دیں تو کل والے کو تین ربع ہوں گے اور نصف والے کو ایک ربع امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں میں مکان تین تہائی ہوگا اور اگر مکان دونوں کے قبضہ میں ہو تو مدعی کل کیلئے ہوگا پورا مکان آدھا بطور قضاء اور آدھا بلا قضاء اور اگر دو آدمی ایک جانور کے متعلق جھگڑا کریں اور ہر ایک اس بات پر بینہ قائم کر دے کہ وہ میرے یہاں پیدا ہوا ہے اور دونوں تاریخ ذکر کریں اور جانور کی عمر کسی ایک تاریخ کے موافق ہو تو وہ اولیٰ ہے اور اگر یہ بھی مشکل ہو جائے تو دونوں میں جانور مشترک رہے گا اور اگر دونوں نے ایک جانور میں جھگڑا کیا اور ایک اس پر سوار ہے دوسرا اس کا لگام پکڑا ہوا ہے تو سوار اولیٰ ہے اور اس طرح اگر اونٹ میں جھگڑا کریں اور اس پر ہر ایک کا بوجھ لدا ہوا ہو تو بوجھ والا اولیٰ ہوگا اور اس طرح اگر قمیص میں جھگڑا کریں ایک اس کو پہنا ہوا ہو اور دوسرا آستین پکڑا ہوا ہو تو پہننے والا اولیٰ ہے۔

تشریح ـــــــ قولہ[۱] وان کانت دار:۔ یعنی ایک مکان اگر ایک شخص کے قبضہ میں تھا اس پر دو آدمیوں نے دعویٰ کیا۔ ایک نے کہا سارے کا سارا مکان میرا ہے اور دوسرے نے نصف کا کہ نصف میرا ہے اور دونوں مدعیوں نے گواہ پیش کر دیئے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس نے سارے کا دعویٰ کیا ہے اس کو تین ربع یعنی مکان کے چار حصہ کر کے تین حصے اس کو دیدیئے جائیں اور ایک ربع یعنی ایک حصہ نصف کے دعویدار کو اور صاحبین کے نزدیک اس مکان کے تین حصے کئے جائیں دو اسی کو دیں جس نے سارے کا دعویٰ کیا ہے اور ایک وہ جس نے نصف کا دعویٰ کیا ہے

قولہ[۲] ولو کانت الدار:۔ یعنی اگر وہ مکان دونوں کے قبضہ میں ہے تو سارا مکان کل کے مدعی کو دیا جائے آدھا تو بطور حکم دعویٰ کے اور آدھا بدون حکم دعویٰ کے کیونکہ یہ آدھا تو اس کے قبضہ میں پہلے ہی سے ہے

قولہ[۳] اذا تنازعا فی دابۃ:۔ یعنی اگر دو آدمیوں نے ایک جانور میں جھگڑا کیا اور اس پر دونوں نے گواہ بھی پیش کر دیئے کہ یہ جانور میرے گھر پیدا ہوا تھا۔ اور دونوں نے پیدا ہونے کی تاریخ بھی بیان کر دی اور اسی جانور کی عمر ایک کی تاریخ کے موافق ہے تو اس جانور کا حقدار اسی تاریخ والا ہوگا اور اگر اس سے بھی کچھ پتہ نہ چلے تو یہ جانور دونوں کا مشترک رہے گا۔

قولہ[۴] علیٰ دابۃ احدھما:۔ یعنی دو آدمیوں کا اگر ایک گھوڑا پر جھگڑا ہوا۔ ان میں سے ایک اس پر سوار تھا اور دوسرا اس کا لگام پکڑا ہوا تھا۔ تو گھوڑا سوار کا ہوگا۔ اور اسی طرح اگر ایک اونٹ پر جھگڑا ہوا اور ایک

مدعی کا اس پر کچھ بوجھ لدا ہوا ہو اور دوسرا اسکی نکیل پکڑا ہوا ہو تو وہ اونٹ بوجھ والے کا ہوگا اسی طرح اگر دو آدمیوں کا ایک کرتا پر جھگڑا ہو۔ ایک اس کرتے کو پہنے ہوئے ہو اور دوسرا اس کی آستین پکڑا ہوا ہو تو وہ کرتا پہننے والے کا ہوگا۔

وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَایِعَانِ فِی الْبَیْعِ فَادَّعَی الْمُشْتَرِیْ ثَمَنًا وَادَّعَی الْبَائِعُ اَکْثَرَ مِنْهُ اَوِ اعْتَرَفَ الْبَائِعُ بِقَدْرٍ مِّنَ الْمَبِیْعِ وَادَّعَی الْمُشْتَرِیْ اَکْثَرَ مِنْهُ وَاَقَامَ اَحَدُهُمَا الْبَیِّنَةَ قُضِیَ لَهٗ بِهَا فَاِنْ اَقَامَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَیِّنَةً کَانَتِ الْبَیِّنَةُ الْمُثْبِتَةُ لِلزِّیَادَةِ اَوْلٰی فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لِّکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَیِّنَةٌ قِیْلَ لِلْمُشْتَرِیْ اِمَّا اَنْ تَرْضٰی بِالثَّمَنِ الَّذِی ادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَاِلَّا فَسَخْنَا الْبَیْعَ وَقِیْلَ لِلْبَائِعِ اِمَّا اَنْ تُسَلِّمَ مَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِیْ مِنَ الْمَبِیْعِ وَاِلَّا فَسَخْنَا الْبَیْعَ فَاِنْ لَّمْ یَتَرَاضَیَا اسْتَحْلَفَ الْحَاکِمُ کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَلٰی دَعْوَی الْاٰخَرِ وَیَبْتَدِیْ بِیَمِیْنِ الْمُشْتَرِیْ فَاِذَا حَلَفَا فَسَخَ الْقَاضِیْ الْبَیْعَ بَیْنَهُمَا فَاِنْ نَّکَلَ اَحَدُهُمَا عَنِ الْیَمِیْنِ لَزِمَهٗ دَعْوَی الْاٰخَرِ۔

ترجمہ ——— اور جب بائع و مشتری بیع میں اختلاف کریں۔ پس مشتری کچھ قیمت کا دعویٰ کرے اور بائع اس سے زائد کا یا بائع مبیع کی ایک مقدار کا اقرار کرے اور مشتری اس سے زائد کا دعویٰ کرے اور ان میں میں ایک بینہ قائم کر دے تو اس کیلئے فیصلہ ہوگا پس اگر دونوں بینہ قائم کر دیں تو زیادتی ثابت کرنے والا بینہ معتبر ہوگا پس اگر ان میں سے کسی کے پاس بینہ نہ ہو تو مشتری سے کہا جائے گا کہ یا تو اس قیمت پر راضی ہو جس کا دعویٰ بائع نے کیا ہے ورنہ بیع ہم فسخ کر دیں گے اور بائع سے کہا جائے گا کہ یا تو اتنی بیع کو حوالہ کر جتنی کا مشتری نے دعویٰ کیا ہے ورنہ ہم بیع کو فسخ کر دیں گے پس اگر وہ رضامند نہ ہوں تو حاکم ان میں سے ہر ایک سے قسم لے دوسرے کے دعویٰ پر مشتری کی قسم سے شروع کرے پس جب وہ قسم کھالیں تو قاضی ان کی بیع کو فسخ کر دے پس اگر ان میں سے کوئی قسم سے انکار کرے تو اس کو دوسرے کا دعویٰ لازم ہو جائے گا۔

تشریح: ——— قولہ واذا اختلف المتبایعان:۔ یعنی جب بائع و مشتری کا بیع میں جھگڑا ہو۔ مشتری کچھ قیمت کا دعویٰ کرے یعنی یہ کہے کہ میں نے اس قیمت کو خریدی ہے اور بائع اس قیمت سے زیادہ کا دعویٰ کرے یعنی وہ کہے کہ میں نے اس سے زیادہ میں بیچا ہے یا بائع بکی ہوئی چیز کی مقدار کا اقرار کرے مثلاً کہے کہ میں نے تو یہ دس من گیہوں بیچے ہیں اور مشتری اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے کہ میں نے بیس من خریدے ہیں اور ان دونوں میں سے ایک گواہ پیش کر دے تو اس کا قول معتبر ہوگا کیونکہ گواہ والا اپنا دعویٰ حجت سے روشن کر دیا اور اگر دونوں نے گواہ پیش کر دیئے تو اس کا قول معتبر ہوگا کہ جس کے گواہوں سے زیادتی کا ثبوت ہوگا کیونکہ گواہ اثبات کیلئے ہوتا ہے اور زائد میں کوئی تعارض نہیں اور اگر دونوں میں سے کسی کا گواہ نہیں تو مشتری سے کہا جائے یعنی قاضی کہے آیا اس قیمت پر راضی ہو جاؤ کہ جس کا بائع نے دعویٰ کیا ہے ورنہ بیع کو فسخ کر دیا جائیگا اور اس طرح بائع سے کہا جائے کہ یا تو اتنی بیع مشتری کے حوالہ کر دے کہ جتنی بیع کا اس نے دعویٰ کیا ہے ورنہ بیع کو فسخ

کر دیا جائے گا پس اگر وہ دونوں اسی پر راضی نہ ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے دعویٰ پر حاکم قسم دے اور پہلے مشتری کو قسم دیجائے تو جب دونوں قسمیں کھالیں تو قاضی ان کی بیع کو فسخ کر دے اور اگر ان میں سے کوئی قسم کھانے سے انکار کرے تو اس پر دوسرے کا دعویٰ لازم ہو جائے گا۔

وان[۱] اختلفا فی الاجل او فی شرط الخیار او فی استیفاء بعض الثمن فلا تحالف بینھما والقول قول من ینکر الخیار والاجل مع یمینہ فان[۲] ھلک المبیع ثم اختلفا فی الثمن لم یتحالفا عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ والقول قول المشتری فی الثمن وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یتحالفان ویفسخ البیع علی قیمۃ الھالک وان[۳] ھلک احد العبدین ثم اختلفا فی الثمن لم یتحالفا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الا ان یرضی البائع ان یترک حصۃ الھالک وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یتحالفان وینفسخ البیع فی الحی وقیمۃ الھالک وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ: ــــــ اور اگر مدت میں اختلاف کریں یا شرط خیار میں یا کچھ قیمت وصول کر لینے میں تو ان میں تحالف نہ ہوگا اور قول معتبر ہوگا منکر خیار یا منکر اجل کا اس کی قسم کے ساتھ اور اگر مبیع ہلاک ہو گئی پھر قیمت میں اختلاف کیا تو شیخین کے نزدیک قسم نہ کھائیں گے اور قول مشتری کا قیمت میں معتبر ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور ہلاک شدہ کی قیمت پر بیع فسخ ہو جائے گی اور اگر دو غلاموں میں سے ایک ہلاک ہو گیا پھر قیمت میں اختلاف کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک قسم نہ کھائیں گے مگر یہ کہ بائع ہلاک شدہ کے حصہ کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور بیع زندہ میں فسخ ہو جائیگی۔ اور ہلاک شدہ کی قیمت میں فسخ ہو جائیگی اور وہ امام محمد کا قول ہے۔

تشریح: ــــــ قولہ[۱] وان اختلفا فی الاجل:۔ یعنی بائع و مشتری کا اگر ادھار بیچنے میں جھگڑا ہو یعنی مشتری کہے کہ میں نے ادھار خرید لیا ہے اور بائع کہے کہ میں نے نقد بیچا ہے یا خیار شرط میں اختلاف ہو یعنی مشتری کہے کہ میں نے خیار کی شرط کر کے خریدا ہے اور بائع اس کا انکار کرے یا کچھ قیمت ادا کرنے میں اختلاف ہو مشتری کہے کہ میں نے کچھ قیمت دیدی ہے اور بائع کہے کہ ابھی کچھ نہیں دی ہے تو ان دونوں کو قسمیں نہ دیجائیں گی اور قول مع قسم کے اس کا معتبر ہوگا جو خیار اور ادھار کا انکار کرتا ہے۔

قولہ[۲] ان ھلک المبیع:۔ یعنی مبیع پر مشتری کا قبضہ ہونے کے بعد مبیع ہلاک ہو گئی پھر قیمت کی مقدار میں جھگڑا ہوا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اب بھی ان دونوں کی قسمیں نہ دیجائیں گی اور قیمت میں مع قسم کے مشتری کا قول معتبر ہوگا اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ ان دونوں کو قسم دیجائے اور قسمیں کھانے کے بعد ہلاک شدہ مبیع کی قیمت پر بیع کو فسخ کر دیا جائے۔

قولہ[۳] ان ھلک احد العبدین:۔ یعنی اگر کسی نے دو غلام خریدے اور ان میں سے ایک مر گیا پھر بائع و مشتری کا قیمت میں اختلاف ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان کو قسم نہ دیجائے البتہ بائع اگر اس پر راضی ہو جائے کہ مرے ہوئے غلام کا حصہ چھوڑ دے جو کہ مشتری کہتا ہے اور زندہ غلام کو مشتری لیلے تو اب قیمت پر اختلاف ہونے سے دونوں پر قسم آئے گی اور امام ابو یوسف نے

فرمایا کہ دونوں کو قسم دیجائے اور زندہ غلام میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں بیع کو فسخ کیا جائے یعنی زندہ غلام کو بائع کو پھیر دیا جائے اور ہلاک شدہ کی قیمت جو مشتری کہے وہ دلا دیجائے یہی قول امام محمد کا ہے ۔

واذا اختلف الزوجان فی المهر فادعی الزوج انه تزوجها بالفٍ وقالت تزوجتنی بالفین فایهما اقام البینة قبلت بینته وان اقاما معًا البینة فالبینة بینة المرأة وان لم یکن لهما بینة تحالفا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ولم یفسخ النکاح ولکن یحکم مهر المثل فان کان مثل ما اعترف به الزوج او اقل قضی بما قال الزوج وان کان مثل ما ادعته المرأة او اکثر قضی بما ادعته المرأة وان کان مهر المثل اکثر مما اعترف به الزوج واقل مما ادعته المرأة قضی لها بمهر المثل

ترجمہ ——— اور جب زوجین کا مہر میں اختلاف ہو جائے پس شوہر دعویٰ کرے کہ ایک ہزار پر شادی کی ہے اور بیوی کہے کہ تونے مجھ سے دو ہزار پر شادی کی ہے تو جو بھی بینہ قائم کرے اس کا بینہ مقبول ہوگا اور اگر دونوں بینہ قائم کردیں تو عورت کا بینہ معتبر ہوگا اور اگر بینہ دونوں کے پاس نہ ہو تو دونوں امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم کھائیں گے اور نکاح فسخ نہ ہوگا اور لیکن مہر مثل کا حکم کیا جائے گا پس اگر مہر مثل اتنا ہو جتنے کا شوہر نے اقرار کیا ہے یا اس سے کم ہو تو فیصلہ شوہر کے قول پر ہوگا اور اگر اتنا ہو جتنے کا عورت نے دعویٰ کیا ہے یا اس سے زیادہ ہو تو عورت کے دعویٰ پر فیصلہ ہوگا اور اگر شوہر کے اقرار کردہ سے زیادہ ہو اور عورت کے دعویٰ سے کم ہو تو عورت کیلئے مہر مثل کا دعویٰ کیا جائے گا ۔

تشریح ——— **قولہ واذا اختلف الزوجان** ۔ یعنی اگر میاں بیوی کا مہر میں جھگڑا ہو مثلاً شوہر نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے ایک ہزار روپیہ کی مہر پر نکاح کیا تھا اور عورت نے کہا کہ تونے دو ہزار کی مہر پر نکاح کیا تھا تو ان دونوں میں سے جو کوئی گواہ پیش کرے اس کے گواہ قبول کرلئے جائیں گے یعنی اس کا قول معتبر ہوگا اور اگر دونوں ہی گواہ پیش کئے تو پھر عورت کے گواہ معتبر ہوں گے اور اگر دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے ۔ اور نکاح فسخ نہ ہوگا کیونکہ ہر ایک کی قسم نے دوسرے کا دعویٰ باطل کردیا تو عقد نکاح ذکر مہر کے بغیر باقی رہا اور عدم ذکر مہر مفسد نکاح نہیں بر خلاف بیع کہ اس میں ثمن کا عدم ذکر مفسد بیع ہے پس جب عقد باقی رہا تو مہر مثل کا حکم دیا جائے گا ۔

قولہ فان کان مثل ما اعترف ۔ یعنی مہر مثل واجب ہونے کی تقدیر پر اگر مثل شوہر کے اقرار کردہ مہر کے برابر ہے یا اس سے کم ہے تو شوہر کے قول پر حکم کردیا جائے گا اور اگر مہر مثل اتنا ہے کہ جتنا عورت نے دعویٰ کیا ہے یا اس سے زیادہ ہے تو عورت کے دعویٰ کے موافق حکم کردیا جائے گا اور اگر مہر مثل شوہر کے اقرار کردہ سے زیادہ ہے اور جتنے کا عورت نے دعویٰ کیا ہے اس سے کم ہے تو اس عورت کیلئے مہر مثل کا حکم کرایا جائے گا ۔

واذا اختلفا فی الاجارة قبل استیفاء المعقود علیه تحالفا وترادا وان اختلفا بعد استیفاء لم یتحالفا وکان القول قول المستاجر وان اختلفا بعد استیفاء بعض المعقود علیه تحالفا وفسخ العقد فیما بقی وکان القول فی الماضی قول المستاجر

مع یمینہ واذا[۲] اختلف المولیٰ والمکاتبُ فی مال الکتابۃِ لم یتحالفا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقالا یتحالفان و تنفسخ الکتابۃ واذا[۳] اختلف الزوجانِ فی متاعِ البیتِ فما یصلح للرجالِ فھو للرجلِ وما یصلح للنساءِ فھو للمرأۃِ وما یصلح لھما فھو للرجلِ فان مات احدُھما واختلف ورثتہ مع الآخرِ فما یصلح للرجالِ و النساءِ فھو للباقی منھما وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یدفع الی المرأۃِ ما یجھز بہ مثلھا والباقی للزوجِ۔

ترجمہ ــــــــ اور جب اجارہ میں معقود علیہ حاصل کرنے سے پہلے اختلاف کریں تو قسمیں کھا کر اجارہ کو ختم کر دیں اور اگر استیفاء کے بعد اختلاف کیا تو قسم نہ کھائیں گے اور مستاجر کا قول معتبر ہوگا اور اگر کچھ معقود علیہ حاصل کرنے کے بعد اختلاف کیا دونوں قسم کھائیں گے اور عقد ما بقی میں فسخ ہو جائے گا اور ماضی میں قسم کے ساتھ مستاجر کا قول معتبر ہوگا اور جب آقا اور مکاتب مال کتابت میں اختلاف کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم نہ کھائیں گے اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور کتابت فسخ ہو جائے گی اور جب زوجین گھریلو سامان میں اختلاف کریں تو جو مردوں کے قابل ہو وہ مرد کا ہوگا اور جو عورتوں کے قابل ہو وہ عورت کا ہوگا اور جو دونوں کے قابل ہو وہ مرد کا ہوگا پس اگر ان میں سے ایک مر گیا اور ایک کے ورثہ نے دوسرے کے ساتھ اختلاف کیا تو جو مردوں اور عورتوں کے قابل ہو وہ ان میں سے زندہ کی ہوگی اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ عورت کو دیا جائے گا وہ جو جہیز میں دیا جاتا ہو اور باقی شوہر کا ہوگا اس کی قسم کیسا

تشریح: ــــ قولہ[۱] واذا اختلفا فی الاجارۃ۔ یعنی اجیر و مستاجر کے درمیان اگر معقود علیہ کے حاصل ہونے سے پہلے اختلاف ہو جائے تو ان دونوں کو قسمیں دے کر اس اجارہ کے معاملہ کو توڑ دیں مثلاً ایک شخص نے ایک کپڑا سینے کو دیا اب یہ کپڑا والا مستاجر ہے اور درزی اجیر ہے معقود علیہ حاصل نہیں ہوا تھا یعنی کپڑا ابھی سینے نہیں دیا تھا کہ ان دونوں میں اختلاف ہو گیا درزی کہتا ہے کہ مجھ سے اس کی سلائی ایک روپیہ ٹھہری ہے اور کپڑا والا کہتا ہے کہ آٹھ آنہ ٹھہرے ہیں تو اس صورت میں دونوں کو قسمیں دے کر اس معاملہ کو فسخ کر دیا جائے اور اگر معقود علیہ حاصل ہونے کے بعد یعنی کپڑا سینے کے بعد اختلاف ہوا تو اب انہیں بالاتفاق قسمیں نہ دی جائیں گی بلکہ مستاجر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر کسی قدر معقود علیہ حاصل ہونے یعنی کچھ کپڑا سلنے کے بعد جھگڑا ہوا تو باقی کپڑے میں دونوں قسمیں کھائیں اور یہ معاملہ فسخ ہو جائے گا اور ماضی میں جو کپڑا سل چکا ہے اس میں مستاجر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

قولہ[۲] اذا اختلف المولیٰ۔ یعنی جب مولیٰ اور مکاتب کے درمیان مال کتابت میں اختلاف ہو جائے مثلاً مولیٰ کہے کہ میں نے ایک ہزار پہ مکاتب کیا ہے اور مکاتب کہے کہ میں آٹھ سو پہ مکاتب ہوا ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک انہیں قسمیں نہ دی جائیں گی اور مکاتب کا قول اسکی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ انہیں قسمیں دی جائیں گی اور کتابت فسخ کر دی جائیگی یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے کیونکہ کتابت عقد معاوضہ ہے جو قابل فسخ ہے پس کتابت بیع کے مشابہ ہوئی۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ معاوضوں میں قسمیں حقوق لازمہ کے انکار کے وقت

ہوتا ہے اور مکاتب پر بدل کتابت لازم ہی نہیں اس لئے کہ وہ خود کو عاجز قرار دیکر اس کو ختم کر سکتا ہے پس کتابت بیع کے معنی میں نہ ہوئی پس قسمیں نہ ہوں گی۔

قولہ[۳] اذا اختلف الزوجان ۔ یعنی جب میاں بیوی کا گھر کے اسباب میں اختلاف ہو مثلاً میاں کہے کہ یہ سب اسباب میرا ہے اور بیوی کہے کہ میرا ہے تو جو اسباب میں مردوں کے قابل ہوں وہ مرد کا ہے مثلاً عمامہ۔ ٹوپی۔ چوغہ۔ تلوار۔ کتابیں وغیرہ اور جو عورتوں کے قابل ہوں وہ عورت کا ہے مثلاً کرتی۔ اوڑھنی۔ زیور وغیرہ اور جو دونوں کے قابل ہو وہ بھی مرد کا ہوگا مثلاً گھر۔ گھوڑا۔ غلام۔ لونڈی۔ برتن۔ جائداد وغیرہ کیونکہ بیوی اور جو کچھ بیوی کے قبضہ میں ہے وہ سب شوہر کے تصرف میں ہے اور ظاہر ہے قول صاحب تصرف کا معتبر ہوتا ہے۔ پس اگر ان میں سے ایک مرگیا اور دوسرے سے وارثوں کا جھگڑا ہوا تو جو چیزیں مردوں اور عورتوں کے قابل ہوں وہ اسی کی ہونگی جو زندہ ہے خواہ مرد ہو یا عورت اسلئے کہ قبضہ زندہ کا ہوتا ہے نہ کہ مردہ کا اور یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے اور امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ جو چیزیں ایسی عورتوں کو جہیز میں دیجاتی ہوں وہ عورت کو دیدی جائیں اور باقی مرد کو لیکن اس سے قسم لے لیا جائے۔

واذا[۱] باع الرجل جاریۃً فجاءت بولدٍ فادعاہ البائع فان جاءت بہ لاقل من ستۃ اشہرٍ من یوم باعھا فھوا بن البائع وامہ ام ولدلہ و یفسخ البیع و یرد الثمن وان ادعاہ المشتری مع دعوۃ البائع او بعدھا فدعوۃ البائع اولی وان[۲] جاءت بہ لاکثر من ستۃ اشہرٍ ولا قل من سنتین لم تقبل دعوۃ البائع فیہ الا ان یصدقہ المشتری وان[۳] مات الولد فادعاہ البائع و قد جاءت بہ لاقل من ستۃ اشہرٍ لم یثبت النسب فی الولد ولا الاستیلاد فی الام وان ماتت الام فادعاہ البائع و قد جاءت بہ لاقل من ستۃ اشہرٍ یثبت النسب منہ فی الولد واخذہ البائع و یرد الثمن کلہ فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ و قالا یرد حصۃ الام ومن[۴] ادعی نسب احد التوامین یثبت نسبھما منہ

ترجمہ ـــــــ اور جب کسی مرد نے باندی فروخت کی پس اس نے بچہ جنا اور بائع نے اس کا دعویٰ کیا پس اگر وہ چھ ماہ سے کم میں جنا ہو اس دن سے جس دن کہ اسکو بیچا تھا تو بچہ بائع کا بیٹا ہوگا اور ماں اسکی ام ولد ہوگی اور بیع فسخ ہو جائیگی اور قیمت لوٹادی جائیگی اور اگر مشتری نے اس کا دعویٰ کیا بائع کے دعوے کے ساتھ یا اس کے بعد تو بائع کا دعویٰ اولیٰ ہوگا اور اگر اس نے بچہ جنا چھ ماہ سے زائد میں اور دو سال سے کم میں تو بائع کا دعویٰ مقبول نہ ہوگا مگر یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کردے اور اگر بچہ مرگیا پھر بائع نے اس کا دعویٰ کیا اور اس کو چھ ماہ سے کم میں جنا تھا تو بچہ میں نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ ام ولد ہونا ماں میں اور اگر ماں مرگئی پھر بائع نے اس کا دعویٰ کیا اور اس کو چھ ماہ سے کم میں جنا تھا تو نسب بچہ میں ثابت نہ ہوگا اور اس کو بائع لے لیگا اور پوری قیمت امام ابوحنیفہ کے نزدیک لوٹائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ بچہ کا حصہ لوٹائے گا اور ماں کا

حصہ نہیں لوٹائے گا اور جس نے جوڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعویٰ کیا تو دونوں کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔

قولہ[۱] واذ باع الرجل جاریۃ۔ یعنی اگر کسی شخص نے کوئی باندی فروخت کی پھر اس باندی کا لڑکا پیدا ہوا تو اس لڑکے پر بائع نے دعویٰ کیا کہ یہ لڑکا میرے نطفہ سے ہے لہٰذا وہ میرا ہے پس اگر اس باندی کے فروخت ہونے کے دن سے لیکر وہ لڑکا چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہے تو یہ لڑکا بائع کا ہے اور اسکی ماں اسکی ام ولد ہے مگر یہ استحسان کے طور پر ہے کیونکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بائع کا دعویٰ باطل ہو جائے گا اسلئے کہ بائع کا باندی کو فروخت کرنا اس بات کا اقرار ہے کہ وہ اسکی ام ولد نہیں بلکہ باندی ہے پس یہ اقرار سابق و دعویٰ لاحق میں تناقض ہوا استحسان کی دلیل یہ ہے کہ وہ اسکی ام ولد نہیں بلکہ باندی ہے پس اقرار سابق و دعویٰ لاحق میں تناقض کو نظر انداز کیا جائے گا اور ملک بائع میں قرار حمل اس بات کی دلیل ہے کہ لڑکا بائع کا ہے کیونکہ ولادت چھ ماہ سے کم میں ہے۔

قولہ[۲] وان جاءت بہ لاکثر۔ یعنی وہ لڑکا اگر چھ ماہ سے زیادہ میں اور دو برس سے کم میں پیدا ہوا ہے تو اب اس میں بائع کا دعویٰ نہ سنا جائے گا مگر یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کرے یعنی یہ کہے کہ یہ لڑکا اس بائع کا ہے میرا نہیں تو بائع کو دلایا جائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ علوق بائع کی ملک میں نہ ہوا ہو پس اس کی طرف سے حجت نہیں پائی گئی پس مشتری کی تصدیق ضروری ہے لہٰذا اس کی تصدیق پر نسب ثابت اور بیع باطل اور لڑکا آزاد اور اسکی ماں بائع کی ام ولد کہلائیگی۔

قولہ[۳] وان مات الولد فادعاہ۔ یعنی اگر وہ لڑکا مر گیا پھر بائع نے اس کا دعویٰ کیا کہ یہ لڑکا میرا تھا اور وہ چھ ماہ سے کم ہی میں پیدا ہوا تھا تو اب اس لڑکا میں بائع کا نسب ثابت نہ ہوگا یعنی وہ اس کا لڑکا نہ کہلائے گا کیونکہ بچہ ثبوت نسب سے مستغنی ہو گیا اور باندی کا ام ولد ہونا بھی ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ لڑکا کے تابع ہے اور اگر لڑکا پیدا ہونے کے بعد باندی مر گئی اور لڑکا اس کے چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا تھا تو اس لڑکا میں اس بائع سے نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ حرمت میں اصل بچہ ہے اس کی ماں نہیں یہی وجہ ہے کہ ماں لڑکا کی طرف منسوب ہوتی ہے نیز باندی کی بھی حرمت بچہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

قولہ[۴] ومن ادعی نسب احد۔ یعنی اگر کسی نے جوڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعویٰ کیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس سے دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا یعنی وہ دونوں بچے اس کے شمار ہوں گے کیونکہ وہ دونوں ایک ہی نطفہ سے ہیں تو ایک کے ثبوت نسب سے دوسرے کا ثبوت نسب ضروری ہے۔

کتاب الشہادات

ترجمہ: گواہوں کا بیان

الشہادۃ فرض[۱] تلزم الشھود ولا یسعھم کتمانھا اذا طالبھم المدعی والشہادۃ بالحدود یخیر فیھا الشاھد بین الستر والاظہار والستر افضل الا انہ یجب ان یشھد بالمال فی السرقۃ فیقول اخذ المال ولا یقول سرق[۲] والشہادۃ علی مراتب منھا الشہادۃ فی الزنا یعتبر فیھا اربعۃ من الرجال ولا تقبل فیھا شہادۃ النساء ومنھا الشہادۃ ببقیۃ الحدود

والقصاصِ تقبل فیہا شہادۃ رجلین ولا تقبل فیہا شہادۃ النساءِ وما سوٰی ذلک من الحقوقِ تقبل فیہا شہادۃ رجلین او رجلٍ وامرأتین سواءٌ کان الحقُ مالاً او غیرَ مالٍ مثل النکاحِ والطلاقِ والوکالۃِ والوصیۃِ ۔

ترجمہ ـــــ گواہی فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہے اور جسکے چھپانے کی گنجائش نہیں ان کیلئے جبکہ ان کو مدعی طلب کرے اور حدود کی گواہی میں اختیار ہے گواہ کو چھپانے اور ظاہر کرنے کا اور چھپانا ہی افضل ہے مگر یہ کہ مال کی چوری میں گواہی دینا واجب ہے پس یہ کہے کہ اس نے لیا ہے اور نہ کہے کہ چرایا ہے اور گواہی کے چند مرتبے ہیں ان میں سے ایک زنا کی گواہی ہے جس میں چار مرد معتبر ہیں اور اس میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں اور انہی سے باقی حدود اور قصاص کی گواہی ہے جس میں دو مردوں کی گواہی مقبول ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں اور اسکے علاوہ حقوق میں مقبول ہیں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی خواہ وہ حق مال ہو یا غیر مال ہو جیسے نکاح اور طلاق اور عتاق اور وکالت اور وصیت۔

تشریح ـــــ **قولہ**[۱] کتاب الشہادات :۔ دعوی کیلئے چونکہ گواہی ضروری ہے اسلئے دعوی کے بعد شہادات کو بیان کیا گیا شہادات جمع ہے شہادۃ کی جو لغت میں باب سمع یسمع کا مصدر بمعنی گواہی دینا ہے اور اصطلاح میں کسی حال کی خبر دینے کو کہا جاتا ہے جو چشم دید ہو۔ اٹکل و گمان سے نہ ہو۔

قولہ[۲] الشہادۃ فرض :۔ یعنی مدعی جب گواہوں کو گواہی میں طلب کرے تو ان کی گواہی دینا فرض و لازم ہے انہیں ہرگز چھپانا جائز نہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ آثم قلبہ۔ دو گواہوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہو تو گواہی دینا فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ ہے اور اگر حق والا گواہ کی گواہی کا علم نہ رکھے اور گواہی نہ دینے کی صورت میں حق کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو گواہ پر بلا طلب گواہی دینا واجب ہے اور اگر حق کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور حق والا گواہی طلب کرے تو گواہی دینا لازم ہے لیکن اگر حدود کی گواہی ہو اور اس کے چھپانے اور ظاہر کرنے میں گواہ کو اختیار ہو تو چھپانا افضل ہے چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا حق تعالیٰ اسکی دنیا و آخرت دونوں میں پردہ پوشی کرے گا۔

قولہ[۳] والشہادۃ علی مراتب :۔ یعنی گواہی کے چار مرتبے ہیں ایک گواہی زنا کی ہے اس کیلئے چار مردوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم اس میں چار کی تصریح ہے اور اس کا مرد ہونا اس سے مستفاد ہے کہ لفظ اربعۃ تا کے ساتھ ہے اور عدد پر تا اس وقت داخل ہوتی ہے جبکہ اس کا معدود مذکر ہو پس اس میں عورت کی گواہی معتبر نہیں ہوتی دوسری قسم حدود و قصاص کی گواہی ہے۔ حدود میں حد قذف اور حد شرب اور حد سرقہ ہے اس قسم میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے واستشہدوا شہیدین من رجالکم میں رجال کی تصریح ہے اور عورتوں کی گواہی ان میں بھی معتبر نہیں ہوتی۔

قولہ[۴] وما سوی ذلک من الحقوق :۔ یعنی تیسری قسم یہ کہ حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے حقوق میں دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہوتی ہے عام ہے کہ وہ حق مال ہو یا کوئی دوسری چیز ہو مثلاً نکاح کا دعوی ہو یا طلاق

یا وکالت یا وصیت یا خلع کا دعوی ہو یا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فان لم یکونا رجلین فرجل و امراتان اسلئے بھی کہ سیدنا مولیٰ علی نے نکاح اور جدائی میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی کو جائز رکھا ہے۔

وتقبل فی الولادۃ والبکارۃ والعیوب بالنساء فی موضع لا یطلع علیہ الرجال شہادۃ امرأۃ واحدۃ ولابد فی ذلک کلہ من العدالۃ ولفظ الشہادۃ فان لم یذکر الشاہد لفظ الشہادۃ وقال اعلم او اتیقن لم تقبل شہادتہ وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یقتصر الحاکم علی ظاہر عدالۃ المسلم الا فی الحدود والقصاص فانہ یسئل عن الشہود وان طعن الخصم فیہم یسأل عنہم وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ لا بد ان یسئل عنہم فی السر والعلانیۃ۔

ترجمہ ـــــ اور ولادت اور بکارت اور عورتوں کے ان عیوب میں مقبول ہے جن پر مردوں کو آگہی نہیں ہوتی صرف ایک عورت کی گواہی اور ان سب میں عادل ہونا اور لفظ شہادت کا ہونا ضروری ہے پس اگر شاہد نے لفظ شہادت کو ذکر نہ کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا یقین رکھتا ہوں تو اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ حاکم مسلمان کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرے مگر حدود و قصاص میں کہ ان میں گواہوں کے متعلق پوچھ گچھ کرے اور اگر مدعی علیہ گواہوں میں طعن کرے تو ان کے حالات دریافت کرے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ ان کے متعلق در پردہ اور علانیہ تحقیق کرنا ضروری ہے۔

تشریح ـــــ قولہ تقبل فی الولادۃ ۔ چوتھی قسم یہ کہ ولادت اور بکارت کے دعوی میں اور عورتوں کے ان تمام عیوب میں جن پر مردوں کو اطلاع نہیں ہوتی صرف ایک عورت کی گواہی مقبول ہو جاتی ہے اگرچہ دو عورت کی گواہی میں احتیاط زیادہ ہے چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ان چیزوں میں عورتوں کی شہادت جائز ہے جن کی طرف سے مرد نظر نہیں کر سکتے۔

قولہ ولابد فی ذلک کلہ :۔ یعنی مذکورہ بالا چاروں صورتوں میں گواہوں کا عادل ہونا اور لفظ شہادت کا ہونا ضروری ہے پس اگر کسی گواہ نے شہادت کا ذکر نہیں کیا یعنی یہ نہیں کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں بلکہ یہ کہا کہ میں جانتا ہوں یا کہا مجھے یقین ہے تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی کیونکہ نصوص سے لفظ شہادت کا شرط ہونا مستفاد ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے واشہدوا اذا تبایعتم ۔ فاستشہدوا شہیدین واقیموا الشہادۃ للہ اور عادل ہونا بھی شرط ہے حکم باری تعالیٰ ہے واشہدوا ذوی عدل منکم۔

قولہ قال ابو حنیفۃ لیعنی امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ حاکم مسلمان کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرے سوائے حدود اور قصاص کے کیونکہ ان کے گواہوں کی مدعی علیہ کے ان گواہوں میں جرح کرنے سے پہلے ہی تحقیقات کرے کہ یہ گواہ کیسے ہیں؟ عادل اور گواہی دینے کے قابل ہیں یا نہیں اور اگر مدعی علیہ ان گواہوں پر جرح کرے تو پھر ان کا حال دریافت کیا جائے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ در پردہ اور علانیہ سب گواہوں کا حال دریافت کیا جائے۔

وما تحملہ الشاہد علی ضربین احدہما ما یثبت حکمہ بنفسہ مثل البیع والاقرار والغصب والقتل وحکم الحاکم فاذا سمع ذلک

الشاهد اوراه وسمعه ان يشهد به وان لم يشهد عليه ويقول اشهد انه باع ولا يقول اشهدني ومنه مالا يثبت حكمه بنفسه مثل الشهادة على الشهادة فاذا سمع شاهداً يشهد بشئ لم يجز له ان يشهد على شهادته الا ان يشهده وكذلك لو سمعه يشهد الشاهد على شهادة لم يسع للسامع ان يشهد على ذلك ولا يحل[۲] للشاهد اذا رأى خطه ان يشهد الا ان يذكر الشهادة

ترجمہ: ——— اور شاہد جس کا تحمل کرتا ہے دو قسموں پر ہے ایک وہ جس کا حکم ثابت ہوتا ہے خود ہی جیسے بیع و اقرار اور غصب اور قتل اور حکم حاکم پس جب ان کو شاہد سنے یا دیکھے تو اس کیلئے ان کی گواہی دینا جائز ہے اگرچہ اس پر گواہ نہ بنایا گیا ہو اور کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے بیچا ہے یہ نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا ہے دوم وہ ہے جس کا حکم خود ثابت نہیں ہوتا جیسے گواہی پر گواہی پس جب کسی شاہد کو گواہی دیتے ہوئے سنے تو اس کی گواہی پر گواہی دینا جائز نہیں مگر یہ کہ وہ اس کو گواہ بنائے اسی طرح اگر سنا کہ گواہ کسی کی گواہی پر گواہی دیتا ہے تو سننے والے کیلئے گنجائش نہیں کہ وہ اس پر گواہی دے اور گواہ کیلئے جائز نہیں جب وہ اپنا خط دیکھے یہ کہ گواہی دے مگر یہ کہ اس کو گواہی خوب یاد ہو۔

تشریح ——— **قولہ[۱] وما یتحملہ:** ۔ گواہ جس چیز کی شہادت کا تحمل کرتا ہے یعنی گواہ کی گواہی دو قسموں پر ہے ایک یہ کہ اس کا حکم خود ہی ثابت ہو جائے جیسے بیع و اقرار غصب قتل پر گواہی دینا یا حاکم کے حکم پر گواہی دینا دوسری قسم یہ کہ اس کا حکم بنفسہ خود ثابت نہ ہو یعنی خود بخود کوئی گواہی نہیں دے سکتا مثلاً شہادت علی الشہادت یعنی گواہی پر گواہی دینا۔ پہلی قسم میں گواہ صرف سن کر بھی گواہی دے سکتا ہے اگر سن کر ان چیزوں کا علم ہو جائے جیسے بیع و اقرار وغیرہ یا دیکھ کر بھی گواہی دے سکتا ہے اگر دیکھنے سے علم ہو جائے جیسے غصب و قتل وغیرہ لیکن دوسری قسم میں اس وقت تک گواہی نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کو گواہ نہ بنایا جائے۔

قولہ[۲] ولا یحل للشاهد: ۔ جب کوئی گواہ اپنا خط دیکھے یعنی اپنی گواہی کی ہوئی دیکھے تو اس کو اس کے دیکھنے پر ہی گواہی دینا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ آیت کریمہ الا من شهد بالحق وهم يعلمون میں علم ضروری ہے اور علم کیلئے واقعہ کی یادداشت لازم ہے کیونکہ خط ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے پس خط دیکھنے سے ہی اپنی گواہی کا یقین نہیں ہو سکتا

ولا تقبل[۱] شهادة الاعمى ولا المملوك ولا المحدود في قذف وان تاب ولا شهادة الوالد لولده وولد ولده ولا شهادة الولد لابويه واجداده ولا تقبل شهادة احد الزوجين للآخر ولا شهادة المولى لعبده ولا لمكاتبه ولا شهادة[۲] الشريك لشريكه فيما هو من شركتهما وتقبل شهادة الرجل لاخيه وعمه ولا تقبل شهادة مخنث ولا نائحة ولا مغنية ولا مدمن الشرب على اللهو ولا من يلعب بالطيور ولا من يغني للناس ولا من يأتي باباً من الكبائر التي يتعلق بها الحد ولا من يدخل الحمام بغير ازار ولا من يأكل الربوا ولا المقامر بالنرد والشطرنج ولا من يفعل الافعال المستخفة كالبول على الطريق والاكل على الطريق ولا تقبل شهادة من يظهر سب السلف

ترجمہ ——— اور اندھا اور غلام اور محدود فی القذف کی گواہی مقبول نہیں اگرچہ توبہ کرے اور نہ والد کی گواہی

بیٹا اور پوتا کیلئے اور نہ بیٹا کی گواہی والدین اور دادا کیلئے اور نہ زوجین میں سے ایک کی گواہی دوسرے کیلئے مقبول نہیں اور نہ آقا کی گواہی اپنے غلام اور مکاتب کیلئے اور نہ ایک شریک کی گواہی دوسرے شریک کیلئے اس چیز میں جو ان کی شرکت کی ہو اور آدمی کی گواہی اپنے بھائی اور چچا کیلئے مقبول ہے اور مخنث کی گواہی مقبول نہیں اور نہ رونیوالی اور نہ گانیوالی اور نہ بطور لہو و لعب ہمیشہ شراب پینے والی کی گواہی اور نہ اسکی جو پرند بازی کرے اور نہ اسکی جو لوگوں کیلئے گائے اور نہ اس کی جو ایسے کبیرہ گناہ کرے جن سے حد متعلق ہوتی ہے اور نہ اسکی گواہی جو حمام میں بلا تہبند داخل ہو اور نہ اسکی گواہی جو سود کھائے اور نہ اسکی جو نرد اور شطرنج کھیلے اور نہ اس کی جو حقیر و ذلیل کام کرے جیسے راہ میں پیشاب کرنا اور راہ میں کھانا اور اس کی گواہی مقبول نہیں جو سلف کو برا بھلا کہتا ہو۔

تشریح — قولہ ولا تقبل شہادۃ :۔ یعنی اندھے اور غلام کی گواہی طرفین کے نزدیک مطلقاً مقبول نہیں لیکن امام مالک مطلقاً مقبول قرار دیتے ہیں کیونکہ شہادت کا جواز بہ لحاظ ولایت و عدالت ہے اور اندھا ہونا قادح ولایت و عدالت نہیں۔ دلیل طرفین کی یہ ہے کہ ادائیگی شہادت کیلئے مشہود لہٗ اور مشہود علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ تمیز کی ضرورت ہے اور اندھا اشارہ سے امتیاز نہیں کرسکتا وہ صرف آواز سے امتیاز کرسکتا ہے اور ظاہر ہے ایک آواز دوسری آواز سے مشابہ ہوتی ہے اسلئے اس کی شہادت مقبول نہیں اور نہ اس کی شہادت مقبول ہے جس کے تہمت لگانے میں حد لگ چکی ہے اگرچہ اس نے توبہ کرلی ہو۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ توبہ کے بعد اس کی شہادت مقبول ہے چونکہ رب تعالےٰ کا قول ہے ولا تقبلوا لھم شہادۃ ابدا واولٰئک ھم الفاسقون الا الذین تابوا۔ اس میں استثناء لا تقبلوا اور اولٰئک ھم الفاسقون دونوں کے ساتھ متعلق ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ استثنا صرف اخیر کے ساتھ متعلق ہوتا ہے معنی یہ کہ توبہ کے بعد وہ اللہ کے نافرمان بندوں میں شمار نہ ہوگا۔

قولہ ولا شہادۃ الشریک :۔ یعنی ایک شریک کی گواہی دوسرے شریک کے حق میں مقبول نہیں اس چیز میں جو ان کی شراکت کی ہو اور اگر کوئی شخص اپنے بھائی یا اپنے چچا کی گواہی دی تو وہ مقبول ہوگی اور مخنث کی گواہی مقبول نہیں۔ مخنث عام ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ قولی مشابہت رکھے یا فعلی۔ فعلی مشابہت یہ ہے کہ محل لواطت ہو اور قولی مشابہت یہ ہے کہ عورتوں کی طرح نرم کلامی اختیار کرے۔ اس کی گواہی اس لئے قبول نہیں کہ وہ فاسق معلن ہے حدیث پاک میں ہے کہ خدا لعنت کرے مردوں میں سے مخنث پر اور عورتوں میں سے اس پر جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے اسی طرح گانیوالی عورت اور نوحہ گر عورت جو دوسروں سے مصیبت میں اجرت لیکر روئے اسکی گواہی بھی مقبول نہیں چونکہ سرکار مدینہ نے نہی عن الصوتین الاحمقین النائحۃ والمغنیۃ اسی طرح نشہ پینے والے کی گواہی بھی مقبول نہیں اور نہ کبوتر باز اور نہ قوال کی اور نہ ایسے شخص کا جو ایسے گناہ کبیرہ کرے کہ جن پر حد لگتی ہو اور نہ ایسے شخص کی کہ جو بلا تہبند حمام میں نہائے اور نہ سود خوار کی اور نہ جو سر بازی اور شطرنج باز کی اور نہ ایسے شخص کی جو افعال مستخفہ کرتا ہو مثلاً راستہ میں پیشاب کرنا اور چلتے ہوئے کھانا اور نہ ایسے شخص کی جو سلف صالحین کو برا بھلا کہتا ہو اور گالیاں دیتا ہو۔ سلف صالحین عام ہے کہ صحابہ کرام ہوں یا اہلبیت کرام یا مجتہدین عظام یا علماء ربانیین۔

وتقبل[1] شهادة اهلِ الاهواءِ الا الخطابية وتقبل شهادة[2] اهلِ الذمة بعضهم على بعض وان اختلف مللهم ولا تقبل شهادة الحربي على الذمي وان كانت الحسنات اغلب من السيئات والرجل ممن يجتنب الكبائرَ قبلت شهادته وان الم بمعصية وتقبل شهادة الاقلف والخصي وولد الزناء وشهادة الخنثى جائزة

ترجمہ ——— اور اہل ہوا کی گواہی مقبول ہے بجز خطابیہ کے اور ذمیوں کی گواہی مقبول ہے بعض کی بعض پر اگرچہ ان کے مذاہب مختلف ہوں اور حربی کی گواہی ذمی پر مقبول نہیں اور اگر کسی کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں اور وہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو تو اس کی گواہی مقبول ہوگی اگرچہ وہ صغیرہ گناہ کرتا ہو اور نامختون اور خصی اور حرامی کی گواہی مقبول ہے اور خنثیٰ کی گواہی جائز ہے۔

تشریح ——— قولہ[1] تقبل شهادة :- یعنی اہل ہوا کی گواہی سنی جائیگی سوائے خطابیہ کے۔ اہل اہوا سے مراد وہ اہل قبلہ ہیں جن کا عقیدہ بعض امور میں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے خلاف ہو جیسے جبریہ۔ قدریہ۔ رافضیہ۔ خارجیہ۔ معطلہ۔ مشبہ۔ اور یہ کل بارہ فرقے ہیں جو علم کلام میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور خطابیہ رافضیوں میں ایک فرقہ ہے۔

قولہ[2] شهادة اهل الذمة :- یعنی ذمیوں کی گواہی ایک کی دوسرے کے حق میں قبول کرلی جائیگی اگرچہ ان کے مذہب مختلف ہوں اور ذمی کے حق میں حربی کی گواہی قبول نہ کی جائیگی اگرچہ اس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں اور جو شخص کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اس کی گواہی قبول کی جائیگی اگرچہ وہ کسی صغیرہ گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے

واذا[1] وافقت الشهادة الدعوىٰ قبلت وان خالفتها لم تقبل ويعتبر اتفاق الشاهدين في اللفظ والمعنى عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى فان[2] شهد احدهما بالالف والآخر بالفين لم تقبل شهادتهما عند ابي حنيفة وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى تقبل بالالف وان شهد احدهما بالالف والآخر بالالف وخمسمائة والمدعي يدعي الفاً وخمسمائة قبلت شهادتهما بالالف واذا[3] شهدا بالالف وقال احدهما قضاه منها خمس مائة قبلت شهادتهما بالالف واذا شهدا بالالف وقال احدهما قضاه منها خمس مائة قبلت شهادتهما بالالف ولم يسمع قوله انه قضاه منها خمسمائة الا ان يشهد معه آخر وينبغي للشاهد اذا علم ذلك ان لا يشهد بالالف حتى يقر المدعي انه قبض خمسمائة۔

ترجمہ :——— اور جب گواہی دعوی کے موافق ہو تو قبول کی جائیگی اور اگر اس کے خلاف ہو تو قبول نہ کی جائیگی اور گواہوں کا متفق ہونا لفظ و معنی میں معتبر ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک پس اگر ایک نے ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ایک ہزار کی مقبول ہوگی اور اگر ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ سو کی اور مدعی پندرہ سو کا دعوی کرے تو ان کی گواہی ایک ہزار کی قبول کی جائیگی اور جب دونے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے کہا کہ ان میں سے پانچ سو دے چکا تو ان کی گواہی ہزار کی قبول کی جائیگی اور اس کا یہ قول نہ سنا جائیگا کہ پانچ سو دے چکا مگر یہ کہ اس کے ساتھ دوسرا بھی گواہی دے اور شاہد کو چاہیئے کہ جب وہ یہ جانتا ہو کہ ہزار کی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی اقرار کرے پانچ سو وصول کرنے کا۔

تشریح ـــــ **قولہ[۱] واذا وافقت الشہادۃ** :۔ یعنی جب گواہی دعویٰ کے موافق ہو تو قبول کی جائیگی اور اگر مخالف ہو تو قبول نہ کی جائیگی اور دو گواہوں کا لفظاً و معنیً دونوں میں متفق ہونا امام ابوحنیفہ کے نزدیک ضروری ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ صرف لفظی موافقت کافی ہے یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں گواہوں کے الفاظ تا ترجمہ معنی میں برابر ہوں خواہ بعینہٖ وہی لفظ ہو یا اس کا غیر ہو پس اگر ایک ہبہ کی گواہی دے اور دوسرا عطیہ کی تو گواہی قبول کی جائیگی

قولہ[۲] فان شہد احدھما :۔ یہ متفرع ہے تطابق شہادتین کی کہ ایک گواہ نے اگر ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان کی گواہی قبول نہ ہو گی کیونکہ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں اور اختلاف لفظی اختلاف معنوی پر دال ہے چنانچہ ایک ہزار کو دو ہزار نہیں کہا جاتا ۔ صاحبین کا قول یہ ہے کہ ایک ہزار میں مقبول ہے کیونکہ دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں اسلئے کہ دو ہزار ایک ہزار کو شامل ہے اور ایک گواہ زیادتی میں منفرد ہے تو جس پر اتفاق ہے وہ ثابت ہوگا اور اگر ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ سو کی اور مدعی نے پندرہ سو ہی کا دعویٰ کیا تھا تو بالاتفاق گواہی ایک ہزار کی مقبول ہو گی ۔ اسلئے کہ دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں لفظاً بھی اور معنیً بھی اسلئے کہ الف اور خمسائۃ دو جملہ ہیں جن میں سے ایک کا دوسرے پر عطف ہے اور عطف اول کو موکد کرتا ہے۔

قولہ[۳] اذا شہد ابالف :۔ یعنی دو گواہوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے یہ بھی کہدیا کہ پانچ سو وصول کر چکا ہے تو ہزار میں ان دونوں کی گواہی مقبول ہو گی اس لیے کہ اس پر ان دونوں کا اتفاق ہے اور ایک گواہ کا یہ کہنا مسترد ہو جائے گا کہ اس نے پانچ سو وصول کر لیا ہے کیونکہ یہ ایک مستقل گواہی ہے اور گواہ صرف ایک ہے اور ایک کی گواہی غیر مشروع ہے البتہ اگر دوسرا بھی اس کے موافق گواہی دے تو مقبول ہو گا۔

واذا[۱] شہد شاھدان ان زیداً قُتِل یوم النحر بمکۃ وشہد آخران انہ قتل یوم النحر بالکوفۃ واجتمعوا عند الحاکم لم یقبل الشہادتین فان سبقت احداھما وقضی بہا ثم حضرت الاخریٰ لم تقبل ولا یسمع القاضی الشہادۃ علی جرحٍ ولا نفیٍ ولا یحکم بذلک الا ما استحق علیہ ولا یجوز[۲] للشاہد ان یشہد بشیٍٔ لم یعاینہ الا النسب والموت والنکاح والدخول وولایۃ القاضی فانہ یسعہ ان یشہد بھذہ الاشیاء اذا اخبرہ بہا من یثق بہ

ترجمہ ـــــ اور جب دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید بقرعید کے دن مکہ میں مارا گیا اور دوسروں نے گواہی دی کہ وہ بقرعید کے دن کوفہ میں مارا گیا اور وہ سب حاکم کے پاس جمع ہوئے تو دونوں گواہیاں قبول نہ کرے پس اگر ایک گواہی پہلے ہو چکی اور اس پر حکم دے چکا ہو دوسری گواہی آئی تو قبول نہ کرے اور قاضی گواہی نہ سنے جرح کے ہونے اور نہ ہونے پر

اور نہ اس پر حکم لگائے مگر جن کا استحقاق ثابت ہو جائے اور گواہی دینا اس چیز کی جائز نہیں جس کو گواہ نے نہ دیکھا ہو سوائے نسب اور موت اور نکاح اور دخول اور ولایت قاضی کے کہ ان کی گواہی دے سکتا ہے جبکہ اس کو قابل وثوق آدمی نے خبر دی ہو۔

تشریح ——— قولہ[۱] واذا شهد شاهدان ، - یعنی چار گواہوں نے ایک قتل کی گواہی دی لیکن اس میں مکان قتل میں اختلاف ہوا مثلاً دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید بقر عید کے دن مکہ میں مارا گیا ہے اور دوسرے دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ وہ بقر عید کے دن کوفہ میں مارا گیا ہے اور یہ تمام گواہ حاکم کے سامنے حاضر ہیں تو حاکم ان دونوں گواہوں کو رد کر دے کیونکہ ان میں سے ایک ضرور کاذب ہے کیونکہ ایک شخص دو جگہ اور دو مرتبہ قتل نہیں کیا جا سکتا ؟ اور ان میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جا سکتی لہذا دونوں ساقط ہو جائیں گے اذا تعارضا تساقطا اور اگر ان میں سے ایک سے گواہی پہلے ہو چکی ہے جس کے متعلق حاکم فیصلہ دے چکا پھر دوسری گواہی دلا گیا تو یہ دوسری گواہی مسترد ہو جائیگی اس لئے کہ پہلی گواہی قضا کے اتصال کی وجہ سے راجح ہو گئی اب دوسری گواہی مرجوح نہ ہوگی۔

قولہ[۲] لا یجوز للشاهد ، یعنی گواہ کو ایسی چیز کی گواہی دینی جائز نہیں جو اس نے دیکھی نہ ہو اگر دس چیزوں میں بغیر دیکھے گواہی درست ہے جبکہ اس سے کوئی ایسا شخص بیان کرے جس پر اس کو اعتماد ہو وہ یہ ہیں (۱) نسب (۲) موت (۳) نکاح (۴) دخول یعنی صحبت (۵) ولایت قاضی (۶) اصل وقف (۷) عتق (۸) ولاء (۹) مہر (۱۰) شرائط وقف۔ وجہ یہ کہ ان چیزوں میں سوائے خواص کے کوئی دوسرا موجود نہیں۔ لہذا گواہی مقبول نہ ہونے کی صورت میں تعطل احکام اور حرج عظیم لازم آئے گا۔

والشهادة[۱] على الشهادة جائزة في كل حق لا يسقط بالشبهة ولا تقبل في الحدود والقصاص ويجوز[۲] شهادة شاهدين على شهادة شاهدين ولا تقبل شهادة واحد على شهادة واحد وصفة[۳] الاشهاد ان يقول شاهد الاصل لشاهد الفرع اشهد على شهادتي اني اشهد ان فلان بن فلان اقر عندي بكذا واشهدني على نفسه وان لم يقل اشهدني على نفسه جاز ويقول شاهد الفرع عند الاداء اشهد ان فلانا اقر عنده بكذا وقال لي اشهد على شهادتي بذلك فانا اشهد بذلك ولا تقبل شهادة شهود الفرع الا ان يموت شهود الاصل او يغيبوا مسيرة ثلثة ايام فصاعدا او يمرضوا مرضا لا يستطيعون معه حضور مجلس الحاكم

ترجمہ ——— اور گواہی پر گواہی دینا جائز ہے ہر ایسے حق میں جو شبہ سے ساقط نہ ہو اور حدود و قصاص میں قبول نہ کی جائیگی اور دو گواہوں کا گواہی دینا جائز ہے دو گواہوں کی گواہی پر اور ایک کی گواہی ایک کی گواہی پر مقبول نہیں اور گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ شاہد اصل کہے شاہد فرع سے کہ گواہ ہو جاؤ تو میری گواہی پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں یعنی فلاں نے میرے سامنے اتنے کا اقرار کیا ہے اور مجھے اپنی ذات پر گواہ بنایا ہے اور اگر اشہدنی علی نفسہ نہ کہے تو بھی جائز ہے اور شاہد فرع کہے اور شہادت کے وقت میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے اس کے پاس اتنے کا اقرار کیا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ تو میری گواہی پر گواہی دے پس میں اسکی گواہی دیتا ہوں اور شہود فرع کی گواہی مقبول نہیں مگر یہ کہ شہود اصل مر جائیں یا غائب ہوں تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر یا اتنے بیمار ہوں کہ اس کی وجہ سے حاکم کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں۔

تشریح ـــــ قولہ والشہادۃ علی الشہادۃ: یعنی گواہی پر گواہی دینا ایسے ہر حق میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ جائز بطور استحسان ہے بطور قیاس نہیں کیونکہ شہادت بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت میں نیابت جاری نہیں ہوتی اور بطور استحسان جائز اسلئے ہے کہ اکثر اصل گواہ موت یا سفر وغیرہ کی وجہ سے ادائے شہادت سے عاجز ہوتا ہے پس اگر شہادت فرع جائز نہ ہو تو اکثر حقوق ضائع ہو جائیں گے البتہ حدود و قصاص میں وہ جائز نہیں کیونکہ اسمیں بحیثیت بدلیت یا بحیثیت زیادۃ احتمال شبہ موجود ہے اور ظاہر ہے حدود و قصاص ادنیٰ شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

قولہ یجوز شہادۃ شاہدین: یعنی دو گواہوں کی گواہی پر دو گواہوں کی گواہی دینا جائز ہے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک چار کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فرع کے ہر دو گواہ اصل کے ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ سیدنا مولیٰ علی نے فرمایا لا یجوز علی شہادۃ المیت الا رجلان یعنی میت کی گواہی پر صرف دو مرد جائز ہیں۔

قولہ صفۃ الاشہاد: یعنی گواہ کو گواہی پر گواہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اصلی گواہ نقلی گواہ سے کہے کہ آپ میری گواہی پر گواہ ہو جائیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے سامنے فلاں بن فلاں نے اتنے روپیہ کا اقرار کیا ہے اور اس نے اپنے اوپر مجھے گواہ بنایا ہے اور اگر یہ کہا کہ اس نے اپنے اوپر مجھے گواہ کر لیا ہے تو بھی جائز ہے یعنی اس قول کا ہونا ضروری نہیں اور یہ نقلی گواہ گواہی دیتے وقت کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں آدمی نے میرے سامنے اتنا روپیہ دینے کا اقرار کیا ہے اور اس نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ آپ میری اس گواہی پر گواہی دیں اسلئے اب میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔

فان عدل شہودَ الاصلِ شہودُ الفرعِ جاز وان سکتوا عن تعدیلہم جاز وینظر القاضی فی حالہم وان انکر شہودُ الاصلِ الشہادۃَ لم تقبل شہادۃ شہودِ الفرعِ وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی شاہد الزور اشہرہٗ فی السوق ولا اعزرہٗ وقالا رحمہما اللہ تعالیٰ نوجعہ ضرباً ونحبسہ

ترجمہ ـــــ پس اگر شہود اصل کو شہود فرع عادل بتائیں تو یہ جائز ہے اور اگر وہ انکی تعدیل سے خاموش رہیں تو بھی جائز ہے اور قاضی ان کی حالات پر غور کرے اور اگر شہود اصل گواہی کا انکار کر دیں تو شہود فرع کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور امام ابو حنیفہ جھوٹی گواہی دینے والے کے متعلق فرمایا میں اسکی تشہیر بازار میں کروں گا اور اسکو سزا دوں گا اور صاحبین نے فرمایا کہ ہم اسکو خوب تکلیف دیں گے اور قید کریں گے

تشریح ـــــ قولہ فان عدل شہود: یعنی اگر اصلی گواہ نقلی گواہوں کے عادل ہونے کو بیان کریں تو جائز ہے اور اگر وہ خاموش رہیں تو بھی انکی گواہی جائز ہے اور حاکم اصلی گواہوں کے حال کی تفتیش کرے اور اگر اصلی گواہ گواہی دینے سے انکار کر دیں تو پھر نقلی گواہوں کی گواہی سنی جائیگی۔

قولہ قال ابو حنیفۃ: یعنی اگر کوئی جھوٹی گواہی دے تو جھوٹے گواہوں میں امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ جھوٹے گواہ دینے والے کو سزا نہیں دی جائیگی بلکہ بازار میں یا اسکی قوم میں اعلان کرایا جائے گا کہ وہ شخص جھوٹا گواہ ہے لہذا اس سے بچیں۔ صاحبین اور یہی قول امام شافعی کا ہے کہ اسکو مار بھی لگائی جائیگی اور قید بھی کیا جائے گا چونکہ سیدنا عمر نے جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے لگایا تھا اور اس کا منہ کالا کیا تھا۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ قاضی شریح نے جھوٹے گواہ کی تشہیر کرتے تھے جنہیں کسی صحابی نے مخالفت نہ کی لیکن حدیث عمر اگر وہ بر بنائے سیاست ہے

باب الرجوع عن الشہادۃ

ترجمہ: گواہی سے پھرنے کا بیان

اذا رجع الشهودُ عن شهادتهم قبل الحکم بها سقطت شهادتهم ولا ضمانَ علیهم فان حکم بشهادتهم ثم رجعوا لم یفسخ الحکم ووجب علیهم ضمان ما اتلفوه بشهادتهم ولا یصح الرجوعُ الا بحضرةِ الحاکم واذا شهد شاهدان بمالٍ فحکم الحاکم به ثم رجعا ضمنا المالَ للمشهودِ علیه وان رجع احدهما ضمن النصف وان شهد بالمالِ ثلاثة رجالٍ فرجع احدهم فلا ضمانَ علیه وان رجع آخر ضمن الراجعان نصفَ المالِ وان شهد رجلٌ وامراتانِ فرجعت امراةٌ ضمنت رُبعَ الحقِ وان رجعتا ضمنتا نصفَ الحقِ۔

ترجمہ —— اور جب گواہ اپنی گواہی سے حکم سے پہلے پھر جائیں تو ان کی گواہی ساقط ہو جائے گی اور ان پر ضمان نہ ہوگا پس اگر ان کی گواہی پر حکم کر چکا اسکے بعد پھر گئے تو حکم فسخ نہ ہوگا اور ان پر اس کا تاوان واجب ہوگا جو تلف کیا ہوا انہوں نے گواہی سے اور پھرنا صحیح نہیں ہے مگر حاکم کے سامنے اور جب دو گواہوں نے مال کی گواہی دی اور حاکم نے اسکے مطابق حکم کر دیا اس کے بعد وہ پھر گئے تو مال کے ضامن ہوں گے مشہود علیہ کیلئے اور اگر ان میں سے ایک پھرا تو نصف کا ضامن ہوگا اور اگر تین آدمیوں نے مال کی گواہی دی اور ایک پھر گیا تو اس پر ضمان نہیں اور اگر ایک دوسرا بھی پھر گیا تو دونوں پھرنے والے نصف مال کے ضامن ہونگے اور اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی اور ایک عورت پھر گئی تو چوتھائی حق کا ضامن ہوگی اور اگر دو پھر گئیں تو نصف حق کی ضامن ہوں گی۔

تشریح —— **قولہ**[۱] **اذا رجع الشهود**:- یعنی جب گواہ اپنی گواہی سے اس گواہ پر حکم ہونے سے پہلے پھر جائیں تو ان کی گواہی ساقط ہو جائیگی یعنی ان کے پھرنیکے بعد اس گواہی کے مطابق حاکم حکم نہ دے گا اور ان گواہوں پر تاوان بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے مدعی و مدعی علیہ کی کوئی چیز تلف نہیں کی اور اگر ان کی گواہی پر حکم ہو چکا تھا پھر وہ پھر گئے تو اب وہ حکم فسخ نہ ہوگا اور ان کی گواہی سے جس قدر نقصان ہوگا اس کا تاوان ان پر واجب ہوگا کیونکہ یہ اس تعدی کا اقرار کر چکے ہیں لہذا ان پر تاوان واجب ہے۔

قولہ[۲] **اذا شهد شاهدان**:- یعنی جب دو گواہوں نے کسی مال کے دوسرے کے ذمہ ہونیکی گواہی دیدی اور حاکم نے ان کی گواہی پر اس کے ادا کرنیکا حکم دیدیا پھر یہ دونوں گواہی سے پھر گئے تو مشہود علیہ کیلئے یعنی جس کے ذمہ ہونیکی گواہی دی تھی اس کیلئے اس مال کے ضامن ہوں گے اور اگر ایک گواہ پھر گیا ہے تو نصف مال کا ضامن ہوگا اور اگر تین گواہوں نے کسی مال کی گواہی دی تھی پھر ان میں سے ایک پھر گیا تو اس پر ضمان واجب ہوگا کیونکہ گواہی کا نصاب یعنی دو گواہوں کا ہونا ابھی باقی ہے اور اگر اس ایک کے پھرنے سے دوسرا بھی پھر گیا تو یہ دونوں نصف مال کے ضامن ہوں گے۔

وان شهد[۱] رجلٌ وعشرةُ نسوةٍ فرجع ثمانُ نسوةٍ منهن فلا ضمانَ علیهن فان رجعت اخری کان علی النسوةِ ربعُ الحقِ فان رجع الرجلُ والنساءُ فعلی الرجلِ سدسُ الحقِ وعلی النساءِ خمسةُ اسداسِ الحقِ عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالی وقالا علی الرجلِ النصفُ وعلی النسوةِ النصفُ وان شهد[۲] شاهدانِ علی امرأةٍ بالنکاحِ بمقدارِ مهرِ مثلها او اکثر ثم رجعا فلا ضمانَ علیهما وان شهدا باقل من مهرِ المثلِ ثم رجعا لم یضمنا النقصانَ وکذلک اذا شهدا علی رجلٍ بتزویجِ امرأةٍ بمقدارِ مهرِ مثلها وان شهدا باکثر من مهرِ المثلِ ثم رجعا ضمنا الزیادةَ وان شهدا ببیعِ شیءٍ بمثلِ القیمةِ او اکثر ثم رجعا لم یضمنا وان کان باقل من القیمةِ ضمنا النقصانَ وان شهدا علی رجلٍ انه طلق امراتہ قبل الدخولِ بها ثم رجعا ضمنا نصفَ المهرِ وان کان بعد الدخولِ لم یضمنا وان[۳] شهدا

انہ اعتق عبدہٗ ثم رجعا ضمنا قیمتہ وان شھدا بقصاص ثم رجعا بعد القتل ضمنا الدیۃ ولا یقتص منھما

ترجمہ ـــــــــ اور اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی اور ان میں سے آٹھ عورتیں پھر گئیں تو ان پر ضمان نہیں پس اگر ایک اور پھر جائے تو عورتوں پر چوتھائی حق واجب ہوگا پس اگر مرد اور عورتیں سب پھر گئیں تو مرد پر حق کا چھٹا حصہ واجب ہوگا اور عورتوں پر پانچ حصے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ مرد پر نصف حق ہوگا اور نصف حق عورتوں پر اور اگر دو گواہوں نے ایک عورت پر نکاح کی مہر مثل یا اس سے زائد مقدار پر ہونیکی گواہی دی اس کے بعد وہ پھر گئے تو ان پر ضمان نہ ہوگا اور مہر مثل سے کم پر گواہی دی انکے بعد پھر گئے تو کمی کے ضامن نہ ہوں گے اور اسی طرح جب مرد پر کسی عورت سے نکاح کرنیکی اس کی مہر مثل یا اس سے کم مقدار پر گواہی دیں اور اگر مہر مثل سے زائد پر گواہی دیں اسکے بعد پھر جائیں تو زیادتی کے ضامن ہوں گے اور اگر مثل قیمت یا زیادہ کے عوض بیع ہونیکے گواہی دیں اس کے بعد پھر گئے تو ضامن ہوں گے اور اگر کم قیمت پر ہو تو کمی کے ضامن ہوں گے اور اگر ایک شخص پر گواہی دی کہ اس نے اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دیدی اس کے بعد پھر گئے تو نصف مہر کے ضامن ہوں گے اور اگر دخول کے بعد ہو تو ضامن نہ ہوں گے اور اگر گواہی دی کہ اس نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا اسکے بعد پھر گئے تو اسکی قیمت کے ضامن ہوں گے اور اگر قصاص کی گواہی دے کر پھر گئے قتل کے بعد تو دیت کے ضامن ہونگے اور ان سے قصاص نہ لیا جائے گا۔

تشریح ـــــــ **قولہ** وان شھد رجل :۔ یعنی اگر کسی کے حق میں ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی تھی پھر ان میں سے آٹھ عورتیں پھر گئیں تو ان پر ضمان نہیں کیونکہ ابھی گواہی کا نصاب باقی ہے اور وہ ایک مرد اور دو عورتیں ہیں پھر اگر نویں عورت بھی پھر گئی تو ان سب عورتوں پر چوتھائی حق کا تاوان واجب ہو جائے گا اور وہ مرد اور وہ سب عورتیں پھر گئیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس حق کے چھ حصے ہوں گے ان میں سے ایک چھٹا حصہ مرد پر واجب ہوگا اور پانچ عورتوں پر اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ نصف مرد پر واجب ہوگا اور نصف ان عورتوں پر کیونکہ دس عورتیں بمنزلہ ایک مرد کے تھیں لہذا وہ نصف نصاب ہوئیں۔

قولہ وان شھد شاھدان :۔ یعنی اگر دو گواہوں نے کسی عورت کا نکاح مہر مثل پر زیادہ پر ہونیکی گواہی دی تھی پھر وہ دونوں گواہی سے پھر گئے تو ان پر ضمان نہیں اور اگر مہر مثل سے کم پر گواہی دی ہے تو وہ اسی کمی کے ضامن نہ ہوں گے اور اسی طرح اگر دو گواہوں نے کسی مرد پر گواہی دی کہ اس نے ایک عورت سے مہر مثل پر یا مہر مثل سے کم پر نکاح کیا ہے تو بھی وہ ضامن نہ ہونگے اور اگر مہر مثل سے زیادہ کی گواہی دی تھی پھر وہ رجوع کر گئے تو وہ اس زیادتی کے ضامن ہونگے ان دونوں نے اس زیادتی کا گواہی دیکر بغیر کسی عوض کے تلف کر دیا ہے اور بغیر کسی عوض کے کسی چیز کو تلف کرنا ہی ضمان اور تاوان کا باعث ہوتا ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ ان کے گواہی سے پھر جانے کے بعد یہ نکاح جائز رہے گا یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظاہراً و باطناً ہر طرح جائز رہے گا یہاں تک کہ اس عورت سے صحبت کرنی جائز ہوگی۔ اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ ظاہراً تو جائز ہوگا لیکن باطناً جائز نہ ہوگا ان کے نزدیک اس مرد کو اسی عورت سے صحبت کرنی جائز نہ ہوگی۔

قولہ وان شھدا انہ اعتق عبدہٗ :۔ یعنی اگر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں شخص نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا ہے اور ان کی گواہی پر حاکم نے حکم دیدیا اور وہ غلام آزاد ہو گیا پھر یہ دونوں گواہ رجوع کر گئے تو وہ دونوں اسی غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے اور اگر دو گواہوں نے قصاص کی گواہی دی اور جس پر گواہی دی تھی وہ ان کی گواہی کی وجہ سے قتل کر دیا گیا اور قتل ہونے کے بعد یہ دونوں گواہی سے رجوع کر گئے تو یہ خون بہا کے ضامن ہوں گے اور ان سے قصاص نہ لیا جائے گا۔

وَاِذَا رَجَعَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ ضَمِنُوْا وَاِنْ رَجَعَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ وَقَالُوْا لَمْ نُشْهِدْ شُهُوْدَ الْفَرْعِ عَلٰی شَهَادَتِنَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ وَاِنْ قَالُوْا اَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِطْنَا ضَمِنُوْا وَاِنْ قَالَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ كَذَبَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ اَوْ غَلِطُوْا فِيْ شَهَادَتِهِمْ وَلَمْ يُلْتَفَتْ اِلٰی ذٰلِكَ وَاِذَا شَهِدَ اَرْبَعَةٌ بِالزِّنَا وَشَاهِدَانِ بِالْاِحْصَانِ فَرَجَعَ شُهُوْدُ الْاِحْصَانِ لَمْ يَضْمَنُوْا وَاِذَا رَجَعَ الْمُزَكُّوْنَ عَنِ التَّزْكِيَةِ ضَمِنُوْا وَاِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِوُجُوْدِ الشَّرْطِ ثُمَّ رَجَعُوْا فَالضَّمَانُ عَلٰی شُهُوْدِ الْيَمِيْنِ خَاصَّةً۔

ترجمہ ـــــ اور جب شہود فرع رجوع کر جائیں تو ضامن ہوں گے اور اگر شہود اصل رجوع کر جائیں اور کہیں کہ ہم نے شہود فرع کو گواہ نہیں بنایا یا اپنی شہادت پہ تو ان پر ضمان نہ ہوگا اور اگر وہ کہیں کہ ہم نے ان پر گواہ بنایا اور ہم نے غلطی کی تو ضامن ہوں گے اور اگر شہود فرع نے کہا کہ جھوٹ بولا ہے شہود اصل نے یا انہوں نے گواہی میں غلطی کی ہے تو اس کی طرف التفات نہ کیا جائے گا اور اگر چار نے زنا کی گواہی دی اور دو نے محصن ہونے کی اس کے بعد احصان کے گواہ رجوع کر گئے تو ضامن نہ ہوں گے اور جب تزکی لوگ تزکیہ سے رجوع کر جائیں تو ضامن ہوں گے اور جب دو گواہوں نے قسم کی گواہی دی اور دو گواہوں نے شرط پائے جانے کی اس کے بعد رجوع کر گئے تو ضمان خصوصاً قسم کے گواہوں پر ہوگا۔

تشریح ـــــ **قولہ** [1] واذا رجع شهود الفرع الخ شہود فرع یعنی نقلی گواہ اگر گواہی سے رجوع کر جائیں تو وہ ضامن ہوں گے کیونکہ قاضی کی مجلس میں گواہی ان ہی کی طرف سے صادر ہوتی ہے نہ کہ اصول سے اور ان ہی کی گواہی پر قاضی کا حکم مبنی ہے لہذا تلف ان ہی کی طرف منسوب ہوگا اور اگر نقلی گواہوں کی گواہی پر قاضی کے حکم دینے کے بعد اصلی گواہ رجوع کر گئے اور یہ کہا کہ ہم نے اپنی گواہی پر ان کو گواہ نہیں کیا تھا تو ان اصلی گواہوں پر اس کا تاوان واجب نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے گواہ بنانے ہی سے انکار کر دیا ہے اور اگر انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے اپنی غلطی سے ان کو اپنا گواہ کر لیا تھا تو اب یہ ضامن ہوں گے یعنی ان پر تاوان واجب ہوگا۔

قولہ [2] اذا شهد اربعة:۔ یعنی جب چار آدمیوں نے زنا کی گواہی دی اور دو آدمیوں نے احصان کی یعنی زانی اور زانیہ کے محصن ہونے کی پھر احصان کے گواہ رجوع کر گئے تو ان پر تاوان نہ آئے گا کیونکہ علت رجم احصان نہیں زنا ہے اور اگر زنا کی گواہی سے رجوع کر جائیں تو ان پر تاوان لازم آئے گا۔

قولہ [3] اذا شهد شاهدان: یعنی دو گواہوں نے اگر قسم کی گواہی دی تھی اور دو نے شرط ہونے کی پھر یہ سب رجوع کر گئے تو تاوان صرف قسم والے گواہوں پر واجب ہوگا مثلاً دو آدمیوں نے یہ گواہی دی کہ زید نے یہ قسم کھائی ہے کہ اگر میری عورت فلاں کام کرے تو اس کو طلاق ہے اور دو نے اس شرط کے ہونے یعنی اس عورت کے وہ کام لینے کی گواہی دی اور اس پر طلاق پڑ گئی تو اس صورت میں گواہی پر تاوان آئے گا کیونکہ وہ قسم ہی کے ساتھ متعلق ہے۔

کتاب آداب القاضی

ترجمہ :- **قاضی کے آداب کا بیان**

لا تصح[1] ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولّی شرائط الشہادۃ ویکون من اھل الاجتہاد ولا باس[2] بالدخول فی القضاء لمن یثق بنفسہ انہ یؤدی فرضہ ویکرہ الدخول فیہ لمن یخاف العجز عنہ ولا یامن علی نفسہ الحیف فیہ ولا ینبغی[3] ان یطلب الولایۃ ولا یسئلھا ومن[4] قلّد فی القضاء سلم الیہ دیوان القاضی الذی کان قبلہ وینظر فی حال المحبوسین فمن اعترف منھم بحق الزمہ ایاہ ومن انکر لم یقبل قول المعزول علیہ الا ببینۃ فان لم یعجل بتخلیتہ حتی ینادی علیہ ویستظھر فی امرہ وینظر[5] فی الودائع وارتفاع الوقوف فیعمل علی حسب ما تقوم بہ البینۃ او یعترف بہ من ھو فی یدہ ولا یقبل قول المعزول الا ان یعترف الذی ھو فی یدہ ان المعزول سلمھا الیہ فیقبل قولہ فیھا

ترجمہ : ـــــ قاضی کی ولایت درست نہیں ہوتی یہاں تک کہ جمع ہوں اس میں جس کو قاضی بنایا گیا ہے شہادت کی شرطیں اور وہ اہل اجتہاد میں سے ہو اور قاضی ہونے میں اس کیلئے کوئی حرج نہیں جس کو فرائض قضا کی انجام دہی کا خود پر اعتماد ہو اور مکروہ ہے اس کیلئے جس کو اس سے عاجز ہونے کا اندیشہ ہو اور اپنے سے ظلم ہونے پر مطمئن نہ ہو اور مناسب نہیں ہے یہ کہ وہ عہدۂ قضا کی درخواست کرے اور اس کا طلب گار نہ ہو اور جو عہدۂ قضا قبول کرے تو اس کے حوالے کیا جائے اس قاضی کا دفتر جو اس سے پہلے تھا اور وہ قیدیوں کے حالات پر غور کرے پس جو ان میں سے حق کا اقرار کرے تو اس پر وہ لازم کر دے جو انکار کرے تو معزول قاضی کی بات نہ مانے مگر بینہ کے ساتھ پس اگر بینہ قائم نہ ہو تو رہا کرنے میں عجلت نہ کرے یہاں تک کہ اس کی منادی کرائے یا انتظار کرے اور غور کرے ودیعتوں اور اوقاف کی آمدنیوں میں پس اس کے مطابق عمل کرے جو بینہ ثابت کرے یا وہ شخص اقرار کرے جسکے قبضہ میں یہ چیزیں ہیں اور معزول قاضی کی بات نہ مانے مگر یہ کہ وہ شخص اقرار کرے جس کے قبضہ میں ہے کہ معزول قاضی نے اسکے حوالہ کی ہے پس اس کی بات مان لے۔

تشریح :- قولہ[1] ولا تصح ولایۃ القاضی :۔ یعنی جب تک کسی میں گواہی کی کل شرطیں موجود نہ ہوں اس کا قاضی ہونا درست نہیں اور وہ شرطیں یہ ہیں۔ عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، مسلمان ہونا، عادل ہونا، انکھیارا ہونا، بہرا اور گونگا نہ ہونا، محدود فی القذف نہ ہونا پس جو شخص گواہ کے لائق ہو وہی قضا کے لائق ہوگا اور وہ شخص مجتہد بھی ہو۔

قولہ[2] ولا باس بالدخول :۔ یعنی جس کو اپنے اوپر اعتماد ہو کہ میں اس عہدہ کا فرض خوب ادا کروں گا تو اس کے قاضی ہونے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایمان کے بعد حق کیلئے قاضی ہونا عظیم تر عبادت ہے چونکہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ امام عادل کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ علماء کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قضا کے لئے متعین ہو اور دوسرا اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس پر قبول قضا فرض عین ہے اگر ایسا نہ ہو تو فرض کفایہ ہے اور اگر اس کو ظلم کا اندیشہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور ظن غالب ہو تو حرام ہے۔

قولہ[3] ولا ینبغی ان یطلب الولایۃ :۔ یعنی عہدۂ قضا کی درخواست کرنی اور اس کا طلب گار ہونا نہیں چاہیے

بلکہ اپنے دل میں اس کی خواہش بھی نہ کرے اس لئے کہ حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص قضا کا سوال کرے اس کو اسی کی ذات کے سپرد کر دیا جائے گا یعنی خدا کی طرف سے اسمیں خیر نہ ہوگی اور جس کو زبردستی قاضی بنایا جائے اس پر فرشتہ نازل ہوگا جو اس کو مراۃ مستقیم پر قائم رکھیگا۔

قولہ[۱] من قلد فی القضاء۔ یعنی جس کو قاضی بنایا جائے اس کیلئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے قاضی کا دفتر یعنی رجسٹر اس کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ اس سے قیدیوں کے حال کی خوب تحقیقات کرے پس جو قیدی ان میں اپنے ذمہ دوسرے کے حق کا اقرار کرے اس پر وہ حق لازم کر دے اور جبتک مدعی اس کو قید میں رکھنا چاہے قید میں رکھے اور جو قیدی انکار کرے یعنی یہ کہے کہ میرے ذمہ کسی کا کوئی حق وغیرہ نہیں تو اسکے بارے میں بغیر ثبوت گواہوں کے معزول قاضی کا قول ثبوت کے بغیر نہ مانے پس اگر وہ ثبوت پیش نہ کر سکے تو اس کو رہائی میں عجلت نہ کرے بلکہ ندا کرائے کہ اگر فلاں قیدی کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو تو وہ آکر درخواست کرے۔

قولہ[۵] ینظر فی الودائع۔ یعنی امانتوں اور اوقاف کی آمدنیوں کی خوب جانچ پڑتال کرے اور جو کچھ گواہوں وغیرہ سے ثابت ہو یا جو تحقیق کرنے سے معلوم ہوا ہے اس کا وہ مستحق کرے کہ جس کے قبضہ میں یہ اوقاف یا امانتیں ہیں تو اس کے موافق عمل درآمد کرے اور اگر معزول شدہ کوئی وقف کسی کے پاس ہونے کو کہے تو اس کے قول کو نہ مانے کیونکہ وہ اب رعایا کا ایک فرد ہو گیا ہے البتہ قابض اگر یہ اقرار کرے کہ معزول قاضی نے مجھ کو ودائع اور حاصل اوقاف سپرد کئے ہیں تو ان کے متعلق معزول قاضی کا قول مقبول ہوگا اسلئے کہ قابض کے اقرار سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ معزول قاضی کا قبضہ تھا۔

ویجلس[۱] للحکم جلوساً ظاهراً فی المسجدِ ولا یقبل هدیۃً[۲] الا من ذی رحمٍ محرمٍ منه او ممن جرت عادتهٗ قبل القضاءِ بمهاداتهٖ ولا یحضر دعوۃً الا ان تکون عامۃً ویشهد الجنازۃَ و یعود المریضَ ولا یضیف احدَ الخصمین دون خصمهٖ فاذا[۳] حضرا سوّی بینهما فی الجلوسِ والاقبالِ ولا یسار احدهما ولا یشیر الیه ولا یلقنه حجۃً فاذا[۴] ثبت الحق عنده وطلب صاحب الحق حبس غریمه لم یعجل بحبسه وامره بدفع ما علیه فان امتنع حبسه فی کل دینٍ لزمه بدلاً عن مالٍ حصل فی یده کثمن المبیعِ وبدل القرض او التزمه بعقدٍ کالمهر والکفالۃ ولا یحبسه فیما سوی ذلک اذا قال انی فقیرٌ الا ان یثبت غریمه ان له مالاً و یحبسه شهرین او ثلاثۃً ثم یسأل عنه فان لم یظهر له مالٌ خلّی سبیله ولا یحول بینه و بین غرمائهٖ و یحبس[۵] الرجلُ فی نفقۃِ زوجتهٖ ولا یحبس الوالدُ فی دینِ ولدهٖ الا اذا امتنع من الانفاقِ علیه و یجوز قضاء المرأۃ فی کل شیءٍ الا فی الحدودِ والقصاصِ

ترجمہ: ــــــ اور حکم کیلئے مسجد میں جلوس عام کرے اور ہدیہ قبول نہ کرے مگر ذی رحم محرم کا یا اس کا جس کی عادت ہو قاضی ہونے سے پہلے ہدیہ دینے کی اور دعوت میں نہ جائے مگر یہ کہ عام دعوت ہو اور جنازہ میں شامل ہو اور بیمار پرسی کرے اور مہمان نوازی نہ کرے خصمین میں سے تنہا ایک کی اور جب وہ آئیں تو بیٹھک اور توجہ میں برابری رکھے اور کسی ایک سے سرگوشی نہ کرے

اور نہ کوئی اشارہ کرے اور نہ حجت سکھائے اور جب اس کے نزدیک حق ثابت ہو جائے اور صاحب حق مقروض کے قید کرنے کو طلب کرے تو قید کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ اس کو ادا کرنے کا حکم کرے پس اگر وہ باز رہے تو قید کرے ہر ایسے قرض میں جو لازم ہوا ہو اسکو ایسے مال کے عوض جو حاصل ہوا ہو اس کو جیسے مبیع کی قیمت اور بدل قرض یا اس کا التزام کیا ہو عقد کے ذریعہ جیسے مہر کفالت اسکے علاوہ میں قید نہ کرے جب وہ کہے کہ میں فقیر ہوں مگر یہ کہ قرضخواہ ثابت کردے کہ اسکے پاس مال ہے اور اس کو قید رکھے دو تین ماہ پھر مال کی تحقیق کرے اگر مال ظاہر نہ ہو تو اسکو رہائی کردے اور حائل نہ ہو اسکے اور قرض خواہوں کے درمیان اور میاں بیوی کے نفقہ میں قید کیا جائے اور باپ کو بیٹے کے قرض میں قید نہ کیا جائے مگر جب وہ اس پر خرچ کرنے سے باز رہے اور جائز ہے عورت کا قاضی ہونا ہر معاملہ میں سوائے حدود و قصاص کے۔!

تشریح — قولہ مجلس الحکم:۔ یعنی قاضی فیصلہ مسجد یا کچہری میں کیا کرے اور لوگوں کو آنیکی عام اجازت دے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی فیصلہ کیلئے مسجد میں مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ فیصلہ کیلئے قاضی کے پاس مشرک بھی آسکتا ہے جو بحکم قرآن نجس ہے اور حائضہ بھی آسکتی ہے جس کا دخول مسجد میں ممنوع ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ آپ معتکف میں اور خلفاء راشدین وغیرہ فصل خصومات کیلئے مسجد میں بیٹھتے تھے اور آیت کریمہ انما المشرکون نجس میں باطنی نجاست مراد ہے ظاہری نہیں اور مسجد کیلئے ممنوع ظاہر نجاست ہے۔

قولہ ولا یقبل ھدیۃ:۔ قاضی تحفے اور سوغات قبول نہ کرے چونکہ سرکار مدینہ نے ایک عامل سے متعلق ارشاد فرمایا ھلا جلس فی بیت ابیہ و بیت امہ فینظر ایھدی لہ ام لا البتہ اگر کوئی قرابت دار یا وہ شخص ہدیہ پیش کرے جو قاضی ہونے سے پہلے عادت تھی تو ان کے تحفے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ عادت قدیمہ کے مطابق ہو۔

قولہ فاذا حضرا:۔ یعنی جب مدعی و مدعی علیہ دونوں حاضر ہو جائیں تو قاضی دونوں کو برابر بٹھائے اور دونوں کیطرف یکساں متوجہ ہو ان میں سے کوئی آہستہ بات نہ کرے اور نہ کسی ایک کی طرف کچھ اشارہ کرے اور نہ اسکو کچھ حجت سمجھائے کیونکہ ان چیزوں سے ایک دوسرے کی دل شکنی ہو جائیگی اور قاضی پر تہمت نہ لگائے چنانچہ نبی کریم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مبتلا بالقضا ہو تو اس کو چاہیئے کہ مسلمانوں کے درمیان مجلس اشارہ اور نظر میں برابری رکھے اور نہ کسی ایک پر آواز بلند کرے

قولہ فاذا ثبت الحق:۔ یعنی جب مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ کو قید کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ اسکو ادائیگی حق کا حکم کرے اگر وہ ادا نہ کرے تو اس کو ہر ایسے قرض کے عوض قید کرے کہ جو اسکے قبضہ میں کچھ مال آنیکی وجہ سے اس پر واجب ہوا ہو مثلاً کسی مبیع کی قیمت ہو یا اس نے کچھ روپیہ قرض لیا ہو یا کسی عقد کی وجہ سے اس کے ذمہ واجب ہو گیا ہو جیسے مہر اور کفالت کا روپیہ وغیرہ اس کے علاوہ دوسرے حقوق ہیں جب وہ کہے کہ میں فقیر ہوں۔ میرے پاس کچھ نہیں تو اس کو قید نہ کرے۔

قولہ محبس الرجل فی نفقۃ:۔ یعنی اگر کوئی اپنی بیوی کو نفقہ نہ دے تو اس کو قید کر دیا جائے کیونکہ نفقہ نہ دینا ظلم ہے اور قید اسی ظلم کی عوض ہے لیکن باپ دادا کو اس کا بیٹا۔ پوتا کے قرض میں قید نہ کیا جائے کیونکہ قید ایک طرح کا سزا ہے

جب ماں باپ کیلئے اُف کہنا بھی حرام ہے تو وہ قید کی سزا کا بھلا کس طرح مستحق ہو سکتا ہے؟ البتہ باپ اگر اپنی اولاد پر خرچ کرنے سے باز نہ آجائے اور اولاد بھوکی اور فقیر ہو تو قید کر دیا جائیگا اسلئے کہ نفقہ نہ دینے کی صورت میں بچوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے حقوق میں عورت قاضی ہو سکتی ہے اسلئے کہ عورت اگرچہ ناقص العقل ہے لیکن حدود و قصاص کے علاوہ میں شہادت کی اہل ہے اور جو شہادت کی اہل ہو وہ قضا کی اہل بھی ہو سکتی ہے البتہ عورت کو قاضی بنانے والا گنہ گار ہوگا۔ چونکہ سرکار مدینہ کا قول ہے کہ اس قوم کا بھلا نہ ہو جس نے اپنا کاروبار عورت کے حوالہ کر دیا ہو۔

ویقبل کتابُ القاضِی الی القاضِی فی الحقوقِ اذا شھد بہ عندہٗ فان شھدوا علی خصمٍ حاضرٍ حکم بالشھادۃِ وکتب بحکمِہٖ وان شھدوا بغیرِ حضرۃِ خصمِہٖ لم یحکم وکتب بالشھادۃِ یحکم بھا المکتوب الیہ ولا یقبل الکتابُ الا بشھادۃِ رجلینِ اورجلٍ وامرأتینِ ویجب ان یقرأ الکتابَ علیھم لیعرفوا ما فیہ ثم یختمہ ویسلمہ الیھم واذا وصل الی القاضِی لم یقبلہ الا بحضرۃِ الخصمِ فاذا سلمہ الشھود الیہ نظر الی ختمِہٖ فاذا شھدوا انہٗ کتابُ فلانِ القاضِی سلّمہٗ الینا فی مجلسِ حکمِہٖ وقضائِہٖ وقرأہ علینا وختمہٗ فتحہٗ القاضی وقرأہٗ علی الخصمِ والزمہٗ ما فیہ ولا یقبل کتاب القاضِی الی القاضی فی الحدودِ والقصاصِ ولیس للقاضِی ان یستخلف علی القضاءِ الا ان یفوض الیہ ذلک واذا رفع الی القاضِی حکم حاکمٍ امضاہ الا ان یخالف الکتابَ او السنۃَ او الاجماعَ او یکون قولًا لا دلیلَ علیہ ولا یقضی القاضی علی غائبٍ الا ان یحضر من یقوم مقامہٗ

ترجمہ ——— اور ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام تمام حقوق میں مقبول ہے جب گواہی دے اس کے رو برو خط کی پس اگر مدعی علیہ کے سامنے گواہی دی تو گواہی پر حکم لگا دے اور اپنا حکم لکھ دے اور اگر مدعی علیہ کی غیر موجودگی میں گواہی دی تو حکم نہ لگائے بلکہ گواہی لکھ دے تاکہ اس پر مکتوب علیہ حکم لگائے اور خط مقبول نہ ہوگا مگر دو مردوں یا ایک مرد یا دو عورتوں کی گواہی سے اور ضروری ہے یہ کہ خط گواہوں کے رو برو پڑھے تاکہ وہ اس کا مضمون جان لیں پھر مہر لگا کر ان کے حوالہ کر دے اور جب یہ خط قاضی کے پاس پہونچے تو قبول نہ کرے مگر مدعی علیہ کی موجودگی میں پس جب گواہ وہ خط قاضی کو دیدیں پس قاضی اس کو دیکھے پس جب وہ گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے جو اس نے اپنی مجلس قضا میں دیا ہے اور ہمارے سامنے پڑھا ہے اور مہر لگائی ہے تو اس کو قاضی کھولے اور مدعی علیہ کے سامنے پڑھے۔ اور اس پر لازم کر دے جو اس میں ہو اور ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حدود و قصاص میں قبول نہ کیا جائے اور قاضی کے لئے عہدۂ قضا پر اپنا نائب بنانا جائز نہیں مگر یہ کہ اس کو سونپ دیا گیا ہو اور جب قاضی کے پاس کسی حاکم کا حکم فیصلہ کیلئے لایا جائے تو اسکو بحال کر دے مگر یہ کہ وہ کتاب یا سنت یا اجماع کے مخالف ہو یا ایسا قول ہو جس پر کوئی دلیل نہیں

اور قاضی غائب شخص پر حکم نہ لگائے مگر یہ کہ اس کا کوئی قائم مقام حاضر ہو۔

تشریح — قولہ[۵] یقبل کتاب القاضی:۔ یعنی ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کو تمام حقوق میں قبول ہوگا مگر اس وقت کہ جب اس قاضی کے سامنے اس خط کے دو گواہ گواہی دیں پھر اگر گواہوں نے مدعی علیہ کے سامنے گواہی دی ہے تو قاضی اس گواہی پر حکم لگادے اور اپنا حکم لکھدے کہ میں نے گواہوں کی گواہی سے اس پر حکم لگادیا ہے اور اگر انہوں نے مدعی علیہ کی غیر موجودگی میں گواہی دی تھی تو اب حکم نہ لگائے اور صرف گواہی دوسرے قاضی کو لکھ دے تاکہ وہ قاضی یعنی مکتوب الیہ اس پر حکم لگائے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر ایک ہزار کا دعوی کیا اور اس پر گواہ بھی دیدیے پھر مدعی و مدعی علیہ نے اس پر صلح کرلی کہ یہ روپیہ ہم دوسرے شہر میں دیدیں گے تو اگر مدعی نے مدعی علیہ کے سامنے ہی گواہی دے دیئے تھے تو اب یہ قاضی اس دوسرے شہر کے قاضی کو اپنا حکم لکھدے کہ اس مدعی کو اتنا روپیہ دلایا جائے وہ روپیہ دلادے گا عام ہے کہ یہ مقدمہ اس کی رائے کے موافق ہو یا مخالف اور اگر مدعی علیہ کی موجودگی میں مدعی نے گواہی نہ دیا تھا تو اب یہ قاضی صرف اتنا لکھدے کہ میرے سامنے گواہی ہوئی ہے اب اس صورت میں روپیہ دلانے اور نہ دلانے کا حکم مکتوب الیہ قاضی کے اختیار میں ہے۔

قولہ[۶] ولا یقبل کتاب القاضی:۔ یعنی ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کو حدود و قصاص کے بارے قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ حدود و قصاص شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور ایک خط دوسرے خط کے مشابہ ہو جاتا ہے ہو سکتا ہے یہ خط اس قاضی کا نہ ہو اور اتنا شبہ حدود و قصاص کے ساقط ہونے کیلئے کافی ہے۔

قولہ[۷] ولیس للقاضی ان یستخلف:۔ یعنی قاضی کو قضاۃ پر اپنا نائب بنادینا جائز نہیں کیونکہ حاکم وقت نے اس کو قاضی بنایا ہے البتہ حاکم کی طرف سے اگر اس کی اجازت ہو۔ عام ہے صراحۃً ہو یا دلالۃً۔ صراحۃً مثلاً وہ کہدے کہ تو جس کو چاہے اپنا نائب بنالے دلالۃً مثلاً وہ یہ کہدے کہ میں نے تجھے قاضی القضاۃ کردیا تو اس تقدیر پر وہ دوسرے کو قاضی بنا سکتا ہے۔

قولہ[۸] اذا رفع الی القاضی:۔ یعنی جب قاضی کے پاس کسی دوسرے قاضی کے حکم کا مرافعہ ہو اور اگر اول کا حکم قرآن کریم یا حدیث یا اجماع کے موافق ہو تو قاضی دوم اس کو نافذ کردے بشرطیکہ وہ حکم مجتہد فیہ ہو اور ہر قول دلیل سے مستند ہو اور اگر وہ اس کے موافق نہ ہو تو نافذ نہ کرے اور قاضی غیر حاضر پر حکم نہ لگائے مگر یہ کہ اس کا کوئی قائمقام موجود ہو کہ اس کی موجودگی میں قضا بر غائب جائز ہے۔

مسئلہ

واذا حکم رجلان رجلاً بینھما و رضیا بحکمہ جاز اذا کان بصفۃ الحاکم ولا یجوز تحکیم الکافر والعبد والذمی والمحدود فی القذف والفاسق والصبی ولکل واحد من المحکمین ان یرجع مالم یحکم علیھما واذا حکم علیھما لزمھما واذا رفع حکمہ الی القاضی موافق مذھبہ امضاہ وان خالفہ ابطلہ ولا یجوز[۲] التحکیم فی الحدود والقصاص وان حکما فی دم الخطاء فقضی الحاکم علی العاقلۃ بالدیۃ لم ینفذ حکمہ ویجوز ان یسمع البینۃ ویقضی بالنکول وحکم الحاکم لابویہ وولدہ و زوجتہ باطل۔

ترجمہ — اور جب دو آدمی کسی کو حکم بنالیں اور اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں جبکہ حکم ہو حاکم کا صفت پر اور

حکم بنانا جائز نہیں کافر اور غلام اور ذمی اور محدود فی القذف اور بچہ کو اور حکم بنانا دونوں میں سے ہر ایک کیلئے جائز ہے یہاں تک کہ وہ رجوع کرلیں جبتک وہ ان پر حکم نہ کرے اور جب وہ حکم کر چکے تو ان پر حکم لازم ہو جائے گا اور جب اس کا حکم قاضی کے پاس مرافعہ کیا جائے اور وہ اس کے مذہب کے موافق ہو تو بحال کر دے اور مذہب کے خلاف ہو تو باطل کر دے اور حکم بنانا حدود و قصاص میں جائز نہیں اور اگر کسی کو دم خطا میں حکم بنالیا پس اس نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا اور جائز ہے کہ حکم بینہ سنے اور انکار کرنے پر فیصلہ کرے اور حکم کا حکم لگانا اپنے والدین اور اولاد اور بیوی کیلئے باطل ہے۔

تشریح — قولہ[۱] واذا حکم رجلان: ۔ یعنی جب دو آدمی اپنے درمیان کسی کو حکم بنائیں اور اس کے فیصلہ کردینے پر لوگ راضی ہو جائیں تو اس کا پنچ ہونا جائز ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ سیدنا ابو شریح نے سرکار مدینہ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ جب کسی چیز میں میری قوم کا اختلاف ہو تو وہ میرے پاس پہونچتے ہیں اور میں اس کا فیصلہ کرتا ہوں اور دونوں فریق میرے اس فیصلہ سے راضی ہو جاتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کیا ہی وہ اچھی بات ہے لیکن پنچ بننے کیلئے ضروری ہے قضا کی لیاقت ہو یعنی یہ کہ وہ عاقل و بالغ و عادل و آزاد اور مسلمان ہو اور نابینا و بہرا اور محدود فی القذف ہو اور نہ ہی فاسق و نابالغ ہو۔

قولہ[۲] لا یجوز التحکیم فی الحدود: ۔ یعنی حدود و قصاص میں حکم بنانا جائز نہیں اور اگر مدعی و مدعی علیہ نے خطاء کے دم میں کسی کو حکم بنایا اور اس نے عاقلہ پر خون بہا ادا کرنے کا حکم دے دیا تو اس کا یہ حکم جاری نہ ہوگا اسلئے کہ عاقلہ پر اس کی حکومت نہیں چل سکتی کیونکہ یہ ان کی طرف سے حکم نہیں اور حکم کو گواہوں کا سننا اور ان کے روبرو حکم لگانا جائز ہے اور اس طرح اقرار بھی کیونکہ یہ حکم شرع کے موافق ہے اور حکم کا اپنے والدین اور اپنے بچوں پر حکم لگانا باطل ہے کیونکہ اس میں تہمت کا اندیشہ ہے۔

کتاب القسمۃ

ترجمہ: ۔ تقسیم کا بیان

ینبغی[۱] للامام ان ینصب قاسماً یرزقہ من بیت المال لیقسم بین الناس بغیر اجر فان لم یفعل نصب قاسماً یقسم بالاجرۃ ویجب ان یکون عدلاً مامونا عالماً بالقسمۃ ولا یجبر القاضی الناس علی قاسم واحد ولا یترک القسام یشترکون واجرۃ[۲] القسام علی عدد رؤسہم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وقالا رحمہما اللہ تعالی علی قدر الانصباء واذا[۳] حضر الشرکاء عند القاضی وفی ایدیہم دار او ضیعۃ وادعوا انہم ورثوھا عن فلان لم یقسمہا القاضی عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی حتی یقیموا البینۃ علی موتہ وعدد ورثتہ وقالا رحمہما اللہ تعالی یقسمہا باعترافہم ویذکر فی کتاب القسمۃ انہ قسمہا بقولہم وان کان المال[۴] المشترک ما سوی العقار وادعوا انہ میراث قسمہ فی قولہم جمیعاً وان ادعوا فی العقار انہم اشتروہ قسمہ بینہم وان ادعوا الملک ولم یذکروا کیف انتقل الیہم قسمہ بینہم

ترجمہ: — اور امام کو چاہیئے کہ ایک قاسم مقرر کرے جس کی تنخواہ بیت المال سے دے تاکہ وہ لوگوں کے درمیان بلا اجرت

تقسیم کرے پس اگر وہ نہ کر سکے تو اجرت لیکر تقسیم کرنیوالے کو مقرر کرے اور ضروری ہے کہ قاسم دیانتدار اور عالم قسمت ہو اور قاضی لوگوں کو ایک ہی قاسم پر مجبور نہ کرے اور نہ قاسموں کو شراکت میں چھوڑے اور تقسیم کا اجرت حصہ داروں کی تعداد کے حساب سے ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ حصوں کے حساب سے ہوگی اور جب شریک لوگ قاضی کے پاس حاضر ہوں اور ان کے قبضہ میں مکان یا زمین ہو اور دعویٰ کریں کہ ہم اس کے فلاں سے وارث ہیں تو اس کو قاضی تقسیم نہ کردے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہاں تک کہ اس کے مرنے اور ورثہ کی تعداد پر بینہ قائم کرے اور صاحبین نے فرمایا کہ ان کے اقرار پر تقسیم کرا دے اور تقسیم کے رجسٹر میں لکھ دے کہ ان کے کہنے پر تقسیم کرایا ہے اور اگر مال زمین کے علاوہ مشترک ہو اور دعویٰ کریں کہ یہ میراث ہے تو اس کو سب کے قول میں تقسیم کرادے اور اگر زمین کے متعلق دعویٰ کریں کہ یہ ہم نے خریدی ہے تو ان میں تقسیم کرادے اگر ملک کا دعویٰ کریں اور یہ ذکر نہ کریں کہ انکے پاس کیسے آئی تو بھی تقسیم کرادے۔

تشریح — قولہ کتاب القسمۃ۔ قسمت اسم ہے اقتسام یا تقسیم کا لغت میں اس کا معنی ہے تقسیم کرنا اور بانٹ لینا اور اصطلاح میں ایک شخص کے حصہ شائعہ کو ایک معین حصہ میں کرنے کو کہا جاتا ہے۔

قولہ ینبغی للامام:۔ امام یعنی حاکم کو چاہیے کہ تقسیم کیلئے ایک آدمی مقرر کرے اور تنخواہ اس کو بیت المال سے دے تاکہ وہ بغیر اجرت لئے لوگوں میں جائداد وغیرہ تقسیم کیا کرے کیوں کہ قسمت اعمال قضاۃ کی جنس سے ہے بایں طور کہ قطع منازعت تقسیم کے بعد ہی تام ہوتی ہے پس اجرت تقسیم وظیفہ قاضی کے مشابہ ہے کہ قاضی کا وظیفہ بیت المال سے ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی بیت المال سے ہوگا۔

قولہ اجرت القسام:۔ یعنی تقسیم کرنے والا کی اجرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک وارثوں اور حصہ داروں کی تعداد کے حساب سے ہوگی اور صاحبین کے نزدیک یہی قول امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا ہے کہ حصوں کے حساب سے یعنی جس کا جس قدر حصہ ہوگا اسی قدر حساب کرکے اس سے اجرت بھی لی جائیگی کیونکہ اجرت تقسیم ملک کے اخراجات میں سے ہے لہذا ملک کے لحاظ سے ہی تعیین کی جائے گی۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ اجرت تمییز کے مقابلہ میں ہے اور تمییز میں کوئی تفاوت نہیں اسلئے کہ قاسم کو جتنا کام زاید حصہ والا کیلئے کرنا پڑے گا اتنا ہی کم حصہ والا کیلئے کرنا پڑے گا اور حساب کبھی کم حصہ کا دشوار ہوتا ہے اور کبھی زیادہ حصہ کا۔ اسلئے ملک کا اعتبار دشوار ہے لہذا تمییز ہی کا اعتبار ہوگا۔

قولہ اذا حضر الشرکاء:۔ یعنی جب چند شرکاء قاضی کے پاس حاضر ہوں اور ان کے قبضہ میں کوئی مکان یا زمین ہو اور وہ اس بات کا دعویٰ کریں کہ یہ مکان ہم کو فلاں شخص کے ترکہ میں پہونچا ہے اور ہم اس کو اب تقسیم کرانا چاہتے ہیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف ان کے دعوے پر یہ مکان وغیرہ تقسیم نہ کیا جائے گا جبتک کہ وہ گواہوں سے یہ ثابت نہ کردیں کہ زید کا انتقال ہوگیا ہے اور ہم اتنے آدمی اسکے وارث ہیں اور صاحبین کے نزدیک اور یہی قول امام شافعی کا ہے کہ ورثہ کے اقرار پر ہی تقسیم کرادیجائیگی اور تقسیم کے رجسٹر میں یہ لکھدے کہ اس کو میں نے اس کو کہنے پر تقسیم کرادیا ہے۔

قولہ وان کان المال المشترک:۔ اگر زمین وغیرہ یعنی غیر منقول ورثہ کے علاوہ کچھ مشترک مال تھا اور چند آدمیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میری میراث ہے اور اس کا کچھ ثبوت نہیں یا تو سب کے نزدیک قاضی اس کو تقسیم کردے کیونکہ اس کے تقسیم کرنے میں اس کی حفاظت ہوجائے گی اور اگر کسی زمین کے متعلق چند آدمیوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ ہم نے خرید لی ہے تو قاضی اسے بھی تقسیم کردے اور اگر

چند آدمیوں نے زمین وغیرہ کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور اس کو تقسیم کرانا چاہے اور یہ نہیں ذکر کیا یہ ان کے پاس کس طرح آگئی ہے؟ تو قاضی اسکو بھی تقسیم کر دے مطلب یہ ہے کہ جب وہ زمین ان کے قبضہ میں ہو۔ وہ یہ دعویٰ کریں کہ ہماری ہی ملکیت ہے اور یہ دعویٰ نہ کریں کہ ہمیں فلاں شخص سے ملی ہے تو قاضی اس کو ان کے اس اقرار کی وجہ سے تقسیم کر دے اسلئے کہ اس میں دوسرے پر کوئی حکم نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے کسی دوسرے کی ملکیت ہونے کا اقرار ہی نہیں کیا۔

وإذا[1] كان كل واحدٍ من الشركاء ينتفع بنصيبه قُسِمَ بطلبِ احدِهم وان كان احدهم ينتفع والآخر يستضر لقلة نصيبه فان طلب صاحب الكثير قسم وان طلب صاحبُ القليلِ لم يقسم وان كان كل واحدٍ منهما يتضرر لم يقسمها إلا بتراضيهما ويقسم العروض[2] إذا كانت من صنفٍ واحدٍ ولا يقسم الجنسين بعضها في بعضٍ وقال ابو حنيفة رحمه الله تعالى لا يقسم[3] الرقيق ولا الجواهر وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى يقسم الرقيق ولا يقسم[4] حمامٌ ولا بئرٌ ولا رحى إلا بتراضي الشركاءِ

ترجمہ ——— اور جب شریکوں میں ہر ایک اپنے حصہ سے نفع اٹھا سکتا ہو تو ایک طلب پر تقسیم کر دیجائیگی اور اگر ایک نفع اٹھائے اور دوسرا نقصان اپنا حصہ کم ہونیکی وجہ سے تو اگر زائد حصہ والا طلب کرے تو تقسیم کر دیجائیگی اور اگر کم حصہ والا طلب کرے تو تقسیم نہیں کی جائیگی اور اگر کل ہی کا نقصان ہوتا ہے تو تقسیم نہ کرے مگر ان سب کی رضامندی سے اور سامان تقسیم کر دے جبکہ وہ ایک ہی قسم کا ہو اور دو قسم کا سامان بعض کو بعض میں تقسیم نہ کرے مگر ان کی رضامندی سے اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ غلاموں کو تقسیم نہ کیا جائے اور نہ جواہر کو اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ غلاموں کو تقسیم کیا جائیگا اور حمام کو تقسیم نہ کیا جائے گا اور نہ کنواں اور نہ پن چکی کو مگر یہ کہ کل شریک رضامند ہوں۔

تشریح: ——— قولہ[1] وإذا كان كل واحد۔ یعنی ایک زمین میں اگر چند شریک ہوں اور ہر شریک اپنے اپنے حصہ سے نفع اٹھاتا ہے تو اس زمین کو ان حصہ داروں میں سے ایک کی درخواست پر تقسیم کر دے اور اگر ان میں سے ایک حصہ دار تو نفع اٹھاتا ہے اور دوسرا کم حصہ ہونیکی وجہ سے نقصان اٹھاتا ہے تو اس صورت میں اگر زیادہ حصہ والا درخواست کرے تو تقسیم نہ کی جائے اور اگر تقسیم کرنے میں دونوں حصہ داروں کو نقصان ہوتا ہے تو جبتک دونوں تقسیم پر راضی نہ ہو جائیں تو قاضی اسکو تقسیم نہ کرے۔

قولہ[2] يقسم العروض:۔ یعنی ترکہ اگر اسباب ہو اور سارا ایک ہی قسم کا ہو مثلاً کیلی ہو یا وزنی یا عددی متقارب ہو یا سونا چاندی ہو تو ایک شریک کے طلب کرنے سے قاضی اسکو جبراً تقسیم کر دے پس وہ تقسیم کرکے حصہ رسد ہر حصہ دار کو دیگا اور اگر ترکہ مختلف یعنی دو قسم کا ہو تو اسکو تقسیم نہ کرے اور نہ تقسیم پر مجبور کرے اسلئے کہ اختلاف جنس کی وجہ سے متحد نہیں پس ایسا نہ کرے گا کہ ایک چیز ایک کو دیدے اور دوسری چیز دوسرے کو البتہ اس کی قیمت ٹھہرا کے تقسیم کر دیا جائے۔

قولہ لا یقسم الرقیق: یعنی امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ غلاموں اور جواہر کو تقسیم نہ کیا جائے گا اسلئے کہ ان کے اندر تفاوت بہت ہوتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک اور یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے کہ غلاموں کو تقسیم کر دیا جائے گا اس لئے کہ جنس متحد ہے تو یہ اونٹ اور گھوڑوں کی طرح ہوگئے دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ غلاموں میں مختلف اوصاف مثلاً عقل و دیانت خدمت کا شعور پر صبر اور قوت برداشت حیا وقار وغیرہ ملحوظ ہیں جن پر مطلع دشوار ہے پس وہ مختلف اجناس کی طرح ہوگئے۔

قولہ لا یقسم حمام: یعنی حمام اور کنوؤں اور پن چکیوں کو تقسیم نہ کیا جائیگا اسی طرح وہ دیوار جو دو مکانوں کے درمیان ہو اسلئے کہ ان کے توڑنے میں دونوں جانب کا نقصان ہے اسلئے بغیر سب حصہ داروں کی رضامندی کے قاضی ان چیزوں کو تقسیم کرے۔

واذا حضر وارثان عند القاضی واقاما البینۃ علی الوفاۃ وعدد الورثۃ والدار فی ایدیہم ومعہم وارث غائب قسمہا القاضی بطلب الحاضرین ونصب للغائب وکیلاً یقبض نصیبہ وان کانوا مشترین لم یقسم مع غیبۃ احدہم وان کان العقار فی ید الوارث الغائب او شیئ منہ لم یقسم وان حضر وارث واحد لم یقسم واذا کانت دور مشترکۃ فی مصر واحد قسمت کل دار علی حدتہا فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا رحمہما اللہ تعالیٰ ان کان الاصلح لہم قسمۃ بعضہا فی بعض قسمہا وان کانت داراً وضیعۃ او داراً وحانوتاً قسم کل واحد علی حدتہ۔

ترجمہ ——— اور جب دو وارث قاضی کے پاس حاضر ہوں اور وفات پر بینہ قائم کر دیں اور ورثہ کی تعداد پر اور مکان ان کے قبضہ میں ہو اور ان کے ساتھ وارث غائب ہو تو اس کو قاضی حاضرین کی طلب پر تقسیم کر دیں اور غائب کیلئے ایک وکیل مقرر کر دے جو اس کے حصہ پر قبضہ کرے اور اگر وہ خریدار ہوں تو ایک کی عدم موجودگی میں تقسیم نہ کرے۔ اور اگر زمین وارث غائب کے قبضہ میں ہو یا اس کا کچھ حصہ ہو تو تقسیم نہ کرے اور اگر ایک ہی وارث حاضر ہو تو تقسیم نہ کرے اور جب چند مشترک مکان ایک شہر میں ہوں تو ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کیا جائے امام ابو حنیفہ کے قول میں اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر ان کیلئے بعض کو بعض میں تقسیم کرنا بہتر ہے تو اس طرح تقسیم کر دے اور اگر مکان اور زمین ہو یا مکان اور دکان ہو تو ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کرے۔

تشریح۔ قولہ واذا حضر وارثان: یعنی اگر دو وارث قاضی کے پاس حاضر ہوں اور دونوں نے اس پر گواہ گذار دیئے کہ ہمارا مورث مر گیا ہے اور اسکے ورثہ ہم تین ہیں اور دو حاضر ہیں اور ایک وارث غائب ہے اور ایک مکان ان دو کے قبضہ میں ہے جس کو تقسیم کرانا چاہتے ہیں تو قاضی ان حاضرین کی درخواست پر اس کو تقسیم کر دے اور جو وارث حاضر نہیں ہے اس کی طرف سے ایک وکیل مقرر کر دے کہ وہ اسکے حصے پر قبضہ کرے تاکہ اسکی حق تلفی نہ ہو۔

قولہ وان کانوا مشترین۔ یعنی تقسیم کے طلب کرنیوالے اگر خریدار ہوں تو ان میں سے ایک کے غائب ہوتے ہوئے اس مکان کو تقسیم نہ کیا جائے گا کیونکہ جو ملک بذریعہ خریدی ہوتی ہے وہ ملک جدید ہے پس شریک حاضر شریک غائب کی طرف سے خصم نہیں ہو سکتا برخلاف وراثت کہ اس میں ملک نئی نہیں ہوتی بلکہ مورث کی طرف سے ملک نیابتاً ہوتی ہے

قولہ وان کان العقار: یعنی زمین یا مکان اگر وارث غائب کے قبضہ میں ہو یا ورثہ میں سے صرف ایک وارث حاضر ہو تو تقسیم نہ ہوگی پہلی صورت میں اسلئے کہ قضاء بر غائب لازم آتی ہے جو ممنوع ہے اور دوسری صورت میں اسلئے کہ شخص واحد مخاصم اور مخاصَم نہیں ہو سکتا پس مقاسِم اور مقاسَم بھی نہیں ہو سکتا۔

قولہ اذا کانت دور مشترکۃ: یعنی اگر ایک ہی شہر میں بہت سے مکانات مشترک ہوں عام ہے کہ متصل ہوں یا متفرق یعنی دو محلوں میں ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جائے گا صاحبین کے نزدیک علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جانا ضروری نہیں بلکہ اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ ایک مکان ایک شریک لیلے اور دوسرا مکان دوسرا شریک لیلے کیونکہ وہ اسم و صورت کے اعتبار سے جنس واحد ہیں۔ اور اختلاف مقاصد کے اعتبار سے مختلف ہیں پس ان کا معاملہ قاضی کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے گا تاکہ شرکاء کے حق میں جو صورت بہتر ہو وہی اسی پر عمل کرے۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ محلوں اور پڑوسیوں کے اچھے برُے ہونے کے اعتبار سے اور مسجد اور پانی کے نزدیک و دور ہونے کے اعتبار سے مکانوں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں جن میں مساوات دشوار ہے اسی وجہ سے ایک مکان میں ایک شریک کا حصہ اس کی رضامندی کے بغیر جمع نہیں ہو سکتا۔

وینبغی للقاسم ان یصوّر ما یقسمہ و یعدلہ و یذرعہ و یقوم البناء و یفرد کل نصیب عن الباقی بطریقہ و شربہ حتی لا یکون لنصیب بعضھم بنصیب الآخر تعلق و یکتب اسامیھم و یجعلھا قرعۃ ثم یلقب نصیبا بالاول والذی یلیہ بالثانی والذی یلیہ بالثالث وعلی ھذا ثم یخرج القرعۃ فمن خرج اسمہ اولا فلہ السھم الاول و من خرج ثانیا فلہ السھم الثانی ولا یدخل فی القسمۃ الدراھم والدنانیر الا بتراضیھم فان قسم بینھم ولاحدھم مسیل فی ملک الآخر او طریق لم یشترط فی القسمۃ فان امکن صرف الطریق والمسیل عنہ فلیس لہ ان یستطرق و یسیل فی نصیب الآخر وان لم یمکن فسخت القسمۃ

ترجمہ — اور قاسم کو چاہیئے کہ اس کا نقشہ بنائے جس کو تقسیم کرنا ہے اور برابر کرکے پیمائش کرے اور عمارت کی قیمت لگائے اور ہر ایک کا حصہ باقی سے جدا کر دے اس کے راستہ اور نالی کے ساتھ یہاں تک کہ بعض کے حصہ کا دوسرے کے حصہ سے کوئی تعلق نہ رہے اور ان کا نام لکھے اور قرعہ بنائے اور ایک حصہ کو اول سے موسوم کرے اور اس کے برابر والے کو ثانی سے اور اس کے برابر والے کو ثالث سے اور اسی پر پھر قرعہ نکالے پس جس کا نام پہلے نکلے اس کیلئے پہلا حصہ ہوگا اور جس کا نام دوبارہ نکلے تو اس کیلئے دوسرا حصہ ہوگا اور تقسیم میں دراہم و دنانیر داخل نہ ہوں گے مگر ان کی رضامندی سے پس اگر ان میں مکان تقسیم کر دیا گیا اور کسی کی نالی دوسرے کی ملک میں واقع ہو گئی یا راستہ واقع ہو گیا حالانکہ تقسیم میں اسکی شرط نہیں تھی پس اگر راہ یا نالی کو اس کی طرف سے ہٹانا ممکن ہو تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ راستہ یا نالی نکالے دوسرے کے حصہ میں اور اگر ممکن نہ ہو تو تقسیم ٹوٹ جائیگی۔

تشریح: — قولہ ینبغی للقاسم: یعنی تقسیم کرنے والے کا یہ طریقہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس چیز کو تقسیم کیا جائے اسکو علیحدہ علیحدہ کاغذوں پر نقشہ لکھ لیا جائے کہ اتنا حصہ فلاں کا ہے اور اتنا فلاں کا اور سہام قسمت پر برابر تقسیم کرے پس سب سے کمتر حصہ کو لیکر مقسوم کو اس پر جاری کرے مثلاً اگر اقل سہام ثلث ہو تو تقسیم بطور اثلاث کرے اور سدس ہو تو بطور اسداس نیز گز سے

اس کی پیمائش کرے اسلئے کہ مسافت کی مقدار گزہی سے معلوم ہوتی ہے اور ہر ایک کا حصہ مع اسکے راستہ اور موری کے دوسرے کے حصہ سے علیحدہ کردیا جائے تاکہ ہر ایک کے حصہ کو دوسرے کے حصہ سے کچھ تعلق نہ رہے اور ان کا نام لکھ کر قرعہ بنالیا جائے اور جس قدر حصے ہوں۔ ہر حصہ کو پہلا اور دوسرا اور تیسرا کرکے مقرر کرلیا جائے پھر قرعہ نکالا جائے پس جس حصہ دار کا نام پہلے نکل آئے اسکو پہلا حصہ دیا جائے اور جس کا نام دوسرے نمبر پر نکلے اس کو دوسرا حصہ اور آگے اسی طرح کرتے چلے جائیں۔

قولہ[۲] لا یدخل فی القسمۃ:۔ یعنی زمین اور مکان کی تقسیم میں آپس کی رضامندی کے بغیر دراہم و دنانیر یعنی روپیہ و اشرفیاں داخل نہ ہوں گے مثلاً مشترک مکان میں ایک طرف عمارت زیادہ ہے۔ اب ایک شریک چاہتا ہے کہ عمارت کے عوض درہم دے اور دوسرا چاہتا ہے زمین دے تو عمارت والا سے درہم نہیں دلایا جائے گا بلکہ زمین ہی دلائی جائیگی اسلئے کہ تقسیم حقوق ملک میں سے اور شریکوں کے مکان میں ہے دراہم میں نہیں پس دراہم تقسیم میں داخل نہ ہوں گے۔

قولہ[۳] فان قسم بینہم:۔ یعنی ایک مکان اگر حصہ داروں میں تقسیم کردیا اور اتفاق سے ایک کی نالی یا راستہ دوسرے کی ملک میں واقع ہو حالانکہ تقسیم میں اس کی شرط نہیں تھی پس اگر ان کو اس کی طرف سے پھیرنا ممکن نہ ہو تو اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کے حصہ میں راستہ یا نالی نکالے تاکہ اشتراک ختم ہو جائے اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو تقسیم ختم کرکے دوبارہ تقسیم کی جائے گی تاکہ کسی قسم کا علاقہ باقی نہ رہے

واذا[۱] کان سفلٌ لا علوَ لہٗ او علوٌ لا سفلَ لہٗ او سفلٌ لہٗ علوٌ قُوِّم کلٌ واحدٍ علی حدتہٖ وقسم بالقیمۃ ولا یعتبر بغیر ذلک واذا[۲] اختلف المتقاسمون فشہد القاسمان قبلت شہادتہما وان ادعی احدہما الغلط وزعم انہ اصابہ شیٌ فی ید صاحبہ وقد اشہد علی نفسہ بالاستیفاءِ لم یصدق علی ذلک الا ببینۃٍ وان قال استوفیت حقی ثم قال اخذت بعضہ فالقول قولُ خصمہٖ مع یمینہٖ وان[۳] قال اصابنی الی موضع کذا فلم یسلمہ الیَّ ولم یشہد علی نفسہٖ بالاستیفاءِ وکذبہ شریکہ تحالف وفسخت القسمۃ وان[۴] استحق بعض نصیب احدہما بعینہ لم تفسخ القسمۃ عند ابی حنیفۃ رحمہما اللہ تعالٰی ورجع بحصتہ ذلک من نصیب شریکہ وقال ابو یوسف تفسخ القسمۃ۔

ترجمہ ——— اور جب نچلا مکان ہو جس پر بالاخانہ نہیں یا بالاخانہ اس کا نچلا مکان نہ ہو یا نچلا اور بالاخانہ دونوں ہوں تو ہر ایک کی علیحدہ قیمت لگا کر تقسیم کی جائیگی اور اس کے علاوہ کا اعتبار نہ ہوگا اور جب تقسیم کرنیوالا اختلاف کریں اور تقسیم کرنیوالا گواہی دے تو ان کی گواہی قبول کی جائیگی اور اگر ان میں سے ایک غلطی کا دعوی کرے اور کہے کہ میرا کچھ حصہ دوسرے کے قبضہ میں ہے حالانکہ وہ خود اپنے حق کے لینے کا اقرار کرچکا تھا تو اسکی تصدیق نہ کی جائیگی مگر بینہ کے ساتھ اور اگر کہے کہ میں اپنا حق لے چکا پھر کہے کہ میں نے کچھ حصہ لیا ہے تو قول اسکے مدمقابل کا اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر کہے کہ مجھ کو فلاں جگہ تک پہونچتا ہے اور مجھ کو وہاں تک نہیں دیا اور اس نے پورا حق لینے کا اقرار نہیں کیا اور شریک نے اسکی تکذیب کی تو دونوں قسم کھائیں گے اور تقسیم ٹوٹ جائیگی اور اگر کسی اور کا نکل آئے ان میں سے خاص ایک کا کچھ حصہ تو تقسیم نہ ٹوٹے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک بلکہ اتنا ہی اپنے شریک کے حصہ سے لے لیگا اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ تقسیم

ٹوٹ جائیگی۔

تشریح ـــــ قولہ[۱] اذا کان سفل:۔ یعنی اگر کوئی مکان ایسا ہے کہ اس پر بالاخانہ نہیں یا بالاخانہ ہے نچلا درجہ نہیں یا نچلا مکان ہے اور اوپر بالاخانہ بھی ہے تو ان میں سے ہر ایک کی علیٰحدہ علیحدہ قیمت ٹھہرائی جائے اور قیمت ہی سے تقسیم کردیا جائے اور بے قیمت کئے کسی طرح بھی اس کو تقسیم کرنیکا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ یہ قول امام محمد کا ہے اور فتوی اسی پر ہے اور مکان میں اوپر بالاخانہ نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ مثلاً نچلا حصہ دو آدمیوں کا مشترک ہے اور اس کا بالاخانہ تیسرے کا ہے اسی طرح اس سے کہ بالاخانہ ہے اور نچلا درجہ نہیں یہ مراد ہے کہ بالاخانہ مشترک ہے اور نیچے کا درجہ اور کا ہے علی ہذا القیاس نیچے اوپر مکان ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے دونوں حصے مشترک ہیں اسمیں شیخین کا قول یہ ہے کہ اس کو گز سے پیمائش کرکے تقسیم کردیا جائے لیکن فتوی اس پر نہیں۔

قولہ[۲] اذا اختلف المتقاسمون:۔ یعنی تقسیم ہونیکے بعد وارثوں میں اختلاف ہوجائے۔ کسی شریک نے کہا کہ مجھے میرا پورا حق نہیں ملا اور دو قاسمون نے گواہی دی کہ وہ پورا حق لے چکا تو شیخین کے نزدیک گواہی مقبول ہوگی اور امام محمد کے نزدیک اور یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے کہ وہ مقبول نہ ہوگی اسلئے کہ ان کی یہ گواہی خود اپنے فعل پر ہے جس میں تہمت کا امکان ہے اور دلیل شیخین کی یہ ہے کہ ان کا فعل تقسیم کرنا ہے اور گواہی استیفاء حق پر ہے جو دوسرے کا فعل ہے اور اگر دو حصہ داروں میں سے ایک نے یہ دعوی کیا کہ تقسیم میں غلطی ہوگئی ہے اور میرا کچھ حصہ دوسرے حصہ دار کے قبضہ میں ہے حالانکہ وہ پہلے اپنا حصہ وصول کرنے کا اقرار کرچکا تھا تو بغیر گواہی کے اس کے کہنے کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور اگر کسی حصہ دار نے پہلے یہ کہدیا کہ میں اپنا حصہ پورا لے چکا ہوں پھر کہا کہ میں نے کچھ حصہ لیا ہے ابھی پورا نہیں لیا ہے تو اس صورت میں مدعی علیہ سے قسم لیکر اس کے قول کا اعتبار کرلیا جائے گا۔

قولہ[۳] وان قال اصابنی:۔ یعنی اگر ایک حصہ دار نے اپنا پورا حصہ لینے کا اقرار کرنے سے پہلے یہ کہا کہ میرا حصہ فلاں جگہ تک ہے وہاں تک میرے حصہ دار نے مجھے نہیں دیا اور اس کا شریک یعنی مدعی علیہ اسکو جھوٹا بتلاتا ہے تو یہ دونوں قسم کھائیں گے اور یہ تقسیم توڑ دیجائیگی اسلئے کہ مقدار ما حصل میں اختلاف ہونیکی وجہ سے عقد تام نہیں ہوا۔

قولہ[۴] وان استحق بعض:۔ یعنی اگر ایک مکان دو حصہ داروں میں تقسیم ہوچکا تھا بعد میں ان میں سے خاص ایک کے حصہ میں کوئی فرد دوسرا حصہ دار نکل آیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور یہی قول امام محمد کا ہے کہ اس کی قسم نہ ٹوٹے گا اور یہ حصہ دار اپنے شریک کے حصہ میں سے حصہ رسد لے گا امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ یہ قسم ٹوٹ جائیگی کیونکہ اب تیسرا شریک نکل آیا اور وہ راضی نہیں۔ دلیل طرفین کی یہ ہے کہ ایک شریک کے حصہ میں سے جزو شائع کے مستحق نکل آنے سے یعنی افراز معدوم نہیں ہوتے اسلئے اس کو اختیار حاصل ہوگا۔

کتابُ الاکراہ

ترجمہ:۔ مجبور کرنے کا بیان

اَلاِکرَاہُ[۱] یثبت حکمہٗ اذا حصلَ ممن یقدرُ علی ایقاعِ ما یُوعِدُ بہ سلطانًا کان او لصًّا واذا اکرہ[۲] الرجلُ علی بیعِ مالہٖ او علی شراءِ سلعۃٍ او علی ان یقرَّ لرجلٍ بالفِ درھمٍ او یواجر دارہٗ واکرہ علی ذلک بالقتلِ او بالضربِ

الشديد او بالحبس فباع او اشترى فهو بالخيار ان شاء امضى البيع وان شاء فسخه ورجع بالمبيع فان[۴] كان قبض الثمن طوعاً فقد اجاز البيع وان كان قبضه مكرهاً فليس باجازة وعليه رده ان كان قائماً في يده وان هلك[۵] المبيع في يد المشتري وهو غير مكره ضمن قيمته وللمكره ان يضمن المكره ان شاء۔

ترجمہ ـــــ اکراہ کا حکم ثابت ہو جاتا ہے جبکہ حاصل ہو اس سے جو قادر ہو اس کے واقع ہونے پر جس کی دھمکی دی ہے بادشاہ ہو یا چور اور جب کسی کو مجبور کیا گیا اپنا مال بیچنے یا کوئی سامان خریدنے یا کسی کیلئے ایک ہزار درہم کا اقرار کرنے یا اپنا مکان کرایہ پر دینے قتل کر دینے یا سخت مارنے یا قید کرنے کی دھمکی کے ساتھ پس اس نے بیچ دیا یا خرید لیا تو اس کو اختیار ہے چاہے بیع کو جائز رکھے اور اگر چاہے توڑ دے اور مبیع کو واپس لے لے۔ پس اگر اس نے قیمت پر بخوشی قبضہ کیا تو گویا بیع کو جائز کر دیا اور اگر قبضہ کیا مجبور ہو کر تو وہ اجازت نہ ہوگی اور قیمت واپس کرنا ہوگی اگر اس کے پاس موجود ہو اور اگر مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے اور وہ مجبور نہ ہو تو اس کی قیمت کا بائع کیلئے ضامن ہوگا اور جس کو مجبور کیا گیا ہے وہ مکرہ سے ضمان لے سکتا ہے اگر چاہے۔

تشریح:ـــــ قولہ[۱] کتاب الاکراہ:۔ اکراہ لغت میں کسی کو مجبور کرنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں وہ فعل ہے جو آدمی دوسرے کے سبب سے اس طرح کرے کہ اس کی رضامندی جاتی رہے یا اس کا اختیار فاسد ہو جائے پس اکراہ کی دو صورتیں ہوئیں ملجی وغیر ملجی۔ ملجی وہ ہے جس میں مکرہ کو اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو اور غیر ملجی وہ ہے جس میں جان یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ صرف رضا فوت ہو جائے اول میں مکرہ کی رضا فوت اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے اور دوم میں صرف رضا فوت ہوتا ہے پس فوات رضا فساد اختیار سے عام ہے اسلئے کہ رضا کے مقابل کراہت ہے اور اختیار کے مقابل جبر ہے۔

قولہ[۲] الاکراہ یثبت:۔ یعنی اکراہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ مکرہ اس امر پر قادر ہو جس کا وہ خوف دلاتا ہے عام ہے کہ وہ بادشاہ وقت ہو یا چور ہو یا کوئی بھی ہو۔ اور یہ بھی کہ مکرہ کو اس بات کا ظن غالب ہو کہ مکرہ جس امر کا خوف دلاتا ہے وہ اس کے ساتھ کر گذریگا۔

قولہ[۳] اذا اکرہ الرجل:۔ یعنی جب کسی نے کسی کو اس کا مال فروخت کرنے یا کچھ اسباب خریدنے پر یا اس پر مجبور کیا تو فلاں شخص کیلئے اپنے ذمہ ایک ہزار روپیہ ہونے کا اقرار کرے یا اپنا مکان کرایہ پر دیدے اور اس کے نہ کرنے پر قتل کر دینے یا سخت مارنے کی یا قید کرنے کی دھمکی دی اور اسی دھمکی کی وجہ سے اس نے اپنا مال بیچ دیا یا اس کا اسباب خرید لیا تو بعد میں اس کو اختیار ہوگا کہ چاہے اس بیع کو توڑ دے اور مبیع واپس کر دے اور چاہے قائم رکھے اس بارے میں یہ ضابطہ ہے کہ احناف کے نزدیک مکرہ کے تمام تصرفات قولیہ اعتبار سے منعقد ہوتے ہیں اور وہ عقود جو محتمل فسخ ہیں ان کو وہ فسخ کر سکتا ہے جیسے بیع و اجارہ وغیرہ اور جو عقود منعقد ہوتے ہیں اور وہ عقود جو محتمل فسخ ہیں ان کو وہ فسخ کر سکتا ہے جیسے بیع و اجارہ وغیرہ اور جو عقود محتمل فسخ نہیں ان کو فسخ نہیں کر سکتا مثلاً نکاح و طلاق و عتاق و تدبیر و استیلاد وغیرہ بلکہ وہ تمام لازم ہو جاتے ہیں لیکن ائمہ ثلاثہ عدم لازم کے قائل ہیں۔

قولہ[۴] فان کان قبض الثمن:۔ یعنی مکرہ نے اگر اپنے مال کی قیمت خوشی سے لے لی ہے تو اس نے گویا بیع کی اجازت دیدی ہے

یعنی خوشی سے قیمت لے لینا، بیع کی اجازت دیدینا اور اس پر راضی ہو جانا ہے اور اگر اسنے قیمت مجبور ہو کے لی تھی تو بیع میں اسکی اجازت نہ ہوگی پس اگر اسکے پاس قیمت موجود ہے تو اس کا واجب کر دینا اسی پر واجب ہے
قولہ وان هلك المبيع۔ یعنی مشتری کے پاس مبیع اگر ہلاک ہو گئی اور وہ خریدنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا تو مشتری بائع کو اسکی قیمت کا تاوان دے گا اسلئے کہ مکرہ کی بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں بھی مبیع مشتری پر مضمون ہوتی ہے لیکن مکرہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ مکرہ یعنی جس نے اس پر جبر کیا تھا اس سے قیمت کا تاوان لیلے اس تقدیر پر مکرہ مشتری سے وصول کرے گا۔

وان اکرہ علی ان یاکل المیتۃ او یشرب الخمر فاکرہ علی ذلک بحبس او بضرب او قید لم یحل له الا ان یکرہ بما یخاف منه علی نفسه او علی عضو من اعضائه فاذا خاف ذلك وسعه ان یقدم علی ما اکرہ علیه ولا یسعه ان یصبر علی ما توعد به فان صبر حتی اوقعوا به ولم یاکل منه اثم واذا اکرہ علی الکفر باللہ تعالیٰ او بسب النبی علیه السلام بقید او حبس او ضرب لم یکن ذلك اکراها حتی یکرہ بامر یخاف منه علی نفسه او علی عضو من اعضائه فاذا خاف علی ذلك وسعه ان یظهر ما امروہ به و یوری فاذا اظهر ذلك و قلبه مطمئن بالایمان فلا اثم علیه وان صبر حتی ولم یظهر الکفر کان ماجوراً وان اکرہ علی اتلاف مال مسلم بامر یخاف منه علی نفسه او علی عضو من اعضائه وسعه ان یفعل ذلك ولصاحب المال ان یضمن المکرہ

ترجمہ ـــــ اور اگر کسی کو مردار کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا گیا اور اس پر قید کرنے یا مارنے کی دھمکی دی گئی تو اس کو کھانا اور پینا حلال نہیں مگر یہ کہ ایسی دھمکی سے مجبور کیا جائے جس سے اپنی جان یا کسی عضو کا اندیشہ ہو پس جب اس کا اندیشہ ہو تو جائز ہے یہ کہ اس پر اقدام کرے جس پر مجبور کیا گیا ہے پس اگر اس نے صبر کیا یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ کر گذرے اور اس نے نہ کھایا تو گنہ گار ہوگا اور اگر اللہ کا انکار کرے یا نبی کریم علیہ السلام کو برا کہنے پر مجبور کیا گیا قید کرنے یا مارنے کی دھمکی سے تو وہ اکراہ نہ ہوگا ایسی دھمکی سے مجبور کیا جائے جس سے جان یا کسی عضو پر اندیشہ ہو پس جب اس کا اندیشہ ہو تو جائز ہے کہ اس کو ظاہر کرے جس کا انہوں نے حکم کیا ہے توریہ کرتے ہوئے پس جب وہ یہ ظاہر کر دے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اس پر گناہ نہ ہوگا اور اگر اس نے صبر کیا اور قتل کر دیا گیا اور کفر ظاہر نہ کیا گیا تو اس کو اجر ملے گا اور اگر مسلمان کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا گیا اس دھمکی سے جس جان پر یا کسی عضو پر اندیشہ ہو تو جائز ہے یہ کہ وہ کر گذرے اور صاحب مال مجبور کرنے والے سے تاوان لیلے
تشریح ـــ قولہ وان اکرہ علی ان یاکل ـ یعنی اگر کسی کو مردار کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا گیا اور اس پر

قید کرنے یا مارنے وغیرہ کی دھمکی دی گئی تو یہ کھانا پینا اس کیلئے جائز نہیں کیونکہ ان محرمات کی اباحت اسی وقت جائز ہوتی ہے جبکہ جان یا عضو کی ہلاکت کا اندیشہ ہو اور وہ یہاں مفقود ہے پس اگر کسی نے قتل نفس یا قطع عضو کی دھمکی سے مجبور کیا تو وہ اس کیلئے جائز ہے بلکہ اگر وہ نہ کھائے اور صبر کرتے ہوئے جان دیدیا تو گنہ گار ہوگا کیونکہ جب مجبوری حالت میں حرام چیز مباح ہوگئی تو اب اس مباح سے رکنا اپنی جان ہلاک کرنے میں دوسروں کی اعانت کرنا ہے اور اس میں اعانت کرنا حرام ہے پس اس حرام فعل کے مرتکب ہونیکی وجہ سے وہ گنہ گار ہوگا۔

قولہ علی الکفر باللہ۔ یعنی اگر کسی کو مارنے یا قید کرنیکی دھمکی دیکر اللہ کا انکار کرنے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہنے پر مجبور کیا گیا تو یہ مجبوری نہ ہوگی جبتک کہ اس طرح دھمکی نہ دے جس سے اسکو اپنی جان جانے یا کوئی عضو تلف ہونے کا اندیشہ ہو پس جبوقت اس کو یہ اندیشہ ہو تو اسکو یہ اجازت ہے کہ جو کچھ وہ کہلاتے ہیں توریہ کرکے زبان سے کہدے۔ توریہ کا معنی یہ ہے کہ جو دل میں ہو اس کے خلاف ظاہر کرے اور یہاں اس کی دو صورتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ دل میں تو ایمان ہو اور زبان سے کلمۂ کفر نکال دے اور دوسری یہ کہ ایک لفظ بولدے کہ ذو معنی ہو پس اگر اس نے زبان سے کلمۂ کفر ظاہر کردیا اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے تو اس کا گناہ نہ ہوگا اور اگر اس نے صبر کیا یہاں تک کہ قتل کردیا گیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔

وان اکرہ بقتل علی قتل غیرہ لم یسعہ ان یقدم علیہ ویصبر حتی یقتل فان قتلہ کان آثمًا والقصاص علی المکرِہ ان کان القتل عمدًا وان اکرہ علی طلاق امرأتہ او عتق عبدہ ففعل وقع ما اکرہ علیہ ویرجع علی المکرِہ بقیمۃ العبد ویرجع بنصف مہر المرأۃ ان کان قبل الدخول وان اکرہ علی الزنا وجب الحد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الا ان یکرھہ السلطان وقالا رحمہما اللہ تعالیٰ لا یلزمہ الحد واذا اکرہ علی الردۃ لم تبن امرأتہ عنہ

ترجمہ ـــــ اور اگر قتل کی دھمکی سے دوسرے کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں بلکہ صبر کرے یہاں تک کہ قتل ہو جائے پس اگر اس نے قتل کیا تو گنہ گار ہوگا اور قصاص مکرہ پر ہوگا اگر قتل عمداً ہو اور اگر اپنی بیوی کو طلاق دینے یا اپنے غلام کو آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے اس کو لیا تو واقع ہوگا وہ جس پر اس کو مجبور کیا گیا اور مکرہ سے غلام کی قیمت اور بیوی کا نصف مہر لیگا اگر طلاق صحبت سے پہلے ہو اور اگر زنا پر مجبور کیا گیا تو اس پر حد واجب ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک مگر یہ کہ اسکو بادشاہ مجبور کرے اور صاحبین نے فرمایا کہ حد واجب نہ ہوگی اور اگر مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا تو اس کی بیوی بائنہ نہ ہوگی۔

تشریح ـــــ قولہ وان اکرہ بقتل۔ یعنی اگر کسی کو قتل کرنیکی دھمکی دے کر اسکو دوسرے کے قتل کرنے پر مجبور کیا یعنی یہ کہا کہ اگر تم اسے قتل نہ کریگا تو ہم تجھے قتل کردیں گے تو اس کو اس پر پیش قدمی کرنا یعنی دوسرے کو قتل کردینا جائز نہیں اسکو چاہیئے کہ خود صبر کرلے یہاں تک کہ خود قتل ہو جائے پس اگر اس نے کسی کے کہنے سے اسکو قتل کردیا تو وہ گنہ گار ہوگا کیونکہ مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے جو ضرورت کی وجہ سے مباح نہیں ہو سکتا۔

قولہ[۲۵] وان اکرہ علی طلاق امرأتہ ۔ یعنی اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینے یا اپنے غلام کو آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے آزاد کر دیا یا طلاق دیدی تو وہ دونوں واقع ہو جائیں گے یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ غلام آزاد نہ ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی اور مکرہ یعنی جس نے مجبور کیا اس سے غلام کی قیمت وصول کی جائیگی اور طلاق اگر وطی سے پہلے دی گئی تو اس عورت کا نصف مہر تھا اس سے وصول کی جائے گی کیونکہ شوہر پر جو مہر واجب تھا وہ سقوط کا احتمال رکھتی تھی بایں طور کہ ممکن ہے جدائی عورت کی جانب سے ہو جائے لیکن جب طلاق واقع ہو گئی تو مہر موکد ہو گیا اور اگر وطی کر چکا ہو تو مکرہ سے کچھ نہیں لے سکتا اسلئے کہ وطی کی وجہ سے مہر اب موکد ہو گیا ۔

قولہ[۳۵] وان اکرہ علی الزنا ۔ یعنی اگر کسی کو زنا کرنے پر مجبور کیا گیا اور اسنے کر لیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر زنا کی حد واجب ہوگی البتہ اگر بادشاہ نے زنا کرنے پر مجبور کیا ہو تو حد واجب نہ ہوگی اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ پہلی صورت میں بھی حد واجب نہ ہوگی اور اگر کسی کو مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا اور اس نے زبان سے مرتد ہونے کا کلمہ کہدیا تو اس سے اسکی بیوی بائن نہ ہوگی۔

کتاب[۱] السیر

ترجمہ :- جہاد کا بیان

الجہادُ[۲] فرضٌ علی الکفایۃِ اذا قام بہٖ فریقٌ من الناسِ سقط عن الباقین وان لم یقم بہٖ احدٌ اثم جمیعُ الناسِ بترکہٖ وقتالُ الکفارِ واجبٌ وان لم یبدؤنا ولا[۳] یجب الجہادُ علی صبیٍ ولا عبدٍ ولا امرأۃٍ ولا اعمیٰ ولا مقعدٍ ولا اقطع فان[۴] ہجم العدوُّ علی بلدٍ وجب جمیعُ المسلمینَ الدفعُ تخرجُ المرأۃُ بغیرِ اذنِ زوجِہا والعبدُ بغیرِ اذنِ المولیٰ واذا دخل المسلمون دارَ الحربِ فحاصروا مدینۃً او حصناً دعوہم الی الاسلامِ فان اجابوہم کفّوا عن قتالِہم وان امتنعوا دعوہم الیٰ اداءِ الجزیۃِ فان بذلوہا فلہم ما للمسلمینَ وعلیہم ما علیہم ولا یجوز ان یقاتل من لم تبلغہ دعوۃُ الاسلامِ الا بعد ان یدعوہم

ترجمہ —— جہاد فرض کفایہ ہے جبکہ اس کو کچھ لوگ کرلیں تو باقی کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی نہ کرے تو اس کے چھوڑنے سے سبھی لوگ گناہگار ہوں گے اور کفار سے قتال کرنا واجب ہے اگرچہ وہ ابتداء نہ کریں اور جہاد بچہ پر واجب نہیں اور نہ غلام اور نہ عورت اور نہ اندھا اور نہ اپاہج اور نہ لولے پر پس اگر دشمن کسی شہر پر چڑھ آئے تو تمام مسلمانوں پر مدافعت واجب ہے بیوی نکلے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر اور جب مسلمان دار الحرب میں داخل ہوں اور کسی شہر اور قلعہ کا محاصرہ کریں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں اگر وہ مان لیں تو ان کے قتال سے رک جائیں اور اگر باز رہیں تو ان کو ادائگی جزیہ کیطرف بلائیں پس اگر وہ دیدیں تو ان کیلئے وہ ہے جو مسلمانوں کیلئے ہے اور ان پر وہ ہے جو مسلمانوں پر ہے اور قتال اس سے جائز نہیں جس کو اسلام کی دعوت نہ پہونچی ہو مگر دعوت دینے کے بعد ۔

قولہ[۱] کتاب السیر، سیر جمع ہے سیرۃ کی جو لغت میں بمعنی عادت۔ طریقہ۔ طرز زندگی کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے اور اس کے متعلقات کو کہا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک اس کا سبب بر سر پیکار ہونا ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک اس کا سبب کافروں کا کفر ہے

قولہ[۲] الجہاد فرض، یعنی جہاد فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ وہ ہے جب اس کو تھوڑے سے آدمی کرلیں تو وہ سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے اور اگر کسی نے بھی نہ کیا تو اس کے نہ کرنے سے سارے لوگ گناہ گار ہو جائیں گے۔ جہاد فرض عین بھی ہے جبکہ دشمن مسلمانوں پر چڑھ آیا ہو۔ نفس فرضیت کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔ قاتلوا المشرکین کافۃ۔ دوسری جگہ ہے قاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ۔

قولہ[۳] لا یجب الجہاد علی صبی، یعنی جہاد لڑکوں پر واجب نہیں کہ وہ مکلف نہیں اور نہ غلام پر کہ وہ مالک کے ماتحت ہے اس طرح عورت کہ وہ شوہر کے ماتحت ہے اس کے علاوہ اس میں بے پردگی کا اندیشہ ہے اسی طرح اندھا و لنگڑا اور لولہ اور اپاہج پر بھی واجب نہیں کہ وہ تمام مجبور ہیں اسی طرح قرضدار کو بھی قرضخواہ کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا واجب نہیں اور نہ ایسے عالم پر کہ اس سے بڑا شہر میں کوئی دوسرا نہ ہو۔

قولہ[۴] فان ہجم العدو علی بلد، یعنی دشمن اگر کسی شہر پر اچانک چڑھ گئے خواہ وہ کافر ہو یا باغی تو اس کے دفع کرنے میں کل مسلمانوں پر جہاد کرنا فرض عین ہے اگرچہ اہل حقوق اجازت نہ دیں چنانچہ بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر جہاد میں شرکت کریں گے اور جب مسلمان دار الحرب میں پہونچ کر کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیں تو انہیں پہلے دعوت اسلام دیں اگر وہ ان سے جہاد کرنا موقوف کر دیں چونکہ سرکار مدینہ نے دعوت اسلام دیئے بغیر کسی قوم سے قتال نہیں فرمایا اور اگر وہ نہ مانیں تو ان سے خراج طلب کریں اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کے واسطے بھی وہی ہے جو مسلمانوں کے واسطے ہے کہ ان کے جان و مال کی بھی حفاظت کی جائے گی اور اگر وہ جزیہ دینا قبول نہ کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ان سے قتال کرے۔

ویستحب[۱] ان یدعو من بلغتہ الدعوۃ الی الاسلام ولا یجب ذلک فان ابوا استعانوا باللہ تعالیٰ علیہم وحاربوھم نصبوا علیہم المجانیق وحرقوھم وارسلوا علیہم الماء وقطعوا اشجارھم وافسدوا زروعھم ولا باس برمیھم وان کان فیہم مسلم اسیرا وتاجرا وان تترسوا بصبیان المسلمین او بالاساری لم یکفوا عن رمیھم ویقصدون بالرمی الکفار دون المسلمین ولا باس باخراج النساء والمصاحف مع المسلمین اذا کانوا عسکرا عظیما یومن علیہ ویکرہ اخراج ذلک فی سریۃ لا یومن علیہا ولا تقاتل المرأۃ الا باذن زوجہا ولا العبد الا باذن سیدہ الا ان یہجم العدو وینبغی[۲] للمسلمین ان لا یغدروا ولا یغلوا ولا یمثلوا ولا یقتلوا امرأۃ ولا صبیا ولا شیخا فانیا ولا اعمیٰ ولا مقعدا الا ان یکون احدھا ممن یکون لہ رائ فی الحرب او تکون المرأۃ ملکۃ ولا یقتلوا مجنونا۔

ترجمہ: ـــــ اور دعوت دینا اسکو مستحب ہے جس کو اسلام کی دعوت پہونچ چکی ہو اور وہ واجب نہیں اگر وہ انکار کریں تو اللہ تعالے سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کریں اور ان پر منجنیق لگادیں اور انہیں آگ میں جلادیں اور ان پر پانی چھوڑ دیں اور ان کے درختوں کو کاٹ ڈالیں اور ان کی کھیتیاں اجاڑ دیں اور ان پر تیر برسانے میں کوئی حرج نہیں اگر ان میں کوئی قیدی مسلمان یا تاجر ہو اگر وہ ڈھال کیطرح مسلمانوں کے بچوں یا قیدیوں کو کرلیں تو بھی تیر برسانے سے نہ رکیں اور تیر برسانے میں کفار کا قصد کریں نہ کہ مسلمانوں کا اور عورتوں اور قرآن کو مسلمانوں کے ساتھ لیجانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ لشکر عظیم ہو اور ان پر اطمینان ہو اور ان کو چھوٹے لشکر میں لیجانا مکروہ ہے جس میں ان پر اطمینان نہ ہو اور عورت قتال نہ کرے مگر شوہر کی اجازت سے اور نہ غلام مگر آقا کی اجازت سے مگر یہ کہ دشمن اچانک چڑھ آئے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دغا نہ کریں اور نہ خیانت کریں اور نہ مثلہ کریں اور نہ عورت کو قتل کریں اور نہ بچہ کو اور نہ بالکل بوڑھے کو اور نہ اندھے اور نہ اپاہج کو مگر یہ کہ ان میں کوئی صاحب رائے ہو جنگی معاملات میں یا عورت رانی ہو اور دیوانے کو قتل نہ کریں۔

تشریح ـــــ قولہ ویستحب ان یدعوا۔ یعنی جنکو ایک بار اسلام کی دعوت ہو چکی تو ان کو پھر دوبارہ اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے اور وہ واجب نہیں پس اگر وہ انکار کریں تو مسلمان اللہ تعالے سے مدد کی دعاء مانگ کے لڑائی شروع کردیں اور ان پر جنگی ہتھیار لگادیں اور ان کے گھر واسباب وغیرہ کو آگ میں جلادیں اور ان پر پانی چھوڑ کر غرق کردیں اور ان کے درختوں کو کاٹ ڈالیں اگرچہ پھلدار ہوں اور کھیتیاں اجاڑ دیں اور ان پر تیر برسانے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ ان کے پاس کوئی مسلمان قید میں ہو یا تجارت کرنے گیا ہو۔ اور اگر وہ مسلمانوں کے بچوں یا قیدیوں کو ڈھال کیطرح اپنے آگے کرلیں اس کے باوجود ان کو تیر مارنے سے نہ رکیں اور تیر کافروں ہی کا قصد کرکے ماریں مسلمانوں کا نہیں

قولہ ینبغی للمسلمین ـــــ یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ دغا نہ کریں اور نہ خیانت کریں اور نہ ناک کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ کریں اور نہ عورتوں کو قتل کریں اور نہ بچوں کو اور نہ بوڑھے کو اور نہ اندھے کو اور نہ اپاہج کو البتہ اگر ان میں سے کوئی ایسا ہو کہ جنگی معاملات میں رائے دیتا ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ سرکار مدینہ نے درید بن صمہ کو قتل کیا تھا جو ایک سو ساٹھ برس کا بوڑھا تھا اسی طرح اس عورت کو بھی قتل کردیں جو ملکہ ہو اور دیوانہ کو قتل نہ کیا جائے۔

وإن رأى الإمامُ أن يصالح أهلَ الحربِ أو فريقاً منهم وكان في ذلك مصلحةٌ للمسلمين فلا بأس به فإن صالحهم مدةً ثم رأى أنّ نقضَ الصلحِ أنفعُ نبذ إليهم وقاتلهم فإن بدؤا بالخيانةِ قاتلهم ولم ينبذ إليهم إذا كان ذلك باتفاقهم وإذا خرج عبيدُهم إلى عسكرِ المسلمين فهم أحرارٌ ولا بأس أن يعلف العسكرُ في دار الحرب ويأكلوا ما وجدوه من الطعام ويستعملوا الحطبَ ويدهنوا بالدهنِ ويقاتلوا بما يجدونه من السلاح كل ذلك بغير قسمةٍ ولا يجوز أن يبيعوا من ذلك شيئاً ولا يتمولونه ومن أسلم منهم أحرز بإسلامه نفسه وأولاده الصغار وكلَّ مالٍ هو في يده أو وديعةٌ في يدِ مسلمٍ أو ذمي فإن ظهرنا على الدارِ فعقاره في فيء وزوجته فيء وحملها

فیٔ واولادہ الکبار فیٔ ولا ینبغی ان یباع السلاح من اھل الحرب ولا یجھز الیھم ولا[۴] یفادیٰ بالاساری عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ وقالا رحمھما اللہ تعالیٰ یفادی بھم اساری المسلمین

ترجمہ ——— اور اگر امام اہل حرب یا ان کے کسی فریق سے صلح کرنے میں مصلحت سمجھے اور اس میں مسلمانوں کی بہتری ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں پس اگر ایک مدت کیلئے صلح کرلی پھر صلح توڑنا نفع بخش سمجھے تو صلح توڑ کر ان سے لڑے پس اگر وہ پہلے خیانت کریں تو ان سے نقض عہد کی اطلاع کئے بغیر جنگ کرے جبکہ یہ ان سب کے اتفاق سے ہو اور جب ان کے غلام مسلمانوں کے لشکر میں نکل آئیں تو وہ آزاد ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ لشکر دارالحرب میں چارہ کھلائے اور کھالیں وہ جو پائیں اور ایندھن کام میں لائیں اور تیل استعمال کریں اور اس سے قتال کریں جو پائیں یہ سب تقسیم کئے بغیر اور جائز نہیں یہ کہ ان میں سے کوئی چیز بیچیں اور نہ اپنے لئے ذخیرہ کرے اور جو ان میں سے اسلام لائے تو وہ محفوظ کرلیگا اسلام کی وجہ سے اپنی جان اور کمسن اولاد اور ہر اس مال کو جو اس کے پاس ہے یا کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت ہے پس اگر ہم اس کے گھر پر غالب آجائیں تو اسکی بیوی اور زمین اور اس کا حمل بالغ اولاد سب فیٔ ہے اور مناسب نہیں کہ ہتھیار اہل حرب کے ہاتھ بیچے جائیں اور ان کے ہاں اسباب نہ لیجایا جائے اور نہ قیدیوں کے عوض رہا کیا جائے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ مسلمان قیدیوں کے عوض رہا کردیا جائے۔

تشریح ——— **قولہ[۱] وان رأی الامام** ۔ یعنی حاکم اگر اہل حرب سے یا ان میں سے کسی فریق سے صلح کرنے میں کوئی مصلحت سمجھے اور اس میں عام مسلمانوں کی بھلائی ہو تو ایسے وقت صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ صلح مال پر ہو یعنی ان سے مال لیکر یا ان کو مال دیکر ہر اعتبار سے صلح کرنا جائز ہے چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے وان جنحوا للسلم فاجنح لہا یعنی اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہوجائیں پس اگر مصلحت نہ ہو تو وہ بالاتفاق ممنوع ہے۔

قولہ[۲] فان صالحھم مدۃ ۔ یعنی اگر ایک معین مدت تک کیلئے صلح کرلی تھی پھر خیال ہوا کہ صلح توڑ دینے میں زیادہ فائدہ ہے تو پھر پہلے ان کو اطلاع کردیں کہ اب ہم کو صلح رکھنی منظور نہیں تاکہ عہد شکنی کہ جو حرام ہے لازم نہ آئے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء اور اگر پہلے انھوں نے ہی کچھ خیانت کردی تو اگرچہ خیانت ان سب کے اتفاق سے ہے تو اب بغیر اطلاع یہاں سے جنگ شروع کردے۔

قولہ[۳] ولا باس ان یعلف ۔ غازیوں کو دارالحرب میں غنیمت کا مال اور چارہ اور کھانا اور لکڑی اور تیل اور ہتھیار وغیرہ تقسیم سے قبل استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں چونکہ احادیث سے اسکی اجازت ثابت ہے لیکن ان چیزوں کو فروخت کرنا اور اپنے لئے ذخیرہ کرنا ممنوع ہے اور اگر ان کفار میں سے کوئی مسلمان ہوجائے تو اس کے اسلام کی وجہ سے اسکی جان اور اس کی چھوٹی اولاد اور اس کا مال یا جو کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت ہو تو وہ سب محفوظ ہوجائے گا یعنی یہ غنیمت میں شمار نہ ہوگا پھر اگر مسلمان اسکے سارے گھر ہی پر غالب آجائیں تو اس کی زمین اور اسکے اسباب اور اس شخص کی بیوی اور اس کی بڑی اولاد سب فیٔ یعنی مال غنیمت ہے

قولہ [۴] لا یفادی بالاساریٰ ۔ یعنی جو کافر قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائیں ان کو مسلمان قیدیوں کے عوض چھوڑ دینا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ وہ تقویت حاصل کرکے پھر لڑائی کا سامان بن جائیں گے صاحبین کا قول یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں کے عوض رہا کرنا جائز ہے یہی قول ائمہ ثلاثہ کا بھی ہے کیونکہ تخلیص مسلم کافر کے قتل سے بہتر ہے امام ابو حنیفہ سے بھی یہی ظاہر روایت ہے

ولا [۱] یجوز المنُّ علیہم واذا فتح الامامُ بلدۃً عنوۃً فھو بالخیار ان شاء قسمھا بین الغانمین وان [۲] شاء اقر اھلھا علیھا ووضع علیھم الجزیۃ وعلی اراضیھم الخراج وھو فی الاساریٰ بالخیار ان شاء قتلھم فان شاء استرقھم وان شاء ترکھم احراراً ذمۃ للمسلمین ولا یجوز ان یردھم الی دارِ الحرب واذا [۳] اراد الامامُ العودَ الی دارِ الاسلام ومعہ مواشی فلم یقدر علی نقلھا الی دارِ الاسلام ذبحھا وحرقھا ولا یعقرھا ولا یترکھا ولا [۴] یقسم غنیمۃ فی دارِ الحرب حتی یخرجھا الی دارِ الاسلامِ والردء والمقاتل فی العسکر سواء واذا لحقھم المدد فی دارِ الحرب قبل ان یخرجوا الغنیمۃَ الی دارِ الاسلام شارکوھم فیھا ولا حق لاھلِ سوقِ العسکرِ فی الغنیمۃِ الا ان یقاتلوا ——

ترجمہ: —— اور ان پر احسان کرنا جائز نہیں اور جب امام کسی شہر کو بزور بازو فتح کرے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے اس کو غازیوں میں تقسیم کر دے اور اگر چاہے ان کے باشندوں کو برقرار رکھ کر ان پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج مقرر کرے اور قیدیوں کے متعلق بھی اختیار ہے اگر چاہے انہیں قتل کر دے اور اگر چاہے مسلمانوں کیلئے ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے اور یہ جائز نہیں کہ انہیں دار الحرب میں جانے دے اور جب امام دار الاسلام کی طرف واپس آنا چاہیے اور اسکے ساتھ مویشی ہوں جنکو دار الاسلام میں نہ لا سکے تو ان کو ذبح کرکے جلا دے اور نہ کونچے اور نہ کاٹے اور نہ ہی چھوڑے اور غنیمت دار الحرب میں تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ اس کو دار الاسلام میں لے آئے اور مددگار اور مقاتل برابر ہیں اور جب ان کو دار الحرب میں کمک پہونچے قبل اس کے کہ وہ دار الاسلام میں غنیمت لائیں تو کمک والے غنیمت میں شریک ہوں گے اور لشکر کے بازار والوں کا غنیمت میں کوئی حق نہیں مگر یہ کہ وہ بھی قتال کریں ۔

تشریح —— قولہ ولا یجوز المن ۔ یعنی ان پر یہ احسان کرنا کہ بلا غلام بنائے یا قتل کئے ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے احناف کے نزدیک جائز نہیں کیوں کہ فتح کے بعد غازی لوگ ان کے حقدار ہو گئے تو اب مفت چھوڑ دینے میں ان کی حق تلفی ہے امام شافعی اس کو جائز قرار دیتے ہیں چوں کہ رب تعالٰی کا ارشاد ہے فاما منًّا بعد واما فداءً یعنی اس کے بعد یا تو احسان کریں یا کچھ معاوضہ لیکر چھوڑ دیں اور حدیث پاک میں ہے کہ جنگ بدر میں سرکار مدینہ نے اپنے داماد ابو العاص یعنی حضرت زینب کے شوہر کو یونہی چھوڑ دیا تھا ۔ دلیل احناف کی رب تعالٰی کا یہ قول ہے اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم ۔ اس میں قتل عام کا حکم دیا گیا ہے یہ آیت سورۂ براءت کی ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی اور پہلی آیت مکہ میں اور ظاہر ہے بعد والی آیت پہلی آیت کیلئے ناسخ ہوتی ہے

قولہ [۲] ان شاء اقر اھلھا ۔ یعنی مسلمان بادشاہ جنگ کرکے کسی شہر کو فتح کرے تو اب اسکو اختیار ہے چاہے اس کو مجاہدین میں تقسیم کر دے جیسا کہ سرکار مدینہ نے جنگ خیبر میں کیا تھا پس اس تقدیر پر وہ مجاہدین کی مملوک ہو جائیں گی اور اس میں عشر ہوگا اور اگر چاہے وہاں کے کافروں کو بطور احسان برقرار رکھے جیسا کہ سیدنا عمر نے عراق میں کیا تھا کہ ان کے گھروں اور زمینوں

کو ان ہی کے تصرف میں دیدیا اس تقدیر پر ان پر جزیہ اور خراج مقرر کیا جائے گا۔

قولہ اذا اراد الامام:۔ یعنی جب بادشاہ دار الاسلام میں آنا چاہے اور اس کے ساتھ کافروں کے مویشی ہوں اور ان کو دار الاسلام میں لانا مشکل ہو تو انہیں وہیں ذبح کرکے جلادے۔ ذبح سے پہلے جلانا جائز نہیں چونکہ جاندار کو آگ میں جلانا سوائے رب تعالیٰ کے کسی کیلئے جائز نہیں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ دار الحرب میں چھوڑ دیئے جائیں چونکہ سرکار مدینہ نے کھانے کے علاوہ کسی دوسرے مقصد سے بکری کو ذبح کرنا منع فرمایا ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ کسی صحیح مقصد کیلئے جانور کو ذبح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور دشمن کی شان و شوکت کی پامالی سے بڑھکر کیا مقصد ہو سکتا ہے۔؟

قولہ لا یقسم غنیمۃ:۔ یعنی غنیمت کو دار الحرب میں تقسیم نہ کرے بلکہ اس کو دار الاسلام میں لے کر تقسیم کرے اور لشکر میں لڑنے والا اور ان کی خدمت کرنے والا غنیمت کے مستحق ہونے میں برابر ہیں اور جب غنیمت کے مال کو دار الاسلام میں لانے سے پہلے دار الحرب میں کمک پہونچ جائے تو یہ کمک والا بھی غنیمت کے مال میں برابر کے شریک ہوں گے اور غنیمت میں لشکر کے بازار والوں کا کچھ حق نہیں کیوں کہ ان کا وہاں جانا قتال کی نیت سے نہیں البتہ اگر وہ بھی لڑائی میں شریک ہوئے ہوں تو بلاشبہ حقدار ہوں گے۔

واذا امن رجلٌ حرٌّ او امرأةٌ كافراً او جماعةً او اهلَ حصنٍ او مدينةٍ صحَّ امانهم ولم يجز لاحدٍ من المسلمين قتلهم الا ان يكون في ذلك مفسدةٌ فينبذ اليهم الامامُ ولا يجوز امانُ ذميٍّ ولا اسيرٍ ولا تاجرٍ يدخل عليهم ولا يجوز امانُ العبدِ المحجورِ عليه عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى الا ان ياذن له مولاه في القتال وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالى يصح امانه

ترجمہ:۔۔۔۔ اور جب آزاد مرد یا آزاد عورت امن دے کسی کافر کو یا ایک جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو تو ان کا امن دینا صحیح ہے اور اب کسی مسلمان کیلئے ان کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو پس امام ان کے امن دینے کو توڑ دے اور ذمی کا امن دینا جائز نہیں اور نہ قیدی اور ایسے تاجر کا جو ان کے ہاں جاتا ہے اور مجور علیہ غلام کا امن دینا ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں مگر یہ کہ اس کا آقا اس کو لڑنے کی اجازت دیدے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کو امن دینا صحیح ہے۔

تشریح:۔ قولہ اذا امن رجل:۔ یعنی جب کوئی آزاد مرد یا عورت ایک کافر کو یا چند کافروں کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو پناہ دیدے تو ان کو پناہ دینا درست ہو جائے گا پھر ان کو قتل کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں اگرچہ امن دینے والا ایک ہی شخص ہو چوں کہ سرکار مدینہ کا قول ہے یسعی بذمتہم ادناھم ای اقلہم وھو الواحد۔ چنانچہ

حضرت زینب نے اپنے شوہر ابوالعاص کو امان دیا اور سرکار مدینہ نے اسکو جائز رکھا اور فرمایا قد اجرنا من اجرت وأمنا من آمنت ۔ امن دینے والے کا عادل ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ اس کا فاسق یا نابینا یا شیخ فانی یا وہ بچہ اور غلام ہونا بھی جائز ہے جن کو لڑنے کی اجازت ہو البتہ امن دینے میں اگر کوئی خرابی ہو تو امام اس کو توڑ سکتا ہے ۔

قولہ ولا یجوز امان الذمی ۔ یعنی ذمی کا کسی کافر کو پناہ دینا جائز نہیں اسلئے کہ اہل اسلام پر ذمی کو ولایت حاصل نہیں البتہ اگر امیر لشکر اس کو حکم کر دے تو درست ہے اسی طرح مسلمان قیدی اور مسلمان تاجر جو دارالحرب میں جاتا ہو اس کا پناہ دینا جائز نہیں کیونکہ وہ خود کفار کی پناہ میں ہے اسی طرح اس غلام کا پناہ دینا بھی جائز نہیں جس کو قتال کی اجازت نہ ہو یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین اور یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے کہ وہ جائز ہے چونکہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے ذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بہا ادناہم دلیل امام ابوحنیفہ کی یہ ہے کہ پناہ دینا بھی معنوی حیثیت سے جہاد ہے اور غلام چونکہ مجبور ہے اسلئے وہ پناہ دینے کے سلسلے میں بھی مجبور ہوگا ۔

واذا غلب الترک علی الروم فسبوھم واخذوا اموالھم ملکوھا وان غلبنا علی الترک حل لنا ما نجدہ من ذلک واذا غلبوا علی اموالنا واحرزوھا بدارھم ملکوھا فان ظھر علیھا المسلمون فوجدوھا قبل القسمۃ فھی لھم بغیر شئ وان وجدوھا بعد القسمۃ اخذوھا بالقیمۃ ان احبوا وان دخل دار الحرب تاجر فاشتری ذلک فاخرجہ الی دار الاسلام فمالکہ الاول بالخیار ان شاء اخذہ بالثمن الذی اشتراہ بہ التاجر وان شاء ترکہ ولا یملک علینا اھل الحرب بالغلبۃ مدبرینا وامھات اولادنا ومکاتبنا واحرارنا ونملک علیھم جمیع ذلک واذا ابق عبد المسلم فدخل الیھم فاخذوہ لم یملکوہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وقالا یملکوہ وان ند الیھم بعیر فاخذوہ ملکوہ

ترجمہ :- اور جب ترکی، رومیوں پر غالب آجائیں پس ان کو قید کرلیں اور ان کا مال لے لیں تو وہ مالک ہو جائیں گے اور اگر ہم ترکیوں پر غالب آجائیں تو ہمارے لئے حلال ہوگا جو کچھ ہم اس میں سے پائیں اور جب وہ ہمارے مال پر غالب آکر دارالحرب میں لے جائیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے پھر اگر اس پر مسلمان غالب آجائیں اور وہ تقسیم سے پہلے مال پائیں تو وہ ان ہی کا بلا عوض ہوگا اور اگر تقسیم کے بعد پائیں تو اس کو قیمت کے عوض لیں اگر چاہیں اور اگر دارالحرب میں کوئی تاجر داخل ہوا اور وہ مال خرید کر دارالاسلام میں لے آیا تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے اسی قیمت کے عوض لے جس سے تاجر نے خریدا ہے اور اگر چاہے چھوڑ دے اور اہل حرب ہم پر غالب آکر ہمارے مدبروں اور ام ولدوں اور مکاتبوں اور آزادوں کے مالک نہ ہوں گے اور ہم ان سب کے مالک ہو جائیں گے اور جب مسلمان کا غلام بھاگ کر ان کے ہاتھ چلا جائے اور وہ اسے پکڑلیں تو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مالک نہ ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ مالک ہو جائیں گے اور اگر کوئی اونٹ بدک کر ان کے ہاں چلا جائے اور وہ اسے پکڑلیں تو اسکے مالک ہو جائیں گے

تشریح :- قولہ واذا غلب الترک ۔ یعنی ترکی کفار اگر روم کے کفار پر غالب آجائیں اور ان کو قید کرلیں اور

ان کا مال لے لیں تو وہ اسکے مالک ہو جائیں گے اور اگر پھر ہم مسلمان ترکیوں پر غالب آجائیں تو جو کچھ ہمیں ترکیوں سے ہاتھ آئے وہ ہمارے لئے حلال ہے یعنی روم کے کافروں کا اس سے کچھ تعلق نہ رہے گا بلکہ اس کے مسلمان مالک ہو جائیں گے اور اگر حربی کافر مسلمانوں کے مال پر غالب آجائیں اور اسکو لوٹ کر دارالحرب میں لیجائیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے یعنی وہ مسلمانوں کی ملک سے نکل جائے گا یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ وہ مالک نہیں ہوں گے کیونکہ مسلمان کا مال ہر طرح سے معصوم ہے چنانچہ نبی کریم کا ارشاد ہے فاذا قالوھا عصموا منی دماءھم واموالھم۔ دلیل احناف کی اللہ تعالیٰ کے قول للفقراء المہاجرین الخ میں مہاجرین کو فقراء کہا گیا ہے اور فقراء جمع ہے فقیر کی اور فقیر وہ ہے جو کسی شئے کا مالک نہ ہو پس اگر کفار حصول غلبہ کی وجہ سے ان کے مالوں کے مالک نہ ہوں تو فقراء کہنا درست نہ ہوگا اسلئے کہ وہ اس صورت میں غنی ہیں۔

قولہ وان دخل دار الحرب:۔ یعنی اگر کوئی سوداگر دارالحرب میں گیا اور اس نے وہ مال خرید لیا جو اصل میں مسلمانوں کا تھا اور کفار اس پر غالب آگئے تھے پھر وہ سوداگر اس کو دارالاسلام میں لے آیا تو اس کے پہلے مالک کو یعنی اس مسلمان کو جو پہلے مالک تھا اختیار ہے کہ چاہے وہ اس کی قیمت دے کر لے لے کہ جس قیمت سے اسکے سوداگر نے خریدا ہے اور چاہے نہ لے۔

قولہ لا یملک علینا اھل الحرب:۔ یعنی کفار مسلمانوں پر غالب آکر مسلمان کے مدبروں و مکاتبوں اور ام ولدوں اور آزادوں کے مالک نہیں ہوتے کیونکہ غلبہ ہونے سے ملکیت اس وقت ثابت ہوتی ہے کہ جب کسی مباح مال پر غلبہ ہو اور آزاد آدمی مباح مال نہیں ہوتا بلکہ وہ آزاد آدمی ہونیکی وجہ سے معصوم ہوتا ہے اسلئے وہ غلام نہیں ہو سکتا اور اسی طرح مکاتب و ام ولد وغیرہ میں بھی ایک قسم کی آزادگی ہوتی ہے جو ان کے غلام نہ ہونے کا باعث ہے۔

قولہ واذا ابق عبد المسلم:۔ یعنی اگر کسی مسلمان کا غلام بھاگ کر دارالحرب میں چلا گیا اور اس کو وہاں کے کافروں نے پکڑ لیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ اس کے مالک نہ ہوں گے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ وہ مالک ہو جائیں گے اور اگر مسلمانوں کا کوئی اونٹ بھاگ کر کافروں کے ہاں چلا گیا اور انھوں نے اس کو پکڑ لیا تو وہ اسکے مالک ہو جائیں گے وجہ فرق یہ ہے کہ جانوروں کا اپنی ذات پر تصرف و قبضہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ دارالاسلام سے نکلنے کے وقت وہ ظاہر ہو اور ملک کفار کیلئے مانع ہو برخلاف غلام کے کہ دارالاسلام میں رہنے تک تصرف آقا کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہوتا ہے اور جب وہ دارالاسلام سے چلا گیا تو آقا کا تصرف زائل ہو گیا اور اس کا اپنا تصرف ظاہر ہو گیا جس کی وجہ سے وہ معصوم بنفسہ ہو گیا اور ملک کا محل نہ رہا۔

واذا لم یکن للامام حمولۃ یحمل علیہا الغنائم قسمہا بین الغانمین قسمۃ ایداع لیحملوھا الی دار الاسلام ثم یرتجعہا منہم فیقسمہا ولا یجوز بیع الغنائم قبل القسمۃ فی دار الحرب ومن مات من الغانمین فی دار الحرب فلا حق لہ فی القسمۃ ومن مات من الغانمین بعد اخراجہا الی دار الاسلام فنصیبہ لورثتہ ولا باس بان ینفل الامام فی حال القتال ویحرض بالنفل علی القتال فیقول من قتل قتیلا فلہ سلبہ او یقول لسریۃ قد جعلت لکم الربع بعد الخمس ولا ینفل بعد احراز الغنیمۃ الا من الخمس واذا لم یجعل السلب للقاتل فھو من جملۃ الغنیمۃ والقاتل وغیرہ سواء والسلب

ما علی المقتول من ثیابہ وسلاحہ ومرکبہ [۳] واذا خرج المسلمون من دار الحرب لم یجز ان یعلفوا من الغنیمۃ ولا یاکلوا منہا شیئاً ومن فضل معہ علف او طعام ردہ الی الغنیمۃ

ترجمہ ـــــ اور جب امام کے پاس جانور نہ ہو جس پر مال غنیمت لادے تو اس کو غازیوں کے درمیان بطور امانت تقسیم کردے تاکہ وہ اسکو دار الاسلام میں لے آئے پھر ان سے واپس لیکر تقسیم کرے اور مال غنیمت کو دار الحرب میں تقسیم سے پہلے بیچنا جائز نہیں اور جو شخص غازیوں میں سے دار الحرب میں مرجائے تو اس کا تقسیم میں کوئی حق نہیں اور جو وہاں سے نکلنے کے بعد مرجائے تو اس کا حصہ اس کے ورثہ کا ہوگا اور کوئی حرج نہیں کہ جنگ کے وقت امام انعام کا وعدہ کرکے قتال پر ابھارے اور کہے کہ جو جس کو قتل کرے گا تو مقتول کا ساز وسامان اسی کا ہے یا کسی دستہ سے کہے کہ میں نے تمہارے لیے چوتھائی خمس کے بعد تمہارے لئے کردی ہے اور غنیمت جمع کرنے کے بعد انعام نہ دے مگر خمس سے اور جب مقتول کا سامان قاتل کیلئے نہ کیا ہو تو وہ منجملہ غنیمت کے ہوگا جس میں قاتل وغیر قاتل دونوں برابر ہوں گے۔ اور سلب وہ ہے جو مقتول پر ہو اسکے کپڑوں اور ہتھیاروں اور سواری سے اور جب مسلمان دار الحرب سے نکل چکیں تو جائز نہیں یہ کہ غنیمت سے چارہ کھلائیں اور نہ یہ کہ وہ خود کھائیں اس میں سے اور جس کے پاس کچھ چارہ یا کھانا بچ جائے تو اس کو غنیمت میں شامل کردے۔

تشریح ـــــ قولہ [۱] واذا لم یکن للامام :۔ یعنی دار الحرب سے اگر غنیمت ہاتھ آئے اور امام کے پاس کوئی ایسی سواری نہ ہو کہ جن پر اس غنیمت کو لاد کر دار الاسلام میں لائے تو انہیں امانت کے طور پر غازیوں میں تقسیم کردے تاکہ وہ اسے دار الاسلام میں لے آئیں پھر ان سے لیکر انہیں تقسیم کردے اور غنیمت کو تقسیم ہونے سے پہلے دار الحرب میں بیچ دینا جائز نہیں۔

قولہ [۲] ولا باس بان ینفل :۔ جنگ کے وقت امام اگر کسی کو کچھ انعام دے دے یا انعام کا وعدہ کرکے غازیوں کا دل بڑھائے تو اس میں کچھ حرج نہیں مثلاً یہ کہے کہ جو شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس مقتول کا اسباب اسی کو دے دیا جائے گا یا چھوٹے لشکر سے کہے کہ خمس نکالنے کے بعد غنیمت کی ایک چوتھائی میں نے تمہارے لئے کردی ہے کیونکہ یہ ایک قسم کی تحریض ہے جو مستحب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال اور اگر امام نے مقتول کا اسباب قاتل کو دینے کا وعدہ نہیں کیا تو وہ اسباب بھی غنیمت میں شامل کیا جائے گا اور مقتول کے اسباب سے مراد اس کی سواری اور اس کے بدن کے کپڑے اور ہتھیار ہیں۔

قولہ [۳] اذا خرج المسلمون :۔ یعنی جب مسلمان دار الحرب سے چلے آئیں تو اب انہیں غنیمت میں سے خرچ کرنا جائز نہیں نہ تو اس میں سے اپنے جانوروں کو کھلائیں اور نہ خود کھائیں اور اگر کسی کے پاس کچھ چارہ یا کھانا بچ جائے تو اس کو غنیمت میں شامل کردے۔

ویقسم [۱] الامام الغنیمۃ فیخرج خمساً ویقسم الاربعۃ الاخماس بین الغانمین للفارس سہمان وللراجل سہم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال للفارس ثلثۃ اسہم ولا سہم الا لفرس واحد والبراذین والعتاق سواء ولا یسہم لراحلۃ ولا بغل ومن دخل دار الحرب فارساً فنفق فرسہ استحق سہم فارس

ترجمہ :۔ ــــــــ اور امام غنیمت کو تقسیم کرے اور اس کا خمس نکال لے اور چار خمس غازیوں میں تقسیم کرے سوار کیلئے دو حصے اور پیادہ پا کیلئے ایک حصہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ سوار کیلئے تین حصے ہیں اور حصے نہ لگائے مگر ایک ہی گھوڑا کا اور دیسی و عربی گھوڑا برابر ہیں اور بارکش اور خچر کا حصہ نہ لگائے اور جو شخص دار الحرب میں سوار ہو کر داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو سوار کے حقدار کا حقدار ہوگا اور جو پیادہ پا داخل ہو پھر اس نے گھوڑا خرید لیا تو پیادہ پا کے حصہ کا مستحق ہوگا۔ غلام کا حصہ نہ لگائے اور نہ عورت اور نہ ذمی اور نہ بچہ کا لیکن امام ان کو کچھ دیدے جو مناسب سمجھے۔

تشریح ــــــــ **قولہ[۱] ویقسم الامام** ۔ یعنی امام غنیمت کو اس طرح تقسیم کرے کہ پہلے خمس نکال لے اور باقی چار خمس کو غازیوں میں تقسیم کر دے اور جو لوگ گھوڑا سوار ہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان کے دو حصے ہیں اور پیادہ پا کا ایک حصہ ہے اور صاحبین اور یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے کہ سوار کے تین حصے ہیں ایک حصہ سوار کا اور دو حصے گھوڑے کے جیسا کہ عبد اللہ بن عمر کی روایت ہے۔ دلیل امام ابوحنیفہ کی وہ احادیث ہیں جن سے سرکار مدینہ نے سوار کیلئے دو حصے مقرر فرمائے ہیں پس دو دو حصے کی روایت بطور وجوب ہے اور تین حصے کی روایت انعام پر محمول ہے۔

قولہ[۲] والبراذین والعتاق :۔ یعنی حصوں کے ملنے میں دیسی اور عربی گھوڑے برابر ہیں اور بارکش خچر وں کا حصہ نہیں لگایا جائے گا کیوں کہ نہ ان پر سوار ہو کر جنگ ہوتی ہے اور نہ بھاگ دوڑ کے کام آتے ہیں اور اگر کوئی دار الحرب میں گھوڑا لیکر گیا تھا پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو وہ سوار کے حصہ کا مستحق ہوگا یعنی اس کو دو حصے ملیں گے اور اگر کوئی پیدل گیا پھر وہاں اس نے گھوڑا خرید لیا تو وہ پیدل کے حصہ کا مستحق ہوگا۔

واما[۱] الخمسُ فیقسم علیٰ ثلاثۃ اسھمٍ سھمٌ للیتامیٰ وسھمٌ للمساکینَ وسھمٌ لابناءِ السبیلِ ویدخل فقراءُ ذوی القربیٰ فیھم ویقدمون ولا یدفع الی اغنیائھم شیءٌ فاما ذکر اللّٰہ تعالیٰ لنفسہٖ فی کتابہٖ من الخمسِ فانما ھو لافتتاحِ الکلامِ تبرکًا باسمہٖ وسھمُ النبی علیہ السلام سقط بموتہٖ کما سقط الصفیُّ وسھمُ ذوی القربیٰ کانوا یستحقونہ فی زمنِ النبی علیہ السلام بالنصرۃِ وبعدہٗ بالفقر واذا[۲] دخل الواحدُ والاثنانِ الی دارِ الحربِ مغیرینَ بغیرِ اذنِ الامامِ فاخذوا شیئًا لم یخمس وان دخل جماعۃٌ لھم منعۃ فاخذوا شیئًا خمس وان لم یاذن لھم الامامُ ــــــــ

ترجمہ ــــــــ اور لیکن خمس تو اس کے تین حصے کرے ایک حصہ یتیموں کیلئے اور ایک مسکینوں کے لئے اور ایک مسافروں کے لئے اور ذوی القربیٰ کے فقراء ان ہی میں داخل ہوں گے اور مقدم کئے جائیں گے اور ان کے مالداروں کو کچھ نہ دے اور لیکن جو حصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خمس سے ذکر کیا ہے تو وہ کلام میں شروع اللہ کے نام سے تبرک حاصل کرنے کیلئے ہے اور نبی کریم علیہ السلام کا حصہ آپ کی وفات سے ساقط ہو گیا جیسے صفی ساقط ہو گیا اور ذوی القربیٰ کا حصہ وہ مستحق ہوتے تھے نبی کریم علیہ السلام کے زمانہ میں نصرت کی وجہ

سے اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے اور جب ایک یا دو آدمی دار الحرب میں داخل ہو لوٹ مار کرتے ہوئے امام کی اجازت کے بغیر اور کوئی چیز لے آئے تو خمس نہ لیا جائے گا اور اگر قوت والی جماعت داخل ہو کر کچھ لے آئی تو خمس لیا جائے گا اگرچہ امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو۔

تشریح ——— **قولہ[۱] واما الخمس** :۔ یعنی خمس جو پہلے نکال لیا گیا تھا اس کے تین حصے کیے جائیں گے ایک حصہ یتیموں کا اور ایک حصہ مسکینوں کا اور ایک حصہ مسافروں کا اور ذوی القربیٰ اگر تنگدست ہوں تو وہ بھی ان ہی میں داخل ہوں گے اور ان سے مقدم کیا جائے گا۔ ذوی القربیٰ سے مراد سرکار مدینہ کے قرابتدار ہیں ان کو مقدم کرنیکی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کو مقدم رکھا ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل الخ۔

قولہ[۲] فاما ماذکر اللہ :۔ یعنی آیت کریمہ واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل میں اللہ تعالیٰ نے خمس میں سے اپنا حصہ جو ذکر کیا ہے وہ محض شروع کلام اللہ کے نام سے تبرک حاصل کرنے کیلئے ہے کیونکہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں اس کو حصہ کی کوئی ضرورت نہیں اور سرکار مدینہ کا حصہ آپکی وفات کے بعد جمہور کے نزدیک ساقط ہو گیا جس طرح صفی ساقط ہو گیا۔ کیونکہ اب ان کو کوئی ضرورت نہیں رہی پھر اقارب کی خبر گیری انسان کی ذاتی حوائج میں داخل ہے اور جب سرکار مدینہ ذاتی حوائج بشریہ سے بری ہو گئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہو گئے۔ پس خمس کے صرف تین مصارف رہ گئے جو اوپر مذکور ہوئے۔

قولہ[۳] اذا دخل الواحد : یعنی جب ایک یا دو آدمی امام کی اجازت کے بغیر لوٹ مار کرنے دار الحرب گئے اور وہاں سے کچھ لے آئے تو اس میں سے خمس نہ لیا جائے گا اور اگر چند آدمی قوت و شوکت والے جائیں اور وہ کچھ لے آئیں تو اس میں سے خمس لیا جائے گا۔ اگرچہ امام نے انہیں اجازت نہ دی ہو کیونکہ وہ جو کچھ لائے ہیں غلبہ اور قہر یعنی زبردستی کے طور پر ہے چوری یا چھین جھپٹ کر نہیں اس لئے یہ غنیمت ہے اور غنیمت میں خمس ہوتا ہے۔

واذا دخل المسلمُ دارَ الحربِ تاجراً فلا یحلُّ لہٗ ان یتعرّض بشیءٍ من اموالِہم ولا من دمائِہم فان غدر بہم واخذ شیئًا ملکہٗ ملکًا محظوراً او یؤمر ان یتصدّق بہ واذا دخل الحربی الینا مستامنًا لم یمکن لہٗ ان یقیم فی دارِنا سنۃً ویقول لہٗ الامامُ ان اقمتَ تمامَ السنۃِ وضعتُ علیک الجزیۃ فان[۱] اقام سنۃً اخذت منہ الجزیۃ وصار ذمیًا ولا یترک ان یرجع الی دارِ الحربِ وان عاد الی دارِ الحربِ وترک ودیعۃً عند مسلمٍ او ذمیٍ او دینًا فی ذمتِہم فقد صار دمہٗ مباحًا بالعودِ وما فی دارِ الاسلامِ من مالہٖ علی خطرٍ فان اُسِرَ او ظُہِرَ علی الدارِ فقُتل سقطت دیونہٗ وصارت الودیعۃُ فیئًا وما اوجف علیہ المسلمون من اموالِ اہلِ الحربِ بغیرِ قتالٍ یصرف فی مصالحِ المسلمین کما یصرف الخراج۔

ترجمہ :——— اور جب کوئی مسلمان دار الحرب میں تاجر ہو کر داخل ہو تو اس کیلئے ان کے مالوں اور جانوں سے تعرض کرنا حلال نہیں پس اگر غداری کر کے کوئی چیز لے لی تو ممنوع طریقہ پر اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کو صدقہ کرنے کا حکم کیا جائے گا

اور جب حربی ہمارے ہاں امن جان کر آجائے تو اس کیلئے دار الاسلام میں سال بھر ٹھہرنا ممکن نہ ہوگا بلکہ اس سے امام کہدیگا کہ اگر تو سال بھر ٹھہرا تو میں تجھ پر جزیہ مقرر کردوں گا پس اگر وہ سال بھر رہے تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ ذمی ہو جائے گا اور اب اسکو دار الحرب جانے نہ دیا جائے گا پس اگر وہ دار الحرب چلا گیا اور کچھ امانت کسی مسلمان یا ذمی کے پاس چھوڑ گیا یا ان کے ذمہ کچھ قرض چھوڑ گیا تو اس کا خون واپس جانیکی وجہ سے مباح ہو گیا اور جو کچھ دار الاسلام میں ہو اس کا مال تو وہ خطرہ میں ہو گیا پس اگر قید کر لیا گیا یا دار الحرب پر غلبہ ہو گیا اور وہ قتل کر دیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہو جائے گا اور امانت غنیمت ہو جائیگی اور جو مسلمانوں نے جو حملہ کر کے اہل حرب کا مال لے لیا ہو جنگ کئے بغیر تو وہ مسلمانوں کی بہتری میں صرف کیا جائے گا جیسے خراج صرف کیا جاتا ہے۔

تشریح :- قولہ واذا دخل المسلم ۔ یعنی جب کوئی مسلمان تجارت کرنے دار الحرب میں گیا تو اسکو وہاں کے کفار کا کچھ مال لینا یا خون کرنا ہرگز درست نہیں اور اگر اس نے یا اس کے ساتھیوں نے بے وفائی کر کے ان کی کوئی چیز لیلی تو وہ ممنوع طریقہ پر اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کو حکم دیا جائے گا کہ یہ اسکو صدقہ کردے اپنے کام میں نہ لائے اور دار الحرب کے کافر دار الاسلام میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا مگر دو چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ آیا وہ غلام ہو یا جزیہ دینا قبول کرے پس اگر حربی کافر امن لیکر دار الاسلام میں رہنا چاہے تو وہ پورا ایک سال نہیں ٹھہر سکتا۔ اس سے امام کہدے کہ اگر تو سال بھر رہے گا تو تجھ پر جزیہ مقرر کردوں گا کیونکہ حربی اگر زیادہ مدت تک ٹھہرے گا تو وہ کافروں کا جاسوس ہو جائے گا اسلئے اس کا دار الاسلام میں آنا نقصان سے خالی نہیں مگر بالکل روکا بھی نہیں جاسکتا اسلئے کہ اس صورت میں غلہ کی آمد ختم ہو جائیگی اور تجارتی کام ٹھپ پڑ جائیگا اس وجہ سے ایک سال کی مدت قرار دی گئی تاکہ اس مدت میں جزیہ واجب ہو جائے۔

قولہ فان اقام اسنۃ ۔ یعنی حربی کافر اگر دار الاسلام میں سال بھر تک ٹھہرے تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ ذمی ہو جائے گا پھر اگر وہ دار الحرب میں جانا چاہے تو جانے نہ دیا جائے کیونکہ عقد ذمہ منعقد ہو جانے کے بعد نہیں ٹوٹتا پس اگر وہ دار الحرب چلا جائے اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس کچھ امانت چھوڑ جائے یا ان کے ذمہ اس کا کچھ قرض ہو تو اب اسکے واپس چلے جانیکی وجہ سے اسکو قتل کرنا مباح ہو جائے گا اور جو کچھ اس کا مال دار الاسلام میں ہوگا وہ محل خطر میں ہو جائے گا یعنی اگر وہ گرفتار ہو جائے یا دار الحرب کو مسلمان فتح کرلیں اور یہ قتل ہو جائے تو اس کا قرض جاتا رہے گا اور اس کا امانت رکھا ہوا مال غنیمت کا مال شمار ہوگا۔

وارض العرب کلھا ارض عشر وھی بین العذیب الی اقصی حجر بالیمن وبمھرۃ الی حد مشارق الشام والسواد کلھا ارض خراج وھی ما بین العذیب الی عقبۃ حلوان من الثعلبیۃ الی عبادان وارض السواد مملوکۃ لاھلھا یجوز بیعھم لھا وتصرفھم فیھا وکل ارض اسلم اھلھا علیھا او فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فھی ارض عشر وکل ارض فتحت عنوۃ فاقر اھلھا علیھا فھی ارض خراج ومن احیا ارضا مواتا فھی عند ابی یوسف

معتبرة بحيزها فان كانت من حيز ارض الخراج فهى خراجية وان كانت من حيز ارض العشر فهى عشرية والبصرة عندنا عشرية باجماع الصحابة رضى الله عنهم وقال محمد رحمه الله تعالى ان احياها ببئر حفرها او استخرجها او بماء دجلة او الفرات او الانهار العظام التى لا يملكها احد فهى عشرية وان احياها بماء الانهار التى احتفرها الاعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجرد فهى خراجية

ترجمہ :۔ اور عرب کی کل زمین عشری ہے جو عذیب سے لیکر انتہائے حجر یمن تک ہے اور مہرہ سے شارق شام کی حد تک ہے اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو عذیب سے عقبہ حلوان تک اور علث سے عبادان تک ہے اور سواد عراق کی زمین اسکے باشندوں کی ملک ہے انہیں اس کا بیچنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور ہر وہ زمین جسکے باشندہ اسلام لے آئے یا وہ بزور بازو فتح کرلی گئی اور غازیوں میں تقسیم کردی گئی تو وہ عشری ہے اور جو زمین بزور بازو فتح کی گئی اور اسکے باشندوں کو وہیں رکھا گیا تو وہ خراجی ہے اور جس نے مردہ زمین کو زندہ کرلیا تو اس کا اعتبار امام ابو یوسف کے نزدیک اسکے برابر والی زمین سے ہوگا پس اگر برابر والی زمین خراجی ہو تو وہ خراجی ہوگی اور اگر برابر والی عشری ہو تو وہ عشری ہوگی اور بصرہ ہمارے نزدیک عشری ہے اجماع صحابہ سے اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر اس کا کنواں کھودکر۔ یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے زندہ کیا جن کا کوئی مالک نہیں تو وہ عشری ہے اور اگر زندہ کیا ان نہروں کے پانی سے جن کو عجمیوں نے کھودا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یزد جرد تو وہ خراجی ہے۔

تشریح :۔ قولہ ارض العرب کلہا :۔ یعنی عرب کی ساری زمین عشری ہے اور عرب سے مراد زمین حجاز اور تہامہ اور یمن اور مکہ اور طائف اور جنگل ہے بعض لوگوں نے مکہ مکرمہ کو تہامہ میں شمار کیا ہے اور تہامہ وہ زمین ہے جو نجد سے نشیب میں ہو اور نجد اونچی زمین کو کہا جاتا ہے اور حجاز اس زمین کو کہا جاتا ہے جو تہامہ اور نجد کے درمیان ہو اور زمین عرب کے حدود یہ ہیں۔ عذیب سے لیکر انتہائے حجر یمن تک ہے طول میں۔ عذیب ایک بستی ہے کوفہ کی بستیوں میں سے اور عرض میں مہرہ سے لیکر مشارق شام کے حدود تک اور مہرہ سے مراد مسقط اور عدن کے درمیان کی جگہ ہے۔

قولہ والسواد کلہا :۔ یعنی سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے اور وہ عذیب سے لیکر عقبہ حلوان تک ہے عرض میں اور طول میں علث سے لیکر عبادان تک۔ عذیب تصغیر کے ساتھ ایک چشمہ ہے بنو تمیم کا جو کوفہ سے ایک مرحلہ پر واقع ہے اور عرب کی انتہا یہیں سے ہے اور سواد عراق کی ابتداء ہے اور حلوان ایک شہر ہے اور علث دجلہ کے مشرقی جانب میں ایک آبادی ہے جو عراق کی حد ہے اور عبادان ایک جزیرہ ہے جو بصرہ کے پاس ہے۔

قولہ ارض السواد :۔ یعنی سواد عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملک ہے انہیں اس کا بیع کرنا

اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے چونکہ سیدنا عمر نے سواد عراق کی زمین کو وہاں کے کافروں کے حوالہ کر دی اور ان کی ذات پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر فرما دیا اور اس پر تمام صحابہ نے اتفاق کیا۔

قولہ کل ارض اسلم :۔ یعنی جس زمین کے باشندے مسلمان ہو جائیں یا اس کو جنگ کر کے فتح کر لی جائے اور غازیوں میں تقسیم کر دی جائے تو وہ زمین عشری ہے کیونکہ عرب کے قبائل جو مسلمان ہوتے تھے ان کی زمین ان کی ملک رہتی تھی اور مفتوحہ زمین جو غازیوں کے درمیان تقسیم ہوتی تھیں وہ غازیوں کی ملک ہوتی تھیں ان تمام زمینوں پر کسی قسم کا کوئی خراج نہ تھا البتہ ان کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر تھا۔

قولہ من احیا ارضاً :۔ یعنی کسی نے اگر بنجر زمین کو چلتی کر لی تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کے لگان وغیرہ کا اعتبار اس کے برابر کی زمین سے کیا جائے گا اگر اس کے برابر کی زمین خراجی ہے تو یہ بھی خراجی ہوگی اور اگر وہ عشری ہے تو یہ بھی عشری ہوگی اور بصرہ احناف کے نزدیک باجماع صحابہ عشری ہے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ اگر وہاں کی زمین میں کوئی کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر ان کے پانی سے چلتی ہے یا دجلہ فرات یا ایسی بڑی نہروں کے پانی سے چلتی کی ہے کہ جو کسی کی ملک نہیں ہیں تو وہ زمین عشری ہے اور اگر ایسی نہروں کے پانی سے چلتی کی ہے کہ جس کو عجمیوں نے کھودا ہے مثلاً نہر ملک اور نہر یزدجرد تو یہ زمین خراجی ہوگی۔

والخراجُ الذی وضعہٗ عمر رضی اللہ عنہ علی اھلِ السوادِ من کل جریبٍ یبلغہُ الماءُ ویصلح للزرعِ قفیزٌ ھاشمیٌ وھو الصاعُ ودرھمٌ ومن جریبِ الرطبۃِ خمسۃُ دراھمَ ومن جریبِ الکرمِ المتصلِ عشرۃُ دراھمَ وما سوی ذلک من الاصنافِ یوضع علیھا بحسبِ الطاقۃِ فان لم تطق ما وضع علیھا نقصھا الامامُ وان اغلب علی ارضِ الخراجِ الماءُ او انقطع عنھا او اصطلم الزرعَ آفۃٌ فلا خراجَ علیھم وان عطلھا صاحبھا فعلیہ الخراجُ ومن اسلم من اھلِ الخراجِ اُخذ منہ الخراجُ علی حالہٖ ویجوز ان یشتری المسلمُ من الذمی ارضَ الخراجِ ویؤخذ منہ الخراجُ ولا عشرَ فی الخارجِ من ارضِ الخراجِ

ترجمہ:۔ اور جو خراج سیدنا عمر نے اہل سواد پر مقرر کیا تھا وہ اس جریب سے ہے جس کو پانی پہونچتا ہو اور قابل زراعت ہو ایک قفیز ہاشمی ہے یعنی ایک صاع اور درہم اور ترکاریوں کے ایک جریب میں پانچ درہم ہیں۔ اور انگور اور کھجور کے ایک جریب میں دس درہم ہیں اور اس کے علاوہ اور قسم کی زمینوں میں مقرر کیا جائے ان کی برداشت کے مطابق لیں اگر وہ برداشت نہ کریں جو ان پر مقرر کیا گیا ہے تو امام اس کو کم کر دے اور اگر خراجی زمین پر پانی غالب آجائے یا بند ہو جائے یا کھیتی کو کوئی آفت برباد کر دے تو ان کاشتکاروں پر خراج نہ ہوگا اور اگر زمین والا نے بیکار چھوڑ دیا تو اس پر خراج ہوگا اور جو خراج دینے والا اسلام لے آیا اس سے بدستور سابق خراج لیا جائے گا۔

اور جائز ہے کہ یہ مسلمان ذمی سے خراجی زمین خریدے اور اس سے خراج ہی لیا جائے گا اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں۔

تشریح۔ قولہ والخراج الذی وضعہ:۔ یعنی خراج وہی معتبر ہے جو سیدنا عمر نے مقرر کیا تھا یعنی ایک بیگھہ پر کہ جس کو پانی پہونچتا ہے اور زراعت کے قابل ہو۔ ایک جریب کا خراج ایک درہم ہے اور ایک قفیز ہاشمی ہے اور وہ ایک صاع اور ایک درہم شرعی ہوتا ہے اور جو زمین اس سے عمدہ ہو جس میں ترکاریاں ہوتی ہیں اسکے ایک جریب کا خراج پانچ درہم ہیں جو اوسط درجہ کا خراج ہے اور جو زمین اس سے بھی عمدہ ہو جس میں انگور یا کھجور کے گھنے باغات ہوتے ہیں اس کے جریب کا خراج دس درہم ہیں سیدنا عمر نے اہل سواد پر یہی مقرر کیا تھا۔

قولہ فان لم تطق:۔ یعنی جو کچھ اس زمین پر مقرر کیا گیا ہو تو وہ اگر اس کے مناسب نہ ہو یعنی اسکی پیداوار میں اس قدر گنجائش نہ ہو تو امام اس کو کم کر سکتا ہے اور اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ آنیکی وجہ سے بالکل پیداوار نہ ہو یا بالکل ہی خشک سالی ہو جائے یا کوئی آفت کھیتی کا بالکل بیج مار دے تو ان کاشتکاروں پر سے خراج معاف ہو جائے گا لیکن اگر کاشتکار زمین کو بگاڑ ڈالے یا کاہلی کی وجہ سے قابل زراعت زمین معطل ہو جائے تو اس پر خراج واجب ہوگا۔

قولہ ومن اسلم من اهل الخراج:۔ یعنی اگر کوئی خراج ادا کرنے والوں میں سے مسلمان ہو جائے تو اس سے اسی طرح خراج لیا جائے گا جس طرح کفر کی حالت میں اس سے لیا جاتا تھا۔ اور مسلمان کو ذمی سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور اس سے خراج ہی لیا جائے گا اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں یعنی عشر و خراج دونوں جمع نہیں ہوتے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے جبکہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں اسلئے کہ وہ دو مختلف سببوں کی وجہ سے دو محلوں میں واجب ہوتا ہے اسلئے اس کے جمع ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں دلیل احناف کی یہ ہے کہ خراج اس زمین میں واجب ہے جو بطور غلبہ فتح کی گئی ہو اور عشر اس زمین میں واجب ہے جس کے باشندے خوشی سے مسلمان ہوئے ہوں ظاہر ہے یہ دونوں وصف ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔

والجزیۃ علی ضربین جزیۃ توضع بالتراضی فالصلح فتقدر بحسب ما یقع علیہ الاتفاق وجزیۃ یبتدئ الامام بوضعہا اذا غلب الامام علی الکفار واقرہم علی املاکہم فیضع علی الغنی الظاہر الغناء فی کل سنۃ ثمانیۃ واربعین درہما یاخذ منہ فی کل شہر اربعۃ دراہم وعلی المتوسط الحال اربعۃ وعشرین درہما فی کل شہر درہمین وعلی الفقیر المعتمل اثنی عشر درہما فی کل شہر درہم وتوضع الجزیۃ علی اہل الکتاب والمجوسی وعبدۃ الاوثان من العجم ولا توضع علی عبدۃ الاوثان من العرب ولا علی المرتدین ولا جزیۃ علی امراۃ ولا صبی ولا زمن ولا علی فقیر غیر معتمل ولا علی الرہبان الذین لا یخالطون الناس ومن اسلم وعلیہ جزیۃ سقطت عنہ

ترجمہ ——— اور جزیہ دو قسموں پر ہے ایک وہ جزیہ جو رضامندی اور صلح سے مقرر کیا جائے پس مقرر کیا جائے گا جس پر اتفاق ہو جائے اور ایک وہ جزیہ جو امام ابتداءً مقرر کرے جب وہ کفار پر غالب آجائے اور ان کے مالکوں کو ان کی ملکیتوں پر برقرار رکھے کھلی مالداری والے پر ہر سال اڑتالیس درہم اور اس سے ہر ماہ چار درہم وصول کرے اور اوسط درجہ کے آدمی پر چوبیس درہم مقرر کرے ہر ماہ دو درہم اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم ہر ماہ ایک درہم اور اہل کتاب اور مجوسیوں اور عجمی بت پرستوں پر جزیہ مقرر کیا جائے گا اور عرب کے بت پرستوں پر مقرر نہ کیا جائے گا اور نہ مرتدوں پر اور جزیہ عورت پر نہیں اور نہ بچہ پر اور نہ اپاہج پر اور نہ ایسے فقیر پر جو بیکار ہو اور نہ ان راہبوں پر جو لوگوں سے نہ ملتے جلتے ہوں اور جو شخص اسلام لے آیا اور اس کے ذمہ جزیہ تھا تو وہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

تشریح ——— قولہ[۱] والجزیۃ علی ضربین ،۔ جزیہ یعنی جزا ہے کہ وہ قتل کا بدلہ ہے کیونکہ کافر اگر جزیہ نہ دیتا تو وہ قتل کیا جاتا اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جو اہل اسلام اور کفار کی باہمی رضامندی اور صلح سے مقرر کیا جائے یعنی جس مقدار پر جانبین کا اتفاق ہو جائے وہی مقرر کر دیا جائے اس سے عدول جائز نہیں چونکہ وہ عہد شکنی ہے دوسری قسم وہ ہے کہ جب امام یعنی سلطان بادشاہ کفار پر غالب آجائے اور ان کے ملک کو فتح کرکے ان کی ملکیتوں کو ان ہی کے قبضہ میں دے کر خود ہی ان پر جزیہ مقرر کر دے

قولہ[۲]۔ توضع الجزیۃ :۔ جزیہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اور آتش پرست اور عجم کے بت پرستوں پر مقرر کیا جائے چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ اور جزیہ عرب کے بت پرستوں پر مقرر نہ کیا جائے کیونکہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی میں پیدا ہوئے اور ان ہی کی زبان میں قرآن نازل ہوا۔ وہ اس کے معانی و فصاحت و بلاغت سے بخوبی واقف ہیں پس ان کا کفر زیادہ سخت ہے تو حکم بھی سخت ہوگا لہٰذا وہ اسلام قبول کریں یا قتل کیا جائے نیز سرکار مدینہ کا قول ہے کہ جزیرۂ عرب میں دو دین والا جمع نہیں ہو سکتا اسلئے کہ جزیہ لیکر وہاں بت پرستی کی اجازت نہ دی جائیگی اسی طرح مرتد پر بھی جزیہ مقرر نہ کیا جائے اس لئے کہ ان کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ ان سے کسی حال میں صلح نہیں ہو سکتی اسی طرح جزیہ عورت پر بھی نہیں اور نہ لڑکا پر اور نہ اپاہج پر اور نہ تنگدست بیکار پر اور نہ ان راہبوں پر جو لوگوں سے نہ ملتے جلتے ہوں اور اگر کسی کے ذمہ جزیہ تھا اور وہ مسلمان ہو گیا تو وہ جزیہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ بطور عقوبت واجب ہے اور اسلام کی وجہ سے وہ عقوبت جاتی رہتی ہے اسلئے جزیہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

وان[۱] اجتمع علیہ الحولان تداخلت الجزیتان ولا یجوز احداث بیعۃٍ ولا کنیسۃٍ فی دار الاسلام واذا انہدمت البیعُ والکنائسُ القدیمۃ اعادوہا ویؤخذ[۲] اہل الذمۃ بالتمیز عن المسلمین فی زیہم ومراکبہم وسروجہم وقلانسہم لا یرکبون الخیل ولا یحملون السلاح ومن امتنع من الجزیۃ او قتل مسلماً او سب النبی علیہ السلام او زنی بمسلمۃٍ لم ینتقض عہدہٗ ولا ینتقض العہد الا بان یلحق بدار الحرب او یغلبوا علی موضعٍ فیحاربوننا

ترجمہ ——— اور اگر اس پر دو سال کا جزیہ چڑھ جائے تو ان میں تداخل ہو جائے گا اور یہودی و نصاریٰ کا دار الاسلام میں جدید عبادت خانہ بنانا جائز نہیں اور اگر پرانے گرجا ئیں منہدم ہو جائیں تو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔ اور ذمیوں سے عہد لیا جائے گا۔

مسلمانوں سے پوشاک اور سواریوں، زینوں اور ٹوپیوں میں ممتاز رہنے کا اور وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں گے اور نہ ہتھیار اٹھائیں گے اور جو جزیہ دینے سے باز رہے یا مسلمانوں کو قتل کر دے یا نبی کریم علیہ السلام کو برا کہے یا مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کا عہد نہ ٹوٹے گا اور عہد نہیں ٹوٹتا مگر یہ کہ دارالحرب میں چلا جائے یا کسی جگہ پر غلبہ پاکر ہم سے لڑنے کو تیار ہو جائیں۔

تشریح ـــــ قولہ[۱] وان اجتمع علیہ الحولان ـ یعنی اگر کسی پر دو سال کا جزیہ جمع ہو جائے تو ان میں تداخل ہو جائے گا تداخل یہ ہے کہ ایک جزیہ دوسرے میں داخل ہو جائے اور ایک ہی پر اقتصار کیا جائے یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے کیونکہ جب پہلے سال میں اس پر ایک جزیہ واجب ہو گیا اور اس سے نہ لیا گیا یہاں تک کہ دوسرا سال اس پر دوسرا جزیہ واجب ہو گیا تو اس پر ایک قسم کی دو عقوبتیں واجب ہو گئیں اور جہاں ایک قسم کی دو عقوبتیں جمع ہوں وہاں ایک پر اقتصار لازم ہوتا ہے جیسے حدود میں۔ صاحبین کا قول یہ کہ اس میں تداخل نہ ہوگا بلکہ دونوں جزیہ وصول کیا جائے گا کیونکہ ہر سال کا جزیہ مستقل طور پر واجب ہے لہذا تاخیر سے جزیہ ساقط نہ ہوگا۔

قولہ[۲] یوخذ اهل الذمة ـ یعنی جو ذمی دارالاسلام میں رہتے ہوں ان سے یہ عہد لیا جائے کہ ان میں اور مسلمانوں میں امتیاز کیلئے وہ اپنے لباس میں اور سواریوں میں اور زینوں میں یا اور ٹوپیوں میں کوئی نشان رکھیں کہ جس سے وہ ذمی معلوم ہو جایا کرے اور اگر کسی نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا یا کسی مسلمان کو قتل کر دیا یا نبی کریم علیہ السلام کی شان میں کچھ گستاخی کی یا کسی مسلمان عورت سے زنا کر لیا تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا یعنی وہ ذمی ہونے کے حکم سے نہیں نکلے گا اور عہد بغیر اس کے نہیں ٹوٹتا کہ کوئی دارالحرب میں چلا جائے یا چند آدمی باغی ہو کر کسی جگہ پر غلبہ کر کے مسلمانوں سے لڑنے کو تیار ہو جائیں۔

واذا[۱] ارتد المسلم عن الاسلام عُرِضَ علیہ الاسلام فان کانت لہ شبہة لہ ویحبس ثلاثة ایام فان اسلم والّا قُتِلَ فان قتلہ قاتلٌ قبل عرض الاسلام علیہ کُرِہَ لہ ذلک ولا شیء علی القاتل واما المرأة اذا ارتدت فلا تقتل ولکن تحبس حتی تسلم ویزول[۲] ملکُ المرتد عن اموالہ بردتہ زوالاً مراعیً فان اسلم عادت الی حالہا وان[۳] مات او قتل علی ردتہ انتقل ما اکتسبہ فی حالِ الاسلام الی ورثتہِ المسلمین وکان ما اکتسبہٗ فی حالِ ردتہ فیئاً فان لحق بدار الحرب مرتداً وحکم الحاکم بلحاقہ عتق مدبروہ وامہات اولادہ وحلت الدیون التی علیہ وانتقل ما اکتسبہٗ فی حالِ الاسلامِ الی ورثتہ من المسلمین وتقضی الدیون التی لزمتہ فی حالِ الاسلامِ مما اکتسبہٗ فی حالِ الاسلامِ۔

ترجمہ: ـــــ اور جب مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے پس اگر اسکو کوئی شبہ ہو تو اسکو رفع کیا جائے اور تین دن قید رکھا جائے پس اگر اسلام لے آئے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا پس اگر کسی نے اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کر دیا تو وہ مکروہ ہے اور قاتل پر کچھ واجب نہیں اور لیکن پھر جانے والی عورت تو وہ قتل نہ کی جائے بلکہ قید رکھی جائے یہاں تک کہ اسلام لے آئے اور مرتد کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے اسکے مال سے بزوال وقت پس اگر اسلام لے آئے تو اپنی حالت پر لوٹ

آئیگی اور اگر ردت ہی پر مر جائے یا قتل کر دی جائے تو اس کی حالت اسلام کی کمائی منتقل ہو جائیگی اس کے مسلم ورثہ کی طرف اور اسکی ردت کے زمانہ کی کمائی غنیمت ہوگی پس اگر دارالحرب میں مرتد ہو کر چلا گیا اور حاکم نے اس کے چلے جانے کا حکم کر دیا تو اس کے مدبر اور ام ولد آزاد ہو جائیں گے اور وہ قرض جو اسکے ذمہ تھے فوری میعادی ہو جائیں گے اور اس نے دور اسلام کی کمائی اسکے مسلم ورثہ کی طرف منتقل ہو جائیگی اور اس کے وہ قرض چکائے جائیں گے جو اس کو دور اسلام میں لازم ہوئے ہوں اس کے دور اسلام کی کمائی سے۔

تشریح — قولہ[۱] اذا ارتد المسلم ۔ یعنی جبکوئی مسلمان اسلام سے پھر جائے یعنی مرتد ہو جائے تو اس کو اسلام کی ہدایت کی جائے اور اگر اس کو کسی قسم کا شبہ ہو تو اس کو شافی جواب دیکر رفع کر دیا جائے گا اور اگر پھر بھی مسلمان نہ ہو تو اس کو تین دن قید میں رکھا جائے اور اگر وہ مسلمان ہو جائے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ پس اگر دوبارہ اسلام کی ہدایت کرنے سے پہلے ہی کسی نے اسکو قتل کر دیا تو اس نے برا کیا اور اس قاتل کے ذمہ کچھ نہیں یعنی نہ اس کے ذمہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے لیکن اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ وہ قید کر دی جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائے یا قید خانہ میں رہکر مر جائے۔

قولہ یزول ملک المرتد: مسلمان کے مرتد ہونے سے اس کی ملک زائل ہو جاتی ہے یعنی وہ اپنے مال کا مالک نہیں رہتا اور یہ زوال موقوف رہتا ہے پس اگر وہ پھر مسلمان ہو گیا تو اس کی ملک پھر ویسے ہی ہو جاتی ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین کا قول یہ ہے کہ اسکی ملک زائل نہیں ہوگی اسلئے کہ وہ بھی مکلف ہے اور مال کے بغیر کوئی معاملہ نہیں کر سکتا پس وہ جبتک قتل نہ کیا جائے ملک باقی رہے گی دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ وہ حربی ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اور مقہور ہے اور مقہور ہونا علامت مملوکیت ہے زوال ملک کا سبب ہے لیکن چونکہ اسکو پر اسلام قبول کرنا لازم ہے اور قبول کرنے کی امید بھی ہے اس وجہ سے زوال ملک موقوف رکھا جائے گا۔

قولہ وان مات او قتل: یعنی مرتد اگر بہ حالت ارتداد مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو جو مال اس نے اسلام کی حالت میں کمایا تھا وہ اسکے مسلمان وارثوں کی طرف منتقل ہو جائے گا یعنی وہ اس کے مالک ہو جائیں گے اور جو اسکے ارتداد کی حالت کی کمائی ہوگی وہ غنیمت ہوگی اور جو قرضہ زمانۂ ارتداد کا ہو وہ اسی کمائی سے چکایا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین کا قول یہ ہے کہ دونوں زمانوں کی کمائی ورثہ کیلئے ہوگی اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غنیمت ہوگی کیونکہ مرتد کافر کا وارث نہیں ہوتا اور یہ مال چونکہ حربی کا ہے اس لئے مال غنیمت ہوگا۔

وما لزمه[۱] من الديون في ردته يقضي مما في حال ردته وما[۲] باعه او اشتراه او تصرف فيه من امواله في حال ردته موقوف فان اسلم صحت عقوده وان مات او قتل او لحق بدار الحرب بطلت وان عاد المرتد بعد الحكم بلحاقه الى دار الاسلام مسلماً فما وجده في يد ورثته من ماله بعينه اخذه والمرتدة[۳] اذا تصرفت في مالها في حال ردتها جاز تصرفها ونصاری

بنی تغلب یؤخذ من اموالہم ضعف ما یؤخذ من المسلمین من الزکوٰۃ ویؤخذ من نسائہم ولا یؤخذ من صبیانہم وما جباہ الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اھداہ اھل الحرب الی الامام والجزیۃ یصرف فی مصالح المسلمین فیسد منہ الثغور وتبنی القناطر والجسور ویعطی منہ قضاۃ المسلمین وعمالہم وعلماءھم ما یکفیھم ویدفع ارزاق المقاتلۃ وذراریہم

ترجمہ:۔۔۔۔ اور جو دیون اس کی ردت کی حالت میں لازم ہوئے ہوں تو وہ ردت کے زمانہ کی کمائی سے چکائے جائیں گے اور جو اس نے بیچا یا خریدا یا تصرف کیا ہو اپنے مال میں ردت کی حالت میں تو وہ سب موقوف ہوں گے پس اگر اسلام لے آیا تو اس کے عقد صحیح ہو جائیں گے اور اگر مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دار الحرب میں چلا گیا تو باطل ہو جائیں گے اور جب مرتد دار الاسلام کی طرف مسلمان ہو کر لوٹ آئے تو جو اپنے ورثہ کے قبضہ میں پائے اپنا مال بعینہ تو اس کو لے لے اور مرتدہ عورت جب اپنے مال میں اپنی ردت کے زمانہ میں تصرف کرے تو اس کا تصرف جائز ہوگا بنی تغلب کے نصاریٰ سے اس کا دوگنا لیا جائے گا جو مسلمان سے دوگنا زکوٰۃ لی جائے گی اور ان کی عورتوں سے بھی لیا جائے گا اور ان کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا اور امام نے جو کچھ خراج اور بنی تغلب کا مال جمع کیا ہو اور جو کچھ اہل حرب نے امام کو ہدیہ دیا ہو اور جزیہ کا مال مسلمانوں کی بہتری میں صرف کیا جائے گا پس اس سے سرحدیں بند کی جائیں گی اور اس سے پل بنائے جائیں گے اور اس سے مسلمانوں کے قاضیوں اور عاملوں اور عالموں کو دیا جائے گا اتنا جو ان کیلئے کافی ہو اور اس سے غازیوں اور ان کی اولاد کا روزینہ دیا جائے گا۔

تشریح:۔۔۔ قولہ وما لزمہ من الدیون، یعنی جو قرض اس کے ذمہ ارتداد کی حالت میں ہوا ہوگا وہ ارتداد ہی کی حالت کی کمائی سے ادا کر دیا جائے گا یہ حکم امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ مطلق قرض مطلق مال سے ادا کر دیا جائے گا اور یہ تخصیص نہ ہوگی کہ اسلام کی حالت کا قرض اسی حالت کی کمائی سے ادا کیا جائے اور ارتداد کی حالت کا قرض اسی حالت کی کمائی سے اور جو کچھ بچے وہ وارثوں کو مل جائے گا۔

قولہ وما باعہ، یعنی اگر کسی نے مرتد ہونے کی حالت میں کوئی چیز فروخت کی یا خریدی یا اپنے مال میں کوئی اور تصرف کیا یعنی کسی کو کچھ ہبہ وغیرہ کر دیا تو اس کا یہ ہر ایک تصرف موقوف رہے گا پھر اگر وہ مسلمان ہو گیا تو یہ سب تصرفات درست ہو جائیں گے اور اگر وہ مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دار الحرب میں چلا گیا تو وہ سب باطل و ناجائز ہو جائے گا۔

قولہ والمرتدۃ اذا تصرفت، یعنی مرتدہ عورت اپنے ارتداد کی حالت میں جو تصرف اپنے مال میں کرے گی اس کا تصرف جائز ہوگا کیونکہ وہ اسی کی ملک ہے اور اس کے مرتد ہونے سے اس کی ملک زائل نہیں ہوتی اور خاندان بنی تغلب کے نصاریٰ کے مال کی زکوٰۃ مسلمانوں کی زکوٰۃ سے دو چند لی جائے چونکہ سیدنا عمر نے ان سے جزیہ طلب کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ جس طرح تم مسلمانوں سے مال کا صدقہ لیتے ہو اسی طرح ہم سے لیلو سیدنا عمر اگرچہ اس کیلئے تیار نہ تھے لیکن نعمان بن ذرعہ کے مشورہ سے یہی بات طے ہوئی کہ ان کی زکوٰۃ میں دوگنی زکوٰۃ لی جائے اور صدقہ ہی کے نام پر لیا جائے چنانچہ اسی پر معاہدہ ہو گیا اور زکوٰۃ چونکہ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے اسلئے بنو تغلب کی عورتوں سے بھی دوگنی

زکوٰۃ طے ہوا۔

قولہ ما جباہ الامام۔ یعنی جو مال امام نے خراج اور جزیہ اور بنو تغلب سے لیکر جمع کیا ہو یا اہل حرب نے امام کے پاس تحفۃً بھیجا ہو وہ سب مسلمانوں کی بہتری میں صرف کیا جائے گا یعنی اس سے مسلمانوں اور کفار کے درمیان کفار کے بند ہونے کی حدیں بنائی جائیں اور دریاؤں کے پل تیار کرلے جائیں اور مسلمانوں کے قاضیوں اور عاملوں اور عالموں کو اس قدر دیا جائے کہ جو ان کی ضرورتوں کیلئے کافی ہو سکے اور غازیوں اور ان کی اولاد کو بھی اسی میں سے روزینہ دیا جائے۔

واذا تغلب قومٌ من المسلمین علی بلدٍ وخرجوا من طاعۃِ الامامِ دعاھم الی العودِ الی الجماعۃِ وکشف عن شبھتھم ولا یبدأھم بالقتالِ حتی یبدؤہ فان بدؤا قاتلھم حتی یفرق جماعتھم وان کانت لھم فئۃٌ أخری اجھز علی جریحھم واتبع مولیھم وان لم یکن لھم فئۃ لم یجھز علی جریحھم ولم یتبع مولیھم ولا تسبی لھم ذریۃٌ ولا یقسم لھم مالٌ ولا باسَ بان یقاتلوا بسلاحِھم ان احتاج المسلمون الیہ ویحبس الامام اموالھم ولا یردھا علیھم ولا یقسمھا حتی یتوبوا فیردھا علیھم وما جباہ اھل البغی من البلاد التی غلبوا علیھا من الخراجِ والعشرِ لم یاخذہ الامامُ ثانیًا فان کانوا صرفوہ فی حقہٖ اجزاء من اخذ منہ وان لم یکونوا صرفوہ فی حقہٖ فعلی اھلھم فیما بینھم وبین اللّٰہِ تعالیٰ ان یعیدوا ذلک

ترجمہ:۔ اور جب مسلمانوں کی کوئی قوم کسی شہر پر مسلط ہو جائے اور امام کی طاعت سے باہر ہو جائے تو جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دے اور ان کے شبہ کو رفع کرے اور ان سے لڑنے میں ابتدا نہ کرے یہاں تک کہ وہی ابتدا کریں پس اگر وہ ابتدا کریں تو ہم ان سے لڑیں گے یہاں تک کہ ان کا جتھا ٹوٹ جائے اور اگر ان کی اور جماعت بھی ہو تو ان کے زخمیوں کو گرفتار کرے اور بھاگنے والوں کا تعاقب کرے اور اگر کوئی اور جماعت نہ ہو تو ان کے زخمیوں کو گرفتار نہ کرے اور بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرے اور ان کی ذریت کو قید نہ کرے اور ان کے مال کو تقسیم نہ کرے اور ان ہی کے ہتھیاروں سے قتال کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر مسلمانوں کو اسکی ضرورت ہو اور امام ان کا مال روکے اور ان کو نہ دے اور تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ توبہ کریں پس ان کو ان کا مال دیدے جو باغیوں نے ان شہروں سے وصول کرلیا ہو جن پر وہ غالب آگئے تھے تو خراج یا عشر میں سے تو امام ان سے دوبارہ نہ لے پس اگر انہوں نے صحیح موقعہ پر صرف کیا ہو تو اسی کی طرف سے کافی ہوگا جس سے لیا گیا ہے اور اگر اس کے موقعہ پر صرف نہ کیا ہو تو ان لوگوں پر دیانۃً واجب ہے کہ وہ دوبارہ دیں۔

تشریح:۔ قولہ واذا تغلب قوم۔ یعنی جب مسلمانوں کی کوئی قوم امام کے حکم کے خلاف کسی شہر پر چڑھائی کرے اور امام کی طاعت سے نکل جائے تو اسکو امام مسلمانوں کی جماعت میں لوٹ آنیکی ہدایت کرے اور ان کے شبہ کو شافی جواب دے کر زائل کرے اور ان سے جنگ کرنے میں خود امام ابتدا نہ کرے یہاں تک کہ وہی ابتدا کریں تو امام ان سے جنگ کرے یہاں تک کہ ان کی جماعت پریشان ہو کر ٹوٹ جائے اور اگر ان کی دوسری جماعت بھی ہے یعنی دو جماعت ہیں جن میں سے ایک لڑتی ہے اور دوسری تیار کھڑی ہے تو ان کے زخمیوں کو گرفتار کرلے اور جو بھاگیں ان کا پیچھا کرے لیکن ان کی ذریت کو قید نہ کرے اگر ضرورت ہو تو ان کے ہتھیار استعمال کرے ان کے مالوں کو اپنے قبضہ میں لیلے

اور جب تک وہ توبہ نہ کریں ان کو مال نہ دیں اور اگر دوسری جماعت نہ ہو تو ان کے زخمیوں کو گرفتار نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے اور نہ انہی اولاد کو قید کرے اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جائے۔

قولہ[۲] ماجباہ اہل البغی:۔ یعنی جو خراج و عشر باغیوں نے ان دو شہروں سے وصول کر لیا ہو جن پر انہوں نے چڑھائی کی تھی تو امام ان سے دوبارہ نہ لے پس اگر انہوں نے موقعہ پر صرف کر دیا ہے تو جس سے وہ مال لیگیا تھا وہ بری الذمہ ہے اور اگر انہوں نے موقعہ پر خرچ نہیں کیا تو دیانۃً ان پر واجب ہے کہ وہ دوبارہ دیں۔ دیانۃً یہ ہے کہ حاکم ان سے مطالبہ نہ کرے بلکہ وہ خود ہی اسی وجہ سے دوبارہ دیں کہ وہ مال مستحق کو نہیں پہونچایا۔

کتاب الحظر والاباحۃ

ترجمہ:۔ ممنوع اور مباح چیزوں کا بیان

لا یحل[۱] للرجال لبس الحریر ویحل للنساء ولا باس[۲] بتوسدہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا رحمہما اللہ یکرہ توسدہ ولا باس بلبس الحریر والدیباج فی الحرب عندھما ویکرہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ولا باس[۳] بلبس الملحم اذا کان ابریسما ولحمتہ قطنا او خزا ولا یجوز للرجل التحلی بالذھب والفضۃ ولا باس بالخاتم والمنطقۃ وحلیۃ السیف من الفضۃ ویجوز للنساء التحلی بالذھب والفضۃ ویکرہ ان یلبس الصبی الذھب والحریر۔

ترجمہ:۔ —— مردوں کیلئے ریشمی کپڑا پہننا حلال نہیں اور عورتوں کیلئے حلال ہے اور اس کا تکیہ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ان کا تکیہ لگانا مکروہ ہے اور لڑائی کے وقت ریشمی اور دیبا پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں صاحبین کے نزدیک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے اور ملحم کے پہننے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کا تانا ریشم کا ہو اور بانا روئی یا اون وغیرہ کا ہو اور مرد کیلئے سونا چاندی کا زیور پہننا جائز نہیں اور انگوٹھی اور پٹکے اور تلوار کے زیور میں جو چاندی کا ہو کوئی حرج نہیں اور عورتوں کیلئے سونا چاندی کا زیور پہننا جائز ہے اور مکروہ ہے کہ بچہ کو سونا اور ریشم پہنایا جائے۔

تشریح —— قولہ[۱] کتاب الحظر:۔ حظر کا معنی لغت میں منع کرنا اور روکنا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وما کان عطاء ربک محظوراً اور اصطلاح میں حظر ضد مباح کو کہا جاتا ہے اور مباح اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے اور نہ کرنے میں مکلف کو استحقاق ثواب وعتاب کے بغیر اختیار ہو۔

قولہ[۲] لا یحل للرجل:۔ یعنی مردوں کو ریشمی کپڑا پہننا جائز نہیں خواہ جسم سے متصل ہو یا متصل نہ ہو چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ دنیا میں ریشم وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو البتہ وہ عورتوں کیلئے جائز ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ریشم اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور ان کی عورتوں کیلئے حلال ہے۔

قولہ ۵ ولا باس بتوسد ۔ یعنی ریشم کا تکیہ لگانا امام ابو حنیفہ کے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں اور صاحبین کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے ان کے نزدیک لڑائی کے وقت ریشم اور دیبا پہننے میں کوئی حرج نہیں جبکہ امام ابو حنیفہ لڑائی کے وقت مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں۔

قولہ ۶ ولا باس بلبس الملحم ۔ یعنی ملحم کے پہننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ملحم وہ کپڑا ہے جس کا بانا ریشم کا ہو اور تانا سوت وغیرہ کا ہو اور مردوں کو چاندی سونا کا زیور پہننا کسی حال میں جائز نہیں البتہ چاندی کی انگوٹھی اور پیٹکا اور تلوار کا زیور جو چاندی کا ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ تکبر کی نیت سے نہ ہو چونکہ سرکار مدینہ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نگینہ اتھا اور اس میں محمد رسول اللہ کندہ تھا۔

ولا ۱ یجوز الاکل والشرب والادھان والتطیب فی آنیۃ الذھب والفضۃ للرجال والنساء ولا باس باستعمال آنیۃ الزجاج والرصاص والبلور والعقیق ویجوز الشرب فی الاناء المفضض عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی والرکوب علی السرج المفضض والجلوس علی السریر المفضض ویکرہ التعشیر فی المصحف والنقط ولا باس ۲ بتحلیۃ المصحف ونقش المسجد وزخرفتہ بماء الذھب ویکرہ استخدام الخصیان ولا باس بخصاء البھائم وانزاء الحمیر علی الخیل ویجوز ۳ ان یقبل فی الھدیۃ والاذن قول العبد والصبی ویقبل فی المعاملات قول الفاسق ولا یقبل فی اخبار الدیانات الا قول العدل

ترجمہ: ــــــ اور مردوں اور عورتوں کیلئے سونا اور چاندی کے برتنوں میں کھانا اور پینا اور تیل لگانا اور خوشبو استعمال کرنا جائز نہیں اور کانچ اور رانگ اور سرخ مہروں کے برتن استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اور چاندی چڑھے برتن میں پینا جائز ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور چاندی چڑھے زین پر سوار ہونا اور چاندی چڑھے تخت پر بیٹھنا جائز ہے اور قرآن میں ہر دس آیت پر نشان لگانا اور نقطے لگانا مکروہ ہے اور سونے کے پانی سے قرآن کو آراستہ کرنا اور مسجد کو منقش و مزین کرنے میں کوئی حرج نہیں اور خصی سے خدمت لینا مکروہ ہے اور چوپاؤں کو خصی کرنے اور گدھے کو گھوڑی پر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں اور جائز ہے یہ کہ ہدیہ اور اجازت میں غلام اور بچہ کا قول اور معاملات میں فاسق کا قول قبول کیا جائے گا اور دیانات میں قبول نہ کیا جائے گا مگر عادل شخص کا قول۔

تشریح: ــــ قولہ ۱ ولا یجوز الاکل ۔ یعنی چاندی و سونا کے برتن میں مردوں اور عورتوں میں سے کسی کو کھانا پینا اور تیل و خوشبو لگانا جائز نہیں چنانچہ حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ سرکار مدینہ نے فرمایا کہ جو شخص سونا و چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے اور جب ان کے اندر کھانا پینا منع ہے تو ان سے تیل اور خوشبو لگانا بھی منع ہوا۔ اور شیشہ اور رانگ اور بلور اور عقیق کے برتن استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ ان برتنوں کا استعمال بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ تفاخر میں چاندی و سونا کے حکم میں ہے دلیل احناف کی یہ ہے کہ عرب میں چاندی سونا کے برتنوں کے علاوہ میں تفاخر نہیں ہوتا تھا۔

قولہ[۲] ولا باس بتحلیۃ المصحف:۔ یعنی قرآن کو سونا یا چاندی سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے قرآن کی تعظیم و بزرگی ظاہر ہوتی ہے البتہ اگر اس سے ریا و زینت دنیا مقصود ہو تو مکروہ ہے اور سونا کے پانی سے مسجد میں نقش و نگار کرنا جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر ہے۔ خجندی نے لکھا ہے کہ اگر یہ خرچ مسجد کی آمدنی سے نہیں ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں اور اس مسجد کا متولی اس کا ذمہ دار ہوگا۔

قولہ[۳] یجوز ان یقبل:۔ یعنی ہدیہ اور اذن میں غلام اور لڑکے کا قول کا اعتبار کرنا جائز ہے یہ اس وقت ہے جبکہ غالب ظن یہ ہو کہ یہ سچ ہی کہتے ہیں اور اگر غالب ظن یہ ہو تو جائز نہیں اور معاملات میں فاسق کے قول کا اعتبار کیا جاتا ہے معاملات سے مراد مثلاً وکالت۔ مضاربت۔ تجارت کی اجازت اور یہ بھی اس وقت ہے جبکہ غالب گمان یہ ہو کہ یہ سچا ہے اور اگر غالب گمان اس کے جھوٹے ہونے پر ہو تو اس کے کہنے پر عمل نہ کیا جائے گا اور دیانتوں میں عادل کے علاوہ کسی کا قول معتبر نہیں عام ہے کہ وہ آزاد ہو یا غلام ہو یا باندی اور دیانات سے مراد مثلاً پانی کے ناپاک ہونیکی خبر دینا وغیرہ۔

ولا[۱] یجوز ان ینظر من الاجنبیۃ الا الی وجہہا وکفیہا فان کان لا یامن من الشہوۃ لم ینظر الی وجہہا الا لحاجۃ ویجوز للقاضی اذا اراد ان یحکم علیہا وللشاہد اذا اراد الشہادۃ علیہا النظر الی وجہہا وان خاف ان یشتہی ویجوز للطبیب ان ینظر الی موضع المرض منہا وینظر[۲] الرجل من الرجل فی جمیع بدنہ الا ما بین سرتہ الی رکبتہ ویجوز للمرأۃ ان تنظر من الرجل الی ما ینظر الیہ الرجل وتنظر المرأۃ من المرأۃ الی ما یجوز للرجل ان ینظر الیہ من الرجل من امتہ التی تحل لہ وزوجتہ الی فرجہا وینظر الرجل من ذوات محارمہ الی الوجہ والراس والصدر والساقین والعضدین ولا ینظر الی ظہرہا وبطنہا وفخذہا ولا باس بان یمس ما جاز لہ ان ینظر الیہ منہا وینظر الرجل[۳] من مملوکۃ غیرہ الی ما یجوز لہ ان ینظر الیہ من ذوات محارمہ ولا باس بان یمس ذلک اذا اراد المشتری وان خاف ان یشتہی والخصی فی النظر الی الاجنبیۃ کالفحل

ترجمہ:۔۔۔۔ اور مرد کو اجنبی عورت کا بدن سوائے اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے دیکھنا جائز نہیں پس اگر شہوت سے مامون نہ ہو تو اس کا چہرہ نہ دیکھے مگر ضرورت سے اور قاضی کیلئے جائز ہے جب وہ عورت پر حکم لگانا چاہے اور گواہی کے لئے جب وہ عورت پر گواہی دینا چاہے اس کے چہرہ کو دیکھنا اگرچہ شہوت ہونے کا اندیشہ ہو اور طبیب کے لئے جائز ہے یہ کہ عورت کے مرض کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے۔ مرد دوسرے مرد کا سارا بدن سوائے ناف سے گھٹنے کے درمیان تک اور عورت کیلئے جائز ہے کہ مرد کا اتنا بدن دیکھے جتنا مرد دیکھ سکتا ہے اور عورت دوسری عورت کا اتنا بدن دیکھ سکتا ہے جتنا ایک مرد دوسرے مرد کا اور مرد اپنی باندی اور بیوی کی شرمگاہ دیکھ سکتا ہے اور مرد اپنی ذو رحم محرم عورتوں کے چہرہ اور سر اور سینہ اور پنڈلیوں اور بازوؤں کو دیکھ سکتا ہے اور اس کی پیٹھ اور پیٹ اور ران کو نہ دیکھے اور اس میں کوئی

حرج نہیں یا اس عضو کو چھوئے جس کو دیکھنا جائز ہے اور مرد دوسرے کی باندی کا اتنا بدن دیکھ سکتا ہے جتنا اپنی ذی رحم محرم عورتوں کا دیکھنا جائز ہے اور اس کو چھونے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جب اسکو خریدنا چاہے اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو اور خنثی مرد اجنبی عورت کو دیکھنے میں مرد کی طرح ہے۔

تشریح: ــــ قولہ[1] ولا یجوز ان ینظر ۔ یعنی مرد کو اجنبی عورت کا بدن دیکھنا جائز نہیں سوائے اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے کہ ضرورت کے وقت اس کو دیکھنا جائز ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا لیکن اگر کوئی شہوت ہو جانے سے مامون نہ ہو تو وہ غیر عورت کا چہرہ بھی نہ دیکھے چونکہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے من نظر الی محاسن امرأۃ اجنبیۃ صُبَّ فی عینیہ الآنک یوم القیامۃ یعنی جو شخص اجنبی عورت کے محاسن کو دیکھے گا قیامت کے دن اس کی آنکھوں میں رانگ ڈالا جائے گا۔

قولہ[2] ینظر الرجل من الرجل ۔ یعنی مرد دوسرے مرد کا سارا جسم دیکھ سکتا ہے سوائے ناف سے گھٹنے تک جسم کے کہ یہ پردہ میں داخل ہے اس کو دیکھنا جائز نہیں چنانچہ سیدنا مولیٰ علی کا قول ہے کہ لا تنظر الی فخذ حیٍّ ولا میتٍ اور جس قدر مرد کو عورت کا جسم دیکھنا جائز ہے اسی قدر عورت کو مرد کا جسم دیکھنا جائز ہے اور عورت کو عورت کا اس قدر جسم دیکھنا جائز ہے جس قدر مرد کو مرد کا جسم دیکھنا جائز ہے یعنی عورت کو بھی دوسری عورت کا ستر عورت دیکھنا جائز نہیں۔

قولہ[3] الرجل من مملوکۃ غیرہ ۔ یعنی مرد کو اپنی محرم عورتوں کے منہ اور سر اور سینہ اور دونوں پنڈلیوں اور دونوں بازوؤں کو دیکھنا جائز ہے اور ان کی پیٹھ اور پیٹ اور رانوں کو دیکھنا جائز نہیں محارم وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنا ہمیشہ کیلئے حرام ہے۔ عام ہے کہ نسب کی وجہ سے ہو یا کسی سبب یعنی رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے اور عورت کا جس قدر جسم مرد کو دیکھنا جائز ہے اس کو مس کرنا بھی جائز ہے اور مرد کو جس قدر اپنی محرم عورتوں کا جسم دیکھنا جائز ہے اسی طرح غیر کی باندی کا جسم دیکھنا بھی جائز ہے۔

ولا[1] یجوز للمملوک ان ینظر من سیدتہ الا الی ما یجوز للاجنبی النظر الیہ منھا ویعزل عن امتہ بغیر اذنھا ولا یعزل عن زوجتہ الا باذنھا ویکرہ[2] الاحتکار فی اقوات الآدمیین والبھائم اذا کان ذلک فی بلد یضر الاحتکار باھلہ ومن احتکر غلۃ ضیعتہ او ما جلبہ من بلد آخر فلیس بمحتکر ولا ینبغی للسلطان ان یسعر علی الناس ویکرہ[3] بیع السلاح فی ایام الفتنۃ ولا باس ببیع العصیر ممن یعلم انہ یتخذہ خمرا ــــــ

ترجمہ ــــــ اور غلام کیلئے اپنی مالکہ کے جسم کو دیکھنا جائز نہیں سوائے اتنا حصہ کہ جس کو دیکھنا جائز ہے (یعنی) مرد کیلئے اس عورت کا اور اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے اور اپنی بیوی سے عزل نہ کرے مگر اسکی

اجازت سے اور آدمیوں اور چوپاؤں کی غلہ کو روکنا ایسے شہر میں مکروہ ہے جہاں روکنا اہل شہر کیلئے تکلیف دہ ہو اور جس نے اپنی زمین کے غلہ کو روک لیا یا اسکو جو دوسرے شہر سے لایا ہے تو وہ روکنے والا نہیں اور بادشاہ کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ لوگوں پر نرخ مقرر کرے اور فتنہ و فساد کے دنوں میں ہتھیار بیچنا مکروہ ہے اور شیرۂ انگور اس شخص کے ہاتھ بیچنا حرج نہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ شراب بنائے گا۔

تشریح: — قولہ[۱] لا یجوز للملوک۔ یعنی غلام کو اپنی مالکہ کے جسم کو دیکھنا جائز نہیں ہوتا اس قدر جسم کے کہ جتنا غیر مرد کو اس عورت کا جسم دیکھنا جائز ہے اور اپنی باندی کی اجازت کے بغیر عزل کرے یعنی نطفہ کو باہر گرانا جائز ہے اور اپنی بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز نہیں۔ عزل کہتے ہیں مرد کا اپنی عورت کے ساتھ وطی کرنا اور جب انزال کا وقت آئے تو عضو مخصوص کو اس کی شرمگاہ سے نکال کر خارج شرمگاہ انزال کرے۔ احناف کے نزدیک عزل مطلقاً جائز ہے چونکہ اس کے متعلق سیدنا مولیٰ علی اور سیدنا جابر اور زید بن حارثہ وغیرہ سے رخصت مروی ہے بعض نے آزاد عورت اور باندی میں بھی فرق بیان کیا ہے چنانچہ مروی ہے کہ آزاد عورت سے اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں اور باندی سے بلا اجازت کر سکتا ہے اسلئے کہ حدیث شریف ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن الحرۃ الا باذنھا۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ بچہ آقا کا حق ہے اور عزل مقصود کیلئے محل ہے پس اس میں آقا کی رضا کا اعتبار ہوگا۔

قولہ[۲] یکرہ الاحتکار۔ یعنی آدمیوں کی غذا مثلاً گیہوں اور جو اور چاول وغیرہ اور چوپاؤں کی غذا مثلاً بھوسہ، اور خشک یا تر چارہ کو گرانی ہونے کے ارادہ سے روک لینا ایسے شہر میں مکروہ تحریمی ہے جبکہ اس سے اس شہر کے باشندوں کو تکلیف ہوتی ہے چونکہ سرکار مدینہ کا ارشاد ہے کہ جالب یعنی باہر سے غلہ خرید کر شہر میں فروخت کرنے کیلئے لانے والا مرزوق ہے یعنی اسکی روزی میں برکت ہے اور محتکر یعنی گرانی کے انتظار میں غذا روکنے والا ملعون ہے البتہ اگر کوئی اپنی زمین کے غلہ کو روک لے یا اس غلہ کو جو کسی دوسرے شہر سے کسی دوسرے نے لایا ہو تو یہ روک لینے میں داخل نہیں۔

قولہ[۳] ولا ینبغی للسلطان۔ — یعنی بادشاہ کو یہ لائق نہیں ہے وہ اپنی رائے سے لوگوں پر نرخ معین کر دے چنانچہ مروی ہے کہ سرکار مدینہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ نرخ گراں ہوگیا ہے ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیں آپ نے فرمایا کہ بالتحقیق اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا قابض اور باسط اور رازق ہے یعنی اناج کی تنگی و کشائش اسی کی طرف سے ہے البتہ غلہ فروش اگر قیمت میں حد سے زیادہ فروخت کرنے لگے تو حاکم اہل رائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کر سکتا ہے۔

قولہ[۴] یکرہ بیع السلاح۔ یعنی فتنہ و فساد کے دنوں میں ہتھیار کو فروخت کرنا مکروہ ہے جبکہ اس کے متعلق یہ علم ہو کہ وہ اہل فتنہ سے ہے جیسے خارجی و باغی وغیرہ کیونکہ یہ اپنے ہاتھوں سے اپنے پیر پر کلہاڑی مارنا ہے اور ایسے شخص کے ہاتھ انگور کا شیرہ فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ اس سے شراب بنائے گا کیونکہ معصیت شیرہ انگور سے وابستہ نہیں بلکہ وہ اس کے تغیر کے بعد ہوتی ہے۔

کتاب الوصایا

ترجمہ ا — وصیتوں کا بیان

الوصیۃ غیر واجبۃ وھی مستحبۃ ولا تجوز الوصیۃ للوارث الا ان یجیزھا الورثۃ ولا تجوز بما زاد علی الثلث ولا تجوز الوصیۃ للقاتل ویجوز ان یوصی المسلم للکافر والکافر للمسلم وقبول الوصیۃ بعد الموت فان قبلھا الموصی لہ فی حال الحیوٰۃ او ردھا فذلک باطل ویستحب ان یوصی الانسان بدون الثلث واذا اوصی الی رجل فقبل الوصیۃ فی وجہ الموصی وردھا فی غیر وجہہ فلیس برد وان ردھا فی وجہہ فھو رد۔

ترجمہ: — وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور وصیت کرنا وارث کے واسطے جائز نہیں مگر یہ کہ اس کو سب ورثہ جائز رکھیں اور تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں اور قاتل کیلئے وصیت جائز نہیں اور جائز ہے یہ کہ مسلمان کافر کے واسطے وصیت کرے اور کافر مسلمان کے واسطے اور وصیت قبول کرنا مرنے کے بعد ہے پس اگر اس کو موصی لہ نے موصی کی زندگی میں قبول کیا یا اس کو رد کیا تو وہ باطل ہے اور مستحب ہے یہ کہ آدمی تہائی سے کم کی وصیت کرے اور جب کسی نے کسی مرد کو وصیت کی اور اس نے وصیت موصی کے سامنے قبول کی اور اس کے پس پشت رد کر دی تو یہ رد نہ ہوگی اور اگر اس کے سامنے رد کی تو رد ہو جائیگی۔

تشریح: — قولہ کتاب الوصایا۔ وصایا جمع ہے وصیت کی جو اسم مصدر ہے لغت میں اس کا معنی ہے مرتے وقت یا سفر کرتے وقت کسی شخص کا یہ کہنا کہ میرے بعد ایسا کرنا یا نہ کرنا اور اصطلاح میں وہ تملیک ہے جو مابعد موت بطور تبرع مضاف ہے۔ تملیک خواہ تملیک عین ہو یا تملیک دین یا تملیک منافع۔ وصیت کنندہ کو موصی اور جس کو وصیت کی جائے اسکو وصی اور موصی الیہ اور جس کیلئے وصیت ہو اسکو موصی لہ اور جس چیز کی وصیت کی جائے اسکو موصی بہ کہا جاتا ہے مثلاً زید نے بکر سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد یہ قرآن حامد کو دیدینا تو زید موصی ہوا اور بکر وصی اور حامد موصی لہ اور قرآن موصی بہ۔

قولہ الوصیۃ غیر واجبۃ۔ وصیت کوئی ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے یعنی بعض اگر چاہے تو کسی اجنبی کے لئے وصیت کرے وارث کیلئے نہیں اور دین وصیت اور میراث پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ دین کو ادا کرنا واجب ہے اور وصیت مستحب ہے اور ظاہر ہے واجب مستحب پر مقدم ہوتا ہے پھر یہ دونوں میراث پر مقدم ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے میراث کو دونوں کے بعد ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین کذا۔

قولہ لا تجوز الوصیۃ۔ یعنی وارث کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں البتہ مورث کے مرنے کے بعد اگر سارے وارث اسکو جائز رکھے تو درست ہے وصیت کے جائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سرکار مدینہ نے فرمایا ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوارث یعنی اللہ تعالےٰ نے ہر حقدار کا حق دے دیا یعنی مقرر کر دیا ہے لہذا وارث کیلئے وصیت کرنی کوئی ضروری نہیں چونکہ ممانعت وارثوں کے حق کی وجہ سے ہے اگر وہ خود ہی جائز رکھیں تو جائز ہو جائے گی اور تہائی سے زیادہ کی وصیت کوئی جائز نہیں اور نہ قاتل کے واسطے کرنی جائز ہے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے جبکہ امام شافعی قاتل کیلئے وصیت کرنا جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ میت کے حق

میں اجنبی محض ہے تو جس طرح دوسرے اجنبی کے لئے درست ہے اسی طرح قاتل کیلئے بھی درست ہے۔ دلیل احناف کی یہ حدیث پاک ہے جس کو سیدنا مولیٰ علی نے روایت کیا ہے لیس لقاتلٍ وصیۃ۔

قولہ قبول الوصیۃ بعد الموت یعنی وصیت موصی کے مرنے کے بعد قبول کی جائے گی اگر موصی نے اسکی زندگی میں قبول کرلی یا رد کردی تو یہ باطل ہے یعنی اس وقت نہ اس کے قبول کرنے کا اعتبار ہے اور نہ رد کرنے کا کیونکہ اس کے ثبوت کا وقت موصی کے مرنے کے بعد ہے اور مستحب یہ ہے کہ وصیت تہائی سے کم کی کرے اور اگر کسی نے کسی شخص کو وصیت کی اور موصی لہ نے سامنے اس موصی نے اس وصیت کو قبول کیا اور اسکے پیچھے اس کا انکار کر دیا تو یہ انکار معتبر نہ ہوگا اور اگر اس کے سامنے ہی انکار کر دیا تو اس کا انکار معتبر ہو جائے گا۔

والموصیٰ بہ یملک بالقبولِ الا فی مسئلۃٍ واحدۃٍ وھی ان یموت الموصی ثم یموت الموصیٰ لہ قبلَ القبولِ فیدخل الموصیٰ بہ فی ملکِ ورثتہ ومن اوصیٰ الی عبدٍ او کافرٍ او فاسقٍ اخرجھم القاضی من الوصیۃِ ونصب غیرھم ومن اوصیٰ الی عبدِ نفسہٖ وفی الورثۃِ کبارٌ لم تصح الوصیۃُ ومن اوصیٰ الی من یعجز عن القیامِ بالوصیۃِ ضم الیہ القاضی غیرہٗ ومن اوصیٰ الی اثنینِ لم یجز لاحدِ ھما ان یتصرف عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللّٰہ دون صاحبہٖ الا فی شراءِ کفنِ المیتِ وتجہیزہٖ وطعامِ اولادہٖ الصغارِ وکسوتِھم وردِ ودیعۃٍ بعینِھا وتنفیذِ وصیۃٍ بعینِھا وعتقِ عبدٍ بعینہٖ وقضاءِ الدینِ والخصومۃِ فی حقوقِ المیتِ

ترجمہ: اور جس کی وصیت کی جائے وہ قبول کرنے سے ملک میں آجاتی ہے مگر ایک مسئلہ میں اور وہ یہ کہ موصی مر جائے پھر موصی لہٗ قبول کرنے سے پہلے مر جائے تو موصیٰ بہٖ موصی لہٗ کی ملک میں داخل ہو جائیگی اور جس نے غلام یا کافر یا فاسق کو وصیت کی تو ان کو قاضی وصیت سے خارج کر دے اور ان کے علاوہ کو مقرر کر دے اور جس نے اپنے غلام کو وصیت کی حالانکہ ورثہ میں عاقل بالغ موجود ہیں تو وصیت صحیح نہ ہوگی اور جس نے اسکو وصیت کی جو وصیت انجام دینے سے عاجز ہے تو قاضی کسی غیر کو اس کے شامل کر دے اور جس نے دو کو وصیت کی تو ان میں سے ایک کیلئے جائز نہ ہوگا یہ کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بغیر تصرف کرے مگر کفن میت اور اس کی تجہیز و تکفین اور اس کے چھوٹے بچوں کے کھانے اور پوشاک اور مخصوص امانت کی واپسی اور خاص وصیت نافذ کرنے اور معین غلام آزاد کرنے اور قرض ادا کرنے اور میت کے حقوق میں نالش کرنے میں۔

تشریح: قولہ والموصی بہ یملک موصی بہ یعنی جس چیز کی وصیت کی گئی ہو وہ قبول کرنے سے موصی لہٗ کی ملک میں آتی ہے مگر ایک مسئلہ میں بغیر قبول کئے ملک میں آجاتی ہے اور وہ یہ کہ موصی وصیت کرکے مرگیا تھا۔ پھر موصی لہٗ بھی موصی بہ کے قبول کرنے سے پہلے مرگیا تو اس صورت میں موصی بہ اس کے وارثوں کے ملک میں داخل ہو جائیگی۔ یہ صورت خلاف قیاس ہے یعنی بطور استحسان ہے جبکہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ وصیت باطل ہو جاتی ہے کیونکہ ماقبل میں گذرا کہ ملک قبول کرنے پر موقوف رہتی ہے پس یہ ایسا ہو گیا جس طرح مشتری عقد بیع کرنے کے بعد بیع کرنے سے پہلے مر جائے

وجہ استحسان کی یہ ہے کہ موصی کی طرف سے اسکے مرجانے کے بعد یہ وصیت پوری ہو چکی ہے کہ اب اسکی طرف سے یہ کسی طرح فسخ نہیں ہو سکتی اور اس میں توقف موصی لہٗ کے حق کی وجہ سے تھا جب وہ مرگیا تو اب یہ اسکی ملک میں آگئی جس طرح اس بیع میں ہوتا ہے کہ جس میں مشتری کو خیار شرط ہو اور وہ اس بیع کو جائز رکھنے سے پہلے مرجائے۔

قولہٗ ومن اوصی الی عبد:۔ کسی نے اگر کسی غلام یا کافر یا فاسق کو وصیت کر دی لیعنی اپنا وصی مقرر کر لیا تو قاضی کو چاہیئے کہ ان کو وصیت سے خارج کر کے اور آدمیوں کو ان کے قائم مقام کر دے اور اگر کسی نے اپنے غلام کو کوئی وصیت کر دی اور اسکے وارثوں میں عاقل بالغ وصی بننے کے قابل تھے تو یہ وصیت درست نہ ہوگی اور اگر کسی نے ایسے شخص کو وصیت کی کہ جو اسی وصیت کو انجام نہیں دے سکتا تو قاضی کو چاہیئے کہ اس کام کے لائق کسی دوسرے کو امداد کے واسطے مقرر کر دے اور اگر کسی نے دو آدمیوں کو وصیت کی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ان میں سے ایک کو بلا موجودگی دوسرے کے اس وصیت میں تصرف کرنا جائز نہیں سوائے میت کا کفن خریدنے اور اس کی تجہیز و تکفین کرنے اسکی چھوٹی نابالغ اولاد کو کھانے کپڑے کا خرچ دینے اور معین امانت کو واپس دے دینے اور کسی خاص وصیت کو پورا کر دینے اور اس کے کسی معین غلام کو آزاد کر دینے اور قرض ادا کر دینے اور اس میت کے حقوق میں نالش وغیرہ کرنے کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کاموں میں دونوں کا اکٹھا ہونا ذرا مشکل ہے کیونکہ یہ کام ان دونوں میں سے ایک حالت میں پورے نہیں ہو سکتے اسلئے کہ جب یہ دونوں اکٹھے گفتگو کریں گے تو یہ بھی سمجھ میں نہ آئے گا کہ دونوں کیا کہہ رہے ہیں؟ البتہ جب ان کاموں کا اختتام ہو کر کسی چیز پر قبضہ ہونے کی نوبت نہ آئے تو ان میں سے ایک کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر قبضہ کرے بلکہ دونوں کی رائے بھی ضروری ہوگی اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہر کام میں ہر ایک کا فعل مثل دونوں کے ہے۔

ومن اوصی لرجل بثلث مالہ وللآخر بثلث مالہ ولم تجز الورثۃ فالثلث بینہما نصفان وان اوصی لاحدہما بالثلث وللآخر بالسدس فالثلث بینہما اثلاثاً وان اوصی لاحدہما بجمیع مالہ وللآخر بثلث مالہ فالثلث بینہما علی اربعۃ اسہم عند ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الثلث بینہما نصفان ولا یضرب ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ للموصی لہ بما زاد علی الثلث الا فی المحاباۃ والسعایۃ والدراہم المرسلۃ

ترجمہ:۔ اور جس نے وصیت کی ایک آدمی کیلئے اپنے تہائی مال کی اور دوسرے کیلئے اس کی تہائی کی اور ورثہ نے اس کو منظور نہیں کیا تو تہائی ان دونوں میں نصفا نصف ہوگا اور اگر ایک کیلئے تہائی کی وصیت کی اور دوسرے کیلئے چھٹے کی تو تہائی ان دونوں میں تین تہائی ہوگی اور اگر ایک کیلئے کل مال کی وصیت کی اور دوسرے کیلئے تہائی کی تو تہائی ان دونوں میں چار حصوں پر ہوگی صاحبین کے نزدیک اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تہائی ان میں نصفا نصف ہوگی اور امام ابو حنیفہ موصی لہٗ کو تہائی سے زیادہ نہ دلائے مگر محابات اور سعایہ اور دراہم مرسلہ میں۔

تشریح:۔ قولہٗ ومن اوصی لرجل:۔ یعنی اگر کسی نے ایک آدمی کیلئے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کیلئے

تھی تہائی مال کی وصیت کی اور وارثوں نے اس دو تہائی مال کی وصیت کو منظور نہ کیا تو صرف ایک تہائی مال ان دونوں میں نصفا نصف کر دیا جائے گا کیونکہ تہائی مال ان کے حقوق سے کم ہے اور سبب استحقاق میں دونوں مساوی ہیں اور محل قابل شرکت بھی ہے۔ لہذا دونوں میں برابر تقسیم ہو جائے گا اور اگر ایک کیلئے ایک تہائی حصہ کی وصیت کی تھی اور دوسرے کیلئے چھٹے حصہ کی تو ایک تہائی میں سے دو حصے ایک کو دیدیے جائیں گے اور حصہ ایک کو یعنی ایک تہائی اس کی وصیت کے مطابق تقسیم کر دی جائیگی۔

قولہ وان اوصی لاحدھما ۔ یعنی اگر کسی نے ایک آدمی کیلئے اپنے سارے مال کی وصیت کی اور دوسرے کیلئے تہائی مال کی اور وارثوں نے اسکو منظور نہ کیا تو صاحبین کے نزدیک ایک تہائی کے چار حصے کرکے ان دونوں کو دیدیے جائیں گے یعنی تین حصے اس کو جس کیلئے سارے مال کی وصیت کی تھی اور ایک حصہ اس کو جس کیلئے ایک تہائی کیلئے کی تھی اور امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ ایک تہائی دونوں میں نصفا نصف کر دی جائیگی۔

قولہ ولا یضرب ابو حنیفۃ ۔ یعنی امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ موصی لہ کو تہائی سے زیادہ نہیں دیا جاتا مگر ان تین صورتوں میں یعنی محابات اور سعایت اور دراہم مرسلہ میں ۔ محابات بیع میں مساہلت کرنے کو کہا جاتا ہے اسکی صورت مثلاً یہ ہے کہ ایک شخص کے دو غلام ہوں اور ایک غلام کی قیمت بارہ سو ہو اور دوسرے کی چھ سو، ان غلاموں کے مالک نے یہ وصیت کی کہ میرا ایک غلام تو سو روپے میں مثلاً زید کو دیدیا جائے اور دوسرا سو ہی میں عمر کو تو اس صورت میں ایک کیلئے ایک ہزار کی محابات ہے دوسرے کیلئے پانچ سو کی اور یہ سب وصیت ہے کہ وہ بیماری کی حالت میں ہوئی ہے اور سعایت کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے دو غلاموں کے آزاد کرنے کی وصیت کی جن میں ایک کی قیمت ایک ہزار تھی اور دوسرے کی دو ہزار۔ اور موصی کے پاس سوائے ان دونوں غلاموں کے اور مال نہیں پس اگر اس وصیت کو وارثوں نے منظور کر لیا ۔ تو یہ دونوں غلام بالکل آزاد ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے منظور نہیں کیا تو یہ دونوں ایک تہائی سے آزاد ہو جائیں گے ۔ دراہم مرسلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک آدمی کو دو ہزار اور دوسرے کو ایک ہزار درہم دینے کی وصیت کی اور اس کا تہائی مال ایک ہی ہزار درہم ہیں اور وارثوں نے یہ وصیت منظور نہیں کیا تو اس صورت میں وہ ایک تہائی درہم ان دونوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے

ومن اوصى وعليه دينٌ يحيط بماله لم تجز الوصيةُ الا ان يبرأه الغرماء من الدين ومن اوصى بنصيب ابنه فالوصيةُ باطلةٌ وان اوصى بمثل نصيب ابنه جازت فان كان له ابنانِ فللموصى له الثلثُ ومن اعتق عبدًا في مرضه او باع وحابى او وهب فذلك كله جائزٌ وهو معتبرٌ من الثلث ويضرب به مع اصحابِ الوصايا فان حابى ثم اعتق فالمحاباة اولى عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وان اعتق ثم حابى فهما سواءٌ وقالا العتق اولى في المسئلتينِ ومن اوصى بسهمٍ من ماله فله اخسُّ سهامِ الورثةِ الا ان ينقص عن السدسِ فيتم له السدسُ وان اوصى

بجزء من ماله قيل للورثة اعطوه ما شئتم

ترجمہ ۔ اور جب کسی نے وصیت کی اور اس کے ذمہ اتنا قرض ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہ ہوگی مگر یہ کہ قرضخواہ قرض سے بری کر دیں اور جس نے اپنے بیٹا کے حصہ کی وصیت کی تو وصیت باطل ہے اور اگر بیٹا کے مثل کی وصیت کی تو جائز نہ ہوگی پس اسکے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کیلئے تہائی ہوگا اور جس نے اپنا غلام اپنی بیماری میں آزاد کیا یا بیچ دیا یا محابات کی یا ہبہ کر دیا یہ سب جائز ہے جو تہائی سے معتبر ہے اور اس کو اصحاب وصایا کیساتھ شریک کیا جائیگا پس اگر پہلے محابات کی پھر آزاد کیا تو محابات اولیٰ ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور اگر پہلے آزاد کیا پھر محابات کی تو یہ برابر ہیں اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ دو مسئلوں میں آزادی اولیٰ ہے اور جس نے مال کے ایک حصہ کی وصیت کی تو اس کیلئے سہام ورثہ کا کمتر حصہ ہوگا مگر یہ کہ چھٹا حصہ سے کم ہو تو اس کیلئے چھٹا پورا کر دیا جائیگا اور اگر اپنے مال کے ایک جزء کی وصیت کی تو ورثہ سے کہا جائیگا کہ دیدو جو چاہو۔

تشریح: — **قولہ** ومن اوصی وعلیہ: یعنی اگر کسی نے وصیت کی اور اسکے پاس جس قدر مال ہو اتنا ہی اسکے ذمہ قرض ہو تو یہ وصیت درست نہ ہوگی البتہ قرض خواہ اگر قرض معاف کر دیں یا قرض ادا ہو کر کچھ مال بچ جائے تو وصیت درست ہوگی اور اگر کسی نے اپنے بیٹا کے حصہ کی کسی کیلئے وصیت کر دی تو یہ وصیت باطل ہے کیونکہ یہ وصیت دوسرے کے مال میں ہے اور اگر کسی نے اپنے بیٹا کے حصے کے برابر وصیت کی تو یہ جائز ہو جائے گی کیونکہ مثل شئ غیر شئ ہوتا ہے پس اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کو تہائی مال ملے گا بایں طور کہ موصی نے گویا موصی لہ کو تیسرا فرزند قرار دیا جاتا ہے۔

قولہ ومن اعتق عبدہ۔ یعنی اگر کسی نے اپنی بیماری میں اپنا غلام آزاد کر دیا یا فروخت کر دیا اور محابات کی یعنی کم قیمت پر فروخت کیا یا کسی کو ہبہ کر دیا تو اس کے یہ سب تصرفات درست ہو جائیں گے اور تہائی مال میں معتبر سمجھے جائیں گے اور سب موصی لہ اس تہائی مال میں شریک ہوں گے یعنی اسکے سوا اور مال کے مستحق نہ ہوں گے۔

قولہ فان حابی ثم اعتق: اگر کسی نے پہلے محابات کی یعنی مثلاً دو سو کے غلام کو ایک سو میں فروخت کر دیا پھر ایک سو کے غلام کو آزاد کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک محابات اولیٰ ہے اور تہائی مال میں دونوں تصرفوں کی گنجائش نہیں تو ثلث مال محابات میں صرف ہوگا اور اگر اس کا برعکس ہو تو ثلث مال دونوں میں نصفا نصف ہوگا پس آزاد کردہ غلام کا نصف بلا شئ آزاد ہوگا اور نصف قیمت میں سعایت کرے گا اور محابات والا دوسرا غلام پچاس درہم دے کر خریدے گا یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین دونوں صورتوں میں آزادی کو مقدم قرار دیتے ہیں۔

ومن اوصی بوصایا من حقوق اللّٰہ تعالیٰ قدمت الفرائض منها علی غیرها قدمها الموصی او اخرہا مثل الحج والزکوٰۃ والکفارات وما لیس بواجب قدم منه ما قدمه الموصی ومن اوصی بحجة الاسلام احجوا عنه رجلا من بلده یحج راکبا فان لم تبلغ الوصیة النفقة احجوا عنه من حیث تبلغ ومن خرج من بلده حاجا فمات فی الطریق واوصی ان یحج عنه حج عنه من بلده عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما اللّٰہ تعالیٰ یحج عنه من حیث مات ولا تصح وصیة الصبی والمکاتب وان ترك وفاء ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیة واذا صرح بالرجوع کان رجوعا ومن جحد الوصیة

لم یکن رجوعاً

ترجمہ:- اور جس نے حقوق اللہ کی چند وصیتیں کیں تو ان میں سے فرائض کو دوسری وصیتوں پر مقدم کیا جائے گا موصی نے ان کو پہلے بیان کیا ہو یا بعد میں جیسے حج اور زکوٰۃ اور کفارات اور جو واجب نہیں تو ان میں اس کو مقدم کیا جائے گا جس کو موصی نے مقدم کیا ہے اور جس نے حج کرنے کی وصیت کی تو ایک کو اسکے شہر سے حج کیلئے روانہ کریں جو حج کیلئے نکلا پھر وہ راستہ میں مرگیا اور حج کرانے کی وصیت کر گیا تو اس کے شہر سے حج کرایا جائے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ وہاں سے حج کرایا جائے جہاں وہ مرا ہے اور بچہ اور مکاتب کی وصیت صحیح نہیں اگرچہ وہ اتنا مال چھوڑ جائے جو کافی ہو اور موصی کیلئے وصیت سے رجوع نہ ہوگا۔

تشریح:- قولہ[1] ومن اوصی بوصایا۔ یعنی اگر کسی نے حقوق اللہ کی چند وصیتیں کیں تو ان میں سے فرائض کو دوسری وصیتوں پر مقدم رکھا جائے گا عام ہے موصی نے بیان کرنے میں ان کو پہلے کیا ہو یا بعد میں مثلاً حج و زکوٰۃ و کفارات مقدم ہوں گے اور جو چیزیں واجب نہیں ان میں سے جس کو موصی نے پہلے بیان کیا ہوگا اسی کو پہلے پورا کیا جائے گا اور اگر کسی نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کی تھی تو اسی شہر یعنی سکونت کی جگہ سے حج بدل کرنے والے کو روانہ کریں اور وہ سواری پر جائے پس اگر وصیت کا مال اتنا نہیں خود خرچ کے لئے کافی ہو تو جہاں سے حج ہو سکے وہیں سے کرا دیا جائے اس وقت اس کے شہر سے بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

قولہ[2] من خرج من بلدہ۔ یعنی اگر کوئی شخص حج کو روانہ ہوا تھا اور راستہ میں مرگیا مگر اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کر گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسی کی طرف سے حج اسکی سکونت کی جگہ سے کیا جائے۔ صاحبین کا قول یہ ہے کہ جہاں وہ مرا ہے وہیں سے کیا جائے کیونکہ بہ نیت حج اس کا سفر قربت واقع ہو چکا اور اتنی مقدار قطع مسافت اس کے ذمہ سے ساقط ہو چکی۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن یخرج من بیتہ مہاجراً الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ اس کا عمل موت کی وجہ سے باطل ہو گیا لیکن وہ آیت جو مذکور ہوئی وہ احکام اخروی یعنی اجر و ثواب کے متعلق ہے

قولہ[3] وان ترک وفاءً۔ یعنی موصی کو اپنی وصیت سے پھر جانا جائز ہے اور جب کوئی صریح الفاظ کے ساتھ پھر گیا یعنی صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ میں اپنی وصیت کو واپس لیتا ہوں تو پھر جانا محقق ہو جائے گا اور اگر وصیت کر کے اس کا انکار کرتا ہے تو یہ امام محمد کے نزدیک پھرنا نہیں ہوگا کیونکہ ایک چیز سے پھر جانا تو پہلے اس چیز کے ہونے کو مقتضی ہے اور ایک چیز کا انکار کرنا اسکے پہلے ہی سے نہ ہونے کو مقتضی ہے پس اگر انکار کو پھر جانا قرار دیا جائے تو پہلے وصیت کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کو مقتضی ہوگا اور یہ محال ہے کہ ہو بھی اور نہ بھی ہو اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ یہ بھی پھر جانا ہے۔ اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔

ومن[1] اوصی لجیرانہ فہم الملاصقون عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ومن اوصی لاصہارہ فالوصیۃ لکل ذی رحم محرم من امرأتہ ومن اوصی لاختانہ فالختن زوج کل ذات رحم محرم منہ ومن[2] اوصی لاقاربہ فالوصیۃ للاقرب

فالاقرب من كل ذی رحم محرم منه ولا یدخل فیهم الوالدان والولد ویکون للاثنین فصاعدا ٣ واذا اوصٰی بذالک وله عمان وخالان فالوصیة لعمیه عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وان کان له عم وخالان فللعم النصف وللخالین النصف وقالا رحمهما الله تعالیٰ الوصیة لکل من ینسب الی اقصی اب له فی الاسلام

ترجمہ: ـــــ اور جس نے اپنے پڑوسیوں کیلئے وصیت کی تو ملے ہوئے پڑوسی مراد ہوں گے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور جس نے سسرال والوں کیلئے وصیت کی تو اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کیلئے وصیت ہوگی اور جس نے اپنے دامادوں کیلئے وصیت کی تو داماد ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر ہوگا اور جس نے قرابت داروں کیلئے وصیت کی تو وصیت اقرب فالاقرب کیلئے ہوگی اس کے ہر ذی رحم محرم سے جن میں والدین اور اولاد داخل نہ ہوں گے اور دو اور دو سے زیادہ کیلئے ہوگی اور جب کسی نے وصیت کا ہی اور اس کے دو چچا اور دو ماموں ہیں تو وصیت اسکے دو چچا دونوں کیلئے ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور اگر ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کیلئے نصف ہوگا اور دو ماموں کیلئے نصف ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ وصیت ہر اس کیلئے ہوگی جو اسلام میں اس کے آخری باپ کیطرف ہو۔

تشریح: ـــــ **قولہ ومن اوصٰی لجیرانہ:** یعنی اگر کسی نے اپنے پڑوسیوں کیلئے وصیت کی تھی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ پڑوسی مراد ہوں گے جو اس موصی کے مکان سے متصل ہو اور صاحبین کے نزدیک تمام اہل محلہ مراد ہوں گے یعنی جو اس کے محلہ میں رہتے اور مسجد میں نماز پڑھتے ہوں۔ دلیل امام ابو حنیفہ کی یہ ہے کہ جار ماخوذ ہے مجاورت سے اور مجاورت کا حقیقی معنی ملاصقت ہے اسی وجہ سے شفعہ کا استحقاق اسی جوار سے ہوتا ہے۔ دلیل صاحبین کی یہ ہے کہ جو محلہ میں رہتے ہوں عرف میں اس کو جیران کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد امام شافعی کا قول یہ ہے کہ پڑوسی چالیس گھر تک ہے ہر طرف سے

قولہ من اوصٰی لاقاربہ: یعنی اگر کسی نے اپنے قرابت داروں کیلئے وصیت کی یعنی یہ کہدیا کہ میرا تہائی مال میرے قرابت داروں کو دیا جائے تو یہ وصیت ان قرابت داروں کیلئے ہوگی جو اس کے ذی رحم محرم میں سب سے زیادہ قریب ہوں گے اور موصی کے ماں باپ اور اس کے بچے اس میں شمار نہ ہوں گے کیونکہ اقارب کا لفظ ان ہی پر بولا جاتا ہے جو کسی دوسرے کے ذریعہ سے قریب ہوئے ہوں اور ماں باپ اصل قرابت ہیں اسی طرح اولاد بھی خود ہی قریب ہوتی ہے اور کوئی واسطہ ان میں نہیں ہوتا۔

قولہ واذا اوصٰی بذلک: یعنی کسی نے اگر اپنے قرابت داروں کے لئے وصیت کی اور اس کے دو چچا اور دو ماموں ہیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ وصیت دونوں چچوں کیلئے ہوگی اور اگر ایک چچا اور دو ماموں ہیں تو نصف مال وصیت کا ایک چچا کا ہوگا اور نصف دونوں ماموں کا۔ صاحبین کا قول یہ ہے کہ یہ وصیت ان سب کیلئے ہوگی کہ جو اسلام میں اس کے جد امجد کی طرف منسوب ہیں یعنی اس کے جد امجد کی اولاد کہلاتے ہیں۔

ومن اوصٰی لرجل بثلث دراهمه او بثلث غنمه فهلک ثلثا ذلک وبقی ثلثه وهو یخرج من ثلث ما بقی من

مالہ فلہ جمیعُ مابقی ومن اوصیٰ بثلثِ ثیابہٖ فھلک ثلثاھا وبقی ثلثھا وھو یخرج من ثلثِ مابقی من مالہٖ لم یستحق الا ثلث مابقی من الثیاب ومن اوصیٰ لرجلٍ بالفِ درھمٍ ولہٗ مالٌ عینٌ ودینٌ فان خرج الالف من ثلثِ العینِ دفعت الی الموصیٰ لہٗ وان لم یخرج دفع الیہ ثلث العینِ وکلما خرج شیٌٔ من الدینِ اخذ ثلثہٗ حتی یستوفی الالف وتجوز الوصیۃ للحملِ وبالحملِ اذا وضع لاقل من ستۃِ اشھرٍ من یومِ الوصیۃِ

ترجمہ ــــ اور جس نے کسی کیلئے اپنے تہائی درہم یا تہائی بکریوں کی وصیت کی اور اس کے دو ثلث ہلاک ہوگئے اور ایک ثلث باقی رہا جو اس کے باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے تو موصیٰ لہٗ کیلئے باقی ماندہ ساری بکریاں ہوں گی اور جس نے ایک تہائی کپڑوں کی وصیت کی اور وہ دو ثلث ہلاک ہوگئے اور ایک ثلث باقی رہا جو باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے تو موصیٰ لہٗ مستحق نہ ہوگا مگر باقی ماندہ کپڑوں کے ثلث کا اور جس نے ایک ہزار درہم کی وصیت کی اور اس کا کچھ مال نقد ہے اور کچھ قرض پس اگر ایک ہزار نقد کی تہائی سے نکل آئے تو موصیٰ لہٗ کو دیدیئے جائیں گے اور اگر نہ نکلے تو نقد کی تہائی دیدی جائیگی اور جو قرض وصول ہوتا رہے تو اس کی تہائی لیتا رہے یہاں تک کہ پورے ایک ہزار لیلے اور جائز ہے حمل کیلئے اور حمل کی وصیت جبکہ وضع حمل ہو وصیت کے دن سے چھ ماہ سے کم میں

تشریح ــ قولہ ومن اوصیٰ لرجل ۔ یعنی اگر کسی نے کسی کے واسطے اپنے تہائی روپے یا اپنی تہائی بکریوں کے دینے کی وصیت کی تھی اور ان بکریوں یا روپیوں سے دو تہائی بعد تلف ہوگئے اور ایک ہی تہائی رہ گئی اور سوائے ان روپیوں یا بکریوں کے اور جو مال اس کا باقی رہ گیا ہے اس کسب کو ملا کر یہ اس کے تہائی میں نکل سکتے ہیں تو یہ بقیہ سب روپے اور بکریاں اسی موصیٰ لہٗ کی ہوگی اور اگر کسی نے اپنے ایک تہائی کپڑوں کی وصیت کی تھی پھر ان میں سے دو تہائی کپڑے تلف ہوگئے اور ایک تہائی رہ گئے اور یہ اس کے کل باقی ماندہ مال کی تہائی میں نکل سکتے ہیں تو یہ موصیٰ لہٗ ان ہی کپڑوں کا مستحق ہوگا کہ جو تہائی رہ گئے ہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کپڑے مختلف قسم کے ہوں گے اور اگر سارے ہی ایک ہی قسم کے ہیں تو وہ روپیوں کے حکم میں ہیں۔

قولہ لرجل بالف ۔ یعنی اگر کسی نے کسی کیلئے ایک ہزار روپیہ کی وصیت کی تھی اور اس کا مال دو قسم کا ہے نقد بھی ہے اور لوگوں پر قرض بھی ہے پس اگر نقد روپیہ اتنا ہے کہ اس کی تہائی میں سے ایک ہزار ہی نکل سکتے ہیں تو موصیٰ لہٗ کو اس نقد ہی سے دیدیئے جائیں گے اور اگر اس کی تہائی میں سے نہیں نکل سکتے تو نقد ہی کی تہائی اس کو دیدی جائیگی اور جب کبھی قرض وصول ہوا کرے وہ اس میں سے تہائی لے لیا کرے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اپنے ایک ہزار روپئے پورے کرے۔

قولہ تجوز الوصیۃ للحمل ۔ یعنی حمل کیلئے اور حمل کے واسطے وصیت کرنی جائز ہے لیکن اس وقت جبکہ وہ حمل وصیت کے دن سے لیکر چھ ماہ سے کم میں پیدا ہو جائے ۔ حمل کے واسطے کی صورت مثلاً یہ ہے کہ مالک یوں کہے کہ میں اپنی اس باندی کے

کے حمل کیلئے اتنے درہموں کی وصیت کرتا ہوں تو وہ جائز اسلئے ہے کہ وصیت بھی من وجہ استخلاف ہوتا ہے کہ موصی اپنے بعض مال موصی لہ کو اپنا خلیفہ بناتا ہے اور جنین ارث میں خلیفہ ہو سکتا ہے تو وصیت میں بھی ہو جائے گا اور حمل کی وصیت کی صورت مثلاً یہ ہے کہ مالک کہے کہ میں اپنی اس باندی کے حمل کی فلاں شخص کیلئے وصیت کرتا ہوں وہ جائز اس لئے ہے کہ حمل میں وراثت جاری ہوتی ہے تو وصیت بھی جاری ہوگی۔

وإذا أوصى لرجل بجارية إلا حملها صحت الوصية والاستثناء ومن أوصى لرجل بجارية فولدت بعد موت الموصي قبل أن يقبل الموصى له ولدًا ثم قبل الموصى له وهما يخرجان من الثلث فهما للموصى له وإن لم يخرجا من الثلث ضرب بالثلث وأخذ بالحصة منهما جميعًا في قول أبي يوسف ومحمد وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى يأخذ ذلك من الأم فإن فضل شيء أخذ من الولد وتجوز الوصية بخدمة عبده وسكنى داره سنين معلومة وتجوز ذلك أبدًا فإن خرجت رقبة العبد من الثلث سلم إليه للخدمة وإن كان لا مال له غيره خدم الورثة يومين وللموصى له يومًا فإن مات الموصى له عاد إلى الورثة

ترجمہ —— اور جب کسی کیلئے باندی کی وصیت کی اور اسکے حمل کا استثنا کر لیا تو وصیت اور استثنا صحیح ہے اور جس نے کسی کیلئے باندی کی وصیت کی پس اس نے موصی کی موت کے بعد موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے بچہ جنا پھر موصی لہ نے وصیت قبول کی اور وہ دونوں تہائی سے نکلے تو وہ موصی لہ کیلئے ہوں گے اور اگر تہائی سے نہ نکلتے ہوں تو ثلث میں شامل کر لیے جائیں گے اور موصی لہ ان سب سے حصہ لے گا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول میں اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ موصی لہ اپنا حصہ مال سے لیگا پس اگر کچھ باقی رہے گا تو بچہ سے لیگا۔ اور وصیت اپنے غلام کی خدمت اور مکان کی رہائش کی معین سالوں تک جائز ہے اور جائز ہے یہ ہمیشہ کیلئے بھی پس اگر غلام تہائی مال سے نکل سکے تو خدمت کے لئے موصی لہ کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اگر مال نہ ہو غلام کے علاوہ تو ورثہ کی دو دن خدمت کرے گا اور موصی لہ کی ایک دن پس اگر موصی لہ مر گیا تو غلام ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔

تشریح —— قولہ واذا اوصی لرجل: یعنی اگر کسی نے کسی کیلئے ایک باندی کی وصیت کی اور حمل کو مستثنیٰ کر لیا تو یہ وصیت اور استثنا دونوں درست ہوں گے باندی موصی لہ کیلئے ہوگی اور حمل موصی کے وارثوں کا اور اگر کسی نے باندی کی وصیت کی تھی اور موصی لہ نے بھی اس کو قبول نہیں کیا تھا کہ موصی کے مرنے کے بعد اس باندی کا بچہ پیدا ہو گیا پھر موصی لہ نے اس کو قبول کر لیا اور یہ دونوں یعنی باندی اور اس کا بچہ اس

موصی کے تہائی مال سے نکل سکتے ہیں تو یہ دونوں موصی لہٗ کے ہوں گے اور اگر تہائی سے نہیں نکل سکتے تو صاحبین کے نزدیک کل مال کی تہائی اس بچہ اور باندی میں نصفا نصف دیا جائے گا یعنی اس بچہ اور باندی کی قیمت کرکے باقی مال میں شامل کر دیں اور پھر ان دونوں کی قیمت میں سے برابر لیکر موصی لہٗ کو دیدیں اور امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ اول تہائی مال باندی سے پورا کریں اگر کچھ بچ رہے یعنی باندی سے پورا نہ ہو سکے تو وہ بچہ سے وصول کریں۔

قولہ جوز الوصیۃ بخدمۃ: یعنی اپنے غلام کی خدمت اور اپنے مکان کی سکونت کی وصیت کرنی چاہیئے جبکہ اس خدمت اور سکونت کی خدمت معین ہو اسکی مثال یہ ہے کہ کوئی یہ وصیت کر جائے کہ فلاں شخص میرے مکان میں برس روز یا دو برس رہے یا میرا غلام برس روز یا دو برس اسکا خدمت کرے تو اس مدت معین کے سوا یہ وصیت درست ہے اور یہ ہمیشہ کے لئے جائز ہے یعنی اگر کوئی اپنے غلام کی ساری عمر خدمت کی وصیت کر دے تو یہ بھی درست ہے۔

وان مات الموصی لہٗ فی حیاۃِ الموصِی بطلت الوصیۃُ واذا اوصی لولدِ فلانٍ فالوصیۃُ بینہم للذکرِ والانثیٰ سواءٌ وان اوصی لورثۃِ فلانٍ فالوصیۃُ بینہم للذکرِ مثلُ حظِ الانثیینِ ومن اوصی لزیدٍ وعمرٍو بثلثِ مالہٖ فاذا عمرٌو میتٌ فالثلثُ کلہٗ لزیدٍ وان قال ثلث مالی بین زیدٍ وعمرٍو وزیدٌ میتٌ کان لعمرٍو نصف الثلثِ ومن اوصی بثلثِ مالہٖ ولا مالَ لہٗ ثم اکتسب مالاً استحق الموصی لہٗ ثلث ما یملکہ عند الموتِ ـــــــ

ترجمہ ـــــــ اور اگر موصی لہٗ موصی کی زندگی میں مر جائے تو وصیت باطل ہو جائیگی اور اگر فلاں کی اولاد کے لئے وصیت کی تو ان کے درمیان وصیت لڑکے اور لڑکی کیلئے برابر ہو گی اور اگر فلاں کے ورثہ کے لئے وصیت کی تو وصیت ان میں مرد کیلئے مثل دو عورتوں کے حصے کے ہو گی اور جس نے زید اور عمرو کیلئے تہائی مال کی وصیت کی اور عمر اس وقت مر چکا تھا تو ساری تہائی زید کو ملے گی اور اگر کہا کہ میرا تہائی مال زید اور عمر میں تقسیم ہے اور زید مر چکا ہے تو عمر کے لئے تہائی کا نصف ہو گا اور جس نے تہائی مال کی وصیت کی اور مال نہیں ہے پھر مال کچھ کمایا تو موصی لہٗ اس کی تہائی کا مستحق ہو گا جس کا موصی موت کے وقت مالک ہو۔

تشریح ـــــــ قولہ وان مات الموصی لہٗ۔ یعنی موصی لہٗ اگر موصی کے سامنے ہی یعنی اس کی زندگی ہی میں مر گیا۔ تو یہ وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ وصیت کا پورا ہونا موصی کے مرنے پر موقوف ہے اور اسلئے بھی کہ وصیت کو قبول کر لینا وصیت کے درست ہونے کی شرط ہے اور قبول کی شرط یہ ہے کہ موصی کے مرنے کے بعد ہو اور جب موصی لہٗ اس سے پہلے ہی مر گیا تو

شرط معدوم ہوگئی لہذا اب مشروط کا وجود نہ ہوگا اور اگر کسی نے فلاں کی اولاد کیلئے وصیت کی یعنی یہ کہدیا کہ فلاں کی اولاد کو تہائی دینا تو اس وصیت میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں برابر ہوں گے کیونکہ اولاد کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔

قولہ[۲] ومن اوصی لزید وعمرو:۔ یعنی اگر کسی نے مثلاً زید اور عمرو کیلئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تھی یعنی یہ کہدیا تھا کہ ان دونوں کو میرے مال میں سے تہائی دیدینا اور عمر اس وقت مرچکا تھا تو یہ تہائی مال سارا زید کا ہوگا کیونکہ جو مر چکا ہے وہ موصی لہ نہیں ہو سکتا اسلئے وہ زندہ کا مزاحم نہ ہوگا کہ جو موصی لہ ہو سکتا ہے جس طرح کوئی اگر ایک آدمی اور ایک دیوار وغیرہ کیلئے وصیت کر دے تو یہ وصیت بھی اس آدمی کیلئے ہی ہوتی ہے کیونکہ دیوار وغیرہ میں اسکی قابلیت نہیں۔

قولہ[۳] وانہ قال ثلث مالی:۔ اگر کسی نے یہ کہا یعنی اس طرح وصیت کی کہ میرا تہائی مال زید اور عمرو میں تقسیم کر دینا اور زید مرچکا تھا تو عمر کو تہائی کا نصف ملے گا کیونکہ تقسیم کا لفظ اشتراک کیلئے ہے اسلئے گویا اس نے یہ وصیت کی کہ ان دونوں کو تہائی کا نصف دینا اور اگر کسی نے کسی کیلئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور اس وقت اس کے پاس کچھ مال نہیں تھا پھر وہ تندرست ہوگیا اور اس نے کچھ مال کمایا تو اب اس کے مرنے کے وقت جو چیز اسکی ملکیت ہوگی اسی کی ایک تہائی کا یہ موصی لہ مستحق ہوگا جس کا یہ سبب ہے کہ وصیت ایسا عقد ہے جو موت کے بعد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا حکم بھی موت کے بعد ہوتا ہے اسلئے مال کا ہونا موت کے وقت شرط ہے موت سے پہلے نہیں۔

كتاب الفرائض

ترجمہ:۔ میراث وغیرہ کی تقسیم کا بیان

المجمع[۱] على توريثهم من الذكور عشرة الابنُ وابنُ الابنِ وان سفلَ والابُ والجدُ ابو الابِ وان علا والاخُ وابنُ الاخِ والعمُ وابنُ العمِ والزوجُ ومولى النعمةِ ومن الاناثِ سبعٌ البنتُ وبنتُ الابنِ والامُ والجدةُ والاختُ والزوجةُ ومولاةُ النعمةِ ولا يرث[۲] سبعة المملوك والقاتل من المقتول والمرتد واهل الملتين والفروض المحدودة في كتابِ اللّٰهِ تعالىٰ ستةٌ النصفُ والربعُ والثمنُ والثلثانِ والثلثُ والسدسُ

ترجمہ ——— جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے مردوں میں سے وہ دس ہیں۔ بیٹا اور پوتا۔ اگرچہ نیچے کا ہو اور باپ اور دادا اگرچہ اوپر کا ہو اور بھائی اور بھتیجا اور چچا اور چچا کا بیٹا اور شوہر اور آزاد کرنیوالا اور عورتوں میں سے سات ہیں لڑکی اور پوتی اور ماں اور دادی اور بہن اور بیوی اور آزاد کرنے والی اور چار آدمی وارث نہیں ہوتے غلام اور قاتل اور مقتول کا [illegible]

وارث نہیں ہوتا اور مرتد اور مختلف دین والا اور وہ حصے جو کتاب اللہ میں مقرر ہیں چھ ہیں۔ آدھا اور چوتھائی اور آٹھواں اور دو ثلث اور ایک ثلث اور چھٹا۔

تشریح —— **قولہ[۱] کتاب الفرائض**:۔ فرائض جمع ہے فریضۃ کی جو ماخوذ ہے فرض سے لغت میں اسی کا معنی ہے وجوب مقدار۔ قطع کرنا۔ مقرر کرنا وغیرہ اور اصطلاح میں علم فقہ و حساب کے ان قواعد کے جاننے کو کہا جاتا ہے جن سے ہر ایک وارث کا حصہ ترکہ سے معلوم ہو جائے۔

قولہ[۲] المجمع علی توریثہم:۔ یعنی مردوں میں سے جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے وہ دس ہیں (۱) بیٹا (۲) پوتا اگرچہ نیچے کا ہو یعنی پر پوتا وغیرہ (۳) باپ (۴) دادا اگرچہ اوپر کا ہو یعنی پر دادا وغیرہ (۵) بھائی (۶) بھتیجا (۷) چچا (۸) چچا کا بیٹا (۹) شوہر (۱۰) آزاد کرنے والا اور عورتوں میں سے جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے سات ہیں (۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) سگی ماں (۴) دادی یا نانی (۵) بہن (۶) بیوی (۷) آزاد کرنیوالی دادی یا نانی اور آزاد کرنے والی عورت کی میراث قرآن کریم میں نہیں بلکہ حدیث شریف سے ثابت ہے چنانچہ سرکار مدینہ کے وصال کے بعد ایک صحابی کی دادی یا نانی اپنی میراث کیلئے سیدنا ابوبکر صدیق کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے اس کو یہ جواب دیا کہ قرآن میں تیری میراث کا ذکر نہیں اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ کھڑے ہو کر بیان دیا کہ میرے سامنے سرکار مدینہ نے ایک شخص کی دادی یا نانی کا چھٹا حصہ دلایا تھا تو صدیق اکبر نے بھی اسی کے مطابق چھٹا حصہ دلا دیا اور دلیل آزاد کرنیوالی کے میراث کی یہ ہے کہ سرکار مدینہ نے فرمایا کہ عورت اپنے آزاد کردہ اور اپنے اس بچہ کا وارث ہو سکتی ہے جو زنا سے ہو۔

قولہ[۳] لا یرث اربعۃ:۔ یعنی چار آدمی وارث نہیں ہوتے ایک غلام دوسرے قاتل اس کا ورثہ نہیں لے سکتا کہ جس کو اس نے قتل کر دیا ہو تیسرے مرتد یعنی وہ جو اسلام سے پھر گیا چوتھا غیر دین والا یعنی کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور وارثوں کے وہ حصے جو قرآن کریم میں مقرر ہیں۔ چھ ہیں (۱) نصف آدھا (۲) ربع یعنی چوتھائی (۳) ثمن یعنی آٹھواں (۴) ثلث یعنی تہائی (۵) ثلثان یعنی دو تہائی (۶) سدس یعنی چھٹا۔

والنصف[۱] فرض خمسۃ البنت وبنت الابن اذا لم تکن بنت الصلب والاخت لاب وام والاخت لاب اذا لم تکن اخت لاب وام والزوج اذا لم یکن للمیت ولد ولا ولد ابن وان سفل والربع للزوج مع الولد او ولد الابن وان سفل وللمرأۃ اذا لم یکن للمیت ولد ولا ولد ابن والثمن[۲] للزوجات مع الولد او ولد الابن والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضہ النصف الا الزوج والثلث للام اذا لم یکن للمیت ولد ولا ولد ابن ولا اثنان من الاخوۃ والاخوات فصاعداً ویفرض[۳] لہا فی مسئلتین ثلث ما بقی وہما زوج وابوان وامرأۃ وابوان فلہا ثلث ما بقی بعد فرض الزوج او الزوجۃ وہو لکل اثنین فصاعداً من ولد الام ذکورہم واناثہم فیہ سواء۔

ترجمہ :—— اور نصف پانچ آدمیوں کا حصہ ہے بیٹی اور پوتی جبکہ صلبی بیٹی نہ ہو اور حقیقی بہن اور باپ شریک

نہیں جبکہ حقیقی بہن نہ ہو اور شوہر جبکہ میت کا بیٹا نہ ہو اور نہ پوتا اگرچہ نیچے کا ہو اور ربع شوہر کیلئے ہے بیٹا یا پوتا کے ساتھ اگرچہ نیچے کا ہو اور بیوی کیلئے ہے جبکہ میت کا بیٹا نہ ہو اور نہ پوتا اور ثمن بیوی کیلئے ہے بیٹا یا پوتا کے ساتھ اور ثلث ان ہر دو یا اس سے زائد کیلئے ہے ان لوگوں میں سے جن کا حصہ نصف ہے سوائے شوہر کے اور ثلث ماں کیلئے ہے جبکہ میت کا بیٹا نہ ہو اور نہ پوتا اور نہ دو بھائی اور بہنیں یا اس سے زائد اور ماں کیلئے دو مسئلوں میں مابقی کا تہائی مقرر کی جاتی ہے اور وہ یہ ہیں کہ شوہر اور والدین یا بیوی اور والدین ہوں پس ماں کیلئے ثلث ہے اس کا جو شوہر یا بیوی کے حصہ کے بعد باقی رہے اور ثلث ہر دو یا زیادہ کیلئے ہے۔ اخیافی بہن بھائیوں سے جس میں مرد اور عورتیں برابر ہیں۔

تشریح: — قولہ والنصف فرض خمسۃ — نصف یعنی آدھا پانچ وارثوں کو ملتا ہے (۱) بیٹی کو (۲) اور پوتی کو لیکن پوتی کو اس وقت جبکہ صلبی بیٹی نہ ہو (۳) اور حقیقی بہن کو اور حقیقی بہن نہ ہو تو علاتی بہن کو علاتی بہن وہ ہے جو باپ میں شریک ہو اور شوہر کو اس وقت جبکہ میت کا بیٹا یا پوتا یا پرپوتا وغیرہ کوئی نہ ہو اور ربع یعنی چوتھائی حصہ دو کیلئے ہے ایک شوہر کیلئے اس وقت جبکہ میت کا بیٹا یا پوتا یا پرپوتا وغیرہ کوئی نہ ہو اور بیوی کیلئے اس وقت جبکہ میت کی اولاد نہ ہو نہ بیٹا ہو اور نہ پوتا وغیرہ

قولہ الثمن: ثمن یعنی آٹھواں حصہ بیویوں کیلئے جس وقت کہ میت کے یعنی ان کے شوہر کی اولاد یا پوتا یا پوتی ہو اور جن وارثوں کا اکیلے ہونیکی صورت میں آدھا حصہ مقرر ہے جبکہ وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ہوگا۔ سوائے شوہر کے اور تہائی حصہ ماں کیلئے اس صورت میں جبکہ میت کا نہ بیٹا ہو نہ پوتا وغیرہ اور نہ اسکے دو بھائی یا نہ دو بہنیں یا نہ ان سے زیادہ ہوں۔

قولہ لیفرض لہا۔ یعنی ماں کیلئے دو مسئلوں میں باقی کی تہائی مقرر ہے ایک مسئلہ تو یہ کہ شوہر اور ماں باپ وارث ہوں یعنی ان کے علاوہ اور کوئی بیٹا وغیرہ میت۔ ہو دوسرا یہ کہ بیوی اور ماں باپ وارث ہوں ان دونوں صورتوں میں شوہر یا بیوی کو حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچے گا اس کا تہائی حصہ ماں کو ملے گا اور یہی تہائی حصہ اخیافی بھائی اور بہنوں کا ہوتا ہے خواہ دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں آپس میں مرد اور عورتیں یعنی بھائی اور بہنیں برابر ہیں۔

وَالسدسُ فرضُ سبعةٍ لکل واحدٍ من الابوینِ مع الولدِ او ولدِ الابنِ وھو للامِ مع الاخوۃِ وھو للجداتِ وللجدِ مع الولدِ او ولدِ الابنِ ولبناتِ الابنِ مع البنتِ والاخواتِ للابِ مع الاختِ للابِ والامِ وللواحدِ من ولدِ الامِ وتسقط الجداتُ بالامِ والجدِ والاخوۃِ والاخواتِ بالابِ ویسقط ولدُ الامِ باربعةٍ بالولدِ وولدِ الابنِ والابِ والجدِ واذا استکملت البناتُ الثلثین سقطت بناتُ الابنِ الا ان یکون بازائھن او اسفلَ منھن ابنُ ابنٍ فیعصبھن واذا استکمل الاخواتُ لابٍ وامٍ الثلثین سقطت الاخواتُ لابٍ الا ان یکون معھن اخٌ لھن فیعصبھن۔

ترجمہ: — اور سدس سات لوگوں کا حصہ ہے والدین میں سے ہر ایک کیلئے بیٹا یا پوتا کے ساتھ اور ماں کیلئے بھائیوں

کے ساتھ اور جدات اور دادا کیلئے بیٹا یا پوتا کے ساتھ اور پوتیوں کیلئے ہے بیٹی کے ساتھ اور علاتی بہنوں کیلئے ہے ایک حقیقی بہن کے ساتھ اور ایک اخیافی بہن کیلئے ہے اور جدات ماں سے ساقط ہو جاتی ہے اور دادا اور بھائی اور بہن باپ سے اور اخیافی بھائی بہن چار وارثوں سے ساقط ہو جاتے ہیں یعنی بیٹا اور پوتا اور باپ اور دادا سے اور بیٹیاں پورے دو تہائی لے لیں تو پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں مگر یہ کہ ان کے مقابل ہو یا ان سے نیچے ہو تاکہ وہ ان کو عصبہ کر دے اور جب حقیقی بہنیں لے لیں پورا دو تہائی تو علاتی بہنیں ساقط ہو جائیں گی مگر یہ کہ ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو کہ وہ ان کو عصبہ کر دیتا ہے۔

تشریح:۔ قولہ والسدس فرض سبعۃ:۔ سدس یعنی چھٹا حصہ سات آدمیوں کیلئے ہے یعنی (۱) ماں باپ میں سے ہر ایک کیلئے جبکہ میت کا بیٹا یا پوتا ہو اور جب میت کے بھائی بہنوں سے دو یا دو سے زیادہ ہو تو بھی چھٹا حصہ ماں کیلئے ہے (۲) دادی اور نانی اور دادا کیلئے بھی چھٹا حصہ ہے جبکہ میت کا بیٹا ہو یا پوتا ہو اور میت کی ایک بیٹی اور پوتی ہوں تو بھی چھٹا حصہ پوتیوں کو ملتا ہے اور اگر میت کی ایک حقیقی بہن ہو اور چند علاتی بہنیں ہوں تو علاتی بہنوں کا بھی چھٹا حصہ ہے اور اگر صرف ایک اخیافی بہن یا بھائی ہو تو اس کا بھی چھٹا حصہ ہے اور ماں کے ہوتے دادیاں اور نانیاں ساقط ہو جاتی ہیں یعنی میت کی ماں کے ہوتے ہوئے ان کو ورثہ نہیں پہنچتا اور جب میت کے باپ ہو تو باپ کے ہوتے ہوئے دادا اور بھائی بہنیں ساقط ہو جاتی ہیں۔

قولہ یسقط ولد الام:۔ یعنی اخیافی بھائی بہن چار وارثوں کے ہوتے ہوئے ساقط ہو جاتے ہیں وہ چار یہ ہیں کہ میت کا بیٹا ہو یا پوتا اور باپ یا دادا ہو اور جب بیٹیوں کو پورا دو تہائی مل جائے جبکہ بیٹیاں دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں کہ اس تقدیر پر ان کا حصہ دو تہائی ہوتا ہے تو پوتیاں ساقط ہو جائیں گی یعنی ان کو حصہ نہیں ملے گا البتہ اگر ان کے ساتھ یا ان سے نیچے کوئی لڑکا ہو یعنی ان کا بھائی بھتیجا ہو تو وہ ان کے اپنے ساتھ عصبہ کر لیگا اور جب حقیقی بہنیں اپنا دو تہائی حصہ لے لیں تو پھر علاتی بہنیں ساقط ہو جائیں گی یعنی ان کا حصہ ورثہ میں نہ ہوگا البتہ اگر ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو وہ انہیں عصبہ کر دے گا۔

بَابُ العصبات

ترجمہ:۔ عصبوں کا بیان

أقربُ العصباتِ البنونَ ثم بنوهم ثم الأبُ ثم الجدُ ثم بنو الأبِ وهم الإخوةُ ثم بنو الجدِ وهم الأعمامُ ثم بنو أبِ الجدِ وإذا استوى بنو أبٍ في درجةٍ فأولاهم من كان من أبٍ وأمٍ والابنُ وابنُ الابنِ والأخُ يقاسمون أخواتِهم للذكرِ مثلُ حظِ الأنثيينِ ومن عدا هؤلاء من العصباتِ ينفردُ بالميراثِ ذكورُهم دون إناثِهم وإذا لم يكن عصبةٌ من النسبِ فالعصبةُ هو المولى المعتقُ ثم الأقربُ فالأقربُ من عصبةِ المولى۔

ترجمہ:۔ عصبوں میں سب سے قریب بیٹے ہیں پھر پوتے پھر باپ پھر دادا پھر باپ کے بیٹے یعنی بھائی پھر دادا کے بیٹے یعنی

چچے پھر دادا کے باپ کے بیٹے اور جب باپ کے بیٹے برابر ہوں درجہ میں تو زیادہ مستحق وہ ہے جو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہو اور بیٹا اور پوتا اور بھائی مقاسمہ کر لیتے ہیں اپنی بہنوں سے مرد کیلئے دو حصوں کے برابر اور ان کے علاوہ دوسرے عصبے میراث پانے میں تنہا ہوتے ہیں ان کے مرد نہ کہ ان کی عورتیں اور جب میت کا نسبی عصبہ نہ ہو تو آزاد کرنے والا مولیٰ عصبہ ہوتا ہے پھر مولیٰ کے عصبات ہیں جو سب سے زیادہ قریب ہو۔

تشریح:۔ قولہ[۱] باب العصبات: عصبات جمع ہے عصبۃ کی جو لغت میں بھی پٹھا کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں وہ شخص ہے جو گوشت و پوست میں شریک ہو جس کے عیب دار ہونے سے خاندان میں عیب لگے۔

قولہ[۲] اقرب العصبات: یعنی عصبوں میں سب سے زیادہ قریب بیٹے ہوتے ہیں پھر ان کے بیٹے یعنی میت کے اگر بیٹے نہ ہوں اور پوتے ہوں تو وہ پوتے عصبہ ہوں گے اگرچہ بہت دور کے یعنی پڑپوتے وغیرہ ہوں پھر باپ دادا پھر باپ کے بیٹے یعنی میت کے بھائی اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر دادا کے بیٹے یعنی میت کے چچے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر باپ کے دادا کے بیٹے یعنی میت کے باپ کے چچے اور جب باپ کے بیٹے درجہ میں برابر ہوں تو ان میں سے زیادہ مستحق وہ ہوگا کہ جو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے میت کا بھائی ہو خلاصہ یہ کہ حقیقی بھائی علاتی بھائی پر مقدم ہوگا۔

قولہ[۳] والاخوۃ یقاسمون: یعنی جب میت کا بیٹا اور پوتا اور بھائی اپنی اپنی بہنوں کے ساتھ ہوں تو ان میں مال کی تقسیم آیت کریمہ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق ہوگی یعنی مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملے گا پھر ان تینوں عصبوں کے علاوہ جو اور قسم کے عصبے ہوں ان میں میراث مردوں ہی کو ملتی ہے عورتوں یعنی ان کی بہنوں کو نہیں اور جب کسی کے نسبی عصبہ نہ ہو تو اس کا سب سے آخری عصبہ آزاد کرنے والا مولیٰ ہے جو جمہور کے نزدیک ہے ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے یہی قول سیدنا مولیٰ علی اور سیدنا زید بن ثابت کا ہے لیکن عبداللہ بن مسعود کے نزدیک آزاد کرنے والا ذوی الارحام سے مؤخر ہے۔

باب[۱] الحجب

ترجمہ:۔ محجوب ہونے کا بیان

ویحجب[۱] الام من الثلث الی السدس بالولد او ولد الابن او اخوین والفاضل عن فرض البنات لبنی الابن و اخواتھم للذکر مثل حظ الانثیین والفاضل عن فرض الاخوات للاب والام للاخوۃ والاخوات من الاب للذکر مثل حظ الانثیین واذا ترک[۲] بنتا وبنات ابن وبنی ابن فللبنت النصف والباقی لبنی الابن واخواتھم للذکر مثل حظ الانثیین وکذلک الفاضل عن فرض الاخت للاب والام لبنی الاب وبنات الاب للذکر مثل حظ الانثیین ومن ترک ابنی عم احدھما اخ لام فللاخ السدس والباقی بینھما نصفان والمشترکۃ[۳] ان تترک المراۃ زوجا واما او جدۃ واخوۃ من ام واخا من اب وام فللزوج النصف وللام السدس ولکلا ولاد الام الثلث

ولاشئ للاخوة للاب والام

ترجمہ ——— ماں تہائی سے چھٹے کی طرف محجوب ہوتی ہے بیٹا یا پوتا یا دو بھائیوں کے ہونے سے اور جو باقی رہے بیٹوں کے حصہ سے وہ پوتوں اور ان کی بہنوں کا ہے مرد کیلئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر اور جو باقی رہے حقیقی بہنوں کے حصہ سے وہ علاتی بہنوں کا ہے مرد کیلئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر اور جب ایک بیٹی اور چند پوتیاں چھوڑی اور چند پوتے تو بیٹی کیلئے نصف ہے اور باقی پوتوں اور ان کی بہنوں کا ہے مرد کیلئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر اسی طرح جو حقیقی بہن کے حصہ سے باقی رہے وہ علاتی بھائی بہنوں کا ہے مرد کیلئے دو عورتوں کے حصے کے برابر اور جس نے چچا زاد بھائی چھوڑا جن میں سے ایک اخیافی بھائی ہے تو اخیافی بھائی کے لئے چھٹا ہے اور باقی ان میں نصفا نصف ہوگا اور اگر عورت نے چھوڑا شوہر اور ماں اور دادی یا نانی اور چند اخیافی بھائی اور حقیقی بھائی تو شوہر کیلئے نصف ہے اور ماں کیلئے چھٹا حصہ ہے اور اخیافی بھائیوں کیلئے تہائی اور حقیقی بھائیوں کے لئے کچھ نہیں۔

تشریح: ——— **قولہ[۱] باب الحجب:** حجب کا معنی لغت میں روکنا ہے اور اصطلاح میں ایک شخص کا دوسرے کی وجہ سے میراث سے محروم ہونے کو کہا جاتا ہے پس اگر کل میراث سے محروم ہو تو اسکو حجب حرمان کہا جاتا ہے اور اگر میراث کے کسی حصہ سے محروم ہو مثلاً تہائی ملنے کی جگہ چھٹا حصہ ملنے لگے تو اس کو حجب نقصان کہا جاتا ہے۔

قولہ[۲] یحجب الام: یعنی میت کا بیٹا یا پوتا یا دو تہائی ہونیکی وجہ سے میت کی ماں تہائی حصہ سے چھٹا حصہ کیطرف محجوب ہو جاتی ہے یعنی ان کے ہوتے ماں کو تہائی کی جگہ چھٹا حصہ ملتا ہے اور بیٹوں کو حصہ دینے کے بعد جو ترکہ باقی رہے وہ پوتوں اور پوتیوں کو اس طرح ملتا ہے کہ ہر مرد کا عورت سے دو نا حصہ ہے اور جو حقیقی بہنوں کو حصہ دینے کے بعد باقی رہے وہ علاتی بھائیوں اور بہنوں میں اس طرح تقسیم ہوتا ہے۔

قولہ[۳] واذا ترک بنتاً: یعنی اگر کسی نے ایک بیٹی اور چند پوتے پوتیاں چھوڑیں تو بیٹی کا نصف ہے اور باقی پوتے پوتیوں کا ہے اس طرح کہ مرد کو عورت کا دوگنا حصہ ملیگا علی ہذا القیاس میت کی حقیقی بہن کو حصہ دینے کے بعد جو باقی رہے تو وہ ان کے علاتی بھائیوں اور بہنوں میں اس طرح تقسیم ہوگا۔

قولہ[۴] ان تترک المرأۃ: یعنی اگر کسی عورت نے ایک شوہر ایک ماں ایک نانی اور چند بھائی اخیافی اور چند بھائی حقیقی چھوڑے تو شوہر کو نصف اور ماں یا نانی کو چھٹا حصہ اور اخیافی بھائیوں کو ۔۔۔ مال ملے گا اور حقیقی بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا یہ احناف کے نزدیک ہے جبکہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اخیافی اور حقیقی بھائی برابر ہیں لہذا ان کو نصفا نصف ملنا چاہیے۔ دلیل احناف کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کے نصف مال کا چھٹا اور اخیافی بھائیوں کا تہائی حصہ ذوی الفروض ہونیکی حیثیت سے مقرر کر دیا ہے اور کل مال ان ہی حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے باقی کچھ نہیں رہتا جو عصبوں تک پہونچے۔

باب[۱] الرد

ترجمہ: ——— بچے ہوئے مال کو پھیرنے کا بیان

والفاضل[١] من فرضِ ذوی السہامِ اذا لم تکن عصبۃٌ مردودٌ علیہم بقدرِ سہامِہم الّا علی الزوجین ولایرث[٢] القاتلُ من المقتولِ وَ الکفرُ ملّۃٌ واحدۃٌ یتوارث بہ اہلہٗ ولا یرث المسلمُ الکافرَ ولا الکافرُ المسلمَ ومالُ المرتدِ لورثتہٖ المسلمین وما اکتسبہٗ فی حالِ ردتہٖ فئٌ واذا[٣] غرق جماعۃٌ او سقطت علیہم حائطٌ فلم یعلم مَن مات منہم اوّلاً فمالُ کلِّ واحدٍ منہم للاحیاءِ من ورثتہٖ

ترجمہ: — اور بچا ہوا مال ذوی الفروض کے حصہ سے جبکہ عصبہ نہ ہو۔ ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے موافق دے دیا جائے گا سوائے زوجین کے اور قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا اور ہر قسم کا کفر ایک ہی مذہب ہے۔ اسکے سبب سے کافر وارث ہوگا دوسرے کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا اور مرتد کا مال اسکے مسلم ورثہ کا ہے اور جو اس نے ردت کی حالت میں کمایا وہ غنیمت ہے اور جب کچھ آدمی ڈوب جائیں یا ان پر دیوار گر جائے اور یہ پتہ معلوم نہ ہو کہ کون مرا ہے؟ تو ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثہ کیلئے ہے۔

تشریح — قولہ[١] باب الرد:۔ رد لغت میں منہ عول کو کہا جاتا ہے کیونکہ عول میں سہام مخرج سے زائد ہوتے ہیں اور رد میں مخرج سہام سے زائد ہوتا ہے اور اصطلاح میں رد اس کو کہا جاتا ہے کہ تقسیم اول کے بعد نسبی ذوی الفروض سے بچے ہوئے مال کو ان ہی پر ان کے حصوں کے مطابق صرف کر دیا جائے۔

قولہ[٢] والفاضل عن فرض:۔ یعنی ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو مال بچے وہ بھی ان ہی حصہ والوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے دیا جائے گا سوائے میاں بیوی کے کہ ان کو ان کے مقرر حصہ سے زیادہ نہیں دیا جاتا یہ متقدمین احناف کے نزدیک ہے جو جمہور صحابہ کے قول کے موافق ہے لیکن متاخرین احناف اور بعض شوافع کا کہنا ہے کہ بیت المال جب غیر منتظم ہو تو میاں بیوی پر بھی بقدر حقوق رد ہوگا بشرطیکہ دوسرے مستحقین نہ ہوں۔

قولہ[٣] لایرث القاتل:۔ یعنی قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا مثلاً اگر بیٹا نے باپ کو قتل کر ڈالا اس قتل کی وجہ سے یہ باپ کی میراث سے محروم ہو جائے گا اور کفر ہر قسم کا ایک ہی مذہب ہے اس کی وجہ سے کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اگرچہ مختلف مذاہب کے ہوں اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا اور مرتد کا مال اس کے مسلمان وارثوں کا ہے یعنی اسلام سے پھرنے والا جو مال چھوڑ کے مر جائے۔

قولہ[٤] اذا غرق جماعۃ:۔ یعنی اگر بہت سے آدمی ڈوب کر یا دیوار وغیرہ سے دب کر مر جائیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلے کون مرا ہے؟ تو ہر شخص کا مال اس کے زندہ وارثوں کو ملے گا یعنی مرنے والوں میں سے کسی کو کسی کا وارث نہ بنایا جائے گا یہ احناف کے نزدیک ہے اور یہی امام شافعی اور امام مالک بلکہ جمہور صحابہ کا مذہب ہے۔

واذا[١] اجتمع للمجوسی قرابتانِ لو تفرقت فی شخصَینِ ورث احدہما مع الآخرِ ورث بہما ولا یرث[٢] المجوسی بالانکحۃِ الفاسدۃِ التی یستحلونہا فی دینہم وعصبۃ ولد الزنا وولد الملاعنۃ مولیٰ امہما ومن[٣] مات وترک حملاً وقف مالہٗ

تضع امرأته حملها في قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى والجد اولى بالميراث من الاخوة عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى و قال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالى يقاسمهم الا ان تنقصه المقاسمة من الثلث واذا اجتمع الجدات فالسدس لاقربهن ويحجب الجد امه ولا ترث ام اب الام بسهم وكل جدة تحجب امها

ترجمہ :- اور جب مجوسی کی ایسی دو قرابتیں جمع ہوں کہ اگر وہ دو شخصوں میں متفرق ہوں تو ایک دوسرے کا وارث ہو تو مجوسی ان میں سے ہر ایک کے ذریعے سے وارث ہوگا اور مجوسی ان فاسد نکاحوں سے وارث نہ ہوں گے جن کو وہ حلال سمجھتے ہیں اپنے دین میں اور ولد زنا کا عصبہ اور ولد ملاعنہ کا عصبہ ان کی ماں کا مولی ہے اور جو شخص حمل چھوڑ کر مر گیا تو اس کا مال موقوف رہے گا یہاں تک کہ اس کی عورت اپنا حمل جنے امام ابو حنیفہ کے قول میں اور دادا بھائیوں کے مقابلہ میں میراث کا زیادہ حقدار ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ وہ بھائیوں کے برابر پائے گا مگر یہ کہ اس کو برابر تقسیم کرنے میں تہائی سے کم پہونچے اور جب جدات جمع ہو جائیں تو چھٹا حصہ اس کو ملے گا جو سب سے زیادہ قریب ہو اور دادا اپنی ماں کو محجوب کر دیتا ہے اور نانی کی ماں وارث نہیں ہوتی اور ہر دادی اپنی ماں کو محجوب کر دیتی ہے۔

تشریح :- قولہ[۱] واذا اجتمع للمجوسی ،- یعنی اگر ایسی مجوسی کی ایسی دو قرابتیں جمع ہوں کہ اگر وہ دونوں شخصوں میں ہوتیں تو ایک دوسرے کا وارث ہوجاتا پس ان دونوں کے ذریعہ سے یہ مجوسی بھی وارث ہو جائے گا مثلاً کسی مجوسی نے اپنی ماں سے شادی کی اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی پھر مجوسی اپنی ماں کو جو اس کی بیوی بھی ہے اور لڑکی جو اسکی ماں شریک بہن بھی ہے چھوڑ کر مر گیا نہ ماں زوجیت کی وجہ سے وارث ہوگی اور نہ لڑکی بہن کی وجہ سے وارث ہوگی کیونکہ لڑکی کے ہوتے ہوئے ماں شریک بہنیں وارث نہیں ہوتی بلکہ ماں کو ماں ہونے کی وجہ سے سدس ملے گا اور لڑکی کو نصف ملے گا اور باقی عصبہ کو دیا جائے گا۔

قولہ[۲] لایرث المجوسی بالانکحۃ ،- یعنی مجوسیوں کو ان فاسد نکاحوں کی وجہ سے میراث نہ ملے گی کہ جن کو اپنے دین میں حلال سمجھے کیونکہ فاسد نکاح مسلمانوں میں تو ارث کو ثابت نہیں کرتا لہذا وہ مجوسی میں بھی اس کو ثابت نہ کرے گا برخلاف انساب کے اور ولد الزنا کا عصبہ اور لعان والی عورت کا عصبہ ان دونوں کی ماں کا مولیٰ ہے۔

قولہ[۳] من مات وترث حملاً ،- یعنی اگر کسی میت کی عورت حاملہ ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا مال اس وقت تقسیم نہ ہوگا کہ اس کی عورت کو وضع حمل ہو جائے اور میراث میں دادا امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھائی پہ مقدم ہے اور صاحبین کے نزدیک دادا کو بھائی کے برابر حصہ ملے گا البتہ برابر تقسیم کرنے میں دادا کو تہائی سے کم پہونچے تو وہ بھائیوں کا شریک نہ ہوگا اور جب کسی میت کے کئی دادیاں یا نانیاں ہوں تو ان میں چھٹا حصہ اسکو ملے گا جو سب سے زیادہ قریب ہو اور دادا اپنی ماں کو محجوب کر دیتا ہے اور نانا کی ماں وارث نہیں ہوتی کیونکہ وہ جدۂ فاسدہ ہے اور جدۂ فاسدہ کا کوئی حصہ مقرر نہیں اور ہر وہ جدہ اپنی ماں کو محجوب کر دیتی ہے۔

باب ذوی الارحام

ترجمہ:۔ ذوی الارحام کا بیان

واذا لم یکن للمیت عصبۃ ولا ذو سھم ورثہ ذو والارحام وھم عشرۃ ولد البنت وولد الاخت وبنت الاخ وبنت العم والخال والخالۃ وابو الام والعم لام والعمۃ وولد الاخ من الام ومن ادلی بھم فاولاھم من کان من ولد المیت ثم ولد الابوین او احدھما وھم بنات الاخوۃ واولاد الاخوات ثم ولد ابوی ابویہ او احدھما وھم بنات الاخوۃ واولاد الاخوات ثم ولد ابوی ابویہ او احدھما وھم الاخوال والخالات والعمات

ترجمہ ـــــ اور جب میت کا عصبہ نہ ہو اور نہ ذوی الفروض ہو تو اس کے ذوی الارحام وارث ہوں گے اور وہ دس ہیں۔ بیٹی کی اولاد اور بہن کی اولاد اور بھائی کی بیٹی اور چچا کی بیٹی اور ماموں اور خالہ اور نانا اور اخیافی چچا اور پھوپھی اور اخیافی بھائی کی اولاد اور ان میں سے اولیٰ وہ ہے جو میت کی اولاد ہو پھر وہ جو ماں باپ کی یا ان میں سے ایک کی اولاد ہو اور وہ بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد ہے پھر والدین کے والدین کی یا ان میں سے ایک کی اولاد ہے اور وہ ماموں اور خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔

تشریح:ـــــ قولہ باب ذوی الارحام:۔ ذوی الارحام جمع ہے ذی رحم کی اور ذی رحم لغت میں مطلق رشتہ دار کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس رشتہ دار کو جس کا کوئی حصہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت میں مقرر نہ ہو اور نہ وہ عصبہ ہو۔ ذوی الارحام وارث ہوں گے اس کے قائل احناف اور امام احمد بن حنبل ہیں یہی اکثر صحابہ مثلاً سیدنا عمر اور مولیٰ علی اور عبداللہ بن مسعود اور ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل وغیرہ کا قول ہے۔ امام شافعی کے نزدیک وارث نہ ہوں گے یہی قول امام مالک کا بھی ہے۔

قولہ اذا لم یکن للمیت: یعنی ذوی الارحام کسی اصحاب فرض اور عصبہ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے سوائے میاں بیوی کے کہ اگر ان کے ساتھ ہو تو باوجودیکہ وہ دونوں صاحب فرض ہیں مگر ان کے ساتھ وارث ہوتے ہیں کیونکہ میاں بیوی کو باقی ماندہ مال دوبارہ نہیں دیا جاتا برخلاف دوسرے فرض والے کہ ان کے حصوں سے اگر کچھ مال بچتا ہے تو وہ انہیں دوبارہ دیا جاتا ہے لہٰذا میاں بیوی کے علاوہ میت کا اگر کوئی عصبہ اور ذوی الارحام نہ ہو تو ذوی الارحام اس کے وارث ہوں گے۔

قولہ ذوی الارحام: یعنی جب میت کا کوئی عصبہ اور ذوی الفروض نہ ہو تو ان کے وارث ذوی الارحام ہوں گے اور وہ یہ دس قسم کے ہیں (۱) بیٹی کی اولاد (۲) بہن کی اولاد (۳) بھتیجا (۴) چچا کی بیٹی (۵) ماموں کی بیٹی (۶) خالہ کی بیٹی (۷) نانا (۸) ماموں کا چچا (۹) پھوپھی (۱۰) اخیافی بھائی کی اولاد اور جو ان کے ذریعہ میت کے رشتہ دار ہوں اور ان تمام میں مقدم وہ ہے جو میت کی اولاد ہو جیسے نواسے پھر وہ جو میت کے ماں باپ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی اولاد ہو اور وہ بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد ہے پھر میت کے والدین کے والدین کی اولاد یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی اولاد ہو اور وہ ماموں اور خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔

وإذا استوى ولد ابٍ في درجة فأولاهم من أولى بالوارث وأقربهم أولى من أبعدهم وأبو الأم أولى من ولد الأخ والأخت والمعتقُ أحق بالفاضل من سهم ذوي السهام إذا لم تكن عصبةٌ سواه ومولى الموالاة يرث وإذا ترك المعتق أب مولاه وابن مولاه فماله للابن عندهما وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى للأب السدس والباقي للابن فإن ترك جد مولاه وأخا مولاه فالمال للجد عند أبي حنيفة رحمه الله وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى هو بينهما ولا يباع الولاء ولا يوهب

ترجمہ:۔ اور جب دو وارث درجہ میں برابر ہوں تو ان میں اولیٰ وہ ہے جو میت کے زیادہ قریب ہو کسی وارث کے ذریعہ سے اور قریب والا اولیٰ ہوگا بعید والا رشتہ دار سے اور نانا اولیٰ ہے بھائی بہن کی اولاد سے اور آزاد کرنے والا زیادہ حقدار ہے بچے ہوئے مال کا ذوی الفروض سے جبکہ اس کے سوا کوئی عصبہ نہ ہو اور مولی الموالات وارث ہوتا ہے اور جب آزاد شدہ نے آزاد کنندہ کا باپ اور اس کا بیٹا چھوڑا تو اس کا مال بیٹے کا ہے طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ باپ کیلئے سدس ہے اور باقی بیٹے کا ہے پس اگر آزاد شدہ نے آزاد کنندہ کا دادا اور اس کا بھائی چھوڑا تو مال دادا کا ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ مال دونوں کا ہوگا اور ولاء کو نہ بیچا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا۔

تشریح:۔ قولہ[1] یعنی جب باپ کی اولاد درجہ میں برابر ہو تو ان میں مقدم وہ ہوگا جو کسی وارث کے ذریعہ سے میت کا زیادہ قریب ہو اور جو زیادہ قریب کا رشتہ دار ہو وہ دور کے رشتہ دار پر مقدم ہے اور نانا، بھائی بہن کی اولاد پر مقدم ہے اور ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے اور کوئی عصبہ نہ ہو تو اس کا سب سے زیادہ حقدار آزاد کرنے والا ہے اس تقدیر پر ذوی الارحام کو نہ ملے گا اور مولی الموالات وارث ہوتا ہے اور اگر کسی آزاد شدہ نے اپنے آزاد کرنے والے کا باپ اور بیٹا چھوڑا یعنی آزاد کرنے والا پہلے ہی مر چکا تھا اور اب اس کا باپ اور بیٹا موجود ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کا مال بیٹے کا ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ چھٹا حصہ باپ کا ہے اور باقی بیٹے کا۔

قولہ[2] فان ترک جد مولاہ:۔ یعنی اگر اس نے اپنے آزاد کرنے والا کا دادا اور ایک بھائی چھوڑا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مال دادا کا ہوگا صاحبین کا قول یہ ہے کہ یہ دونوں کا ہوگا یعنی دونوں کو برابر ملے گا کیونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھائی۔ دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتے صاحبین کا قول یہ ہے کہ وہ دادا کے ساتھ میراث میں شریک ہوتے ہیں۔

بابُ حسابِ الفرائض

ترجمہ:۔ فرائض کے حساب کا بیان

اذا کان فی المسئلۃ[1] نصفان او نصف وما بقی فاصلها من اثنین وان کان فیها ثلث وما بقی او ثلثان وما بقی فاصلها من ثلاثۃ وان کان فیها ربع وما بقی او ربع ونصف فاصلها من اربعۃ وان کان فیها ثمن وما بقی او ثمن ونصف فاصلها من ثمانیۃ وان کان فیها نصف وثلث او نصف وسدس فاصلها من ستۃ وتعول[3] الی سبعۃ وثمانیۃ وتسعۃ وعشرۃ

ترجمہ:- جب مسئلہ میں دو نصف ہوں یا ایک نصف اور ما بقی ہو تو اصل مسئلہ دو سے ہوگا اور جب اس میں ثلث اور ما بقی یا ثلثان اور ما بقی ہو تو اصل مسئلہ تین سے ہوگا اور جب اس میں ربع اور ما بقی یا ربع اور نصف ہو تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا اور اگر اس میں ثمن اور ما بقی یا ثمن اور نصف اور ما بقی ہو تو اصل مسئلہ آٹھ سے ہوگا اور اگر اس میں نصف اور ثلث یا نصف اور سدس ہو تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا جو سات اور آٹھ اور نو اور دس کی طرف عول کرے گا۔

تشریح:- قولہ[1] باب حساب الفرائض: اس باب میں مخارج فروض کو بیان کیا جائے گا جس کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کریم میں جو فرض حصے مذکور ہیں وہ دو طرح کے ہیں تین ایک قسم کے یعنی نصف دو کا ربع کیلئے چار کا اور ثمن کیلئے آٹھ کا اور ثلث کیلئے تین کا اور سدس کیلئے چھ کا توضیح آگے مذکور ہے۔

قولہ[2] اذا کان فی المسئلۃ:- یعنی جب مسئلہ میں دو نصف ہوں مثلاً میت نے ایک شوہر اور ایک حقیقی یا علاتی بہن چھوڑی ہو یا ایک نصف اور باقی ہو مثلاً ایک شوہر اور چچا چھوڑے ہوں تو اس کا اصل مسئلہ دو سے ہوگا اور اگر اس میں ایک تہائی اور باقی ہو مثلاً ماں اور چچا وارث ہو یا دو تہائی اور باقی ہو مثلاً دو بیٹیاں اور چچا وارث ہوں تو اصل مسئلہ تین سے ہوگا اور اگر اس میں ایک چوتھائی اور باقی ہو مثلاً ایک بیوی اور عصبہ ہو یا ایک چوتھائی اور نصف ہو مثلاً شوہر اور ایک بیٹی وارث ہو تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا اور اگر اس میں ایک آٹھواں اور باقی ہو مثلاً بیوی اور ایک بیٹا وارث ہو یا آٹھواں اور نصف ہو مثلاً بیوی اور ایک بیٹی وارث ہو تو اصل مسئلہ آٹھ سے ہوگا اور اگر اس میں نصف اور تہائی ہے مثلاً ماں اور ایک حقیقی بھائی وارث ہے یا نصف اور چھٹا حصہ ہے مثلاً ماں اور ایک بیٹی وارث ہیں تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا۔

قولہ[3] تعول الی سبعۃ وثمانیۃ:- یعنی اصل مسئلہ جو چھ سے ہوتا ہے وہ ضرورت کے وقت سات، آٹھ اور نو اور دس تک عول کر سکتا ہے یعنی اصل مسئلہ سے تمام وارثوں کو پورا پورا حصہ نہ پہنچ سکے تو بقدر ضرورت اصل مسئلہ کو بڑھا لیا جائے گا مثلاً اگر ایک شوہر اور دو بہنیں وارث ہوں تو شوہر کو نصف اور بہنوں کو دو تہائی دینا چاہیے اور چھ کا نصف تین اور اس کے دو تہائی چار ہوتے ہیں پس یہ مسئلہ تو چھ سے ہے لیکن ضرورت کے وقت وہ سات کی طرف عول ہو جائے گا علی ہذا القیاس چھ کا دس تک عول ہو سکتا ہے۔

فان[1] کان مع الربع ثلث او سدس فاصلها من اثنی عشر وتعول الی ثلاثۃ عشر وخمسۃ عشر وسبعۃ عشر واذا کان مع الثمن سدس سدسان او ثلثان فاصلها من اربعۃ وعشرین وتعول الی سبعۃ وعشرین واذا[2] عشرون مسئلۃ

علی الورثۃ فقد صحت وان لم تنقسم سہام فریق منہم علیہم فاضرب عددکم فی اصل المسئلۃ و عولہا ان کانت عائلۃ فما خرج صحت منہ المسئلۃ کامرأۃ واخوین للمرأۃ الربع سہم والاخوین ما بقی ثلاثۃ اسہم ولا تنقسم علیہما فاضرب اثنین فی اصل المسئلۃ فتکون ثمانیۃ ومنہا تقوم المسئلۃ

ترجمہ ــــ اور اگر ربع کے ساتھ ثلث یا سدس ہو تو اصل مسئلہ بارہ سے ہوگا جو تیرہ اور پندرہ اور سترہ کی طرف عول کرے گا اور جب ثمن کے ساتھ دو سدس یا دو ثلث ہو تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا اور ستائیس کی طرف عول کرے گا۔ اور جب مسئلہ ورثہ پر برابر تقسیم ہو جائے تو وہ صحیح ہو گیا اور اگر ان میں سے کسی ایک فریق کا حصہ تقسیم نہ ہو تو اس فریق کے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں اور اس کے عول میں ضرب دیں اگر عول والا ہو پس جو حاصل ضرب ہو اس سے مسئلہ صحیح ہوگا جیسے بیوی اور دو بھائی کہ بیوی کا ربع ہے ایک سہم اور دو بھائی کے باقی تین سہام ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے پس دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں تو وہ آٹھ ہو جائیں گے اور اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا۔

تشریح :ــــ قولہ وان کان مع الربع ۔ یعنی اگر چوتھائی کے ساتھ ایک تہائی یا چھٹا حصہ ہے تو اس کا اصل مسئلہ بارہ سے ہوگا اور وہ تیرہ اور پندرہ اور سترہ کی طرف عول کر سکتا ہے اور جب آٹھویں کے ساتھ دو حصے یا دو تہائی ہوں تو اس کا اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا اور یہ ضرورت کے وقت ستائیس کی طرف عول کر سکتا ہے۔

قولہ اذا انقسمت المسئلۃ ۔ یعنی جب اصل مسئلہ وارثوں پر پورا تقسیم ہو جائے تو وہ مسئلہ صحیح ہے اس میں عول وغیرہ کی ضرورت نہیں اور اگر ان میں سے کسی فریق کے حصے ان پر پورے پورے تقسیم نہ ہوں تو اس فریق کے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے اور اگر اس مسئلہ میں عول ہوا ہے تو جس عدد میں عول ہوا ہے اس میں ضرب دیا جائے پھر جو حاصل ضرب ہو اس سے صحیح مسئلہ ہوگا۔ مثلاً کسی نے ایک زوجہ اور دو بھائی وارث چھوڑے ہیں تو چوتھائی مال زوجہ کا ہے اور باقی دو بھائیوں کا مگر وہ باقی تین حصے ہیں اور وہ ان دونوں پر منقسم نہیں ہوتے لہٰذا دو کو جب اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے اور اصل مسئلہ چار سے ہے کیونکہ مسئلہ میں ربع اور ما بقی ہے تو دو کو چار میں ضرب دینے سے آٹھ ہو جائیں گے اور آٹھ سے مسئلہ صحیح ہوگا کہ زوجہ کو دو سہام اور ہر بھائی کو تین سہام ملیں گے۔

فان وافق سہامہم عددہم فاضرب وفق عددہم فی اصل المسئلۃ کامرأۃ وستۃ اخوۃ للمرأۃ الربع وللاخوۃ ثلاثۃ اسہم لا تنقسم علیہم فاضرب ثلث عددہم فی اصل المسئلۃ ومنہا تصح فان لم تنقسم سہام فریقین او اکثر فاضرب احد الفریقین فی الآخر ثم ما اجتمع فی الفریق الثالث ثم ما اجتمع فی اصل المسئلۃ

ترجمہ :ــــ پس اگر سہام اور عدد روس میں توافق ہو تو وفق عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں۔ جیسے ایک بیوی اور چھ بھائی۔ بیوی کے لئے ربع ہے اور بھائیوں کیلئے تین سہام ہیں تو ان پر تقسیم نہیں ہوتے پس ان کے

ثلث عدد یعنی دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں اور اس سے مسئلہ صحیح ہوگا پس اگر دو فریق یا اس سے زیادہ کے سہام تقسیم نہ ہوں تو ایک فریق کے عدد کو دوسرے میں ضرب دیں پھر حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے عدد میں ضرب دیں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں۔

تشریح:۔ قولہ فان وافق سهامهم ۔ یعنی اگر وارثوں کے سہام اور ان کے اعداد میں توافق ہے تو ان کے عدد کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے مثلاً ایک زوجہ اور چھ بہنیں وارث ہیں تو چوتھائی زوجہ کا ہے اور باقی کے تین سہام بہنوں کے ہیں جو ان پر برابر تقسیم نہیں ہوتے اور تین اور چھ میں توافق ہے تو چھ کے وفق یعنی دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور حاصل ضرب سے صحیح مسئلہ ہوگا۔ واضح ہو کہ توافق اس کو کہا جاتا ہے کہ دو عددوں کو کوئی تیسرا عدد ایک سے زیادہ فنا کرے جیسے آٹھ اور بیس کہ ان کو چار کا عدد فنا کرتا ہے اس تیسرے عدد یعنی چار کو وفق کہتے ہیں۔

قولہ فان لم تنقسم سهام ۔ یعنی دو یا زیادہ فریق کے سہام ورثہ پر پورے منقسم نہ ہوں تو ایک فریق کے عدد کو دوسرے فریق کے عدد میں ضرب دیا جائے پھر حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے عدد میں پھر اس آخری حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں۔ اس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ دو زوجہ اور پانچ دادیاں اور تین اخیافی بہنیں اور ایک چچا وارث ہیں اور اصل مسئلہ بارہ سے ہے جس میں سے چوتھائی یعنی تین سہام دونوں عورتوں اور چھٹا حصہ یعنی دو سہام دادیوں کے اور ایک تہائی یعنی چار سہام تین بہنوں کے اور باقی یعنی تین سہام چچا کے۔ اس صورت میں دونوں عورتوں اور دادیوں اور بہنوں کے پورے حصے نہیں بیٹھتے پس ایک فریق یعنی عورتوں کے عدد کو دوسرے فریق یعنی دادیوں کے عدد پانچ میں ضرب دیا جائے گا جس سے حاصل ضرب دس ہوں گے پھر اس حاصل ضرب اس کو تیسرے فریق یعنی بہنوں کے عدد تین میں ضرب دیں گے اس سے حاصل ضرب تیس ہوں گے پھر تیس ۳۰ کو اصل مسئلہ یعنی بارہ ۱۲ میں ضرب دیں گے اب سہام پورے تین سو ساٹھ ۳۶۰ ہو جائیں گے۔ اور اس سے یہ مسئلہ صحیح ہوگا۔

فَاِنْ تساوت الاعداد اجزأ احدهما عن الآخر كامرأتين واخوين فاضرب اثنين في اصل المسئلة وان كان احد العددين جزء من الآخر اغنى الاكثر عن الاقل كاربعة نسوة واخوين اذا ضربت الاربعة اجزأ لك عن الآخر فان وافق احد العددين الآخر ضربت وفق احدهما في جميع الآخر ثم ما اجتمع في اصل المسئلة كاربع نسوة واخت وستة اعمام فالستة توافق الاربعة بالنصف فاضرب نصف احدهما في جميع الآخر ثم في اصل المسئلة تكون ثمانية واربعين ومنها تصح المسئلة فاذا صحت المسئلة فاضرب سهام كل وارث في التركة ثم اقسم ما اجتمع على ما صحت منه الفريضة يخرج حق الوارث

ترجمہ:۔ پس اگر اعداد مساوی ہوں تو ان میں سے ایک دوسرے سے کافی ہوگا جیسے دو بیویاں اور دو بھائی

پس اصل مسئلہ میں ضرب دیں اور اگر ایک فریق کا عدد دوسرے فریق کے عدد کا جزو ہو تو اکثر اقل سے کفایت کرے گا جیسے چار بیویاں اور دو بھائی کہ جب تو نے چار کو ضرب دی تو دو دوسرے سے کفایت کرے گا پس اگر دونوں فریق کے عدد میں توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں جیسے چار بیویاں اور ایک بہن اور چھ چچا کہ چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے تو ان میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں پھر اصل مسئلہ میں ضرب دیں تو وہ اڑتالیس ہو جائیں گے اور اس سے مسئلہ صحیح ہو گا پس جب مسئلہ صحیح ہو جائے تو ہر وارث کے سہام کو ترکہ میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو اس پر تقسیم کریں جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے تو ہر وارث کا حق نکل آئے گا۔

تشریح: — قولہ فان تساوت الاعداد: یعنی اگر دونوں فریق کے اعداد مساوی ہوں تو ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں مثلاً دو زوجہ اور دو بھائی وارث ہیں تو اصل مسئلہ میں ضرب دے دیں۔ اس صورت میں اصل مسئلہ چار سے ہوگا جس میں سے چوتھائی یعنی ایک سہام دونوں زوجہ کا جو ان پر پورا نہیں بیٹھتا اور باقی تین سہام دونوں بھائیوں کے اور یہ بھی ان پر پورے تقسیم نہیں ہوتے پس دو کو اصل مسئلہ یعنی چار میں ضرب دینے سے آٹھ ہو جائیں گے جس میں سے دو سہام دونوں عورتوں کے اور چھ سہام دونوں بھائیوں کے اور اگر ایک فریق کا عدد دوسرے فریق کے عدد کا جزو ہو تو بڑے عدد کو ضرب دینا کافی ہے مثلاً چار عورتیں اور دو بھائی وارث ہیں تو جب آپ نے چار کو ضرب دیا پھر دو کو ضرب دینے کی ضرورت نہیں۔

قولہ فان وافق احد العددین: یعنی دونوں فریق کے عددوں میں اگر توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے مثلاً چار زوجہ اور ایک بہن اور چھ چچا وارث ہیں اور چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے۔ دو عددوں میں توافق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں کا چھوٹا عدد بڑے عدد کو پورا تقسیم نہ کرے البتہ کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو پورا تقسیم کر دے مثلاً چار اور چھ میں دو کا عدد ایسا ہے کہ ان دونوں کو نصفا نصف تقسیم کر دیتا ہے پس چھ اور چار میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں پھر حاصل ضرب کو اس مسئلہ میں ضرب دینے سے اڑتالیس ہو جائیں گے اور وہ مسئلہ صحیح ہوگا۔ پس جب مسئلہ صحیح ہو جائے گا تو ہر وارث کے سہام کو ترکہ میں ضرب دیا جائے اور جو حاصل ضرب ہو اس کو اس عدد پر تقسیم کریں جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے اس طرح سے ہر وارث کا حق نکل آئے گا۔

وَاِذَا لَمْ تَنْقَسِمِ التَّرِكَةُ حَتّٰى مَاتَ اَحَدُ الْوَرَثَةِ فَاِنْ كَانَ نَصِيْبُهٗ مِنَ الْمَيِّتِ الْاَوَّلِ يَنْقَسِمُ عَلٰى عَدَدِ وَرَثَتِهٖ فَقَدْ صَحَّتِ الْمَسْئَلَتَانِ مِمَّا صَحَّتِ الْاُوْلٰى وَاِنْ لَمْ تَنْقَسِمْ صَحَّتْ فَرِيْضَةُ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ بِالطَّرِيْقَةِ الَّتِيْ ذَكَرْنَاهَا ثُمَّ ضُرِبَتْ اِحْدَى الْمَسْئَلَتَيْنِ فِي الْاُخْرٰى وَاِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ سِهَامِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ وَمَا صَحَّتْ مِنْهُ فَرِيْضَتُهٗ مُوَافَقَةٌ فَاِنْ كَانَتْ سِهَامُهُمْ مُوَافِقَةً فَاضْرِبْ وَفْقَ الْمَسْئَلَةِ الثَّانِيَةِ فِي الْاُوْلٰى فَمَا اجْتَمَعَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَتَانِ وَكُلُّ مَنْ لَهٗ شَيْءٌ مِنَ

المسئلة الاولى مضروبٌ فيما صحت منه المسئلة الثانية ومن كان له شئ من المسئلة الثانية مضروبٌ فى وفق تركة الميت الثانى واذا صحت مسئلة المناسخة واردت معرفة ما يصيب كل واحد من حساب الدراهم قسمت ما صحت منه المسئلة على ثمانية واربعين فما خرج اخذت له من سهام كل وارث واحد والله اعلم بالصواب

ترجمہ: ـــــ اور ترکہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ کوئی وارث مرگیا پس اگر وہ جو اس کو پہلی میت سے پہونچتا ہے اس کے وارثوں کے عدد پر تقسیم ہو جاتا ہے تو دونوں مسئلے صحیح ہو جائیں گے اسی سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا ہے اور اگر تقسیم نہ ہو تو میت ثانی کا فریضہ اس طریقہ سے صحیح ہوگا جس کو ہم نے ذکر کیا ہے پھر آپ دو مسئلوں میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دیں گے اگر نہ ہو میت ثانی کے سہام میں اور اس میں جس سے فریضۂ صحت صحیح ہوا ہے پس اگر ان کے سہام میں موافقت ہو تو دوسرے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ میں ضرب دیں پس جو حاصل ضرب ہو اسی سے دونوں مسئلے صحیح ہو جائیں گے اور جس کو پہلے مسئلے سے کچھ ملا ہے وہ اسی سے ضرب دیا جائے گا جس سے دوسرا مسئلہ صحیح ہوا ہے اور جس کو دوسرے مسئلہ سے کچھ ملا ہے وہ میت ثانی کے ترکہ کے وفق سے ضرب دیا جائے گا اور جب مناسخہ کا مسئلہ صحیح ہو جائے اور آپ اس حصہ کو معلوم کرنا چاہیں جو ہر ایک کو دراہم کے حساب سے پہونچتا ہے تو اس عدد کو تقسیم کر دے جس سے مسئلہ اڑتالیس پر صحیح ہوا پھر جو خارج قسمت ہو ہر وارث کے سہام سے اس کا حصہ لیلے۔ اللہ تعالیٰ درستگی کو زیادہ جاننے والا ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ وان لم تقسم الترکة، یعنی اگر ایسی صورت ہے کہ ترکہ ابھی تقسیم نہیں ہوا تھا کہ اس کا ایک وارث مرگیا پس اگر اس کا وہ حصہ جو پہلی میت سے اس کو پہونچتا تھا اس کے وارثوں کے عدد پر پورا تقسیم ہو جائے تو یہ دونوں مسئلے اس عدد سے صحیح ہو جائیں گے جس سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا تھا اور اگر وہ پورا تقسیم نہیں ہوتا تو اس دوسری میت کا فریضہ اس طریقہ سے صحیح ہوگا جو اوپر مذکور ہوا اور اگر دوسری میت کے سہام اور جس سے فریضہ صحیح ہوا ہے ان دونوں میں توافق نہیں تو ایک مسئلہ کو دوسرے میں ضرب دیا جائے اور اگر ان کے سہام میں توافق ہے تو دوسرے مسئلہ میں ضرب دیا جائے پھر اس سے جو حاصل ضرب ہو اسی سے یہ دونوں مسئلے صحیح ہو جائیں گے۔ اس مسئلہ کی صورت مثلاً یہ ہے کہ ایک عورت کے دو بھائی اور ایک شوہر وارث تھے جو مسئلہ چار سے صحیح ہوتا تھا پھر شوہر مرگیا اور اس نے چار بیٹے چھوڑے اور یہ اصل مسئلہ یعنی چار سے ہوتا ہے اور ان دونوں میں توافق بالنصف ہے تو اب ان کے نصف عدد کو یعنی دو کو دوسرے کے کل میں ضرب دینے سے آٹھ ہو جائیں گے دونوں مسئلے اسی سے صحیح ہوں گے چار سہام دونوں بھائیوں کے اور چار سہام شوہر کے بیٹوں کے اور جس وارث کو پہلے مسئلہ سے کچھ ملا ہو وہ اس میں ضرب دیا جائے جس سے دوسرا مسئلہ صحیح ہوا ہے اور جس کو دوسرے مسئلہ سے کچھ ملا ہو وہ دوسری میت کے ترکہ کے وفق میں ضرب دیا جائے۔ اور جب

مناسخہ کا مسئلہ صحیح ہو جائے اور یہ معلوم کرنا چاہیں جو درہموں وغیرہ کے حساب سے ہر حصہ دار وارث کو پہنچتا ہے تو جس عدد سے مسئلہ صحیح ہوا ہے اس کو اڑتالیس پر تقسیم کر دیں پھر جو خارج قسمت ہو ہر وارث کے سہام سے اس کا حصہ لے لیا جائے۔

هذا ما تيسر للعبد الاحقر محمد المدعو بمحمد شبير الغوريوري الرشيدي النعيمي الاشرفي بتوفيق الملك الرشيد النعيم الاشرف قد كان شرعه في حادي وعشرين من شهر ربيع الآخر سنة احدى وعشرين بعد الف واربع مائة (۲۲ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ) فرغ عنه في عاشر من شهر صفر المظفر سنة ثاني وعشرين بعد الف واربع مائة (۱۰ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ) من هجرة النبي الكريم عليه الصلوٰة والتسليم۔

الحمد لله اولاً وآخراً والصلوٰة والسلام على نبيه المصطفىٰ وعلى آله وصحبه البررة التقى ظاهراً وباطناً۔